شرح الفاظ القرآن
قرآن پاک کی تفسیری لغت
www.KitaboSunnat.com
تالیف: مولانا عبدالرشید گجراتیؒ
مقدمہ: شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ
پسندیدہ فرمودہ
مولانا عبدالرشید نعمانیؒ
مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
مفتی نظام الدین شامزئیؒ
۲
ناشر
شمسی پبلشنگ ہاؤس
جامعہ یوسفیہ بنوریہ شرف آباد کراچی

ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ
شرح الفاظ القرآن
یعنی
قرآنِ پاک کی تفسیری لغت
جلد دوم
مؤلفہ
مولانا عبدالرشید گجراتی
شائع کردہ
شمسی پبلشنگ ہاؤس
متصل جامعہ یوسفیہ بنوریہ شرف آباد سوسائٹی کراچی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اشاعت ثانی: جمادی اُولیٰ ۱۴۲۷ھ جولائی ۲۰۰۶ء

کتاب: شرح الفاظ قرآن

تالیف: مولانا عبدالرشید گجراتی

مطبع: اوکھائی پرنٹنگ پریس

ناشر: مولانا محمد یوسف شمسی

شمسی پبلیشنگ کمپنی

جامعہ یوسفیہ بنوریہ، شرف آباد۔ کراچی

اسٹاکسٹ

ادارۃ الانور۔ علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن کراچی۔

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ بنوریہ۔ سید محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن کراچی۔

۲۔ مکتبہ رشیدیہ۔ بالمقابل مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی۔

۳۔ اقبال بک ہاؤس صدر کراچی

۴۔ [illegible]

شرح الفاظ القرآن مِن سُورۃ طٰہٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طٰہٰ: طٰہٰ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی (آیت نمبر۲) اس واسطے نہیں اتارا ہمنے تجھ پر قرآن کہ تو محنت میں پڑے (معارف)

لفظ طٰہٰ کی تفسیر میں دو قول ہیں، ایک تو یہ کہ دونوں حروف تہجی میں سے ہیں جو سورتوں کی ابتدا میں آتے ہیں اور حروف مقطعات کہلاتے ہیں۔

مجاہد جو دور تابعین کے مشہور مفسر ہیں ان سے بھی ایک قول یہی مروی ہے، علامہ آلوسی نے اس قول کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ بل قیل: ھی کذ الك عند جمھور المتقنین تمام اہل فن اور ماہرین کے نزدیک یہی درست ہے

دوسرا قول یہ ہے کہ طٰہٰ ایک بامعنی کلمہ ہے مگر اختلاف اسمیں ہے کہ اس بامعنی کلمہ کے معنی ہیں کیا؟ اور یہ کونسی زبان کا لفظ ہے، عربی ہے یا غیر عربی۔ جن حضرات کے نزدیک یہ کلمہ بامعنی ہے اُنھوں نے اس کے معنی اے شخص، یا رجُل اور یا فلاں وغیرہ کے بیان کئے ہیں، سُدّی کہتے ہیں کہ طٰہٰ کے معنی ہیں اے فلاں، اور حضرت ابن عباسؓ سے تابعینؒ کی ایک جماعت نے "یا رجُل" کے معنی نقل کئے ہیں۔ اور یہی معنی حضرت حسن بصری، سعید بن جبیر، عطار اور عکرمہ سے منقول ہیں۔ اور ایک روایت مجاہد سے بھی انھیں معنی کی تائید میں ہے علامہ بیہقی نے بھی ابن عباسؓ کا یہی قول نقل کیا ہے البتہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ طٰہٰ کے یہ معنی قبطی زبان میں ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن جریر طبری نے سُدّی، سعید بن جبیر اور ابن عباسؓ کا یہی قول نقل کیا ہے اور امام ثوری کا قول بھی ابن کثیر نے یہی نقل کیا ہے، وفی روایۃ عن ابن عباس وسعید بن جبیر والثوری انّھا کلمۃ بالنبطیۃ معناھا یا رجل (ابن کثیر) یعنی ان حضرات کے نزدیک یہ نبطی زبان کا کلمہ ہے جس کے معنی یا رجُل کے ہیں۔ اور بعض حضرات نے اسکو سُریانی زبان کا کلمہ قرار دیا ہے، اور بعض نے عبرانی بھی کہا ہے۔ لیکن صحیح اور درست یہ ہے کہ طٰہٰ عربی ہے اگرچہ دوسری زبانوں میں بھی اس کے یہ معنی آتے ہیں۔

امام قرطبی لکھتے ہیں کہ والصحیح انھا وان وجدت فی لغۃ اُخری فانّھا من لغۃ العرب کما ذکرنا، وانھا لغۃ یمنیۃ فی عَكٍ وطیّ وعکل ایضا (قرطبی)

صحیح یہ ہے کہ طٰہٰ اگرچہ دوسری زبانوں میں بولا جاتا ہے مگر یہ عربی ہے، اور نیز یمن کے قبائل عک، طیّ اور عکل کے نزدیک بھی طٰہٰ کے معنی یا رجُل کے ہیں۔ چنانچہ قبیلۂ عک کے آدمیوں سے اگر کسی کو یا رجُل کہہ کر بلایا جائے تو وہ جواب نہیں دیتا حتّٰی کہ طٰہٰ نہ کہا جائے۔ علامہ قرطبی نے طبری کے حوالہ سے متمم ابن نُوَیرہ کا ایک شعر نقل کیا ہے ؎

دعوت بطٰہٰ فی القتال فلم یجُبْ
فَخِفتُ علیہ ان یکون مُوائِلاً

میں نے اسے 'اے شخص' کہہ کر جنگ میں پکارا تو اُسنے جواب نہیں دیا اور مجھے یہ ڈر ہوا کہ کہیں ہاتھ سے نہ چلا جائے۔ اور بعض نسخوں میں مُوائلاً کی بجائے مُزَائِلاً ہے۔

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے کہ ؎

انّ السَّفَاھَۃ طٰہٰ من شمَائِلِکُم
لابارکَ اللّٰہ فی القوم الملاعِیْنِ

بلاشبہ اے شخص حماقت تو تمہاری عادات میں سے ہے۔ خدا لعنتی لوگوں کو برکت نہ دے،

صاحب کشاف نے یہاں ایک اور بات کہی ہے جسکا مدار محض قیاس پر ہے کہ شاید قبیلہ عک نے یا ھذا میں تصرف کرکے طٰہٰ بنایا ہو بایں طور کہ یا کو طا سے بدل کر طا کہنے لگے اور پھر ھٰذا اختصار کرکے صرف ھا پر اکتفا کر لیا ہو اور یا ھٰذا کی جگہ طٰہٰ ہو گیا۔ لیکن علامہ آلوسی نے اس پر ابو حیان کا اعتراض نقل کیا ہے کہ عربی زبان میں یا وھا، ندا کا طا سے بدلنے کا کہیں وجود ہی نہیں ملتا اور نہ کوئی اسم اشارہ کو حذف کرکے اس کے قائم مقام ھا، تنبیہ کو کرتا ہے اور نہ کوئی نحوی اسکا قائل ہے (روح)

تَشْقٰی : شَقَاءٌ سے مشتق ہے جس کے معنی تعب اور مشقت کے ہیں (معارف)

شَقِیَ یَشْقٰی شَقْوَۃً وشَقَاوَۃً وشَقَاءً شَقَاوَۃٌ کے معنی اصل میں بدبختی کے ہیں یہ ہر اعتبار سے سعادت کی ضد ہے، اَشْقَی اللّٰہُ فُلَانًا، بدبخت بنانا، لغت کے ماہر علماء نے اسکی تصریح کی ہے کہ شَقَاءٌ تَعَبٌ اور رنج کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے شَقَیْتُ فِی کذا مجھے اسمیں محنت اُٹھانی پڑی، والشَّقَاءُ یَجِیْئُ فی معنی التعب ومنہ المثل: اَشْقٰی مِنْ رائِضِ مُھْرٍ (کشاف) بچھڑے سدھانے والے سے بھی بدبخت

والشَّقَاء : الشِّدَّةُ والعُسْرُ (لسان)
وَاَصْلُ الشَّقَاءِ فی اللغۃ : العناء و
التعب ای مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ القراٰن
لِتَتْعَبَ (قرطبی)

تَحْتَ الثَّرٰی : الثَّرٰی، نمناک

گیلی مٹی کو کہتے ہیں جو زمین کھودنے کے وقت
نکلتی ہے۔ الثری فی اللغۃ التراب
الندی (کبیر)
الثَّرٰی : التراب النَّدِیُّ وقیل ھو
التراب الذی اذا بُلَّ لم یصر طینًا
لَازِبًا (لسان)
وَمَا تحت الثَّرٰی۔ گیلی زمین کے نیچے،
مطلب یہ ہے کہ مخلوقات کا علم تو صرف
ثریٰ تک ختم ہو جاتا ہے۔ ثریٰ کے آگے
کیا ہے اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے
اس نئی تحقیق و ریسرچ اور آلات جدیدہ
اور سائنس کی انتہائی ترقی کے باوجود اب
سے چند سال زمین کو برما کر ایک طرف سے
دوسری طرف نکل جانے کی کوشش تو
جاری رہی، ان سب تحقیقات اور کوششوں
کا نتیجہ اخبارات میں سب کے سامنے
آچکا ہے کہ صرف چھ میل کی گہرائی تک یہ
آلات جدیدہ کام کر سکے آگے ایک ایسا
غلاف حجر ثابت ہوا جہاں کھودنے کے سارے
آلات اور سائنس جدیدہ کے تمام انکار عاجز
ہو گئے صرف چھ میل تک کا علم انسان حاصل
کر سکتا ہے جبکہ زمین کا قطر ہزاروں میل کا
ہے اس لئے اس اقرار کے سوا چارہ نہیں ہے
کہ ما تحت الثَّرٰی کا علم حق تعالیٰ ہی کی
مخصوص صفت ہے (معارف ملخصًا)
اَلثُّرَیَّا : مالدار عورت، سات ستاروں
کا ایک مجموعہ۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ فضاء
آسمانی کی بلندیوں سے لیکر زمین کی انتہائی
پستیوں تک، یعنی ثریا سے ثریٰ تک جو
کچھ بھی خلعت وجود سے آراستہ ہے اللہ
ہی کے قبضۂ قدرت و احاطۂ ملکیت اور
دائرہ حکم و اقتدار اور تصرف میں ہے۔
اَلثَّرٰی۔ اسم ہے۔ جمع اَثْرَاءٌ ہے تثنیہ
ثَرَیَانِ اور ثَرَوَانِ آتا ہے (روح)
ثَرٰی : خاک نمناک و زیر زمین (منتخب)
محمد بن کعب اور سدی وغیرہ سے منقول ہے
کہ ثریٰ سے مراد وہ چٹان ہے جو ساتویں
زمین کے نیچے ہے ھو الصَّخْرَۃُ التی
تحت الارض السابعۃ (کشاف)
ثَرِیَ (س) ثَرًی ثَرِیَ التُّرْبَۃُ
زمین کا خشک ہونے کے بعد نرم ہونا۔

ثَرَیَ الرَّجُلُ - آدمی کا بہت مالدار ہونا الثَّرٰی والثَّروَۃُ مال کی کثرت یا قوم کی کثرت ثَرَیَ اللّٰہُ القوم - خدا نے قوم کو زیادہ کیا، اور لَیْسَ الثَّرٰی بَیْنَہُمْ محاورہ ہے، ان کے درمیان مٹی خشک ہو گئی، یعنی دوست سے دشمن ہو گئے، ان کے دلوں سے محبت کی تری خشک ہو گئی

قَبَسٍ : لَعَلِّیٓ اٰتِیْکُمْ مِّنْھَا بِقَبَسٍ : (آیت نمبر ۱۰) اَلْقَبَسُ، آگ کا شعلہ یا اس کی چنگاری جو شعلہ سے لیجائے، اَلْقَبَسُ وَالاقْتِبَاسُ، بڑی آگ سے کچھ آگ لینا، اور مجازاً علم و ہدایت کی طلب پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِکُمْ ہماری طرف نظر شفقت کیجئے کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں اور اَقْبَسْتُہٗ نَارًا اوعِلْمًا : میں نے اسے آگ دی یا علم سکھایا،

اَلقَبِیْسُ : وہ سانڈ جو تیزی کے ساتھ مادہ کو حاملہ کر دے - گویا سرعت میں وہ شعلہ کی طرح ہے (راغب)

قَبَسٌ اور مقباسٌ : دونوں کے ایک معنی ہیں - آگ کا وہ شعلہ جو بڑی آگ سے لیا جائے - مقباسٌ آگ لینے کا آلہ اور وہ چیز جس سے آگ لی جائے - وَالْقَبَسُ شُعْلَۃٌ مِّنْ نَارٍ وکذالک المقباسُ (قرطبی) قَبَسَ (ض) قبسًا

قَبَسَ مِنْہُ النَّارَ، آگ کو بصورت شعلہ لینا - قَبَسَ العِلْمَ علم حاصل کرنا علم سے فائدہ اٹھانا - قَبَسَہُ النَّارَ، کسی کے لئے آگ لانا - اَلْقَابِسُ : فاعل: آگ کا طالب، جمع اقباسٌ : اَلْقَابُوْسُ خوبصورت آدمی گورے رنگ والا

لَعَلِّیٓ اٰتِیْکُمْ مِنْھَا بِقَبَسٍ شاید لے آؤں تمہارے پاس اس میں سے سلگا کر۔

اِخْلَعْ : فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ، سو اپنی جوتیاں اتار دیجئے - اَلْخَلَعُ کے معنی اتارنے کے ہیں - اور انسان کا اپنے کپڑے وغیرہ اور گھوڑے کے پوزی اور جھول وغیرہ اتارنے پر بولا جاتا ہے خَلَعَ یَخْلَعُ خَلْعًا خَلَعَ الشَّیْءَ کسی چیز کو اتارنا، خَلَعَ القائد قائد کو معزول کرنا، عہدہ سے ہٹا دینا خَلَعَ اِمْرَاَتَہٗ خُلْعًا، مال کے عوض طلاق دینا - عورت کے گلے سے بندش نکاح کو اتار دینا -

خَلَعَ اِبْنَہٗ : لڑکے کو عاق کرنا

خَلَعَ اِمْرَأَتَہٗ: عورت سے خلع کرنا، مال لیکر طلاق دینا فُلَانٌ مَخْلُوْعٌ: وہ پاگل ہے صفت مفعولی خَلِیْعٌ آتی ہے، خَلِیْعٌ عاق کیا ہوا لڑکا ۔ معزول کیا ہوا حاکم ۔ خَلَعَ کا صلہ جب علیٰ آئے تو اس کے معنی بخشش کے آتے ہیں جیسے خَلَعَ فلانٌ علٰی فلانٍ فلان نے اُسے خلعت دی لیکن بخشش کے معنی اس میں اسوقت ہونگے جب اسکا صلہ علی ہوگا ورنہ اسکے بغیر یہ معنی صحیح نہیں ہوتے ۔

وَالْخَلَع :النزعُ (قرطبی) وخَلَعَ النعل والثوب والرّداء یَخْلَعُہٗ جرّدہٗ (لسان)

نَعْلٌ: فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ : نَعْلٌ جوتا کو کہتے ہیں ۔ تثنیہ نعلین ہے نون اضافت کی وجہ سے گرگیا ہے جمع نِعالٌ آتی ہے، نَعَلَ القَوْمَ قوم کو جوتے عطا کرنا تشبیہ کے طور پر گھوڑے کی سم کی حفاظت کے لئے جو چمڑا اور لوہا لگایا جاتا ہے، اُسے بھی نَعْلُ الفرسِ کہتے ہیں اَنْعَلَ (افعال) الفرسَ ونَعَلَ (ف) ، گھوڑے کے نعل لگانا ، النَّعْلَۃُ : ہروہ چیز جس سے قدم کو زمین سے بچایا جاسکے ۔ النَّعْلُ و النَّعْلَۃُ مَا وَقَیْتَ بِہِ القَدَمَ من الارض قال: النَّعْلُ مونثۃٌ وھی التی تلبس فی المشی تسمّی الاٰن تاسُومَۃٌ (لسان) تَنْعِیْلٌ : جانور کو لوہے کے نعل لگانا ۔ نَعْلٌ فرد ایک تلے کی جوتی ، یَاخَیْرَ مَنْ یَّمْشِیْ بِنَعْلٍ فَرْدٍ : اے بہتر اُن لوگوں کے جو ایک تلے والی جوتی پہن کر چلتے ہیں ۔ عرب میں ایک تلے والی جوتی پہننا امراء کی علامت تھی ۔ اسکے برعکس غریب لوگ تین تین تلوں کی جوتیاں استعمال کرتے ہیں کہ جلدی نہ گھسیں ، اسکو نَعْلٌ مُطْوَقٌ کہتے ہیں یعنی کئی تلوں والی جوتی ۔

طُوًی: اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ، (آیت نمبر ۱۲) بیشک تم ایک پاک میدان میں یعنی طوی میں ہو ۔ طوی اُس میدان کا نام ہے جو جزیرہ نمائے سینا میں کوہ سینا کے عین دامن میں واقع ہے ۔ (ماجدی) جوہری کہتے ہیں کہ طوی شام میں ایک جگہ کا نام ہے اور اور اسکو طاء کے ضمہ اور کسرہ دونوں سے پڑھا جاتا ہے یعنی طُوًی اور طِوًی ۔ اسی طرح منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح اہل لغت نے پڑھا ہے جس نے اس کو منصرف پڑھا ہے اُس

نے اس کو وادی اور مکان کا نام قرار دیا ہے اور اُسے نکرہ بنایا ہے، اور جس نے غیر منصرف کہا ہے اُس نے اسے شہر اور مقام کا نام قرار دیا ہے اور معرفہ بنایا ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ طُوًی مثل طِوًی کے ہیں جس کے معنی ہیں شیٔ مثنی یعنی وہ چیز جس کو دوبارہ عمل میں لایا جائے۔ یہ لوگ وادِ المقدّسِ طُوًی کا ترجمہ یوں کرتے ہیں، وہ وادی کہ جس کی دو دفعہ تقدیس کی گئی ہے۔ وقالوا فی قوله المقدس طوًی طُوِیَ مرّتین ای قدّس (قرطبی)

علامہ راغب لکھتے ہیں کہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ طوًی اس وادی کا نام ہے جہاں حضرت موسٰی علیہ السلام پہنچ چکے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ طوًی اس مرتبہ کی طرف اشارہ ہے جس سے ان کو اجتبار کے طور پر نوازا گیا تھا، اگر وہ اس مرتبہ کو مساعی اور عمل سے حاصل کرنا چاہتے تو اس قدر طویل مسافت کو طے نہیں کر سکتے تھے۔

وادی نبوت تک پہنچنے کی تمام مسافتیں اُن کے لئے لپیٹ دی گئیں۔ پھر اگر اسے وادی کا نام قرار دیا جائے تو اسے غیر منصرف بھی پڑھ سکتے ہیں اور منصرف بھی، اور اگر اسے طَوَیتُ کا مصدر مانا جائے تو پھر اس کو منصرف ہی پڑھا جائے گا، اور ثَنًی بالفتح اور ثِنًی کی طرح بالکسر، فاکلمہ کو جو طار ہے دونوں حرکتوں سے پڑھنا جائز ہے۔ اس صورت میں آیت کے معنی ہونگے نَادَیْنٰهُ مَرَّتَیْنِ کہ ہم نے موسٰی کو دو مرتبہ پکارا۔ علامہ آلوسی نے تصریح کی ہے کہ یہ وادی کا نام ہے وَلَا یَخْفیٰ علیك انّ الاَظْهَرَ کونهٗ اِسما للوادی فی جَمِیْعِ القِرَاٰات (روح)

وطُوًی: اسمٌ لِلوادی (قرطبی)

طَوَیْتُ الشّیٔ طَیًّا: کے معنی ہیں کسی چیز اسطرح لپیٹنا جیسا کہ کپڑے کو اسکی درز پر لپیٹ دیا جاتا ہے۔ قرآن پاک کی آیت کریمہ یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ، جس دن ہم آسمان کو اسی طرح لپیٹ لیں گے جس طرح لکھے ہوئے کاغذوں کا طومار لپیٹ دیا جاتا ہے اسی معنی میں ہے اور طَوَی اللّٰہُ عمرہٗ اللہ نے اس کی زندگی پوری کردی۔

اِسْتَمِعْ: فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی: اِسْتَمِعْ باب انتعال کے مصدر استماع سے امر کا صیغہ ہے۔ استماع کے معنی توجہ اور اہتمام کے ساتھ سُننے کے ہیں۔ یہ جملہ اصل بات کہنے سے پہلے پوری طرح متوجہ کرنے کے لئے ہے۔

یعنی میں نے تمہیں اپنے کارِ خاص فریضہ نبوت و رسالت کے لئے منتخب فرمایا ہے، تو جو کچھ تم پر وحی کی جارہی ہے اسکو غور اور توجہ سے سنو! اس میں اُس تعظیم و تکریم کی طرف بھی اشارہ ہے جو منصبِ نبوت پر سرفراز ہونے کے سبب حضرت موسٰی کو حاصل ہوئی اور عظیم ذمہ داری کیطرف بھی جو حضرت موسٰی پر اس منصبِ نبوت کی بدولت عائد کی گئی (تدبر)

حضرت وہب بن منبہؒ سے منقول ہے کہ قرآن سُننے کے آداب میں سے یہ ہے کہ انسان اپنے تمام اعضاء کو فضول حرکت سے روکے کہ دوسرے شغل میں کوئی عضو نہ لگے، اور نظریں نیچی رکھے اور جو شخص اس اہتمام اور آداب کے ساتھ قرآن پاک سُنے گا خدا اس کو سمجھنے کی توفیق بھی عطا کریگا، اور سفیان بن عیینہ سے منقول ہے کہ علم کا پہلا درجہ استماع یعنی خوب غور اور آداب سے سُننا ہے (قرطبی)

فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحٰى : تو کان لگا کے سُن جو وحی کیا جارہا ہے۔ اِسْتَمَعَ لَهٗ وَتَسَمَّعَ اِلَيْهِ : اَصْغٰى (لسان)

اَتَوَكَّؤُا : اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى (آیت نمبر ۱۸) الوِکَاء : کے معنی کسی چیز کا سر بند ہونا کے ہیں اور کبھی وِکَارٌ اس ظرف کو بھی کہہ دیتے ہیں جسمیں کوئی چیز ڈالکر اسکا منہ بند کرلیا جاتا ہے اسی سے اَوْكَاءَتُ فُلَانًا ہے جس کے معنی کسی کے تکیہ لگانے کے ہیں۔ تَوَكَّاءَ عَلَى العَصَاء، اس نے عصا پر ٹیک لگائی۔ اَتَوَكَّؤُا، میں ٹیک لگاتا ہوں۔ سہارا لیتا ہوں تَوَكُّؤٌ سے واحد متکلم مضارع کا صیغہ ہے (دیکھئے لفظ مُتَّكَاءً سورۃ یوسف)

اَهُشُّ : هَشَّ يَهُشُّ هَشًّا: هَشَّ وَرَقَ الشَّجَرِ۔ درخت کے پتے جھاڑنا اکثر اہلِ تفسیر نے هَشَّ کے معنی درخت سے پتے جھاڑنے کے بیان کئے ہیں مگر عکبری نے اس کے معنی اَقُوْمُ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ کے کئے ہیں۔ یعنی میں اس عصاء سے اپنی بکریوں کی چرواہی کرتا ہوں اور انکی حفاظت کرتا ہوں لیکن عکبری کے بیان کردہ معنی کی لغت سے تائید نہیں ملتی۔

اصل میں ھش کے معنی کسی نرم چیز کو حرکت دینے کے ہیں۔ درخت کے پتے بھی چونکہ نرم ہوتے ہیں اس لئے ان پر هَشَّ

کا لفظ بولا جاتا ہے هَشَّ الْوَرَقَ اس نے درخت سے پتے جھاڑے هَشَّ الرَّغِيْفُ فِي التَّنُّوْرِ۔ روٹی کا تنور میں پھول کر نرم ہو جانا۔ رَجُلٌ هَشُّ الْوَجْهِ خوش مزاج اور ہشاش آدمی۔ اور فُلَانٌ ذُوْ هَشَاشٍ، نرم طبیعت والا سخی مرد۔ ہر وہ چیز جس میں نرمی اور رخاوۃ ہو هَشٌّ اور هَشِيْشٌ کہا جاتا ہے۔

اَلْهَشُّ وَالْهَشِيْشُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مافيه رخاوة ولِيْنٌ (لسان)

والاصل فى الكلمة الرّخاوة (قرطبی)

مَآرِبُ : وَلِيَ فِيْهَا مَآرِبُ اُخْرٰى

یعنی میں اس سے اور بھی بہت سے کام لیا کرتا ہوں۔ مَآرِبُ جمع ہے بمعنی حوائج اس کی واحد مَاْرَبَةٌ

اَرِبَ الدهر : زمانے کے شدائد کا غلبہ

الاَرِيْبُ : ذھین۔ عقلمند

(بفتح الراء) مَاْرَبَةٌ بالضم اور مَاْرِبَةٌ بالکسر تینوں لغات ہیں (قرطبی)

اَرَبٌ کے معنی اصل میں سخت احتیاج کے ہیں جس کو پورا کرنے کے لئے حیلہ کرنے کی ضرورت پڑے، یہ حاجت کے مقابلے میں خاص ہے۔ کیونکہ حاجت عام ہے اس کو رفع کرنے کے لئے حیلہ کرنا پڑے یا نہ، پھر اَرَبٌ کا لفظ صرف حاجت کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا ہے، خواہ اس کو پورا کرنے میں حیلہ اور تدبیر کرنا پڑے یا نہ کرنا پڑے۔ اَرِبَ اِلَيْهِ اَرَبًا و مَاْرَبَةً کسی چیز کا سخت محتاج ہونا۔

غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ، وہ خدمت گزار مرد جو عورتوں کی ہوس نہ رکھتے ہوں یہاں اِرْبَة سے بطور کنایہ حاجتِ نکاح مراد ہے۔ غَيْرِ اُولِي الاربَةِ سے مراد اصل میں خفیف العمر ہیں جو نکاح کی خواہش سے گزر چکے ہوں۔ خواہ وہ خدمتگذار ہوں یا زیر سرپرستی ہوں۔

الاربَةُ وَالْاِرْبُ : الحاجة، واَرِبَ اِلَيْهِ۔ يَاْرَبُ اَرَبًا، اِحْتَاجَ (لسان)

الْاُرْبَةُ : وہ گرہ جو کھل نہ سکے۔

اَرَبٌ اُرْبَةٌ اِرْبَةٌ مَاْرَبَةٌ، یہ مصادر ہیں۔ حاجت مند ہونا۔ اَرَبٌ کی جمع آرابٌ اور آرَابٌ آتی ہے اور مَاْرَبَةٌ کی جمع مَآرِبُ ہے۔

حَيَّةٌ : وَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں جو لاٹھی تھی وہ بحکمِ ربانی ڈالدینے سے سانپ بن گئی

اس سانپ کے بارے میں قرآن پاک میں مختلف
الفاظ آئے ہیں۔ ایک آیت میں تو یہ ہے
کہ کَاَنَّھَا جَانٌّ گویا کہ وہ ایک تیز رو
سانپ ہے۔ جانٌّ عربی لغت میں چھوٹے
اور پتلے سانپ کو کہتے ہیں اور دوسری جگہ
ثُعْبَانٌ کا لفظ آیا ہے۔ ثُعْبَانٌ کے معنی
اژدھا اور بڑے موٹے سانپ کے ہیں اور
اس آیت کریمہ میں لفظ حَیَّۃ آیا ہے ان
تینوں الفاظ میں کوئی منافات نہیں ہے
بلکہ یہ لاٹھی کی مختلف کیفیات کا بیان ہے
کہ شروع میں تو سانپ پتلا تھا جسکو جانٌّ
کہا گیا ہے۔ تیز دوڑنے والا۔ بعد میں بڑھ کر
اژدھا بن گیا جو نہایت خوفناک تھا باقی
حَیَّۃٌ کا لفظ عام ہے ہر چھوٹے بڑے سانپ
پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

حَیَّۃٌ۔ مذکر اور مؤنث دونوں پر بولا جاتا
ہے جمع حَیَّاتٌ آتی ہے۔

اُضْمُمْ : وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰی
جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ
ضَمَّ یَضُمُّ ضَمًّا : دو یا دو سے زائد
چیزوں کا باہم ملا دینا۔ اَلْاِضْمَامَۃُ۔
لوگوں کی جماعت اور اسدٌ ضَمْضَمٌ اس
شیر کو کہتے ہیں جو ہر چیز کو اپنے لئے اکٹھا
کرنے والا ہو۔ ضَمَّ الشیئَ الیہ، کسی چیز
کو اپنی طرف کھینچنا۔ ضَمَّ اِلٰی صدرہ معانقہ
کرنا۔ ضَمَّ فلاناً الیہ، کسی کو اپنے ساتھ
رکھنا۔ اُضْمُمْ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ تم
اپنے بازو کو اپنے بغل سے لگالو

الضم : الجمع (روح) وقال الراغب
الضم : الجمع بین الشیئین فصاعدًا
(مفردات) اَضَامِیْمُ : پتھر، احجار
اس کی واحد اِضْمَامَۃٌ آتی ہے (لسان)

اَزْرِیْ : اُشْدُدْ بِہٖ اَزْرِیْ، انکے
ذریعہ میری کمر کو مضبوط کیجئے اَزْرٌ، پیٹھ
اور کمر کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہارون
علیہ السلام کو میرا وزیر اور شریک بناکر میری
کمر کو مضبوط کر تاکہ میں اس کام کو اور ادائے
رسالت کے بارگراں کو حسن و خوبی کے
ساتھ اُٹھا سکوں۔

اصل میں اَزْرٌ اور اِزَارٌ لباس کو کہا
جاتا ہے اور عام طور پر اس سے مراد تہبند
ہوتا ہے اور اِزَارٌ اِزْرَۃٌ اور مِئْزَرَۃٌ
تینوں کے ایک ہی معنی ہیں اور پھر اس کا
استعمال قوت شدیدہ کے معنی میں ہوتا ہے
آزَرَۃٌ اعانت کرنا، بھرپور مدد کرنا۔
کسی کو تقویت بخشنا۔ اُشْدُدْ بِہٖ اَزْرِیْ

شَدُّ الإزار ہی سے ہے جس کے معنی
چادر باندھنے کے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے
كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَهٗ فَاٰزَرَهٗ ۔ وہ
گویا ایک کھیتی ہیں جس نے زمین سے اپنی
سوئی نکالی پھر اس کو مضبوط کیا۔
وَالْاِزْرُ: الظھر من موضع حقویْن
ومعناہ تُقَوِّیْ بِهٖ نَفْسِیْ وَالْاَزْرُ
اَلْقُوَّةُ وَاٰزَرَهٗ قَوَّاهُ ۔ ومنہ قولہ
تعالیٰ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ (قرطبی)
لفظ اُزْرٌ میں قوت، پشت اور کمزوری
تینوں اطلاق پائے جاتے ہیں۔ قوت کے معنی
لیا جائے تو آیت کا ترجمہ ہوگا میری قوت
کو مضبوط کر۔ اور پشت مراد ہو تو ترجمہ
ہوگا میری کمر کو سہارا دے۔ اور اگر کمزوری
مراد ہو تو ترجمہ ہوگا۔ میری کمزوری کو دُور
کر۔ اس کا سدِّ باب کر۔
اَلْاَزْر : اَلْقُوَّة (کشاف)
قال الراغب : الازرُ : القُوَّةُ الشَّدِیْدَةُ
اور اِزارٌ سے بطور کنایہ کے عورت کو بھی
لیا جاتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎
اَلَا اَبْلِغْ اَبَا حَفْصٍ رَسُوْلًا
فِدًى لَكَ مِنْ اَخِیْ ثِقَةٍ اِزَارِیْ
ابو حفص، عمرؓ کو میرا پیغام پہنچا دو کہ تجھ
جیسے قابلِ اعتماد بھائی پر میری بیوی قربان
ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ازار
آدمی کا ستر ہے اسی طرح عورت بھی ستر
اور لباس ہے۔

اِصْطَنَعْتُ : وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ
(آیت نمبر ۴۱) اور میں نے تمہیں اپنے
لئے منتخب کر لیا۔ اصطناع کا اصل
مفہوم کسی کو کسی خاص مقصد کے لئے
تربیت اور ٹریننگ دینا ہے۔ مطلب یہ ہے
کہ میں نے تمہیں اتنی بھٹیوں میں تپایا، اور
اتنے امتحانوں سے گزارا ہے تو اپنے ایک
خاص کام کے لئے تمہاری یہ تربیت کی ہے
اور اب وہ کام خاص میں تمہارے سپرد
کر رہا ہوں سو تم اس ذمہ داری کو اُٹھاؤ
اور میرے اعتماد پر اس کام کی انجام دہی
کے لئے آگے بڑھو (تدبّر)
اِصْطَنَعْتُ ، اصطناعٌ سے ہے جس
کے معنی ہیں کسی شئے کی درستگی اور بنانے
میں مبالغہ کرنا۔ یہ باب افتعال ہے، ط
اصل میں ت ہے اِصْطَنَعَ اِلَیْہِ کسی پر
احسان کرنا۔ یہ صُنْعٌ بمعنی الصنیعۃ سے
ماخوذ ہے جس کے معنی احسان کے ہیں۔
والاصطناعُ افتعالٌ مِنَ الصُّنْعِ

بمعنی الصّنیعۃ وھی الاحسان فمعنی اصْطَنَعَہٗ جَعَلَہٗ محل صَنِیْعَتِہٖ و اِحسَانِہٖ (روح) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ صُنْعَۃٌ سے ماخوذ ہے جو پیدا کرنے، بنانے اور اچھی تربیت کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ وقیل: اِصْطَنَعْتُکَ خَلَقْتُکَ ماخوذ من الصُّنعۃِ (قرطبی) اَصْلُہٗ مِنْ قَوْلِہِمْ اصْطَنَعَ فلانٌ فلانًا۔ اذا اَحْسَنَ الیہ (کبیر) والاِصْطِنَاعُ المبالغۃُ فی اِصْلَاحِ الشَّیءِ (راغب) کسی شے کی اصلاح و تربیت میں مبالغہ کرنا

تَنِیَا: وَلَا تَنِیَا فِیْ ذِکْرِیْ: اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ لَا تَنِیَا فعل نہی ہے وَنْیٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی سستی ہونے اور سستی کرنے کے آتے ہیں۔ وَنَیَ یَنِیْ وَوَنِیَ یَوْنَیٰ وَنْیاً وَوَنِیًّا وَوِنَاءً سست ہونا، کمزور ہونا، تھکن، صفت (وانٍ) مؤنث وَانِیَۃٌ۔ اَلْوَنَاءُ: سستی۔ اِمْرَاۃٌ وَنَاۃٌ وَاَنِیَّۃٌ سست حرکات والی عورت، اور اَلْوُنُوَّۃُ: عقل کی کمزوری (منجد) وَالْوَنیٰ: الضَّعفُ وَالفُتُوْرُ والکلالُ والاِعیاءُ (قرطبی)

اِمْرَءُ القیس کہتا ہے ؎

مِسَحٍّ اِذَا ما السَّابِحَاتُ عَلَی الوَنیٰ
اَثَرْنَ غُبَارًا بِالْکَدِیْدِ الْمُرَکَّلِ

جب تیز رفتار گھوڑیاں تھکنے کی وجہ سے سخت روندی ہوئی زمین میں غبار اُڑانے لگیں وہ بارش کی طرح تیز رَو ہے (ترجمہ از سبعہ معلقہ)

اصل لفظ وَنَیٰ لازم ہے اور جب متعدی بنانا ہو تو حرف فِی اور عن سے ہوتا ہے۔ وَلَا تَنِیَا۔ مِنَ الْوَنیٰ بمعنی الفتور وھو فعلٌ لازم اذا عُدِّیَ عُدِّیَ بفی (روح)

بعض حضرات کا خیال ہے کہ وَنَیٰ فعل ناقص زَالَ کے اخوات میں سے ہے۔ اور فُلَانٌ لَا یَنِیْ یفعل کذا کے معنی ہیں لَا یزال یفعل کذا یعنی وہ لگا تار کرتا ہے۔ تَوْنِیَۃٌ کام میں سستی کرنا۔ تَوَانیٰ فِیْ اَمْرِہٖ اپنے کام میں سستی کی۔ حضرت عائشہ کا قول ہے سَبَقَ اِذَا وَنَیْتُمْ، جب تم نے سستی کی تو وہ آگے بڑھ گئے۔ ذُو اَنَاۃ دیر کرنے والا، حلیم، بردبار

حضرت علی کا قول ہے:
لَا تَنْقَطِعُ اَسْبَابُ الشَّفْقَةِ عَنْهُمْ فَيَنُوْا فِيْ جِدِّهِمْ اُن پر شفقت اور مہربانی کے سلوک کو موقوف نہ کیا جائے ورنہ وہ کوشش میں سستی کریں گے،
النَّسِيْمُ الْوَانِيْ: دھیمی ہوا۔ التَّوَانِيْ ضعفِ بدن پر بولا جاتا ہے۔ اور الوَنٰی بالقصر اور الوَنا (بالمد) اعمال اور کاموں میں سستی کرنے پر بولا جاتا ہے۔ پھر وَنَا کا اطلاق عام ہے۔ اعمال میں سستی کرنے پر بولا جاتا ہے اور بدن کے ضعف پر بھی
والونا: الفَتْرَةُ فِي الْاَعْمَالِ وَ الامور۔ والتَّوَانِيْ والونا ضعف البدن (لسان)

لَيِّنًا: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا: (آیت نمبر ۴۴) سو کہو اس سے بات نرم۔ لَانَ لِيْنًا وَلِيَانًا وَلِيْنَةً۔ وہ نرم ہوا۔ وہ نرم مزاج ہوا، لَيِّنٌ اور لَيْنٌ دونوں صفت کے صیغے ہیں، جمع لَيِّنُوْنَ اور اَلْيِنَاءُ۔
لَيَّنَ الشَّيْءَ تَلْيِيْنًا۔ وَاَلَانَهٗ اِلَانَةً وَاَلْيَنَهٗ: اِلْيَانًا۔ کسی شے کو نرم کرنا تَلَيَّنَ الشَّيْءُ تَلَيُّنًا کسی چیز کا نرم ہونا، تَلَيَّنَ بِفُلَانٍ کسی کے ساتھ چاپلوسی کرنا۔ قَوْلٌ لَيْنٌ وَلَيِّنٌ وہ بات جو نرمی اور تحمل سے کی جائے جس میں کرختگی اور خشونت نہ ہو۔ اَلْقَوْلُ اللَّيِّنُ هُوَالَّذِيْ لَاخَشُوْنَةَ فِيْهِ (قرطبی)

يَفْرُطَ: اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَا، ہمیں اس کا اندیشہ ہے کہ کہیں وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے۔ فَرَطَ يَفْرُطُ کے معنی قصداً آگے بڑھ جانے کے ہیں، اور فَرَسٌ فَرَطٌ تیز رفتار گھوڑا، جو دوڑ میں سب سے آگے بڑھ جائے۔
فَرَطَ عَلٰى فُلَانٍ جلدی کرنا، تکلیف دینا۔ آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں اس کا خطرہ ہے کہ فرعون اپنے تحفظِ جاہ کی خاطر ہمیں تبلیغ کا موقع ہی نہ دے اور فیل کر دے۔ قال الضحاك: يَفْرُطُ يَعْجَلُ، قال النحاس:
التَّقْدِيْرُ: نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَا مِنْهُ اَمْرٌ (قرطبی) فَرَطَ: کا صلہ جب علی کے ساتھ آتا ہے تو اسکے معنی کسی کے خلاف عاجلانہ اقدام کے ہوتے ہیں (تدبر) فَرَطَ: سَبَقَ وَ تَقَدَّمَ۔ وَمِنْهُ الْفَارِطُ الَّذِيْ يتقدم الوَارِدَةَ۔

وَفَرَسٌ فَرَطٌ ۔ آگے نکل جانے والا ،
يَسْبِقُ الْخَيْلَ : اى نخاف اَنْ
يَّعْجَلَ عَلَيْنَا بِالْعُقُوْبَةِ وَيُبَادِرُنَا
بِهَا (كشّاف)

شَتّٰى : یہ شَتِيْتٌ کی جمع ہے جس کے
معنی ہیں متفرق (معارف) یہ شَتَّى الشَّیْءُ
سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کا متفرق
ہونا۔ اَمْرٌ شَتٌّ بکھرا ہوا کام ۔ شَتَّتَ
وَاَشَتَّ متفرق کرنا (متعدی)
اَشَتَّ الْاَشْيَاءَ : چیزوں کو بکھیرنا ،
متفرق کردینا۔ محاورہ ہے ۔ اَشَتَّ بِيْ قَوْمِيْ
میری قوم نے میرے کام کو پراگندہ کردیا ،
شَتَّانَ : اسم فعل ہے بمعنی بَعُدَ وہ دور
ہوا ۔ محاورہ ہے شَتَّانَ مَاهُمَا وشَتَّانَ
مَابَيْنَهُمَا : ان دونوں میں کسقدر بُعد
اور دوری ہے ۔ اور شَتَّ جَمْعُهُمْ ان کی
جمعیت متفرق ہوگئی ۔ اور جَاءُوْا اَشْتَاتًا
وہ پراگندہ حالت میں آئے ۔ قرآن پاک
میں ہے، يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا
اس دن لوگ گروہ درگروہ ہوکر آئیں گے ،
وَقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ، ان کے دل پراگندہ
ہیں (قرطبی ۔ راغب)
شَتّٰى جمع شَتِيْتٍ كَمَرِيْضٍ وَمَرْضٰى
من شَتَّى الْاَمْرُ تفرّق (جلالين)

اِرْعَوْا : وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ : اور
اپنے مویشیوں کو چراؤ ۔ اِرْعَوْا : رَعْيٌ
سے ماخوذ ہے جس کے اصل معنی جانور
کی حفاظت کرنے کے ہیں خواہ غذا کے ذریعہ
اس کی زندگی کی حفاظت ہو یا دشمن سے
اسے محفوظ رکھا جائے ۔ یہاں یہ چرانے کے
معنی میں ہے ۔ یہ لازم اور متعدی دونوں
طرح استعمال ہوتا ہے ۔
رَعٰى يَرْعٰى رَعْيًا وَرِعَايَةً وَمَرْعًى ۔
رَعَتِ الْمَاشِيَةُ ، جانوروں کو گھاس
چرانا ۔ مَرْعٰى : ظرف مکان ۔ چراہ گاہ ،
وَالَّذِيْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى اور جس نے
خوشنما چارہ زمین سے نکالا ۔
رَاعٍ : محافظ و منتظم کو کہتے ہیں ۔ حدیث
میں ہے ، كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ
عَنْ رَعِيَّتِهٖ : تم میں سے ہر شخص امین ہے
اور تم میں سے ہر شخص کو اس کی رعیت کے
بارے میں پوچھا جائے گا ۔ وَارْعَوْا مِنْ
رَعَتِ الْمَاشِيَةُ الْكَلَاءَ وَرَعَاهَا
صَاحِبُهَا رِعَايَةً ۔ اى اَسَامَهَا وَسَرَّحَهَا
لازمٌ ومُتَعدٍّ (قرطبی ۔ روح)
اور آیت کریمہ لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا اور

راعِنًا لَيًّا بِاَلْسِنَتِہِمْ میں راعِنًا ، رَعْنٌ سے مشتق ہے ۔ رَعُنَ الرَّجُلُ (ک) کے معنی ہیں آدمی سست اور بیوقوف ہوگیا ۔ صیغہ صفت کا اس سے اَرْعَنُ اور رَعِنٌ آتا ہے ۔ اَرْعَنُ کی مؤنث رَعْنَاءُ آتی ہے (راغب)

حسنؒ کی قرارت میں اسکو رَاعِنًا تنوین کے ساتھ تلاوت کیا گیا ہے ۔ اس صورت میں یہ مصدر ہوگا اور اس کا نصب قول کی وجہ سے ہے یعنی لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنًا ، یعنی تم نامناسب بات نہ کرو ۔ اور جَیْشٌ اَرْعَنُ متفرق اور بے نظم فوج ۔ رَجُلٌ اَرْعَنُ بے تکی باتیں کرنے والا جسکی عقل ٹھکانے نہ ہو (قرطبی صـ۲۹ جلد ۲)

علامہ بغدادی فرماتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ راعِنًا ۔ رَعُوْنَۃٌ سے مشتق ہے جس کے معنی جہل اور حمق کے ہیں اور عرب یہودی جب کسی کو احمق اور بیوقوف بنانا چاہتے تو اُس کو راعِنا سے خطاب کرتے جس سے مراد اُن کی یا احمق ہوتی تھی تو الف اس صورت میں مد کے لئے ہے اور حرف ندا محذوف ہے ۔ فرا نے ذکر کیا ہے کہ یا زید کی اصل یا زیدا (بالالف) ہے پھر الف کو حذف کرکے حرف یا ء پر اکتفا کیا گیا ، (روح) اور آیتِ کریمہ لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا (البقرہ ۱۰۴) میں رَاعِنَا رَعْیٌ سے مشتق ہے ۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ راعنا سے مراد مصدر ہو یعنی مراد رُعُوْنَۃٌ ہو ۔ تقدیرِ عبارت یوں ہوگی ۔ لَا تَقُوْلُوْا رَعُنْتَ رَعُوْنَۃً

تَارَۃً : وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَۃً اُخْرٰی (آیت نمبر ۵۵) اور اسمیں سے تمہیں پھر دوبارہ نکالیں گے ۔

تَارَۃً اصل میں تَأْرَۃٌ تھا، کثرتِ استعمال کی وجہ سے ہمزہ گر گیا ہے ۔ بمعنی مرتبہ ۔ دفعہ ۔ باری باری (لغات القرآن) بعض کے نزدیک یہ تَارَ الْجُرْحُ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں زخم کا بھرجانا (راغب) وَالتَّوْرُ فِی الْاَصْلِ اسم للتَّوْرِ الوَاحِدِ وَهُوَ الجِرْیَان ۔ ثُمَّ اُطْلِقَ عَلٰی کُلِّ فَعْلَۃٍ واحد مِنَ الفعلاتِ الْمُتَجَدِّدَۃِ (روح)

سُوًی : مَكَانًا سُوًی (آیت ۵۸) سُوًی کے معنی وسط کے ہیں ۔ مَكَانًا سُوًی یعنی ایسی جگہ ہو جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے لئے یکساں ہو ۔ جہاں ہم اور

آدمی بھی آسانی سے جمع ہوسکیں اور تمہارے آدمی بھی (تدبر) مکاناً سُوًی جسکی دونوں طرفیں برابر ہوں۔ یہ وصف ہوکر بھی استعمال ہے اور ظرف ہوکر بھی اور اصل میں یہ مصدر ہے

مَوْعِدٌ : ظرف مکان اور ظرفِ زمان دونوں معنوں میں آتا ہے یعنی بمعنی وقت موعود اور بمعنی مقام موعود دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

وَقِیل : الموعد اسْمٌ لمکان الوعد کما قال تعالیٰ ، اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ فالمَوْعِد ھا ھنا مکان ۔ وقیل : الموعد اسم لزمان الوعد کقوله تعالیٰ : اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ (قرطبی)

جوہری کہتے ہیں کہ مِیْعَادٌ اور مَوْعِدٌ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں امام قرطبی فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ موعد مصدر ہے اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ لَا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا اَنْتَ ۔ کہ کی ضمیر کا مرجع موعد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ پھر ہم میں سے کوئی بھی وعدہ کے خلاف نہیں کریگا، والاظهر انّہ مصدر ولهذا قال، لانخلفه، ای لانخلف ذالك الوعد ۔ وقال الجوهر : وَالمِیْعَادُ المَوَاعدة والوقت والموضع وکذالك المَوْعِد (قرطبی)

خَابَ : وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی (آیت نمبر۶۱) خَابَ یَخِیْبُ خَیْبَةً وتَخَیَّبَ : طلب میں ناکام ہونا، اُمید ٹوٹنا ۔ محاورہ ہے، خاب سَعْیُهٗ : اس کی کوشش ناکام رہی ۔ خَیَّبَهٗ وَ اَخَابَهٗ ۔ ناکام بنانا، محروم کرنا، قرآن پاک کی آیت ہے وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ، ہر سرکش ضدی نامراد ہوگیا ، وَقَد خَابَ مَنِ افْتَرٰی : اور جسنے افترٰی کیا وہ نامراد رہا ، وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا اور وہ خسارے میں رہا جسنے اسکو خاک میں ملادیا خَابَ یَخِیْبُ خَیْبَةً : حُرِمَ وَلَمْ یَنَلْ مَاطَلَبَ ۔ والخیبة : الحرمان والخسران (لسان) حدیث میں خَیْبَةً لَكَ : تو نامراد ہو ۔ خدا کرے تیرا مطلب پورا نہو، عرب لوگ مصیبت اور مشکل کے وقت کہتے ہیں، یَاخَیْبَةَ الدَّهْرِ اے زمانے کی خرابی، خَابَ سَعْیُهٗ وَاَمَلُهٗ : اسکی کوشش کامیاب نہ ہوئی ، اس کی اُمید بر نہ آئی ۔ خَیَّابٌ : وہ چقماق جس سے شعلہ نہ نکلے۔

اَلْمُثْلٰی : وَیَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِكُمُ

اَلْمُثْلٰى : اور تمہارے اعلیٰ طور طریق کو ہی مٹا دیں۔ مُثْلٰی، اَمْثَلُ کی مؤنث ہے، واضح اور خوب روشن۔ فرعون کہنا یہ چاہتا ہے کہ ہمارا قانون اور ملکی نظام جو واضح اور روشن ہے یہ اسکو تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے، رَجُلٌ اَمْثَلُ وہ آدمی جو اخلاقِ فاضلہ کا مالک ہو اور اُمور خیر کے زیادہ قریب ہو فُلَانٌ عَلَى الطَّرِيْقَةِ الْمُثْلٰى، فلاں راہِ راست پر ہے، مُثْلٰی، اعلیٰ عمدہ اور برتر (تدبر)

مُثْلٰی، فُعْلٰی کے وزن پر اسم تفضیل ہے۔

اَلْاَمْثَلُ : افضل شریف عالی مرتبہ، فُلَانٌ اَمْثَلُ مِنْ فُلَانٍ : فلاں فلاں سے افضل ہے۔ عرب کے ایک آدمی کو کہا گیا کہ اِئْتِنِيْ بِقَوْمِكَ، میرے پاس اپنی قوم کو لیکر آؤ تو اُس نے جواب میں یوں کہا اِنَّ قَوْمِيْ مُثُلٌ، کہ میری قوم کے لوگ سردار ہیں، ان کے اوپر کسی کو سرداری حاصل نہیں (لسان) وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى، اور موقوف کردے تمہارے اچھے خاصے چلن کو۔ یعنی تمہارا جو دین اور رسوم پہلی چلی آتی ہیں ان کو مٹا کر اپنا دین طور وطریق رائج کردیں (حاشیہ عثمانی)

الطریقۃ المُثْلٰی : جو حق سے زیادہ مشابہت رکھتا ہو۔ اَمْثَلُ کی جمع اماثل آتی ہے۔ بزرگ لوگ جو اعلیٰ اور افضل آدمیوں کی طرح ہوتے ہیں۔

اَمَاثِلُ القوم : قوم کے سردار۔ رئیس

تَلْقَفُ : تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا :

لَقِفْتُ الشَّيْءَ کے معنی کسی چیز کو ہوشیاری اور حذاقت سے لینا کے ہیں اور منہ اور ہاتھ دونوں سے لینے پر بولا جاتا ہے (راغب) لَقِفَ يَلْقَفُ لَقْفًا، کسی چیز کو پھرتی سے لے لینا۔

اِضْرِبْ : فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا : ضَرْبِ طریق کے معنی عربی محاورہ کے لحاظ سے جیسا کہ صاحبِ کشاف نے تصریح کی ہے راستہ بنا لینے کے ہیں۔ اور یہ عرب کے محاورہ ضَرَبَ لَهٗ فِيْ مَالِهٖ سَهْمًا سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں۔ اپنے مال سے حصہ مقرر کرنا، اور ضَرَبَ اللَّبِنَ : اینٹیں چننا، ایک اینٹ کو دوسری پر لگانا (کشاف)

يَبَسًا : یہ مصدر بمعنی اسم فاعل ہے۔ خشک، اليَبَسُ مصدر وصف بہ (کشاف) يَبِسَ الشَّيْءُ يَبْسًا بسکون الباء ويبسًا بفتحها، کسی چیز کا خشک ہوجانا۔

امام راغب نے ان دونوں میں یہ فرق
بیان کیا ہے کہ جب تر گھاس خشک ہو جائے
تو اسکو یَبْسٌ بسکون الیاء کہا جاتا ہے، اور
جس جگہ پانی ہو اور پھر خشک ہو جائے تو
اسکو یَبَسًا بفتح الیاء کہتے ہیں۔ یُبْسٌ اور
یَبْسٌ بضم الیاء و فتحہا۔ سوکھ جانا، اِیْبَاسٌ
(افعال) سکھانا، خشک زمین پر چلنا۔
اِتِّبَاسٌ سوکھنا۔ یہ اصل میں ایتباسٌ ہے
یَبِیْسٌ: سوکھی گھاس۔ حدیث میں ہے،
اِجْتَاحَتْ جَمِیْعُ الْیَبِیْسِ ۔ سوکھی گھاس
کے گھٹے تباہ ہو گئے فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا
فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۔ پھر انکے لئے دریا میں لاٹھی
مار کر خشک رستہ بنا دو۔ متواتر روایات
سے ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام
بنی اسرائیل کو لیکر پہنچے تو دریا اپنی پوری
موجوں پر تھا۔ جناب موسیٰ علیہ السلام کے
ضربِ عصا کا فیض تھا کہ بحر احمر دو پھانکوں
میں تقسیم ہو گیا اور بنی اسرائیل بخیر و عافیت
گزر گئے۔ اگر یہ مقام پانی سے خشک تھا
تو آخر بنی اسرائیل کا تعاقب کرنیوالا فرعون
بمع اپنے لشکر کے کیسے ڈوب گیا جبکہ اسی
مقام سے گزرنے والے اسرائیلی پار لگ گئے
یہ بحر احمر کا شمالی خلیج ہے (ماجدی)

اور یَبُوْسَةٌ خشکی یہ رطوبت کی ضد ہے
اسم فاعل یَابِسٌ ہے۔ تَیْبِیْسٌ (تفعیل)
خشک کر دینا۔

سَامِرِیٌّ: وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ۔
اور سامری نے انھیں گمراہ کر دیا، سامری کون
تھا، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ آلِ فرعون
قبطی آدمی تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے پڑوس
میں رہتا تھا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان بظاہر
لا چکا تھا اور جب بنی اسرائیل کو لیکر موسیٰ
علیہ السلام مصر سے نکلے تو یہ بھی ساتھ ہو لیا،
بعض نے کہا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے قبیلہ سامرہ
کا رئیس تھا اور قبیلہ سامرہ ملک شام میں معروف ہے
حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ یہ فارسی شخص کرمان
کا رہنے والا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا
کہ یہ ایک ایسی قوم کا آدمی تھا جو گائے کی
پرستش کرنے والی تھیں یہ کسی طرح مصر پہنچ
گیا اور بظاہر دین بنی اسرائیل میں داخل ہو گیا
مگر اسکے دل میں نفاق تھا یہی بات زیادہ
لگتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل کیساتھ
مسلمان ہو کر اسکے نکلنے کا مقصد صرف بنی اسرائیل
کو گمراہ کرنا اور توحید باری سے برگشتہ کرنا
تھا اور اسکا کردار اس امر کی کھلی دلیل ہے
کہ جب اسکو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عدم

موجودگی میں موقع ہاتھ آیا تو اُس نے ایسی چال چلی کہ بنی اسرائیل کی اکثریت اس کے فریب میں آگئی اور شرک و بت پرستی میں مبتلا ہوگئی۔

قرآن پاک نے سامری کا یہ واقعہ غالبًا بیان بھی اسی لئے کیا ہے کہ اُمت آخرہ کو اس پر آگاہ کر دیا جائے کہ وہ غیر ملکی آدمی پر نگاہ رکھیں کہ کہیں انکی صفوں میں خلفشار ڈالنے کے لئے کوئی سامری تو نہیں گھُسا ہوا، تفسیر قرطبی کے محشی نے لکھا ہے کہ یہ شخص ہندوستان کا ہندو تھا جو گائے کی عبادت کرتا تھا قال ابن عباسؓ کان سامریّ من قوم یَعبُدون البقر فوقع بارض مصر فدخل فی دین بنی اسرائیل بظاھرہ وفی قلبہ ما فیہ من عبادۃ البقر (قرطبی) اور حاشیہ پر ہے، ای من اھل الھند کمافی بعض الاخبار۔

مَلْكِ : قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا

: (آیت نمبر ۸۷) ہم نے آپکے وعدہ کی خلاف ورزی اپنی خوشی سے نہیں کی، لفظ ملک بفتح میم وبضم دونوں کے معنی تقریبًا ایک ہیں اور مراد اس جگہ اس سے اپنا اختیار ہے۔ اور مقصد اس کا یہ ہے کہ ہمنے گوسالہ کی پرستش پر اقدام اپنے اختیار سے نہیں بلکہ سامری کے عمل کو دیکھ کر ہم مجبور ہوگئے ظاہر ہے کہ اُن کا یہ دعویٰ غلط اور بے بنیاد ہے سامری یا اسکے عمل نے اُن کو مجبور تو نہیں کر دیا تھا خود ہی غور و فکر سے کام نہ لیا تو مبتلا ہوگئے (معارف)

مَلک کے معنی اختیار و اقتدار کے ہیں یعنی ہم آپ سے جو عہد لیکر گئے تھے ہم نے اپنے امکان کی حد تک اسپر قائم رہنے کی پوری کوشش کی، لیکن حالات اسقدر قابو سے باہر ہو گئے تھے کہ ہمارے لئے عوام کو کنٹرول میں کرنا ناممکن ہو گیا (تدبر) اور یہ ملکتُ الشیٔ اَملِکُہٗ مَلْکًا کا مصدر ہے جسکے معنی ہیں کسی چیز کا مالک ہونا۔ اور یہ مصدر اپنے فاعل کیطرف مضاف ہے اور اسکا مفعول محذوف ہے تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ مَا اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا الصّواب بَلْ اَخْطَانَا (قرطبی)

مَلَكَ. يَمْلِكُ مَلْكًا و مُلْكًا و مِلْكًا بحرکات ثلٰثہ تینوں مصدر ہیں مَلَكَ الشّیٔ مالک ہونا (منجد) قُرِیَٔ بحرکات الثلاث، اَیْ : مَا اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِاَنْ مَلَكْنَا اَمْرَنَا (کشاف)، اسمیں اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ مال و دولت کی بہتات اور فراوانی قوموں کی گمراہی کا سبب بن جاتی ہے،

اَلْقٰی : فَکَذٰلِکَ اَلْقَی السَّامِرِیُّ:
(آیت نمبر ۸۷) پھر اسی طرح سامری نے بھی (اپنے حصہ کا زیور) ڈالدیا، یعنی اس ظالم نے بنی اسرائیل کو مزید فریب دینے کے لئے اپنا مال و دولت بھی آگ میں ڈالدیا جس سے معلوم ہوا کہ اہلِ باطل حق پرستوں کو باطل کیطرف مائل کرنے کے لئے مال و دولت کو برباد کر دینا بھی معمولی کھیل سمجھتے ہیں، آج بھی دنیا میں مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے سب سے زیادہ مال و دولت ہی کو کام میں لایا جا رہا ہے اسلام کو مٹانے کے لئے ملاحدہ بیدریغ دولت خرچ کر رہے ہیں۔ مسیح مشنریوں کے اسکول، اسپتال اور دودھ کے ڈبوں کی مفت تقسیم سامریانہ چالوں ہی کی نئی شکلیں ہیں جن کو کام میں لایا جارہا ہے۔ اسلام کو مٹانے کے لئے ملاحدہ بے دریغ پیسہ خرچ کر رہے ہیں۔

اَلْقٰی : اس نے ڈالدیا، یہ اَلْقَاءٌ مصدر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے اُلْقِیَ مجہول ہے، اسم فاعل مُلْقُوْنَ آتا ہے اَلْقُوْا مَا اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ (یونس) ڈالو جو تم ڈالنے والے ہو۔ اصل ملقون کی مُلْقِیُوْنَ ہے حرف یاء کا ضمہ قاف کو دیکر یاء کو حذف کر دیا گیا ہے۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ لِقَاءٌ کسی جسم کا دوسرے جسم تک اس طرح پہنچنا کہ وہ آپس میں مس کر جائیں۔ لیکن امام راغب کے نزدیک مس کرنا شرط نہیں ہے، اَلْقَاءٌ کسی چیز کو اس طرح ڈالدینا کہ وہ دوسرے کے سامنے آجائے' لفظ اِلْقَاء عربی میں وسیع معنوں میں آتا ہے۔ یہ جس طرح زمین پر کسی چیز کے ڈالدینے یا پھینک دینے کے معنی میں آتا ہے اسی طرح پانسہ پھینکنے کوئی ہنر دکھانے یا کوئی کرتب دکھانے کے معنی میں بھی آتا ہے (تدبر)

لِحْیَتِیْ : لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ :- میری ڈاڑھی نہ پکڑیئے۔ لِحْیَۃٌ ڈاڑھی لِحًی اور لُحًی بضم اللام جمع لِحْوِیٌّ ڈاڑھی والا۔ اس میں حرف یاء نسبتی ہے اور لِحْیَانِیْ اور اَلْحٰی لمبی ڈاڑھی والا لَحْیٌ تَحَلّٰہ، جبڑا جس پر ڈاڑھی نکلتی ہے لُحِیٌّ جمع ڈاڑھیوں والے، لَحَیْتُ الشَّجرَ لَحْیًا، میں نے درخت کی چھال اُتار دی۔ لَحَیْتُ زَیْدًا میں نے زید کو لعنت کی لَحَی اللّٰہُ فُلَانًا یہ بددعائیہ کلمہ ہے خدا اس پر لعنت کرے اسکو نیکی کی توفیق نہ دے (لغات القرآن)

نَنْسِفَنَّ : ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا ۔ (آیت نمبر ۹۷)
پھر ہم اسکی راکھ کو اڑا کر دریا میں بکھیر دینگے، نَسَفَتِ الرِّیْحُ الشَّیْءَ ہوا کا کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینا۔ نَسَفَ (ض) اَلْبِنَاءَ ۔ عمارت کو ملیا میٹ کر دینا۔
نُسَافَۃٌ ۔ اڑتی ہوئی غبار کو کہتے ہیں ۔
کلام نَسِیْفٌ : غیر معتبر اور بودا کلام۔
اَلْمِنْسَفُ چھاج اور نُسَافَۃٌ وہ بھوسہ وغیرہ جو دانے صاف کرتے وقت چھاج سے گرتا ہے۔ اور اَلْمِنْسَفَۃُ وہ آلہ جس سے عمارت کو گرایا جاتا ہے، نَسَفَ الْبَعِیْرُ الْکَلَاءَ اونٹ کا گھاس کو جڑ سے اکھاڑ دینا ۔
وَالنَّسْفُ : نفضُ الشَّیْءِ لِتَذْهَبَ بِهِ الرِّیْحُ وَهُوَ التَّذْرِیَةُ (قرطبی)
اور نَاقَۃٌ نَسُوْفٌ وہ اونٹنی جو تیزی کی وجہ سے چلتے ہوئے گرد و غبار اڑائے
وَالنَّسْفُ : اَلْقَلْعُ وَالْمِنْسَفَۃُ اٰلَۃٌ یَقْلَعُ بِهَا الْبِنَاءَ (لسان)
لَنَنْسِفَنَّهٗ : ہم ضرور ہی اسکو بکھیر کر بہا دیں گے (تھانوی)، ہم ضرور ہی سمندر کی ہوا میں اسکو بکھیر کر اسکو اڑا دیں گے ،

نَسْفَۃٌ و نَسَفَۃٌ ۔ جلا ہوا پتھر، سیاہ پتھر نَسِیْفٌ پیشانی اور ہتھیلی کی شکن چھپی ہوئی بات اور راز فَرَسٌ نَسُوْفٌ سم سے زمین اکھاڑ کر غبار اڑانے والا گھوڑا ۔ عَقَبَۃٌ نَسُوْفٌ دشوار گزار گھاٹی ۔ تَنَاسُفٌ باہم چپکے چپکے راز کی بات کرنا ۔ تَنَسُّفٌ : تَفَعُّل : کشتی میں ہاتھ پکڑنا اور پاؤں اڑا کر گرا دینا ۔

زُرْقًا : وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا (آیت نمبر ۱۰۲)
اور گھیر لائیں گے ہم گناہگاروں کو اس دن یوں کہ نیلی نیلی آنکھیں۔ زُرْقٌ ۔ اَزْرَقُ کی جمع ہے ۔ اَزْرَقُ نیلگوں چشم کو کہتے ہیں لیکن عربی محاورہ میں یہ خوفزدہ اور دہشت زدہ آدمی کے لئے بھی آتا ہے اس لئے شدت خوف کی حالت میں آنکھیں نیلی پڑجایا کرتی ہیں اور انکے سرخ ڈورے غائب ہوجاتے ہیں (تدبر)
یہ زُرْقَۃٌ سے ہے جسکے معنی نیلگوں ہونے کے ہیں اور یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے جس کی آنکھ کی سیاہی نیلاہٹ یا سبزی یا زردی کیطرف مائل ہو اسے اَزْرَق کہتے ہیں علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ زرق کے بارے

میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ کبود رنگ یعنی زرد۔ عرب کے نزدیک آنکھوں کے بارے میں مبغوض ترین رنگ ہے کیونکہ رومی جوان کے دشمن ہیں گربہ چشم ہی ہوتے ہیں۔ اسی لئے انھوں نے دشمن کی صفت یہ بیان کی ہے اَسْوَدُ الکبد اَصْهَبُ السِّبَالِ اَزْرَقَ العیون سیاہ جگر بھوری مونچھوں والا، کبود چشم، دوسرے یہ کہ اس سے مراد اندھے ہیں۔ کیونکہ جس کی آنکھ کی روشنی جاتی رہتی ہے اُس کی پتلی نیلی ہو جاتی ہے۔ زَرْقَاءُ آسمان اَسوَدانِ ازرقانِ۔ وہ فرشتے کالے رنگ کے ہونگے۔ نیلگوں آنکھیں والے زَورَقٌ کشتی۔ زرقاءُ العَیْنِ نیلی آنکھوں والی عورت اور زَرَقَتْ عَیْنُہٗ زُرْقَۃً و زرقانًا اس کی آنکھیں نیلی ہوگئیں۔ زَرَقَ الطائر۔ پرندے نے بیٹ کر دی۔

قَاعًا : فَیَذَرُھَا قَاعًا صَفْصَفًا (آیت نمبر ۱۰۶) پھر زمین کو چٹیل میدان چھوڑ رکھے گا۔ اَلْقِیْعَۃُ ہموار میدان کَسَرَابٍ بِقِیْعَۃٍ جیسے میدان میں ریت اَلْقِیْعُ وَالْقَاعُ کے معنی ہیں ہموار زمین اسکی جمع قِیْعَانٌ اور تصغیر قُوَیْعٌ آتی ہے اس سے ایک محاورہ قَاعَ الفَحْلُ النَّاقَۃَ اس کے معنی ہیں نر اونٹ کے جفتی کرنے (اور پوری طرح سوار ہو کر اُس پر بیٹھ جانے) کے ہیں (راغب)

قَاعٌ صَفْصَفٌ : ہموار اور چٹیل میدان کو کہتے ہیں جسمیں نہ نشیب و فراز ہو نہ سبزہ و نباتات نہ درخت و جنگل (تدبر)

قاعًا : نرم ہموار نشیبی میدان جو پہاڑوں اور ٹیلوں سے دُور واقع ہو۔ اسکی جمع قِیْعٌ قِیْعَۃٌ قِیْعَانٌ اور اَقْوَاعٌ آتی ہے (لغات القرآن)

قَاعَ یَقُوْعُ قَوْعًا پچھلے پاؤں لوٹنا تَقَوَّعَ ٹیڑھے ہو کر اور ادھر اُدھر بچ بچ کر چلنا، جیسے کہ کانٹے دار جگہ میں آدمی چلتا ہے۔

اَلقَاعَۃُ مکان کا صحن، جمع قَاعَاتٌ وَالْقَاعُ والقَاعَۃُ : اَرْضٌ وَاسِعَۃٌ سَھْلَۃٌ مُطْمَئِنَّۃٌ مُسْتَوِیَۃٌ حُرَّۃٌ لَاحُزُوْنَۃَ فِیْھَا وَلَا ارتفاع ولا انھباط (لسان)

القیعۃُ مِنَ القارع وھوایضًا مِنَ الواو۔ وقال الفراء القِیْعَۃُ مِنَ

الْقَاعِ وَهُوَ اَيْضًا مِنَ الواو، وقال الفراء الْقِيْعَةُ جمع القاع (لسان) القَاعُ الاَرْضُ الملساءُ بلانبات ولا بِنَاء (ابن العربي) والقاع المستوی من الارض (جوهری) وقال الفراء القاعُ مُسْتَنْقِعُ المَاءِ (قرطبی) یہ اجوف واوی ہے اور قِيْعَاتٌ جو جمع ہے اسمیں حرف واوؔ اپنے ماقبل کسرہ کی وجہ سے یاء بن گئی ہے۔

صَفْصَفٌ : خالی زمین جسمیں گھاس نہ ہو۔ چٹیل میدان جہاں کوئی سبزہ نہ ہو ہموار زمین۔ قاعٌ اور صَفْصَفٌ میں معنوی اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، اَلصَّفُّ : کے اصل معنی ہیں کسی چیز کو خطِ مستوی پر کھڑا کرنا، جیسے انسانوں کو ایک صف میں کھڑا کرنا، یا ایک لائن میں درخت وغیرہ لگانا، اسی سے صَفْصَفٌ ہموار میدان کو کہتے ہیں گویا وہ ایک صف کی طرح ہے۔ والصَّفْصَفُ : المستوی من الارض كانہ على صَفٍّ واحِدٍ (راغب)

وَالصَّفْصَفُ : القَوْعَاءُ هُوَ الّذى لا نبات عليه (قرطبی) چٹیل میدان۔ ایسی ہموار زمین کہ گویا اسکے اجزاء ایک ہی صف ہیں (لغات القرآن)

اَمْتًا : لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّ لَاۤ اَمْتًا : (آیت نمبر ۱۰۷) نہ دیکھے گا تو اس میں موڑ اور نہ ٹیلا۔

خلیل کے نزدیک اسکے معنی ٹیڑھا اور کجی کے ہیں۔ بلندی اور پستی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ حدیث میں لفظ اَمْتٌ کو شک وشبہ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ الْخَمْرَ فلا اَمْتَ فيها۔ اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام کر دیا ہے اسمیں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

اَمْتٌ : ٹیلہ، اونچان، نشیب وفراز کسی چیز کا مختلف ہونا اسکی جمع اِمَاتٌ اور اُمُوْتٌ آتی ہے وَالْاَمْتُ : النَّبَكُ وقال ابو عمرو الاَمْتُ النَّبَاكُ وهى التلال الصِّغَارُ واحدها نَبَكٌ ..... والاَمْتُ فی اللغة المكان المرتفع (قرطبی)

نَبَكٌ ٹیلہ کو کہتے ہیں۔

هَمْسًا : فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا : (آیت نمبر ۱۰۸) سو تم بجز پیر کی چاپ کے

اور کچھ نہ سنے گا۔ ھَمْسٌ کے لغوی معنی ہیں، پست اور کھس پھس والی آواز۔ کمال خوف و ہیبت کی وجہ سے قیامت میں یہ کیفیت گناہگاروں کی ہوگی (اَعَاذَنَا اللّٰہُ من ذٰلِکَ)

ھَمْسٌ کے معنی باریک اور پست آواز کے ہیں جو کانا پھوسی کی نوعیت کی ہو (تدبر)، ھَمْسُ الاقدام - پاؤں کی ہلکی سی آہٹ، ھَمَسَ (ض) الصَّوْتَ آواز کو دھیما کرنا۔

الھَمْسُ : الصوت الخفی (قرطبی)

ھ۔م۔س کے مادہ کے اصل معنی خفاء کے ہیں۔ الھَمُوْسُ، شیر جو رات کو شکار کو پکڑنے کے لئے آہستہ آہستہ قدم رکھ کر چلے۔ ھَمِیْسٌ۔ اونٹ کے پاؤں کی آہٹ

وَبِنَاءٌ (ھ م س) اصلہ الخفا کیفما تصرّفُ (قرطبی)

عَنَتِ : وعَنَتِ الوُجُوْہُ، جُھک گئے چہرے، ذلیل ہوگئے۔ عَنَتِ، واحد مؤنث غائب۔ عُنُوٌّ سے مشتق ہے جسکے معنی عاجزی اور فروتنی کرنے کے ہیں۔ عَنَّیْتُہٗ کے معنی کسی کو مصیبت میں مبتلا کر دینے کے ہیں اور عَنِیَ کے معنی مصیبت میں مبتلا ہونا یا قیدی بننے کے ہیں، اسی سے عَانٍ قیدی کو کہا جاتا ہے اسکی مؤنث عَانِیَۃٌ ہے۔ اور عَوَان جمع ہے عَانِیَۃٌ کی۔ حدیث میں ہے استصوا بالنِّسَآءِ خَیْرًا فَاِنَّھُنَّ عِنْدَکُمْ عَوَانٍ عورتوں سے بہتر سلوک کیا کرو۔ بیشک وہ تمہارے پاس ایک طرح کی قیدی ہیں۔

المَعْنٰی اس مفہوم یا مقصود کو کہا جاتا ہے جو لفظ سے ظاہر ہوتا ہے یہ عَنَتِ الارضُ بالنبات کے محاورہ سے مشتق ہے جسکے معنی ہیں زمین نے پودے نمودار کئے (راغب)

عَنَا یَعْنُوْ اعَنَاءً وعُنُوًّا : عَنَا لَہٗ خضوع کرنا، جھکنا، فرمانبردار ہونا۔ قال الجوھری، عَنَا یَعْنُوْ عَنَاءً خَضَعَ وذَلَّ (قرطبی)

عانٍ واحد اسم فاعل جمع عُنَاۃٌ آتی ہے قَوْم عُنَاۃٌ وَنِسْوَۃٌ عوانٍ

ھَضْمًا : فَلَا یَخَافُ ظُلْمًا وَّلَا ھَضْمًا (آیت نمبر ۱۱۲) سو اسے نہ زیادتی کا اندیشہ ہوگا اور نہ کمی کا۔

مولانا اصلاحی فرماتے ہیں کہ ظلم اور ہضم دونوں لفظ جب ایک ساتھ استعمال ہوں تو ظلم کے اندر حق تلفی کا مفہوم پایا جاتا ہے، اور ہضم کے اندر غضب اور تعدی کا، یعنی ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی کا حق جو آپ

پر عائد ہوتا ہے آپ اسکو دبا بیٹھیں یہ ظلم ہے دوسری صورت یہ کہ آپ تعدی کر کے دوسرے کے پاس جو کچھ ہے اسکو چھیننے اور غصب کرنے کی کوشش کریں یہ ھضم ہے۔ (تدبر)

اَلْھَضْمُ کے اصل معنی کسی نرم چیز کو کچلنا کے ہیں۔ محاورہ ہے ھَضَمْتُہٗ فَانْھَضَمَ میں نے اُس کو توڑا تو وہ ٹوٹ گیا، آیت کریمہ ہے، وَنَخْلٍ طَلْعُھَا ھَضِیْمٌ اور کھجوریں جنکے خوشے نازک ہونے کی وجہ سے کچلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اَلْھَاضُوْمُ چورن جو کھانا ہضم کرتا ہے۔ کَشْحٌ مِھْضَمٌ پتلی کمر اِمْرَاَۃٌ ھَضِیْمَۃُ الْکَشْحَیْنِ، پتلی کمر والی عورت، اور یہ بطور استعارہ لفظ ھضم ظلم و تعدی کے لئے بولا جاتا ہے ھَضَمَ (ض) الشیئ کسی چیز کو توڑنا۔ ھَضَمَ حَقَّہٗ: کسی کے حق کو کم کرنا، ھَضَمَ لَہٗ مِنْ حَقِّہٖ اپنے حصہ میں سے کسی کو کچھ حصہ بخوشی دینا۔

رَجُلٌ ھَضِیْمٌ۔ مظلوم آدمی۔ والھَضْمُ النَّقْصُ والکسر (قرطبی) والفرق بین الظُّلم والھضم ان الظُّلْمَ المنع۔ من الحق کُلِّہٖ۔ والھَضْمُ المَنْعُ مِنْ بَعْضِہٖ (قرطبی)

یعنی پوری طرح کسی کے حق کو دبا بیٹھنا ظلم ہے اور کچھ حق دبا لینا ھضم ہے۔ یعنی ھضم ہلکے درجہ کا ظلم ہے اور اونچے درجہ کی زیادتی، تمرد اور سرکشی ظلم ہے۔

تَجُوْعَ : اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْھَا وَلَا تَعْرٰی (آیت نمبر ۱۱۸)

یہاں تمکو یہ آسائش ہوگی کہ نہ بھوکے رہوگے نہ ننگے۔ جَاعَ یَجُوْعُ جَوْعًا وَمَجَاعَۃً بھوکا ہونا۔ صیغہ صفت۔ جَائِعٌ وَجَوْعَانٌ بھوکا۔ اَلْجُوْعُ والمَجَاعَۃُ بھوک المَجَاعَۃُ خشک سالی کا زمانہ

اَطْعَمَھُمْ مِنْ جُوْعٍ ان کو بھوک میں کھانے کو دیا۔

تَعْرٰی : وَلَا تَعْرٰی، اور تو ننگا ہوگا برہنہ نہ ہوگا۔ عُرْیٌ سے جس کے معنی برہنہ ہونے کے ہیں واحد مذکر حاضر مضارع کا صیغہ ہے عَرِیَ مِنْ ثَوْبِہٖ یعری، ننگا ہونا۔ عارٍ و عُرْیَانٌ برہنہ اور ننگا آدمی، انسان کے وہ اعضاء جو عام طور پر ننگے رہتے ہیں ان کو مَعَارِی کہا جاتا ہے جیساکہ ہاتھ پاؤں اور چہرہ وغیرہ، محاورہ ہے فُلَانٌ حَسَنُ المَعَارِیْ: فلاں کے ظاہری اعضاء خوبصورت ہیں اور العَرَاءُ

کھلی جگہ وسیع میدان، جہاں کوئی آڑ وغیرہ نہ ہو۔ قرآن پاک میں ہے فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ۔ پھر ہمنے اسے جبکہ وہ بیمار تھے کھلے میدان میں ڈالدیا۔

تَظْمَؤُا : وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى (آیت نمبر ۱۱۹)

ظَمِئَ يَظْمَئُ ظَمْأً وَظَمَاءً وَظَمَاءَةً شدید پیاسا ہونا۔ صیغہ صفت ظَمِئٌ و ظَمْاٰنٌ، قرآن پاک میں ہے، يَحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاءً۔ پیاسا اُس کو پانی گمان کرتا ہے۔ مؤنث کا صیغہ ظَمِئَةٌ اور ظَمْاٰی آتا ہے۔ پیاسی عورت۔ جمع دونوں کی ظِمَاءٌ آتی ہے۔ ظِمْءٌ دو مرتبہ پانی کے درمیان کا وقفہ۔ اور جو پیاس اس وقفہ میں لگتی ہے اس کو ظَمَاءٌ کہا جاتا ہے۔ والظَّمْءُ : اَلْعَطْشُ (قرطبی)

تَضْحٰى : وَلَا تَضْحٰى : اور نہ تجھے دھوپ لگے۔ تَضْحٰى ضُحًى سے واحد مذکر حاضر ہے جس کے معنی دھوپ اور سورج کی تمازت میں نکلنے کے ہیں۔

ضَحِيَ يَضْحٰى : دھوپ کے سامنے آنا ضُحٰى کے اصل معنی دھوپ کے پھیل جانے اور دن کے چڑھ آنے کے ہیں پھر اُسوقت کو بھی ضُحٰى کہا جانے لگا ہے جس میں روشنی پھیلتی ہے۔ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا سورج اور اُس کی روشنی کی قسم، اس کا لام کلمہ واو ہے ضَحَى الطَّرِيْقُ يَضْحُوْا ضُحُوًّا، راستہ کا ظاہر ہو جانا۔ راستہ کھلنے لگنا، قَالَ ابو زيد۔ ضَحَى الطَّرِيْقُ يَضْحُوْا ضُحُوًّا۔ (ذابَدَ الك وظَهَرَ (قرطبی)

يَبْلٰى : وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى : ایسی بادشاہت جس پر کبھی زوال نہ آئے، بَلِيَ الثَّوْبُ۔ بَلِيً وبَلَاءً، کپڑے کا بوسیدہ اور پُرانا ہونا۔ بَلَاهُ السَّفَرُ اي اَبْلَاهُ۔ یعنی سفر نے اُس کو لاغر کردیا اور بَلَوْتُهُ کے معنی ہیں میں نے اُس کو آزمایا، گویا کثرتِ آزمائش میں مَیں نے اُسے کہنہ کردیا۔ قرآن پاک میں ہے هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّا اَسْلَفَتْ، وہاں ہر شخص اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال کو آزمائیگا۔ بِلًى اور بَلَاءٌ سَمِعَ سے مصدر ہیں بمعنی پُرانا ہونا۔ گھِس جانا، اِبْلَاءٌ (افعال) پُرانا کرنا۔ فرسودہ کرنا۔ اِبْلَاءٌ کے معنی خبر دینا اور ظاہر کرنا کے بھی آتے ہیں اَبْلَاهُ عُذْرًا اُس نے اسکے سامنے عذر ظاہر کیا، اور اس کے معنی قسم کھانے اور قسم دینے کے

بھی آتے ہیں۔ اَبْلَی الرَّجُلَ : اسکو قسم دی، اسکے لئے قسم کھائی۔ حدیث میں ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَبْلَانَا شکر ہے اللہ کا جس نے ہمکو نعمت دی ہم پر احسان کیا بَلِیَّۃٌ : مشکل مصیبت جمع بَلَایَا اَبْلٰی فِی الْحَرْبِ بَلَاءً حَسَنًا : میدانِ جنگ میں بہادری اور شجاعت ظاہر کرنا۔

وَمُلْكٍ لَّا یَبْلٰی مستحکم مملکت جسمیں زوال و انحطاط نہ ہو۔

مَعِیْشَۃً : فَإِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْكًا مَعِیْشَۃٌ : سامانِ زندگی : اسم مصدر ہے مَعَاشًا : اسم اور مصدر : زندگی گزارنا وقت زندگی، کھانے پینے کی جس چیز سے گذران ہو سکے۔ اس کو مَعَاشٌ اور مَعِیْشَۃٌ کہا جاتا ہے۔ جمع مَعَایِشُ وَ مَعَائِشُ۔ عَاشَ یَعِیْشُ عَیْشًا عِیْشَۃً وَ مَعَاشًا وَ مَعِیْشَۃً زندہ رہنا۔ اہلِ لغت نے عَیْشٌ اور حیات جو میں ایک فرق بیان کیا ہے کہ حیات کا لفظ ہے اس کا اطلاق ذات باری، انسان اور دیگر حیوانات پر بھی ہوتا ہے لیکن عَیْشٌ کا لفظ یا معاش کا لفظ صرف حیوان اور انسان کے لئے ہوتا ہے ذاتِ باری پر نہیں ہوتا۔

زَھْرَۃٌ : رونق، خوبی، تازگی، زینت اصل میں کلی جب کھل جاتی ہے تو زَھْرَۃٌ کہلاتی ہے۔ اور دُنیا کی زیب و زینت کے لئے اسی مناسبت سے زَھْرَۃٌ بولا جاتا ہے زَھْرَۃُ الدُّنْیَا دُنیا کی رونق۔

زَھْرَۃُ الْوَجْہِ : چہرہ کا چمکنا الزھرۃ کا اطلاق پھول پر بھی ہوتا ہے اور پھولدار پودے پر بھی۔ بعض نے اسکو صرف کھلے ہونے کے ساتھ خاص کیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ عام ہے اَلزَّھْرَۃُ مِنَ الدُّنْیَا، دُنیا کی سرسبزی و تازگی۔ حسن و زیبائش، اَلزَّھْرِیَاتُ مِنَ الْاَیَّامِ بہار کے دن خوشی کا دور۔

ابن فارس نے لکھا ہے کہ اسکے بنیادی معنی حسن روشنی اور صفائی پر دلالت کرتے ہیں۔ زَھْرٌ : یدل علی حسن و ضیاء و صفاء من ذالك الزھرۃ : النجم (مقائیس) ایک مخصوص ستارے کو بھی نجم اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ چمک میں دوسرے نجوم سے ممتاز ہے۔

ضَنْكًا : مَعِیْشَۃً ضَنْكًا کے معنی تنگ زندگی کے ہیں جو سکون و طمانیت اور فراغ خاطر اور شرح صدر کی نعمت سے

محروم ہو۔ ضَنْكٌ کے معنی مقام یا مَعِيْشَةٌ کی تنگی کے ہیں کہا جاتا ہے ضَنُكَ (ک) عَيْشُهٗ، اسکی معیشت تنگ ہو گئی اور اِمْرَاَةٌ ضَنَاكٌ گٹھیلے جسم والی عورت زکام کے معنی میں بھی ضَنَاكٌ بولا جاتا ہے اور زکام والے آدمی کو مَضْنُوْكٌ کہتے ہیں۔ مَنْزِلٌ ضَنْكٌ تنگ مکان اس میں واحد تثنیہ جمع اور مذکر و مؤنث برابر ہے بعض نے فعلی کے وزن پر مَعِيْشَةً ضنکیٰ بھی پڑھا ہے (قرطبی راغب) ضَنُكَ (ک) ضَنَاكَةً: کمزور رائے یا جسم یا عقل والا ہونا۔ صیغہ صفت ضَنِيْكٌ (منجد) الضنك: الضِّيْقُ من كل شئ (معجم الفاظ القرآن)

لِزَامًا: لَكَانَ لِزَامًا: لِزَامٌ صفت کا صیغہ ہے ہمیشہ ساتھ رہنے والا، چمٹ جانے والا، موت، انصاف کرنے والا حاکم، باب مُفاعلہ کا مصدر بھی لِزَامًا آتا ہے ہمیشہ ساتھ رہنا، جدا نہ ہونا۔ لَزَمٌ فیصلہ۔ اور لِزَمٌ بکسر المزا۔ فیصلہ کرنے والا حاکم سُبَّةٌ لِزَامٌ نہ چھوٹنے والی عار۔ چمٹے رہنے والی تنگ۔ لَازِمٌ اسم فاعل چمٹا رہنے والا

لَزِمَهٗ ولَزِمَ بِهٖ اس کو چمٹ گیا۔ لَزِمَهُ الْحَقُّ اس پر حق واجب ہو گیا، لَزِمَ الشَّيْئُ يَلْزَمُ: کسی چیز کا واجب ہونا، اور اَصْبَحَ لِزَامًا ای ضروریًا اَلْزَمْتُهُ الشَّيْئَ میں نے چیز اس پر واجب کر دی۔ اور اَلْزَمْتُهُ الشَّيْئَ کسی چیز کا اس طرح ساتھ لگ جانا کہ جدا نہ ہو۔

فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا، کچھ مدت کے بعد وہ تم کو چمٹ جائیگا، اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى: اللہ نے اُن پر کلمہ توحید واجب کر دیا۔ واللِّزَامُ - الْمُلَازَمَةُ ای لكان العذاب لازمًا لهم (قرطبی)

واللِّزَامُ: امّا مصدر لازم وصف بہ، إمّا فِعَالٌ بمعنی مِفْعَلٌ آی مِلْزَمٌ - كَاَنَّهٗ اٰلَةُ اللُّزُوْمِ لفرط لزومه كما قالوا لِزَازُ خَصْمٍ (کشاف) مِلْزَمٌ بمعنی شکنجہ لِزَامٌ مَصْدَرٌ فِی الاصل وان كان هنا بمعنی اسم الفاعل (جمل)

اٰنَآءَ: وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ: اٰنَآءُ گھڑیاں، اوقات - یہ اٰنًى

بروزن عصًا کی جمع ہے اَنَی الشَّیءُ : اس کا وقت قریب آگیا، وہ اپنی انتہا اور پختگی کو پہنچ گیا۔ علامہ جمل نے لکھا ہے کہ یہ اِنًا بکسر الہمزہ والقصر کی جمع ہے، جیسے مِعیً کی جمع اَمْعَاء ہے۔

الاِنُوُ والاِنْیُ والاَنْیُ والاَنَی : السَّاعَۃ من اللیل او اَیّ سَاعَۃٍ کانت (معجم الفاظ القرآن)

یہ لفظ اصلی مادہ کے اعتبار سے چند معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ تاخیر کرنا یا دیر سے آنا۔ جمعہ کے دن صفوں کو پھلانگ کر آگے نکلنے کی کوشش کرنے والے شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آذَیْتَ وَاٰنَیْتَ تو نے لوگوں کو تکلیف دی اور دیر سے آیا ہے۔ اِنَّہٗ لَذُوْ اَنَاۃٍ : وہ بردبار ہے بات غور و فکر سے کرتا ہے اَنَاۃٌ ایسی عورت جو حلیم اور بردبار ہو۔ رائے قائم کرنے میں جلد باز نہ ہو۔ وقت قریب آجانا۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللہِ (الحدید) کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل یادِ خدا کے لئے نرم پڑ جائیں اور اَنَیَ الحَمِیْمُ پانی کا کھولنا، اٰنٍ صفت کا صیغہ ہے اور اٰنِیَۃٌ مؤنث ہے حَمِیْمٌ اٰنٍ گرم پانی کھولتا ہوا عَیْنٌ اٰنِیَۃٌ کھولتے ہوئے پانی کا چشمہ۔

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الانبیاء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِقْتَرَبَ : اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ نزدیک آ گیا لوگوں کے انکے حساب کا وقت اِقْتَرَبَ باب افتعال کے مصدر اِقْتِرَابٌ سے واحد مذکر کا صیغہ ہے اس کا فاعل حساب ہے۔ معنی وہ نزدیک ہوا، قریب آ لگا۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ قیامت قریب آ لگی۔ اصل مادہ قُرْبٌ ہے، اسکا مقابل بُعد ہے۔ یہاں اِقْتَرَبَ بمعنی قَرُبَ ہے، اور حساب سے مراد وہ وقت ہے جس میں لوگوں کے اعمال کی جانچ پڑتال ہوگی اِقْتَرَبَ : ای قرب الوقت الذی یُحاسبون فیہ علی اعمالھم (قرطبی)

لَاهِيَةً : لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ : کھیل میں پڑے ہیں دل اُن کے (معارف) لَاهِيَةً اسم فاعل مؤنث ہے۔ جمع لَاهِيَاتٌ، مذکر لَاهِیٌ اصل مادہ لَهْوٌ ہے۔ اُس کام کو لَهْوٌ کہتے ہیں جسکا کوئی صحیح یا غلط مقصد ہی نہ ہو، خالی وقت گزاری کا مشغلہ بنایا جائے۔ لھو کے اصل اور مشہور معنی بیکاری کے مشغلہ کے ہیں (معارف) لفظ لَهْوٌ مختلف استعمال کی وجہ سے مختلف معنوں میں آتا ہے لَهَا لَهْوًا کھیل کیا، لَهَتِ الْمَرْأَۃُ اِلٰی حَدِیْثِہٖ، عورت نے اس کی بات پر تعجب کیا اور غصہ ہوئی اور لَهِیَ بِہٖ (س) لُهِيًّا و لُهْيَانًا : تعجب کیا اور اُس نے محبت کی۔ وضو کرنے کے بعد اعضاء پر جو تری باقی رہتی ہے اس کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا، اَلْهُ عَنْہُ و اس کو چھوڑ دو، یونہی رہنے دو۔ لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ اَیْ مُتَشَاغِلَۃٌ عما یُدْعَوْنَ اِلَیْہِ وھذا من لَهَا عن الشیئ اذا تشاغل بغیرہ یَلْهٰی (لسان)

لَاهِيَةً مِنْ لَهِیَ عن الشیئ بالکسر لُهِيًّا وَ لُهْيَانًا اذا سلا عنہ و ترك ذکرہٗ (روح)

واللاهیۃ من لَهَا عنہ اذا ذَهَلَ وغَفَلَ (کشاف)

اَضْغَاثُ : بَلْ قَالُوْا اَضْغَاثُ

اَحْلَامٍ (آیت نمبر ۵)
اضغاثٌ ، ضِغْثٌ کی جمع ہے۔ ضغث گھاس کی اُس مٹھی کو کہتے ہیں جو رطب و یابس اور خشک و تر گھاس دونوں کا مجموعہ ہو۔ یہیں سے اضغاثٌ احلام کا محاورہ پیدا ہوا ہے جس کے معنی خواب پریشاں کے ہیں۔ وہ خواب جو معنی و مفہوم سے بالکل خالی اور اپنے اُلجھاؤ کے سبب اس قابل نہ ہو کہ اُس کی طرف توجہ کی جائے اور انکو کوئی اہمیت دی جائے (تدبر)

قَصَمْ : وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً (آیت نمبر ۱۱) ہم نے کتنی ہی بستیاں غارت کر ڈالیں جنکے رہنے والے ظالم تھے (ماجدی)
اَلْقَصْمُ کے معنی ہلاک کرنے اور کسی چیز کو توڑ دینے کے ہیں۔ قَاصِمَۃُ الظھر : کمر توڑ دینے والی مشکل اور ہلاکت اور القصْمُ وہ آدمی جو ہر مقابلہ کرنے والے کو توڑ دے قَصَمَ الشَّئَ : چیز کو توڑ دینا، قصَمَ الرجل ہلاک کرنا۔ محاورہ ہے قصَمَ اللّٰہُ ظھر الظالم خدا ظالم کی کمر توڑ دے قصَمَ اللّٰہُ عُمْرَ الکافر خدا کافر کی عمر تمام کر دے حدیث میں ہے لیس فِیھَا قصْمٌ ولا فَصَمٌ۔ بہشت میں نہ کوئی چیز ٹوٹی ہوتی ہے اور نہ پھٹن ہے قَصَمٌ کے معنی ہیں کسی چیز کو توڑ کر الگ کر دینا، اور فَصَمٌ توڑنا مگر چیز کو جدا نہ کرنا۔ قَصَمَ لِحِيْنِهٖ ، اسی وقت توڑ ڈالا۔ وَالْقَصْمُ : الکسر ولعا الفصم (بالفاء) فھو الصدع فی الشئ من غیر بینونۃ (قرطبی)

يَرْكُضُوْنَ : اِذَا هُمْ يَرْكُضُوْنَ (آیت نمبر ۱۲) رَكْضٌ کے معنی ہیں ٹانگ کو حرکت دینا۔ اگر سوار کے متعلق بولا جائے جیسے رَكَضْتُ الْفَرَسَ تو اس کے معنی گھوڑے کو تیز دوڑانے کے لئے ایڑھ لگانا کے ہوتے ہیں۔ اور اگر پیادہ یا آدمی کی طرف منسوب ہو تو اس کے معنی پاؤں کے ساتھ زمین کو روندنے کے ہوتے ہیں اسی سے ہے اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ : یعنی اپنی ٹانگ زمین پر مارو۔ رَكَضَ يَرْكُضُ (ن) رَكْضًا دوڑنا، پاؤں ہلانا۔ رَكَضَهٗ ہٹانا۔ رَكَضَ الْفَرَسَ برجلیہ گھوڑے کو تیز دوڑانے کے لئے دونوں پاؤں کی ایڑیاں مارنا۔ رَكَضَ الطَّائِرُ بِجَنَاحَيْهِ پرندہ کا دونوں بازوؤں کو پھڑ پھڑانا، اِرْتَكَضَ افتعال سے حرکت کرنا۔ اِرْتَكَضَ الْجَنِيْنُ :

بچہ کا ماں کے پیٹ میں حرکت کرنا۔ پھرنا (راغب۔ قرطبی۔ منجد)

وَالرَّكْضُ: ضربُ الدابّةِ بالرِّجلِ (کشاف) رَکَضَ یہاں بھاگنے سے کنایہ ہے والرکض هنا كناية عن الهرب (روح) اذا هم منها يركضون: تو وہ اس سے بھاگنے لگے۔ لَا تَرْكُضُوْا: مت بھاگو۔ ایڑ نہ لگاؤ۔ اَلْمِرْكَضُ وہ چیز جس سے آگ کو حرکت دیکر بھڑکایا جائے۔

خٰمِدِيْنَ : جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ (آیت نمبر ۱۵)

ہم نے انھیں کٹی ہوئی کھیتی بجھی ہوئی آگ بنادیا۔ خَمَدَتِ النَّارُ: آگ کے شعلوں کا ساکن ہوجانا۔ اور اسی سے بطور استعارہ خَمَدَتِ الْحُمّٰى کا محاورہ، بمعنی بخار کا ہلکا ہوجانا۔ بطور کنایہ کے خمود بمعنی موت آتا ہے، آیت کریمہ جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ میں یہی معنی مراد ہیں، اسی طرح آیت فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ۔ ناگہانی وہ بجھ کر رہ گئے، میں بھی یہی معنی مراد ہیں کہ موت نے انکی زندگیوں کو بجھادیا۔ خَمَدَ الْمَرِيْضُ بیمار بیہوش ہوگیا، مرگیا۔ اَخْمَدَ الرَّجُلُ آدمی کا بے حرکت ہونا، خاموش ہوجانا، خٰمِدُوْنَ مرے ہوئے بجھے ہوئے۔

خٰمِدِيْنَ : مَيِّتِيْنَ۔ والخمود الهمود كخمود النار اذا طفئت فشبّه خمود الحياة بخمود النار (قرطبی) اور الخُمُوْدُ: آگ بجھانے کی جگہ۔ قَوْمٌ خَامِدُوْنَ مُردہ قوم خاموش لوگ، خَمَدَتِ النَّارُ يَخْمُدُ خُمُوْدًا۔ سَكَنَ لهبها (لسان) آگ کے شعلے ٹھنڈے ہوگئے۔

نَقْذِفُ : بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ۔

قَذَفَ يَقْذِفُ قَذْفًا قے کرنا۔ قَذَفَ الْمَلَّاحُ: ملاح کا کشتی کو چپو سے چلانا۔ قَذَفَ بِقَوْلِهٖ بلا تأمل بغیر سوچے بات کہدینا۔ قَذَفَهٗ بِكَذَا: کسی پر کوئی تہمت لگانا۔ قَذَفَ الْحَجَرَ: پتھر پھینکنا۔ اصل میں القَذْفُ کے معنی کسی چیز کو دُور پھینکنا کے ہیں۔ مَنْزِلٌ قَذَفٌ دُور کا مکان اسی طرح دُور دراز کی بستی کو بَلْدَةٌ قَذِيْفَةٌ کہا جاتا ہے۔

قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ، ان کے دلوں میں دہشت ڈالدی و یُقْذَفُوْنَ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا۔ اور ہر طرف سے اُن پر انگارے پھینکے جاتے ہیں۔ بطور استعارہ کے قَذْفٌ کا لفظ جھوٹی تہمت لگانے پر بولا جاتا ہے۔ مولانا عبدالدائم صاحب جلالی لکھتے ہیں کہ قَذْفٌ کے اصلی معنی تیر کو دُور پھینکنے کے ہیں۔ پھر تیر کی شرط کو ساقط کر کے مطلق پھینکنے اور ڈالنے اور اُتارنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے، لیکن دوسری کتب لغات میں قَذْفٌ کے اصل معنی کسی بھی چیز کو دُور پھینکنے کے ہیں، القذف الرمی (قرطبی) واصل القذف الرمی البعید کما قال الراغب (روح) قذف بالشیٔ یقذف قذفًا فانقذف رمی (لسان)

القذفُ: الرمی بالسھم والحصٰی والکلام وکلّ شیٔ (لسان)

یَدْمَغُ: یَدْمَغُهٗ: اس کا بھیجا نکال دیتا ہے۔ یَدْمَغُ کے معنی دماغ پر ضرب لگانے کے ہیں (معارف)

حُجَّةٌ دَامِغَةٌ: حجت قاطع اور سر توڑ دلیل۔ شَجَّةٌ دَامِغَةٌ وہ چوٹ جو دماغ تک پہنچ جائے دَمَغَهٗ (ف)، دَمْغًا دماغ تک زخمی کرنا۔ صفت مفعولی دمِیْغٌ اور مدمُوْغٌ آتی ہے دَمَغَ الحَقُّ الْبَاطِلَ: حق کا باطل کو مٹا دینا اور اَدْمَغَهٗ (افعال) إلٰی کَذَا کسی کا حاجتمند بنانا۔ اُمُّ الدِّمَاغِ، دماغ تک لپٹی ہوئی باریک جھلی۔ الدِّمَاغُ سر کا بھیجا۔ جمع اَدْمِغَةٌ: دَامِغُ جیشاتِ الاباطیل جھوٹ کی افواج کو ہلاک کرنیوالا دَمَغَ مغلوب کرنا۔ چوٹ یا زخم کا بھیجہ تک پہنچ جانا شکست دینا ـ دَمَغَ رَأْسَهٗ اس کا سر کچل دیا۔ الدِّمَاغ: بھیجہ۔ جسم کا وہ حصہ جو علم و ادراک کا مرکز ہے دَمْغٌ کے اصل معنی دماغ توڑنے کے ہیں۔ باقی معانی اسی سے استعارہ کے طور پر لئے جاتے ہیں۔ وکُلّ ذٰلِکَ استعَارَةٌ من الدّمغ الذی ھو کسر الدماغ (راغب)

وَاَصْلُ الدَّمْغِ: شجُّ الرّأسِ حتّٰی یبلغ الدماغ (قرطبی) والدّمْغُ: کسرُ الصّاقورة عَنِ الدّماغِ (لسان) کھوپڑی کا اندرونی حصہ توڑنا۔

زَاهِقٌ: جانے والا اور بے نام و نشان

ہو جانے والا (معارف)

زَاهِقَ الْحَقُّ الْبَاطِلَ حق نے باطل کو نیست و نابود کر دیا۔ اور زَهَقَتْ نَفْسُهٗ کے معنی ہیں غم اور رنج کی وجہ سے اس کی جان نکل گئی۔

رَتْقًا : كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا : (آیت نمبر ۳۰) رَتَقٌ کے اصل معنی جوڑنے اور ملانے کے ہیں خواہ خلقی طور پر ہو یا صناعی طریقہ سے فُلَانٌ رَاتِقٌ وَ فَاتِقٌ فِي كَذَا۔ فلاں اس معاملہ میں کرتا دھرتا ہے۔ رَتَقَ فَتْقَهُمْ : اس نے انکے درمیان صلح کرادی۔ رَتَقَ الثَّوْبَ يَرْتُقُ (ن) رَتْقًا۔ کپڑے کی پھٹن کو درست کرنا والرَّتْقُ : السدُّ۔ ضِدُّ الْفَتْقِ وَ قَدْ رَتَقْتُ الْفَتْقَ اَرْتِقُهٗ فَارْتَتَقَ اي اِلْتَأَمَ (قرطبی) رَتْقًا بسکونِ التَّاءِ، رَتَقَ يَرْتُقُ کا مصدر ہے جو بمعنی اسم فاعل بھی ہو سکتا ہے اور بمعنی اسم مفعول بھی۔ اور رَتْقَاءُ اس عورت کو کہا جاتا ہے جسکی شرمگاہ کے دونوں کنارے اس طور پر ملے ہوئے ہوں کہ استفادہ دشوار ہو۔

فَتَقْنَا : فَتَقْنٰهُمَا : ہم نے ان دونوں کو کھول دیا۔ الفَتْقُ : یہ رَتْقٌ کی ضد ہے فَتْقٌ کے معنی ہیں دو متصل چیزوں کو الگ الگ کر دینا۔ فَتَقَ الشَّیْءَ کسی چیز کو پھاڑنا، الگ کرنا فَتَقَ الثَّوْبَ کپڑے کا سیون توڑنا۔ فَتَقَ بَيْنَ الْقَوْمِ : قوم میں پھوٹ ڈالنا۔ اختلاف پیدا کرنا۔ اسی سے صبح کو فَتْقٌ اور فتیق کہا جاتا ہے کیونکہ وہ تاریکی سے نمودار ہوتی ہے۔ الصُّبْحُ الْفَتِيْقُ چمکنے والی صبح۔ اَفْتَقَ الْقَمَرُ چاند کا بادل سے ظاہر ہونا۔ رَجُلٌ فَتِيْقُ اللِّسَانِ تیز زبان آدمی۔ عَامُ الْفَتِيْقِ : وہ سال جس میں خوب بارش ہو اور ارزانی ہو۔ الفَتْقُ کشادہ میدان۔ حدیث میں ہے خَرَجَ حَتّٰى اَفْتَقَ بَيْنَ الصَّدَّيْنِ متین : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی کی تنگ جگہ سے نکل کر دو پہاڑوں کے درمیان کھلے میدان میں آ گئے۔ فَتِقَ (س) سے لازم ہے۔ فَتِقَ الْمَكَانُ : مکان کا سرسبز ہونا، اور اَفْتَقَ الْقَوْمُ، قوم کا خوشحال ہونا اَفْتَقَ السَّحَابُ بادلوں کا کھل جانا۔ اور اَلْفَتَقَةُ وہ زمین جس کے اطراف میں

بارش ہو لیکن اس میں نہ ہو (لسان، راغب)

فِجَاجًا : وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا

اور ہم نے اس میں کشادہ راستے بنائے (ماجدی) فِجَاجٌ : فَجٌّ کی جمع ہے۔ دو پہاڑوں کے درمیان کے شگاف کو فَجٌّ کہتے ہیں۔ پھر اس کے بعد وسیع اور کشادہ راستہ کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ اور الفَجَجُ انسان کے دونوں گھٹنوں کے درمیان کی کشادگی۔ اور جس آدمی کے دونوں گھٹنوں کے درمیان فاصلہ ہو اس کو افَجُّ کہتے ہیں، يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ وہ اونٹنیاں دُور دراز راستوں سے پہنچیں ہونگی، (سورۂ حج آیت ۲۷)

اَلْفُجَّةُ۔ دو پہاڑوں کے درمیان کشادگی۔ کہا جاتا ہے فُلَانٌ يَمْشِي مُفَاجًّا۔ یعنی فلاں ٹانگیں پھیلا کر چلتا ہے

يَكْلَؤُكُمْ : قُلْ مَنْ يَكْلَؤُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ،

(آیت نمبر ۴۲) تو کہہ کون نگہبانی کرتا ہے تمہاری رات میں اور دن میں رحمٰن سے (ترجمہ معارف)

اَلْكِلَاءَةُ وَالْكِلَاءُ و الْكَلَاءُ ، کسی چیز کی حفاظت کرنا اور اسکو باقی رکھنا۔ كُلُوءَةٌ کے معنی دیر لگانے کے ہیں كَلَأَكَ اللهُ خدا تمہیں محفوظ رکھے۔ اور كَالِئٌ کے معنی اُدھار کے ہیں۔ حدیث میں ہے، نَهٰى عَنِ الْكَالِئِ بِالْكَالِئِ، بیع میں دونوں طرف سے اُدھار کا معاملہ کرنے سے آپ نے منع فرمایا۔ اَلْكَلَأُ گھاس جسے محفوظ کرلیا ہو اور وہ مقام جہاں گھاس زیادہ ہو اس کو مَكْلَأٌ کہتے ہیں مَكَانٌ كَالِئٌ گھاس والا مکان، اور الكَلَّاءُ، بصرہ میں ایک مقام کا نام ہے۔ اَلْمُكَلَّاءُ اصل میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کشتیوں کو محفوظ رکھا جائے کیونکہ بصرہ کے اس مقام پر کشتیاں محفوظ رکھی جاتی تھیں اسلئے اسکو كَلَّاءُ کہا جاتا ہے۔ صاحب لسان العرب نے علامہ ازھری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ مہموز اللام ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ قراءۃ عامہ ہمزہ ہی کی ہے۔ علم نحو اور لغت کے مشہور امام کسائی اور فراء نے اسمیں دو قرائتیں اور نقل کی ہیں۔ ایک مَنْ يَكْلَوْكُمْ بفتح اللام و اسکان الواؤ اور دوسری من يَكْلَاكُمْ دونوں صورتوں میں ہمزہ کو تخفیف کے طور پر گرا دیا گیا ہے لیکن

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ نحاس کی تحقیق کے مطابق یہ خطا ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ جب ہمزہ کو گرا دیا گیا تو ماضی میں یوں کہا جائیگا، کَلَيْتُهُ: جسکے معنی ہوتے ہیں میں نے اسکے گردے پر مارا، اسکے گردے کو دردمند کیا، تو معنی بالکل بدل جاتے ہیں اور جب کوئی یوں کہے کہ کلاك الله تو یہ بددعا ہوگی کہ اللہ تیرے گردے میں تکلیف پیدا کرے اور کَلَأَكَ اللهُ یہ دعا ہے کہ اللہ اسکی حفاظت کرے اِذْهَبْ فِیْ كَلَاءَةِ اللهِ۔ اللہ کی نگہبانی میں جا۔ والكَلَاءَةُ، اَلْحَرَاسَةُ، والحِفْظُ (قرطبی)

يُصْحَبُوْنَ: وَلَاهُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ (آیت نمبر ۴۳) صَحِبَهُ (س) صُحْبَةً وَّ صَحَابَةً۔ ساتھی ہونا۔ دوستی کرنا، ساتھ زندگی گزارنا۔ لَا يُصْحَبُوْنَ ان کا ساتھ نہیں دیا جائیگا انھیں بچایا نہیں جائے گا۔

نَفْحَةٌ: جھونکا۔ اس پر تنوین چونکہ تنکیر کی ہے اسلئے معنی ہونگے معمولی سا جھونکا نَفَحَتِ الرِّيْحُ ہوا کا چلنا، لَهُ نَفْحَةٌ طَيِّبَةٌ وہ سخی ہے۔ نَفَحَتِ الدَّابَّةُ: جانور کا کھر سے آدمی کو مارنا اور نَفْحَةٌ کا استعمال عذاب اور شر کے لئے بطور استعارہ کے ہوتا ہے۔ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ۔ اگر ان کو تیرے پروردگار کیطرف سے معمولی سا عذاب بھی پہنچے نَفْحَة بالسیف تلوار کی ہلکی سی ضرب لگانا۔ رِيْحٌ نَفُوْحٌ تیز چلنے والی ہوا۔ نَفَحَ يَنْفَحُ نَفْحًا (ف) نَفَحَ الطِّيْبُ خوشبو کا مہکنا۔ وَالنَّفْحَةُ فِی اللُّغَةِ الدَّفْعَةُ الْيَسِيْرَةُ (قرطبی) معمولی سا جھٹکا۔ نفح فلان لفُلَانٍ من عَطَائِه اپنے مال میں سے کسی کو تھوڑا حصہ عطا کرنا۔

خَرْدَلٍ: یہ خَرْدَلَةٌ کی جمع ہے بمعنی رائی۔ کاٹنا۔ ٹکڑے ٹکڑے کرنا، پھینکنا۔ حدیث میں ہے۔ فَمِنْهُمُ الْمُوْبَقُ بِعَمَلِهِ ومنهُمُ الْمُخَرْدَلُ۔ پل صراط سے گزرنے والوں میں سے کوئی تو ایسا ہوگا کہ وہ ہلاک ہوگا اور کوئی وہ ہوگا جو اپنے عمل کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیگا اصل میں یہ فارسی الاصل ہے عربی میں اس کو حَبُّ الرشاد کہا جاتا ہے اسکا اطلاق قلیل ترین مقدار پر ہوتا ہے۔

تَمَاثِيْلُ: مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (آیت ۵۲) تماثیل۔ مورتیں، بناوٹی صورتیں،

تصویریں۔ یہ تِمْثَالٌ کی جمع ہے۔ تِمْثَال
ایک ایسا اسم ہے جو ہر ایسی چیز کے لئے
وضع کیا گیا ہے جس کو مخلوقات الٰہی میں سے
کسی ایک کے مشابہ بنایا گیا ہو۔ مَثَّلْتُ
الشَّیْءَ بِالشَّیْءِ کے معنی ہیں ایک چیز کو
دوسری چیز کے مشابہ کرنا۔ تشبیہ دینا۔ مانند
بنانا۔ اور مَثَّلَ بِفُلَانٍ عذاب دینا۔
مَثَّلَ بالقتیل مثلہ بنانا۔ والتمثالُ
اسم مَوْضُوْعٌ۔ للشَّیْءِ المصنوع مشبّھاً
بخلق من خلق اللہ (قرطبی) مراد یہاں
اصنام ہیں۔

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ : یہ مورتیاں کیا ہیں

يَنْطِقُوْنَ : فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا
يَنْطِقُوْنَ (آیت نمبر ۶۳) سوان سے
پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں۔ (معارف)
نَطَقَ يَنْطِقُ نُطْقًا و نُطُوْقًا و مَنْطِقًا،
آواز کے ساتھ بولنا جس سے معانی پہچانے
جائیں۔ امام راغب فرماتے ہیں نُطق ان
اصوات مقطعہ کو کہا جاتا ہے جو زبان سے
نکلتی ہیں اور کان اُن کو سنکر محفوظ کر لیتے
ہیں۔ اور آیت مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ،
تمہیں کیا ہے کہ تم بولتے نہیں، یہ لفظ
بالذات صرف انسان کے لئے بولا جاتا ہے،
اور دوسرے حیوانات کے لئے اسکا استعمال
بالطبع ہوتا ہے جیسے اَلْمَالُ النَّاطِقُ وَ
الصَّامِتُ یہ ایک محاورہ ہے جس میں
ناطق سے مراد حیوان اور صامت سے
مراد سونا چاندی وغیرہ ہے اور کبھی الناطق
کے معنی الدَّالّ عَلَی الشَّیْءِ کے بھی آتے ہیں
اور آیت کریمہ عُلِّمْنَا منطق الطیر، ہمیں خدا
کی طرف سے جانوروں کی بولیاں سکھائی گئی ہیں
میں پرندوں کی آواز کو محض حضرت سلیمان
علیہ السلام کے لحاظ سے نطق سے تعبیر کیا
گیا ہے۔ کیونکہ وہ ان پرندوں کی آوازوں
کو سمجھتے تھے۔ تو جو شخص کسی چیز کے
کوئی معنی سمجھتا ہو تو وہ چیز خواہ صامت
ہی کیوں نہ ہو اسکے لحاظ سے ناطق کا حکم
رکھتی ہے۔ نَطَقَ الْكِتَابُ کھول کر
بیان کرنا۔ واضح کرنا۔

النُّطْقُ : فی التَّعَارُفِ الْاَصْوَاتُ
الْمُقَطَّعَةُ الَّتِیْ يُظْهِرُهَا اللِّسَانُ وَ
و تَعِيْهَا الْاٰذَانُ (راغب)

نَطَقَ نُطُوْقًا تَكَلَّمَ بِصَوْتٍ و
حُرُوْفٍ تُعْرَفُ بِهَا الْمَعَانِیْ (منجد)

اور اَنْطَقَهٗ گفتگو کرانا، بلوانا۔
قرآن پاک میں ہے اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْ

أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ جس خدا نے ہر چیز کو
گویائی دی اور ہم سے گفتگو کرائی۔ النطاق
پیٹی، کمر کا پٹکا، جھالردار پیٹی کوٹ،
جمع نُطُقٌ محاورہ ہے۔ عَقَدَ فُلَانٌ
حُبُكَ النِّطَاقِ فلاں آدمی جانے کے
لئے تیار ہوا یا کام کے لئے فارغ ہوا،
الْمَنْطِقُ : کلام، علم منطق اور الْمَنْطُوْقُ
بولا ہوا لفظ۔ اَلْمِنْطِيْقُ خوش بیان،
بولنے والا۔ ذات النطاقین : حضرت
اسماءؓ بنت ابی بکرؓ کا لقب ہے، اُنہوں
نے ہجرت کے وقت اپنے کمر بند کے دو
ٹکڑے کر کے ایک اپنے لئے رکھا اور ایک
کے ساتھ اپنے والد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کا توشہ ہجرت باندھا۔

نُكِسُوْا : ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ
(آیت نمبر ۶۵) نَكْسٌ کے معنی کسی چیز کو
اس طرح اُلٹ دینے کے ہیں کہ اُسکے
پاؤں اوپر ہو جائیں اور اسکا سر نیچے (ادبر)
نُكِسَ الْوَلَدُ۔ ولادت کے وقت بچے کے پاؤں
سر سے پہلے باہر نکلنا۔ اور اَلنُّكْسُ صحت
یابی کے بعد مرض کا عود کر آنا اور آیت
کریمہ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي
الْخَلْقِ
جس کو ہم بڑی عمر دیتے ہیں اسکو ہم خلقت
میں اوندھا کر دیتے ہیں اسمیں ایک قراءت
نُنْكِسْهُ (افعال) بتخفیف الکاف ہے۔

اُفٍّ : اُفٍّ لَّكُمْ، نہایت شدید
نفرت و کراہت کا کلمہ ہے اصل میں اُف
ہر قسم کے میل کچیل، جیسے ناخن کا تراشا
وغیرہ کو کہتے ہیں اور اسی اعتبار سے کسی
چیز کے متعلق گندگی اور نفرت کے اظہار کے
لئے اس کا استعمال ہوتا ہے۔ علامہ
شوکانی صاحب فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ
اُف کان کا میل ہے اور تُف ناخن کا، کسی
چیز سے گھن ظاہر کرتے وقت اُف کہا
جاتا ہے۔ چنانچہ اس معنی میں یہ اس
کثرت سے بولا گیا کہ ہر اذیت رساں چیز
کے بارے میں اہل عرب اس کا استعمال کرنے
لگے ہیں۔ ثعلب ابن الاعرابی سے روایت
کرتے ہیں کہ اَفَفٌ جو کہ اُفٌّ کی اصل ہے
کے معنی جی میں گھٹنے اور تنگ دل ہونے کے
ہیں۔ قتیبی کہتے ہیں کہ اس کی اصل یہ ہے کہ
جب کسی شخص پر خاک وغیرہ پڑتی ہے تو
وہ اس کو پھونک مار کر صاف کرتا ہے،
اس پھونک مارنے سے جو آواز پیدا ہوتی ہے
اس کو اُف کہتے ہیں پھر اس کے معنی میں

مزید وسعت پیدا کر کے ہر قسم کی تکلیف پہنچنے پر اس کو بولنے لگے۔ ابو عمر ابن العلاء کہتے ہیں کہ اُف ناخن کا میل ہے۔ اور تف اس کا تراشہ۔ بہر حال یہ یا تو اسم فعل ہے، یا اسم صوت جو تنگدلی اور گرانی کو ظاہر کرتا ہے (فتح القدیر ص۲۸۸ جلد ۳، طبع ثانی مصر ۱۳۸۳ھ) اس کلمہ کی مزید تفصیل سورۂ اسرائیل میں گزر چکی ہے۔

بَرْدًا : قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ (آیت نمبر ۶۹)

بَرْدٌ ٹھنڈا ہونا، ٹھنڈا کرنا، ٹھنڈک یہ حَرٌّ کی ضد ہے۔ تَبْرِيْدٌ ٹھنڈا کرنا، تَبَارُدٌ ٹھنڈا بننا، بَرَدَ كَذَا اُسنے ٹھنڈ حاصل کی بَرَدَ الْمَاءُ كَذَا، پانی نے اسکو ٹھنڈا کر دیا، ایک شعر ہے سَتَبْرُدُ اَكْبَادًا وَّ تُبْكِيْ بَوَاكِيًا، تو بہت سے کلیجوں کو ٹھنڈا اور بہت سے رونے والیوں کو رُلا ڈالیگی۔ اَلْبَرَّادَةُ پانی ٹھنڈا کرنے والی چیز۔ ریفریجریٹر ٹھنڈا کرنے کی مشین، بَرَّادِيَةٌ کولر۔ ٹھنڈا کرنیکا بکس۔ بَرِيْدٌ؛ ڈاک، پوسٹ مین، اِبْرَادٌ ڈاک بھیجنا، بَرَدَ كَذَا کے معنی کسی چیز کا البرد یعنی اولے کی طرح جامد و ثابت ہونا بھی آتے ہیں جس طرح حرؔ کو حرکت لازم ہے اسی طرح بَرْد کے ساتھ کسی چیز کا ثبات مختص ہوتا ہے بَرَدَ عَلَيْهِ دَيْنٌ اس پر قرض ٹھہر گیا۔ اور لَمْ يَبْرُدْ بِيَدِيْ شَيْءٌ میرے ہاتھ میں کوئی چیز ٹکتی نہیں، یعنی میں بڑا شاہ خرچ سخی ہوں۔ بَرَدَ الْاِنْسَانُ آدمی ٹھنڈا ہو گیا یعنی مر گیا، موت نے اسکو ٹھنڈا کر دیا۔ بَرَّدَهٗ اسکو قتل کر ڈالا۔ بَوَارِدُ تلواریں جو آدمی کو ٹھنڈا کرتی ہیں۔ بَرْدَان صبح و شام کی نمازیں۔ حدیث میں ہے مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دخل الْجَنَّةَ جو شخص صبح و شام کی نماز پڑھے وہ جنت میں داخل ہوگا پھر بَرْدٌ کا لفظ نیند کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے چونکہ نیند بھی انسان کے لئے باعثِ سکون و ٹھنڈک ہے چنانچہ آیتِ کریمہ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا میں بَرْد سے مراد نیند ہے۔ بقول ابن فارس یہ چار مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے بَرَدَ الْمَاءُ حَرَارَةَ جَوْفِيْ پانی نے میرے پیٹ کی حرارت کو خنکی سے بدل دیا۔ دوسرا اطلاق سکون و ثبات کے لئے ہے۔ تیسرا اطلاق اس کا ملبوس پر ہوتا ہے جیسے بُرْدٌ كِسَاءٌ چادر۔ چوتھا اطلاق حرکتِ اضطراب کی کیفیتوں کا حامل ہے۔ بَرِيْدُ الْعَسَاكِرِ: وہ شخص جو فوجوں میں گھوم پھر کر ایکدوسرے تک جنگی اطلاع فراہم کرے۔

بَرِدَ (س) فلانٌ سو جانا، سُست پڑجانا
محاورہ ہے جدًّا فِیْ اَمْرِہٖ ثُمَّ بَرَدَ جب
کوئی کسی معاملے میں گرم جوشی کے بعد پھر سرد
پڑجائے۔ صیغہ صفت کا بَارِدٌ بَرُوْدٌ بُرُوْدٌ،
قرآن میں ہے ھٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ (ص)

اَلْخَبٰٓئِثُ : کَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ

گندے کام کرتے تھے خَبَائِثُ خَبِیْثَۃٌ کی
جمع ہے۔ بہت سی خبیث اور گندی عادتوں
کو خبائث کہا جاتا ہے۔ یہاں قوم لوط کی
اس بڑی خباثت کا ذکر ہے جس سے جنگلی
جانور تک شرماتے اور بچتے ہیں وہ بدترین
جرم وخباثت لواطت ہے جسمیں ایک مرد
اپنے ہم جنس سے شہوت پوری کرتا ہے۔
چونکہ یہ فعل نہایت بدترین اور خبیث بُرا
اور خبیث برادری کا اعلیٰ فرد ہے اس لئے
اس کو بصیغہ جمع ذکر فرمایا گیا ہے اور یہ
بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی
بُرے کاموں کا ارتکاب کرتے ہوں۔
وَنَجَّیْنٰہُ مِنَ الْقَرْیَۃِ الَّتِیْ کَانَتْ
تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ۔ یہاں قریہ سے
مراد قریہ سدوم ہے جہاں حضرت لوطؑ
آباد ہو کر اشاعت دین کا کام انجام
دیتے تھے ان کو خباثت اعمال کی پاداش
میں ہلاک کر ڈالا گیا۔

اَھْلٌ : فَنَجَّیْنٰہُ وَاَھْلَہٗ مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ : (آیت نمبر ۷۶)

لفظ اھل عربی میں وسیع مفہوم کے لئے
استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً اہلِ کتاب، اہلِ
انجیل، اہلِ قریہ، اہل اللہ، اہلِ مدینہ،
اہلِ قرون، اہلِ ذکر، اہلِ بیت وغیرہ
لسان العرب میں ہے۔ اھل الرجل
اخصّ النّاس بہٖ ۔ اھل الرّجل وہ لوگ
ہوتے ہیں جو اس شخص سے خاص تعلق رکھنے
والے ہوتے ہیں اَھْلُ کُلِّ نَبِیٍّ اُمَّتُہٗ
ہر نبی کے اہل اس کی اُمت کے لوگ ہوتے
ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے
کہ حضرت عمرؓ کے خلیفہ بنانے کے بارے
میں جب قیامت کے دن میرا رب مجھ
سے پوچھے گا کہ مسلمانوں کا والی کس کو
بنا کے آئے ہو تو عرض کرونگا کہ اِسْتَعْمَلْتُ
عَلَیْھِمْ خَیْرَ اَھْلِکَ میں نے اُن پر تیرے
بہترین اہل کو خلیفہ بنایا ہے سورہ مریم
کی آیت نمبر ۵۵ میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام
کے بارے میں ارشاد ہوا ہے وَکَانَ
یَاْمُرُ اَھْلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ ظاہر
ہے کہ یہاں بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام

کے صرف بیوی بچوں کو مراد لینا کوئی علمی خدمت نہیں بلکہ یہ کہنا اور ماننا ہوگا کہ اس سے مراد تمام وہ لوگ ہیں جو آپ سے وابستہ تھے اور آپ پر ایمان لا چکے تھے اُنھیں کو آپ نماز اور زکوٰۃ کی تبلیغ فرماتے تھے اسی طرح سورۂ طٰہٰ کی آیت کریمہ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا سے بھی وہ تمام لوگ مراد ہیں جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے عام اس سے کہ وہ حضورؐ کے خاص متبعین ہوں یا دوسرے مسلمان اور عام اس سے کہ وہ قریش ہوں یا لونڈی و غلام ان سب کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اہل سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے کہ فی الحقیقت وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کنبے ہیں اور ہر نبی کو انکی اسی طرح خبر گیری کی فکر ہوتی ہے جس طرح کسی کو خاص اپنے کنبے کی فکر ہوتی ہے، اور آیت کریمہ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ، اس سے مراد باجماع اُمّت اور خود قرآن پاک کے اپنے صریح کلام سے ثابت ہے کہ ازواج مطہرات ہیں کیونکہ خطاب انہی کو ہے اور سیاق و سباق انہی کے متعلق ہے جو يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ سے شروع ہو کر وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا پر ختم ہوتا ہے۔ اس آیت میں اَلْبَيْت سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عزت کدہ ہے جس میں ازواج مطہرات سکونت پذیر تھیں باقی حضرت علیؓ اور اُن کی فاطمیؓ اولاد اس لئے اہل بیت میں شامل مان لئے گئے ہیں کہ ان کا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے قرابت کا رشتہ ہے نہ کہ آیت کی وجہ سے باقی یہ استدلال کہ اگر اس سے مراد ازواج ہوتیں تو صیغہ مؤنث ہونا چاہئے تھا محض لغو اور قرآنی اسلوب سے ناواقفی کی دلیل ہے۔ چونکہ عنکم اور لیطہرکم میں مذکر کے صیغے لفظ اہل کی رعایت سے استعمال کئے گئے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مبارکہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے جب حضرت اسحاق کی بشارت پر اظہار تعجب کیا تو فرمانے لگیں اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ۔ یہ عجیب بات ہے تو اس مبشر فرشتے نے کہا کہ اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ کیا تم امر الٰہی پر تعجب کرتی ہو، تم پر اے گھر والو اللہ کی رحمت اور اُسکی

برکتیں ہوں ۔ یہ سورۂ ہود کی آیت ۷۳ ہے اور اس سے مراد حضرت سارہؓ ہیں ۔ کیونکہ آیت میں انہی کو خطاب کیا گیا ہے اسی طرح سورۂ احزاب میں بھی اہل البیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں کہ وہ ہی اصل گھر والیاں ہیں ۔ اہل عرب عموماً مؤنث سے خطاب کرتے وقت جمع مذکر کا صیغہ استعمال کرتے ہیں ۔ حماسی شاعر اپنی بیوی کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ ؎

فَلَا تَحْسِبِيْ اِنِّيْ تَخَشَّعْتُ بَعْدَكُمْ

تو یہ خیال نہ کرنا کہ میں تیرے بعد ذلیل ہو گیا ۔ اسی طرح مشہور شاعر مخذومی اپنی بیوی سے کہتا ہے ؎

فَاِنْ شِئْتِ حَرَّمْتُ النِّسَاءَ سِوَاكُمْ

اگر تو چاہے تو میں تیرے سوا سب عورتوں کو اپنے اوپر حرام کر لوں ۔ خود قرآن پاک میں حضرت موسٰی علیہ السلام کی زبان سے جبکہ وہ اپنی اہلیہ محترمہ کو خطاب کر رہے ہیں جمع مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے ، ارشاد ہے کہ فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْا اِنِّيْ اٰنَسْتُ نَارًا ؛ تم ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے عربی کا ایک ادنٰی طالب علم بھی جانتا ہے کہ اُمْكُثُوْا جمع مذکر امر کا صیغہ ہے ، جس کی مخاطب ایک عورت ہے جو حضرت موسٰی علیہ السلام کی اہلیہ مبارکہ ہیں اور خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کو خطاب کرتے وقت اہل البیت سے خطاب کیا ہے ۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے حضرت زینبؓ کی شادی کے قصہ میں مذکور ہے ۔ فخرج النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم فانطلق الی حجرۃ عائشۃ فقال السّلام علیکم اھل البیت و رحمۃ اللہ فقالت علیك السّلام و رحمۃ اللہ کیف وجدتَ اھلك بارك اللہ لك

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لا کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی طرف روانہ ہوئے وہاں پہنچکر فرمایا ، السلام علیکم اہل البیت ورحمۃ اللہ ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں عرض کیا ، وعلیک السلام آپ نے اپنی اہلیہ کو کیسے پایا ، اللہ آپ کو برکت دے ۔ پھر آپ اسی طرح تمام ازواج کے حجروں میں گئے اور یہی خطاب فرمایا ، بخاری کی اس حدیث سے اس بات کا قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے کہ سورۂ احزاب کی آیت لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ

البیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں، باقی
اہلِ بیت کی مخصوص اصطلاح بعد کی ایجاد ہے
جو قرآن پاک سے تعصب کی بنا پر تراشی
گئی ہے۔ اور جیسا کہ ابن کثیر نے ابن جریر
سے روایات نقل کی ہیں کہ حضرت عکرمہ
رضی اللہ عنہ بازاروں میں کھلے عام اعلان
کرتے ہیں آیت تطہیر ازواج مطہرات
کے بارے میں اُتری ہے اور اس کا شانِ
نزول ازواج مطہرات ہیں۔

نَفَشَتْ : اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ
(آیت نمبر ۷۸) لفظ نَفَشْ کے معنی عربی
لغت کے اعتبار سے یہ ہیں کہ رات کے
وقت مویشیوں کا کسی کی کھیتی میں بغیر
چرواہے کے جا پڑنا اور بعض اہلِ لغت
نے اسکی تصریح کی ہے کہ نفش صرف رات
کے چرنے پر بولا جاتا ہے۔
قال الزہری النَّفَشُ لَا يَكُوْنُ اِلَّا
بِاللَّيْلِ (جصاص) اس کے مقابل ھَمَلٌ ہے
جسکے معنی ہیں جانوروں کا دن میں چرنا اور
صاحب لسان العرب نے یہ بھی نقل کیا ہے
کہ لفظ ھمل عام جانوروں کے رات کے
چرنے پر اسکا اطلاق ہوتا ہے اور دن میں
چرنے پر بھی۔

نَفَشَ (ن) نَفْشًا بسکون الفاء۔ القُطْنَ اَوِ
الصُّوْفَ روئی یا اُون دھننا، اَلنَّفَشُ
بفتح الفاء اسم ہے دھنی ہوئی روئی۔
متفرق سامان۔ نَافِشَةٌ صیغہ صفت
جمع نوافِشُ و نُفَّاش اور اَنْفَشَ مویشی کو
رات کو بغیر چرواہے کے چھوڑنا۔ اور
نَفَّاشٌ مغرور پھولا ہوا۔ اور مَنْفُوْشٌ
مفعول دھنی ہوئی، کَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ
جیسے دھنی ہوئی رنگ برنگ کی روئی،
اور اَلنَّفَشُ (بفتح الفاء) ان بکریوں کو بھی کہا
جاتا ہے جو رات کو بغیر چرواہے کے چرنے
کے لئے نکل جائیں۔ نَفِیْشٌ وہ مال جو علیحدہ
علیحدہ کرکے رکھا گیا ہو۔ اُنْفُشْهَا فَاِنَّهٗ
اَحْسَنُ لَهَا۔ حضرت عمرؓ نے ایک لڑکے دیکھا
وہ کوئی سبزی وغیرہ فروخت کر رہا تھا
تو آپ نے فرمایا کہ اس کو الگ الگ
کرکے رکھ کیونکہ اچھا معلوم ہوگا کہ اور
لوگ خریدنے کیطرف راغب ہونگے، لفظ
نَفْشٌ کے اصل معنی انتشار اور افتراق
کے ہیں۔ والنَّفَشُ : رَعْیُ الْمَاشِیَةِ فِی
اللیل بغیر راعٍ کما ان الْهَمَلَ
رَعْیُهَا فی النهار کذالک وَکَانَ
اَصْلُهٗ اَلْاِنْتِشَارُ والتفرق (روح)

النَّفْشُ (بسکون الفاء) اُون دُھننا والنَّفْشُ: مَدُّكَ الصُّوفَ حَتّٰى يَنْتَفِشَ بَعْضُهٗ عن بَعْضٍ والنَّفَشُ (بفتح الفاء) المتاعُ المُتَفَرِّقُ (لسان)۔

يَغُوصُوْنَ: يَغُوصُوْنَ لَهٗ (وہ شیاطین) غوطہ لگاتے اس کے واسطے، الغوص۔ اجوف واوی، غوطہ لگاکر پانی سے کوئی چیز نکالنا اور غائِصٌ وہ شخص جو پیچیدہ مسائل کی تہ تک پہنچ جائے، اس سے مراد بالاتفاق جنّ اور متمرد شیاطین ہیں۔ الغَوَّاص: غوطہ خور جنات، اس سے سرکش اقوام لینا تحریف فی القرآن کے علاوہ علم وعقل کا ماتم بھی ہے۔ اور غوّاصٌ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ غوطہ خور، بَنَّاءٍ وَّغَوَّاصٍ عمارتیں بنانے والے اور غوطہ لگانے والے۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ مَنْ يَّغُوصُوْنَ لَهٗ میں صرف غوطہ لگانے والے ہی مراد نہیں بلکہ عجیب وغریب اور نئی نئی صنعتیں ایجاد کرنے والے بھی اس میں داخل ہیں۔

لَبُوْسٌ: لغت کے اعتبار سے اسلحہ میں سے ہر چیز کو کہا جاتا ہے جو انسان اوڑھ کر یا گلے میں ڈال کر استعمال کرے مراد اس جگہ آہنی زرہ ہے جو حفاظت کے لئے پہنی جاتی ہے (معارف)

النُّوْنِ: وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا۔ اور یاد کرو مچھلی والے کو جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہوکر چلا گیا، النُّون حروف مقطعات میں سے ہے۔ قرآن پاک میں ہے، نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ، اہل تفسیر میں سے کثیر تعداد نے یہ قول نقل کیا ہے کہ نٓ سے مراد یہاں دوات ہے اور النُّون سمندر کی بڑی مچھلی کو بھی کہا جاتا ہے اور ذاالنون حضرت یونس علیہ السلام کا لقب ہے کیونکہ انھیں سمندر کی ایک بڑی مچھلی نے نگل لیا اور پھر بحکم الٰہی کئی روز بعد کنارے پر اُگل دیا۔ نون کی جمع انوانٌ اور نِیْنَانٌ آتی ہے۔ آخری جمع کی اصل نُوْنَانٌ ہے، واؤ کو یاء سے تبدیل کر دیا گیا حضرت علیؓ کی حدیث میں ہے يَعْلَمُ اِخْتِلَافَ النِّيْنَانِ فی البحار الغامرات۔ وہ مچھلیوں کا آنا جانا گہرے سمندروں میں جانتا ہے اور ذاالنون، اُذکر فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اصل اُذْكُرْ ذَاالنُّوْن ہے۔ وذاالنُّوْن: وھو

لقب لیونس بن متی لابتلاع النون
ایّاہٗ والنّون ۔ الحوت (قرطبی)
نون اور حُوت دونوں کے معنی ہیں مچھلی ،
اور ذا النّون کے معنی ہونگے صَاحِبُ الحُوت
یعنی مچھلی والا ۔ حضرت یونس علیہ السلام موصل
کے شہر نینواں کیطرف مبعوث کئے گئے تھے (ابن کثیر)

مُغَاضِبًا : إِذْ ذَّهَبَ مغاضِبًا :
ناراض ہوکر چلاگیا ۔ غصہ ہوکر چلے جانے سے
مراد اپنی قوم پر غصہ ہوکر چلے جانا ہے جیسا
کہ ابن عباس سے منقول ہے اور بعض اہلِ
تفسیر نے مغاضبًا کا مفعول رَبّ کو قرار دیا ہے
مگر اسکے معنی یہ ہرگز نہیں کہ وہ رب سے ناراض
ہوکر چلے گئے ۔ کیونکہ یہ شانِ نبوت کیخلاف ہے
بلکہ ان حضرات کے نزدیک تقدیر کلام ، ذَهَبَ
مُغَاضِبًا لِرَبِّهٖ ہے یعنی اپنے رب کیلئے غصہ میں
بھر کر چلدیئے اور کفار و فجار سے اللہ تعالیٰ کے
معاملے میں ناراض ہونا تو علامتِ ایمان ہے ۔
علامہ ابن جریر اور قتیبیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے
اور مہدوی نے اسکو مستحسن کہا ہے ۔ کہا جاتا ہے
غَضِبْتُ لكَ اَیْ مِنْ اَجلِكَ یعنی میں تیری
وجہ سے ناراض ہوا ۔ بعض نے اس تقدیر کلام
کو ماننے سے انکار کیا ہے مگر نحاس کہتے ہیں کہ یہ
ان کا علم لغت اور عربی محاورات سے عدم معرفت
کی وجہ سے ہے ۔ مُغَاضِبًا لِقَوْمِہٖ (بیضاوی)
یعنی وہ اپنی قوم سے ناراض ہوکر ہجرت فرما گئے
ای غضبان علی قومِہٖ لِشِدَّةِ شَكِيْمَتِهِمْ و
تمادی اصرارھم مع طول دعوتہٖ اِیَّاھُمْ (روح)
علامہ عبدالماجد دریا آبادی مرحوم فرماتے ہیں کہ بعض
تابعین سے جو تفسیر مغاضبًا لربّہٖ منقول ہے سو
تفسیر خود تشریح طلب ہے لربّہٖ کے معنی
بیان کئے جاوینگے لاجل ربّہٖ وحمیّۃ دینہٖ ،
یعنی اپنے پروردگار کی خاطر اور اپنی غیرتِ دینی
کے باعث ۔ اور کلمہ لِ کو یہاں موصولہ نہیں بلکہ
لِ علت کے معنی میں لیں گے لَمْ يَفْعَلْهُ اِلَّا
غَضَبًا لِلّٰهِ وَالفۃً لدینہٖ وبغضا للکفر (کشاف)

نَقْدِرَ : فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ ، پھر
سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو (معارف)
لفظ نَقْدِرَ میں باعتبار لغت ایک احتمال تو یہ ہے
کہ مصدر قدرت سے مشتق ہو تو معنی یہ ہونگے
کہ انھوں نے یہ گمان کرلیا کہ ہم اُن پر قدرت
اور قابو نہ پاسکیں گے ، ظاہر ہے یہ بات کسی
پیغمبر سے تو کیا کسی مسلمان سے بھی اسکا گمان
نہیں ہوسکتا کیونکہ ایسا سمجھنا کفر صریح ہے ۔
اسلئے یہ معنی تو قطعی نہیں ہوسکتے ۔ دوسرا احتمال
یہ ہے کہ یہ مصدر قَدرٌ سے مشتق ہے جس کے
معنی تنگی کرنے کے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں ہے

اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ وسعت کردیتا ہے رزق میں جسکے لئے چاہے اور تنگ کردیتا ہے جس پر چاہے۔ ائمۂ تفسیر میں سے عطار، سعید بن جبیر، حسن بصری اور بہت سے علمار نے یہی معنیٰ اس آیت میں لئے ہیں۔ اور مراد آیت کی یہ قرار دی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو اپنے قیاس اور اجتہاد سے یہ گمان تھا کہ ان حالات میں اپنی قوم کو چھوڑ کر کہیں چلے جانے کے بارے میں مجھ پر کوئی تنگی نہیں کیجائے گی اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ لفظ قَدَرٌ بمعنی تقدیر سے مشتق ہو جسکے معنی قضار اور فیصلہ دینے کے ہیں تو معنی آیت کے یہ ہونگے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو یہ گمان ہوگیا کہ اس معاملہ میں مجھ پر کوئی گرفت اور مواخذہ نہیں ہوگا۔ ائمۂ تفسیر میں سے مجاہد، قتادہ اور فرار نے انہی معنی کو اختیار کیا ہے، (معارف القرآن) یہ مقام قرآن پاک کے مشکل مقامات میں سے ہے۔

فَرْجٌ : وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (آیت نمبر ۹۱) وہ عورت جس نے قابو رکھا اپنی شہوت پر (معارف) اَحْصَنَ فَرْجَهٗ عربی زبان میں ایک محاورہ ہے جیسا کہ سَدَّ الثُّلْمَةَ رخنہ بند کرنا، رَتَقَ الْفَتْقَ جَبَرَ الْكَسْرَ وغیرہ بہت سے محاورات ہیں ان محاورات میں الفاظ کے لغوی مفہوم کا اعتبار ہوتا ہے جس کے لئے یہ استعمال ہوتے ہیں اَحْصَنَ فَرْجَهٗ کا مفہوم ہے ۔تَحَصَّنَ مِنَ السُّوْءِ اُس نے اپنے آپ کو ہر برائی سے پاک رکھا یا خطرہ سے محفوظ رکھا۔ یہ محاورہ عورتوں کے لئے جس طرح استعمال ہوتا ہے اسی طرح مردوں کے لئے بھی ہوتا ہے۔ مولانا اصلاحی فرماتے ہیں کہ لفظ فَرْجٌ کے معنی لغت عرب میں اصلاً ہیں بھی موضع مَخَافَةٍ یعنی اندیشہ کی جگہ کے۔

امام راغب لکھتے ہیں کہ اَلْفَرْجُ اور اَلْفُرْجَةُ کے معنی دو چیزوں کے درمیان شگاف کے ہیں۔ جیسے دیوار میں شگاف دونو ٹانگوں کے درمیان کی کشادگی۔ اور کنایہ کے طور پر مرد اور عورت دونوں کے مقام التقاء ختنین کو لیا جاتا ہے اور پھر کثرت استعمال کی وجہ سے یہ لفظ حقیقی معنی کی صورت اختیار کرگیا ہے، اور پھر بطور استعارہ کے لفظ فَرْجٌ سرحد اور ہر خطرہ کی جگہ کو کہنے لگے فَرْجٌ کی جمع فُرُوْجٌ آتی ہے قرآن پاک میں ہے۔ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ اور اپنی شرمگاہوں کی

حفاظت کیا کریں۔ اَلْفَرْجُ : اَلْخَلَلُ بین الشیئین والجمع فُرُوْجٌ۔ وَالْفَرْجُ الثَّغْرُ المخوف وَهُوَ مَوْضَعُ المخافۃِ (لسان) اَلْفَرْجُ وَالْفُرْجَۃُ : الشَّقُّ بَیْنَ الشیٔین (راغب)

اَلْفَرَجُ (بفتح الراء) کے معنی غم کے دُور ہونے کے ہیں۔ محاورہ ہے فَرَّجَ اللّٰہُ عَنْكَ اللہ تجھ سے غم دُور کر دے۔

حَدَبٍ : وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ ۔ حَدِبَ : کُبڑا ہونا، حَدِبَ عَلَیْہِ وتَحَدَّبَ اس پر اظہار شفقت کیا۔ الحَدَبَۃَ کُبڑا پن، بلند مرتفع زمین۔ الحَدَبُ زمین کا بلند حصّہ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے بلند ہونے کے لکھے ہیں۔ اور لفظ حَدَب ہر اونچی جگہ کے لئے بولا جاتا ہے وہ بڑے پہاڑ ہوں یا چھوٹے ٹیلے۔ حضرت مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ انکی (یاجوج ماجوج) کی جگہ شمالی پہاڑوں کے پیچھے ہے اسی لئے خروج کے وقت اسی طرف سے پہاڑوں ٹیلوں سے اُمنڈتے ہوئے نظر آئیں گے (معارف)

حَدِبَ (س) الرَّجُلُ وَاَحْدَبَ کے معنی کُبڑا ہونا۔ ہوسکتا ہے کہ حَدِبَ الظہر کا لفظ اس مادہ میں بنیادی حیثیت رکھتا ہو جس کے معنی کبڑی پیٹھ کے ہیں پھر بطور تشبیہ اس کمزور اور لاغر اونٹنی کو کہا جانے لگا جس کی سُرین کی ہڈیاں نکلی ہوئی ہوں نَاقَۃٌ حَدْبَاءُ کمزور اونٹنی اور پھر اسی سے مجازاً بلند اور سخت زمین کو حَدَبٌ کہتے ہیں (راغب) اس کی جمع حِدَابٌ آتی ہے والحَدَبُ مَا ارْتَفَعَ مِنَ الارض والجمع : الحِدَاب۔ مَأْخُوْذَۃٌ مِنْ حَدْبَۃِ الظهر (قرطبی)

محدّب : النشز من الارض (کشاف) والنشز : المکانُ المرتفع (حاشیہ کشاف)

يَنْسِلُوْنَ : اَلنَّسْلُ کے اصل معنی کسی چیز سے الگ اور جُدا ہو جانے کے ہیں۔ اور نَسَلَ الوَبَرُ عن البعیر کے معنی ہیں، اُون اونٹ سے الگ ہوگئی نَسَلَ الْقَمِیْصُ عن الانسان : قمیص انسان سے الگ ہوگئی۔

امراءالقیس کہتا ہے ؎

وان تك قَدْ سَاءَتْكِ مِنِّیْ خَلِیْقَۃٌ
فسلی ثیابی مِنْ ثِیَابِكِ تَنْسُلُ

اور اگر تجھ کو میری کوئی عادت ناگوار ہے تو میرے کپڑوں کو اپنے کپڑوں سے جُدا کر دے

کہ نکل جاوے۔ یعنی اپنے دل کو میرے دل سے جدا کرلے اور مجھ کو اپنے غم جدائی میں تڑپا تڑپا کے مار دے۔

النسل والنسول کا استعمال جب پرندوں اور جانوروں میں ہوتا ہے تو اسکے معنی بالوں اور پروں کے جھڑنے کے ہوتے ہیں۔ نَسَلَ رِيْشُ الطائرِ پرندے کے پر گرے النَّسِيْل: گرے ہوئے پر اَنْسَلَتِ الْاِبِلُ اونٹوں کے بال یا اون جھڑنے کا وقت قریب آگیا۔ اسی سے نَسَلَ يَنْسِلُ (ض) نَسِيْلًا وَ نَسَلَانًا ہے جسکے معنی تیز دوڑنے کے ہیں، وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ اور وہ ہر بلندی سے دوڑ رہے ہونگے۔ اور اَلنَّسْلُ اولاد کو بھی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی اپنے باپ سے جدا ہوئی ہوتی ہے۔

مادہ نَسْلٌ باب نَصَرَ اور ضرب دونوں سے آتا ہے۔ لازم بھی استعمال ہوتا ہے اور متعدی بھی نَسَلَ الصُّوْفَ اون جھاڑنا۔ اور نَسَلَ الصُّوْفُ اون جھڑنا اور نَسَلَ فِیْ مِشْيَتِهٖ تیز چلنا۔ اَنْسَلَ فِی عَدْوِهٖ تیز دوڑنا، آگے بڑھنا

شَاخِصَةٌ: فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (آیت نمبر ۹۷) شَخَصَ بَصَرُهٗ کے معنی ہیں اسکی آنکھ پتھرا گئی۔ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ دہشت کی وجہ سے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائینگی شَاخِصَةٌ شُخُوْصٌ سے اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے جس کے ٹھیٹ معنی ہیں آنکھوں کے کھلے کے کھلے رہ جانا۔ شَخَصَ (ف) شُخُوْصًا۔ شَخَصَ الشَّیْءُ بلند ہونا، الشَّخْصُ وجود جو دور سے دکھائی دے، اس کی جمع اَشْخَاصٌ آتی ہے۔

حَصَبٌ: حَصَبُ جَهَنَّمَ: دوزخ کا ایندھن۔ اَلْحَصَبُ پتھر۔ چھوٹی پتھریاں کنکریاں۔ ایندھن۔ حَصْبَةٌ کنکری مارنا وحَصَبَ المکانَ کسی جگہ پتھر بچھانا اور اس سے فرش تیار کرنا۔ حَصِبَ (س) حَصَبًا و حُصِبَ خسرہ کی بیماری میں مبتلا ہونا۔ صفت: مَحْصُوْبٌ۔ اَحْصَبَ الفرسُ فی عدوہ۔ گھوڑے کا دوڑنے میں کنکر اڑانا اَلْحَصِبَةُ وَالْحَصْبَةُ کنکریوں کو اڑانے والی ہوا۔ اَلْحَصْبَاءُ کنکر۔ مفرد حَصَبَةٌ اَلْحَاصِبُ: فاعل کنکریوں کو اڑانے والی تیز ہوا۔ پتھروں کا مینہ۔ ہواؤں کا پتھراؤ جو تند ہواؤں میں ہو، حَاصِب کہلاتا ہے۔ یہ حَصْبَاءُ بمعنی کنکریوں سے مشتق ہے۔ قرآن پاک میں ہے اَفَاَمِنْتُمْ

أَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا (الاسراء) کیا تم اس سے بے فکر ہو گئے ہو کہ وہ تمکو خشکی کیطرف لاکر زمین میں دھنسا دے یا تم پر کوئی تند ہوا بھیجدے ۔ اور اَلْحَصَبُ : ہر وہ چیز جس سے آگ بھڑکے ۔ بعض اہلِ علم نے یہاں حَطَبَ ۔ طاء کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور حَضَبَ (ضاد معجمہ) کے ساتھ بھی ، معنی میں کوئی فرق نہیں ۔ حدیث میں ہے اِنَّہٗ اَمَرَ بِتَحْصِيْبِ الْمَسْجِدْ آپ نے مسجد میں کنکریاں ڈالنے کا حکم دیا ۔ الحَصْبَۃُ ، کھسرا ۔ اَرْضٌ حَصِبَۃٌ کنکریلی زمین ۔ رِيْحٌ حَاصِبٌ تیز آندھی جو اپنے ساتھ زمین کے سنگریزے اڑا لے جائے ۔ وَكُلُّ مَا اُوْقِدَتْ بِهِ النَّارُ اَوْ هُيِّجَتْ بِهٖ فَهُوَ حَصَبٌ (فتح القدیر)

زَفِيْرٌ : لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ، (آیت نمبر ۱۰۰) زَفِيْرٌ کے معنی آہ و فریاد اور چیخنے چلانے کے ہیں ۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ بت پرست تو چیخ چیخ کر آہ و فریاد کر رہا ہوگا مگر دنیا میں پوجے جانے والے بتوں کو انکی خبر بھی نہ ہوگی کہ ان کو کوئی امداد کیلئے پکار رہا ہے اور ان کی مدد کا طالب ہے حالانکہ یہ شرک اور بت پرستی کی ترغیب دینے والے بت خود بھی جہنم ہی میں ہونگے اسکی وضاحت سورۂ ہود میں دیکھیں ۔

اَلْحَسِيْسُ : لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وہ (جنتی لوگ) اُس (دوزخ) کی آہٹ بھی نہ سنیں گے ۔ اَلْحَسِيْسُ وَالْحِسُّ : آہٹ حرکت (قرطبی)

نَطْوِیْ : يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ (آیت ۱۰۴) جس دن ہم لپیٹ لیویں آسمان کو جیسے لپیٹتے ہیں طومار میں کاغذ (معارف) طَوَيْتُ الشَّيْءَ طَيًّا کے معنی ہیں کسی چیز کو اس طرح لپیٹنا جیسا کہ کپڑے کو اس کی درزوں پر لپیٹ دیا جاتا ہے ، اسی سے طَوَيْتُ الفلاۃ کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں جنگل کو قطع کرنا ۔ گویا راستوں کو لپیٹ لیا طَوَى اللّٰهُ عُمْرَهٗ اللہ نے اسکی عمر پوری کر دی اور آیت کریمہ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ میں مَطْوِيّٰتٌ طَوَيْتُ الشَّيْءَ کے محاورہ سے بھی ماخوذ ہو سکتا ہے جسکے معنی لپیٹ

دینے کے ہیں اور طَوَى اللّٰہُ عُمُرَہٗ کے محاورہ سے بھی ماخوذ ہو سکتا ہے۔ اور آیت کے معنی یہ ہونگے جس روز آسمان کو فنا کر دیا جائے گا (راغب)

والطی فی ھٰذِہِ الاٰیۃ یحتمل مَعْنَیَیْنِ احدھما الدَّرج الَّذِی ھو ضدّ النشر قال اللّٰہ تعالیٰ والسَّمٰوٰت مَطْوِیَّاتٌ بِیَمِیْنِہٖ۔

وَالثانی۔ الاخفاءُ والتَّعْمِیَۃُ وَ المحو لِاَنَّ اللّٰہ تعالیٰ یَمْحُوْا وَیَطْمِسُ رُسُوْمَھَا وَیُکَدِّرُ نُجُوْمَھَا (قرطبی)

وَالطَّیُّ : ضد النشر (جمل) طَوَى یَطْوِیْ طَیًّا الثَّوْبَ کپڑا لپیٹنا

اَلسِّجِلِّ : سِجِلٌّ اُس دفتر یا طومار یا فائل کو کہتے ہیں جس میں لکھے ہوئے اوراق محفوظ کر لئے جاتے ہیں (تدبر)

سَجَّلَ تَسْجِیْلاً۔ درج کرنا۔ رجسٹر میں لکھنا بیان وغیرہ قلم بند کرنا۔ ریکارڈ کرنا رجسٹری کرنا۔ مُسَجَّلٌ رجسٹرڈ۔ مندرج مُسَجِّلٌ رجسٹرار۔ مُسَجِّلَۃٌ ٹیپ ریکارڈ آواز محفوظ کرنے کا آلہ اور السِّجِلُّ (بتشدید لام) رجسٹر۔ قدیم کاغذات اور دستاویزات۔ جمع سِجِلَّاتٌ

سِجِلٌّ کے اصل معنی پتھر کے ہیں جس پر لکھا جاتا تھا، پھر بعد میں ہر اُس چیز کو جس پر لکھا جائے سِجِلّ کہنے لگے (راغب) لفظ سِجِلٌّ عربی ہے یا معرب، اس سلسلہ میں اہلِ لغت میں اختلاف ہے۔ بصری حضرات کا خیال ہے کہ یہ عربی ہے۔

ابو الفضل رازی کہتے ہیں کہ اَلْاَصَحُّ اِنَّہٗ فارسیٌّ معرّب صحیح یہ ہے کہ سجل فارسی سے معرب ہے (رح) پھر جن حضرات کے نزدیک یہ عربی ہے ان میں مزید اختلاف یہ بھی ہے کہ سجل سے مراد کیا ہے علامہ قرطبیؒ نے ابن عباس۔ ابن عمر اور سدی کا قول یہ بیان کیا ہے کہ سجل ایک فرشتہ کا نام ہے جو بنی آدم کے اعمال ناموں کو طے کرتا ہے ابن عباس ہی کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ سجل نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے لیکن علامہ موصوف نے اس قول کو یہ فرما کر رد کر دیا ہے کہ حضورؐ کے جتنے کاتب ہیں ان سب کے نام معلوم ہیں ان میں سجل نام کا کوئی کاتب نہیں ہے (قرطبی) دیگر حضرات کا خیال ہے کہ سجل وہ صحیفہ ہے جس میں لکھا جاتا ہے، اہلِ تفسیر میں سے محققین نے اسی آخری

قول کو ترجیح دی ہے چونکہ یہ معنی لغت عرب کے مطابق ہیں اور وہ روایات جن میں سجل کاتب کا نام یا صحیفوں کو لپیٹنے والا فرشتہ بتایا گیا ہے یا تو موضوع ہیں یا پھر ضعیف ترین۔ مزید بحث کے لئے ابن کثیر۔ ابن جریر فتح القدیر کی طرف مراجعت فرمائیں اور بعض صحیح روایات میں بھی آتا ہے کہ سجل سے مراد صحیفہ ہے۔

السِّجِلُّ : اصل میں پتھروں کی ان الواح کو کہا جاتا ہے جن کو صاف کرکے لکھنے کے کام میں لایا جاتا ہے بعد میں اس کا اطلاق عام صحائف پر ہونے لگا۔ السجلّ فی الاصل : الحجر الذی یکتب فیہ، ثم سمیّ کل ما یکتب فیہ من قرطاس وغیرہٖ سِجِلًّا (معجم الفاظ القرآن)

بہرحال لغت کے اعتبار سے بھی اور روایاتِ صحیحہ کی رُو سے اَولیٰ یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معنی صحیفہ کے لئے جائیں۔ چنانچہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ سجل کے معنی اقرار اور عہدنامہ کے ہیں اور یہ اسم ہے جو سِجَالَۃٌ سے مشتق ہے جس کے معنی کتابت کے ہیں۔ والسِّجلّ وھو اسم مشتق من السِّجَالۃ وَھِیَ الکتابۃ واصلھا من السّجل وھو الدّلو (قرطبی) سَاجَلْتُ الرَّجُلَ باری باری سے بطور مقابلے کے ایک ایک ڈول نکالنا۔ پھر استعارہ کے طور پر مکاتبۃ اور مراجعۃ پر مساجلہ کا اطلاق کرنے لگے۔

شاعر فضل بن عباس کہتا ہے ؎

من یُّسَاجِلْنِیْ یُسَاجِلُ مَاجِدًا

جو مجھ سے مقابلہ کرے گا وہ شریف سے مقابلہ کرے گا۔ یعنی یہ کہ میں بہت شریف اور کریم النفس ہوں۔ السِّجِلُّ : کتاب العہد ونحوہٖ (لسان) السَّجْلُ پانی بھرا ہوا ڈول اس کی جمع سِجَالٌ آتی ہے۔ ہرقل کے دربار میں ابوسفیانؓ نے کہا، الحربُ بَیْنَنَا سِجَالٌ کہ جنگ ہمارے درمیان ڈول کی طرح ہے کبھی اُسکے ہاتھ میں اور کبھی ہمارے ہاتھ میں۔ حدیث میں ہے، اِفْتَتَحَ سُوْرَۃَ النِّسَاءِ فَسَجَلَھَا : سورۃ نساء شروع کی تو اُس کو مسلسل پڑھا، یہ سَجَلْتُ المَاءَ سَجْلًا سے ماخوذ ہے جسکے معنی برابر اور لگاتار پانی بہانے کے ہیں۔

اَلزَّبُوْر : وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (آیت نمبر ۱۰۵)

اور ہم نے کتب آسمانی میں لکھ رکھا ہے لوح محفوظ (میں لکھنے) کے بعد کہ زمین (جنت) کے وارث میرے نیک بندے ہی ہونگے ۔ لفظ زبور، زُبُرٌ کی واحد ہے جسکے معنی کتاب کے ہیں اور اس خاص کتاب کو بھی زبور کہا جاتا ہے ۔ جو حضرت داؤدؑ پر نازل ہوئی جیساکہ فرمایا وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ، اس جگہ زبور سے کیا مراد ہے اسمیں اقوال مختلف ہیں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی ایک روایت ہے کہ اس آیت میں ذکر سے مراد تورات اور زبور سے مراد وہ تمام کتب ہیں جو تورات کے بعد نازل ہوئیں جیساکہ انجیل، زبور، داؤد اور قرآن پاک، یہی تفسیر ضحاک سے بھی منقول ہے اور ابن زید کا قول یہ ہے کہ ذکر سے مراد لوح محفوظ اور زبور سے مراد وہ تمام کتابیں ہیں جو انبیاء پر نازل ہوئیں، اس روایت کی تائید بخاری شریف کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جسمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسوقت بھی تھا جب کوئی چیز موجود نہ تھی پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور ذکر میں ہر چیز کو لکھا ، وَكَتَبَ فِي الذِّكْرِ كُلَّ شَيْءٍ اس حدیث میں ذکر کا اطلاق لوح محفوظ پر کیا گیا ہے اور بعض حضرات کا قول یہ بھی ہے کہ زبور اُن

کتب کو کہا جاتا ہے جو حکمت عقلیہ پر مبنی ہوں اور شرعی احکام سے اسمیں کوئی تعرض نہ کیا گیا ہو حضرت داؤد کی کتاب کو بھی زبور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ حکمت عقلیہ سے بحث کرتی ہے شرعی مسائل سے کوئی بحث اسمیں نہیں، صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ یہاں زبور سے مراد جناب داؤد علیہ السلام کی کتاب ہے اور یہ شعبی کی روایت ہے (روح) اور جو مضمون قرآن پاک نے زبور کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ زمین کے وارث خدا کے نیک بندے ہونگے اسکی تائید بھی زبور سے ملتی ہے ۔ یوں تو یہ بات زبور میں ہر جگہ دہرائی گئی ہے کہ زمین کے وارث خدا کے نیک بندے ہی ہونگے لیکن اس کتاب کا باب نمبر ۳۷ تو پورے کا پورا اسی حقیقت کی وضاحت کے لئے مخصوص ہے ۔ اس باب کی چند آیات ملاحظہ ہوں ۔ کیونکہ بدکردار کاٹ ڈالے جائیں گے لیکن جن کو خدا کی آس ہے مُلک کے وارث ہونگے کیونکہ تھوڑی دیر میں شریر نابود ہو جائیگا تو اُس کی جگہ غور سے دیکھے گا پر وہ نہ ہوگا لیکن حلیم مُلک کے وارث ہونگے ۔

کامل لوگوں کے ایام کو خدا جانتا ہے

ان کی میراث ہمیشہ کے لئے ہوگی ۔
صادق زمین کے وارث ہونگے ۔
اور اس میں ہمیشہ بسے رہیں گے ۔
یہ چند آیات زبور کے باب ۳۷ کے مختلف ٹکڑے جو بطور نمونہ ذکر کئے گئے ہیں ۔ ان آیات سے ایک تو یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ زمین کی وراثت سے مراد ارضِ جنّت کی وراثت ہے ۔ اور دوسری بات یہ بھی واضح ہوجاتی ہے کہ آیت میں لفظ ذکر سے مراد کوئی خاص کتاب نہیں بلکہ زبور کی اُن آیات کو ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے جو بطور وعظ نصیحت کے مسئلہ وراثت کو بیان کرنے سے پہلے بیان کی گئی ہیں ۔ گویا زبور عام ہے جسکا اطلاق پوری کتاب پر ہوتا ہے اور ذکر خاص ہے جس سے مراد پند و نصیحت کی آیات ہیں، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے زبور میں وعظ و نصیحت نیکی اور تقویٰ کا بیان کرنے کے بعد یہ فیصلہ دیا کہ ارض جنّت کے وارث میرے نیک بندے ہونگے (واللہ اعلم) امام قرطبی لکھتے ہیں کہ زبور اور کتاب دونوں کے معنی ایک ہیں اسی لئے تورات اور انجیل کو بھی زبور کہنا جائز ہے اور زَبَرْتُ الْکِتَاب کے معنی ہیں میں نے لکھا اسکی جمع زُبُرٌ آتی ہے

زَبَرْتُ ای کَتَبْتُ وجمعہ زُبُرٌ (قرطبی)

زَبَرَ الْکِتَابَ یَزْبُرُہ (بضم الباء وکسرھا) کَتَبَہٗ اَوْ اَتْقَنَ کِتَابَتَہٗ فالکتاب مَزْبُوْرٌ وزَبُوْرٌ (معجم الفاظ القرآن)

قرارت حمزہ میں زُبُوْرٌ (بِضَمِّ الزاء) پڑھا گیا ہے ۔ اس قرارت پر یہ زِبْرٌ (بکسر الزاء وسکون الباء) کی جمع ہوگی (قرطبی)، معنی ایک ہی ہیں

وَالزِّبْرُ: اَلْکِتَابُ وَالجمع زُبُوْرٌ مِثْل قِدْرٍ وَقُدُوْرٍ (لسان) واصل الزّبور کل کتاب غلیظ الکتابۃ مِنْ زَبَرْتُ الکِتَابَ ازبُرُ بفتح الموحدۃ وضمھا اذا کتبتہ کِتَابَۃً غَلِیْظَۃً (روح)

اَلْمُسْتَعَانُ: وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ

اَلْمُسْتَعَانُ ۔ یہ باب اِسْتِفْعَال کے مصدر اِسْتِعَانَۃٌ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے وہ جس سے مدد مانگی جائے ۔ اِعَانَۃٌ مدد دینا۔ اِسْتِعَانَۃٌ مدد مانگنا۔ تَعَاوُنٌ اور مُعَاوَنَۃٌ باہم مدد کرنا۔ عَوْنٌ اور مُعِیْنٌ مدد گار ۔

شرح الفاظ القرآن من سورة الحجّ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِتَّقُوْا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ، اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو۔ اِتَّقُوْا، باب افتعال کے مصدر اِتّقاء سے امر کا صیغہ ہے اسی سے تقوٰی ہے جس کے معنی لغت کے اعتبار سے نفس کا اس چیز سے بچانا ہے جس کا خوف ہو لیکن کبھی خوف کو بھی تقوی سے تعبیر کر دیا جاتا ہے اور تقویٰ سے مراد خوف بھی لے لی جاتی ہے۔ جیسا کہ سبب بول کر مُسبّب اور مُسبب بول کر سبب مراد ہوتا ہے۔

اصطلاحِ شریعت میں تقویٰ نام ہے ہر اُس چیز سے بچنے کا جو گناہوں کی طرف مائل کرنے یا اسکا ارتکاب کرانے والی ہو۔ یہ بات انسان کو اس وقت حاصل ہوتی ہے، جب وہ گناہوں اور ممنوعات سے اجتناب کرے۔ اصل مادہ وَقْیٌ ہے۔ وَقَيْتُ (ض) الشَّيْءَ وِقَايَةً وَوِقَاءً کسی چیز کو مضر اور نقصان پہنچانے والی چیزوں سے بچانا۔ وَاقٍ: (فاعل) بچانے والا

وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ، اور انکو خدا کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں۔

زَلْزَلَة: اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ (آیت نمبر ۱)

زَلْزَلَ يُزَلْزِلُ زَلْزَلَةً وَّزِلْزَالًا ہلانا، بھونچال لانا۔ زَلْزَلَ اللّٰهُ الْاَرْضَ اللہ نے زمین کو ہلا دیا زلزلہ برپا کر دیا۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ زلزلہ شدّتِ حرکت کو کہا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کا قول وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ اسی سے ہے۔ اور اس کلمہ کی اصل زَلَّ عَنِ الموضع سے ماخوذ ہے جس کے معنی جگہ سے ہٹ جانا اور حرکت کرنا کے ہیں، اور زَلْزَلَ اللّٰهُ قَدَمَهٗ، اللہ نے اُس کے قدموں کو حرکت دی، اُسکے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ اور یہ لفظ تهويل الشئ کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ الزلزلةُ شدّة الحركة۔ واصل الكلمة من زلّ عن الموضع اى زال عنه

وتحرك وهذه اللفظة تستعمل فی تهويل الشیٔ (قرطبی)

تَذْهَلُ: تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ (آیت نمبر۲)

الذُّھُول: ایسی مشغولیت جو غم اور نسیان کی موجب ہو۔ ذَھَلَ عَنْ كَذَا: وہ اس سے غافل ہو گیا۔ اور اَذْھَلَهٗ كَذَا غافل کر دینا۔ والذھول: الغفلة عن الشیٔ بطروء ما يشغل عنه من هم او وجع او غيره (قرطبی)

ذَھَلَ (ف) عنه بھول جانا۔ غافل ہو جانا ذَھِلَ (س) ذُهُولًا حیران ہونا۔ ہکا بکا رہنا۔ المَذْهَلُ: ظرفِ مکان، بھولنے کی جگہ۔ وَالذھول: شغل يورث حزنا و نسيانا (روح۔ راغب) ذَھَلَهٗ ذَهَلَ عنه: ایک چیز کو کسی دوسری چیز میں انہماک کی وجہ سے چھوڑ دینا۔ آیت کریمہ میں آخرت کی ہولناکیوں کا بیان ہے کہ آخرت کی شدید تباہ کاریوں کو دیکھ کر مائیں اپنے شیر خوار بچوں کو بھول جائیں گی،

مُرْضِعَةٌ: دودھ پلانے والی۔ باب افعال کے مصدر ارضاعٌ سے واحد مؤنث اسم فاعل کا صیغہ ہے اَرْضَعَتِ الْمَرْأَةُ عورت کا دودھ پیتے بچے والی ہونا۔ مُرْضِعٌ صیغہ صفت تائے تانیث نہیں لگاتے کیونکہ یہ صفت اِناث ہی کی ہے۔ البتہ جب بچہ پستان منہ میں لے تو اس وقت مُرْضِعَةٌ کہتے ہیں۔ جمع مُرْضِعَاتٌ وَمَرَاضِعُ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْل: اور ہم نے پہلے سے ان پر دائیوں کے دودھ حرام کر دیئے تھے۔

مَرْضَعٌ: ظرف مکان ہے۔ دودھ پینے کی جگہ۔ چھاتیاں۔ مصدر میمی بھی ہے۔ بمعنی چھاتی سے دودھ پینا۔ ضَرَبَ وَسَمِعَ دونوں سے آتا ہے۔ اور لَئِيمٌ رَاضِعٌ انتہائی کنجوس کو کہا جاتا ہے۔ لئیم اور کمینہ پن کیلئے باب كَرُمَ اور فَتَحَ سے آتا ہے۔ رَضَعَ رَضَاعَةً لئیم یا کمینہ ہونا۔ رَاضِعٌ: کمینہ، بخیل جمع رُضَّعٌ۔ رَاضِعَتَانِ بچے کے دو دانت اگلے جن کے ذریعہ سے وہ ماں کی چھاتی سے دودھ چوستا ہے (راغب)

اصل میں جو شخص رات کو بکریوں کا دودھ اس غرض سے دوہ لے کہ پڑوسی آواز نہ سنیں ایسے شخص کو لئیم راضع کہا جاتا ہے

مَرِيْدٌ: كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ۔ مَرِيْدٌ۔ شریر، خبیث، خیر سے بالکل

خالی یعنی متعدی عن الخیر۔ لاخیرا: متمرد، سرکش وغیرہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ مَرْدٌ مصدر ہر خیر سے خالی ہونا۔

مَرَدَ یَمْرُدُ مُرُوْدًا سرکش و نافرمان ہونا، اور مَرَدَ عَلَی الشَّیْءِ: کسی چیز کا عادی ہونا مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ: وہ نفاق کے عادی مجرم ہیں ہر بھلائی سے خالی ہو چکے ہیں، چونکہ شیطان ہر بھلائی سے خالی ہوتے ہیں اس لئے ان کو مَارِدٌ اور مَرِیْدٌ کہا جاتا ہے۔

مُضْغَۃٍ: اس حالت کا نام ہے جب علقہ سخت اور مرتب ہو جائے (ماجدی) گوشت کا چھوٹا ٹکڑا جو چبانے کے لئے منہ میں ڈالا جائے، پھر جنین کی اس حالت کو جو علقہ کے بعد پیدا ہوتی ہے مُضْغَۃٌ کہا جاتا ہے اور الماضِغَانِ دونوں جبڑے کیونکہ ان سے کھانا چبایا جاتا ہے۔ اور مَضِیْغَۃٌ وہ تانت جو کمان کے دونوں سروں پر کسی ہوتی ہے جمع مضائغ۔ حدیث میں ہے اِنَّ فِی ابنِ آدم مُضْغَۃً۔ اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ ابن آدم کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے وہ اگر درست ہو تو سارا جسم درست ہوا۔ اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جائے گا، حدیث میں لفظ مضغہ سے مراد قلب ہے ہِیَ لُحْمَۃٌ قَلِیْلَۃٌ قدر مَا یُمْضَغُ (قرطبی) مَضَغَ ف۔ن، مَضْغًا چبانا۔ اَلْمُضَاغَۃُ وہ چیز جو چبائی جائے۔ الماضِغ فاعل جمع مُضَّغٌ۔ مُضَغُ الاُمُوْرِ معمولی چھوٹے کام مُضْغَۃٌ مِّنَ اللحم گوشت کی اتنی مقدار جو منہ میں چبائی جا سکے۔

عَلَقَۃٌ: اس حالت کا نام ہے جب نطفہ میں سُرخی اور غلظت پیدا ہو جائے خون کی پھٹکی کو بھی علقہ کہتے ہیں۔ اور چھوٹے جاندار کیڑے کو بھی۔ یہ درجہ نطفہ قرار پانے کے بعد کا ہے۔ جب وہ خون ایک جنین کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور اس کے اندر زندگی کی نمود پیدا ہو جاتی ہے اور مضغہ اس کے بعد کا درجہ ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے جب جنین گوشت کے ایک لوتھڑے کی شکل میں ایک جسم کی صورت اختیار کر لیتا ہے پھر اسی لوتھڑے کو مضبوط کیا جاتا ہے اسی ہڈی اور اعضاء کی تخلیق ہوتی ہے پھر اس کو جلد کا لباس عنایت فرما کر دوسری کائنات دُنیا میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔

عَلَقَۃٌ: وھو الدم الجامد۔ والعَلَقُ الدم العَبِیْطُ۔ ای الطری۔ وقیل

الشدید الحسرۃُ (قرطبی)

اَشُدَّ : ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ -
لفظ اَشُدّ ، شِدَّۃٌ کی جمع ہے - جیسے اَنْعُمٌ
جمع ہے نِعْمَۃٌ کی - معنی یہ ہوئے کہ تدریجی
ترقی کا سلسلہ اسوقت تک چلتا رہتا ہے
جب تک تمہاری ہر قوت مکمل نہ ہو جائے ،
جو جوانی کے وقت میں ہوتی ہے (معارف)

طِفْلًا : ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا -
طِفْلٌ - بچہ جب تک نرم و نازک ہو اُس
وقت تک طفل کہلاتا ہے - لفظ طفل اصل
میں مفرد ہے مگر کبھی بمعنی جمع بھی آتا ہے جیسے
قرآن پاک میں ہے ، اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ
یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ - طِفْلٌ کی
جمع اَطْفَالٌ ہے - قرآن پاک میں ہے ، واذا
بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ -
طَفْلَۃٌ وہ عورت جس کا جسم بچے کی طرح
نرم و نازک ہو (راغب) طَفَّلَ طفیلی بن کر
جانا - بن بلائے دعوت میں شریک ہو جانا -
تَطَفَّلَ طفیلی ہونا - بچپن اختیار کرنا ، بچوں
کی عادت اختیار کرنا - طَفْلٌ (بفتح الطاء) ہر
نرم و نازک شے جمع طِفَالٌ و طُفُوْلٌ - علامہ
قرطبی نے لکھا ہے کہ طفل بمعنی اطفال ہے اور
یہ اسم جنس ہے -

هَامِدَةً : وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً
اور تو زمین کو دیکھتا ہے کہ خشک ہے - هَامِدَۃٌ
وہ زمین جس میں روئیدگی نہ ہو - نہ درخت ہو نہ
گھاس اور نہ پانی - بالکل ویران اور بنجر زمین -
اَرْضٌ هَامِدَۃٌ بے آب و گیاہ زمین - هَمَدَتِ النَّارُ
آگ کا بجھ جانا - جیسے هُمُوْدٌ - حدیث میں ہے
اَخْرَجَ بِهٖ مِنْ هَوَامِدِ الْاَرْضِ النَّبَاتَ ،
اُس نے مری ہوئی زمینوں سے بارش برسا کر
گھاس نکالدی - هَمَدَتْ اَصْوَاتُهُمْ ان کی
آوازیں خاموش ہو گئیں - تھم گئیں حَتّٰی کَادَ
یَهْمُدُ مِنَ الْجُوْعِ - قریب تھا کہ بھوک سے
مرجاتا - هَمَدَ شَجَرُ الْاَرْضِ زمین کے
درختوں کا پرانے ہونیکی وجہ سے سوکھ جانا ، همود
کے معنی پرانا اور بوسیدہ ہو جانا کے ہیں ، اعشی
شاعر کہتا ہے -

قالت قُتَیْلَۃُ مَا لِجِسْمِكَ شَاحِبًا
وَاَرٰی ثِیَابَكَ بَالِیَاتٍ هُمَّدًا

هُمُوْدُ الارض یہ ہے کہ وہ بالکل بنجر ہو
نہ زندگی کے آثار ہوں اور نہ قابل کاشت ہو
وهُمُوْد الارض اَلَّا یکون فیها حَیَاۃ
ولا نبات ولا عود ولم یُصِبْهَا مَطَرٌ (قرطبی)
اور هَمَدَ الثَّوْبُ کے معنی ہیں کپڑے کا
عرصہ دراز تک لپٹے لپٹے تہوں پر سے پھٹ جانا

اِهْتَزَّتْ : فَإِذَا اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اِهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۔ هَزَّ يَهُزُّ هَزًّا ۔ کسی کو زور دیکر حرکت دینا ۔ ہلانا جھنجھوڑنا ۔ هَزَزْتُ الرُّمْحَ میں نے نیزے کو حرکت دی ۔ باب افتعال سے ۔ اِهْتَزَّ اس کا مطاوع آتا ہے هَزَزْتُ الشَّيْئَ فَاهْتَزَّ میں نے شئی کو حرکت دی تو وہ حرکت کرنے لگی ۔ هَزَّ الحادی الابلَ هَزِيْزًا فَاهْتَزَّ حادی نے حُدی کے ذریعہ سے اونٹ کو برانگیختہ کیا ۔ یعنی اُس کو حرکت دی تو وہ حرکت میں آگیا یعنی تیز چلنے لگا ، واهْتَزَّ الْكَوْكَبُ فِي انقضائِهٖ ، ستارے کا تیزی کے ساتھ ٹوٹنا ۔ اور کوکبٌ هازٌّ ٹوٹنے والا ستارہ اِهْتَزَّتِ الارض اس خفیف سی حرکت کو مجازاً اهتزاز سے تعبیر کر دیا گیا ہے ، زمین کا نباتات اگانا ۔ اِهْتَزَّ النَّبَاتُ نبات کا لہلہانا اور دراز ہونا ۔ اِهْتِزَازُ الارض سے مراد یہاں یہ ہے کہ جب دانہ یا گٹھلی نرم ہو کر اس سے پتی یا کونپل پھوٹتی ہے تو قدرتی طور پر زمین دانہ کو سر نکالنے کے لئے جگہ دیدیتی ہے ۔ اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اهتزاز سے مراد خود دانہ اور اس بیج کا حرکت کرنا ہے جو زمین کی تہ سے پھوٹنے کے لئے حرکت کرتا ہے ۔ مضاف کو حذف کر کے فعل کی نسبت مضاف الیہ کیطرف کر دی گئی ہے ۔ اور تقدیر اِهْتَزَّ نَبَاتُ الْاَرْضِ ہوگی ، یہ زیادہ واضح ہے ۔ والاهتزاز : شِدَّةُ الحركة (قرطبی)

رَبَتْ : یہ رَبَا يَرْبُوْ رُبُوًّا سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے ۔ بمعنی بڑھنا اور زیادہ ہونا ۔ رَبَتْ اور رَبَأَتْ دونوں کے معنی ایک ہیں ۔

بَهِيْجٌ : زَوْجٌ بَهِيْجٌ ۔ خوشنما چیزیں ، اَلْبَهْجَةُ : خوشنمائی ۔ فرحت و سرور کا ظہور ۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ سرسبز باغ بَهِيْجٌ اور بَهِجٌ دونوں صفت کے صیغے ہیں ۔ اِبْتَهَجَ بکذا کسی چیز پر اسقدر خوشی اور مسرور ہونا کہ چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہو جائیں ۔ البَهْجَةُ : خوش کرنا ۔ رَجُلٌ بَهِيْجٌ خوش باش آدمی ۔ اَلْبَهَجَنِيْ ۔ اُس نے مجھے حُسن و جمال سے ورطۂ حیرت میں ڈالدیا ۔ البَهْجَةُ : الحسن (قرطبی)

عِطْفٌ : ثَانِيَ عِطْفِهٖ : اسکے لفظی معنی ہیں اپنا شانہ پھیر لینے والا ۔ زعم و پندار میں مبتلا رہ کر اکڑنے والا ۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ وَثَنْیُ الْعِطْفِ عِبَارَةٌ عَنِ الکبر والخیلاء (کشاف)
عطف کے معنی جانب اور کروٹ کے ہیں، یعنی کروٹ موڑنے والا۔ اس سے مراد اسکا اعراض کرنا ہے (معارف)
عطف کی جمع اَعْطَافٌ آتی ہے جیسے حِمْلٌ کی جمع احمالٌ آتی ہے

عِطْفَا الْاِنْسَانِ : سر سے لیکر سُرین تک انسان کا وہ حصہ جس کو وہ موڑ سکتا ہے۔ اختلافِ صلات سے اسکے معنی میں بھی تبدیلی ہوتی ہے ثَنَی عِطْفَہٗ کے معنی ہیں اس نے منہ موڑا۔ اُسنے سختی برتی جیساکہ نَاٰی بِجَانِبِہٖ اسنے پہلوتہی کی اور صَعَّرَ بِخَدِّہٖ اُسنے اپنا گال پھلایا۔ اور جب اسکا تعدیہ بذریعہ علیٰ ہوتا ہے تو پھر بطور استعارہ اس کا استعمال شفقت اور میلان کے معنی میں ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے عَطَفَ عَلَيْهِ وہ اس پر مہربان ہوا۔ ثَنَاہُ عَاطِفَةُ رَحِمٍ اس کو جذبۂ رحم نے مائل کردیا، اور ظَبْيَةٌ عَاطِفَةٌ عَلٰی وَلَدِهَا۔ ایسی ہرنی جو اپنے بچے پر مائل ہو عَطَفَ يَعْطِفُ عَطْفًا مائل ہونا۔ ایک طرف کو مڑنا۔ جھکنا۔ عِطْفٌ ایک جانب عِطْفَا كُلِّ شَيْءٍ ہر چیز کے دونوں کنارے، اور جب اسکا تعدیہ بذریعہ عن ہوتا ہے تو پھر اسکے معنی بالکل مخالف ہو جاتے ہیں جیسے کہ عَطَفَ عَنْ فُلَانٍ اُسنے فلاں سے منہ موڑ لیا، اور اسنے بے رُخی کی ثَانِیَ عِطْفِہٖ یہ اپنے مصداق کے کبر و غرور کی ایک تصویر ہے جب کوئی شخص غرور کیساتھ اپنا رُخ کسی سے موڑتا ہے تو شانے جھٹک کر موڑتا ہے آدمی کے پاس جب دلیل نہ ہو اور وہ اپنے غلط موقف سے ہٹنے کے لئے تیار بھی نہ ہو تو اُسکے پندار کو بڑی چوٹ لگتی ہے اور اسکا انتقام وہ اپنے کبر و غرور کا مظاہرہ کرکے لینا چاہتا ہے، فُلَانٌ يَنْظُرُ فِیْ اَعْطَافِہٖ، فلاں اسکے اطراف و جوانب کو دیکھتا ہے (ماخوذ قرطبی ص۱۲ جلد ۱۲ و راغب)

الْمَجُوْس : وہ اہل عجم ہیں جنکا دعویٰ ہے کہ ہم ایک نبی زرتشت نامی کے پیرو اور اس کی اُمت ہیں لیکن اب وہ عملاً توحید کے بجائے ثنویت کے معتقد ہیں۔ یعنی ایک کے بجائے دو خدا قرار دے لئے ہیں۔ ایک یزدان، یعنی خدائے نور و خیر اور دوسرا اہرمن یعنی خدائے ظلمت و خدائے شر۔ اور کہتے ہیں کہ یہ کائنات انہی دونوں کی کشمکش کی رزمگاہ ہے، اور ایک وقت آئے گا کہ یزداں، اہرمن پر غالب

آجائے گا اور یہی وہ وقت ہے جب یہ سارا نظامِ کائنات تباہ ہوجائیگا (ماجدی۔لغات القرآن) علامہ قرطبی لکھتے ہیں مجوسی آگ کے پجاری ہیں اور عالم میں دو صلوں کے قائل ہیں، ایک نُور، دوسری ظلمت۔

یُصْهَرُ : یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ (آیت نمبر ۲۰) گل کر نکل جاتا ہے اس سے جو کچھ اسکے پیٹ میں ہے، اور کھال بھی (معارف)

الصَّهْرُ (ف) کے معنی ہیں چربی وغیرہ کو گرم کرکے پگھلانا۔ اور الصُّهَارَةُ پگھلی ہوئی چربی ایک اعرابی کا قول ہے لَاَصْهَرَنَّكَ بِیَمِیْنٍ مُرَّةٍ۔ یعنی میں تمہیں پگھلا کر چھوڑونگا، لسا (غب) اور الصِّهْرُ کے معنی اَلْخَتَنُ کے بھی آتے ہیں، یعنی وہ رشتہ دار جو شوہر کی جانب سے ہوں نیز بیوی کے خاندان والوں کو اَصْهَارٌ کہا جاتا ہے، یہ قول خلیل کا ہے، ابن الاعرابی کا قول ہے کہ جو تعلق پڑوس۔ نسب یا شادی وغیرہ سے پیدا ہو اس کو صِہر کہتے ہیں۔ اور آیتِ کریمہ فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا : میں صِهْرٌ سے وہ رشتہ داری مراد ہے جو شادی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

یُصْهَرُ۔ یُذَابُ : وَالصِّهْرُ : اِذَابَةُ الشَّحْمِ وَالصُّهَارَةُ مَا ذَابَ مِنْهُ صَهَرْتُ الشَّیْئَ فَانْصَهَرَ یعنی میں نے شئی کو پگھلایا تو وہ پگھل گئی (قرطبی)

مَقَامِعُ : وَلَهُمْ مَقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ (آیت نمبر ۲۱) اور اُن کو مارنے کے لئے گُرز ہونگے لوہے کے۔

مِقْمَعٌ ہر اُس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے چیز کوٹ کوٹ کر کسی کو مطیع اور مقہور بنایا جائے، اِسی سے محاورہ ہے قَمَعْتُهٗ فَانْقَمَعَ میں نے اسے روکا تو وہ رُک گیا۔ قِمَعٌ قیف وغیرہ جس سے کوئی سیال چیز بوتل میں ڈالی جائے۔ حدیث میں ہے، وَیْلٌ لِاَقْمَاعِ الْقَوْلِ، ان پر افسوس ہے جو اپنے کان لوگوں کی باتیں سننے کے لئے قیف بنائے رکھتے ہیں۔ دوسرے کی باتیں سننے کا اُن کو چسکا پڑا ہوا ہے۔ قَمَعَهٗ قَمْعًا کسی کو دُرّے سے یا کوڑے سے مارنا۔ اَلْمِقْمَعَةُ لوہے یا لکڑی کا وہ ہنٹر جس سے سزا دی جاتی ہے۔ حدیث میں ہے ثُمَّ لَقِیَنِیْ مَلَكٌ فِیْ یَدِهٖ مِقْمَعَةٌ مِنْ حَدِیْدٍ۔ پھر ایک فرشتہ مجھ کو ملا، اُسکے ہاتھ میں لوہے کا ایک گُرز تھا، علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ قَمَعْتُهٗ اور اَقْمَعْتُهٗ

دونوں کے ایک ہی معنی ہیں ۔

حَدِیْدٌ : حَدِیْدٌ لوہا ۔ ہر وہ چیز جو بڑا باریک ہو خواہ باعتبار خلقت کے خواہ باعتبار معنی کے حدید کہلاتی ہے ۔ اس صورت میں یہ حِدَّۃٌ سے مأخوذ ہوگا، جس کے معنی تیز ہونے کے ہیں ۔ یہ فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے ۔

لُؤْلُؤًا : یُحَلَّوْنَ فِیْھَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَھَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ط وَلِبَاسُھُمْ فِیْھَا حَرِیْرٌ (آیت نمبر ۲۳) وہاں اُنکو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے، وہاں اُن کا لباس ریشم کی پوشاک ہوگی ۔

اَللُّؤْلُؤُ : موتی، اس کی جمع لَاٰلِیُٔ آتی ہے ۔ یَخْرُجُ مِنْھُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ دونوں دریاؤں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں ۔ تَلَأْلَأَ الشَّیْءُ : کسی چیز کا موتی کی طرح چمکنا ۔ اور علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ لؤلؤ وہ موتی ہے جو سمندری صدف کے پیٹ سے نکلتا ہے وَھُوَ مَا یُسْتَخْرَجُ مِنَ الْبَحْرِ مِنْ جَوْفِ الصَّدَفِ (قرطبی) یعنی جو صدف سے نکالا جاتا ہے ۔

اَسَاوِرَ : یہ اَسْوِرَۃٌ کی جمع ہے اور اَسْوِرَۃٌ جمع ہے سوارٌ کی اور اسمیں تین لغات ہیں ۔ سُوَارٌ، سِوَارٌ، اِسْوَارٌ بمعنی کنگن ۔

اِلْحَادٍ : وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ (آیت ۲۵)

اِلحاد کے معنی لغت میں سیدھے راستے سے ہٹ جانے کے ہیں اس جگہ الحاد سے مراد، مجاہد اور قتادہ کے نزدیک کفر وشرک ہے مگر دوسرے مفسرین نے اس کو اپنے عام معنی میں رکھا ہے جس میں ہر گناہ اور اللہ ورسول کی نافرمانی داخل ہے (معارف)

الحاد کے معنی لغت میں سیدھے راستہ سے ہٹ جانے کے ہیں ۔ اس جگہ الحاد سے مراد مجاہد اور قتادہ کے نزدیک کفر وشرک ہے مگر دوسرے مفسرین نے اس کو اپنے عام معنی میں رکھا ہے جس میں ہر گناہ اور اللہ اور رسول کی نافرمانی داخل ہے (معارف)

الحاد کے معنی انحراف کجی اور بے دینی کے ہیں اور بِظُلْمٍ، بِاِلْحَادٍ سے بدل واقع ہے (تدبر) (تفصیل کیلئے دیکھئے سورۂ اعراف لفظ یُلْحِدُوْنَ)

رِجَالًا : یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ ۔ لفظ رِجَالٌ یہاں رَجُلٌ کی جمع نہیں بلکہ یہ راجِلٌ کی جمع ہے جس کے معنی پیادہ چلنے والوں کے ہیں ۔ رَجِلَ یَرْجَلُ رَجَلًا ۔ کسی کے پاس سواری کا نہ ہونا،

اور الرِّجالُ : اسم جمع ہے ۔

ضَامِرٍ : وہ اونٹ یا اونٹنی یا گھوڑا جو طولِ سفر کی وجہ سے لاغر ہوگیا ہو، یہ لفظ مذکر و مؤنث دونوں کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے ۔ الضَّامِرُ اس چھریرے گھوڑے کو کہتے ہیں جسکا دُبلا پن لاغری کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس ریاضت کی وجہ سے ہو جو سدھانے کے لئے اس کو کرائی جاتی ہے ضَمَرَ ضُمُوْرًا وَاضْطَمَرَ فھو مُضْطَمِرٌ کے معنی لاغر ہوجانے کے ہیں اور ضَمَّرَتْہُ تفعیل سے معنی ہیں لاغر و کمزور کرنا، اَلْمِضْمَارُ گھوڑ دوڑ کا میدان جہاں گھوڑوں کو دَوڑانے کی مشق کیجاتی ہے ۔ اور الضَّمِیْرُ وہ بات جو انسان کے دل میں ہو اور اس پر اطلاع پانا دشوار ہو (راغب)

وَالضَّامِرُ ۔ البَعِیْرُ المَھْزُوْلُ الَّذِی اَتْعَبَہُ السَّفَرُ (قرطبی)

فَجٍّ : یَاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ (آیت نمبر ۲۷) فج پہاڑوں کے درمیان کا راستہ، دو پہاڑوں کے درمیان کی کشادگی کو فج کہا جاتا ہے اس کے بعد اس کا استعمال وسیع راستوں پر ہونے لگا ہے، فج کی جمع فجاجٌ آتی ہے ۔

عَمِیْقٍ : عمق سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے ۔ عمق کے اصل معنی تو گہرائی کے ہیں جو نیچے کیطرف ہو ۔ یہاں عَمِیْقٌ فَجٌّ کی صفت ہے، پہاڑی راستے چونکہ تنگ ہوتے ہیں اس وجہ سے وہ کثرتِ آمد و رفت سے گہرے ہوجاتے ہیں پھر اس کا استعمال دُور دراز راستوں پر ہونے لگا ہے چنانچہ ابن الاعرابی جو عربی لغت کے امام مانے گئے ہیں فرماتے ہیں کہ عمقٌ کا استعمال جب راستہ پر ہو تو اس کے معنی دُور دراز کے ہوتے ہیں کنوئیں پر ہو تو اسکے معنی گہرا ہونے کے ہوتے ہیں ۔

بِئْرٌ عَمِیْقَۃٌ ۔ گہرا کنواں

وَالْعُمْقُ وَالْعَمْقُ : البُعْدُ اِلی اَسْفَلَ (لسان) اسی سے جنگل کے دُور کے کناروں کو عُمق کہتے ہیں جسکی جمع اَعْمَاقٌ آتی ہے وَالْاَعْمَاقُ اطراف المفاوز البعیدۃ (لسان) یہ کرم اور سمع دونوں ابواب سے آتا ہے عمقَ المکانُ اَوِ الطَّرِیْقُ دُور ہونا، کشادہ اور لمبا ہونا۔ عَمَّقَ (تفعیل) النَّظَرَ فِی الْاُمُوْرِ اُسنے معاملات میں گہری نظر ڈالی تَعَمَّقَ فِی الْاَمْرِ معاملہ کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی ۔ بات کو سمجھنا چاہا رَجُلٌ عُمَّقِیُّ الْکَلَامِ گہری بات کہنے والا، لفظ عُمقٌ کا استعمال حق اور استحقاق کے

معنی میں بھی ہوتا ہے چنانچہ کہتے ہیں، لَہٗ فِیْہِ عَمَقٌ، اس کے لئے حق اور استحقاق ہے مَالِیْ فِیْہِ عَمَقٌ، میرا اسمیں کوئی حق نہیں،

اَلْبَائِسُ : اَلْبَائِسَ الْفَقِیْرَ

اَلْبَائِسُ : بھوکا، برے حال والا مصیبت زدہ بُؤْسٌ جس کے معنی سخت فقیری اور بدحالی کے ہیں۔ اسم فاعل کا صیغہ ہے (لغات القرآن)

البائس الذی اصابہ بؤس ای شدۃ (کشاف)

اَلْفَقِیْرُ : یہ صفت مشبہ ہے جمع فُقَرَاءُ

اَلْفَقْرُ : اسم فعل اور مصدر۔ تنگدستی نادار ہوجانا، محتاج ہوجانا۔ اَلْفَقِیْرُ : محتاج مفلس۔ مولانا جلالی صاحب نے پروفیسر عبدالرؤف صاحب کی تحقیق یہ نقل کی ہے کہ اگر اہل و عیال کی کفالت کے لئے رزق ہو اور اس سے زائد نہ ہو تو ایسا شخص فقیر ہے، اور اگر اتنا بھی نہ ہو تو مسکین ہے اصل میں فقیر اُس شخص کو کہتے ہیں جسکی کمر کے مہرے ٹوٹ گئے ہوں پھر اسکے بعد اسکا اطلاق ہر کمزور پر ہونے لگا ہے۔ استعمال میں مزید توسیع کی گئی تو فقیر اُس شخص کو کہا جانے لگا جسکے پاس روزی زائد نہ ہو۔ مشہور شاعر راعی کہتا ہے ؎

اَمَّا الفقیر الذی کانت حلوبتہ
وفق العیال فلم یترک لہ سبدا

یعنی میں وہ فقیر ہوں جس کے پاس دودھ دینے والی اونٹنی صرف اہل و عیال کی ضرورت کے لائق دودھ دیتی ہے (معارف)

والفقر : ضد الغناء والفاقرۃ : الداھیہ (معجم الفاظ القرآن)

اَلْفِقْرَۃُ : ریڑھ کی ہڈی کا منکا۔

الفقیر : گویا وہ شخص جسکی ریڑھ کو بدحالی نے شکستہ کر دیا ہو۔ اور اَلْفَاقِرَہ : کمر توڑ مصیبت۔

تَفَثَهُمْ : ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۔ (آیت نمبر ۲۹)

تَفَثٌ : کے لغوی معنی میل کچیل کے ہیں جو انسان کے بدن پر جمع ہوجاتا ہے۔ قَضٰی تَفَثَہٗ ای ازالہ اُس نے اپنا میل کچیل دُور کیا۔ مدت احرام میں انسان کے بدن پر میل کچیل کا جمع ہوجانا ایک طبعی امر ہے۔ اس آیت میں فرمایا کہ جب حج اور قربانی سے فارغ ہوجاؤ تو اس میل کچیل کو دُور کرلو۔ مطلب یہ کہ احرام کو کھول ڈالو اور اپنے جسم کی صفائی کرلو،

امام راغب نے لکھا ہے کہ تَفَث ناخن وغیرہ کے میل کچیل کے ہیں جو دُور کیا جاتا ہے ۔ صاحب کشاف نے تفث کے معنی مطلق میل کچیل کے کئے ہیں ۔ والتَّفَثُ الوَسَخ فالمراد قَضَاءُ إِزَالَةِ التَّفَثِ (کشاف)
تَفِثَ (س) تَفَثًا کسی چیز پر میل کچیل چڑھ جانا ۔ صفت تَفِثٌ ، تَفِثَ الرجلُ ، آدمی کا بہت میلا کچیلا ہونا ۔ لفظ تَفَث عربی زبان میں نہایت قلیل الاستعمال ہے قدیم شعراء کے کلام میں اسکا کہیں پتہ نہیں چلتا ، غالباً یہ وجہ ہے کہ اسکے معنی صحیح طور پر متعین نہیں ہیں ۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ تَفَث ہر وہ چیز ہے جو احرام کی حالت میں محرم کے لئے ممنوع ہے ، بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ تَفَث کے معنی بدحالی اور پراگندگی کے ہیں ۔ اس صورت میں ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ کا مطلب یہ ہوگا کہ پھر تم اپنے احرام کھولو اور بدحالی اور پراگندگی کو دُور کرلو ۔ چنانچہ نضر بن شمیل کا قول ہے کہ التَّفَثُ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ إِذْهَابُ الشَّعَثِ کلام عرب میں تَفَث کے معنی پراگندگی کو دُور کرنا ہے اور ثعلبی کہتے ہیں کہ لغت میں لفظ تفث کے اصل معنی میل کچیل کے ہیں ، وقال الثعلبی : وأصل التفث في اللغة الوسخ (قرطبی)

نُذُورٌ : یہ نَذْرٌ کی جمع ہے جسکو اُردو میں منّت کہا جاتا ہے ۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ جو کام شرعاً کسی پر لازم و واجب نہیں تھا اگر وہ زبان سے یہ نذر کرلے کہ میں یہ کام کرونگا یا اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ فلاں کام کردوں تو یہ نذر ہوجاتی ہے جسکا حکم یہ ہے کہ اسکا پورا کرنا واجب ہوجاتا ہے ، اگرچہ اصل سے واجب نہیں تھا مگر اسکے واجب ہوجانے کے لئے یہ شرط تو باتفاق اُمّت ہے کہ وہ کام شرعاً گناہ اور ناجائز نہ ہو اگر کسی شخص نے گناہ کے کام کی نذر مان لی تو اس پر گناہ کرنا لازم نہیں ہے بلکہ قسم کو توڑ کر کفارہ دینا لازم ہوگا ۔ نذر کی شرط امام ابوحنیفہ اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ جس کام کی نذر مان لی گئی ہے وہ ایسا ہو جو عبادات کی جنس سے ہو جیسا کہ نماز ۔ روزہ حج ۔ زکوٰۃ صدقہ اور قربانی وغیرہ ۔ اگر انہیں سے کسی چیز کی نذر مان لی یہ نذر لازم ہوجائیگی اور اس کا پورا کرنا اس کے ذمہ واجب ہوگا اور نذر صرف ارادہ قلبی سے واجب نہیں ہوجاتی بلکہ زبان سے کہنا بھی ضروری ہے کہ میں اللہ کے لئے فلاں کام کرونگا (معارف)

علامہ راغب نے لکھا ہے کہ نذر کے معنی کسی حادثہ کی وجہ سے غیر واجب چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینے کے ہیں نَذَرْتُ لِلّٰهِ نَذْرًا میں نے اللہ کے لئے نذر مان لی ۔ سورۂ مریم میں ہے اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا : میں نے اللہ کے لئے روزہ کی منت مان لی ہے

عَتِیْقٌ : کے معنی المتقدم یعنی پیش رو کے ہیں خواہ اس کا تقدم زمانہ کے اعتبار سے ہو یا مکان اور رتبہ کے اعتبار سے ۔ خانہ کعبہ کو عتیق کہنے کے ایک معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ وہ جبابرہ کے پنجۂ ستم سے ہمیشہ محفوظ رہا ہے اور جابر سے جابر بادشاہ بھی اسکے مرتبہ و منزلت کو کم نہیں کرسکا ۔ معنی تقدم کے لحاظ سے لفظ عتیق کا اطلاق کہنہ ۔ نجیب اور آزاد شدہ غلام پر بھی ہوتا ہے ، اور عَاتِق وہ جو حبالۂ نکاح سے آزاد ہو اس کے مقابلہ میں منکوحہ عورت ایک طرح سے مرد کے تابع ہوتی ہے ، بیت اللہ کو البَیْتُ العَتِیْق کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ خدا کا اصل اور قدیم گھر یہی ہے جیسا کہ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ بِبَکَّۃَ مُبَارَکًا سے معلوم ہوتا ہے اور ایک صحیح روایت ہے کہ اَنَّہٗ اَوَّلُ مَسْجِدٍ وُضِعَ فی الارض ۔ مجاہد اور حسن کا قول ہے کہ العتیق کے معنی القدیم کے ہیں ۔

سیف عتیق پرانی تلوار ۔ خَمْرٌ عَتِیْقٌ پرانی شراب ، عِتْقٌ کا لفظ عمدہ اور اچھی چیز کے لئے بھی بولا جاتا ہے ۔ فَرَسٌ عَتِیْقٌ خوش منظر گھوڑا ۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ عِتْقٌ کے معنی ہیں غلام کو آزاد کرنا ۔ تو اللہ رب العزت چونکہ بیت اللہ کی برکت سے گناہگاروں کو معاف کرتا ہے اور انکو عذاب دوزخ سے آزاد کرتا ہے اسلئے بیت اللہ کو بیت عتیق فرمایا گیا ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو طوفان نوح کے وقت جبکہ پوری زمین اس کی لپیٹ میں تھی آزاد اور محفوظ رکھا اور بعض حضرات کا قول ہے کہ عتیق کے معنی کرم و شرافت کے ہیں اور عتیق کریم اور شریف النفس کو کہتے ہیں سبعہ معلقہ کا مشہور شاعر طرفہ اپنے گھوڑے کے کانوں کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے ؎

مُؤَلَّلَتَانِ تَعْرِفُ العِتْقَ فِیْهِمَا
کَسَامِعَتَیْ شَاةٍ بِحَوْمَلَ مُفْرَدِ

اس کے دونوں کان باریک نوکدار ہیں جن سے تو آثار نجابت پہچانے گا جو مقام حومل کے منفرد نرگاؤ کی طرح ہیں ۔ علامہ قرطبی

فرماتے ہیں کہ صحیح قول پہلا ہی ہے۔ مجاہد کا ایک قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ کی تعمیر کی اور اسی وجہ سے اسکا نام بیت عتیق رکھا گیا ہے (قرطبی)

اَوْثَانٌ : اَلْوَثَنُ : صنم، بت، وہ پتھر جن کو مشرک جاہلیت میں پوجتے تھے اَوْثَانٌ جمع ہے مراد ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا پرستش کیجائے خواہ مورتی اور پتھر ہو یا قبر اور جھنڈا، امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ وَثَنَ الشَّیْءَ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو گاڑ دینا۔ بُت چونکہ تراش کر ایک جگہ گاڑ دیے جاتے ہیں اسلئے ان کو وثن کہا گیا ہے۔ حدیث میں صلیب کو بھی وثن فرمایا گیا ہے کیونکہ نصاریٰ اس کو ایک جگہ پر نصب کر کے اس کو پُوجتے ہیں۔ واصلہ من وثن الشئ ای اَقَامَ فِیْ مقامِہٖ وسمی الصنم وثنًا لانہٗ ینصب ویرکز فی مکان فلا یبرح عنہ (قرطبی) حدیث میں ہے اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قبری وثنًا یُعْبَدُ، کہ اے اللہ میری قبر کو بُت نہ بنانا کہ لوگ اس کو پُوجیں قبر کا سجدہ کریں یا طواف کریں وَثَنِیٌّ بُت پرست الوَاثِنُ اسم فاعل قائم و ثابت، اس آیت میں بتوں کو رِجسٌ فرمایا گیا ہے جس کے معنی نجاست اور گندگی کے ہیں۔ بتوں کو نجاست اس لئے قرار دیا کہ وہ انسان کے باطن کو شرک کی نجاست سے بھر دیتے ہیں۔

الفَرْقُ بَیْنَ الوَثَنِ وَالصَّنَمِ۔ صاحب لسان العرب نے ابنِ اَثیر کے حوالہ سے وثنٌ اور صَنَمٌ کے درمیان یہ فرق بیان کیا ہے کہ وثنٌ ہر وہ چیز ہے جسکا جُثّہ ہو اور وہ جواہرارض میں سے بنایا گیا ہو جیسے پتھر سونا، چاندی یا لکڑی وغیرہ۔ اور اس کو تراش کر کسی جگہ گاڑ کر اس کی بندگی اور پرستش کیجائے، اور صنم صورت بلا جُثّہ کو کہتے ہیں۔

وَثَنَ بالمکان: کسی جگہ قائم ہونا۔ وہ اَوثان جن کو انسان خدا کی طرح پوجتا ہے انہیں سے ایک بڑا بُت انسان کا اپنا تراشیدہ نقطۂ خیال اور ہوائے نفسانی کی غلامی ہے جس کے پیچھے وہ اُمّت کے اجماعی عقائد اور اسلام کے بنیادی اُصولوں کو پسِ پُشت ڈالدیتا ہے اور بعض اہلِ لغت کا قول ہے کہ وَثَن اور صَنَمٌ میں کوئی فرق نہیں ان میں سے ہر ایک کا اطلاق دوسرے پر ہوتا ہے۔

اَلزُّوْرُ : وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ: اور بچتے رہو جھوٹی بات سے۔ قولِ زُور سے مراد جھوٹ ہے، حق کے خلاف جو کچھ ہے وہ باطل ہے اور جھوٹ ہے خواہ عقائدِ فاسدہ شرکُ

کفر ہوں یا معاملات میں جھوٹ بولنا (معارف)
الزَّوَرُ کے معنی سینہ کے ایک طرف جھکا ہوا ہونا کے ہیں۔ اَلْاَزْوَرُ وہ آدمی جس کے سینہ میں ٹیڑھا پن ہو۔ جس کنوئیں کی کھدائی میں ٹیڑھا پن ہو اُسے بِئْرٌ زَوْرَاءُ کہا جاتا ہے۔ اسی سے جھوٹ کو الزُّور کہا جاتا ہے کیونکہ وہ جہت راست سے ہٹا ہوا ہوتا ہے (راغب)
مَدِینَۃٌ زَوْرَاءُ دور کا شہر والزُّوْرُ: الباطل والکذب وسمی زُوْرًا لانّہ اُمِیْلُ عن الحق وکل ماعدا الحق فھو کذب وباطل وزُوْرٌ (قرطبی)

سَحِیْقٌ : مَکَانٍ سَحِیْقٍ بہت دور کا مکان۔ السَّحْقُ کے اصل معنی کسی چیز کو ریزہ ریزہ کرنے کے ہیں اور زیادہ تر اسکا استعمال دوا کے پیسنے پر ہوتا ہے سَحَقْتُہٗ فانسحق میں نے دوا کو پیسا تو وہ پس گئی اَسْحَقَہُ اللّٰہُ یہ محاورہ ہے جس کے معنی ہیں خدا اسے ہلاک کرے، اسی سے فَسُحْقًا لِاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ہے یعنی دوزخیوں کیلئے دُوری ہے۔
والسَّحِیْقُ : البَعِیْدُ (قرطبی) سَحَقَہٗ یَسْحَقُہٗ : دقّہٗ کوٹنا، کسی چیز کو پیس دینا وسَحُقَ یَسْحُقُ سحقًا : بُعُدَ، سُحْقًا لَّہٗ : ابعدہ اللّٰہ من رحمتہٖ مکانٌ سحیقٌ: بَعِیْدٌ۔

شَعَآئِرُ : وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ
شَعَآئِرُ، شَعِیْرَۃٌ کی جمع ہے جس کے معنی علامت کے ہیں جو چیزیں کسی خاص مذہب یا جماعت کی علامت خاص سمجھی جاتی ہوں وہ اُس کے شعائر کہلاتے ہیں۔ شعائر اسلام اُن خاص احکام کا نام ہے جو عرف میں مسلمان ہونے کی علامت سمجھے جاتے ہیں (معارف)

مَحِلُّ : ثُمَّ مَحِلُّھَآ اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ (آیت نمبر ۳۳) مَحِلٌّ کے معنی موضع حلول اجل کے ہیں۔ مراد اس سے موضع ذبح ہے۔ یعنی ہدی کے جانوروں کے ذبح کرنے کا مقام بیتِ عتیق کے پاس ہے اور مراد پورا حرم ہے (معارف) صاحب لسان العرب کی تصریح کے مطابق لفظ مَحِل بکسر الحاء حَلَّ یَحِلُّ سے ظرف ہے، وقت اور جگہ دونوں کے مفہوم پر مشتمل ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مصدر میمی ہو حَلَّتِ الْمَرْاَۃُ عورت عدت سے باہر آگئی حَلَّ الدَّیْنُ قرض کی مُدت ختم ہوگئی۔ قرض ادا کرنا واجب ہوگیا، قال صاحب الروح مَحِلُّھَا (بفتح الحاء) ای وجوب نحرھا علی ان یکون مَحَلّ مصدرًا میمیًا بمعنی الوجوب من حل الدین اذا واجب اَوْ وَقْتَ نَحْرِھَا علی ان یکون

اسم زمان (روح)

مُخْبِتِیْنَ : خَبْتٌ، پست اور نشیبی زمین کو کہتے ہیں۔ اسی سے اِخْبَات ہے جسکے معنی فروتنی اور تذلّل و تواضع کے اظہار کے ہیں اور خَبِیْتٌ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنے آپ کو حقیر سمجھے، اسی لئے حضرت قتادہ و مجاہد نے مخبتین کے معنی مُتَوَاضِعِیْنَ کے کئے ہیں۔ عمرو بن اوس فرماتے ہیں کہ مخبتین وہ لوگ ہیں جو لوگوں پر ظلم نہیں کرتے اور اگر کوئی اُن پر ظلم کرے تو اُس سے بدلہ نہیں لیتے۔ سفیان ابن ابی نجیح سے روایت کرتے ہیں کہ مخبتین وہ لوگ ہیں جو خدا کی قضا و قدر پر مطمئن اور راضی ہوں۔ المُخْبِت : المتواضع الخاشع من المؤمنین۔ والخبتُ ما انخفض من الارض (قرطبی)

اَخْبَتَ الرَّجلُ : نرم اور نشیبی زمین میں اُترنا۔ وَاَخْبَتُوْا اِلٰی رَبِّھِمْ اور انھوں نے اپنے رب کے سامنے عاجزی کی، حدیث میں ہے وَاجْعَلْنِیْ لَکَ مُخْبِتًا۔ تو مجھ کو عاجزی کرنے والا بنادے۔ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ خوشخبری سنا دیجئے گردن جھکا دینے والوں کو (الحج : ۳۴)

وَجِلَتْ : وجل کے معنی اس خوف و ہیبت کے ہیں جو کسی کی عظمت کی وجہ سے دل میں پیدا ہو۔ وَجِلَ یَوْجَلُ (س) وَجْلاً۔ ڈرنا۔ گھبرانا۔ وَقُلُوْبُھُمْ وَجِلَةٌ اُن کے دل ڈرتے ہیں۔ صفت وَجِلٌ ڈرنے والا۔ جمع وَجِلُوْنَ۔ اِنَّا مِنْکُمْ وَجِلُوْنَ ہمیں تم سے ڈر لگتا ہے۔

بُدْنَ : وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰھَا لَکُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ (آیت نمبر ۳۶)

بُدْنٌ : بَدَنَةٌ کی جمع ہے۔ یہ لفظ اونٹوں کے لئے آتا ہے لیکن یہاں یہ خاص طور پر ان اونٹوں کے لئے استعمال ہوا ہے جو قربانی کے لئے نامزد کردیئے گئے ہوں اور جن کی حیثیت ہدی اور قلائد کی ہو اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ان کی تعریف میں فرمایا گیا ہے، جَعَلْنٰھَا لَکُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ، ظاہر ہے کہ شعیرہ ہونیکا درجہ ہر اونٹ یا اونٹنی کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ صرف نیاز کے اونٹوں کو حاصل ہوتا ہے (تدبر) ابن ابی اسحاق نے وَالْبُدُنَ پڑھا ہے۔ بضم الدال اور بسکون الدال۔ دونوں لغت ہیں اسکی واحد بَدَنَةٌ آتی ہے جیسے ثَمَرَةٌ جمع ثُمُرٌ و ثَمْرٌ اور خَشَبَةٌ واحد کی

جمع خُشُبٌ وخُشْبٌ۔ قرآن پاک میں ہے
وَكَانَ لَهُ ثُمُرٌ، یہاں ایک قراءۃ ثَمَرٌ
بسکون المیم بھی ہے۔
بَدَنَ اور بَدُنَ کے معنی موٹا اور فربہ ہونیکے ہیں
موٹی اور جسیم عورت کو اِمْرَاَۃٌ بَادِنٌ اور
بَدِیْنٌ کہتے ہیں۔ اسی سے قربانی کے جانوروں
کو بَدَنَۃٌ کہا جاتا ہے بَدَّنَ کے معنی عمر
رسیدہ ہوجانا کے بھی آتے ہیں، حدیث میں ہے
کہ لَا تُبَادِرُوْنِی بالرکوع والسجود فَاِنِّیْ
قَدْ بَدَنْتُ کہ میں بوڑھا ہوں اسلئے رکوع
و سجود میں مجھ سے سبقت نہ کیا کرو۔ بعض
روایات میں بَدُنْتُ بتخفیف الدال ہے
لیکن علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ ٹھیک نہیں ہے
چونکہ معنی درست نہیں بنتے۔ بَدُنَ الرجلُ
موٹا ہوگیا۔ بَادِنٌ موٹا بَدُنَ الرَّجُلُ
بُدْنًا وبَدَانَةً فَهُوَ بَادِنٌ ایک قول
یہ بھی ہے کہ بُدْنٌ بَدَنٌ بفتح الدال کی جمع ہے
وسُمِّيَتْ بَدَنَةً لانها تَبْدُنُ والبَدَانَةُ
السِّمَنُ (قرطبی) وسُمِّيَتِ البَدَنَةُ بذلك
لِسِمَنِهَا (راغب)

وقال الرازی رحمہ اللہ سمیت بذالک
اذا اُهْدِيَتْ للحرم لعظم بدنها وهی
الابل خاصة ولكن رسول الله صلى الله
عليه وسلم اَلْحَقَ البقر بالابل حين
قال البَدَنَةُ عن سَبْعَةٍ والبقر عن
سبعة (كبير)

صَوَآفَّ: صف بستہ۔ صف
باندھی ہوئیں۔ صَافَّۃٌ کی جمع ہے جو
صَفٌّ سے اسم فاعل مؤنث ہے۔ فھو
جمع صَافَّةٍ (روح) حضرت مفتی صاحب رح
فرماتے ہیں کہ صواف بمعنی مَصْفُوفَةٌ ہے
یعنی صف بستہ۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ
نے اس کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ جانور تین
پاؤں پر کھڑا ہو ایک ہاتھ بندھا ہوا ہو
یہ صورت قربانی کے اونٹ کے لئے خاص
مخصوص ہے۔ یہ فواعل بمعنی مَفاعِل ہے
اور بعض حضرات نے صَوَافَّ بمعنی مُصْطَفَّہ
اسم فاعل کے معنی میں لیا ہے یعنی قطار

لہ ابن فارس کا کہنا ہے کہ: بَدُنْتُ (ک م) زیادہ قرین قیاس ہے لیکن یہ اسلئے درست نہیں کہ حدیث
کا مطلب موٹاپا ظاہر کرنا نہیں بلکہ ارشاد یہ فرمانا ہے کہ میں کبرسنی کیوجہ سے ضعیف ہوگیا ہوں، بَدَّنَ
الرَّجُلُ کے معنی ہیں کَبِرَ وَ اَسَنَّ آدمی عمر رسیدہ ہوگیا۔ القرطبی ص۶۱ جلد ۱۲

باندھنے والیاں ۔ و واحد صَوَافٌّ ۔ صَافَّۃٌ ،
(قرطبی)

وَجَبَتْ : فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا
(آیت نمبر ۳۶) پھر جب وہ کروٹ کے بل
گر پڑیں ۔ یہاں وَجَبَتْ بمعنی سَقَطَتْ
ہے ۔ جیسے وَجَبَتِ الشَّمْسُ بمعنی سَقَطَتْ
کا محاورہ ہے ۔ اور مراد کنایہ کے طور پر موت
ہے ۔ یعنی جب جانور کی جان نکل جائے ،
الوجوب السقوط ۔ یقال وَجَبَتِ
الشمسُ ای سقطت وجب الجدارُ
سقط ۔ ومنہ الواجب الشرعی کانّہٗ
سقط علینا ولزمنا (جمل) وجوب
الجنوب : وقوعها علی الارض من
وجب الحائط وجبۃ اذا سقط (کشاف)
فاذا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا : یُرِیْدُ اذا سَقَطَتْ
علٰی جُنُوْبِهَا مَیِّتَۃً کنّی عن الموت
بالسقوط (قرطبی)

صاحب لسان العرب نے تصریح کی ہے
کہ وجوب کے اصل معنی سقوط اور وقوع
کے ہیں اور وَجَبَ المیّتُ بمعنی سَقَطَ
ومَاتَ کے ہیں ۔ اور قَتِیْلٌ کو واجب
کہتے ہیں قیس بن الخطیم جنگ بغاث کے حالات
بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ سہ

اطاعت بنو عوف اَمِیْرًا نَهَاهُمْ
عَنِ السِّلْمِ حتّٰی کان اوّلَ واجبِ

بنو عوف نے اپنے امیر کی اطاعت کی جس نے
ان کو صلح کرنے سے روک دیا تھا اور جنگ میں
سب سے پہلے بنو عوف کا سردار ہی مقتول
ہوا ۔ واصل الوجوب السقوط والوقوع
(لسان) وَجْبَۃٌ ۔ گرنیوالی چیز کی آواز ،
دھماکہ ۔ وَجْبَۃٌ دھماکے کے ساتھ گرنا ۔

**اَلْقَانِعُ : وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ
الْمُعْتَرَّ :** (آیت نمبر ۳۶) اور کھلاؤ
صبر سے بیٹھے کو اور بیقراری کرتے کو ۔
قانع سے مراد وہ محتاج فقیر ہے جو لوگوں
سے سوال نہیں کرتا اپنی غربت و فقر کے
باوجود اپنی جگہ بیٹھ کر جو مل جائے تو اس پر
قناعت کرتا ہے ۔ اور مُعْتَر جو ایسے مواقع
پر جائے جہاں سے کچھ ملنے کی امید ہو
زبان سے سوال کرے یا نہ کرے (معارف)
اَلْقَنَاعَۃُ کے معنی ضروریات زندگی میں سے
تھوڑی سی چیز پر راضی ہو جانے کے ہیں اور
یہ قَنِعَ (س) یَقْنَعُ قَنَاعَۃٌ سے ہے ۔
کیونکہ قَنَعَ یَقْنَعُ (ف) قُنُوْعًا کے معنی
سوال کرنے کے ہیں ۔ اور آیت کریمہ وَاَطْعِمُوا
الْقَانِعَ میں قانع سے مراد وہ سائل ہے جو

باصرار سوال نہ کرے اور جو کچھ مل جائے اُس پر
راضی ہو جائے۔ امام راغب نے ایک قول یہ
بھی نقل کیا ہے کہ قَانِعٌ اصل میں قناعٌ سے
ماخوذ ہے اور قِناع اس چیز کو کہتے ہیں جس سے
سر ڈھانکا جائے۔ اس سے قَنِعَ (س) کے
معنی ہیں اس نے اپنے فقر چھپانے کے لئے
سر پر قناع اوڑھ لیا۔ اور قَنَعَ (ف) کے
معنی ہیں سوال کرنے کے لئے سر کھولنا اور
لوگوں کے سامنے احتیاج ظاہر کرنا جیسے کہ
خَفِیَ کے معنی ہیں چھپنا اور خفیٰ (ف) کے
معنی خفاء کو دُور کرنے یعنی ظاہر ہونے کے ہیں'
صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ باب سَمِعَ
سے مصدر قَنَعٌ بھی آتا ہے اور قَنَاعَۃٌ بھی
جس کے معنی ہیں جو کچھ ملجائے اس پر راضی
ہو جانا۔ محاورہ ہے نَسْأَلُ اللّٰہُ القَنَاعَۃَ
واعوذبہ مِنَ القنوع ہم اللہ سے قناعت
کے طالب ہیں۔ اور قنوع سے اللہ کی پناہ مانگتا
ہوں، البتہ باب فتح سے مصدر قُنُوعٌ آتا ہے
جسکے معنی ہیں بھیک میں عاجزی اور سوال میں
اصرار کرنا اور جو کچھ ملجائے اُس پر بغیر اصرار
کے راضی ہو جانا۔ یہ لغات اضداد میں سے
ہے۔ محاورہ میں بولا جاتا ہے۔ خیر الغنی
القنوع وشر الفقر الخضوع بہتر دولت
القنوع ہے اور بدترین فقر الخضوع ہے پہلی
مثال میں لفظ قُنُوعٌ بُرے معنی میں استعمال
کیا گیا ہے اور محاورہ میں القنوع کے اچھے
معنی مراد ہیں اس لئے لفظ قُنُوعٌ اضداد
میں سے ہو گیا۔ پس قانع کے دونوں معنی ہیں
بشرطیکہ اس کو فتح سے کہا جائے اور مصدر قنوع
قرار دیا جائے، سوال میں عاجزی اور اصرار
کرنے والا اور جو کچھ مل جائے اس پر راضی ہوجانے
والا۔ اور اگر سمع سے کہا جائے تو مصدر قناعۃ
ہو گا۔ اور معنی ہونگے سوال میں خضوع اور
اصرار نہ کرنے والا لیکن اضداد میں سے اسکو
اسی وقت قرار دیا جائے گا جب ایک ہی
فعل سے دو مختلف معنی ہوں۔

صاحب روح المعانی نے القانع کی تعریف
الراضی بما عندہ وبما یُعطٰی من غیر
مسئلۃ ولا تعرض لھا سے کی ہے اس کی
تائید میں لبید کا یہ شعر پیش کیا ہے ؎

فَمِنْہُمْ سعید اخذ بنصیبہٖ
ومنہم شقی بالمعیشۃ قانع

یہاں شعر میں قانع کے معنی الراضی بما عندہ
کے ہیں۔

اور محمد بن کعب، مجاہد ابراہیم حسن اور الکلبی
کا قول ہے کہ قانع وہ ہے جو سائل ہو، تو

پہلی تعریف کے اعتبار سے یہ قَنِعَ یَقْنَعُ
قَنْعًا سے ماخوذ ہوگا بغیر سوال کے اپنے پاس
جو کچھ ہے اس پر راضی اور قانع رہنے والا
اور دوسرے قول پر یہ قَنَعَ (ف) سے ہوگا
جس کا مصدر قنوع آتا ہے، سوال کرنے پر
جو کچھ ملجائے اس پر بغیر اصرار کے راضی ہوجانے
والا، تو اس صورت میں اختلاف فعلین کی وجہ
سے اس کو اضداد میں سے قرار دینا صحیح
نہیں ہوگا۔ اور خفاجی نے اسکی تصریح بھی کی
ہے کہ یہ اضداد میں سے نہیں جوہری نے صحاح
میں ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ یہ اضداد میں سے
ہے اور اس پر کوئی تعاقب نہیں کیا۔ سمع اور
فتح دونوں سے قانع کا اشتقاق صحیح ہے۔
دونوں میں ایک معنی مشترک ہیں اور وہ ہیں
راضی ہوجانا، اور ہوسکتا ہے کہ سائل کو قانع
اسی لئے کہا جاتا ہے کہ سوال پر جو ملجائے اس پر
راضی ہوجاتا ہے چاہے ملنے والی چیز تھوڑی
ہو یا زیادہ۔ مفردات راغب سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے
کہ قَنِعَ یَقْنَعُ سے بمعنی رَضِیَ ہے اور اسکا مصدر
قَنَاعَةً و قَنَاعًا ہے۔ اور قَنَعَ (فتح) کے
معنی سوال کرنے کے ہیں اسکا مصدر قنوع ہے
(روح ص ۱۵۱/۱۷) ایک قول یہ ہے کہ قانع پڑوسی
کو کہتے ہیں چاہے غنی ہو چاہے فقیر۔

الْمُعْتَرَّ: باب افتعال کے مصدر اِعْتِرَارٌ
سے فاعل ہے اصل میں مُعْتَرِرٌ تھا ادغام
کے بعد مُعْتَرٌّ ہوگیا ہے۔ تنگدست و بیقرار
سوال کرنے کے لئے سامنے آنے والا۔ اصل
مادہ عَرٌّ ہے۔ عَرٌّ اور عُرٌّ خارش اور
مَعَرَّةٌ: مَفَرَّةٌ دُکھ قال صاحب
الکشاف: القانع السَّائِلُ من قَنَعْتُ
الیه وکنعت اذا خضعت له وسألته
قُنُوعًا والمعتر: المعترض بغیر
سؤال، او القانع: الراضی بما عنده
یَعْطی من غیر سوال من قَنِعْتُ قنعًا
وقَنَاعَةً والمُعْتَرُّ المعترض بسؤال
(کشاف) قرطبی۔ روح)

خَوَّانٌ: خَوَّانٍ کَفُوْرٍ۔ دغاباز،
کفر کرنے والا۔ خَوَّانٌ۔ خیانت کرنے والا
یہ خِیَانَةٌ سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ خَانَ
فی کذا: اس معاملہ میں اس نے بد دیانتی
کی۔ خَانَ سَیْفُهُ: اس کی تلوار نے اسکا
ساتھ نہ دیا یعنی اُچٹ گئی۔ خائن۔ غدار
عہد شکن۔ دھوکہ دینے والا۔ الخائنة
بڑا خائن۔ تاء مبالغہ کی ہے۔ اور یہ بھی
ہوسکتا ہے کہ تاء مصدر کی ہو جیسا کہ
عافیة اور طاغیة وغیرہ میں ہے۔

صَوَامِعُ : وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا (آیت نمبر ۴۰)

اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایکدوسرے سے تو ڈھائے جاتے تکیئے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت۔ صَوَامِع : صومعۃ کی جمع جو نصاریٰ کے تارک الدنیا راہبوں کی مخصوص عبادت گاہ کو کہا جاتا ہے (معارف)

اصلاً یہ لفظ بلند پہاڑوں اور مکانوں کے لئے آیا ہے جہاں عیسائی راہب عبادت کے لئے خلوت اور گوشہ نشینی کی زندگی گزارتے تھے (تدبر)

علامہ راغب نے لکھا ہے کہ صومعہ ہر وہ عمارت ہے کہ جسکا اوپر کا سرا باہم جڑا ہوا ہو۔ غالباً عیسائی چونکہ اپنے عبادت خانوں کا سرا بلند اور باریک بناتے ہیں اس لئے اس کو صومعہ بولتے ہیں، علامہ سلمان جمل شیخ سمین سے نقل کرتے ہیں، کہ صَوَامِعُ صَوْمَعَۃٌ کی جمع ہے ہر اُس عمارت کو صومعہ کہا جاتا ہے جسکا بالائی حصہ محدب ہو اور وزن فَوْعَلَۃٌ ہے، جیسے دَحْرَجَۃٌ اور یہ راہبوں کا عبادتخانہ ہے بعض نے صابیوں کا عبادتخانہ بھی کہا ہے (جمل) جمع صَوْمَعَۃٌ : وزنہا فَوْعَلَۃٌ وھی بناءٌ مُرْتَفِعٌ حدید الاعلیٰ، یقال : صَمَّعَ الثَّرِیْدَۃَ ای رفع راسھا و حدّدہ ورَجُلٌ اصمع القلب ای حادُّ الفِطْنَۃِ والاصمع من الرجال الحدید القول (قرطبی)

الصَّمِعُ : ذکی القلب، تیز فہم، بہادر

بِيَعٌ : یہ بِیْعَۃٌ کی جمع ہے جو نصاریٰ کے عام کنیسوں کا نام ہے۔ والبِیَعُ جمع بِیْعَۃٍ وھی کَنِیْسَۃُ النصاریٰ (قرطبی)

بِیَع کا لفظ یہود کے عبادت خانوں کے لئے بھی بولا جاتا ہے لیکن یہاں نصاریٰ کے کنیسہ مراد ہیں۔

صَلَوٰتٌ : یہ صَلُوتٌ کی جمع ہے یہود کے عبادت خانوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ عبرانی میں اس کا تلفظ صَلُوتا ہے وھی بالعبرانیہ صلوتا (قرطبی)

مَسٰجِدُ : مسجد کی جمع ہے مسلمانوں کے عبادت خانے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ باقی تمام اسماء دوسری اقوام کے عبادت خانوں میں بھی مشترک ہیں مگر لفظ بِیْعَہ کا

اطلاق لغت عرب میں صرف نصاریٰ کے کنائس پر ہوتا ہے۔

بِئْرٍ : وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ (آیت نمبر ۴۵) اور کتنے کنویں نکمے پڑے ہوئے کتنے محل گچکاری کے۔

اَلْبِئْرُ جمع آبَارٌ اصل میں یہ مہموز العین ہے، بَأَرْتُ بِئْرًا اور بَأَرْتُ بُؤْرَةً : کے معنی گڑھا کھودنے کے ہیں اور بُؤْرَةٌ : اس گڑھے کو بھی کہا جاتا ہے جس میں عرب آگ روٹی پکاتے اور کھانا تیار کرتے تھے، البَئِيْرَةُ : وہ چیز جس کو حفاظت کی خاطر دبا دیا جائے۔ اِبْتَأَرَ الْخَيْرَ چھپا کر نیک کام کیا، گویا نیکی کو کنویں میں ڈال دیا۔ اسی سے مِئْبَرٌ کا لفظ مشتق ہے جو اصل میں اُس گڑھے کو کہتے ہیں جس کا منہ اس طرح بند کر دیا جائے یا ڈھانپ دیا جائے کہ جو شخص اس کے اوپر سے گزرے اس میں گر پڑے مِئْبَرٌ کی جمع مَآبِرُ آتی ہے (راغب) قُرّاء میں سے ورش نے بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ مہموز ہے۔ والاصل الهمزة (قرطبی)

مُعَطَّلَةٌ : یہ باب تفعیل کے مصدر تَعْطِيْلٌ سے اسم مفعول مؤنث کا صیغہ ہے

اَلْعَطَلُ : عورت کا زیور سے خالی ہونا، یا مزدور کا کام سے بیکار ہونا۔

عَطِلَتِ الْمَرْاَةُ : عورت کا زیور سے خالی ہونا، ایسی عورت جس نے کوئی زیور نہ پہنا ہو اس کو عُطُلٌ اور عَاطِل کہا جاتا ہے جمع عَوَاطِلُ آتی ہے عَطَّلْتُهُ من الحلى اوالعمل فَتَعَطَّلَ میں نے اس کو زیور یا عمل سے خالی کیا تو وہ خالی ہو گیا۔ عَطَّلَ الدَّارَ گھر کو خالی اور ویران کر دیا۔ وہ فرقہ جو صانع کائنات کا قائل نہیں مُعَطِّلَہ کہلاتا ہے۔ عَطَّلَ الإبِلَ : اونٹوں کو بیکار سمجھ کر آوارہ چھوڑ دینا، حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ يَا عَلِيُّ نِسَائَكَ لَا يُصَلِّيْنَ عُطَّالًا، اے علیؓ اپنی عورتوں کو کہو کہ زیورات سے خالی ہو کر نماز نہ پڑھیں۔ حضرت عائشہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ كَرِهَتْ اَنْ تُصَلِّيَ الْمَرْاَةُ عُطَّالًا وَلَوْ اَنْ تُعَلِّقَ فِي عُنُقِهَا خَيْطًا، حضرت عائشہؓ اس بات کو بُرا جانتی تھیں کہ عورت زیور سے خالی ہو کر نماز پڑھے اگر اس کے پاس کچھ زیور نہ ہو تو گلے میں ایک دھاگہ

ہی لٹکائیے۔ مطلب یہ کہ عورت اور مرد میں امتیاز ہونا چاہیے۔ تَعْطِیْلٌ چھوڑ دینا، خالی کرنا۔ زیورات اتار لینا۔ عَطَّلَ تعطیلاً۔ بیکار کرنا کام بند کرنا۔ چھٹی کرنا۔ معطل کرنا۔ عُطْلَۃٌ تعطیل چھٹی جمع عُطَلٌ عُطِلَۃٌ (بکسر الطاء) وہ ڈول جس سے پانی بھرنا بند کر دیا گیا ہو، حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے اپنے والد کی تعریف میں فرمایا، رَأَبَ الثَّأْیَ وَاَوْذَمَ الْعَطِلَۃَ، انھوں نے بگڑے کو بنایا، اور ٹوٹے پھوٹے ڈول کو درست کیا۔ قَالَ صاحب لسان العرب عَطِلَتِ الْمَرْأَۃُ تَعْطَلُ (س) عَطَلاً وعُطُوْلاً وَتَعَطَّلَتْ اذا لَمْ یَکُنْ عَلَیْھَا حَلْیٌ وَلَمْ تَلْبَسِ الزِّیْنَۃَ وَخَلَا جِیْدُھَا مِنَ الْقَلَائِدِ،

قَصْرٍ : قَصْرٍ مَّشِیْدٍ : پختہ اور بلند ایوان و محل کو کہتے ہیں۔ قَصَرْتُ کذا کے معنی سکیڑنے اور کسی چیز کے بعض اجزاء کو بعض کے ساتھ ملانے کے بھی آتے ہیں۔ قصرٌ بمعنی محل اسی سے مشتق ہے۔ اس کی جمع قُصُوْرٌ آتی ہے۔ قرآن پاک کی آیت اَنَّھَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ کَالْقَصْرِ۔ اس آگ سے اتنی بڑی چنگاریاں اٹھتی ہیں جیسے محل۔ بعض نے کہا ہے۔ قصرٌ جمع ہے اور اس کے معنی درخت کی جڑوں کے ہیں اسکا واحد قَصَرَۃٌ ہے جیسے جَمْرَۃٌ وجَمْرٌ اور اِمْرَأَۃٌ قَاصِرَۃُ الطَّرْفِ وہ عورت جو غلط نظر اٹھا کر نہ دیکھے۔ نگاہ نیچی رکھنے والی

مَشِیْدٌ : پلستر کیا ہوا۔ بلند۔ مشید کے معنی پلستر کی ہوئی عمارت کے بھی ہوسکتے ہیں۔ مُطَوَّلٌ یعنی بلند کے بھی۔ شَیَّدَ قَوَاعِدَہٗ اس کی بنیادوں کو اس طرح محکم بنایا جیسے گچ کی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور الاشادۃُ کے معنی بلند آواز سے شعر پڑھنا یا گانا کے ہیں، راغب شَادَ یَشِیْدُ شَیْدًا وشَیَّدَ الْبِنَاءَ عمارت کو بلند کرنا۔ شَیَّدَ الْحَائِطَ دیوار پر چونے کا پلستر کرنا۔ الشَّیْدُ گچ وغیرہ کا پلستر اور اَلْمَشِیْدُ مفعول ہے بمعنی پلستر کی ہوئی، اور اَلْمُشَیَّدُ۔ اونچا کیا ہوا۔ بلند کیا ہوا۔ مَشِیْدٌ یہ مَفْعِلٌ بمعنی مفعول ہے جیسے مبیع بمعنی مَبْیُوْعٌ ہے (قرطبی)

تَمَنّٰی : اِذَا تَمَنّٰی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْ اُمْنِیَّتِہٖ۔ تَمَنّٰی کے معنی جس طرح تمنا کرنے کے آتے ہیں پڑھنے کے بھی آتے ہیں وقَالَ رُوَاۃُ اللغۃ: الاُمْنِیَّۃُ۔ القِرَأۃ (کہیں) فی اُمْنِیَّتِہٖ۔ ای فی تلاوتہٖ (راغب) وتَمَنَّی الْکِتَابَ قَرَأَہٗ وکَتَبَہٗ

اِلَّا اِذَا تَمَنّٰی اَلْقَی الشَّیْطَانُ فِیْ اُمْنِیَّتِہٖ ۔ ای قَرَأَ وَتَلَا ۔

شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابت کا مشہور شعر ہے جو انھوں نے حضرت عثمانؓ کے مرثیہ کے طور پر پڑھا،

تَمَنّٰی کِتَابَ اللّٰہِ اَوَّلَ لَیْلِہٖ
وَاٰخِرَہٗ لَاقٰی حِمَامَ المقادر

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے ؎

تَمَنّٰی کتابَ اللّٰہِ اٰخِرَ لَیْلِہٖ
تَمَنّٰی دَاوٗدَ الزَّبُوْرَ عَلٰی رِسْلٖ

انھوں نے اللہ کی کتاب کو آخری رات میں ایسے پڑھا جیسے حضرت داؤد علیہ السلام نے زبور کو مترسلاً پڑھا، التَّمَنِّیْ: تلاوت اور تَمَنّٰی اذا تلا القرآن (لسان) علامہ راغب لکھتے ہیں کہ التَّمَنِّیْ کے معنی دل میں کسی خیال کے باندھنے اور اسکی تصویر کھینچ لینے کے ہیں پھر کبھی یہ تصویر محض ظن وتخمین پر مبنی ہوتی ہے اور کبھی غور وفکر کا نتیجہ اور مبنی برحقیقت، مگر عام طور پر تمنّٰی کی بنا چونکہ ظن وتخمین پر ہی ہوتی ہے اس لئے اس پر جھوٹ کا رنگ غالب ہوتا ہے، کیونکہ عام طور پر تمنّی کا لفظ دل میں غلط آرزوئیں قائم کر لینے پر بولا جاتا ہے ۔ قرآن پاک میں ہے اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی، کیا جس چیز کی انسان آرزو کرتا ہے وہ اس کو ضرور ملتی ہے ۔ اور کسی چیز کی تمنا سے جو صورت ذہن میں پیدا ہوتی ہے اُس کو اُمْنِیَّۃٌ کہتے ہیں اور آیت کریمہ میں اُمْنِیَّۃٌ کے معنی تلاوت کے ہیں (راغب) ابو منصور کہتے ہیں کہ تلاوت کو اُمنیۃ اسلئے کہتے ہیں کہ جب تلاوت کرنے والا آیت رحمت پڑھتا ہے تو رحمت کی آرزو کرتا ہے، اور جب آیاتِ عذاب وعتاب پر سے اس کا گزر ہوتا ہے تو اس سے بچنے کی آرزو کرتا ہے ۔ یعنی بالتمنیّ: التلاوۃ والقراءۃ (ابن جریر) واکثر المفسرین قالوا معنی قولہ تمنّٰی یعنی تلا وقرأ کتابَ اللّٰہ (معالم) تَمَنّٰی: ای قرأ وتلا: فِیْ اُمْنِیَّتِہٖ: اَیْ فِیْ قِرَاءَتِہٖ وتِلَاوَتِہٖ (قرطبی) اصل میں اَلْمَنْیُ کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں ۔ محاورہ ہے مَنٰی لَکَ الْمَانِیْ، مقدر کرنے والے نے تیرے لئے مقدر کر دیا ہے ۔ اسی سے مَنٌّ ایک خاص وزن اور مقدار کا نام ہے ۔ مَنَی اللّٰہُ الْخَیْرَ لِفُلَانٍ: اللہ نے فلاں کے لئے خیر مقدر کردی ۔ مُنِیَ لِکَذَا: توفیق دیا جانا ۔ اسی سے تَمَنّٰی ہے جس کے معنی ہیں دل میں کسی

چیز کا خیال باندھنا اور آرزو کرنا۔ یہ معنی تو لغوی اعتبار سے بالکل ظاہر ہیں لیکن سوال یہ ہے قرأت پر لفظ تَمَنّیٰ کا اطلاق کیسے کیا گیا۔ اس بارے میں ایک وجہ تو آپ لسانُ العرب کے حوالہ سے آپ نے پڑھ لی جو انہوں نے ابو منصور کے قول کے حوالہ سے نقل کی ہے دوسری ایک وجہ علامہ راغب نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ ولمّا کان النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ما کان یُبادِرُ الیٰ ما نزل بِهِ الروح الامین علیٰ قَلْبِهِ حتّیٰ قِیْلَ لَهٗ لا تَعْجَلْ بِالقرآن (الآیۃ) وَلا تحرّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ سُمِّیَ تِلَاوَتُہٗ علیٰ ذالك تمنیًا ونبّہ انّ للشیطان تسلّطًا علیٰ مثلہ فی امنیتہٖ وذالك حیث بیّن انّ العجلۃ من الشیطان (راغب)

ترجمہ: اور چونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب پر روح الامین جو کچھ لیکر آتے اُسکے متعلق آپ اکثر جلدی فرماتے یہانتک کہ آپ کو حکم دیا گیا کہ قرآن پڑھنے میں عجلت سے کام نہ لیں اور زبان کو اس کی قرأت میں جلدی کرنے کے لئے حرکت نہ دیں۔ اسلئے آپ کی اس طرح کی تلاوت کو تمنی (اندازے سے پڑھنا) سے موسوم کیا اور متنبہ کیا کہ اس طرح کے پڑھنے میں شیطان کا دخل ہوتا ہے کیونکہ بیان کردیا گیا کہ جلدی شیطان کی طرف سے ہے۔

امام موصوف کی رائے میں یہاں تمنّیٰ کا استعمال تلاوت کے لئے ہوا ہے اور اس کی توجیہہ تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول پر جو انھوں نے فرمائی ہے وہ ان کی امامتِ فن کی شایانِ شان ہے۔ مولانا عبد الرشید نعمانی صاحب لغات القرآن میں فرماتے ہیں کہ افسوس ہے کہ بعض مفسّرین نے یہ معنی تو بیان کئے ہیں لیکن ان کی نظر امام موصوف کی توجیہہ پر نہیں گئی بلکہ ایک موضوع اور جعلی روایت پر تھی جس کو انہوں نے غلطی سے تفسیر کی کتابوں میں داخل کردیا۔ وہ روایت یہ ہے کہ سورۃ النجم کی تلاوت کے وقت جب آپ نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الاُخْرٰی۔ تو سہوًا آپ کی زبان سے بتوں کی تعریف میں یہ الفاظ نکل گئے، تِلْكَ الغرانیقُ العُلیٰ وانّ شفاعتهنّ لَتُرْتَجیٰ۔ یعنی یہ بت طائرانِ قدس ہیں اور ان کی شفاعت کی اُمید کیجا سکتی ہے۔

یہ ایسی روایت ہے جو منصبِ نبوّت

کو مجروح کرنے اور قرآن پاک کو مشکوک بنانے
کے لئے وضع کی گئی ہے اس کی کوئی سند
بھی صحیح نہیں ہے ۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی
فرماتے ہیں کہ یہ قصہ عقل اور نقل دونوں کے
اعتبار سے باطل اور موضوع ہے ۔ ایں قصہ
عقلاً ونقلاً باطل و موضوع ست (مدارج نبوت)
مولانا عبدالحق صاحبؒ اپنی تفسیر میں فرماتے
ہیں کہ جب سرے سے اس قصہ کی اصل نہیں
اور امام بیہقی نے اس پر ایک خاص رسالہ
لکھدیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ یہ قصہ
زندیقوں کا بنایا ہوا ہے کسی صحیح سند اور معتبر
راویوں سے اسکا کچھ پتہ نہیں لگتا تو پھر اُن
توجیہات اور اسکے مقابلے میں قرآن مجید کی
آیات اور دیگر دلائل کی کیا ضرورت ہے ۔
امام فخرالدین رازی اور صاحب مدارک و
بیضاوی وغیرہ محققین نے اس قصہ کا ابطال
دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے کیا ہے ۔ لفظ تمنّٰی
کی تحقیق میں مولانا امین احسن صاحب نے
تدبر قرآن میں عام اہلِ تفسیر سے ہٹ کر
ایک نئی راہ اختیار کی ہے اور اس لفظ
میں قرارت کے معنی کا انکار کیا ہے مولانا
کی تحقیق کا مدار صاحب اقرب الموارد کی
عبارت پر ہے ۔ مولانا فرماتے ہیں کہ لفظ
تمنّٰی کا اصل لغوی مفہوم صاحب اقرب
الموارد کی تصریح کے مطابق یہ ہے، یطلق
عند اهل العربیه علی طلب حصول
الشئ علی سبیل المحبة وعلی الکلام
الدال علیٰ هذا الطلب عربی زبان کے
ماہرین کے نزدیک یہ لفظ کسی شئی کے بطریق
محبت حصول کی طلب کے لئے بولا جاتا ہے
اور اسی طرح اس کلام پر بھی اسکا اطلاق
ہوتا ہے جو اس طلب پر دال ہو، اُردو
میں اس کا مفہوم ہوگا کسی چیز کی خواہش
کرنا، ارمان کرنا، تمنّا کرنا، حوصلہ کرنا،
یا کسی مقصد کے لئے اپیل یا استمالت
کرنا اس طرح اُمنیہ کے معنی ہوں گے
خواہش، ارمان، تمنّا حوصلہ مولانا فرماتے
ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ اس لفظ کے اندر
بعض لوگوں نے قرارت کرنے کے معنی
کہاں سے گھُسا دیئے ہیں ۔ مجھے اس معنی
میں یہ لفظ کلام عرب میں کہیں نہیں ملا ۔
حالانکہ یہ عربی کے کثیر الاستعمال الفاظ میں
سے ہے ۔ مولانا نے حضرت حسانؓ کے
اس شعر کو بھی منحول قرار دیا ہے جو اس
معنی کی تائید میں پیش کیا گیا ہے، اور اگر
یہ شعر صحیح بھی ہو تب بھی ایک غیر معروف

شعر کثیر الاستعمال لفظ کو اس کے معروف مفہوم سے نہیں ہٹا سکتا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اوپر والی آیت میں معاندین کی سعی فی المعاجزہ کا ذکر ہے، اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ کوئی ایسی بات نہیں جو صرف آپ ہی کو پیش آئی ہو تم سے پہلے جتنے نبی اور رسول بھی آئے سب کو اسی طرح کے حالات سے سابقہ پیش آیا۔ جب بھی کسی نبی نے لوگوں کی ہدایت واصلاح کے لئے کوئی قدم اُٹھایا کوئی حوصلہ کیا، کوئی دعوت دی اور خلق کو سکھانے، سُدھارنے، بُلانے اور پرچانے کی کوشش کی تو اشرار ومفسدین نے اسی طرح اس کی راہ میں اَڑنگے ڈالے اور اسکی دعوت کو شکست دینے کی کوشش کی۔ ابوجہل اور ابولہب وغیرہ سایہ کی طرح تردید کے لئے آپؐ کے ساتھ ساتھ پھرتے۔

یہاں ہدایت واصلاح کی راہ میں نبی کے اقدام کو تمنیٰ اور اس کی سعی وجہد کو اُمنیہ سے تعبیر فرمایا ہے اُمنیہ کے معنی آرزو، حوصلہ اور ارمان کے ہیں، القیَ الشیطان فی اُمنیتہٖ سے مراد یہ ہے کہ وہ نبی کے اقدام اور کام اور اسکے ارادوں اور منصوبوں میں طرح طرح سے رخنہ اندازیاں کرتے اور قسم قسم کے اعتراضوں، طعنوں، شگوفہ بازیوں سے اس کے کلام کے اثر کو مٹانے کے درپے ہوتے (ملخصاً از تدبر ص ۲۸۵ تا ص ۲۸۷)

تُخْبِتَ : فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ
تَخْبِتُ وہ عاجزی کرے، وہ ڈرے، وہ جھکے، اِخْبَاتٌ سے مضارع کا صیغہ ہے خَبْتٌ نرم زمین کو کہتے ہیں اور اخبتَ کے معنی نرم زمین کا قصد کرنے اور وہاں اُترنے کے ہیں۔ پھر اسی نرمی کا لحاظ کرتے ہوئے اِخبَات کا استعمال تواضع نرمی اور انکساری کے لئے ہونے لگا، ای تَخْشَعُ وتسکن وقیل تخلص (قرطبی) خَبَتَ (ض) خبتاً۔ ذِکْرُہٗ۔ اس کا چرچا مٹ گیا۔ اَخْبَتَ اِلَی اللّٰہ۔ خدا کے سامنے عاجزی کرنا۔ الخَبِیْتُ حقیر اور بُری چیز۔ محاورہ ہے هُوَ خَبِیْتُ النَّفْسِ وہ شکستہ دل آدمی ہے۔

عَقِيْمٌ : عَذَابُ عَقِیْمٍ : العُقْمُ اس خشکی کو کہتے ہیں جو کسی چیز کا اثر قبول کرنے سے مانع ہو۔ محاورہ ہے عَقَمَتْ مَفَاصِلُهٗ۔ اس کے جوڑ بند خشک ہو گئے

اور دَاءٌ عَقِیمٌ وہ بیماری جو کسی دوا کو قبول نہ کرے۔ لاعلاج مرض۔ اس سے اس عورت کو عقیم کہتے ہیں جس کا رحم مرد کے مادہ کو قبول نہ کرے، قَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ (ذاریات) (وہ بولی کہ میں تو ایک بانجھ ہوں) پھر یہیں سے اس کے اندر بے فیض اور بے برکت اور منحوس کا مفہوم پیدا ہوا اور اس کا اطلاق اس طوفانی ہوا پر ہوا جو تباہی تو مچا دے قیامت کی لیکن اس کے اندر نفع کا پہلو کوئی نہ ہو۔ چنانچہ قوم عاد پر جو عذاب ہوا اس کے لئے رِیْحٌ عَقِیْمٌ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ۔ پھر اس بے برکتی اور تباہی کے لحاظ سے یوم الحرب کو بھی یَوْمٌ عَقِیْمٌ کہنے لگے ہیں چنانچہ اس آیت میں یوم عقیم سے مراد یوم الحرب ہے۔ اور اس سے اشارہ جنگ بدر کی طرف ہے جس کے بعد کفر بانجھ ہوگیا۔ علامہ کشاف نے لکھا ہے کہ یوم الحرب کو یوم عقیم اس وجہ سے بھی کہتے ہیں کہ اسمیں عورتوں کی اولاد قتل کیجاتی ہے تو گویا اسمیں عورتیں مقتول الاولاد ہونے کی وجہ سے عقیم ہوجاتی ہیں۔

وانّما وُصف یوم الحرب بالعقیم لان اولاد النساء یقتلون فیہ فیصرن کانّھنّ عقیم لم یلدن (کشاف)

عذاب دوزخ کو بھی عقیم کہتے ہیں کیونکہ وہ ہر طرح کی خیر و برکت سے خالی ہوتا ہے ضحاک کا قول ہے کہ عقیم اس دن کو کہتے ہیں جس کے بعد کوئی نہ ہو اور وہ قیامت کا دن ہے۔ نحاس کہتے ہیں کہ قیامت کے دن کو یوم عقیم اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کے بعد کوئی اس جیسا دن نہیں۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ لغت میں عقیم وہ ہے جس کی کوئی اولاد نہ ہو۔ والعَقِیم فی اللُّغَۃِ عبارۃ عمن لایکون لہ ولد (قرطبی)

اَلْعُقْمُ۔ بالفتح والضَّمِّ ھَزْمَۃٌ تَقَعُ فی الرحم فلا تقبل الولد، عقیم کی جمع عَقَائِمُ اور عُقْمٌ آتی ہے (لسان)

مُخْضَرَّۃٌ : یہ باب اِفعلال کے مصدر اِخْضِرَارٌ سے اسم فاعل مؤنث ہے یعنی سرسبز۔ کاہی رنگ والا۔ سبز سیاہی مائل۔ خُضْرَۃٌ سفیدی اور سیاہی کا مخلوط رنگ جسمیں سیاہی کی طرف میلان زیادہ ہو اس لئے عربی میں اخضر کو اسود اور اسود کو اخضر کہہ لیا جاتا ہے۔

اَرْضٌ مُّخْضَرَّةٌ : سبزے والی زمین ۔
فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۔ ای ذات
خضرۃ کما تقول مُبْقِلَۃٌ ومُسْبِعَۃٌ
ای ذات بقل وسباع (قرطبی)
یعنی بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے،
اَرْضٌ مُّبْقِلَۃٌ اور مراد ہوتا ہے سبزے
والی زمین اور ارضٌ مُسْبِعَۃٌ ۔ درندوں
والی زمین ۔ اسی طرح ارضٌ مخضرۃٌ
سے مراد ہے زمین کا سبزے والی ہونا ۔

یَسْطُوْنَ : یَکَادُوْنَ یَسْطُوْنَ
یَکَادُوْنَ کے لفظی معنی کسی فعل یا عمل کے
قریب ہوجانے کے ہیں اور یَسْطُوْنَ ،
سَطْوَۃٌ سے جمع مذکر کا صیغہ ہے ۔
سَطْوَۃٌ جب حرف بار کے ذریعہ متعدی
ہو تو اس کے معنی سخت پکڑنے یا حملہ
کرنے کے ہوتے ہیں ۔ امام راغب فرماتے
ہیں کہ یَکَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ
عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا (قریب ہوتے ہیں کہ جو لوگ
ان کو ہماری آیات سناتے ہیں اُن پر حملہ
کردیں) یہ اصل میں سَطَا الْفَرَسُ علی
الرَّمَکَۃِ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں گھوڑے
کا اپنی دونوں ٹانگوں کو اُٹھا کر اپنی مادہ پر
چڑھ جانا ۔ خواہ بوجہ نشاط کے ہو یا جفتی کے
اور سَطَا الماءُ کے معنی ہیں پانی چڑھ گیا اُسکی
سطح بلند ہوگئی ۔ سَطَا بِہٖ کسی کو سختی سے پکڑنا
یَسْطُوْنَ، ای یَبْطُشُوْنَ والسَّطْوَۃُ
شِدَّۃٌ ۔ یقال سطا بہ یَسْطُو : اذا
بطش بہ کان ذالك بضرب او شتم
(قرطبی) السَّطْوُ : الوثبُ والبطشُ
(کشاف) سَطَا یَسْطُوْ کے معنی حملہ
کر دینے اور پل پڑنے کے ہیں (تدبر)

یَسْلُبْ : وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ
شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ منہ (آیت ۷۳)
السَّلْبُ کے معنی ہیں کسی سے کوئی چیز
چھین لینا، اور السَّلِیْب وہ آدمی جو لٹا
ہوا ہو ۔ اور چھینی ہوئی چیز کو السَّلَبُ کہتے
ہیں ۔ حدیث میں ہے ۔ مَنْ قَتَلَ قَتِیْلًا
فَلَہٗ سَلَبُہٗ ۔ جو شخص کسی قتیل کو مارے
وہی اسکا سامان لے لے ۔ الاُسْلُوْبُ :
طریقہ روش ۔ جمع اسالیب ۔ سلوب : وہ
عورت یا اونٹنی جسکا بچہ مرگیا ہے ۔
سَلَبَ الشَّیْئَ : کسی چیز کو زبردستی چھیننا ۔
سَلَبَ الشَّجَرَۃَ درخت کی چھال اُتارنا ۔ اور
اُتاری ہوئی چھال کو سلیبٌ کہا جاتا ہے،
اور سلب سیاہ، ماتمی لباس جو اصل لباس
اُتار کر پہنا جاتا ہے ۔ تَسَلَّبَتِ المَرْأۃُ عورتوں

نے ماتمی لباس پہنا۔ جیسے اَحَدَّتِ المَرْأَةُ
ہے یعنی عورت نے سوگ کیا۔

اَلذُّبَابُ : مکھی، یہ لفظ شہد کی مکھی
اور بھڑ وغیرہ ہر طرح کی مکھی پر بولا جاتا ہے
ایک شاعر کہتا ہے ؎

فھٰذَا اَوَانُ العِرْضِ حَیٌّ ذُبَابُہٗ
زَنَابِیْرُہٗ وَالازْرَقُ المُتَلَمِّسُ

یہ وادی کے پُر رونق ہونے کا موسم ہے،
اس کے زنابیر اور سبز مکھیاں خوب بھن بھنا
رہی ہیں۔ ذُبَابُ العَیْنِ آنکھ کی پُتلی،
آنکھ کی پُتلی کو ذباب یا تو ہیئت میں تشبیہ
کے لحاظ سے کہا گیا ہے اور یا پھر اس لئے کہ
آنکھ کی پُتلی سے بھی مکھی کی طرح شعاعیں نکلتی
ہیں اور مکھی میں چونکہ ایک پہلو ایذا رسانی
کا بھی ہوتا ہے اس لئے بطور تشبیہ کے تلوار
کی نوک اور اس کی دھار کو بھی ذُبَابُ السَّیف
کہتے ہیں اور موذی شخص کو بھی ذُبَابٌ کہہ دیا
جاتا ہے اور ذَبَّبَ عَنْ فُلَانٍ کے معنی ہیں
کسی سے مکھی کو دُور ہٹانا، اُڑانا اور المِذَبَّةُ
مکھیاں اُڑانے کا آلہ (راغب)
ذباب، واحد ہے۔ مذکر اور مؤنث دونوں
پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اسکی جمع قِلّت اَذِبَّۃٌ
اور جمع کثرت ذِبَّانٌ جیسے غُرَابٌ کی جمع
قِلّت اَغْرِبَۃٌ اور کثرت غِربان آتی ہے،
الذَّبُّ کے اصل معنی کسی چیز کو دفع کرنے
اور روکنے کے ہیں۔ مکھی کو چونکہ اس کے
ضرر کی وجہ سے روکا اور ہٹایا جاتا ہے،
اس لئے اس کو ذباب کہا گیا ہے امام قرطبی
فرماتے ہیں کہ مکھی کو ذباب کثرت حرکت کی وجہ
سے کہا جاتا ہے۔

الذَّبُّ الدَّفعُ والمنعُ والذَّبُّ الطَّرْدُ
وذَبَّ عنہ یَذُبُّ ذَبًّا دَفَعَ وَمَنَعَ
(لسان) الذُّباب اسم واحد للذکر
والاُنثیٰ والجمع القلیل اَذِبَّۃٌ
والکثیر ذِبّانٌ علی غُراب واَغرِبَۃٌ
وغِرْبَانٌ وسُمِّیَ بِہٖ لِکَثْرَۃِ حَرَکَتِہٖ (قرطبی)

ذُبَابَۃُ الدَّیْنِ : قرض کا بقیہ حصہ، ذُبَابَۃُ الشَّیْءِ
بچی ہوئی چیز ذُبَابٌ طاعون، جنون،
ذُبَّ الرَّجُلُ، مجنون ہو گیا اور ذَبْذَبَۃٌ
فضا میں لٹکی ہوئی چیز کی آواز کو کہتے ہیں،
جو اُس کے ہلنے سے پیدا ہوتی ہے۔ پھر ہر
طرح کی حرکت اور اضطراب کے معنی میں
بطور استعارہ کے استعمال ہونے لگا ہے
قرآن پاک کی آیت کریمہ مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ
ذٰلِکَ اسی سے ہے یعنی وہ بیچ میں لٹک
رہے ہیں ذَبْذَبَۃ اور ذَبَاذِبُ اِلخ

چیزوں کو بھی کہا جاتا ہے جو ہودج یا اونٹ وغیرہ کی گردن کے ساتھ خوبصورتی کے لئے لٹکائی جاتی ہیں۔ (لسان)

یَسْتَنْقِذُوْا : لَا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ الانقاذُ اور اَلِاسْتِنْقَاذُ کسی خطرہ یا ہلاکت سے نجات دینا ۔چھڑانا، اَنْقَذَ فُلَانًا مِنْ کذا : خلاصی دلانا، قرآن پاک میں ہے فَاَنْقَذَکُمْ مِنْھَا تو خدا نے تم کو اس سے بچالیا ۔ اِسْتَنْقَذَہٗ مِنْ کَذَا کے معنی بھی یہی ہیں یعنی نجات دینا چھڑانا ۔ نَقِذَ (س) نَقَذًا نجات پانا اور النَّقَذُ : سلامتی، محاورہ ہے نَقَذًا لَکَ تو محفوظ ہے اور النَّقَذُ چھڑایا ہوا اور النَّقِیْذُ ۔ دشمن کے ہاتھ سے چھڑایا ہوا گھوڑا ۔ گویا وہ ان سے بچایا گیا ہے جمع نَقَائِذ ۔ ھُوَنَقِیْذُ بُوْسٍ : وہ سختی سے بچایا ہوا ہے۔ الِانْقَاذُ وَالِاسْتِنْقَاذُ التَّخْلِیْصُ (قرطبی)

اِجْتَبٰی : ھُوَاجْتَبٰکُمْ (آیت ۷۸) اس نے تمہیں برگزیدہ کیا (ماجدی) اُسنے تم کو پسند کیا (لغات القرآن)

الاجتباءُ کے معنی انتخاب کے طور پر کسی چیز کو جمع کرنے کے ہیں، وَالاجتباءُ الجمع علی طریق الاصطفاءِ (راغب)

الِاجْتِبَاءُ : ای اِصْطِفَاءُ وَاجْتَبَیَ الشَّیْئَ اختارہٗ (لسان) اجتبٰی کے معنی اختراع اور تراش لینے کے بھی آتے ہیں چنانچہ آیت کریمہ وَاِذَا لَمْ تَاْتِھِمْ بِاٰیَۃٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَیْتَھَا (اعراف آیت ۲۰۳) اور جب آپ انکے سامنے کوئی نشانی نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں کہ آپ اُسے کیوں نہ چھانٹ لاتے ۔ اجْتَبَیْتَھَا کے معنی ہیں کہ تم خود ہی انکو تالیف کیوں نہیں کر لیتے، کفار یہ جملہ بطور طنز کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے تھے مطلب یہ تھا کہ یہ آیات اللہ کی طرف سے نہیں بلکہ آپ خود اُن کو تراش لیتے ہیں۔

اس کا اصل مادہ جبی ہے جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں ۔ الجابیہ : وہ حوض جس میں پانی جمع ہو جَبَیَ الخراجَ : خراج جمع کیا، اَجْبَیٰ ذرعہٗ ۔ پکنے سے پہلے بیچ دیا، وَجِفَانٍ کَالْجَوَابِ (آیت نمبر ۱۳ سورۂ سبا) یہ جملہ دورِ سلیمانی کی صنعت کاریوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جناب سلیمانؑ کا دور نہایت مہذب شائستہ دور تھا، صنعت و حرفت کی ارتقاعی منازل بابِ عروج پر تھی (دیکھیے آل عمران لفظ یجتبی)

شرح الفاظ القرآن من سورة المؤمنون

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَدْ : قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (آیت نمبر۱) مؤمن فلاح پا گئے، وہ جیت گئے، وہ کامیاب ہو گئے، ایمان لانے والے بلاشبہ چھوٹ گئے۔ قَدْ کبھی اسم ہوتا ہے بمعنی حَسْبُ (کافی ہے) جیسے قَدْ زَیْدٍ درهَمٌ: زید کو ایک درہم کافی ہے عموماً مبنی بر سکون ہوتا ہے۔ اور کبھی معرب بھی ہوتا ہے جیسے قَدُ زیدٍ دِرْهَمٌ : زید کو ایک درہم کافی ہے۔ اور قَدْنِیْ دِرْهَم نون وقایہ کے ساتھ، اور قَدِیْ دِرْهَمٌ بلا نون کے، جیسا کہ حسبی۔

نمبر۲۔ کبھی قَدْ اسم فعل بھی ہوتا ہے بمعنی کَفٰی یا یَکْفِیْ جیسے قَدْنِیْ دِرْهَمٌ مجھے ایک درہم کافی ہے۔ یہ دونوں قسمیں یعنی قَدْ اسمی اور قد بمعنی اسم فعل قرآن میں نہیں ہے۔

نمبر۳۔ قد حرفی یعنی بطور حرف کے بھی استعمال ہوتا ہے اور صرف فعل متصرف خبری مثبت پر داخل ہوتا ہے جبکہ اس پر کوئی جازم یا ناصب داخل نہ ہو رہا ہو یہ فعل کے جزو کی طرح ہوتا ہے اور فعل پر داخل ہو کر حرفوں میں کوئی عمل نہیں کرتا اور یہ داخل بھی اسی فعل پر ہوتا ہے جس پر کوئی حرف جازم یا ناصب داخل نہ ہو، حرف قد فعل سے جُدا ہو کر استعمال نہیں ہوتا، البتہ قسم کے ساتھ جُدا ہو جاتا ہے کیونکہ قسم بھی اسکے مضمون کو مؤکد کرتی ہے اس لئے گویا کہ دونوں متحد ہی ہیں۔

حرف قد جب فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے تو توقع اور اُمید کے معنی پیدا کرتا ہے جیسے قَدْ یقدم الغائب الیوم، توقع یا اُمید ہے کہ آج غائب آ جائے کبھی تقلیل کا فائدہ دیتا ہے جیسے قَدْ یَصْدُقُ الکَذُوْبُ کبھی کبھی جھوٹا بھی سچ بول دیتا ہے اور جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو کبھی تحقیق کے معنی دیتا ہے، جیسے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ یقیناً ایمان والے فلاح پا گئے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنِ اتَّقَی اللّٰہَ یقیناً فلاح پائی متقی نے

اور کبھی ماضی مطلق پر داخل ہو کر اسکو حال کے قریب کر دیتا ہے جیسے قد قام فلانٌ فلاں آدمی ابھی ابھی کھڑا ہوا ہے۔ اور کبھی فعل مضارع پر داخل ہو کر اس میں زیادتی کے معنی پیدا کر دیتا ہے جیسے قَدْ اَشْهَدُ الغارۃ الشَّعْوَاءَ تَحْمِلُنِیْ میں بڑی لوٹ کے اندر بہت شریک ہوتا ہوں جو مجھے برانگیختہ کرتی ہے۔

جوہری کہتے ہیں کہ حرف قَدْ صرف افعال پر داخل ہوتا ہے خلیل نحوی کا قول ہے کہ قَدْ اس شخص کے جواب میں آتا ہے جو خبر کی انتظار میں ہو یا ان لوگوں کے جواب میں جو کسی چیز کی انتظار میں ہوں مثلاً قَدْ مَاتَ فلانٌ اُس وقت کہا جائیگا جب کوئی موت کی خبر کا منتظر ہو، ورنہ مَاتَ فلانٌ کہا جائے گا۔ نُحاۃ کا کہنا ہے کہ فعل ماضی اسوقت تک حال واقع نہیں ہوتا جب تک اس پر حرف قد داخل نہ ہو چلے مظہر ہو یا مضمر، چنانچہ آیت کریمہ اَوْجَاءُوْکُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ۔ باضمارِ قَدْ حال ہے، اور تقدیر کلام یوں ہے اَوْجَاءُوْکُمْ قَدْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ۔ البتہ بقول اظہری کے فعل مضارع بغیر قَدْ کے بھی حال واقع ہوتا ہے (لسان)

اَفْلَحَ : وہ جیت گیا، وہ مراد کو پہنچا یہ افلاحٌ سے ماضی کا صیغہ ہے، مادہ فلحٌ ہے۔ اور فلاح کی دو قسمیں ہیں۔ دُنیوی اور اُخروی۔ فلاح دنیوی ان کامیابیوں کا حصول ہے جن سے دنیوی زندگی سنور جائے یعنی مال و دولت، صحت و عزت اور اُخروی فلاح چار چیزوں میں ہے۔ بقاؔ بلا فنا غناؔ بلا فقر عزتؔ بلا ذلت علمؔ بغیر جہالت قرآن پاک میں فلاح کا لفظ اُخروی نجات اور کامیابیوں کے لئے ہی بولا گیا ہے البتہ آیت کریمہ قَدْ اَفْلَحَ الْیَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰی میں دنیوی کامیابی زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ یہ مقولہ غیر مسلم فرعونی جادوگروں کا ہے۔ اور قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ : سے بلاشبہ اُخروی کامیابی مراد ہے۔ الفَلْحُ کے معنی پھاڑنے کے ہیں، مثل مشہور ہے۔ الحَدِیْدُ بِالحَدِیْدِ یُفْلَحُ لوہا لوہے سے کاٹا جاتا ہے اسی سے کسان کو فَلاَّحٌ کہتے ہیں کیونکہ وہ زمین کو پھاڑتا ہے۔ امام قرطبی لکھتے ہیں کہ فَلْحٌ (بسکون اللام) کے معنی ہیں پھاڑنا، قطع کرنا اور جسکا نیچے کا ہونٹ پھٹا ہوا ہو اسکو اَفْلَحُ کہتے ہیں

اور اہلِ جنت کو بھی مُفلح اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ مصائب و مشکلات کو کاٹکر اپنے مطلوب کو پہنچا ہے (قرطبی)

مولانا اصلاحی فرماتے ہیں کہ اس لفظ (مُفلحون) کی اصل روح انشراح اور انکشاف ہے۔ اور اس سے مراد وہ فائز المرامی اور کامیابی ہوتی ہے جو اگرچہ حاصل تو ہو ایک صبر آزما اور جان گسل جدوجہد کے بعد، لیکن جب حاصل ہو تو محنت کرنیوالے نہال ہو جائیں اور انکی توقعات کے سارے پیمانے اس کے ناپنے سے قاصر رہ جائیں۔

صاحب لسان العرب لکھتے ہیں کہ فَلَحٌ (بفتح اللام) اور فَلَاحٌ کے معنی بھی نجات اور خیر اور خوشحالی میں باقی رہنے کے ہیں۔ حضرت ابو الدحداح کی روایت میں ہے بَشَّرَكَ اللهُ بِخَيْرٍ وَفَلَاحٍ یعنی اللہ نے تمھیں باقی رہنے اور کامیاب ہونیکی بشارت دی، اور اہلِ جنت کو ہمیشہ باقی رہنے والی نجات اور کامیابی سے ہمکنار ہونیکی وجہ سے مفلحون کہا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے لَا أَفْعَلُ ذَالِكَ فَلَاحَ الدَّهْرِ یعنی میں یہ کام رہتی دُنیا تک نہیں کرونگا۔ سحری کیلئے بھی لفظ فلاح کا اطلاق ہوا ہے، حدیث میں ہے حَتّٰى خَشِيْنَا اَنْ يَّفُوْتَنَا الْفَلَحُ اَوِ الْفَلَاحُ۔ ہمیں ڈر ہوا کہ کہیں سحری فوت نہ ہو جائے یعنی سحری کھانے کا وقت نکل جانے کا خطرہ ہوا۔ اذان میں کہا جاتا ہے حَیَّ عَلَی الفلاح۔ یعنی نجات اور بقا کی طرف اور فتح اور فیروزی کیطرف آؤ۔ حدیث میں ہے كُلُّ قَوْمٍ عَلٰى مَفْلَحَةٍ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ہر قوم اپنے خیال اور اعتقاد پر خوش ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے، كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۔ اور اَفْلَحْتَ كُلَّ الفلاح۔ تو تو پوری طرح کامیاب ہوگیا بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ کلامِ عرب میں لفظ فلاح سے زیادہ جامع کوئی اور ایسا لفظ نہیں ہے جو دُنیا اور آخرت کی تمام کامیابیوں پر حاوی ہو۔

نمبر۱۔ اَلْفَلَحُ والفلاحُ : الفوزُ والنجاۃ والبقاء فی النعیم والخیر (لسان)

نمبر۲۔ الفلحُ والفلاح : السحور لبقاء غنائه (لسان)

نمبر۳۔ وَالْفَلْحُ : الشَّقُّ وَالْقَطْعُ (لسان)

نمبر۴۔ الفلاحُ فی العرف : الظَّفَرُ بالمَطْلُوبِ، والنَّجَاةُ مِنَ المرهوبِ، قرطبی ص۱۸۲ ج۱۲۔ اِسْتَفْلِحِی بِاَمْرِكِ یہ لفظ طلاق سے کنایہ ہوتا ہے، یعنی تو اپنی فکر آپ کرلے، میں تجھ سے الگ ہوں۔ اس سے عورت بائنہ ہو جاتی ہے۔

سُلٰلَةٍ : وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

من سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ - اور ہم نے بنایا آدمی
کو چُنی ہوئی مٹی سے - سُلالہ، بمعنی خلاصہ ہے
اور طِینٌ گیلی مٹی جسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ
زمین کی مٹی کے خاص اجزا نکال کر اس سے
انسان کو پیدا کیا (معارف)
سَلُّ الشَّیٔ، کے معنی ایک چیز کو دوسری
سے کھینچ لینے کے ہیں جیسے تلوار کا نیام سے
کھینچنا، یا گھر سے کوئی چیز چوری کرکے کھسکا
لینا - یا آٹے سے بال کو کھینچنا - قرآنِ پاک
میں ہے - يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا - جو
تم میں سے آڑ میں ہو کر کھسک جاتے ہیں
یہ اشارہ اُن منافقین کی طرف ہے جو چُپکے
سے کھسک جاتے تھے - پھر اسی سے سُلَالَۃٌ
اس چیز کو کہنے لگے جو کسی چیز سے نکالی ہوئی ہو
اولاد بھی چونکہ باپ کی پشت اور اس کے جوہر
غلیظ سے وجود میں آتی ہے اس لئے اس کو
بھی سُلالہ کہا جاتا ہے - قرآنِ پاک میں ہے،
ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ
(سجدہ) پھر چلائی اس کی نسل نچڑے ہوئے
بے قدر پانی سے یعنی نطفہ سے جو عرف عام میں
ایک گندی چیز سمجھی جاتی ہے (ماجدی)
یہاں بطور کنایہ کے سُلالۃ سے مراد نطفہ ہے
کیونکہ وہ بھی غذاے انسانی کا خلاصہ ہے

اور خود نطفہ پر اس کا اطلاق اس جوہر کے لحاظ
سے ہے جس سے نطفہ بنتا ہے - امرأ القیس کہتا ہے
وَاِنْ تَكُ قَدْ سَاءَتْكِ مِنِّيْ خَلِيْقَةٌ
فَسُلِّيْ ثِيَابِيْ مِنْ ثِيَابِكِ تَنْسُلِ
اور اگر تجھ کو میری کوئی عادت ناگوار ہے تو
میرے کپڑوں کو اپنے کپڑوں سے جدا کر دے
کہ نکل جائے - امام قرطبی لکھتے ہیں کہ سُلَالَۃٌ
سَلٌّ سے فُعَالَۃٌ کے وزن پر ہے جس کے
معنی ہیں ایک چیز کو دوسری چیز سے نکالنا
والسُّلَالَۃُ - فُعَالَۃٌ مِنَ السَّلِّ وَهُوَ اسْتِخْرَاجُ
الشَّیءِ مِنَ الشَّیءِ - يُقَالُ سَلَلْتُ الشَّعْرَ
مِنَ الْعَجِيْنِ[1] (قرطبی) وَالسَّلُّ :
انتزاع الشیئ واخراجہ فی رفق -
یعنی کسی چیز کو آہستگی سے کھینچ لینا و سُلَالَۃُ
الشَّیءِ مَا اسْتُلَّ منہ، والنُّطْفَۃُ سُلَالَۃُ
الانسان (لسان) سَلِیْلٌ اور سُلَالَۃٌ
اولاد - چُنی ہوئی شئی - نچوڑی ہوئی -
خلاصہ سَلٌّ سے اسم مشتق ہے وَقَالَ
صاحب الکشاف السُّلَالَۃُ الخلاصۃ
لانھا تُسَلُّ من بین الکدر و فُعَالَۃٌ
بناءٌ لِلقلۃ کالقُلَامَۃ والقُمَامَۃ (کشاف)

---

[1] یعنی میں نے آٹے سے بال نکال دیا -

طَرَآئِقَ : وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ (آیت نمبر ۱۷) اور ہم نے بنائے تمہارے اوپر سات راستے، طَرَآئِق طریقہ کی جمع ہے۔ اس کو معنی طبقہ بھی لیا جا سکتا ہے جس کے معنی یہ ہونگے کہ تہ بہ تہ سات آسمان تمہارے اوپر بنائے گئے اور طریقہ کے معنی مشہور راستہ کے ہیں۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ سب آسمان فرشتوں کی گزرگاہیں ہوں جو احکام لیکر زمین پر آتے ہیں (معارف)

صاحب تدبر فرماتے ہیں کہ طرائق، اَسِتْرَۃٌ یعنی دھاریوں کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں صفت بول کر موصوف کو مراد لیا گیا ہے جو عربی زبان میں معروف ہے یعنی دھاریوں والے سات آسمان۔ یہاں اس لفظ سے آسمان کی رنگا رنگی و بوقلمونی کیطرف اشارہ ہے۔ (تدبر)

الطَّرِیْق : راستہ جس پر چلا جائے، قرآن پاک کی آیت فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ میں طریق سے مراد راستہ ہی ہے پھر بطور استعارہ کے طریق کا لفظ مذہب، مسلک پر بھی بولا جاتا ہے چاہے وہ مذہب، مسلک صحیح ہو یا غلط۔

آیت کریمہ وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى میں دین اور مذہب ہی مراد لیا گیا ہے، یعنی یہ دونوں چاہتے ہیں کہ تمہارے پرانے اور بہترین دین اور اعلیٰ نظریۂ حیات کو برباد کر کے چھوڑیں لغت میں سردار قوم پر بھی طریقہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ چنانچہ محمد بن جریر طبری اور حافظ ابن کثیر نے طریقہ کے معنی سادات و اشراف بھی بیان کئے ہیں۔ اور سورۂ طٰہٰ کی آیت کریمہ وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ تمہارے سادات پر اور اشراف پر غالب آجائیں ان کو اپنے ساتھ ملالیں۔

مجاہد، ابو صالح اور عکرمہ کا قول بھی یہی ہے وقال مجاهد يذهبا بطريقتكم المُثْلٰى قال اُولُوالشرفِ والعقلِ والاسنانِ وقال اَبُوْصالح بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى اَشْرَافُكُمْ وسرواتكم (ابن کثیر)

لیکن سادات اور اشراف قوم پر طریقہ کا اطلاق مجازی ہے۔ بایں طور کہ جس طرح آدمی راستہ پر چلتا اور اس کا اتباع کرتا ہے اسی طرح سادات اور اشراف کی بھی اتباع کیجاتی ہے لہٰذا مجازی طور پر سرداروں کو طریقہ کہا جانے لگا ہے۔ طَرِيْقٌ، فَعِيْلٌ بمعنی مفعول ہے اسی طرح طَرَائق، طریقۃٌ بمعنی مَطْرُوْقَۃٌ کی جمع ہے (روح)

فَوَاكِهُ : لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ

(آیت نمبر۱۹) تمہارے واسطے ان میں میوے
ہیں بہت (معارف)
فواکہ ۔ یہ فَاکِهَةٌ کی جمع ہے، وہ پھل فروٹ
وغیرہ جن کو کھاکر لذت حاصل کیجائے، اصل
میں فَکِهٌ یا فَکَاهَةٌ ۔ دل لگی، خوش
طبعی ۔ تعجب کرنا۔ مذاق اور ہنسی مکھ ہونا،
وغیرہ کو کہتے ہیں۔ پھر اس کا استعمال ان ثمرات
اور میوہ جات پر ہونے لگا جو بطور خوشی یا
حصولِ لذت کے لئے کھائے جاتے ہیں۔
فَکِهَ (س) فَکَهًا وفَکَاهَةً خوش طبعی،
فَکِهَ مِنْهُ تعجب کرنا۔ فَکِهٌ وفَاکِهٌ
خوش خلق، زندہ دل، میوہ کھانے والا،
اترانے والا اور الأفْکَهُ اسم تفضیل، کہا
جاتا ہے، فُلَانٌ مِنْ أفْکَهِ النَّاسِ یعنی
فلاں آدمی بہت مزاح کرنے والا ہے ۔
حدیث میں ہے، حضرت انس فرماتے ہیں،
کان النبیؐ صلی اللهُ عَلَیْهِ وسَلَّمَ مِنْ
أفْکَهِ النَّاسِ مع صَبِیٍّ: آپ پیار و
محبت میں بچوں کے ساتھ سب سے زیادہ
پیار اور مزاح کرنے والے تھے، زید بن ثابت
کی روایت ہے کَانَ مِن أفکهِ النَّاسِ
اذا خَلَا مَعَ اَهْلِهٖ ، کہ جب آپ گھر والوں
کے ساتھ اکیلے ہوتے تو سب لوگوں سے زیادہ
خوش طبع اور خوش مزاج رہتے، اسی سے
حدیث ہے، اَرْبَعٌ لَیْسَ غِیْبَتُهُنَّ
بِغِیْبَةٍ ، مِنْهُمُ الْمُتَفَکِّهُوْنَ بِالْأُمَّهَاتِ
یعنی چار شخصوں کی برائی غیبت نہیں ہے،
ان میں سے ایک تو وہ لوگ ہیں جو ماؤں کو
دل لگی اور ہنسی اور مزاح میں گالیاں دیتے ہیں
تَفَکُّهٌ کے معنی ندامت اور شرمندگی کے
بھی آتے ہیں۔ اسی سے بعض حضرات نے
آیت کریمہ فَظَلْتُمْ تَفَکَّهُوْنَ کے معنی
تَنَدَّمُوْنَ کئے ہیں یعنی پھر تم اپنے کئے پر
پشیمان اور نادم ہونے لگو اور بعض نے اصل
کے اعتبار سے اسکے معنی فروٹ تناول کرنے
کے ہی کئے ہیں۔ علامہ راغبؒ نے لکھا ہے
کہ اَلْفَاکِهَ کے اندر دو قول ہیں ایک یہ کہ
فَاکِهَ کا اطلاق تمام قسموں کے پھلوں
فروٹوں پر ہوتا ہے اور دوسرا قول یہ کہ
انگور اور انار کے علاوہ دوسرے پھلوں
پر فاکہ کا اطلاق ہوتا ہے امام قرطبی
اور بعض دیگر اہلِ تفسیر نے لکھا ہے کہ
امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک انگور اور انار
فواکہ میں شامل نہیں اور صاحبین کا
قول یہ ہے کہ یہ دونوں بھی فواکہ میں شامل
ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا استدلال ہے کہ

قرآن پاک میں ایک مقام پر تو فَاکِهَةٌ کو دوسرے پھلوں پر عطف کیا ہے جیسے کہ وَفَاكِهَةً وَاَبًّا اور ایک مقام پر اس کا عکس ہے، یعنی دوسری اشیاء کا عطف فَاكِهَةٌ پر کیا گیا ہے جیساکہ فرمایا گیا ہے فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ، اور معطوف معطوف علیہ کا مغائر ہونا چاہیئے، دوسری بات یہ ہے کہ فاکہۃ کا لفظ تر اور خشک ہر طرح کے ثمرات پر بولا جاتا ہے جبکہ خشک انار اور انگور خشک کو کوئی بھی پھل نہیں کہتا، چنانچہ اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ وہ پھل نہیں کھائے گا تو انگور اور انار کھانے سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک حانث نہیں ہوگا اور صاحبین کے نزدیک حانث ہو جائے گا صاحبین کا کہنا ہے کہ ان پھلوں کا استثناء ان کی کمال فضیلت کی وجہ سے ہے اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیساکہ عام فرشتوں سے جبرائیل اور میکائیل کو الگ کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں فاکہ اصل میں اُن پھلوں کا اسم ہے جو اصل غذا سے پہلے اور بعد میں بطور تفکّہ اور تنعم محض حصولِ لذت کے لئے کھائے جاتے ہیں، اب عام پھلوں کے خلاف انگور انار اور اسی طرح لکڑی وغیرہ کے، کہ بعض علاقوں میں انکو غذائے اصلی کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے، اور ان کو ادویہ میں بھی استعمال کرتے ہیں اس لئے تَفَكُّهٌ کے معنی کمزور ہونیکی وجہ سے ان کو عام پھلوں کا سا حکم نہیں دیا جاسکتا۔

علامہ آلوسی نے دُرِّ مختار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام صاحب اور صاحبین کے نزدیک یہ اختلاف اصل میں اختلاف امصار ہے یعنی اگر کسی جگہ یا شہر میں یا کسی زمانہ میں انگور اور انار وغیرہ کو فواکہ میں شمار نہ کیا جاتا ہو تو ان کو نہ کھانے کی قسم کھانے والا دوسرے ان پھلوں کے کھانے سے حانث نہ ہوگا جن کو عرف میں پھل نہیں کہا جاتا یعنی اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں پھل نہیں کھاؤں گا تو اگر اُنکے عرف میں انگور یا انار وغیرہ کو پھل نہیں کہا جاتا تو وہ ان کے کھانے سے حانث بھی نہ ہوگا، واللہ اعلم

اَلدُّهْنُ : تَنۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ۔ (آیت نمبر ۲۰)

اَلدُّهْنُ : سالن، تیل، چکنائی، روغن جمع اَدْهَانٌ اور دِهَانٌ تیل کی تلچھٹ کو کہتے ہیں۔ اور اس تیل کو بھی کہتے ہیں جس

کی مالش کیجائے فَکَانَتْ وَرْدَةً کَالدِّهَانِ
پھر تیل کی تلچھٹ کی طرح گلابی ہو جائے گا،
دَھَنَ: تیل ملا۔ اَدْھَنَ فِی الْاَمْرِ: معاملے
میں مداھنت کی۔ تَصَنُّعٌ کا اظہار کیا،
نَاقَۃٌ دَھِیْنٌ۔ کم دودھ کی اونٹنی۔
دَھَنَہٗ بِالْعَصَا: لاٹھی سے اُس کی خبر لی
اور اَلْمُدْھُنُ: اس برتن کو کہتے ہیں جسمیں تیل ڈالا
جائے، یہ اسم آلہ کے منجملہ اُن اَوزان کے ہیں جو
بطور شواذ مُفْعُلٌ کے وزن پر آتے ہیں (راغب)
دَھَنَ یَدْھُنُ دَھْنًا وَدُھْنَۃً دَھَنَ الشَّیْءَ اَوِ
الرَّأْسَ: کسی شے یا سر کو تیل لگانا۔ دُھْنٌ دَھَنَ
سے اسم ہے، دُھْنُ الشَّیْءِ کسی چیز کا تیل
الدَّھْنَاءُ بیابان، ریگستان، سُرخ گھاس،
الدَّھَّانُ تیل لگانے والا، تیل بیچنے والا۔ مُدْھُنٌ
اس گڑھے کو بھی کہتے ہیں جس میں تھوڑا سا پانی ٹھہر
جائے اور دُھْنٌ سے بطور استعارہ اس اونٹنی
کو بھی کہتے ہیں جو تھوڑا دودھ دینے والی ہو۔
دَھَنَ الْمَطَرُ الارض۔ بارش نے زمین کو معمولی
سا نم لگایا جیسا کہ سر کو تیل لگایا جاتا ہے،
اَلْمُدَاھَنَۃُ چاپلوسی کرنا۔ منافقت کرنا۔
دَاھَنْتُ فُلَانًا مداھنۃً۔ میں نے فلاں سے
منافقت چاپلوسی کی۔ قرآن پاک میں ہے وَدُّوْا
لَوْ تُدْھِنُ فَیُدْھِنُوْنَ۔ یہ لوگ چاہتے ہیں
کہ آپ مداھنت برتیں تو یہ بھی نرم ہو جائیں۔
اَلْاِدْھَانُ، یہ اصل میں تدھین کی طرح ہے لیکن یہ
تصنع اور نرمی برتنے اور حقیقت کا دامن
ترک کر دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے
کہ تقرِیْدٌ کا لفظ جس کے اصل معنی اونٹ سے
چیچڑیاں دُور کرنا کے ہیں۔ پھر نرمی اور تصنع
کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے، اور
قرآن کی آیت اَفَبِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَنْتُمْ
مُدْھِنُوْنَ کے معنی ہیں کیا تم اس بات سے
انکار کرتے ہو۔ فراء نحوی کے نزدیک مُدْھِنُوْنَ
بمعنی مُکَذِّبُوْنَ ہے۔ وَالْمُدَاھَنَۃُ وَالْاِدْھَانُ
الْمُصَانَعَۃُ وَاللِّیْنُ۔ وَقِیْلَ الْمُدَاھَنَۃُ اِظْھَارُ
خِلَافِ مَا یُضْمِرُ وَالْاِدْھَانُ الْغِشُّ (لسان)

صِبْغٍ : صِبْغٍ لِّلْاٰکِلِیْنَ : صِبْغٌ کے
معنی یہاں سالن کے ہیں۔ اور یہ اَصْبَغْتُ
بِالْخَلِّ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جسکے معنی
ہیں، میں نے سرکہ میں ڈبو کر روٹی کھائی۔
علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ ہر وہ سالن جس
سے روٹی ڈبو کر کھائی جائے صِبْغٌ ہے وَکُلُّ
اِدَامٍ یُؤْتَدَمُ بِہٖ صِبْغٌ (قرطبی)
اصل میں صبغ اس رنگ کو کہتے ہیں جس میں
کپڑا وغیرہ رنگا جاتا ہے۔ صَبَغَ (ن) الثَّوْبَ
صَبْغًا وَصِبْغًا۔ کپڑے کو رنگنا، روٹی کو

چونکہ سالن میں رنگا جاتا ہے اس لئے اسکو
صَبَغ کہدیتے ہیں۔ صَبَغَ فُلَانًا بِالنَّعِیْمِ کسی
کو نعمتوں سے چھپانا، اور اَصْبَغَ عَلَیْہِ النِّعْمَۃَ
کامل نعمت سے نوازنا۔ صِبْغٌ اور صِبَاغٌ
دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ جیسے دِبْغٌ
اور دِباغٌ اور لِبْسٌ اور لِبَاسٌ۔ صِبْغٌ کی
جمع اَصْبَاغٌ ہے۔ اور صِبَاغ کی جمع اَصْبِغَۃٌ
ہے۔ علامہ راغب فرماتے ہیں کہ آیتِ کریمہ
صِبْغَۃَ اللّٰہ میں اس عقل کی طرف اشارہ ہے
جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر پیدا کی ہے
اور وہ اسکے ذریعہ بہائم سے ممتاز ہوتا ہے
جیساکہ فطرتِ انسانیہ۔ نصاریٰ کی عادت یہ
تھی کہ پیدا شدہ بچے کو ساتویں دن زرد رنگ کے
پانی میں غسل دیکر یہ خیال کرتے کہ اب بچہ بالکل
پاک و صاف ہوکر صحیح عیسائی بن گیا ہے، اور
وہ اس فعل کا نام دین رکھتے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ
نے اپنے دین کو صبغۃ اللہ فرمایا، وَمَنْ
اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً کے معنیٰ یہ ہونگے
کہ خدا سے بہتر دین کس کا ہوسکتا ہے۔ الصِّبْغُ
والصِّبَاغُ مَا یُصْطَبَغُ بِہٖ مِنَ الْاِدَامِ (لسان)

هَیْهَاتَ : کلمہ بُعْدٌ ہے یعنی بُعْدٌ
بَعِیْدٌ، بہت دُور ہے۔ هَیْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ
(آیت نمبر ۳۶) ای بعید ما توعدون ۔
اس وقت کے روشن خیال اور دانش فروش
کہنا یہ چاہتے ہیں کہ وقوع قیامت کے وعدے
خلافِ عقل ہیں۔ علامہ جلال الدین محلی نے لکھا ہے
کہ هیهات اسم فعل ہے جو ماضی کے معنی میں
بھی استعمال ہوتا ہے یعنی بَعُدَ، اور بمعنی
مصدر بھی یعنی بُعْدٌ ۔

اس کے اعراب میں اختلاف ہے۔ ابو جعفر
نے اَمْسِ کی طرح هَیْهَاتِ پڑھا ہے، تار کی
زیر کے ساتھ۔ اور جمہور نحاۃ هَیْهَاتَ تار کی
زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ نصر بن عاصم نے
مُنْذُ اور قَطُّ کی طرح برفع التار پڑھا ہے
اور بعض حضرات نے تنوین کے ساتھ بھی پڑھا
ہے۔ هَیْهَاتٌ لَکَ، هَیْهَاتًا لَکَ، هَیْهَاتٍ
لَکَ ۔ ابو علی ہمدانی نے هیهاتْ، حرف
تار کے سکون سے بھی پڑھا ہے، اور ایک
لغت اَیْهَات ہے، پہلی ھار کو ہمزہ سے بدل
دیتے ہیں۔ عرب کے بعض قبائل اَیْهَان بھی
پڑھتے ہیں۔ یعنی آخری تار کو نون سے تبدیل
کردیتے ہیں۔ قرطبی ص۱۲۱ ج ۱۲،

اَلْهَیَمُ : وہ شخص جس کو میلے کچیلے کپڑوں
کی وجہ سے لوگ ایک طرف ہٹا دیں۔

غُثَاءٌ : فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَاءً، تو ہم نے
اُن کو خس و خاشاک بنا دیا۔ غُثَاءٌ پامال شدہ

خس وخاشاک، مطلب یہ ہے کہ ہم نے مجرموں کو جب پکڑا تو اُن کو بالکل بھُس بنا دیا۔

غُثَاء : ہانڈی کے جھاگ اور اس کوڑا کرکٹ کو کہتے ہیں جسے سیلاب بہاکر لاتا ہے۔ اور یہ ہر اُس چیز کے لئے ضرب المثل ہے جسے بوجہ بے سود اور ناکارہ ہونے کے ضائع ہونے دیا جائے، اور اس کی کچھ پرواہ نہ کیجائے اسی لئے کہا جاتا ہے غثا الوادی غَثْوًا، وادی میں کوڑا کرکٹ زیادہ ہوگیا۔ اور غَثَتْ (ض) نَفْسُہٗ، تَغْثِیْ غِثْیَانًا کے معنی ہیں اسکی طبیعت خراب ہوگئی (راغب)

وَھُوَمَا یَحْمِلُہٗ من بالی الشجر من الحشیش والقصب ممایبس وتفتّت (قرطبی)

الغُثَاءُ : بالضم والمدِّ ماتحملہٗ السَّیلُ مِنَ القَمَشِ (لسان)

فالغُثَاءُ : حمیل السّیل ممابلی واسود من الورق والعیدان (کبیر)

غثی السَّیلُ المَرْتَعَ : سیلاب نے چراگاہ کو کچرے سے خراب کردیا، محاورہ ہے النّاسُ ثلٰثۃٌ، عَالِمٌ ومُتَعَلِّمٌ وغُثَاءٌ۔ یعنی آدمی تین قسم کے ہیں۔ ایک عالم۔ دوسرا طالب علم، تیسرا کوڑا کرکٹ، جو نہ عالم ہے نہ طالب علم،

تَتْرَا : ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا، پھر بھیجتے رہے ہم اپنے رسول لگاتار، تَتْرٰی کی اصل وَتْرٰی ہے۔ صرفی قاعدہ کے مطابق حرف واؤ، تار سے بدل گیا ہے، جَاءَ القَوْمُ تَتْرٰی کے معنی ہیں لوگ تسلسل کے ساتھ یکے بعد دیگرے آئے۔ التاء مُبْدَلَۃٌ مِنَ الواو واصلہ وتری، والتتر: المتابعۃُ مع مُھلۃ (جمل)

اور التَّوَاتُرُ کے معنی ہیں کسی چیز کا یکے بعد دیگرے آنا۔ لغات القرآنی کے امام علامہ راغب فرماتے ہیں کہ تترٰی مُوَاتَرَۃٌ سے فُعْلٰی کے وزن پر ہے جس کے معنی کسی چیز کے یکے بعد دیگرے آنے کے ہیں تُرَاثٌ اور تُجَاہٌ کی طرح واؤ تار سے تبدیل ہوگئی ہے، تو جن کے نزدیک یہ منصرف ہے انکے نزدیک الف زائد ہے اور جن کے نزدیک غیر منصرف ہے۔ انکے نزدیک یہ الف تانیث کا ہے، فراء کہتے ہیں کہ رفعی اور جری حالت میں تَتْرٌ اور نصبی حالت میں تَتْرٰی ہے، اور الف تنوین کے عوض آیا ہے۔ ثعلب کہتے ہیں کہ یہ تَفْعَلُ کے وزن پر ہے، ابوعلی الغیور نے اس کو رد کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ کوئی صیغہ صفت کا تفعل کے وزن پر نہیں آتا۔ علامہ قرطبی

لکھتے ہیں کہ تَتْرَیٰ اسم جمع ہے جیسے شَتّیٰ اور اَسْرٰی اور اسکی اصل وَتْرَیٰ ہے ۔ مُوَاتَرَةٌ اور تَوَاتُرٌ سے ماخوذ ہے، ایک واؤ کو تاء سے تبدیل کیا گیا ہے جیسے تقویٰ اور تکلان وغیرہ میں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وِتْرٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنی فرد اور اکیلے کے ہیں۔ اس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ ہم نے اپنے رسولوں کو ایک ایک کر کے بھیجا، ومعنی تَتْرَیٰ، تَتْرًا تَتَوَاتَرُ واحدٌ بعد واحدٍ (فتح القدیر)

مواترہ کا اطلاق اسی صورت میں ہوتا ہے جبکہ اشیاء کے درمیان فاصلہ اور کچھ وقفہ ہو۔ اور اگر مہلت اور وقفہ نہ ہو تو وہ مُدَارَکَ اور مُوَاصلہ ہوگا۔ مُوَاتِرَةُ الصوم کے معنی ہیں ایک دن روزہ رکھنے کے بعد ایک یا دو دن کا وقفہ کرنا (لسان)

سٰمِرًا: مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۔ السَّمَرُ، اصل رات کی تاریکی کو کہتے ہیں۔ محاورہ ہے، لَا اٰتِيْكَ السَّمَرَ وَالْقَمَرَ کہ میں تیرے کبھی نہیں آؤں گا۔ پھر اسی سے رات کو باتیں کرنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے، ایک مشہور محاورہ ہے لَا اٰتِيْكَ مَا سَمَرَ ابْنَا سَمِيْرٍ۔ یعنی میں تیرے پاس کبھی نہیں آؤں گا۔ ابنا سمیر، رات اور دن کو کہتے ہیں۔ ابن سمیر اس اندھیری رات کو بھی کہتے ہیں جس میں چاند نہ نکلا ہو سَمِيْرٌ رات کو باتیں سنانے والا۔ زمانہ۔ سَامِرٌ یہ اسم مفرد بمعنی جمع ہے جیساکہ الحاضر، پانی پر اترنے والی قوم اور الباقر جمع ہے البقر کی اور الجامل ابل کی جمع ہے اسمیں مذکر و مؤنث برابر ہیں۔ قرآن پاک میں ہے ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا، یہاں طفل اسم مفرد بمعنی جمع کے ہے۔ مذکر اور مؤنث دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ وَالسَّامِرُ نَحْوَ الحَاضِرِ فی الاطلاق علی الجمع (کشاف۔ قرطبی) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ السَّمَرُ سے ماخوذ ہے جس کے معنی چاند کے سایہ کے ہیں۔ اور سُمْرَةُ اللَّوْنِ بھی اسی سے ماخوذ ہے ۔ یہ لوگ بیت اللہ کے اردگرد جمع ہو جاتے اور رات بھر باتوں میں لگے رہتے پھر رات کو باتیں کرنے پر بھی اسکا اطلاق ہونے لگا۔ حضرت مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ سمر کے اصل معنی چاندنی کے ہیں۔ اور سامر قصہ گو کو کہا جاتا ہے (معارف)

سَامِرًا: افسانہ خوان اور قصہ گو (تدبر)
اِبْنَا سَمِيْرٍ: زمانہ کے دونوں بیٹے دن رات مراد ہیں۔ اَلسَّمُرَةُ ببول کا درخت
اَصْحَابُ السَّمُرَةِ: ببول کے درخت تلے بیعت کرنے والوں کو کہا جاتا ہے۔
اِذْ جَاءَ زَوْجُنَا مِنَ السَّامِرِ، اتنے میں اسکا خاوند رات کو باتیں کرنے والوں میں سے آ پہنچا۔ سامر بمعنی سُمَّارٌ ہے، سَمَرَ يَسْمُرُ سَمَرًا وسُمُوْرًا۔ كم يَنَمْ وهو سَامِرٌ وهم السُّمَّارُ والسَّامِرَةُ۔ والسَّامِرُ: اسم للجمع كالجامل۔ والسَّمَرُ۔ اَلْمُسَامَرَةُ وهو الحديث بالليل (لسان) سَامِرًا سَمَرٌ سے مشتق ہے، جس کے اصل معنی چاندنی رات کے ہیں۔

غَمْرَةٍ: بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا۔ غَمْرَة: ایسے گہرے پانی کو کہتے ہیں جسمیں آدمی ڈوب جائے۔ اور اس میں داخل ہونے والے کو اپنے اندر چھپالے۔ اسی لئے لفظ غمرہ ہر پردہ اور ہر ڈھانپ لینے والی چیز کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ یہاں ان کی مشرکانہ جہالت کو غمرہ کہا گیا ہے جس میں اُنکے دل ڈوبے ہوئے اور چھپے ہوئے ہیں کہ کسی طرف سے انکو روشنی کی کرن نہیں پہنچتی (معارف) غمرة سے مراد یہاں غفلت کی سرمستی ہے (تدبر)
غَفْلَةٌ غَامِرَةٌ: مست کر دینے والی غفلت ایسی غفلت جو آدمی پر چھا جائے۔ علامہ راغب فرماتے ہیں کہ اسی سے غَمْرٌ غَامِرٌ، اس زیادہ پانی کو کہا جاتا ہے جس کا سیلاب ہر قسم کے اثرات کو چھپا کر زائل کر دے جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے ؎
والماءُ غامرٌ خدادها، اور پانی اپنے گڑھوں کو چھپانے والا تھا۔ اور رَجُلٌ مَغْمُوْرٌ۔ وہ آدمی جو گمنام اور غیر مشہور ہو۔

مُتْرَفِ: اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ
مُتْرَفٌ، تَرَفٌ سے مشتق ہے جسکے معنی تَنَعُّمٌ اور خوشحالی کے ہیں (معارف)
اور مُتْرَفِيْنَ مالداروں اور خوشحالوں کو کہتے ہیں (تدبر) یہاں مُتْرَفِيْنَ سے مراد ان کے بڑے بڑے لیڈر سردار اور پیشوا ہیں، (ماجدی) اشارہ اُن مقتول لیڈروں کی طرف ہے جو جنگِ بدر میں موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ هُمُ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا بِبَدْرٍ (قرطبی)

تَهْجُرُوْنَ: تم چھوڑتے ہو۔ تم بیہودہ بکتے ہو۔ هَجْرٌ سے مضارع کا صیغہ ہے

هَجَرَ کے معنی چھوڑنے اور ہذیان بکنے دونوں
کے آتے ہیں یہاں دونوں صحیح ہیں۔
اَلْهَجْرُ والْهِجْرَانُ کے معنی ایک انسان
سے دوسرے انسان سے دُور اور الگ ہونے
کے ہیں۔ پھر یہ دُور ہونا کبھی زبان سے
ہوتا ہے۔ اور کبھی دل سے اور کبھی بدن سے
جُدا ہونا ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ وَا
هْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ سے (نساء) مفارقت
بدنی مراد ہے جو ترکِ صحبت سے کنایہ ہے
اور آیت کریمہ اِتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ
مَهْجُوْرًا میں دل اور زبان دونوں سے
مفارقت مراد ہے۔ اور آیت کریمہ وَاهْجُرْهُمْ
هَجْرًا جَمِيْلًا میں تینوں طرح کی مفارقت
مراد لی گئی ہے۔

اَلْهُجْرُ : ہذیان اور واہی تباہی بکنا۔
حدیث میں ہے لَا تَقُوْلُوْا هُجْرًا :
فحش کلامی نہ کرو۔ اور هَجَرَ الْمَرِيْضُ
مریض بیہوشی میں بڑبڑایا، مُسْتَكْبِرِيْنَ
بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ۔ اس سے تکبر
کر کے ایک قصہ گو کو چھوڑ کر چلے گئے،
(معارف)، تَهْجُرُوْنَ : هَجْرٌ بضم الہاء
سے مشتق ہے جس کے معنی فضول بکواس
اور گالی گلوچ ہیں (معارف، راغب)

حدیث میں ہے لَا يَنْبَغِي لِلنَّائِحَةِ اَنْ
تَقُوْلَ هُجْرًا، نوحہ کرنے والی کو لغو
اور فحش کلامی نہ کرنی چاہیے، تَهْجُرُوْنَ
میں ایک قرات تُهْجِرُوْنَ باب افعال
سے بضم التاء ہے، اَهْجَرَ کے معنی ہیں
فحش کلامی کرنا۔ اور اَهْجَرَ۔ اِهْجَارًا
چھوڑنا۔ چلنا۔ اَهْجَرَ الْقَوْمُ، قوم کا
دوپہر کو سفر کرنا۔ الهَجْرُ بالفتح
الهذیان والهُجْر بالضم الفحش
او من هجر الذی هو مبالغة فی
هَجَرَ اِذَا هذی (کبیر۔ کشاف)

لَجُّوْا : لَلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ : لَجَّ
و لَجَاجَةٌ و لِجَاجٌ خصومت میں
عناد کرنا۔ اصرار کرنا۔ کسی کام کے چھوڑنے
سے انکار کرنا، کسی ممنوع فعل پر اڑ جانا،
تَلْجِيْجٌ فوج میں گھسنا اَلْجَاجُ آواز
کرنا۔ بڑبڑانا۔ التجاج۔ مل جانا۔ گہرا
ہونا۔ موج مارنا۔

اَللَّجَاجُ : کے معنی کسی ممنوع کام کرنے
میں بڑھتے چلے جانے کے اور اس پر ضد
کرنے کے ہیں۔ اسی سے فعل لَجَّ فِي
الْاَمْرِ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی کسی
کام میں چپک جانا اور لازم ہونا کے ہیں

لَجَّ بِهِ الْهَمُّ اس کو غم لگ گیا، اور لَجَّ عَلٰی فلانٍ فی المَسْئَلَةِ: اصرار کرنا۔ فیصلہ میں تیزی کا مطالبہ کرنا۔ اَلَجَّتِ الْاِبِلُ اونٹ کا آواز نکالنا اور بڑبڑانا۔

بَلْ لَجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ۔ لیکن یہ سرکشی اور نفرت میں بڑھتے جاتے ہیں۔ اسی سے لُجَّةُ الصَّوْتِ مشہور ہے جس کے معنی آوازوں کے بار بار آنے جانے اور پلٹنے کے ہیں۔ اور اللُّجَّةُ مخلوط آوازیں اِلْتَجَّتِ الْاَصْوَاتُ آوازوں کا مخلوط ہونا۔ اور اَللُّجُّ پانی کا بڑا حصہ۔ پانی کی گہرائی۔ وادی کا کنارہ۔ لُجَّةُ الْبَحْرِ (بضم اللام) سمندری موجوں کا تلاطم اور لُجُّ الْبَحْرِ۔ زیادہ پانی جس کے کنارے نظر نہ آئیں۔ اور اَلْمِلْجَاجُ بڑا جھگڑالو گویا یہ جھگڑے کا بڑا آلہ ہے۔

اِلْتَجَّ الْبَحْرُ۔ سمندر کا ہیجان اور تلاطم میں آنا۔ اللُّجِّیُّ یہ لُجّ کی طرف منسوب ہے بَحْرٌ لُّجِّیٌّ: طوفانی اور بے پایاں سمندر (لسان۔ راغب۔ منجد)

لُجَّةٌ۔ گہرا پانی جس کی تہ نظر نہ آئے۔ حَسِبَتْهُ لُجَّةً (آیت نمبر ۴۴ سورۂ نمل) اس نے اسے گہرا پانی سمجھا۔

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ، اور اگر ہم ان پر مہربانی کر دیں اور انھیں جو تکلیف ہے اسے دور بھی کر دیں تو بھی یہ لوگ اپنی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے اصرار کرتے ہیں (ترجمہ ماجدی)

اِسْتَكَانُوْا: فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ

اِسْتِكَانَةٌ سے ماضی منفی ہے۔ اِسْتِكَانَةٌ کے معنی دبنے اور عاجزی کرنے کے ہیں۔ استکانۃ اور تضرع میں ظاہر و باطن کا فرق ہے۔ استکانۃ دل کی شکستگی و خستگی کی تعبیر ہے۔ اور تضرع سے مراد وہ گریہ وزاری اور دعا فریاد ہے جو استکانۃ کے نتیجہ کے طور پر ظاہر ہوتی ہے (تدبر) فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ پھر نہ عاجزی کی اپنے رب کے سامنے۔ اور نہ گڑگڑائے۔ استکانت اور تضرع مرادف نہیں ہے اوّل کا تعلق ظاہر سے ہے اور ثانی کا قلب سے (ماجدی)

اِسْتَكَانَ: کون سے، باب استفعال ہے اور اس کا وزن اِسْتَفْعَلَ ہے۔ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سُکُوْنٌ سے باب

انفعال ہو۔ فان قلت : ماوزن استکان؟ قلت : اِسْتَفْعَلَ مِنَ الکون : اَیْ اِنْتَقَلَ من کون الیٰ کون کما قیل استحال اذ انتقل من حال الیٰ حال ویجوز ان یکون افتعل من السکون اُشْبِعَتْ فَتْحَۃُ عینہ (کشاف کبیر)

لیکن صحیح یہ ہے کہ استکان کو کَوْنٌ سے اِسْتَفْعَلَ کے وزن پر مانا جائے جس کے معنی ہیں ایک چیز کا اپنی ایک حالت کو چھوڑ کر دوسری حالت کی طرف منتقل ہو جانا۔ باقی سکون سے افتعال مان کر اِستکان کے الف کو الف اشباعی قرار دینا خلافِ فصاحت ہے۔ اور پھر یہ صورت ضرورتِ شعری کی وجہ سے تو جائز ہوتی ہے۔ اس میں بلغا اسکو غیر مستحسن ہی سمجھتے ہیں۔ اور قرآن پاک میں کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی کسی ضرورت سے کسی جملہ یا صیغہ کو اسکی اصل سے ہٹایا جا سکتا ہے۔ اس کا مجرد مادہ کَانَ یَکِیْنُ کَیْنًا سے ہے بمعنی خَضَعَ و ذَلَّ۔

مُبْلِسُوْنَ : اِذَا ھُمْ فِیْہِ مُبْلِسُوْنَ : اس وقت یہ بالکل حسرت زدہ رہ جائیں گے

مُبْلِسٌ : مایوس، حسرت زدہ، غمگین، پشیمان، متحیر۔ جن کو کوئی بات بن پڑنی ممکن نہیں۔ اسکا مادہ بَلَسٌ ہے۔ پُرانی، سامی لغت میں بَلَسٌ کا معنی ہے قدموں سے کچل ڈالنا۔ روندنا۔ اور عربی میں بَلَسٌ بےخبر آدمی کو اور بَلِسٌ (بکسر اللام) مایوس پریشان خاموش کو کہتے ہیں (لغات القرآن)

اَیْ یَائِسُوْنَ مُتَحَیِّرُوْنَ لَا یَدْرُوْنَ مَا یَصْنَعُوْنَ کَالْاٰیِسِ مِنَ الْفَرَجِ وَمِنْ کُلِّ خَیْرٍ (قرطبی)

یہ لفظ سورۂ انعام میں گزر چکا ہے۔

یُجِیْرُ : وَھُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْہِ : اور وہ پناہ دیتا ہے اور کوئی اسکے مقابلے میں پناہ نہیں دیتا۔ یُجِیْرُ، اِجَارَۃٌ سے ہے۔ الجِوَارُ : پڑوس۔ کہا جاتا ہے اَقَامَ فِیْ جِوَارِہٖ : اس نے اس کے پڑوس میں اقامت کی۔ اِسْتَجَارَ : اس نے فریاد رسی کی۔ وہ پناہ دیتا ہے وَلَا یُجِیْرُنِیْ وہ مجھے ہرگز پناہ نہیں دیگا۔ اس سے یُجَارُ مجہول کا صیغہ ہے۔ جَوْرٌ اور جَائِرٌ ظالم جَارٌ ہمسایہ۔ پناہ دینے والا۔ پناہ مانگنے والا۔ پناہ دیا ہوا۔ جَارَ عَنِ الطَّرِیْقِ : راستے سے ہٹ گیا۔ جَارَ عَلَیْہِ اُس پر ظلم کیا۔ اور جَارٌ مددگار اور معاون کو بھی کہتے ہیں۔ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّکُمْ۔ میں تمہارا

معاون ومددگار ہوں (آیت نمبر ۸۴، الفاظ)

اِمَّا: قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ۔ تو کہہ اے رب! اگر تو دکھانے لگے مجھ کو جو اُن سے وعدہ ہوا۔ یہاں اِمَّا حرف زائد ہے اس کی اصل اِنْ مَا ہے اور اِن اور مَا دونوں حرفین شرط ہیں۔ تاکید کے لئے دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اور اگلی آیت فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ جواب ہے۔ صاحب جلالین فرماتے ہیں کہ اِمَّا میں اِنْ حرف شرط ہے اور مَا زائدہ ہے۔ ان شرطیہ کے نون کو مَا میں ادغام کیا گیا ہے۔

تُرِيَنِّيْ: تو مجھے دکھلائے تُرِيَنَّ اِرَاءَةٌ سے مضارع بانون تاکید کا واحد مذکر ہے اور مَا يُوْعَدُوْنَ مَا اسکا مفعول ہے اور ی متکلم، اس کا مفعول اوّل ہے۔ فِعْلٌ مُضَارِعٌ مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ لِاِتِّصَالِهٖ بِنُوْنِ التوكيد وَمَا مفعول به وَرَاٰى بَصَرِيَّةٌ تعدّت لمفعولين بواسطة الهمزة لانه من اَرَى الرباعي۔ (جمل)

هَمَزٰتِ: هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ شیطانی وسوسے۔ خطرات نفسانی۔ وہ بُرے خیالات جو شیطان دل کے اندر چھوتا ہے۔ هَمْزٌ کے معنی دھکا دینے اور دبانے کے آتے ہیں اور پیچھے کی طرف سے آواز دینے کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہ هَمْزَةٌ کی جمع ہے۔ الهمزات هي جمع همزة والهمزة في اللغة النخس والدفع يقال همزه ولمزه ونخسه دفعه وقال الليث: الهمز كلام من وراء القفاء (قرطبی) وقال صاحب الكشاف الهمز: النَّخس والهمزات جمع المرة منه (کشاف) وفي الرّوح هي جمع همزة والهمز: النَّخس و الدفع بيدٍ اَوْ غَيْرِهَا (روح)

اصل میں اَلْهَمْزُ کے معنی کسی چیز کو دبا کر نچوڑنے کے ہیں۔ محاورہ ہے هَمَزْتُ الشَّيْءَ فِي كَفِّيْ۔ میں نے فلاں چیز کو اپنی ہتھیلی میں دبا کر نچوڑا اور هَمْزٌ کے معنی غیبت کرنے کے بھی آتے ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيْمٍ۔ طعن آمیز اشارتیں کرنے والا۔ چغلیاں لئے پھرنے والا۔ حدیث میں ہے۔ مِنَ النِّسَاءِ وَلَّاجَةٌ هَمَّازَةٌ بعض عورتیں ہرجائی اور چغل خور لگائی بجھائی کرنے

والی ہوتی ہیں۔ اور قرآن پاک میں ہے وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ، هَامِزٌ هُمَزَةٌ اور هَمَّازٌ عیب چینی کرنے والا۔

كَلَّا: كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا

كَلَّا: ہرگز نہیں۔ یہ حرف روکنے اور تنبیہ کے لئے آتا ہے۔ نحاۃ کی اصطلاح اس کو حرف ردع اور حرف زجر کہا جاتا ہے۔ متکلم کو آگاہ کرنے دھمکانے اور ڈانٹنے کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ كَلَّا، وُضِعَتْ لِزَجْرِ الْمُتَكَلِّمِ وردعه عما يتكلم (هدایۃ النحو) اور بمعنی لا بھی استعمال ہوتا ہے، الجعدی کہتا ہے، فَقُلْنَا لَهُمْ: خَلُّوا النِّسَاءَ لاهلها۔ فقالوا لنا: كلا فَقُلْنَا لَهُمْ بَلٰى: یہاں كَلَّا بمعنی لا ہے اسلئے کہ حرف بلیٰ ہمیشہ حرف نفی کے بعد آتا ہے چنانچہ آیت کریمہ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ كَلَّا، اسی قبیل سے ہے یعنی حرف كَلَّا بمعنی لا کے ہے۔ وكَلَّا حرف رَدعٍ وزَجرٍ وقد تأتي بمعنی لا (لسان)

مطلب یہ ہے کہ کفار و منکرین موت کے وقت آئندہ پیش آنے والی ہولناکیوں کو دیکھ کر پکاریں گے کہ خدایا ایک بار پھر دنیا میں بھیج دیجئے ہم بہت نیک کام کریں گے۔ جواب ہوگا کہ ہرگز نہیں (كَلَّا) ردع عن طلب الرجعة (کشاف)

بَرْزَخٌ: وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ: اور ان کے آگے ایک آڑ ہے (انکے) دوبارہ اٹھائے جانے تک، موت کے بعد روح انسانی ایک درمیانی عالم میں رہتی ہے اور وقت حشر تک رہے گی اسی کا اصطلاحی نام برزخ ہے (ماجدی)، برزخ کے معنی حاجز اور فاصل کے ہیں۔ دو حالتوں یا چیزوں کے درمیان جو چیز حائل ہو اس کو برزخ کہتے ہیں، اسی لئے موت کے بعد قیامت اور حشر تک کے زمانے کو برزخ کہا جاتا ہے کہ یہ دنیاوی حیات اور آخرت کی حیات کے درمیان حدِ فاصل ہے (معارف)

برزخ کا لفظ قرآن پاک میں تین جگہ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اس سے دو چیزوں کے درمیان کا پردہ حاجب اور حائل مراد ہے چنانچہ سورۂ رحمٰن میں دو دریاؤں کا ذکر ہے جن میں ایک میٹھا اور دوسرا کھاری ہے اور انکے بیچ میں ایک پردہ حائل ہے جو اُن کو آپس میں ملنے نہیں دیتا۔ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ۔

ان دونوں کے بیچ میں ایک پردہ ہی ہے ایک دوسرے پر چڑھ نہیں جاتا، اسی عجیب غریب بحری منظر کا ذکر سورۂ فرقان میں ہے اور وہاں بھی یہی لفظ واقع ہے، وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ - هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا ، اور اس نے دو دریاؤں کو ملاکے چلایا، اور یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا ہے - اور وہ کھاری کڑوا ہے - اور انکے بیچ میں ایک پردہ ہے اور روکی ہوئی اوٹ بنائی ہے اس بنا پر موجودہ زندگی کے درمیان جو مقام حائل اور حاجب ہے اسکا نام برزخ ہے - سورۂ مؤمنون میں نزع کے وقت کے بیان میں ہے کہ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ اور اُن مرنے والوں کے پیچھے ایک پردہ ہے اس دن تک جبکہ (وہ قیامت) کو اٹھائے جائیں گے (سیرۃ النبوی ص۳۷۶ ج۴ مطبوعہ اعظم گڑھ)

برزخ : دو چیزوں کے درمیان کی حد روک - حائل - عالم برزخ موت سے حشر تک کے عالم کا نام ہے (لغات القرآن مولانا عبد الرشید)

علامہ قرطبیؒ نے ضحاک مجاہد اور ابن زید کا قول یہ نقل کیا ہے کہ برزخ موت اور بعث کے درمیان کے حاجز کا نام ہے - اور مجاہد کا قول ہے کہ برزخ موت اور رجوع الی الدنیا کے درمیان حائل و حاجز کا نام ہے اور آیت میں یہی مراد قرین قیاس ہے اور ہر وہ چیز جو دو چیزوں کے درمیان حاجز ہو وہ برزخ ہے وکلّ حاجز بین شیئین والبرزخ مابین الدنیا والآخرۃ من وقت الموت إلى البعث فمن مات فقد دخل فی البرزخ (قرطبی) جمع براززخ ہے (لسان)

اَنْسَابَ : فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ

اَنْسَابٌ : قرابتیں - رشتے ناتے، نَسَبٌ کی جمع ہے - ماں باپ یا دونوں میں سے کسی ایک طرف سے قرابت میں اشتراک کا نام نسب ہے -

والنَّسَبُ : يقال للقرابة بالاشتراك فی الابوین او فی احدهما يقال بينهما نسب والجمع انساب (معجم الفاظ القرآن)

اور اس کی دو قسمیں ہیں - ایک نسب بالطول یعنی باپ بیٹوں کی شرکت و قرابت دوسری

نسب بالعرض جیسے بھائیوں اور چچاؤں کا
باہمی رشتہ فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا پھر
اس کو صاحبِ نسب اور صاحب قرابت
دامادی بنایا، اور فلانٌ نَسِيْبُ فلانٍ
کے معنی ہیں وہ فلاں کا قریبی رشتہ دار ہے
اور نَسِيْبَةٌ کے معنی ان دو مقداروں کے
باہمی مناسبت کے بھی آتے ہیں جن میں کسی
قسم کی مجانست ہو۔ اسی سے نسیب کا
لفظ ہے جس کے معنی ہیں اشعار میں عورت
کے محاسن ذکر کرکے اس کے ساتھ عشق کا
اظہار کرنے کے ہیں۔ اور یہ نَسَبَ الشاعر
بالمرأة نسبًا وّنسيبًا کا مصدر ہے (راغب)

يَتَسَآءَلُوْنَ : وَلَا يَتَسَآءَلُوْنَ
یعنی آپس میں کوئی کسی کی بات نہ پوچھے گا،
اور ایک دوسری آیت میں ہے، وَاَقْبَلَ
بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ یعنی محشر میں
لوگ باہم ایک دوسرے سے سوالات کریں گے
اس کے بارے میں ابن عباس کا قول ہے کہ
موقف ایک نہیں بلکہ مختلف ہیں۔ ایک موقف
زیادہ ہولناک ہوگا وہاں کوئی کسی سے بات
نہ کرسکے گا۔ اور بعض مواقف میں خوف کم ہوگا
تو ایک دوسرے کے حالات اور سوالات کی گنجائش
ہوگی۔ عدم تساؤل کا تعلق نفخۂ اولیٰ سے ہے
جبکہ زمین پر کوئی زندہ نہ رہے گا اور وجود
تساؤل نفخۂ ثانیہ میں ہوگا (قرطبی)

مولانا اصلاحی صاحب تدبر قرآن میں
فرماتے ہیں کہ تساؤل کے معنی آپس میں ایک
دوسرے سے طالبِ مدد ہونا ہے مصیبت کے
وقت میں نسبی و خاندانی عصبیت اور قومی و
قبائلی تعاضد و تناصر اس دنیا میں بڑا سہارا
ہے اور عربوں میں اس چیز کو خاص طور پر
بڑی اہمیت حاصل رہی ہے جب کوئی شخص
کسی مصیبت میں اپنے خاندان یا قبیلہ کی
دہائی پکارتا تو اسکے قبیلہ کا ہر شخص اس کی
حمایت میں کٹ مرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا۔
فرمایا کہ صور پھونکے جانیکے بعد سارے نسب ختم
ہوجائیں گے اور کوئی ایک دوسرے سے نہ طالبِ
مدد ہوسکے گا اور نہ کوئی کسی کی مدد کرسکے گا
(تدبر) مولانا کے بیان کردہ معنی کی کوئی تصدیق
کتبِ تفسیر میں مجھے نہیں مل سکی اگر یہ معنی
لغت سے مطابقت کھاجائیں تو آیت کریمہ
کا مفہوم خوب نکھر جاتا ہے اور موقع حال
کے مطابق ہونے کے علاوہ تعارض کا شبہ
بھی از خود ساقط ہوجاتا ہے۔

تَلْفَحُ : تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ
وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ (آیت نمبر ۱۰۴)

اُن کے چہروں کو آگ جھلستی ہوگی اور اسمیں انکے
منہ بگڑے ہوئے ہونگے۔ نَفَحَتْهُ الشَّمْسُ اَوِ
السَّمُوْمُ : سورج یا بادِ سموم کا اپنی لپیٹ سے
جھلسا دینا اور بطور استعارہ کے کہتے ہیں نَفَحْتُهٗ
بِالسَّيْفِ میں نے تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا،
لَفْحٌ وَلَافِحٌ جلانے والی آگ، جمع لَوَافِحُ
لَفَحَتْهُ النَّارُ وَالسَّمُوْمُ بِحَرِّهَا اَحْرَقَتْهُ
وَنَفَحْتُهٗ بِالسَّيْفِ۔ اِذَا ضَرَبْتَهٗ بِهٖ ضَرْبَةً
خَفِيْفَةً (قرطبی) تَلْفَحُ : تَسْفَعُ (کشاف)
یہ لفظ قرآن پاک میں صرف ایک مرتبہ آیا ہے

كَالِحُوْنَ : کالِحٌ لغت میں اُس شخص کو
کہا جاتا ہے جسکے دونوں ہونٹ اسکے دانتوں کو
نہ چھپائیں۔ ایک اوپر رہے دوسرا نیچے، دانت
نکلے ہوئے نظر آئیں جو نہایت بدصورت ہے، جہنم
میں جہنمی کا اوپر کا ہونٹ اوپر چڑھ جائے گا اور
نیچے کا ہونٹ نیچے لٹک جائے گا، دانت کھلے
نکلے نظر آدیں گے (معارف)

كَلَحَ (ف) كُلُوْحٌ وَكُلَاحٌ۔ ترش روئی سے دانت
کھل جانا۔ كَلَحَ وَجْهُهٗ تیوری چڑھا ہوا ہونا
كَلَّحَ (تفعیل) وَجْهَهٗ تیور چڑھانا۔ دَهْرٌ
كَالِحٌ سخت مصیبت کا زمانہ، حدیث میں ہے
اِنَّ مِنْ وَّرَائِكُمْ فِتَنًا وَبَلَاءً مُكْلِحًا بلاشبہ
تمہارے پیچھے ایسے ایسے فتنے اور بلائیں ہیں جو
لوگوں کو ترش رو اور چڑچڑا بنا دیں گے۔

كَلْحَةٌ : منہ کے گول حلقے کو کہتے ہیں اور اَكْلَحَ
افعال سے کسی کو ترش رو بنا دینا، خود ترش رو ہونا
لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔
وَالْكُلُوْحُ : اَنْ تَتَقَلَّصَ الشفتانِ وتَشَمَّرَ عَنِ
الْاَسْنَانِ كَمَا تَرى الرُّؤُسَ الْمَشْوِيَّةَ (کشاف)
وقال اهل اللغة : الْكُلُوْحُ تَكَشُّرٌ فِى عُبُوْسٍ
والكالحُ : الّذى قد تَشَمَّرَتْ شَفَتَاهُ وَ
بَدَتْ اَسْنَانُهٗ (قرطبی)

اِخْسَئُوْا : قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا: ارشاد
ہوگا دھتکارے ہوئے اسی میں پڑے رہو،
خَسْأٌ : کتے کو دھتکارنے کیلئے آتا ہے مطلب
یہ ہے کہ ان کو اللہ کیطرف سے جواب ملیگا کہ چلو
دفع ہو جاؤ مجھ سے کوئی بات نہ کرو۔ تمہارا
نصیب اب دائمی دوزخ ہے۔
خَسَأْتُ الْكَلْبَ خَسْأً میں نے کتے کو
دھتکار دیا۔ اور خَسَأَ الْكَلْبُ بِنَفْسِهٖ
خُسُوْءًا، کتا دفع ہو گیا لازم اور متعدی
دونوں طرح استعمال ہوتا ہے (قرطبی)
الْخَاسِئُ (فاعل) مِنَ الكلاب وَالْخَنَازِيْرِ:
دھتکارے اور ہٹائے ہوئے کتے اور خنازیر جنکو
لوگوں کے پاس نہ پھٹکنے دیا جائے۔

سِخْرِيًّا : فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا

سِخْرِیٌّ اس شخص یا چیز کو کہتے ہیں جس کو ایک اُضحوکہ اور مذاق بنایا جائے سِخْرِیٌّ: بکسر السین وسُخْرِیٌّ بضم السین، دونوں کے معنی ایک ہیں رَجُلٌ سُخَرَۃٌ ہنسی اڑانے والا اور سُخْرَۃٌ بسکون الخار جسکی ہنسی اور مذاق اُڑایا جائے۔ یہ سُخْرٌ سے جسکے معنی ٹھٹھا کرنے کے ہیں اسم بھی ہوسکتا ہے اور سَخَرَ یَسْخَرُ کا مصدر بھی جسکے معنی مسخر ہونے اور بس میں آنیکے ہیں اور علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ سِخْرِیٌّ سین کے کسرہ کیساتھ ہو یا ضمہ سے دونوں صورتوں میں یہ سُخْر کا مصدر ہے۔ سُخْرٌ کی طرح ہے مگر یارِ نسبت کی بناء پر فعل کی قوت میں زیادتی پیدا ہوتی ہے جس طرح کہ خصوصٌ میں خُصُوصیتہ کہا گیا ہے۔ فرّار اور کسائی سے منقول ہے کہ مکسور تو ٹھٹھے سے ہے اور مضموم مسخر کرنے غلام بنانے سے یعنی اُنھوں نے انھیں مسخر رکھا اور غلام سمجھا اور پہلا مذہب خلیل اور سیبویہ کا ہے۔ علامہ آلوسی بغدادی روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ نافع۔ ہمزہ اور کسائی نے سُخْرِیًّا بضم السین پڑھا ہے۔ اور باقی سبعہ نے بکسر السین اور معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی ہیں یعنی ٹھٹھا کرنا۔ یہ خلیل ابوزید انصاری اور سیبویہ کے نزدیک ہے اور ابوعبیدہ کسائی اور فرّا نے مضموم السین کو بمعنی اُجرت خدمت لینے کے اور مکسور السین کو بمعنی استہزار کے بیان کیا ہے اور یونس نے کہا ہے کہ جب خدمت لینا مراد ہو تو سین پر ضمہ کے سوا اور کچھ نہ آئے گا اور جب ہنسی ٹھٹھا کرنا مراد ہو تو ضمہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں اور دونوں حالتوں میں مصدر ہوگا اور یارِ نسبت مبالغہ کے لئے بڑھادی گئی ہے جیسا کہ احمری میں روح ص۶۹/۱۸۔

اَلْعَادِّیْنَ : فَسْئَلِ الْعَادِّیْنَ

سو تو گننے والوں سے پوچھ لے۔ عَادِّیْنَ گننے والے، شمار کرنے والے۔ یہ عَدٌّ سے اسم فاعل عَادٌّ کی جمع ہے اسکی اصل عَادِدِیْنَ ہے دو حرف ایک جنس کے جمع ہوئے ایک کو دوسرے میں مدغم کر دیا گیا ہے۔ یہاں عَادِّیْنَ سے مراد بعض نے حساب دانوں کو لیا ہے اور بعض نے ان فرشتوں کو عادِّین بتلایا ہے جو دنیا میں انسان کے اعمال و افعال کا حساب رکھتے اور لکھتے ہیں

عَبَثًا : اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا

(آیت نمبر ۱۱۵) کیا تمہارا خیال تھا کہ ہم نے تمہیں یونہی بلا مقصد پیدا کر دیا ہے

اَلْعَبَثُ : ہر وہ کام جسکی کوئی صحیح غرض نہ ہو اصل میں عَبَثٌ کے معنی کسی کام کے ساتھ کھیل کود کو ملا دینے کے ہیں اور یہ عَبَثَ الْاَقِطَ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جسکے معنی ہیں میں نے

پنیر کے ساتھ اور چیز کو ملا دیا، اور العَبَث وہ کھانا جو کسی چیز کے ساتھ خلط ملط کیا گیا ہو اسی اعتبار سے کھجور گھی اور ستّو کے آمیزہ کو عَوْبَثَانِیٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ تم ہر بلند مقام پر بے مقصد بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرتے ہو (راغب)

عَبَثَ (ض) عَبَثًا۔ الشَّیْءَ بِالشَّیْءِ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا۔ عَبِثَ (س) مذاق کرنا کھیل کود کرنا۔ عَبِثَ بِالدِّیْنِ: دین کی توہین کرنا۔ صفت عابث و عَبِیْثٌ بے فائدہ کھیلنے والا۔ اور عَبِيْثَةُ النَّاسِ مختلف قسم کے لوگ فَعَلَ ذَالِكَ عَبَثًا، اُس نے یہ کام لغو کیا (منجد) تاج العروس میں ہے کہ: عَبَثٌ کے معنی کسی چیز کے ساتھ کھیلنے کے ہیں، اور جس چیز میں کوئی قابل لحاظ فائدہ نہ ہو یا سرے سے کوئی فائدہ نہ ہو اس کو بھی عبث کہتے ہیں (لغات القرآن)

عَبِثَ بِهٖ بِالْكَسْرِ عَبَثًا: تَعِبَ فَهُوَ عَابِثٌ لَاعِبٌ بِمَا لَا يَعْنِيْهِ وَلَيْسَ مِنْ بَالِهٖ (لسان)

قرآن پاک کی رُو سے تمام کائنات ایک مقصد کے تحت پیدا کی گئی ہے اور اس میں انسانی تخلیق کا بھی ایک متعین مقصد ہے اور وہ قانونِ خداوندی کی پابندی اور اطاعتِ نبوت ہے۔ انسان کا ہر وہ طریقِ زندگی عبث ہوگا جو طریقِ نبوت کے خلاف ہو اس آیتِ کریمہ نے دہریت کے اس نظریے کو عبث قرار دیا ہے کہ کائنات یونہی اتفاقیہ وجود میں آگئی ہے
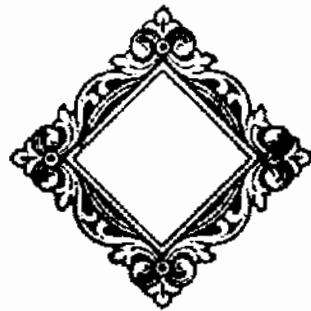
شرح الفاظ القرآن من سورۃ النور

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَةٌ : سُوۡرَةٌ اَنۡزَلۡنٰهَا: صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ سورہ قرآنِ پاک کا ایک متعین حصہ ہے جو کم از کم تین آیات کا ہے۔ اور اگر اس کا واؤ اصلی ہے تو یا تو سورۃُ المدینہ پر موسوم ہے جس کے معنی شہر کی چار دیواری کے ہیں کیونکہ یہ بھی قرآن پاک کا ایک محدود ٹکڑا ہے جو مستقل طور پر احاطہ کئے ہوتے ہیں جیسے وہ شہر جس کے اردگرد فصیل کھچی ہوتی ہے اور یا اس لئے کہ فنون علمیہ اور انواع و اقسام کے فوائد پر حاوی ہے جس طرح کہ شہر پناہ اپنے اندرون کو گھیرے ہوتی ہے اور یا اُس سورۃٌ سے موسوم ہے جس کے معنی رُتبہ کے ہیں۔ یہ دو معنی کی بنا پر ہوسکتا ہے۔

نمبر(۱) اس لئے کہ سورتیں بھی بمنزلہ درجوں اور مرتبوں کے ہیں جن پر قاری ترقی کرتا جاتا ہے۔ نیز خود سورتیں طوال قصار اور اوساط پر مرتب ہیں

(۲) اور یا اس لئے کہ دین میں انکی رفعت شان اور جلالت مرتبت مسلّم ہے۔ اور اگر اس کے واؤ کو ہمزہ سے بدلا ہوا قرار دیا جائے تو جس طرح کہ سورۃ کے معنی کسی شئے کے بقیہ حصہ کے ہیں، یہ بھی قرآن کا ایک ٹکڑا اور حصہ ہے (کشاف ۹۵ / ۱۲، رغب)

فَرَضۡنَا : سُوۡرَةٌ اَنۡزَلۡنٰهَا وَفَرَضۡنٰهَا

فَرَضۡنَا : ہم نے واجب کیا۔ ہم نے عمل کرنا ضروری قرار دیا۔ ہم نے مقرر کیا۔ لغت میں فَرۡضٌ کے معنی ہیں کسی حجم والی چیز کو جس میں صلاحیت ہو کاٹ دینا۔ قرآن پاک میں فرض کا استعمال کئی معنوں میں ہوا ہے (۱) مقرر اور معین کرنا (۲) عزم کرنا اپنے اوپر لازم کرنا (۳) واجب کرنا، اگر مفعول دوم پر علی آئے۔

علامہ راغب لکھتے ہیں کہ ہر وہ مقام جہاں قرآن میں فَرَضَ علی کے ساتھ آیا ہے اس کے معنی کسی چیز کے واجب کرنے اور ضروری قرار دینے کے ہیں۔ اور جہاں فَرَضَ اللّٰہُ لَہٗ ہے یعنی لام کے ساتھ

آیا ہے تو اس کے معنی کسی چیز سے بندش کو دُور کرنے اور اسے مباح کردینے کے ہیں فرض کے اصل معنی قطع کرنے ہی کے ہیں۔ اللہ کے احکام بھی چونکہ بندوں پر قطعی اور حتمی ہوتے ہیں اس لئے ان کو بھی فرض کہا جاتا ہے۔ اور بعض اہلِ علم نے فَرَّضْنَا تشدّد کے ساتھ پڑھا ہے یہ ایجاب اور توکید میں مبالغہ پیدا کرنے کے لئے ہے، وَاصل الفرض ۔ القطع ۔ ای جَعَلْنٰھَا واجبۃً مقطوعًا بھا ۔ الفریضۃ : مقررہ حصّہ اور وہ چیز جس کو معیّن و مقرر کردیا جائے اَفْرَضَ لَہٗ : اسکے لئے کسی چیز کو مقرر کردیا، والتشدیدُ للمبالغۃ فی الایجاب و توکیدہٖ (کشاف)

الفُرْضَۃُ من القوس : کمان کا سرا جو تانت لگانے کے لئے کاٹا جائے ۔

اَلْفُرْضَۃُ مِنَ النَّھْرِ : دریا کا دہانہ، اور فرائض المیراث بھی اسی سے ہے۔ (قرطبی)

اَلزَّانِیَۃُ : اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ ۔

بد کار عورت اور بد کار مرد دونوں کی حد یہ ہے کہ انہیں سے ہر ایک کو سَو سَو کوڑے مارو۔ عقد شرعی کے بغیر کسی عورت سے ہمبستری کرنے کا نام زنا ہے۔ زَانِیَۃ اسی سے اسم فاعل مؤنث اور زانی اسم فاعل مذکر ہے، یعنی وہ عورت اور مرد جو بغیر عقد شرعی کے ہمبستری کریں زانیہ اور زانی ہیں۔

جَلْدَۃٍ : مِائَۃَ جَلْدَۃٍ سَو سَو کوڑے لفظ جَلد کوڑے مارنے کے معنی ہیں آتا ہے۔ اور جِلْدٌ بالکسر سے ماخوذ ہے کیونکہ کوڑا عموماً چمڑے سے بنایا جاتا ہے بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ لفظ جَلدٌ سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ کوڑوں اور دُرّوں کی ضرب اس حد تک رہنی چاہیئے کہ اس کا اثر انسان کی کھال تک رہے، گوشت تک نہ پہنچے خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کوڑے لگانے کی سزا میں اسی توسّط اور اعتدال کی تلقین عملاً فرمائی ہے کہ کوڑا نہ بہت سخت ہو جس سے گوشت تک اُدھڑ جائے اور نہ بہت نرم ہو کہ اس سے کوئی خاص تکلیف ہی نہ پہنچے (معارف)

جَلَدَہٗ (ض) کے معنی ہیں کسی کے چمڑے پر مارنا۔ جیسے بَطَنَہٗ وظَھَرَہٗ اور اس کے دوسرے معنی کوڑے لگانا بھی آتے ہیں (راغب)

رَأْفَةٌ : ترس، مہربانی، شفقت، نرمی۔ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اللہ کے حکم کی تعمیل میں تم کو ان (مجرموں کے حال) پر ترس دامنگیر نہ ہو۔ یہ رَؤُفَ سے ہے۔ اس کے معنی شفقت اور رحمت کے ہیں۔ صیغہ صفت رَؤُفٌ اور رَئِفٌ مثل حذر اور يَقِظٌ آتا ہے۔

يَدْرَؤُا : وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اور عورت سے سزا کو یہ بات ٹال سکتی ہے، دَرْءٌ دَرْأَةٌ۔ دفع کرنا۔ ہٹانا۔ ناگہاں نمودار ہونا۔ دَرْءٌ۔ نیزہ وغیرہ کی کجی کہا جاتا ہے قَوَّمْتُ دَرْأَهٗ میں نے اس کی کجی کو دور کر دیا۔ وَجَاءَ السَّيْلُ دَرْءًا، سیلاب انجان جگہ سے اچانک بہہ آیا دَرَأْتُ عَنْهُ میں نے اُس سے دور کیا۔ وَيَدْرَؤُنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ، نیکی کے ذریعہ برائیوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے اِدْرَءُوا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ، شرعی حدود کو شبہات سے گرا دو۔ اسی مادہ دَرْءٌ سے آیت کریمہ فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ہے اس میں اِدّٰرَأْتُمْ : اصل میں تَدَارَأْتُمْ ہے تخفیف کے لئے تا کو دال سے بدل کر ادغام کر دیا گیا ہے۔ اور شروع میں ابتداء بسکون کی وجہ سے ہمزہ وصلی لایا گیا ہے۔ لہٰذا یہ اِفَّاعَلْتُمْ کے وزن پر ہے۔ بعض ادباء نے یہ کہا ہے کہ یہ اِفْتَعَلْتُمْ کے وزن پر ہے مگر علامہ راغب نے اس کو بچند وجوہ غلط قرار دیا ہے۔ ایک یہ کہ صیغہ اِدّٰرَأْتُمْ آٹھ حروف پر مشتمل ہے جبکہ اِفْتَعَلْتُمْ کے صرف سات حروف ہیں۔ دوم یہ کہ اس میں ہمزہ وصلی کے بعد حرف تاء ہے جس کو دال سے تبدیل کیا گیا ہے، حالانکہ اِفْتَعَلْتُمْ میں ایسا نہیں ہے۔ سوم یہ کہ اِفْتَعَلْتُمْ کے وزن پر اگر یہ ہوتا تو دوسرے حرف کے بعد دال کو تاء سے تبدیل کرنا چاہئے تھا۔ چہارم یہ کہ جس فعل کا عین کلمہ حرف صحیح ہو اسمیں تاء افتعال کا مابعد ہمیشہ متحرک رہتا ہے مگر یہاں اسے ساکن بنایا گیا ہے۔ پنجم یہ کہ یہاں تاء اور دال کے درمیان حرف زائد لایا گیا ہے حالانکہ باب افتعال میں یہ نہیں ہوتا۔ ششم یہ کہ اسکے باب افتعال سے ماننے کی صورت میں الف کو عین کلمہ ماننا پڑیگا۔ حالانکہ وہ موضع عین میں نہیں ہے ہفتم یہ کہ دو حروف افتعل کی تاء سے قبل ہیں اور اس کے بعد بھی دو ہی ہیں مگر اِدّٰرَأْتُمْ میں تاء کے بعد تین حروف ہیں (راغب)

الدَّرْءُ الدَّفْعُ دَرَأَهٗ دَرْءً وَدَرْأَةً

دَفَعَهٗ ۔ تَدَارَأَ الْقَوْمُ: تَدَافَعُوْا فِی الْخُصُوْمَةِ وَنَحْوِهَا (لسان)

اَلدُّرِّیُّ: روشن ستارہ

اَلْاِفْكُ : اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۔ بیشک جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے وہ تم میں سے ایک گروہ ہے (ماجدی) اِفْكٌ کے اصل لغوی معنی پلٹ دینے اور بدل دینے کے ہیں ۔ بدترین قسم کا جھوٹ جو حق کو باطل سے اور باطل کو حق سے بدل دے ۔ پاکباز متقی کو فاسق، فاسق کو متقی پرہیزگار بنا کے دکھا دے ۔ اسی جھوٹ کو افک کہتے ہیں ۔ اور ہر اُس چیز کو بھی افک کہتے ہیں جو اپنے صحیح رُخ سے پھیر دی گئی ہو ۔ اسی بنا پر ان ہواؤں کو جو اپنا اصل رُخ چھوڑ دیں ۔ مُؤْتَفِكَةٌ کہتے ہیں ۔ جھوٹ چونکہ اصلیت اور حقیقت سے پھرا ہوا ہوتا ہے اس لئے اس کو بھی افک کہتے ہیں، مولانا نعمانی فرماتے ہیں کہ کسی شئے کا اصلی حالت سے منہ پھیرنے کا نام افک ہے ۔ پس جو بات اپنی اصل صورت سے پھر گئی اس کو افک کہیں گے ۔ جھوٹ اور بہتان میں چونکہ یہ صفت بدرجہ اتم موجود ہے اس لئے اس کو افک کہا گیا ہے (لغات القرآن)

اَفَكَ (ض)، اَفْكًا و اُفُوْكًا و اَفِكَ (س) اَفْكًا جھوٹ بولنا ۔ صفت اَفِیْكٌ (ج) اُفَكَاءُ وَ اُفُوْكٌ و اَفَائِكُ ۔ اُفِكَ الرَّجُلُ کسی کا ضعیف العقل ہونا، اور اِئْتَفَكَ الْبَلَدُ بِاَهْلِهٖ شہر کا اُلٹ جانا ۔ مولانا اصلاحی فرماتے ہیں کہ افک جھوٹی من گھڑت، خود تراشیدہ اور خلاف حقیقت بات کو کہتے ہیں (تدبر)

یہاں اس سے اشارہ اس فتنہ کی طرف ہے جو غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر منافقین نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو متہم کرنے کے لئے برپا کیا گیا، ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس مادہ کے اصل معنی کسی شے کو پلٹ دینے اور اس کو اس کے صحیح رُخ سے ہٹا دینے یا پھیر دینے کے ہیں (مقاییس)

اَلْاِفْكُ الْكِذْبُ (قرطبی) علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ افک، کذب اور افتراء دونوں سے زیادہ بلیغ ہے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ افک وہ بہتان ہے جو آدمی کو اچانک پریشان کر دے ۔

واصلہ الْاَفْكُ وھو القلب لانہ قول مَاْفُوْكٌ عن وجھہ والمراد ما اُفِكَ بہ علی عائشۃ رضی اللہ عنہا (الکشاف)

مشکل ج ۲ ۳ و اما الافك فهو الكذب
(زاد المسیر)

العصبة : عُصْبَةٌ مِّنكُمْ صاحب
کشاف فرماتے ہیں کہ عُصْبَہ دس سے چالیس
تک کی جماعت ہے اور یہی معنی عُصَابَۃٌ کے
بھی ہیں۔ اور اعْصَوْصَبُوْا کے معنی ہیں وہ
جمع ہوئے، وہ اکٹھے ہوئے (کشاف)
علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ واصلها فی
اللغہ وکلام العرب الجماعۃ الذین یتعصّب
بعضہم ببعض (قرطبی)
عُصبہ وہ جماعت ہے جس کے افراد
ایک دوسرے کے حامی اور مددگار ہوں
نَحْنُ عُصْبَۃٌ ہم ایک جماعت ہیں، اور
ایک دوسرے کے یار و مددگار ہیں (مزید
تفصیل سورۂ یوسف میں دیکھئے)
عُصْبَۃٌ اور عُصَابَۃٌ دونوں کی کوئی واحد
نہیں ہے جمع کے لئے ہی استعمال ہوتے ہیں
اور عِصَابَۃٌ کی جمع حدیث میں عَصَائِبُ
آتی ہے۔

خَیْرٌ : خَیْرٌ لَّکُمْ : یہ لفظ شر
کے مقابلہ کا لفظ ہے، ان دونوں کی تعریف
علامہ قرطبی نے یہ کی ہے، خیر وہ ہے
جس کا نفع ضرر پر غالب ہو اور شر وہ جس کا
ضرر اس کی خیر پر غالب ہو۔
خَیْرٌ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اس کی اصل
اَخْیَرُ ہے۔ ہمزہ کو کثرتِ استعمال کی وجہ
سے گرا دیا گیا ہے (حاشیہ علی الکافیہ)
والخَیْرُ حَقِیْقَتُہٗ مَا زَادَ نَفْعُہٗ عَلٰی
ضَرِّہٖ والشر: ما زاد ضرّہ علی
نفعہ (قرطبی)

کِبْرٌ : وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ : لفظ
کِبر بکسر الکاف کے معنی بڑے کے ہیں مراد
یہ ہے کہ جس نے اس تہمت میں بڑا کام کیا
یعنی اس کو گھڑا اور چلتا کیا اس کے لئے
عذابِ عظیم ہے۔ مراد اس سے عبداللہ بن
اُبیّ ہے (خازن)

اَفَضْتُمْ : لَمَسَّکُمْ فِیْ مَا اَفَضْتُمْ :
اَفَضْتُمْ، تم منتشر ہوئے۔ تم نے پھیلایا،
اِفَاضَۃٌ سے جس کے معنی منتشر ہونے اور
پھیلانے کے ہیں ماضی کا صیغہ ہے، اصل
میں تَوْفِیْضٌ کے معنی پانی کے اوپر سے گزر کر
بہنے کے ہیں۔ پھر بہنے کے مفہوم کا لحاظ
کرکے بطور استعارہ اس کا استعمال پھیلنے
کے معنی میں ہونے لگا اور اسی اعتبار
سے اِفَاضَۃٌ کے معنی پھیلنے اور منتشر ہونے
کے ہوئے۔ اَفَاضَ فِی الحدیث کا مفہوم ہوتا ہے

کہ بات سے بات نکالتے ہوئے آدمی کہیں
سے کہیں جا پہنچے اور بات کا بتنگڑ بنا ڈالے
اَفَاضَ القَومُ فِی الحَدِیثِ ، لوگ باتیں بنانے
لگے، باتوں میں مشغول ہو گئے۔ فَاضَ
المَاءُ کے معنی ہیں پانی کا کسی جگہ سے اُچھل
کر بہ نکلنا، اسی سے آنسو بہانے کے لئے
بھی آتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے تَرٰی
اَعْیُنَهُمْ تَفِیضُ مِنَ الدَّمْعِ ، تم دیکھتے
ہو کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں
اَفَاضَ اِنَاءَهٗ برتن کو پانی سے لبالب بھر دیا
یہانتک کہ پانی اس سے نیچے گرنے لگا اور
اَفَضْتُهٗ کے معنی ہیں اوپر سے گرانا، قرآن پاک
میں ہے اَنْ اَفِیضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَاءِ
حَدِیثٌ مُسْتَفِیضٌ منتشر باتیں، عام
پھیلی ہوئی بات (راغب، قرطبی، تدبر)
اَفَضْتُمْ کا اصل مادہ فَیْضٌ ہے، اور یہ
اَجْوَفْ یائی ہے۔

تَلَقَّوْنَ : اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ ، جب تم
اس کو نقل در نقل کر رہے تھے (ماجدی)
تَلَقِّی کا مفہوم یہ ہے کہ ایک دوسرے سے
بات پوچھے اور نقل کر دے، یہاں بات
سُن کر بے دلیل آگے چلتی کر دینا مراد ہے (معارف)
اصل میں یہ وَلَقٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی
تیز آدمی کے ہیں۔ وَلَقَ الرَّجُل کے معنی
جھوٹ بولنا کے ہیں۔ ایک قراءت میں
تَلِقُوْنَهٗ یعنی کذب بیانی کے لئے تیزی
کرتے تھے۔ یہ جَارَتِ الابِلُ تَلِقُ کے
محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کہ
اونٹ تیزی کے ساتھ آئے اَلْاَوْلَقُ
جس کی عقل میں فتور ہو رَجُلٌ مَاْلُوْقٌ
وَمُوْلَقٌ پاگل آدمی۔ تَلَقَّوْنَ تَلَقِّیٌ
سے ماخوذ ہے۔ یہ قراءت جمہور سبعہ کی ہے
محمد بن سَمَیْقَعْ نے تُلْقُوْنَ پڑھا ہے
یہ اِلْقَاءٌ سے ماخوذ ہے اَلْوَلَقُ نیزے
کا ہلکا سا زخم (راغب، قرطبی)
وَلَقَهٗ بِالسَّیْفِ وَلَقَاتٍ : تلوار سے
مارنا۔ وَلَقَ فِی الکِذْبِ : ہمیشہ جھوٹ
بولنا۔ حضرت علیؓ کا قول ہے انھوں نے
ایک آدمی کو کہا کَذَبْتَ وَاللّٰهِ وَوَلَقْتَ:
خدا کی قسم تو نے جھوٹ کہا اور تو جھوٹا ہے،
(لسان) وَلَقَ یَلِقُ : اِذَا اَسْرَعَ فِی
الکِذْبِ (زاد المسیر) جھوٹ بولنا،
جھوٹ میں سبقت کرنا۔ (لسان)

هَيِّنًا : وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَهُوَ
عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ۔ تم اس پر تہمت
لگانے کو آسان اور ہلکا سمجھ رہے تھے،

حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑا جرم تھا، هَيِّنًا
ہلکا جس پر کوئی گناہ نہ ہو۔ یہ هَوْنٌ سے
صفت مشبہ کا صیغہ ہے هَيِّنًا ای سهلًا
لَا اِثْمَ عَلَيْهِ (زاد المسیر)

بُهْتَانٌ : هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ،
یہ تو بہت بڑا الزام ہے بَهِتٌ کے معنی ہیں
حیران و ششدر رہنا، بہتان ایسا الزام جس
کو سُنکر انسان حیران اور ششدر رہ جائے
فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ کافر یہ سُنکر حیران رہ گیا

يَأْتَلِ : وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ
اور قسم نہ کھائیں بڑے درجے والے۔
اِئْتِلَاءٌ کے معنی قسم کھانے کے ہیں (معارف)
بعض نے کہا ہے کہ یہ اَلَوْتُ سے باب افتعال
ہے اور بعض نے آلَيْتُ بمعنی حَلَفْتُ سے
مانا ہے لیکن اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے
کہ صیغہ افتعال، اَفْعَلَ (مزید فیہ) سے
نہیں آتا بلکہ فَعَلَ مجرد سے آتا ہے جیسے
کَسَبَ سے اِکْتَسَبَ اور صَنَعْتُ سے اِصْطَنَعْتُ
(راغب) صاحب کشاف نے لَا يَأْتَلِ
کو اَلِيَّةٌ بمعنی قسم کھانے سے افتعال
قرار دیا ہے وَهُوَ مِنْ اِئْتَلٰى اِذَا حَلَفَ
افتعال من الالیۃ (کشاف)
حسن، ابوعالیہ اور جعفر نے يَتَأَلَّ پڑھا ہے
بفتح الهمزة بين التاء واللام وتشديد اللام۔
يَتَعَلَّ کے وزن پر (زاد المسیر)
وَلَا يَأْتَلِ : ای لا يَحْلِفُ اِفْتِعَالٌ مِنَ
الْاَلِيَّةِ (روح) وَلَا يَأْتَلِ مَعْنَاهُ
يَحْلِفُ، وزنها يَفْتَعِلُ مِنَ الْاَلِيَّةِ
وهي الْيَمِيْنُ (قرطبی)
يَأْتَلِ اصل میں يَأْتَلِيْ تھا۔ حرف علت
لا نہی کی وجہ سے گر گیا۔ لَا نَاهِيَةٌ والفعل
مجزوم بحذف الياء لانه مُعْتَلٌّ
بها (جمل)
اَلَا يَأْلُوْ (ن) اَلْوًا و اُلُوًّا و اُلِيًّا
وائتلى فى الامر : کسی کام میں کوتاہی
کرنا یا دیر لگانا۔ کہا جاتا ہے لَمْ يَأْلُ
جُهْدًا۔ اس نے کوشش کرنے میں کوتاہی
نہیں کی۔ اسی سے اِيْلَاءٌ اور اَلِيَّةٌ: اس
قسم کو کہتے ہیں جس میں قسم کھانے والے
کو تکلیف اور کوتاہی کا سامنا کرنا پڑے،

مُحْصَنٰتِ : اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ
الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ، مُحْصَنٰتِ
یہاں پاکدامن، شریف زادیوں کے مفہوم
میں ہے۔ یہ لفظ اِحْصَانٌ سے مشتق ہے
اصطلاح شرع میں احصان کی دو قسمیں
ہوتی ہیں ایک وہ جس کا حد زنا میں اعتبار

کیا گیا ہے، وہ یہ کہ جس پر زنا کا ثبوت ہو جائے وہ عاقل بالغ مسلمان ہو اور کسی عورت کے ساتھ نکاح صحیح کر چکا ہو اور اس سے مباشرت بھی ہو چکی ہو اس پر سزائے رجم و سنگساری جاری ہوگی۔ دوسری قسم وہ ہے جسکا اعتبار حد قذف یعنی تہمتِ زنا میں کیا گیا ہے، وہ یہ کہ جس شخص پر زنا کا الزام لگایا گیا ہے وہ عاقل بالغ آزاد مسلمان ہو اور عفیف ہو، یعنی پہلے کبھی اس پر زنا کا ثبوت نہ ہوا ہو۔

اَلْغٰفِلٰتِ : سے مراد دُنیا کے چھل فریب سے ناآشنا بھولی بھالی خواتین ہیں (تدبر)

غَفْلَةٌ : اس سہو کو کہا جاتا ہے جو قلتِ تحفظ اور احتیاط کی بنا پر انسان کو عارض ہو جاتا ہے اور غفلت سے کام لینے والے کو غافل کہا جاتا ہے (راغب)

مُبَرَّءُوْنَ : اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ

مُبَرَّءٌ واحد اسم مفعول تَبْرِءَةٌ مصدر باب تفعیل ہے۔ بری قرار دیتے ہوئے، پاک بنائے ہوئے بَرْءٌ اور بَرَاءٌ کا اصل مفہوم ہے کسی بُری بات اور امر مکروہ سے چھٹکارا، اسی لئے باب سمع سے بَرَاءٌ اور بَرَاءَةٌ اور بُرُوْءٌ کا معنی ہے عیب اور قرض وغیرہ سے پاک ہونا، بیزار ہونا اور باب فَتَحَ سے اور نَصَرَ اور کرم اور سمع سے بھی بُرْءٌ بَرْءٌ اور بُرُوْءٌ کا معنی ہے بیماری سے اچھا ہونا۔ پھر افعال میں اَبْرَاَهُ اللّٰهُ کا معنی ہوگیا اللہ نے اس کو تندرست کر دیا، اور اَبْرَاَكَ مِنْهُ اُس نے تجھے پاک کر دیا اور بیزار کر دیا۔

باب تفعیل میں بَرَّاَكَ اللّٰهُ مِنْهُ کے معنی بھی یہی ہیں۔ یعنی باب افعال ہی کی طرح ہیں، مگر بَری قرار دینے کا مفہوم زیادہ ہوگیا، لیکن باب تَفَعُّلٌ (لغات القرآن) میں تَبَرَّاَ مِنْهُ کا معنی صرف بیزار ہونا ہے (لغات القرآن)

تَسْتَاْنِسُوْا : حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا :

تَسْتَاْنِسُوْا : تم بول کرو۔ تم اذن لے لو تم اُنس پیدا کر لو۔ اِسْتِيْنَاسٌ کے معنی اُنس پکڑنے کے ہیں۔ یہاں استیذان کے معنی میں ہے اجازت لینا۔ متعارف اور مانوس ہو جانا استیناس اور استیذان میں فرق ہے۔ استیناس یہ ہے کہ پہلے آدمی کھانسے یا تسبیح وغیرہ بلند آواز سے کہے تاکہ گھر والوں کو پتہ چل جائے اور بعد میں اجازت طلب کرے اس طلب اجازت کا نام استیذان ہے حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر سے ایک روایت ہے جس میں تَسْتَاْنِسُوْا کی بجائے

تَتَنَاذَنُوْا ہے اس روایت کی بنا پر بعض کم فہم لوگوں نے کہا ہے کہ اصل تَسْتَاذِنُوا ہے اور تَسْتَانِسُوْا کاتب کی غلطی ہے۔ علامہ قرطبی نے اس روایت اور قول کی سختی سے تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ قول ابن عباس سے صحیح نہیں ہے۔

یَغُضُّوْا : قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ - آپ ایمان والوں سے کہدیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں (ماجدی) یَغُضُّوْا - غَضٌّ سے مشتق ہے جس کے معنی کم کرنے اور پست کرنے کے ہیں۔ نگاہ پست اور نیچی رکھنے سے مراد نگاہ کو ان چیزوں سے پھیر لینا ہے جن کی طرف دیکھنا شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے (معارف) حدیث میں ہے اِذَا فَرِحَ غَضَّ بَصَرَهٗ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خوش ہوتے تو نگاہ جھکا دیتے، حُمَادِيَاتُ النِّسَاءِ غَضُّ الْاَطْرَافِ اچھی عورتیں وہ ہیں جو (شرم و حیا سے) نگاہ نیچی رکھتی ہیں۔ طَرْفٌ غَضِیْضٌ پست نگاہ غَضَّ مِنْ صَوْتِهٖ آواز کو کم کرنا، روکنا۔ اَلْغَضُّ (مصدر) ترو تازہ، نرم و نازک، جمع غِضَاضٌ

ظَهَرَ : مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ظَهَرَ مِنْهَا الشَّیْءُ کسی چیز کا زمین کے اوپر اس طرح ظاہر ہونا کہ نمایاں طور پر نظر آئے اس کے بالمقابل بَطَنَ ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کا زمین کے اندر غائب ہو جانا پھر ہر وہ چیز جو اس طرح نمایاں ہو کہ آنکھ یا بصیرت سے اس کا ادراک ہو سکے اس کو ظاہر کہتے ہیں یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یہ دنیا کے ظاہری امور کو جانتے ہیں ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ: خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے فساد پھیل گیا۔ اَلظَّهْرُ، کے معنی پیٹھ اور پشت کے ہیں اسکی جمع ظُهُوْرٌ آتی ہے۔ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ اور جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا گیا اور کبھی ظَهْرٌ کا لفظ استعارۃً کے طور پر روئے زمین کے لئے بھی آتا ہے ظَهْرُ الْاَرْضِ زمین کا اوپر کا حصہ، مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ روئے زمین پر چلنے پھرنے والے ایک کو نہ چھوڑنا۔

خُمُر : وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں خمار دوپٹہ اور اوڑھنی

کو کہتے ہیں۔ اسی کی جمع خُمُرٌ ہے۔ خمار اس
کپڑے کو کہتے ہیں جو عورت سر پر استعمال
کرے اور اس سے سینہ اور گلا بھی چھپ جائے
الخَمَرُ کے معنی ہیں کسی چیز کو چھپانا، اسی
طرح خِمَارٌ اصل میں اس چیز کو کہا جاتا ہے
جس سے کوئی چیز چھپائی جائے۔ مگر عرفاً خمارٌ
کا لفظ صرف عورت کی اوڑھنی پر بولا جاتا ہے
اِخْتَمَرَتِ الْمَرْاَۃُ وَتَخَمَّرَتْ عورت
نے سر پر اوڑھنی ڈالی۔ شراب کو بھی خَمْرٌ
اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ انسان کی عقل کو
ڈھانپ لیتی ہے۔

اَلْخُمُرُ : جمع الخمار وھو ما تغطّی
به راسھا ومنه اِخْتَمَرَتِ الْمَرْاَۃُ و
وتَخَمَّرَتْ (قرطبی)

جُیُوْبٌ : یہ جَیْبٌ کی جمع ہے جسکے معنی ہیں
گریبان۔ چونکہ زنانہ گریبان سینے ہی پر ہوتا ہے
اس لئے جُیُوْب کو چھپانے سے مراد سینہ کا
چھپانا ہے (معارف)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ جیوب جیب کی جمع ہے
اور جَیْبٌ وہ جگہ ہے جہاں سے قمیص کو کاٹ
کر گریبان بنایا جاتا ہے اور یہ جَوْبٌ سے ماخوذ
ہے جس کے معنی قطع کرنے یعنی کاٹنے کے ہیں
وَالْجُیُوْبُ جمع الجَیْب وَهُوَ مَوْضَع
القطع من الدّرع والقمیص وھو
من الجَوْبِ وھو القطع (قرطبی)

اگر جوب سے ماخوذ ہو تو جَیْبٌ کا عین کلمہ
واؤ ہوگا یعنی قولٌ کی طرح اجوف واوی
ہوگا۔ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں کہ
الجیب : جیب القمیص والدّرع
والجمع جُیُوْبٌ وفی تنزیل العزیز
وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ
وَعَيْنُهٗ يَاءٌ لقولهم جُیُوْبٌ ۔

صاحب لسان العرب کی اس عبارت سے
مفہوم ہوتا ہے کہ یہ اجوف یائی ہے یعنی
اس کا عین کلمہ بَیْعٌ کی طرح یاء ہے۔ جس
طرح بیع کی جمع بُیُوْع آتی ہے اسی طرح
جَیْبٌ کی جمع جُیُوْبٌ ہے۔ اصل میں جَوْبٌ
اجوف واوی اور جَیْبٌ اجوف یائی دونوں
کے معنی قطع کرنے اور کاٹنے کے آتے ہیں،
جَابَ الثَّوْبَ جَوْبًا۔ کپڑا کاٹنا۔ اور
جَابَ الصَّخْرَۃَ۔ چٹان کاٹنا۔ اسی طرح
جَابَ الْقَمِیْصَ جیباً کے معنی ہیں قمیص کا
گریبان بنانا۔

اِرْبَۃٌ : غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ : علامہ
راغب لکھتے ہیں، اَرَبٌ کے معنی سخت احتیاج
کے ہیں جس کو پورا کرنے کے لئے حیلہ اور

کرنی پڑے ۔ پس اَرَبٌ خاص ہے اور حَاجَۃ
عام ہے ۔ پھر اَرَبٌ کا لفظ صرف حاجت
پر بھی بولا جاتا ہے ۔ اور کبھی حیلہ اور
تدبیر کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ محاورہ ہے
فُلَانٌ ذُوْ اَرَبٍ وَاَرِیْبٍ، فلاں صاحبِ
حیلہ اور تدبیر ہے ۔ مَاْرُبَۃٌ، شدید
حاجت، جمع مَآرِبُ (حوائج) ہے ۔ قرآن
میں ہے وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی اور میرے
لئے اسمیں اور بھی بہت سے فائدے ہیں،
اور وَلَا اَرَبَ لِیْ فِیْ كَذَا مجھے اسکی کوئی
شدید ضرورت نہیں، غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَۃِ
سے مراد وہ لوگ ہونگے جن کو نکاح کی
شدید حاجت نہ ہو کہ اُس کو پورا کرنے کے
لئے جائز و ناجائز حیلے بہانے کرتے پھریں
حافظ ابن کثیرؒ نے ابن عباسؓ کا قول یہ
نقل کیا ہے کہ غیر اُولی الاربۃِ سے مراد
وہ مُغَفَّل اور بدحواس قسم کے لوگ ہیں
جن کو عورتوں کی طرف کوئی رغبت نہ ہو،
اور علامہ جصاص نے احکام القرآن میں
نقل کیا ہے کہ اس سے مراد وہ بیوقوف
قسم کے لوگ ہیں جن کو عورتوں سے کوئی دلچسپی
نہ ہو ۔ علامہ قرطبی نے ایک قول یہ بھی نقل
کیا ہے کہ غیر اُولی الاربۃ وہ لوگ ہیں

جو خصی یا عِنِّیْن ہوں ۔ الاربۃُ: الحاجۃُ
یقالُ اَرِبْتُ كَذَا اٰرَبُ اَرَبًا وَالاِرْبَۃُ
وَالمَاْرُبَۃُ وَالْاَرَبُ الحَاجَۃُ وَ
الجمع مَآرِبُ اَیْ حَوَائِجُ (قرطبی)
الاِرْبَۃُ وَالْاِرْبُ الحَاجَۃُ وَاَرِبَ
اِلَیْهِ یَاْرَبُ اَرَبًا: اِحْتَاجَ (لسان)
الاریب: عقلمند، ذہین ۔ المُتَاَرِّبُ:
مشکلات میں گھرا ہوا آدمی ۔

عَوْرٰتِ : عَوْرٰتِ النِّسَآءِ: عورتوں
کی پردے کی باتیں ۔ عَوْرَاتٌ، یہ عَوْرَۃٌ
کی جمع ہے ۔ علامہ راغب لکھتے ہیں کہ عورۃ
انسان کے مقامِ ستر کو کہتے ہیں ۔ مگر اسکے یہ
معنی کنائی ہیں ۔ اصل میں یہ عار سے مشتق ہے
اور مقامِ ستر کے کھلنے سے چونکہ آدمی عار محسوس
کرتا ہے اسلئے اسکو عورۃ کہا جاتا ہے اور عورت
کو بھی عورت اسلئے کہتے ہیں کہ انکے بے ستر
رہنے کو شریف لوگ عار سمجھتے ہیں اسی سے
بُری بات کو عَوْرَاءُ کہا جاتا ہے ۔
علامہ مجد الدین فیروز آبادی القاموس میں
عَوْرَۃ کے چند معانی لکھتے ہیں ۱ سرحد وغیرہ
میں خلل پڑنا ۲ چھپانے کی جگہ ۳ مرد اور
عورت کی شرمگاہ ۴ وہ وقت جو بے پردہ
ہونیکا ہو اور یہ تین اوقات ہیں فجر سے پہلے

دو پہر اور نماز عشاء کے بعد پردہ بات جسکے ظاہر ہونے سے آدمی شرمائے۔

طِفْل : اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ میں طفل سے مراد وہ بچے ہیں جو بلوغ کے قریب بھی نہیں پہنچے، اور عورتوں کے مخصوص حالات و صفات اور حرکات و سکنات سے بالکل بے خبر ہو اور جو لڑکا ان اُمور سے دلچسپی لیتا ہو وہ مراہق ہے یعنی قریب البلوغ ہے اس سے پردہ واجب ہے (معارف)

اَلْاَيَامٰى : وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ تم اپنے بے نکاحوں کا نکاح کرو۔ اَیَامٰی اَيِّمٌ کی جمع ہے جو ہر اس عورت اور مرد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس کا نکاح موجود نہ ہو خواہ اول ہی سے نکاح نہ کیا ہو یا زوجین میں سے کسی ایک کی موت سے یا طلاق سے نکاح ختم ہو چکا ہو اَمَ الرَّجُلُ وَتَاَيَّمَتِ الْمَرْاَةُ عورت بیوہ ہوگئی، راغب اَيِّمٌ اس مرد کو کہتے ہیں جو بیوی سے محروم ہو اور اس عورت کو بھی کہتے ہیں جو خاوند سے محروم ہو، یعنی رانڈ اور رنڈوے دونوں کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، بلکہ [illegible] وسیع مفہوم میں یہ اُن مردوں اور عورتوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو بن بیاہ رہ گئے ہوں (تدبر)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اہلِ لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ اصل میں الاَيِّمُ وہ عورت ہے جسکا زوج نہ ہو۔ باکرہ ہو یا ثیبہ، عرب کہتے ہیں تَاَيَّمَتِ الْمَرْاَةُ وَاٰمَتْ، عورت بے خاوند کے رہ گئی اسنے نکاح نہیں کیا، حدیث میں ہے الاَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا بے خاوند (ثیبہ) عورت اپنے نکاح کی خود مختار ہے۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ لفظ اَيِّمٌ مرد اور عورت دونوں کے لئے یکساں بولا جاتا ہے۔ رَجُلٌ اَيِّمٌ وَامْرَاَةٌ اَيِّمٌ (قرطبی)

اَیَامٰی کی اصل اَيَايِمُ ہے۔ آخری یٔ کو بدلکر میم کے بعد کر دیا گیا ہے۔ اَیَامٰی ہوگیا، اور یہ بغرض تخفیف کیا گیا ہے جیسا کہ صاحب قرطبی نے وضاحت کی ہے۔ اور صاحب لسان نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

يَسْتَعْفِفْ : وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا : يَسْتَعْفِفْ واحد مذکر امر غائب ہے۔ وہ بچتا رہے پاکدامن رہے اِسْتِعْفَافٌ۔ حرام سے باز رہنا اور بچتے رہنے کی خواہش کرنا اور بچنا۔ عَفٌّ اور عَفِيْفٌ پاکدامن کر دینا اور حرام سے باز رکھنا (لغات القرآن)، عَفَافٌ اپنے آپ کو حرام

اورناجائز کاموں سے روکنا ۔ ہر اُس فعل
سے اپنے آپ کو روکنا جو عزّتِ نفس کو پامال
کردے ۔ تَعَفُّفٌ : تھوڑی چیز پر کفایت کرلینا
قرآن کریم نے اس آیت کے ذریعہ جنسی اختلاط
کی ہر اس صورت کو حرام کر دیا ہے جو نکاح
بالشہود کے علاوہ ہو ۔ حتیٰ کہ متعۃ الملاحدۃ
اور استمنا بالید بھی حرام کر دیا گیا ہے ۔

اَلْبِغَاءُ : وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ
عَلَى الْبِغَآءِ ۔ اپنی باندیوں کو مت مجبور
کرو زنا پر ۔ بغاء سے مراد یہاں حرامکاری
اور زنا ہے ۔ اصل میں بغیٌ کے معنی ہیں
کسی چیز کی طلب میں جائز حدود سے تجاوز
کرنا ۔ بَغَى الرَّجُلُ آدمی کا حق سے ہٹ جانا
نافرمانی کرنا ۔ بَغٰى عَلَيْهِ دراز دستی کرنا ظلم
اور تعدّی کرنا ۔ بَغَى الْجُرْحُ زخم کا بہت
زیادہ بگڑ جانا ۔ بَغَتِ الْمَرْأَةُ عورت نے
زنا کا ارتکاب کیا ۔ اور زنا کو بغیٌ اس لئے کہا
جاتا ہے کہ اسمیں حدود عفّت سے تجاوز پایا
جاتا ہے ۔ بَغِيٌّ (فَعِيْلٌ) زناکار ۔ فاحشہ
عورت ۔ جمع بغایا ۔ اَلْبِغَاءُ بَغَتِ الْمَرْأَةُ
کا مصدر ہے ۔ اور یہ عورتوں کے زنا کے
ساتھ مخصوص ہے ۔

علامہ سلیمان جمل فرماتے ہیں کہ البغاءُ مصدرُ
بَغَتِ الْمَرْأَةُ تَبْغِي بِغَاءً اَیْ زَنَتْ وَهُوَ
مختص بِزِنَا النِّسَاءِ (جمل) زانی مرد پر
اس کا استعمال نہیں ہوتا ۔ فلا یُقَالُ
لِرَجُلٍ زَانٍ اِنَّهٗ بَغِيٌّ (فتح القدیر)
اَلْبِغَاءُ : الزِّنَا (خازن)

نُوْرٌ : اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ۔ اَللّٰه (ھی) آسمانوں اور
زمین کا نور ہے ۔ یعنی اہلِ سماء اور اہلِ
ارض دونوں کو نور ہدایت اللہ ہی کی طرف
سے عطا ہوتا ہے ۔

(لفظ نُور کی تعریف) امام غزالی فرماتے ہیں کہ
اَلظَّاهِرُ بِنَفْسِهٖ وَالْمُظْهِرُ لِغَيْرِهٖ
یعنی خود اپنی ذات سے ظاہر اور روشن ہو اور
دوسری چیزوں کو ظاہر اور روشن کرنے والا ہو
اور تفسیر مظہری میں ہے کہ نور دراصل اُس
کیفیت کا نام ہے جس کو انسان کی باصرہ پہلے
ادراک کرتی ہے اور پھر اسکے ذریعہ ان تمام
چیزوں کا ادراک کرتی ہے جو آنکھ سے دیکھی
جاتی ہیں جیسے آفتاب اور چاند کی شعاعیں ،
اُن کے مقابل اجسام کثیفہ پر پڑ کر اوّل اس
چیز کو روشن کر دیتی ہے پھر اس سے شعاعیں
منعکس ہو کر دوسری چیزوں کو روشن کرتی ہیں
اس سے معلوم ہوا کہ لفظ نور کا اپنے لغوی اور

عرفی معنی کے اعتبار سے حق تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات پر اطلاق نہیں ہو سکتا، کیونکہ جسم اور جسمانیات سب سے بری اور ورار الوریٰ ہے اس لئے آیت مذکورہ میں جو حق تعالیٰ کے لئے لفظ نور کا اطلاق ہوا ہے اسکے معنی باتفاق ائمۂ تفسیر منوّر یعنی روشن کرنیوالے کے ہیں یا پھر صیغہ مبالغہ کی طرح صاحب نور کو نور سے تعبیر کر دیا گیا ہے جیسے صاحب کرم کو کرم اور صاحبِ عدل کو عدل کہدیا جاتا ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نور بخشنے والا ہے آسمان اور زمین کو اور اسمیں بسنے والی سب مخلوق کو اور مراد اس نور سے نور ہدایت ہے ابن کثیر نے ابن عباس سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ اَللّٰہُ ھَادِی اھلِ السّمٰوٰتِ وَالارض (معارف)

علامہ راغب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات کو نور کہنا روشنی میں مبالغہ کی وجہ سے ہے۔ وسمّی اللّٰہُ تعالٰی نَفْسَہٗ نُوْرًا مِنْ حَیْثُ اَنّہٗ ھو المنوّرُ قال اللہ تعالیٰ اَللّٰہُ نورُ السّمٰوٰتِ وَالارض وَتسمیتہٗ تعالٰی بذٰلک لمبالغۃ فعلہ (راغب)

اَلنُّوْرُ : وہ پھیلنے والی روشنی ہے جو اشیاء کے دیکھنے میں مدد دیتی ہے پھر یہ نور دو قسم کا ہے۔ ایک دُنیوی، دوسرا اُخروی۔ دُنیوی نور کی پھر دو اقسام ہیں۔ ایک معقول جس کا ادراک بصیرت سے ہوتا ہے یعنی اُمورِ الٰہیہ کی روشنی جیسے عقل یا قرآن پاک کی روشنی، دوم محسوس، جس کا تعلق بصر سے ہے جیسے چاند سورج ستارے اور دیگر اجسام نیّرہ، اور آیت کریمہ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ میں نورِ الٰہی مراد ہے اور نور حسی کے متعلق ارشاد ہے ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا اور نورِ اُخروی کے متعلق ارشاد ہے، نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا۔ فی اسماء اللہ تعالیٰ النُّور۔ قالَ ابن الاثیر: ھوالذی یُبْصِرُ بِنُوْرِہٖ ذوالعَمَایَۃِ ویَرْشُدُ بِھُدَاہُ ذُوالغَوَایَۃِ وقیل ھوالظاھر الّذی بہٖ کل ظھورٍ والظاھر فی نفسہٖ المُظْھِرُ لِغیرہٖ یُسمّٰی نُوْرًا (لسان)

مِشْکٰوۃٍ : مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اس کے نور ہدایت کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اسمیں ایک چراغ ہے۔ چراغ قندیل میں ہے۔ اصل میں شکوٰۃ کے معنی شکوۃ

یعنی چھوٹے مشکیزے کے کھولنے اور اسکے اندر کی چیز کو ظاہر کرنے کے ہیں ۔ لہٰذا یہ دراصل بَثَثْتُ لَهٗ مَافِیْ وِعَائِیْ اور نَفَضْتُ مَافِیْ جِرَابِیْ کی طرح استعارہ ہے جس کے معنی دل کی بات کو ظاہر کر دینے کے ہیں ۔ المشکوٰۃ ، وہ طاق جو آر پار نہ ہو تو آیت کریمہ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ میں مشکوٰۃ سے مراد مومن کا دل ہے اور مصباح سے مراد نورِ الٰہی ہے (راغب)

مولانا اصلاحی فرماتے ہیں کہ مشکوٰۃ سے مراد انسان کا دل ہے جس کو چراغ رکھنے کے طاق یا چراغدان سے تشبیہ دی گئی ہے ، چراغ کے لئے قاعدہ ہے کہ وہ گھر میں اونچی جگہ پر رکھا جاتا ہے تاکہ روشنی پورے گھر کے اندر پھیلے ، انسان کے اندر دل ہی وہ جگہ ہے جہاں روشنی ہو تو وہ اسکے سارے ظاہر و باطن میں پھیلتی ہے ، اس چراغ کی نسبت فرمایا کہ وہ ایک شیشہ کے اندر بند ہے ، شیشہ کے اندر بند ہونے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ چراغ کی لو ہوا کے جھونکوں سے منتشر نہیں ہونے پاتی بلکہ ایک مرکز پر مرتکز رہتی ہے جس سے اس کی تابانی میں اضافہ ہو جاتا ہے ۔ ٹھیک یہی حال ایمان کے فیض سے قلب کا ہوتا ہے وہ بھی ڈانواڈول ہونے سے بالکل محفوظ ہو جاتا ہے خواہ کیسے ہی حالات ہوں لیکن وہ راضی اور مطمئن رہتا ہے ۔ ایسے ہی دل کو قرآن میں نفس مطمئنہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور یہ بہت ہی بڑی دولت ہے جو انسان کو ایمان کی بدولت حاصل ہوتی ہے (تدبر)

مشکوٰۃ : اسم ، وہ طاق جس میں چراغ رکھا جاتا ہے (لغات القرآن)

كُلُّ كَوَّةٍ لَيْسَتْ بِنَافِذَةٍ مشكوة (لسان)
ہر ایسا روشندان جو آر پار نہ ہو وہ مشکوٰۃ ہے
والمشكوٰة : الكوة في الحائط غير النافذة (قرطبی) وهي الكوة في الجدار غير النافذة (کشاف)

مِصْبَاحٌ : اسم آلہ ، چراغ ، قندیل جس میں چراغ رکھا جاتا ہے ۔ وہ پیالہ جس میں شراب صبوحی پی جاتی ہے ۔ الصُّبْحُ والصَّبَاحُ : دن کا ابتدائی حصہ جبکہ اُفق طلوعِ آفتاب کی وجہ سے سرخ ہو ۔ التَّصَبُّحُ صبح کے وقت سونا ۔ الصَّبُوحُ : صبح کی شراب اور صَبَحْتُهٗ میں نے اس کو شراب صبوحی پلائی اور الصَّبْحَانُ صبح کو شراب پینے والا ، اس کی مؤنث صَبْحٰی آتی ہے ۔ مصباح کی جمع مصابیح آتی ہے ۔ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ہم نے آسمانِ دنیا

کو تاروں سے سجایا۔

زُجَاجَةٍ : قندیل (معارف)

زُجَاجٌ : ایک خاص قسم کا پتھر ہے ۔ اسکا مفرد زجاجۃٌ ہے ۔ اور الزُّجُّ نیزے کی پچھلی طرف لگا ہوا لوہا ۔ اسکی جمع زُجَاجٌ آتی ہے ۔ اور زَجَجْتُ الرّجلَ کے معنی ہیں، میں نے آدمی کو نیزے کی نوک سے مارا اور اَزْجَجْتُ الرُّمْحَ میں نے نیزے میں نوک لگائی یا اس سے زجاج کو نکال دیا ۔ راغب

زَيْتُوْنَةٍ : يُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ ۔ زَيْتُوْنٌ اور زَيْتُوْنَةٌ مثل شَجَرٌ اور شَجَرَةٌ ایک درخت ہے جو عرب ممالک کے بعض علاقوں میں کثرت سے پایا جاتا ہے ۔ اور الزیت زیتون کے تیل کو بھی کہتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک کی اس آیت میں ہے يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْءُ قریب ہے کہ اسکا تیل چمک اٹھے، روشنی کرے ۔ زاتَ طعامہٗ اس نے اپنے کھانے میں زیتون کا تیل ملایا ۔ حدیث میں ہے كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَأْكُلُ بِالزَّيْتِ، عبداللہ زیتون کے تیل سے روٹی کھاتے تھے ۔

الزیت ۔ معروف عصارۃ الزیتون ، والزیتون شجر معروف والزیت وهُنَّهٗ واحدتهٗ زَيْتُوْنَةٌ هٰذا فی قول من جعلہ فعلونًا (لسان)

زاتَ يَزِيْتُ زَيْتًا و زيّتَ زاتَ الطّعام کھانے میں زیتون کا تیل ڈالنا ۔ زَيْتٌ کا اطلاق ہر تیل پر ہوتا ہے خواہ کسی بھی چیز سے نکالا جائے ۔ اور زَيَّاتٌ تیلی ، تیل نکالنے والا ۔ تیل بیچنے والے کو بھی زَيَّاتٌ کہتے ہیں ۔

دُرِّيٌّ : كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ ، گویا ایک چمکدار ستارہ ہے ۔ دُرِّيٌّ درخشندہ چمکتا ہوا ۔ مولانا نعمانی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ اسمیں یا نسبت کی ہے ۔ دُرٌّ کی طرف منسوب ہے جس کے معنی موتی کے ہیں ۔ یعنی موتی کی طرح چمکدار (لغات القرآن)

اَلْغُدُوِّ : يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۔ الغُدُوِّ ۔ صبح ۔ صبح کو نکلنا ۔ صبح کو پہنچنا ۔ یا فجر اور طلوع آفتاب کا درمیانی وقت ۔ الغُدُوُّ ۔ غَدَاةٌ کی جمع بھی ہے ۔ یہاں آیت کریمہ میں جمع ہی مراد ہے ۔ غَدٌ کل آنیوالا دن ۔ آئندہ آنیوالا زمانہ ، جو جلد آنے والا ہو ۔

قرآن پاک میں ہے وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۔ وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ

آهْلِكَ : اور جب آپ گھر والوں سے نکلے،

اٰصَالٌ : اٰصَالٌ اور اُصُلٌ، دونوں اَصِيْلٌ کی جمع ہیں اور اَصِيْلَةٌ کی جمع اَصَائِلُ ہے۔ علامہ راغب فرماتے ہیں کہ اَصِيْلٌ اور اَصِيْلَةٌ کے معنی عصر اور مغرب کے درمیانی وقت کے ہیں اور اصل الشئی کسی چیز کی اس بنیاد کو کہتے ہیں کہ اگر اسکا ارتفاع فرض کیا جائے تو اس شے کا باقی حصہ بھی معلوم ہو جائے۔

زجاج، اخفش، جوہری، مجدالدین فیروزآبادی وغیرہ کا بیان ہے کہ یہ اصیل کی جمع ہے۔ فرّاء، ازہری، ابوبکر سجستانی کے خیال میں یہ اُصُلٌ کی اور اُصُلٌ، اصِيْلٌ کی جمع ہے۔ اصیل کے متعلق جوہری کا بیان ہے کہ عصر کے بعد سے لیکر مغرب کے وقت تک کو کہتے ہیں پس اس اعتبار سے جمع الجمع ہے نہ کہ جمع قلت اور علامہ ازہری نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ یہ (آصال) اصِيْلٌ کی جمع نہیں ہوسکتی کیونکہ فعیلٌ کی جمع افعال نہیں آتی لیکن ان کا یہ دعویٰ درست نہیں کیونکہ (عینٌ، فعیلٌ کی جمع اِعانٌ (افعالٌ) خود قرآن میں موجود ہے

علامہ ابوحیان اندلسی اپنی تفسیر البحر المحیط میں لکھتے ہیں کہ آصَالٌ کے متعلق اس دعوے کی کوئی ضرورت نہیں کہ جمع الجمع ہے کیونکہ اُصُلٌ گو اَصِيْلٌ کی جمع ہوسکتی ہے جیسے کثیبٌ کی جمع کُثُبٌ مگر ثابت یہی ہے کہ اُصُلٌ مفرد ہے۔ ان کے خیال میں آصال یا اُصُلٌ کی جمع ہے جس کے معنی شام کے ہیں۔ جیسے عُنُقٌ اور اَعْنَاقٌ۔ علامہ زمخشری نے بھی سُورۃ النّور میں لفظ آصال کے تحت یہی خیال ظاہر کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

والآصَالُ جمع اُصُلٌ وھوالعَشی۔ یا

پھر ابوحیان اندلسی کے خیال میں یہ اِصِيْلٌ کی جمع ہے جیسے یمین اور ایمانٌ (ماخوذ از لغات القرآن)

صاحب لِسَان العرب نے زُجَاج کا قول یہ نقل کیا ہے کہ آصَال اُصُلٌ کی جمع ہے۔ صاحب لسان فرماتے ہیں کہ اس قول کے مطابق آصالٌ جمع الجمع ہوگا۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اُصُلٌ واحد ہو، جیسے طُنُبٌ اور اطنابٌ۔ عرب کا ایک مشہور شاعر ثعلب کہتا ہے

فَتَمَدَّدتُ نَفْسِيْ لِذَاكَ وَلَمْ اَزَلْ
بَدِلاً نَهَارِيْ كُلَّهٗ حَتَّى الاُصُلُ

شاعر کے کلام میں جملہ بَدِلاً نَهَارِيْ كُلَّهٗ اس کو ظاہر کرتا ہے کہ اُصُلٌ یہاں واحد ہے (لسان) اصل واحد کی جمع ہو تو آصَالٌ جمع

قلت ہوگی نہ کہ جمع الجمع۔

اَلظَّمْاٰنُ : یَحْسَبُہُ الظَّمْاٰنُ مَآءً۔ اس لفظ کی وضاحت ہم سورۂ طٰہٰ میں کر چکے ہیں۔

لُجِّیٌّ : بَحْرٍ لُّجِّیٍّ۔ گہرا سمندر، لُجٌّ : سمندر کا وہ حصہ جہاں پانی سب سے زیادہ گہرا ہو۔ لُجِّیٌّ اسی کی طرف نسبت ہے۔ دریائے عمیق۔ بحر بے پایاں لَجَّ فِی الاَمْرِ لازم ہونا۔ لَجَّ بِہِ الْھَمُّ غم لگنا۔ لَجَّ لَجَجًا و لَجَاجًا و لَجَاجَۃً ضد سے جھگڑنا۔ دشمنی میں مداومت کرنا، قرآن پاک میں ہے بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ۔ لیکن یہ سرکشی اور نفرت میں بڑھتے جاتے ہیں۔ اسی سے لُجَّۃُ الصَّوْتِ ہے جس کے معنی آواز کے بار بار آنے اور پلٹنے کے ہیں۔ لُجَّۃُ الْبَحْرِ سمندر کی موجوں کا تلاطم، ان کا بار بار آنا اور پلٹنا

رُكَامًا : ثُمَّ یَجْعَلُہٗ رُكَامًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِہٖ۔ رَكْمٌ کے معنی ہیں کسی چیز کو اوپر تلے رکھنا سَحَابٌ مَرْكُوْمٌ کے معنی ہیں تہ بہ تہ بادل

اَلرُّكَامُ : وہ چیزیں جو اوپر تلے رکھی ہوئی ہوں۔ ثُمَّ یَجْعَلُہٗ رُكَامًا کے معنی ہوئے پھر اسے تہ بہ تہ کر دیتا ہے۔ اسی سے ریت کے ٹیلے اور لشکر کو بھی رکام کہا جاتا ہے مُرْتَكَمُ الطَّرِیْقِ شاہراہ کو کہتے ہیں جس میں آمد و رفت کے نشانات بکثرت ہوں رکامًا ای مجتمعًا، یرکب بعضہ بعضًا والرکم جمع الشئ یقال منہ رَكَمَ الشَّئَ یرکُمُہٗ رَكْمًا اذا جَمَعَہٗ والقٰی بعضہٗ علی بعض (قرطبی، راغب)

اَلْوَدْقُ : فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِہٖ : امام قرطبی لکھتے ہیں کہ وَدْقٌ میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ وَدْقٌ سے مراد بَرْقٌ ہے۔ اس قول کی نسبت امام نے ابوالاشہب العقیلی کی طرف کی ہے اور شاعر کا یہ شعر اس کی تائید میں پیش کیا ہے۔

اثرنا عجاجۃ وخرجنا منہا
خروج الودق من خلل السحاب

دوسرا قول یہ ہے کہ الوَدق سے مراد مَطَرٌ (بارش) ہے یہ قول جمہور کا ہے چنانچہ اس کی تائید امرأۃ القیس کے اس شعر سے ہوتی ہے ؎

فدمعھما ودقٌ وسَحٌّ وَدِیْمَۃٌ
وسَكْبٌ وتَوْكَافٌ وتنھملان

کہا جاتا ہے وَدَقَتِ السَّحَابَۃُ فَھِیَ

وادِقَۃٌ ۔ وَدَقَ المَطَرُ ۔ یَدِقُ وَدَقًا۔
بارش کا گرنا، برسنا، ٹپکنا اور وَدَقتُ اِلَیْہِ
میں اس کے قریب ہوا ۔ یہ ایک ضرب المثل ہے
اس شخص کے لئے استعمال کی جاتی ہے جو حرص
اور لالچ کی وجہ سے کسی چیز کو حاصل کرنے میں
عاجز اور رسوا ہو اس میں مَوْدِق ظرف ہے
اور الوَدیقۃُ شدتِ حرارت ۔ جمع وَدَائق ۔
الوَدَاق ۔ تیز تلوار ۔ غَیْثًا وَادِقًا برسنے والا ابر
وَدَقٌ (بفتح الدال) اور وَدَاقٌ نیز وَدَقَانٌ
مادہ کو نر کی خواہش ہونا ۔ اِسْتِیدَاق نر کی
خواہش کرنا ۔ الوَدَقُ : المطر (کشاف)
المطر عند جمہور المفسرین (فتح القدیر)
علامہ آلوسی بغدادی فرماتے ہیں کہ ہم نے
تمام بڑی اور معتبر تفاسیر اور کتب لغت
میں الودق کی تفسیر مطر ہی دیکھی ہے ۔

خِلٰل : یہ خَلَلٌ کی جمع ہے جیسے جِبَال
جمع جَبَلٌ کی ۔ اور بعض نے اس کو حِجَابٌ
اور حِجَازٌ کی طرح مفرد بھی کہا ہے (روح)
صاحبِ کشاف نے اس کو جمع قرار دیا ہے،
ترجمہ یہ ہوگا، فَتَرَی الوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِہٖ
پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اس کے بیچ سے،
خَلَلٌ : فساد، شگاف، دراڑ، بستی فَجَاسُوْا
خِلٰلَ الدِّیَارِ (اسرائیل) وہ بنی اسرائیل
کے گھروں میں گھس پڑیں گے ۔

سَنَا : یَکَادُ سَنَا بَرْقِہٖ یَذْھَبُ بِالْاَبْصَارِ
ابھی اسکی بجلی کی کوند لیجائے آنکھوں کو (ترجمہ عثمانی)
السَّنَا (اسم مصدر) چمکدار روشنی کو کہتے ہیں۔
اور السّنا (ممدود) کے معنی رفعت کے ہیں ۔
سَنَا البَرْقُ بجلی کا چمکنا ۔ سَنَتِ النارُ، آگ
کی روشنی کا بلند ہونا ۔ اَسْنَیَ النارَ اِسْنَاءً
آگ روشن کرنا ۔ ابن منظور لکھتے ہیں کہ السَّنَا
مقصور کے معنی برق کی روشنی کے ہیں ۔
السَّنِیُّ : بلند مرتبہ عالی مقام (لسان)، بعض
اہلِ لغت نے لفظ سَنَا بجلی کی اُس چمک کیساتھ
مخصوص کیا ہے جو رات کو ہو لیکن صحیح یہ ہے
کہ یہ لفظ عام ہے ۔ بجلی کی کوند ہو یا آگ کی
چمک، ہر تیز روشنی کے لئے اسکا استعمال کیا جاتا ہے
بعض حضرات نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ یہ لفظ
معرب ہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں ۔ کیونکہ یہ کلام
عرب میں قدیم سے کثیر الاستعمال ہے اور شعراء
عرب نے اس کو اپنے اپنے کلام میں بھی ظاہر
کیا ہے ۔ چنانچہ امرأۃ القیس کہتا ہے ؎

یُضِیْئُ سَنَاہُ اَوْ مَصَابِیحُ راھب
اَمَالَ السَّلِیطَ فِی الزُّبَالِ المُفَتَّلِ

کیا یہ بجلی کی روشنی چمک ہی ہے یا اُس راہب
کا چراغ ہے جسنے بٹی ہوئی بتیوں میں تیل جھونک

دیا ہو۔ لسان العرب نے اور بھی کئی اشعار قدیم وجدید شعراء کے نقل کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ خود عربی کا لفظ ہے۔ علامہ قرطبی نے مبرد لغوی کا قول نقل کیا ہے کہ السَّنَا مقصور کے معنی چمک کے ہیں، اور جب شرف و مجد کے معنی میں ہو تو ممدود ہوتا ہے یعنی سَنَاءٌ اور اصل معنی دونوں کے ایک ہی ہیں مادّہ ہیں اَلْاِلْمَاعُ یعنی اُچک لینا، اشارہ کرنا (قرطبی، لسان، راغب)

جڑی بوٹیوں میں سے ایک بوٹی کا نام سَنَا ہے جسکو اطباء ادویہ میں استعمال کرتے ہیں۔

بَرْقِهٖ : يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ : البَرْق کے معنی بادل کی چمک کے ہیں۔ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ : اس سے بَرَقَ اور اَبْرَقَ دونوں فعل آتے ہیں۔ اور بَرَقَ ہر چمکدار چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے سَيْفٌ بَارِقٌ چمکدار تلوار۔ بَرِق اور بَرَق کے معنی خوف کی وجہ سے آنکھ خیرہ ہو جانے کے بھی آتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے، فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ جب آنکھیں چندھیا جائیں، راغب

طلحہ بن مُصَرِّف نے سَنَاءُ بُرَقِهٖ پڑھا ہے۔ بُرَقٌ یہ جمع ہے بُرْقَةٌ کی اور بُرْقَةٌ برق کی ایک خاص مقدار کو کہتے ہیں، قَالَ النحاس : اَلْبُرْقَةُ المقدار مِنَ البَرْقِ (قرطبی) ابن عباس کا قول ہے کہ برق نورانی کوڑا ہے جس سے فرشتہ بادلوں کو ہنکاتا ہے اور وہ برق جو بادلوں سے چمکتی ہے اس کی جمع بُرُوْقٌ ہے۔ البرق الّذی یلمع فی الغیم، وجمعهٗ بُروق والبُرْقَةُ : المقدار من البرق (لسان)

مُذْعِنِيْنَ : يَاْتُوْا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ

الاذعان : کے معنی کسی کا مطیع اور منقاد ہو جانے کے ہیں۔ نَاقَةٌ مِذْعَانٌ وہ اونٹنی جو اپنے سوار کی مطیع اور فرمانبردار ہو۔ ذَعِنَ (س) لَهٗ ذَعْنًا۔ تابع ہونا۔ مطیع ہونا۔ اَذْعَنَ بالحق حق کا اقرار کرنا۔ اذعن لهٗ (افعال) کسی کے سامنے عاجزی کرنا۔ فرمانبرداری کرنا، اطاعت کے لئے دوڑنا۔

مُذْعِنِيْنَ : ای طائعین منقادین، لعلمهم انه عليه السلام يحكم بالحق يقال اَذْعَنَ فُلَانٌ لحكم فلانٍ يُذعن اذعانًا (قرطبی)

مَرَضٌ : اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ

اللہ علیہم، لفظ مَرَض قرآن مجید میں حسد کی تعبیر کے لئے بھی آیا ہے۔ اور نفاق کی تعبیر کے لئے بھی۔ یہاں نفاق مراد ہے چونکہ قرینہ اسی پر دال ہے اور حسد اور نفاق دونوں بدترین بیماریاں ہیں۔

علامہ قرطبی نے یہاں مرض کے معنی شک اور ریبؒ کے بیان کئے ہیں جو نفاق ہی کی پیداوار ہوتے ہیں کیونکہ کسی بھی سلیم العقیدہ کو حق کے متعلق شک و شبہ پیدا نہیں ہوتا،

اِرْتَابُوْا : یہ باب افتعال کے مصدر ارتیاب سے جمع مذکر ماضی کا صیغہ ہے، اور ارتیاب کے معنی مبتلائے شک ہونے کے ہیں۔ ارتاب مِنَ الشَّیْئِ: کسی چیز میں شک کرنا۔ علامہ راغب نے صراحت کی ہے کہ ارتیاب کے معنی شک و شبہ میں پڑنے کے ہیں۔ اور یہ اَرَابَہٗ کے ہم معنی ہے، اَمِ ارْتَابُوْا، یعنی یہ نبوت اور رسالت کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ یا یہ کہ انکو حضورؐ کی نبوت اور عدل میں کوئی شک پیدا ہوگیا ہے۔ حدیث میں ہے، فکاد بعض النّاس یُرْتَاب: قریب تھا کہ بعض منافق خصلت لوگ آپکی نبوت میں شک اور شبہ کرتے۔ اصل مادہ رَیْبٌ ہے جس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

یَحِیْفَ : یَحِیْفَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ: حِیْفٌ کے معنی ظلم و جور کے ہیں۔ اور یہاں اس سے مراد عدل اور انصاف سے ہٹ کر فیصلہ میں زیادتی اور بے انصافی کرنا ہے تَحَیَّفْتُ الشَّیْئَ: کے معنی ہیں میں نے شئ کو کناروں سے پکڑا۔ اَلْحَیْفُ: مصدر فیصلہ کرنے میں ایک جانب جھک جانا، انصاف نہ کرنا۔

اَلْحَیْفُ: المیل فی الحکم والجور والظلم: حاف علیہ فی حکمہ، یَحِیْفُ (ض)، حَیْفًا: مَال وجَار، لِسان

حدیث میں ہے: الحیف فی الوصیۃ من الکبائر۔ وصیت میں بے اعتدالی کرنا ایک کبیرہ گناہ ہے۔ یعنی ایسی وصیت جس میں وارثوں کی حق تلفی کرنا ہو۔

یَتَّقْ : وَیَتَّقْہِ، یہ اِتِّقَاءٌ سے واحد مذکر مضارع غائب کا صیغہ ہے۔ حفصؒ نے بسکون القاف پڑھا ہے۔ اور باقی قراء نے بکسر القاف پڑھا ہے کیونکہ اس کی جزم حرف علت کے گرنے سے ہے۔ اصل میں یَتَّقِیْ تھا۔

اَلْحُلُمُ : وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ

مِنْكُمُ الْحُلُمَ : اَلْحُلُمَ سے مراد یہاں سن بلوغ کو پہنچ جانا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب بچہ بالغ ہو جائے تو اس کو خاص اوقات میں بلا اجازت اندر آنیکی اور گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں،

حَلُمَ (ک) کے معنی بردبار ہونے کے ہیں حَلَّمَهُ الْعَقْلُ وَتَحَلَّمَ، عقل نے اُسے بُردبار بنا دیا۔ سنِ بلوغت کو حُلُمْ اس لئے کہتے ہیں کہ اس عمر میں عام طور پر عقل و تمیز آجاتی ہے۔

مُتَبَرِّجَاتٍ : غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ

مُتَبَرِّجَةٌ : مردوں کو اپنا بناؤ سنگار دکھانے والی عورت، مُتَبَرِّجَاتٌ، اسی کی جمع ہے۔ تَبَرُّج مصدر ہے، عورتوں کا اپنا بناؤ سنگار مردوں کو دکھانا۔

اَلتَّبَرُّجُ : اَلتَّكَشُّفُ وَالظُّهُور للعیون (قرطبی)

صاحبِ کشاف لکھتے ہیں کہ تَبَرُّج کی حقیقت یہ ہے کہ جن اشیاء کا عورت پر اخفاء واجب ہے انکو بتکلف ظاہر کرنا۔

يَتَسَلَّلُوْنَ : قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا (آیت نمبر ۶۳)

اللہ جانتا ہے تم میں سے ان لوگوں کو جو سٹک جاتے ہیں آنکھ بچا کر (ترجمہ محمود الحسنؒ)

سَلَّ الشَّيْءَ کے معنی ایک چیز کے دوسری سے کھینچ لینے کے ہیں، جیسے تلوار کو نیام سے کھینچ لینا یا گھر سے کوئی چیز چھپا کر کھسکا لینا۔ اسی مناسبت سے باپ کے نطفہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے کہ ارشاد ہے۔ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ۔ سُلٰلَةٌ کسی چیز سے نکالی ہوئی چیز۔ خلاصہ۔ اولاد

تَسَلَّلَ وَانْسَلَّ مِنَ الزِّحَامِ : کے معنی ہیں بھیڑ میں سے چپکے سے نکل جانا۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ التَّسَلُّلُ وَ الِانْسِلَالُ : الخروج، یعنی دونوں کے معنی نکلنا ہیں۔ علامہ ابن منظورؒ نے لسان العرب میں لکھا ہے کہ السَّلُّ کے معنی ایک چیز کو دوسری چیز سے نرمی سے نکالنا ہیں۔ اور اِنْسَلَّ (انفعال) کے معنی اور تَسَلَّلَ (تفعل) کے معنی ہیں چپکے سے کھسک جانا (لسان)

يَتَسَلَّلُوْنَ : يَسُلُّوْنَ قَلِيْلًا قَلِيْلًا (کشاف)

وَالتَّسَلُّلُ : الخروج من البين على التدريج والخفية (روح)

لِوَاذًا : ایک دوسرے کی آڑ اور پناہ

لیتے ہوئے یہ مصدر حال واقع ہے لَاوَذَ
بِکَذَا لِوَاذًا وَ مَلَاوَذَةً کے معنی کسی
چیز کی آڑ لینا اور اسکے پیچھے چھپ جانا ہیں
امام راغب نے لکھا ہے کہ لِوَاذًا (مفاعلة)
کا مصدر ہے کیونکہ اگر یہ لَاذَ مجرد کا مصدر
ہوتا تو لیاذًا بالیاء آنا چاہئے تھا اسلئے کہ
لَاذَ لِیَاذًا کہا جاتا ہے۔ اکثر اہل تفسیر نے
امام راغب کا قول لیا ہے لیکن لغت میں لِوَاذ
جس طرح لَاوَذَ کا مصدر ہے اسی طرح لاذ کا
بھی ہے۔ لَاذَ اجوف واوی ہے اور مصدر
لیاذًا میں حرف ماقبل مکسور ہونے کی وجہ
سے یاء تبدیل ہو گیا ہے۔
لَاذَ یَلُوْذُ لَوْذًا وَلِوَاذًا وَلِیَاذًا الاذ بالجبل
پہاڑ میں پناہ لینا، چھپنا، قلع بند ہونا اور
لَاوَذَ لِوَاذًا وَمَلَاوَذَةً، لَاوَذَ بفلانٍ کسی
کی پناہ میں آنا اور لَاوَذَ عَنْهُ قریب سے نکل جانا
لَاذَ بِهٖ یَلُوْذُ لَوْذًا وَلِوَاذًا وَلِیَاذًا: لَجَأَ
اِلَیْهِ وَعَاذَ بِهٖ وَلَاوَذَ مُلَاوَذَةً وَلِوَاذًا
وَلِیَاذًا اِسْتَتَرَ (لسان)
اللِّوَاذُ وَالْمَلَاوَذَةُ التستر فی خفیة (جمل)
یہ منافقین تھے جن کو مجلسِ نبوی میں بیٹھنا
دشوار ہوتا تھا وہ اکثر موقع پاکر کھسک
جاتے تھے، مثلاً کوئی مسلمان اجازت لیکر اُٹھا
تو یہ بھی اس کی آڑ میں ہو کر ساتھ ساتھ
چلدیے۔ (عثمانی)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الفرقان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَبٰرَكَ : تَبٰرَكَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ : لفظ تبارک نہایت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ اس کا اصل مادہ بَرَکٌ ہے۔ اس کے دو مصدر ہیں، بَرَکَۃٌ اور بُرُوکٌ بَرَکٌ میں افزونی، فراوانی، کثرت اور زیادتی کا تصور ہے، اور بُرُوکٌ میں ثبات، قیام اور بقا اور لزوم کا تصور پایا جاتا ہے۔ پھر اس سے صیغہ تبارک بنا ہے۔ باب تفاعل کی خاصیت ہے مبالغہ اور اظہار کمال اسلئے اسمیں معنوی زیادتی اور بڑھ گئی ہے اور اس کا مفہوم انتہائی فراوانی، بڑھتی اور چڑھتی افزونی اور کمال درجہ کی پائیداری ہو جاتا ہے۔ یہ لفظ مختلف حیثیتوں سے مختلف مواقع پر بولا جاتا ہے۔ کسی چیز کی فراوانی کے لئے یا اس کے دوام و ثبات کی کیفیت بیان کرنے کے لئے بولا جاتا ہے مثلاً کبھی اس سے مرتبہ کی بلندی میں بہت بڑھ جانا ہوتا ہے جیسے کہتے ہیں تَبَارَکَتِ النَّخْلَۃُ : یعنی فلاں کھجور کا درخت بہت اونچا ہو گیا ہے۔ اصمعی کہتے ہیں کہ ایک بدو (گاؤں والا) ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گیا، اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا، تبارکتُ علیکمْ میں تم سے اونچا ہو گیا ہوں اور کبھی اس سے عظمت اور بزرگی میں بڑھ جانا مراد ہوتا ہے، اس کے چند مشہور معنی یہ ہیں، نہایت بزرگ و باعظمت، نہایت مقدس و منزّہ، نہایت بلند و برتر (روح) حضرت مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ تبارک برکت سے مشتق ہے۔ برکت کے معنی خیر کثیر کے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہر خیر و برکت اللہ کیطرف سے ہے (معارف)

مولانا اصلاحی اس کے بیان میں کہتے ہیں بڑی ہی بابرکت اور بافیض ہستی۔

مولانا نعمانی فرماتے ہیں، تبارک، وہ بہت برکت والا ہے، وہ بڑی برکت والا ہے تبارک سے ہے جس کے معنی بابرکت ہونے کے ہیں (لغات القرآن)

حضرت شاہ صاحب نے اس کا ترجمہ یوں فرمایا ہے، تَبٰرَكَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ

بڑی برکت ہے اس کی جس نے اُتاری فیصلہ کی کتاب (ترجمہ عثمانی)

اصل میں البَرک کے معنی اونٹ کے سینہ کے ہیں جس پر وہ جم کر بیٹھ جاتا ہے بعد میں اس کا استعمال دوسری چیزوں میں بھی ہونے لگا ہے (راغب) فراء کہتے ہیں کہ تبارک کے معنی تَقَدَّسَ کے ہیں اور یہ دونوں لفظ عظمت کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ زجاج کہتے ہیں کہ تبارک بَرَکَۃٌ سے تفاعل ہے اور برکۃٌ کے معنی ہیں ہر صاحبِ خیر سے زیادہ۔ و معنی البَرَکۃِ: الکثرۃ من کل ذِی خیرٍ (قرطبی) اور بعض نے تبارک کے معنی دَامَ اور ثَبَتَ کئے ہیں یعنی اس کا انعام اور عطاء بندوں پر دائم اور ثابت ہے نحاس کہتے ہیں کہ یہ معنی لغت اور اشتقاق کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے۔ بَرَکَ الشئُ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی چیز ثابت اور قائم ہوجائے البرکۃُ: کثرۃ الخیر و زیادتہٗ و من ھا (تبارکَ اللہ) و فیہ معنیان تزاید خیرہٖ و تکاثرہ او تزاید عن کل شئٍ و تعالیٰ عنہ فی صفاتہ وَاَفعَالِہٖ (کشاف)

ابوسعود کہتے ہیں کہ تَبَارَکَ فعل ماضی ہے اسکی گردان نہیں ہوتی۔ فعل مضارع اور اسم فاعل بھی اس سے مستعمل نہیں ہوتا اور لفظ تبارک کا استعمال صرف اللہ ہی کے لئے ہے (جمل) بعض نے تبارک کو اسم فعل بھی کہا ہے۔

اَلْفُرْقَانَ : الفُرقَانَ، اس کا استعمال

دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک مصدر، یعنی الگ الگ کرنا، حق کو باطل سے جُدا کرنا، اور ۲ صیغہ صفت، یعنی حق کو باطل سے جدا کردینے والی شئے۔ و فی تسمیتہ فرقاناً، وَجھَانِ: احدھُمَا۔ لانہ فَرَّقَ بین الحق و الباطل والمؤمن والکافر۔ والثانی: لأن فیہ بیان ما شرع من حلالٍ و حرَامٍ (قرطبی)

صاحبِ کشاف نے الفرقان کو فرق کا مصدر قرار دیا ہے کہ الفرقان مصدر فَرَّقَ بین الشین اذا فصّل بینھمَا و سمی بہ القرآن لفصلہ بین الحق والباطل (کشاف) علامہ آلوسی بغدادی نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے (روح) علامہ ابن منظور نے لکھا ہے کہ الفرقان قرآن پاک کے اسماء میں سے ہے اور اسی طرح ہر اس چیز کو بھی فرقان کہا جاتا ہے جسکے سبب حق اور باطل میں امتیاز کیا جاسکے۔ اسی اعتبار سے دوسری آسمانی کتب کو الفرقان کہا گیا ہے۔ غزوہ بدر کو بھی الفرقان قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کیونکہ یہ غزوہ حق اور باطل

میں ایک فیصلہ تھا۔

نُشُوْرًا : وَلَا یَمْلِکُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوۃً وَّلَا نُشُوْرًا ۔ (آیت نمبر۳)

النُّشُوْرُ : مصدر، جی اٹھنا۔ یعنی جزا، سزا کے لئے دوبارہ زندہ ہوکر اٹھ کھڑا ہونا، علامہ قرطبی فرماتے ہیں : والنُّشُوْرُ: الاحیاءُ بَعْدَ الْمَوْت ۔ اَنْشَرَ اللّٰہُ الموْتٰی فَنَشَرُوْا (قرطبی)

اِکْتَتَبَ : اِکْتَتَبَھَا فَھِیَ تُمْلٰی عَلَیْہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا: (ان اساطیرکو) اس نے لکھوالیا ہے۔ پھر وہی اس شخص کو صبح وشام پڑھ کر سنایا جاتا ہے اِکْتَتَبَ فلانٌ کا لغت میں صحیح مفہوم یہ ہے کہ سَأَلَ اَنْ یکتب لَہٗ ۔ اس نے درخواست کی کہ اس کے لئے لکھدیا جائے۔

تُمْلٰی : تُملٰی کے بعد علٰی کا صلہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ تُلقٰی علیہ یا تُقرأ علیہ کے مضمون پر متضمن ہے اس وجہ سے اس کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ یہ اسکو لکھواتے جاتے ہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ اس کو لکھکر تعلیم کئے جاتے ہیں۔ یہاں یہ دوسرے معنی میں ہے اس لئے کہ قریش کو معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی ہیں، آپ لکھنا نہیں جانتے (تدبر) تُملٰی کی اصل تُملَلُ ہے آخری لام کو یار سے تبدیل کیا گیا ہے (قرطبی)

اَلْاَسْوَاقُ : وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ: اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ سُوْقٌ ، بازار منڈی، خرید وفروخت کی جگہ اسکی جمع اَسْوَاقٌ ہے

تَغَیُّظًا : سَمِعُوْا لَھَا تَغَیُّظًا وَّزَفِیْرًا الغیظ کے معنی سخت غصہ کے ہیں یعنی وہ حرارت جوانسان اپنے دل کے دوران خون کے تیز ہونے سے محسوس کرتا ہے۔ اور تغیظ کے معنی اظہار غصہ کے ہیں۔ جو بھی ایسی آواز کیساتھ ہوتا ہے جو سنائی دے۔ یہ تفعُّلٌ کے وزن پر مصدر ہے۔ بعض اہل زبان کا قول ہے کہ غیظ کے اندر غضب کی نسبت زیادہ شدت پائی جاتی ہے۔ اور تغیُّظٌ غصہ ہونا، الغیظ: الغضب ، وقیل ھو اشدّ من الغضب والتَّغَیُّظُ: الاغتیاظ (لسان) وفی مفردات الراغب الغیظ اشدّ الغضب والتَّغَیُّظُ ھو اظھار الغضب (روح)

زَفِیْرًا : زَفِیْرٌ: چیخنا۔ دھاڑنا۔ یہ زَفَرَ یَزْفِرُ کا مصدر ہے ابن عباس سے منقول ہے کہ زفیرٌ زور کی آواز ہے اور شَھِیْقٌ پست تفصیل اس کی گزر چکی ہے۔

ثُبُوْرًا : دَعَوْا ھُنَالِکَ ثُبُوْرًا :

ثبور کے معنی یہاں موت اور ہلاکت کے ہیں یعنی یہ عذاب دوزخ میں مبتلا ہونیکے بعد موت کی دہائی دیں گے۔ اس لئے کہ اس عذاب سے نجات کی واحد صورت انکو یہی نظر آئے گی کہ موت آئے اور انکی زندگی کا خاتمہ کر دے۔ لیکن وہاں موت بھی ان بدنصیبوں کو نہیں آئے گی۔ قرآن پاک میں یہ تو تصریح ہے کہ موت کا سا عذاب ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہوگا، یَأْتِیْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ ان کو ہر طرف سے موت آئے گی لیکن وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ، وہ مریگا نہیں، وہاں انسان کو اس کا بھی احساس ہوگا کہ موت کتنی بڑی نعمت ہے جو انسان کو بے پناہ مصائب و آلام سے نجات دلاتی ہے لیکن موت مؤمن کے لئے باعث رحمت ہے کافر تو موت کے بعد دائمی عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

ثَبَرَ ثُبُوْرًا: ہلاک ہونا اور ثَابَرَ عَلَى الْاَمْرِ کے معنی ہیں کسی کام پر مداومت کرنا، حدیث میں ہے مَنْ ثَابَرَ عَلٰى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنَ السُّنَّةِ۔ جو شخص ہر روز بارہ سنتوں پر مداومت کرے۔

بُوْرًا: وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا: اور یہ تھے لوگ تباہ ہونے والے (ترجمہ محمود الحسنؒ)

بُوْرٌ، یہ اسم مصدر ہے، واحد جمع مذکر مؤنث سب کے لئے استعمال ہوتا ہے اسکے معنی شور اور بنجر زمین کے بھی ہیں۔ بَارَتِ الْاَرْضُ زمین کا بے کاشت رہنا۔ البَائِرُ: بے کاشت کی زمین۔ اور فاسد اور ناکارہ آدمی کے بھی آتے ہیں۔ یہاں یہ قوم کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہلاک ہونیوالی قوم کے ہیں۔ اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ بُوْرٌ بَائِرٌ کی جمع ہے۔ کہتے ہیں حَائِرٌ بَائِرٌ یعنی نہ کسی مرشد کی اطاعت کرتا ہے اور نہ کسی چیز کی طرف توجہ دیتا ہے، یہ بَوَارٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہلاک ہونے کے ہیں۔ شہر بن خوشب کہتے ہیں کہ البوار کے معنی فساد اور کساد بازاری کے ہیں اور یہ بَارَتِ السِّلْعَةُ سے ماخوذ ہے۔ جسکے معنی ہیں بازار کا مندا پڑجانا، اسی سے ایک حدیث ہے نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ بَوَارِ الْاَيِّمِ ہم بے خاوند والی عورت کے نہ پوچھے جانے سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

یَرْجُوْنَ: وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا: حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ لفظ کے عام معنی کسی محبوب و مرغوب چیز کی اُمید کے آتے ہیں، اور کبھی یہ لفظ بمعنی خوف بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ابن انباری

نے کتاب الاضداد میں لکھا ہے اس جگہ بھی
یہی معنی خوف کے زیادہ واضح ہیں، یعنی وہ
لوگ جو ہمارے سامنے پیشی سے نہیں ڈرتے،
(معارف) امام قرطبی لکھتے ہیں یُرِیْدُ لَا یَخَافُوْنَ
الْبَعْثَ وَلِقَاءَ اللّٰهِ، ایک معنی لَا یَرْجُوْنَ
کے لَا یُبَالُوْنَ بھی مذکور ہیں یعنی وہ ہم سے
ملنے کی کوئی پرواہ نہیں کرتے، اسی سے ایک
شاعر کا قول ہے ؎

لَعَمْرُكَ مَا أَرْجُوْا إِذَا كُنْتُ مُسْلِمًا
عَلٰی أَيِّ جَنْبٍ كَانَ فِي اللّٰهِ مَصْرَعِي
(قرطبی)

اَلرَّجَا، اور الرَّجَاء: کنارہ اور طرف کو
کہتے ہیں۔ اس کی جمع اَرْجَاءٌ آتی ہے، قرآن پاک
میں ہے، وَالْمَلَكُ عَلٰی اَرْجَائِهَا: اس کے
کناروں پر فرشتے ہونگے، رَجَا الْبِئْرِ کنویں کا
کنارا، رَجَا السَّمَاءِ آسمان کا کنارہ، علامہ
راغب فرماتے ہیں کہ رَجَاءٌ ایسے ظن کو بھی کہتے
ہیں جس میں مسرت اور خوشی کا امکان ہو جیسا
کہ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا، اسی طرح
آیت کریمہ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ

عَتَوْا: وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيْرًا: اور
سر چڑھ رہے ہیں بڑی شرارت سے۔
عَتَا يَعْتُوْا عُتُوًّا وَعِتِيًّا: حکم عدولی کرنا
سرکشی کرنا، وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ تو انہوں
نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی۔

حِجْرًا: وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا،
اور کہیں گے کہ پناہ پناہ (ماجدی) حجر کے لفظی
معنی محفوظ جگہ اور اونٹ کے ہیں اور مَحْجُوْرًا
اس کی تاکید ہے۔

حِجْرًا مَّحْجُوْرًا: ایک محاورہ ہے یہ اس
وقت عرب میں بولا جاتا تھا جب کوئی مصیبت
سامنے ہو اس سے بچنے کے لئے لوگوں سے کہتے
تھے کہ پناہ ہے پناہ ہے، یعنی ہمیں اس
مصیبت سے پناہ دو اور بچاؤ تو قیامت
کے روز جب کفار فرشتوں کو سامان عذاب
لاتا ہوا دیکھیں گے دنیا کی عادت کیمطابق
یہ لفظ کہیں گے۔ اس تقدیر پر يَقُوْلُوْنَ
کے فاعل کفار ہونگے اور حِجْرًا مَّحْجُوْرًا انھیں
کا مقولہ ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ سے
اس کے ایک دوسرے معنی منقول ہیں وہ
یہ کہ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا کے معنی ہیں حرامًا محرمًا
مراد یہ ہے کہ قیامت کے روز جب یہ لوگ
فرشتوں کو عذاب کے ساتھ دیکھیں گے
اور ان سے معاف کرنے کی درخواست کریں
گے یا تمنا ظاہر کریں گے تو فرشتے انکو جواب
میں کہیں گے حِجْرًا مَّحْجُوْرًا، یعنی کافروں پر

حرام ہے یہ دونوں تفسیریں علامہ قرطبیؒ نے احکام القرآن میں ذکر کی ہیں حضرت مفتی صاحب نے معارف القرآن میں دونوں تفسیروں کو نقل فرمایا ہے۔

حِجۡرًا مَّحۡجُوۡرًا کے ایک معنی سخت پردہ اور اوٹ کے بھی آتے ہیں جیساکہ اسی سورت کی آیت ۵۳ میں ہے وَجَعَلَ بَيۡنَهُمَا بَرۡزَخًا وَّحِجۡرًا مَّحۡجُوۡرًا، اور دونوں کے درمیان ایک آڑ اور ایک مضبوط اوٹ بنادی۔ دوسرا مفہوم اس کا استعاذہ کا ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ سیبویہ کی رائے یہ ہے کہ جب استعاذہ کے معنی میں ہوتا ہے تو اسی شکل میں استعمال ہوتا ہے اور ایک فعل محذوف سے منصوب ہوتا ہے۔ جیساکہ مَعَاذَ اللهِ،

هَبَآءً : فَجَعَلۡنٰهُ هَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا :

هَبَا يَهۡبُوۡا هُبُوًّا، آہستہ چلنا،

هَبَا الۡغُبَارُ : غبار کا بلند ہونا، هَبَا الفَرَسُ گھوڑے کا بھاگ جانا۔ هَبَا کے معنی غبار کے اڑنے اور فضا میں پھیل جانے کے ہیں، اور هَبۡوَةٌ اور هَبَارٌ کے معنی غبار یا ان ذرات کے ہیں جو کمرے کے اندر روشندان سے دھوپ کی کرنیں اندر پڑنے پر اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں (راغب، قرطبی)

اَلۡهَبَاءُ وَالۡهَبۡوَةُ : التراب الدّقيق: باریک مٹی، خاک، باریک ذرات جمع اَهۡبَاءٌ آتی ہے هَبۡوَةٌ تاریکی کو بھی کہتے ہیں۔ هَابِیُ: قبر کی مٹی جو غبار کی طرح باریک ہو۔

اَلۡهَبَاءُ الۡمَنۡثُوۡرُ : شعاعُ الشمس الّذی یدخل من الکوّة، قالہٗ الحرث وَقَالَ الازھری : الهَبَاءُ مایخرج من الکوّة فی ضوء الشمس شبیه بالغبار، ان اقوال کو امام قرطبی نے نقل کیا ہے، اِهۡبَاءٌ غبار اڑانا اور تَهَبِّیٌ ہاتھ جھٹکنا، حدیث میں ہے وان حال بینکم وبینه سحابٌ اَوۡ هَبۡوَةٌ فَاَكۡمِلُوا العدّة اگر تمہارے اور چاند میں ابر یا غبار حائل ہو جائے، تو تیس دن پورے کرلو۔

صاحب لسان العرب نے ابن شمیل کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ھبار وہ مٹی جس کو ہوائیں اڑاتی ہیں اور وہ لوگوں کے چہروں کپڑوں اور جسم پر جم جاتی ہے۔ الھباء : التراب الّذی تُطَيِّرُهُ الرّيح فتراہ علیٰ وجوہ النّاس وجلودھم وثیابھم یلزق لزوقًا (لسان)

مَنۡثُوۡرًا : مَنۡثُوۡرًا : بکھرا ہوا، غیر منظوم

نَثۡرٌ مصدر سے اسم مفعول ہے نِثَارٌ و نِثَارَةٌ وہ چیز جو دسترخوان وغیرہ سے جھڑ کر

نیچے گرجاتی ہے۔ جھڑن

النَّثْرُ : ہاتھ سے کسی چیز کو پھیلانا، پراگندہ کرنا، جُدا جُدا کرکے ڈالنا، جیسا کہ دانے یا اخروٹ، بادام وغیرہ سوکھنے کیلئے پھیلائے جاتے ہیں (لِسان العرب)

مَقِیْلًا : وَاَحْسَنُ مَقِیْلًا : اور خوابگاہ میں خوب اچھے (ماجدی)

مَقِیْلٌ : جائے آرام۔ مَقِیْلٌ قیلولہ سے مشتق ہے۔ دو پہر کو آرام کرنے کی جگہ کو مقیل کہتے ہیں (معارف) لیکن لفظ مقیل یہاں اپنے عام استعمال میں آرامگاہ اور عیش گاہ کے مفہوم میں ہے۔ والمقیل : المکان الّذی یاؤن الیہ للاسترواح الیٰ ازواجھم والتمتع بمفاتھن وملامستھن (کشاف) علامہ راغب نے لکھا ہے کہ مقیل : قِلْتُ قَیْلُوْلَۃً کا مصدر بھی ہوسکتا ہے اور ظرف مکان بھی، قَالَ یقیل قیلولۃ و قَیْلًا و مقالًا و مَقِیْلًا : دو پہر کو آرام کرنا لیٹنا۔ القَائِلَۃُ دو پہر کا وقت۔ قیلولہ کے لئے نیند کا آنا ضروری نہیں، صرف دو پہر کو کھانے وغیرہ سے فارغ ہوکر لیٹ جانا کافی ہے۔ قال ابومنصور : القیلولۃُ عند العرب و المقیل : الاستراحۃُ نصفَ النھار وان لم یکن مع ذالك نوم (لِسان)

عَسِیْرٌ : وَکَانَ یَوْمًا عَلَی الْکٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا : اور ہے وہ دن منکروں پر مشکل، (ترجمہ محمود الحسنؒ) عَسِیْرٌ : سخت، مشکل، بھاری یہ عُسْرٌ سے فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے، عَسِرَ یَعْسَرُ (س) اور عَسُرَ یَعْسُرُ (ک) دونوں طرح آتا ہے (قرطبی)

یَعَضُّ : وَیَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ ، اور جس روز ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کھائے گا (ماجدی) ہاتھ کاٹنا اظہارِ ندامت اور حسرت کی تعبیر ہے (تدبر) عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب آدمی کسی کام پر نہایت پشیمان ہوتا ہے تو غیر ارادی طور پر ہاتھ کاٹنے لگتا ہے، وَذَالِكَ عِبَارَۃٌ عن الندم لما جری بہ عادۃ الناس ان یفعلوا عند ذالك (راغب) عَضٌّ کے معنی کسی چیز کو دانت سے پکڑ لینا یا کاٹنا کے ہیں۔ عَضُّوْا عَلَیْکُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ، وہ تم پر غصّہ سے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔

اَلظَّالِمُ : ظالم سے مراد یہاں اپنی جان پر ظلم ڈھانے والا ہے۔ یعنی وہ شخص جس نے رسُول صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ حجیتِ حدیث کا انکار بھی ظلم ہے۔ ظَالِمٌ ستمگار، ناانصاف ظلم، ستم، ناانصافی، ستمگاری، ظالم، شرک، گناہ، غیر کی مِلک میں تصرف کرنا، اور حد سے

گزر جانا۔

خَذُوْلًا : وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ، (آیت نمبر ۲۹) اور ہے شیطان آدمی کو وقت پر دھوکا دینے والا۔ خَذُوْلٌ وقت پر ساتھ چھوڑ دینے والا، بے وفا، غدار، خَذَلَ يَخْذُلُ خَذْلًا ، خَذَلَ فُلَانًا وَخَذَلَ عَنْهُ ، مدد چھوڑنا۔ خَذَلَتِ الْوَحْشِيَّةُ وَلَدَهَا : وحشی گائے نے اپنا بچہ چھوڑ دیا۔ وَالْخَذْلُ التَّرْكُ مِنَ الْاِعَانَةِ (قرطبی)

مَهْجُوْرًا : اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا : (انھوں نے) اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا (ماجدی) اس کے اشتقاق میں دو احتمال ہیں۔ اگر اس کو هَجْرٌ (بفتح الهاء) سے مشتق مانا جائے تو معنی ہونگے متروک جیسا کہ قرطبی نے اختیار کیا ہے، مَهْجُوْرًا : ای متروكًا (قرطبی) یعنی ان لوگوں نے قرآن پاک کو قابلِ التفات ہی نہیں سمجھا نہ اس کو قبول کیا اور نہ اس سے کوئی اثر لیا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ هُجْرٌ (بضم الهاء) سے مشتق مانا جائے۔ هُجْرٌ کے معنی ہیں بکواس۔ اس صورت میں دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ انھوں نے قرآن کو معاذ اللہ ہذیان اور بکواس سمجھا، دوسرے یہ کہ انھوں نے قرآن پاک کو خود اپنے بکواس اور ہذیان کا ہدف بنا لیا۔ کسی نے شعر کہا اور کسی نے سحر کہا اور کسی نے کہا کہ پہلے لوگوں کی کہاوتیں ہیں۔ مجاہد اور نخعی وغیرہ نے اسے هَجْرٌ بفتح الهاء بمعنی متروک سے مشتق مانا ہے (روح)

رَتَّلْنَا : وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا :

الرَّتَلُ : کسی چیز کا حسن تناسب کے ساتھ منتظم اور مرتب ہونا۔ رَجُلٌ رَتِلُ الْاَسْنَانِ آدمی جس کے دانت آبدار اور حسن ترتیب سے ہوں۔ اور ترتیل کے معنی سہولت اور حسن تناسب کے ساتھ کسی کلمہ کو ادا کرنے کے ہیں، رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا : قرآن کو ترتیل سے پڑھو۔ (راغب)

حسن قتادہ اور نخعی وغیرہم سے منقول ہے کہ ترتیل سے مراد ایک ایک آیت کر کے تلاوت کرنا ہے (جمل۔ روح)

رَتِلَ يَرْتَلُ (س) رَتَلًا صفت رَتِلٌ۔ رَتِلَ الشَّيْءُ کسی چیز کا اچھے نظام اور ترتیب سے ہونا۔ رَتَّلَ الْكَلَامَ تَرْتِيْلًا، کلام کو اچھی طرح ترتیب دینا، باب باب بنانا، خوب واضح کرنا۔ اس انداز سے کلام کرنا کہ مفہوم واضح ہو جائے۔ ثَغْرٌ رَتَلٌ : خوبصورت ہموار دانت، ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے نہ ہوں بلکہ ہر دو دانتوں کے

درمیان معمولی فاصلہ ہو (لسان)، حدیث میں ہے کَانَ یُرَتِّلُ اٰیَۃً اٰیَۃً، آپؐ ایک ایک آیت کرکے ٹھہر ٹھہر کر صاف پڑھتے تھے

تَدْمِیْرًا : فَدَمَّرْنٰھُمْ تَدْمِیْرًا : پھر دی مار ہم نے اُن کو اُکھاڑ کر (ترجمہ محمود الحسنؒ)

تَدْمِیْر کے معنی کسی چیز پر ہلاکت لاڈالنا دَمَرَ کرنا دُمُوْرًا ہلاک ہونا۔ دَمَرَ عَلَیْھِمْ بغیر اجازت کے داخل ہونا یا بُرے ارادے سے اچانک آنا۔ دَمَّرَ (تفعیل) عَلَیْھِمْ، وَدَمَّرَھُمْ ہلاک کرنا۔ دِمَارٌ ہلاکت، فنا، بربادی۔

اَلدِّمَارُ: استیصال الھلاک، دَمَرَ الْقَوْمُ یَدْمُرُوْنَ دِمَارًا: ھلکوا (لسان) رَجُلٌ دَامِرٌ : ہلاک ہونیوالا، بے خیرا

اَلرَّسّ : وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ : لغت میں رَسّ کے معنی پرانے کنویں کے ہیں اس لئے اصحاب رس کے معنی ہوئے کنویں والے، قرآن پاک نے ان کا ذکر ہلاکت بربادہونیوالی اقوام کے ساتھ کیا ہے، ان کا ذکر قرآن پاک میں صرف دو جگہ آیا ہے۔ ایک سورۂ فرقان میں اور دوسرے سورۂ قٓ میں۔ دونوں جگہ سے صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک نافرمان قوم تھی، جس کو برباد کردیا گیا۔ باقی یہ کہ انکو اصحابِ رس کیوں کہتے ہیں اسمیں اہلِ تفسیر و تاریخ کے اقوال بہت زیادہ مختلف ہیں۔ ابن جریرؒ کا خیال ہے کہ چونکہ رس کے معنی غار کے بھی آتے ہیں اس لئے یہ اصحٰب الاُخدود (گڑھوں والے) کو اصحٰب الرّس بھی کہتے ہیں لیکن یہ اس لئے صحیح نہیں کہ سورۂ قٓ میں اصحٰب الرس کا ذکر ان قوموں کے ساتھ کیا گیا ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام سے قبل ہو گزری ہیں جبکہ اصحٰب الاخدود کا زمانہ حضرت مسیح سے صدیوں بعد کا ہے۔ ابن عساکر نے ان کو عاد و ثمود سے پہلے کی قوم ذکر کیا ہے۔ ابن کثیرؒ نے ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آذربیجان کے قریب ایک کنواں تھا یہ قصہ چونکہ اس سے تعلق رکھتا ہے اس لئے وہاں کے بسنے والوں کو اصحٰب الرّس کہتے ہیں۔

عکرمہ کہتے ہیں کہ اس کنویں کے قریب آباد قوم نے اپنی طرف بھیجے ہوئے نبی کو چونکہ مذکورہ کنویں میں ڈال کر ہلاک کیا تھا اس لئے ان کا نام ہوا اصحٰب الرّس، یعنی وہ لوگ اور قوم جنہوں نے پیغمبر وقت کو کنویں میں ڈال کر ہلاک کیا۔ صحیح حقیقت یہ ہے کہ اصحٰب الرّس کے حالات، تاریخ اور انکے محل وقوع کو متعین کرنا نہایت دشوار ہے۔ مفسرین اور مؤرخین اس بارے میں سخت مضطرب ہیں اور اس

سلسلہ میں جتنے قصے اور روایات منقول ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی اس درجہ مستند نہیں کہ ان کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ کیا جا سکے امام فخرالدین رازی نے آٹھ اقوال نقل کرنے کے بعد فیصلہ ابو مسلم کے قول کیمطابق یہ دیا ہے کہ یہ ایک قوم تھی جو ہلاک ہو گئی، مزید تحقیق کے لئے ارض القرآن[1] اور قصص القرآن[2] کا مطالعہ فرمایا جائے۔

مَرَجَ : هُوَالَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ

اصل میں اَلْمَرَجُ کے معنی خلط ملط کرنے اور ملا دینے کے ہیں، المروج کے معنی اختلاط کے ہیں مَرِجَ اَمْرُهُمْ : ان کا معاملہ ملتبس ہو گیا اور مَرِجَ الْخَاتَمُ فِی اَصْبَعِیْ : انگوٹھی انگلی میں ڈھیلی ہو گئی۔ صفت فاعلی مَارِجٌ آتی ہے اَمْرٌ مَرِیْجٌ : گڑبڑ اور پیچیدہ معاملہ۔ غُصْنٌ مَرِیْجٌ : باہم گتھی ہوئی شاخ (راغب) مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیَانِ : (اسنے) چلائے دو دریا ملکر چلنے والے۔ ثعلب کہتے ہیں کہ مَرَجَ کے معنی جاری کرنے کے ہیں لہٰذا مرج البحرین کے معنی ہونگے اس نے دو دریا جاری کئے، چلائے ابن عرفہ کہتے ہیں کہ مرج البحرین کے معنی ہیں اس نے دونوں دریاؤں کو ملا دیا، کہا جاتا ہے مَرَجْتُہٗ یعنی میں نے اس کو خلط کر دیا، ملا دیا ازہری کا قول ہے کہ مَرَجَ البحرین کے معنی ہیں اس نے دو دریاؤں کو آزاد اور کھلا چھوڑ دیا کہا جاتا ہے مَرَجْتُ الدَّابَّۃَ یعنی میں نے جانور کو چرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیا۔ ومَرَجَ : خلّی و خلط وارسل، قال مجاهد : ارسلهما و افاض احدهما فی الآخر (قرطبی) ومرج الدین والامر : اختلط واضطرب (قرطبی) حضرت مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ لفظ مَرَجَ آزاد چھوڑ دینے کے معنی میں آتا ہے اسی وجہ سے مَرْجٌ چراگاہ کو کہتے ہیں جہاں جانور آزادی سے چلیں پھریں اور چریں (معارف)

مولانا اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ مَرَجَ کے معنی چھوڑنے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت کی ایک عظیم نشانی کیطرف توجہ دلائی کہ وہی خدا ہے جو ایک طرف سے شیریں پانی کے دریا کو چھوڑ دیتا ہے اور دوسری طرف کھاری پانی کے سمندر کو۔ دونوں کی موجیں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں لیکن اسکے باوجود یہ نہیں ہوتا کہ شیریں پانی کھاری بنجائے یا کھاری پانی

---

[1] مؤلفہ سید سلیمان ندوی [2] مؤلفہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی

شیریں بلکہ دونوں اپنی اپنی حدود کے اندر اپنی مزاجی خصوصیات باقی رکھتے ہیں (تدبر)

اَمْرَجَ اور مَرَجَ دونوں کے ایک معنی ہیں، اہلِ حجاز مَرَجَ بولتے ہیں اور نجد والے اَمْرَجَ، دونوں کا مفہوم ایک ہے۔

قال الاخفش : یقول قوم امرج البحرین مثل مَرَجَ ، فَعَلَ و اَفْعَلَ بمعنی (قرطبی)

عَذْبٌ : هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ : (آیت نمبر ۵۳)

عَذْبٌ : میٹھے پانی کو کہتے ہیں (معارف)

مَاءٌ عَذْبٌ ، خوشگوار اور ٹھنڈا پانی

اَعْذَبَ الْقَوْمُ : لوگوں کو شیریں پانی ملنے لگا، عَذُبَ (ک) عَذُوْبَۃً : عَذُبَ الشراب، میٹھا اور خوشگوار ہونا۔ اَعْذَبَ اللّٰہُ الماءَ : اللہ نے پانی میٹھا کر دیا اور اِسْتَعْذَبَ الشَّئَ : کسی چیز کو میٹھا پانا، کہتے ہیں خَرَجَ لِیَسْتَعْذِبَ الماءَ : میٹھا پانی لانے کے لئے چلا۔ بعض اہلِ لغت نے لکھا ہے کہ اصل میں عَذْبٌ کے معنی رد کرنے کے ہیں۔ چنانچہ عَذَبْتُہٗ عَنْہُ کے معنی ہیں میں نے اس کو اس سے روک دیا۔ تو شیریں پانی کو بھی عذبٌ اسی بناء پر کہتے ہیں کہ پیاس کو روک دیتا ہے لفظ عذاب بھی جو سزا اور تکلیف کے معنی میں آتا ہے اسی سے ماخوذ ہے۔ چونکہ عذاب سزا یافتہ کو دوبارہ جرم کے ارتکاب سے روک دیتا ہے بلکہ اوروں کو بھی اس کا عذاب جرم سے روک دیتا ہے

العذب من الشراب والطعام : کل مستساغ والعذب : الماء الطيب (لسان)

عَذَبٌ : پیاس کی شدت سے کھانا چھوڑ دینا (منجد)

فُرَاتٌ : فُرَاتٌ : خوش ذائقہ، خوشگوار (معارف) علامہ راغب نے لکھا ہے کہ الفرات کے معنی شیریں یا نہایت شیریں پانی کے ہیں، اور یہ واحد اور جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن پاک کی ایک اور آیت ہے، وَاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا : اور ہم نے تم کو میٹھا پانی پلایا۔ صاحبِ کشاف نے بھی تقریباً یہی لکھا ہے۔ وَالْفُرَاتُ : البليغ العذوبة حتى يضرب الى الحلاوة (کشاف) اور یہ واحد اور جمع دونوں کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ مَاءٌ فُرَاتٌ وَمِيَاهٌ فُرَاتٌ ، فُرات کے معنی خوشگوار اور شیریں ہونے کے اسی وقت ہوتے ہیں جب یہ کَرُمَ کے باب سے ہو، فَرُتَ الْمَاءُ فُرُوْتَةً : پانی شیریں ہو گیا۔ اور اگر سَمِعَ سے ہو تو پھر اس کے معنی ضعیف العقل ہونے کے ہوتے ہیں اور مصدر فَرَتًا آتا ہے۔ اور اگر باب نَصَرَ سے آئے تو اس کے معنی بدکاری کے ہوتے ہیں، فَرَتَ یَفْرُتُ فَرْتًا

بدکار ہونا۔ الفُرَاتُ : اَشَدُّ الْمَاءِ عُذُوْبَۃً وَقَدْ فَرُتَ الْمَاءُ یَفْرُتُ فُرُوْتَۃً اِذَا عَذُبَ فَھُوَ فُرَاتٌ ، وقال ابن الاعرابی فَرِتَ الرَّجُلُ بکسر الرّاء اذا ضَعُفَ عقلہٗ بعد مُسْکَۃٍ[۱] (لسان)

علامہ بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ فُرات، فُعَال کے وزن پر ہے اور یہ فَرْتَۃٌ سے مشتق ہے جو اصل میں رَفْتَۃٌ سے مقلوب ہے جس کے معنی توڑنے کے ہیں۔ رَفَتَ الشَّیَٔ کے معنی ہیں کسی چیز کو توڑ دینا چونکہ شیریں پانی پیاس کو توڑتا اور اسکا قلع قمع کرتا ہے اس لئے اس کو فُرَاتٌ کہا جاتا ہے (روح) بعض نے الفُرات کے معنی البَارِدُ (ٹھنڈا) بھی بیان کئے ہیں۔

مِلْحٌ : مِلْحٌ اُجَاجٌ : مِلْحٌ : نمک مذکر و مؤنث میں یکساں ہے۔ مَلُحَ المَاءُ، پانی کا کھاری ہونا، مَاءٌ مِلْحٌ و اَمْوَاہٌ مِلْحٌ مَلَحَ الطعام۔ کھانے میں نمک ڈالنا، علامہ راغب نے لکھا ہے، مِلح اس پانی کو کہتے ہیں جو متغیر ہو کر جم جائے، اور اگر جمے نہیں صرف متغیر ہو جائے تو اس کو ماءٌ مِلحٌ کہا جاتا ہے، یعنی کھارا پانی۔

مَلَحَ الْقِدْرَ یَمْلَحُھَا وَیَمْلِحُھَا مَلْحًا وَ اَمْلَحَھَا : ہانڈی میں اندازے اور مقدار کے مطابق نمک ڈالنا اور مَلَّحَ الْقِدْرَ تَمْلِیْحًا: زیادہ نمک ڈال کر ہانڈی کو خراب کر دینا (لسان)، مفردات کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مَلَحْتُ الْقِدْرَ کے معنی اندازے اور مقدار کے مطابق نمک ڈالنے کے ہیں اور اَمْلَحْتُ الْقِدْرَ کے معنی نمک زیادہ ڈال کر ہانڈی کو فاسد کرنے کے ہیں،

مَلِیْحٌ : نمکین، خوبصورت۔

اُجَاجٌ : اُجَاجٌ، سخت کھاری اور گرم پانی، یہ اَجِیْجُ النَّارِ، شعلۂ نار یا اسکی تپش، اور حرارت، اور اَجَّجْتُھَا وَقَدْ اَجَّتْ : میں نے آگ بھڑکائی، چنانچہ وہ بھڑک اٹھی، وغیرہ محاورہ سے مشتق ہے۔ مِلْحٌ اُجَاجٌ یہ عَذْبٌ فُرَاتٌ کی نقیض اور اس کی ضد ہے۔

الاَجَّۃ وَالْاَجِیْجُ : آگ کی آواز، اَجَّتِ النَّارُ، اُس وقت کہا جاتا ہے جب شعلوں میں آواز بھی ہو (لسان)

اُجَاج : بَلِیْغ المُلُوْحَۃِ (بیضاوی) انتہائی کھاری۔ دیکھئے یاجوج ماجوج

صِھْرًا : وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ

---

[۱] مُسْکَۃ : پوری عقل، بَعْدَ مُسْکَۃٍ : عقل پوری ہونے کے بعد۔

الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَّصِهْرًا :
اور وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا
کیا پھر اس کو خاندان والا اور سسرال والا بنایا
نسب سے وہ رشتہ داری مراد ہے جو آباد
اجداد کی جانب سے ہو اور صہر سے وہ جو
شادی کی وجہ سے پیدا ہو ۔ صَاهَرَ مُصَاهَرَةً
القومَ وصَاهَرَ فِي القَوْمِ سسر بننا ،
مولانا اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ صہر
اس قرابت کو کہتے ہیں جو سسرالی رشتہ سے
وجود میں آئے (تدبر) فراء کہتے ہیں کہ نسب
وہ قرابت ہے جس سے نکاح درست نہ ہو
اور صہر وہ قرابت ہے جس سے نکاح درست ہو
زجاج اور علی بن ابی طالب کا قول بھی یہی ہے
اور صہر، صَهَرْتُ الشَّئَ سے ماخوذ ہے جس کے
معنی ہیں چیز کو خلط کرنا، قریب نزدیک کرنا
تو رشتۂ مناکحت کو صہر اسی لئے کہا جاتا ہے کہ
اس سے لوگ ایک دوسرے کے قریب
ہوتے اور ملتے ہیں (قرطبی)
الصِّهْرُ : اَلْقَرَابَةُ والصهر: حُرْمَةُ
الْخُتُوْنَةِ ، وخَتَنُ الرجلِ صِهْرُهُ وَ
الْمُتَزَوِّجُ فِيهِمْ اَصْهَارُ الْخَتَنِ ،
وَالْاَصْهَارُ اهل بيت الْمَرْاَةِ ، وَلَا
يقال لاهل بيت الرجل الا اَختان و
اهل بيت المرأة اَصْهَارٌ (لسان)
علامہ سلیمان جمل نے ابن السکیت کا قول یہ
نقل کیا ہے، شوہر کی طرف کے جو قرابتدار ہیں
اس کا بھائی، چچا وغیرہ یہ سب احما ہیں اور
عورت کی طرف کے جو رشتہ دار ہیں وہ اختان
کہلاتے ہیں اور اصہار کا لفظ دونوں طرفوں پر
بولا جاتا ہے ۔ غرض سسرالی اور دامادی رشتہ
کے جو اہل قرابت ہیں وہ سب صہر میں داخل ہیں
اور اسی لئے صہر کے معنی داماد، خسر اور بہنوئی
سب کے آتے ہیں ۔

صہر کی جمع اَصْهَارٌ اور صُهَرَاءُ ، دوسری جمع
قلیل الاستعمال ہے (لسان)

علامہ کشاف اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ مراد
یہ ہے کہ بشر کی دو قسمیں ہیں ایک ذوی نسب یعنی
مرد جن سے نسب چلتا ہے اور کہا جاتا ہے فلاں
بن فلاں اور فلانہ بنت فلاں ، اور دوسری
ذوات صہر یعنی عورتیں جن سے سسرالی رشتہ
قائم ہوتا ہے اور آیت کریمہ فَجَعَلَ مِنْهُ
الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى بھی اسی معنی
میں ہے (کشاف) نسب اس رشتہ اور قرابت
کو کہا جاتا ہے جو ماں باپ کی طرف سے ہو، اور
صہر وہ رشتہ اور تعلق ہے جو بیوی کی طرف سے
ہو جسکو عرف میں سسرال بولتے ہیں (معارف)

ظَهِيْرًا : وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا : اور کافر تو اپنے رب کا مخالف ہی ہے۔ ظَهِير کے معنی مددگار کے ہیں، اور جب اس کا صلہ عَلٰی آئے تو اس کے معنی میں حریف اور مدِّ مقابل کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے یہ فعیل بمعنی اسم فاعل صفت کا صیغہ ہے، مذکر، مؤنث، واحد، جمع سب میں یکساں استعمال ہوتا ہے اسی لئے اس کی جمع نہیں بنائی گئی کیونکہ فعیل اور فعول دونوں وزن مذکر، مؤنث واحد جمع سب میں یکساں استعمال ہوتا ہے اسی لئے اس کی جمع نہیں بنائی گئی کیونکہ فعیل اور فعول دونوں وزن مذکر مؤنث واحد، جمع میں برابر بولے جاتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں ہے اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ بلاشبہ ہم دونوں ربّ العالمین کے فرستادہ ہیں اور دوسری جگہ ارشاد ہے، وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ، اور اس کے علاوہ فرشتے بھی مددگار ہیں۔ یہاں ظہیر بمعنی ظُهَرَاء کے ہے یعنی اعوان، مددگار۔ علامہ ابن منظور افریقی نے لکھا ہے کہ یہ عرب کے اس محاورے کے مطابق ہے جس کو سیبویہ نے ذکر کیا ہے، عرب جماعت کے لئے بولتے ہیں، هُمْ صَدِيْقٌ (وہ سب دوست ہیں) هُمْ فَرِيْقٌ وہ ایک گروہ ہیں۔ علامہ راغب نے لکھا ہے یہاں ظہیر سے مراد جیسا کہ ابو عبیدہ نے کہا ہے، مَظْهُوْرٌ بِهٖ ہے یعنی پس پشت ڈالا ہوا اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کافر کی مثال اس چیز کی سی ہے جسکو بے وقعت اور حقیر سمجھ کر پس پشت ڈالدیا جائے، اور یہ ظَهَرْتُ بكذا کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں میں نے اس کو حقیر سمجھ کر پس پشت ڈال دیا اور اس کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ علامہ قرطبی نے بھی اس قول کی طرف اشارہ کیا ہے، وقيل المعنى وكان الكافر على ربه هيّنًا ذليلًا، لا قدر له ولا وزن عنده : من قول العرب : ظَهَرْتُ بِهٖ اى جعلته خلف ظهرك ولم تلتفت اليه (قرطبی)

علامہ قرطبی اور قاضی شوکانی نے ایک توجیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ رب سے مراد آیت کریمہ میں کافر کا وہ معبود ہے جس کو وہ پوجتا ہے یعنی بُت وغیرہ، اور ظہیر کے معنی غالب کے لئے جائیں۔ اب آیت کا مطلب صاف ہو گیا کہ جماد میں نہ دفع کرنے کی قوت ہے نہ نفع دینے کی بلکہ کافر خود اس پر قوی اور غالب ہے کہ جس طرف کو چاہتا ہے اس بیچارے کی

ناک موڑ دیتا ہے۔ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ الذی یعبدہ وھو الصنم قویًّا غالبًا یعمل بہٖ ما شاء کان الجماد لا قدرۃ لہ علی دفع ضرٍّ و نفعٍ (قرطبی)

امام رازی نے آیت کے تحت مختلف توجیہات بیان کی ہیں ایک یہ کہ ظہیر بمعنی مظاہر ہے جیسا کہ عَوِیْنٌ بمعنی معاون اور فعیل بمعنی مُفاعل اور معنی یہ ہیں کہ کافر خدا سے بغاوت کر کے شیطان کا معین اور مددگار بن جاتا ہے۔ دوسری توجیہ یہ کہ ظہیر سے ایک جماعت مراد ہو جیسا کہ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ میں ہے اس تفسیر پر کافر سے مراد جنس کافر ہوگا اور مطلب یہ کہ حق کو دبانے اور اسلام کو ختم کرنے میں تمام کافر ایک دوسرے کے ممد و معاون ہیں (کبیر)

والمظاھرۃ: المعاونۃ ای یعاون الشیطان علی ربّہٖ سبحانہٗ بالعداوۃ والشرک والمرادُ بالکافر الجنس (روح)

خِلْفَةً : هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً : اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن بدلتے سدلتے (معارف) خِلْفَةٌ آگے پیچھے آنے والے، یہ اصل میں مصدر ہے جو ہیئت فعل کو بتاتا ہے اور یہ خَلْفٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی پیچھے آنیکے ہیں، اور خِلْفَۃٌ کے معنی ہیں لگاتار ایک دوسرے کے پیچھے آنا۔

مجاہد کا قول ہے کہ خِلْفہ، خِلَافٌ سے مشتق ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایک کو سفید بنایا اور دوسرے کو سیاہ، اَمْرُهُمْ خِلْفَةٌ: ایک کے بعد دوسرا آنا، هُنَّ يَمْشِيْنَ خِلْفَةً، وہ سب یکے بعد دیگرے آجارہی ہیں۔ زہیر کہتا ہے ؎

بِهَا الْعِيْنُ وَالْاٰرَامُ يَمْشِيْنَ خِلْفَةً
واطلاؤھا ینھضن من کلّ مجثمٖ

ان مکانوں میں جنگلی گائے اور ہرنیاں آگے پیچھے پھرتیں اور انکے بچے ہر جگہ سے کلیلیں[1] مارتے پھرتے ہیں۔ اور اَصَابَتْهُ خِلْفَةٌ کے معنی ہیں اس کو پیچش لگ گئی ہے، بار بار آتا ہے اور جاتا ہے۔ اسی سے خلفۃ النبات ہے، ایک پتے کے بعد دوسرے پتوں کا نکلنا، ابوعبیدہ کا قول ہے کہ ہر وہ چیز جو ایک چیز کے بعد ہو وہ خلفۃٌ ہے۔ الخلفۃُ کلّ شیٔ بعد شیٔ (قرطبی)

الخلفۃُ مِنْ خَلَفَ کالرِکْبَۃِ مِنْ رَکِبَ وھی الحالۃ التی یخلف علیھا اللیل و النھار کل واحد منھما الآخر (کشاف)

خِلْفَةٌ کا مفہوم وہی ہے جو قرآن مجید کے دوسرے مقامات میں اِخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی رات اور دن کی ایک

---

[1] کلیلیں

دوسرے کے پیچھے گردش (تدبر)

خَلْفَۃً : جانشین ہونا، پہلوں کے بعد آنا، پیچھے رہ جانا۔ خَلَفٌ اور خَلْفٌ، ہر وہ شخص جو دوسرے کے بعد آئے، خَلَفٌ بفتح اللام میں مدح کا اور خَلْفٌ بسکون اللام میں ذم کا مفہوم ہوتا ہے۔ اَلخُلْفُ : وعدہ پورا نہ کرنا۔

هَوْنًا : وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا : اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں

هَوْنًا : اسم اور مصدر، نرم چال، نرم چال سے چلنا۔ هَيْنٌ۔ هَيِّنٌ۔ اَهْوَنُ : آسان، نرم

لفظ هَوْن کا مفہوم اس جگہ سکینت و وقار اور تواضع ہے کہ اکڑ کر نہ چلے قدم متکبرانہ انداز سے نہ رکھے بہت آہستہ چلنا مراد نہیں کیونکہ بلا ضرورت ہو تو سنت کیخلاف ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی جو صفت شمائل نبویہ میں منقول ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا چلنا بہت آہستہ نہیں بلکہ کسی قدر تیزی کیساتھ تھا، حدیث میں ہے کانما الارض تطوی لہ یعنی آپ ایسا چلتے تھے گویا زمین آپ کیلئے سمٹتی ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ وہ بہت آہستہ چل رہا ہے، پوچھا کیا تم بیمار ہو، اُسنے کہا نہیں، تو آپ نے اُسپر دُرّہ اُٹھایا اور حکم دیا کہ قوت کیساتھ چلا کرو (معارف/ابن کثیر)

هَوْنٌ کے معنی خاکساری اور فروتنی کے ہیں، (تدبر) هَانَ الْاَمْرُ عَلٰى فُلَانٍ، يَهُوْنُ هَوْنًا : نرم اور آسان ہونا، هُنْ عِنْدِي الْيَوْمَ : آج میرے پاس ٹھہرو اور آرام کرو، اِمْشِ عَلٰى هَوْنِكَ : اپنی رَوِش پر چل، هٰذَا الشَّيْءُ هَوْنٌ۔ یہ حقیر ہے، اَحْبِبْ حَبِيْبَكَ هَوْنًا مَّا : اپنے دوست سے درمیانی دوستی کرو، افراط سے کام نہ لو۔ محاورہ ہے اذا عزّ اخوك فهن واذا عاسر فياسره : جب تیرا بھائی اپنی عظمت جتائے تو تُو عاجزی کر اور جب وہ تجھ سے سختی کرے تو تو نرمی اور آسانی سے پیش آ، اَلْمُؤْمِنُوْنَ هَيِّنُوْنَ لَيِّنُوْنَ : مومن نرمی اور آسانی کرنے والے ہیں۔ اَلْهَوْنُ : الرفق واللين (کشاف) وَالْهَوْنُ : مصدر بمعنى اللين والرفق (روح)

غَرَامًا : اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا بیشک اس کا عذاب چمٹنے والا ہے۔ غَرَامٌ لازم ہو جانے والی اور چمٹ جانے والی چیز کو کہتے ہیں (تدبر) جو تکلیف یا مصیبت انسان کو پہنچتی ہے اسے غرامٌ کہا جاتا ہے اور یہ مُغْرَمٌ بِالنِّسَاءِ کے محاورہ سے ماخوذ ہے

جس کے معنی ہیں عورتوں کا عاشق اور اُن پر فریفتہ ہونا ۔ عرب کا ایک قدیم شاعر کہتا ہے

ویوم الجفار ویوم النّسار
کانَ عذابًا وکانَ غرامًا

جفار اور نسار کی لڑائیاں سراسر دُکھ اور تکلیف کی لڑائیاں تھیں ۔ الغُرْمُ : مفت کا تاوان وہ مالی نقصان جو کسی جنایت کا ارتکاب کیئے بغیر اُٹھانا پڑے ۔ اُغْرِمَ فُلَانٌ غَرَامَۃً کے معنی ہیں اس پر تاوان پڑ گیا ۔

اور غَرِیْمٌ ، قرض خواہ اور مقروض دونوں پر بولا جاتا ہے اس کی جمع غُرَمَاءُ آتی ہے ، وَالغَرِیمُ الّذی علیہ الدّین والّذی لہ الدّین جمیعًا والجمع ، الغُرَمَاءُ : (لسان، راغب) غُرْمٌ کا اطلاق عام طور پر ایسے قرض پر ہوتا ہے جس سے خلاصی مشکل ہو اور ایسے مقروض کو غارم کہا جاتا ہے ، حدیث میں ہے لاتحل المسالۃ اِلّا لِذِی غُرْمٍ مُفْظِعٍ سوال کی اجازت صرف اس شخص کو ہے جسکو گھبرا دینے والی احتیاج ہو یعنی سوال صرف سخت مجبوری کی حالت میں کیا جا سکتا ہے ۔

والغرامُ : اللازم من العذاب والشّرّ الدائم والبلاء والحبّ والعشق ومالا یستطاع ان یُتَفَصّٰی منہ (لسان)

غَرِمَ یَغْرَمُ غُرْمًا وَغَرَامَۃً ، غَرِمَ الدَّیْنَ قرض ادا کرنا ، اور اَغْرَمَہٗ وَغَرَّمَہٗ : قرض ادا کرنے پر مجبور کرنا ۔

اَثَامًا : وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ

اَثَامًا : اور جو کوئی کرے یہ کام وہ جا پڑا گناہ میں ، اَثَامٌ : مجازاً عذاب کو بھی کہتے ہیں ، عکرمہ اور مجاہد کا بیان ہے کہ اَثَام جہنم کی ایک وادی کا نام ہے ، عبداللہ بن عمرو سے بھی یہی منقول ہے ، (ابن کثیر) اَثَامٌ کے معنی جوہری نے نتیجہ گناہ کے لئے ہیں یہ اسی طرح کا استعمال ہے جس طرح کوئی فعل یا اسم لاتے ہیں اور مقصود اس سے اس کا ثمرہ و نتیجہ ہوتا ہے ، سَیَلْقَوْنَ غَیًّا میں بھی یہی اسلوب ملحوظ ہے ، حافظ ابن کثیر نے سُدّی سے ان ہی معنی کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ظاہر آیت سے یہ معنی زیادہ جوڑ کھاتے ہیں ، اور بعد کی آیت اس لفظ کی تفسیر ہے ، وَقَالَ السدی ، یلق اثامًا ، جَزَاءً وھٰذا اشبہ بظاھر الآیۃ وبھٰذا فسرہ بما بعدہ مبدلا منہ وھو قولہ یُضٰعَفْ لَہُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (ابن کثیر) مشہور لغوی ابن منظور نے لسان العرب میں یہی معنی بیان کئے ہیں ، لکھتے ہیں ، والاَثَامُ : جَزَاءُ الْاِثم وفی التنزیل العزیز (یَلْقَ اَثَامًا) اَرَادَ مُجَازَاۃَ

الْاَثَام یعنی العُقُوْبَۃَ ، وَالْاَثَام والِاثَامُ عُقُوْبَۃُ الاثم (لسان) لَقِیَ فلانٌ وَثَامَ ذالک، فلاں کو اس کا بدلہ مل گیا - سیبویہ اور خلیل نے بھی اثام کے معنی گناہ کے بدلہ ہی کئے ہیں (لسان)، منجد نے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں وَالاثام فی کلام العرب العقاب (قرطبی) والاثام : جزاءُ الاِثم : بوزن الوبالِ و النکال (کشاف) والمراد ھھُنا ، جزاء الاثام فاُطلِق اسم الشئ علیٰ جزائِہٖ (کبیر)

اَلزُّوْر : وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے ، الزّور کے معنی کذب اور میلان عن الحق کے ہیں (راغب) ، یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ سے مراد ناجائز مجمع میں حاضری لی گئی ہے ، ای حضور مواضع الکذب (کبیر) ویحتمل کل موضع یجری فیہ مالا ینبغی (کبیر) اور اس کے تحت مشرکوں کے جشن اور فاسقوں کے جلسے سب داخل ہیں - یدخل فیہ اعیاد المشرکین و مجامع الفساق (کبیر) وعن عکرمہ لَعِبٌ کان فی الجاھلیۃ یُسمّٰی بالزور (قرطبی) ہمارے زمانے کے میلے ٹھیلے ، مختلف بازیوں کے جمگھٹے ناچ رنگ کی محفلیں ، تھیٹر ، سنیما وغیرہ سب اسی میں داخل ہیں - دوسرے معنی جھوٹی گواہی دینے کے بھی کئے گئے ہیں - الزور : یحتمل اقامۃ الشھادۃ الباطلہ - علامہ رازی ان احتمالات کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ لفظ زُور ان تمام معانی کا محتمل ہے لیکن اس کا اکثر استعمال کذب میں ہوتا ہے (کبیر)

لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ : یعنی یہ لوگ جھوٹ اور باطل مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے اور بعض مفسرین نے یَشْهَدُوْنَ کو شہادت بمعنی گواہی کے لیا ہے اور معنی آیت کے یہ قرار دیئے ہیں کہ یہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے (معارف)

عُمْیَانًا : عُمْیَانٌ : اندھے ، کور دل ، عُمْیٌ اور عُمْیَانٌ دونوں اعمیٰ کی جمع ہیں -

غُرْفَۃ : اُولٰٓئِکَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَۃَ غرفہ کے معنی بالاخانے کے ہیں (معارف) اس کی جمع غُرَفٌ اور غُرُفَاتٌ آتی ہے - قرآن پاک میں ہے لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا (عنکبوت) اور وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ اٰمِنُوْنَ

یَعْبَؤُ : قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُکُمْ : آپ کہہ دیجئے میرا پروردگار تمہاری پرواہ ذرہ بھی نہ کریگا اگر تم عبادت نہ کروگے - (ماجدی)

مَاعَبَأْتُ بِہٖ : مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں اصل میں اَلْعِبْءُ کے معنی ثقل اور بوجھ کے ہیں

لہٰذا مَاعَبَأتُ بِہٖ کے معنی ہونگے میرے نزدیک اس کا کوئی وزن نہیں، یا میری نگاہ میں اسکی کوئی قدر نہیں۔ بعض کے نزدیک آیتِ کریمہ میں یَعْبَؤُا کا لفظ عَبَأتُ الطِّیْبَ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں، مَیں نے خوشبو کو باقی رکھا تو اس پر آیت کے معنی ہونگے کہ اگر تم اللہ کو نہ پکارتے تو اللہ تمہیں باقی نہ چھوڑتا، اور عَبَاۃُ الجَاہِلِیۃ زمانہ جاہلیت کی نخوت (راغب)

عَبَأَ (ف) عَبْأً وعَبَّأَ تَعْبِئَۃً وتَعْبِیْأً عَبَأَ الْمَتَاعَ: سامان تیار کرنا لَا أَعْبَأُ بِہٖ میں اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ اَلْعِبْءُ: بوجھ گٹھڑی، بوری، جمع اَعْبَاءٌ، اَلْعَبَاءُ چوغہ اَلْمِعْبَأُ ماہواری کا چیتھڑا (منجد)

مَاعَبَأتُ بفلانٍ ای ما بالیت بہٖ ای مَاکَانَ لَہٗ عِندی وَزنٌ ولَاقدرٌ واصل یَعْبَأُ مِنَ الْعِبْءِ وھو الثقل (قرطبی) حدیث میں ہے، عَبَأَنَا النَّبِیّ صَلَّی اللہ علیہ وسلم بِبَدرٍ لَیْلاً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں ہمیں رات کو تیار کیا یعنی لشکر کو جنگ کے لئے مرتب کیا، عَبَأتُ الْجَیْشَ: میں نے لشکر کو تیار کیا،

شرح الفاظ القرآن من سورة الشعراء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بَاخِعٌ : لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ : شاید ان کے ایمان نہ لانے پر آپ جان دیدیں گے، بَخَعَ نَفْسَهٗ غم یا غصہ کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاکت تک پہنچانا، ایک شاعر نے کہا ہے ؎
اَلَا اَيُّهَا الْبَاخِعُ الْوَجْدِ نَفْسَهٗ ، اے غم کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالنے والے
بَخَعَ فُلَانٌ بِالطَّاعَةِ : فلاں نے اطاعت میں مبالغہ کیا، ڈسپلن میں انتہا کر دی۔ اور بَخَعَ الشَّاةَ بکری کو ذبح کرتے وقت گُدّی تک کاٹ دیا۔ بَخِعَ (س) بُخُوْعًا وَبَخَاعَةً بَخِعَ بِالْحَقِّ، حق کا اقرار کر لینا۔ بَاخِعٌ بَخْعٌ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، ہلاکت میں ڈالنے والا، غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالنے والا، اَرْضٌ مَبْخُوْعَةٌ : وہ زمین جسے مہلت دیے بغیر مسلسل جوتا جائے۔

اَعْنَاقٌ : فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ : پھر اُن کے اکابر عاجز اور درماندہ ہو کر اس کے سامنے جھک جائیں گے
اس آیتِ کریمہ میں اَعْنَاق سے مراد اکابر اور رؤسائے قوم ہیں۔ نحاس کہتے ہیں کہ لغت میں اعناق سے مراد رؤسا، لینا عام اور معروف ہے چنانچہ جَاءَنِيْ عُنُقٌ مِّنَ النَّاسِ کا مطلب ہے کہ لوگوں میں سے سردار میرے پاس آئے (قرطبی)

مَدَائِنُ : وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حٰشِرِيْنَ مدائن جمع ہے مدینہ کی مراد اس سے فرعون کے ممالک محروسہ ہیں۔

مِيْقَاتٌ : فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ، اَلْمِيْقَاتُ: ظرفِ زماں کسی شے کا مقررہ وقت وعدہ، جس کے لئے کوئی وقت مقرر کیا گیا ہو، اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ، بے شک فیصلے کا دن مقرر ہے۔ جمع مَوَاقِيْتُ اور ہر وہ چیز جس کے لئے عرصہ متعین کر دیا جائے مَوْقُوْتٌ کہلاتی ہے۔ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ مقررہ اوقات۔ وَقَّتُّ كَذَا، میں نے اس کے لئے

اتنا عرصہ مقرر کر دیا۔

لَاضَيْرَ : لَاضَيْرَ کے معنی حرج اور ضرر کے ہیں۔ لَاضَيْرَ کے معنی ہوئے کوئی حرج نہیں ہیں کوئی نقصان نہیں۔ ضَارَہٗ اور ضَرَّہٗ دونوں کے معنی ایک ہیں کسی کو تکلیف اور نقصان پہنچانا ضَارَ يَضِيْرُ ضَيْرًا۔ نقصان کرنا ضرر پہنچانا۔ لَاضَيْرَ وَلَاضَوْرَ وَلَاضَرَّ وَلَاضَرَرَ وَلَاضَارُوْرَةَ سب کے معنی ایک ہیں۔ اور اَلتَّضَوُّرُ، بھوک یا درد کے وقت پیچ و تاب کھانا، بیتاب ہونا، الضُّوْرَۃُ، ضاد کے پیش سے، حقیر اور کم درجہ کا آدمی، اور لَا يَنْفَعُنِيْ ذَالِكَ وَلَا يَضُوْرُنِيْ نہ مجھے اس سے کوئی نفع ہے اور نہ ہی کوئی نقصان (قرطبی)

شِرْذِمَةٌ : اِنَّ هٰؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ : یہ لوگ ایک چھوٹی سی جماعت ہیں شرذمہ، چھوٹی سی ایک جماعت جو لوگوں سے الگ ہوگئی ہو۔ امام راغب فرماتے ہیں، یہ ثَوْبٌ شراذِمُ سے ماخوذ ہے جس کے معنی پھٹے پرانے چیتھڑوں کے ہیں۔ امام قرطبی نے بھی یہ معنی بیان کئے ہیں۔ فرماتے ہیں، الشِّرْذِمة الجمع القليل المحتقر والجمع الشَّراذِمُ، وقال الجوهري: الشِّرذِمَةُ الطَّائفة مِنَ النَّاس والقطعةُ مِنَ الشَّئِ (قرطبی)

والشِّرذِمَةُ : الطائفةُ القليلة (کشاف)

اَلطَّوْدِ : فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ : تو ہوگئی ہر پھانک جیسے بڑا پہاڑ لفظ طَوْدٌ کے معنی بلند پہاڑ اور تودے کے ہیں۔ علامہ راغب کا ارشاد ہے کہ الطَّوْد کے معنی خود بڑے پہاڑ کے ہیں مگر اسکے باوجود اسکے وصف میں عظیم کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ پانی بلند پہاڑ کی طرح تھا، نہ یہ کہ ہر پہاڑ سے بلند تر تھا، اس کی جمع اطواد آتی ہے۔ شاعر کہتا ہے ؎

حَلُّوْا بِاَنْقِرَةٍ يَسِيْلُ عَلَيْهِمْ
مَاءُ الفُرَاتِ يَجِيْئُ مِنْ اطواد

الطود، الجبل (قرطبی) طَادَ يَطُوْدُ طَوْدًا کے معنی ہیں ثابت قدم رہنا، اسی ثبات قدمی کی مناسبت سے پہاڑ کو طود کہا گیا ہے۔ و الطَّوْدُ : الجبل العظيم (کشاف)

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں، ای کالجبل المنيف الثابت فی مَقَرِّہٖ وظاهر الآية ان الطود مطلق الجبل وقال فی الصحاح الطود : الجبل العظيم (روح)

اَزْلَفْنَا : وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ اور پاس پہنچا دیا ہم نے اسی جگہ دوسروں کو۔ اَزْلَفْنَا : اِزْلَافٌ سے ماضی کا صیغہ ہے

ہم نے قریب کر دیا، کنارہ پر جمع کر دیا۔ زُلْفَۃٌ قرب اور مرتبہ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّۃُ، جب جنت قریب کیجائے گی۔ اور لیلۃ المزدلفہ کو اس نام سے اس لئے پکارتے ہیں کہ حجاج اس رات عرفات سے لوٹنے کے بعد منیٰ کے قریب ہو جاتے ہیں (راغب)، اَزْلَفْنَا ہم نے ان کو سمندر کے قریب پہنچا دیا، ای قربنا هم الی البحر۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

وَكُلُّ يَوْمٍ مَّضٰى اَوْ لَيْلَةٍ سَلَفَتْ
فِيهَا النُّفُوسُ اِلَى الْاٰجَالِ تَزْدَلِفُ

ابو عبیدہ نے اس کے معنی جمع کرنے کے کئے ہیں۔ اَزْلَفْنَا: ای جَمَعْنَا، یعنی ہم نے ان کو کنارے پر اکٹھا کر لیا۔ اور لیلۃ المزدلفہ بھی اسی سے ہے۔ یعنی جمع ہونے کی رات عبداللہ بن الحرث، ابی بن کعب، اور ایک روایت میں ابن عباس نے اَزْلَفْنَا کو اَزْلَقْنَا بالقاف پڑھا ہے جس کے معنی ہلاک کرنے کے ہیں۔ اس قراءت پر معنی یہ ہونگے کہ بنی اسرائیل کو نجات اور عبور کرانے کے بعد دوسروں کو اسی جگہ ہلاک کر دیا لیکن سیاق کلام سے پہلے معنی زیادہ واضح معلوم ہوتے ہیں۔ علامہ قرطبی اور صاحب کشاف نے پہلے معنی کو ہی ترجیح دی ہے۔

اَلْحِقْنِيْ : وَاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ اَلْحِقْ، اِلْحَاقٌ سے امر کا صیغہ ہے مجھ کو ملا دے، مجھ کو شامل کر دے، اِلْحَاقٌ، ملانا، پہنچانا۔ اَلْحَقْتُ بِهٖ كَذَا، میں نے اس کو اس سے ملا دیا، اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ مجھے نیک لوگوں کے ساتھ شامل کر۔

كُبْكِبُوْا : فَكُبْكِبُوْا: كَبٌّ کے معنی ہیں کسی چیز کو منہ کے بل گرانا، كَبَّ الشَّيْءَ چیز کو الٹا کر دینا۔ كَبَّ الْاِنَاءَ كَبًّا: برتن کو اوندھا کر دینا۔ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ: اوندھے منہ، دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور كَبْكَبَةٌ: کسی چیز کو اوپر سے نیچے کیطرف لڑھکا کر گڑھے میں پھینک دینا۔ فَكُبْكِبُوْا بت پرستوں کو اوندھے منہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ كُبْكِبُوْا کی اصل كُبِّبُوْا ہے۔ ایک ہی جنس کے تین حروف جب جمع ہو گئے تو درمیانی با کو کاف سے بدل دیا تاکہ ثقل دور ہو جائے (قرطبی)

مَشْحُوْنٌ : فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ: بھری ہوئی کشتی میں، اَلشَّحْنُ: کشتی یا جہاز میں سامان لادنا، بھرنا۔ اَلشَّحْنَاءُ کینہ، عداوت، جس سے نفس پر اور بھرا ہوا ہو عَدُوٌّ مُّشَاحِنٌ: بہت سخت دشمن گویا

وہ دشمنی سے بھرا ہوا ہے۔
اَشْحَنَ لِلْبُكَاءِ : غم سے بھر کر رونے کے لئے آمادہ ہو جانا (راغب)
مَشْحُوْنٌ : مملو، بھری ہوئی۔ الشحن : کشتی کا لوگوں اور جانوروں سے بھر جانا۔ وَالْمَشْحُوْنُ المملوء، والشَّحْنُ ملء السّفينة بالناس والدّواب (قرطبی) شَحْنٌ کے معنی کسی چیز کو پُر کرنے کے ہیں (تدبر)

رِيْع : اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ : کیا بناتے ہو ہر اونچی زمین پر ایک نشان کھیلنے کو (تفسیر عثمانی)
رِيْعٌ، اس بلند زمین کو کہتے ہیں جو دُور سے نظر آئے (تدبر) اس کا واحد رِيْعَةٌ آتا ہے اور معنی ارتفاع کے لحاظ سے کنویں کی منڈیر کو رِيْعٌ کہا جاتا ہے۔ اور تَرَيَّعَ السَّحاب : بادل کا نمایاں اور ظاہر ہو جانا۔
رَاعَ يَرِيْعُ رَيْعًا وَرُيُوْعًا۔ رَاعَ الشَّيْءُ : نشوونما پانا۔ بڑھنا۔ رَاعَ مِنْهُ : ڈرنا، اور رَاعَ عَنْهُ وَاِلَيْهِ : واپس آنا۔ محاورہ ہے فُلَانٌ لَا يَرِيْعُ بِكَلَامِكَ : فلاں تمہاری بات نہیں مانتا۔ الرّيع مِنْ كُلِّ شَيْءٍ : ہر چیز کا بہتر حصہ۔ رِيْعٌ بلند ٹیلا۔ كَمْ رِيْعُ اَرْضِكَ : تمہاری زمین کی بلندی کتنی ہے، راستہ کو بھی ریع کہا جاتا ہے۔
الرِّيْعُ : مَا ارْتَفَعَ مِنَ الْاَرْضِ (قرطبی) وقال عمارة : الرِّيْعُ الجبل الواحد رِيْعَةٌ والجمع رِيَاعٌ (قرطبی)
رِيْعٌ بالکسر اور رَيْعٌ بالفتح دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ وَهُوَ الْمَكَانُ الْمُرْتَفِع (کشاف) دو پہاڑوں کے درمیانی راستہ کو بھی رِيْعٌ کہتے ہیں جیسا کہ مجاہد کا قول ہے

مَصَانِعَ : وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ، اور بناتے ہو کاریگریاں شاید تم ہمیشہ رہو۔ مَصَانِعَ یہ مَصْنَعٌ کی جمع ہے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ مصانع سے پانی کے حوض مراد ہیں لیکن حضرت مجاہد نے فرمایا کہ اس سے مضبوط محل مراد ہیں (معارف)
مَصَانع : قلعے اور گڑھیوں کے لئے بھی آتا ہے اور محلوں اور ایوانوں کے لئے بھی (تدبر) معزز اور پُر رُعب مقامات کو مصانع کہا جاتا ہے (راغب) صُنْعٌ، صِنْعٌ صَنْعَةٌ اور صِنَاعَةٌ کاریگری صَانِعٌ کاریگر جمع صُنَّاعٌ صَنِيْعَةٌ : احسان، نیکی، جمع صَنَائِعُ،
وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ : اى مَنَازِل، قاله الكلبى، وقيل : حُصُوْنًا، مُشَيَّدَةً قاله ابن عباس ومجاهد

ومنہ قول الشاعر:

تَرَكْنَا دِيَارَهُمْ مِنْهُمْ قِفَارًا
وَهَدَّمْنَا الْمَصَانِعَ وَالْبُرُوجَا (قرطبی)

خُلُقُ : إِنْ هٰذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ:

یہ تو بس اگلے لوگوں کی ایک رسم ہے (ماجدی)۔

خُلُقٌ: عادت، خصلت، خُو۔ خُلُقٌ جمع اخلاق، دین ومذہب اور کذب کو خُلُق کہا جاتا ہے، پرانے ماضی کے واقعات، احادیث الخُلُق: خرافات من گھڑت قصے۔ ابن کثیر، ابو عمر اور کسائی نے خَلْقُ الاوّلین پڑھا ہے اور باقی قراء نے خُلُقُ الاوّلین پڑھا ہے امام قرطبی فرماتے ہیں کہ جن حضرات نے خَلْق (خاء کے فتح اور لام کے سکون سے) پڑھا ہے ان کے نزدیک اس کے معنی کذب وافترا کے ہیں اور جن حضرات نے خُلُقُ الاوّلین پڑھا ہے ان کے نزدیک اسکے معنی عادت کے ہیں۔

هَضِيمٌ : وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ:

اور کھجوروں میں جن کا گابھا ملائم ہے، تحقیق سورۂ طٰہٰ میں گزر چکی ہے۔

تَنْحِتُونَ : وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فٰرِهِينَ: اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر اتراتے ہوئے مکان بناتے ہو (ماجدی)

نَحَتَ کے معنی لکڑی یا پتھر جیسی سخت چیز کو تراشنے کے ہیں تحقیق سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے

فٰرِهِينَ : فٰرِهِينَ: فَارِهٌ، ماہر چالاک، حاذق، اور فَرِهٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے، اسکی جمع فُرَّاهٌ آتی ہے فَرِهٌ کے معنی خوش ہونے، مگن ہونے، اکڑنے اور اترانے کے ہیں۔ فَرُهَ يَفْرُهُ فَرَاهَةً هُوَ فَارِهٌ فَرِهَ يَفْرَهُ فَرَهًا فهو فَرِهٌ

مُسَحَّرِينَ : قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ: مُسَحَّرٌ اور مَسْحُورٌ دونوں سَحَرٌ سے اسم مفعول کے صیغے ہیں، مگر مُسَحَّرٌ میں مَسْحُورٌ سے زیادہ مبالغہ ہے یعنی وہ آدمی جس پر سخت جادو کیا گیا ہو۔

قَالِينَ : قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ، وہ بولے میں تمہارے (بُرے) عمل سے سخت بیزار ہوں۔ قالین ضرب سے صیغہ جمع مذکر اسم فاعل ناقص ہے بمعنی دشمنی رکھنے والے۔ یہ اصل میں قَالِيِينَ تھا راميين کے قاعدے سے اس میں تعلیل کی گئی ہے۔ اس کا واحد قَالٍ ہے جو اصل میں قَالِیٌ تھا، رامیٌ کے قاعدے سے تعلیل ہو کر قَالٍ ہو گیا ہے اسکا مصدر اَلْقِلٰی ہے (بکسر القاف والالف المکسورہ) اَلْقَلَاءُ (بالفتح والمد) بھی مصدر ہے بمعنی شدید بغض و نفرت

قَلَى يَقْلِي قَلْيًا قَلَى اللَّحْمَ : گوشت پکانا
بھونا۔ قَلَّاءٌ : گوشت پکانے والا، قَلِيَ (س)
يَقْلَى قِلًى و قَلَاءً قَلِيَ الرَّجُلُ : مبغوض رکھنا
مَقْلِيٌّ : مبغوض۔

مِنَ الْقَالِيْنَ : اى مِنَ الْمُبْغِضِيْنَ
والْقَلَى البغض (قرطبی)

لفظ قالین کی تعلیل میں دو احتمال اور بھی ہیں
ایک یہ کہ باب مفاعلہ سے قَالٰى يُقَالِي ناقص
کا صیغہ جمع مؤنث حاضر معروف ہو۔ اور
قِلًى بمعنی دشمنی کرنا سے ماخوذ ہو۔
دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ اسی باب سے واحد
مؤنث (امر) حاضر معروف ہو۔ آخر میں نون
وقایہ و یائے متکلم لگ کر یار حذف ہوگئی،
اور نون وقایہ کا کسرہ وقف کے باعث گر گیا
لیکن یہ دونوں احتمال قرآن پاک میں اسلئے
نہیں چل سکتے کہ القالین معرّف باللام ہے
جو قالٍ اسم فاعل کی جمع ہے اور یہ آخری
دونوں احتمال فعل میں چل سکتے ہیں (علم الصیغہ)
اگر اس کو واوی قَلْوٌ سے مشتق مانا جائے جس
کے معنی رَمْيٌ (گرایا) کے ہیں تو قَلَتِ النَّاقَةُ
بِرَاكِبِهَا قَلْوًا (ناقہ نے سوار کو گرا دیا) و
قَلَوْتُ بِالْقُلَّةِ (میں نے گلی کو پھینکا)
وغیرہ محاورات سے مشتق ہوگا۔ اور جس چیز
سے دل بوجہ بغض یا ناپسندیدگی کی وجہ سے
نفرت کرتا ہو۔ گویا وہ اس کو نفرت کی بنا پر
پھینک رہا ہے۔ مَقْلُوٌّ کہا جائے گا، اور
اگر ناقص یائی سے مشتق ہو تو یہ قَلَيْتُ
الْبُسْرَةَ والسَّوِيْقَ عَلَى الْمِقْلَاةِ کے
محاورہ سے ماخوذ ہوگا جس کے معنی ہیں،
مِقْلَاة میں کھجور اور ستّو ڈال کر بھوننا۔

مِقْلَاةٌ : فرائی پین تلنے اور بھوننے کا برتن
والقِلَى : البغض الشديد (کشاف)
القِلَى : شدّة البغض يُقَالُ قَلَاهُ
يَقْلِيْهِ ويَقْلُوْهُ (راغب) مضارع يَقْلِي
اور يَقْلُوْ دونوں طرح آتا ہے۔

اَلْقِسْطَاس : وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ
الْمُسْتَقِيْمِ ، اور تولو سیدھی ترازو سے،
قسطاس کو بعض حضرات نے رومی لفظ قرار
دیا ہے جس کے معنی عدل و انصاف کے ہیں
بعض نے عربی لفظ قسط سے ماخوذ قرار دیا ہے
قسط کے معنی بھی انصاف کے ہیں (دونوں زبانوں
میں معنی ایک ہیں) مراد یہ ہے کہ ترازو اور
اسی طرح دوسرے ناپنے تولنے کے وسائل
کو مستقیم اور سیدھے طور پر استعمال کرو جس میں
کمی کا خطرہ نہ رہے (معارف) اور آیت کریمہ
وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ بھی اسی معنی

میں ہے۔ یہ لفظ قِسطَاسٌ، قاف کی زیر، اور
قُسطَاسٌ قاف کی پیش دونوں طرح پڑھنا
درست ہے۔

اَلْجِبِلَّةَ : وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَکُمْ
وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ : اور ڈرو اس سے
جس نے بنایا تم کو اور اگلی خلقت کو (ترجمہ عثمانی)
جِبِلَّةٌ کے معنی خلق اور خلقت کے ہیں (تدبر)
قال مجاهد، الجبلة هي الخلقة (قرطبی)
اصل میں جَبَلٌ پہاڑ کو کہا جاتا ہے جس کی
جمع اجبال اور جبال آتی ہے۔ پھر پہاڑ کی
مختلف صفات کے اعتبار سے استعارةً
ہر صفت کے مطابق اشتقاق کر لیتے ہیں،
مثلاً ثبات کے اعتبار سے کہا جاتا ہے فُلَانٌ
جَبَلٌ لَا یَتَزَحْزَحُ کہ فلاں نہ ہلنے والا پہاڑ ہے
اور جَبَلَهُ اللّٰهُ عَلٰی کَذَا کے معنی ہیں اس کی فطرت
ہی یوں ہے کہ وہ تبدیل نہیں ہو سکتی اور پہاڑ
چونکہ جسمانی ساخت کے لحاظ سے کوئی خاص
معتدل نہیں، تو اس اعتبار سے فلاں ذُو
جِبِلَّةٍ : اس کو کہا جاتا ہے جس کا جسم بھدا ہو۔
اور پہاڑ کی مضبوطی کا اعتبار کر کے مُبالغۃً
ثَوْبٌ جَیِّدُ الْجِبِلَّةِ : اس کپڑے کو کہا جاتا ہے
جو عمدہ اور مضبوط بنا ہوا ہو اور پہاڑ کی بلندی
اور رفعت سے اس کی عظمت شان اور بڑائی
مترشح ہوتی ہے تو اس اعتبار سے جَبْلٌ بڑی
جماعت کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ یٰسٓ میں ہے
وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْکُمْ جِبِلًّا کَثِیْرًا اور
اس نے تم میں سے بہت خلقت کو راہِ راست
سے ہٹا دیا تھا۔ یہاں جِبِلًّا سے مراد مخلوق کا
ایک بڑا حصہ ہے۔ اور اسی سے آیۃ کریمہ
میں جِبِلَّۃٌ سے مراد انکے وہ احوال ہیں جن پر
ان کو پیدا کیا گیا تھا، اور وہ راستے جن پر چلنے
کے وہ فطرۃً پابند تھے (راغب)
ہرویؒ کہتے ہیں کہ اَلْجِبِلَّةُ وَالْجِبْلُ وَالْجُبُلُّ
وَالْجُبْلُ مختلف لغات ہیں جن کے معنی ایک
ہی ہیں یعنی لوگوں کی بہت بڑی جماعت
وهو الجمع ذو العدد الكثير من الناس (قرطبی)

اَلْاَعْجَمِیْنَ : وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰی بَعْضِ
الْاَعْجَمِیْنَ : اور اگر ہم اتارتے اس کو
کسی اوپری زبان والے پر۔ اَعْجَمِیٌّ اور عجمی
کے درمیان فرق یہ ہے کہ عجمی کا لفظ غیر
عرب کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اعجمی غیر
فصیح کے لئے خواہ وہ عرب ہی کیوں نہ ہو،
علامہ راغب لکھتے ہیں، العجم خلاف العرب
والعجمی منسوب الیهم والاعجم من فی لسانه
عجمة عربیا کان او غیر عربی۔
صاحب قرطبی لکھتے ہیں یقال رجل اعجمی

واعجم اذا کان غیر فصیح وان کان عربیًا ورجل عجمی وان کان فصیحًا ینسب الی اصلہ۔ یعنی اگر غیر عربی فصیح بھی ہو تو اس کو فصاحت کی وجہ سے عربی نہیں کہا جائے گا بلکہ اصل کی طرف منسوب کر کے عجمی ہی کہا جائے گا۔

ذِکْرٰی : ذِکْرٰی وَمَا کُنَّا ظٰلِمِیْنَ :

ذِکْرٰی، یہ ذَکَرَ یَذْکُرُ کا مصدر ہے نصیحت کرنا، ذکر کرنا، یاد، پند، موعظت اس میں ذکر سے زیادہ مبالغہ ہے۔ کثرتِ ذکر کے لئے ذِکرٰی بولا جاتا ہے مقصور ہونے کی وجہ سے اس پر تنوین نہیں آتی، یہ منصوب ہے اور تَذْکِرَۃً کے معنی میں ہے، قرآن پاک میں ہے، وَرَحْمَۃً مِّنَّا وَذِکْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ (یہ قرآن) ہماری طرف سے رحمت اور عقل والوں کے لئے (خوب) نصیحت ہے (راغب) لسان العرب میں ہے، الذکرٰی اسم لتذکرۃ اور ذکر کا لفظ کبھی تو اس ہیئتِ نفسانیہ پر بولا جاتا ہے جسکے ذریعہ سے انسان اپنے علم کو محفوظ رکھتا ہے یہ قریباً حفظ کے ہم معنی ہے مگر حفظ کا لفظ احراز کے لحاظ سے بولا جاتا ہے اور ذکر کا لفظ استحضار کے لحاظ سے، اور کبھی ذکر کا لفظ دل یا زبان پر کسی چیز کے حاضر ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی بناء پر بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ذکر دو قسم پر ہے ایک ذکر قلبی اور دوسرا ذکر لسانی، پھر ان میں سے ہر ایک دو قسم پر ہے۔ نسیان کے بعد کسی چیز کو یاد کرنا یا بغیر نسیان کے کسی چیز کو ہمیشہ یاد رکھنا (راغب)، اور ذکر کا لفظ عزت و شرف کے لئے بھی بولا جاتا ہے، چنانچہ قرآن کی آیت وانّہٗ لَذِکْرٌ لَّکَ وَلِقَوْمِکَ میں شرف ہی مراد لیا گیا ہے۔ اسی طرح آیت وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ میں شرف ہی مراد ہے (لسان)

اَلشُّعَرَآءُ : وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُھُمُ الْغَاوٗنَ

اصل لغت میں شعر ہر اُس کلام کو کہا جاتا ہے جسمیں محض خیالی اور غیر تحقیقی مضامین بیان کئے گئے ہوں جسمیں کوئی بحر، وزن، ردیف اور قافیہ کچھ شرط نہیں۔ فن منطق میں بھی ایسے ہی مضامین کو ادلہ شعریہ اور قضایا شعریہ کہا جاتا ہے، اصطلاحی شعر و غزل میں بھی چونکہ عموماً خیالات کا ہی غلبہ ہوتا ہے اسلئے اصطلاحِ شعراء میں کلام موزون مقفّی کو شعر کہنے لگے، بعض مفسرین نے آیاتِ قرآن بَلْ ھُوَ شَاعِرٌ اَوْ مجنون، شاعر، نَتَرَبَّصُ بِہٖ وغیرہ میں شعر اصطلاحی کے معنی لیکر کہا کہ کفارِ مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وزن دار، قافیہ دار کلام

لانے والا کہتے تھے۔ لیکن بعض نے کہا ہے کہ کفار کا مقصد یہ نہ تھا، اس لئے کہ وہ شعر کے طور طریق سے واقف تھے، اور ظاہر ہے کہ قرآن اشعار کا مجموعہ نہیں اسکا قائل تو ایک عجمی بھی نہیں ہوسکتا، چہ جائیکہ فصیح و بلیغ عرب بلکہ کفار آپ کو شاعر شعر کے اصل معنی یعنی خیالی مضامین کے لحاظ سے کہتے تھے مقصد انکا دراصل آپ کو نعوذ باللہ جھوٹا کہنا تھا کیونکہ شعر بمعنی کذب بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور شاعر کاذب کو کہا جاتا ہے، اس لئے ادلہ کاذبہ کو ادلہ شعریہ کہا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جیسے موزوں اور مقفی کلام کو شعر کہتے ہیں اسی طرح ظنی اور تخمینی کلام کو بھی شعر کہتے ہیں جو اہلِ منطق کی اصطلاح ہے (معارف)

شُعَرَآءُ، شاعر کی جمع ہے جیسے جہلاء جاہل کی جمع ہے۔

اَلْغَاوٗنَ : بے راہ لوگ، بھٹک جانے والے غَاوٍ واحد ہے اصل مادہ غَیٌّ، وہ جہالت جو غلط اعتقاد پر مبنی ہو (راغب)

یَھِیْمُوْنَ : ھَامَ یَھِیْمُ کے معنی سرگرداں پھرنے کے بھی آتے ہیں اور شوریدہ عشق اور پیاسے ہونیکے بھی ہیں ھَائِمٌ سخت پیاسا آدمی اسکی جمع ھِیْمٌ آتی ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ فَشَارِبُوْنَ شُرْبَ الْھِیْمِ اور پیئے گے جیسے پئیں اونٹ تونسے ہوئے (شیخ الہند) الھائم علی وجھہ، سرگرداں پھرنیوالا اور خشک ریت بھی چونکہ پیاسے اونٹوں کی طرح پانی کو نگل لیتی ہے اسلئے خشک ریت کو بھی ھیام کہا جاتا
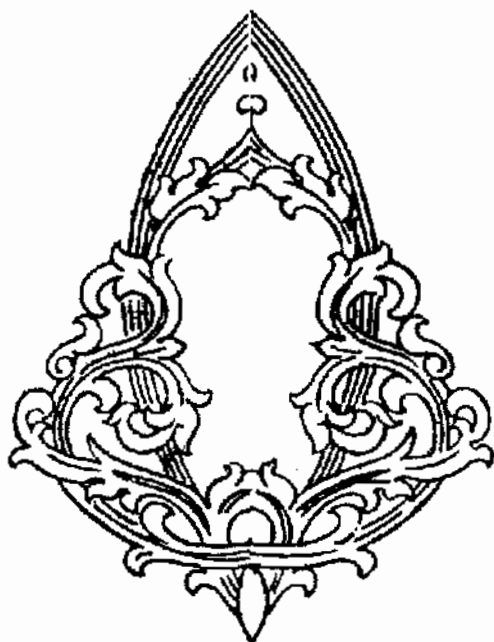
شرح الفاظ القرآن من سورۃ النمل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شِهَاب : سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ : (آیت نمبر ۷)

شِہَابٌ کے معنی بلند شعلہ کے ہیں، خواہ وہ جلتی ہوئی آگ کا ہو یا فضا میں کسی عارضہ کی وجہ سے پیدا ہو جائے (راغب) اور ہر چمکدار چیز کو بھی شہابٌ کہا جاتا ہے جیسے کواکب اور جلتی ہوئی لکڑی وغیرہ۔ والشِّهاب كُلّ ذی نورٍ نحوالکواکب والعود والموقد۔ (وقال) احمد بن يحيىٰ اصل الشهاب عود فی اَحَدِ طرفيه جمرة والاخر لا نار فيه (قرطبی) شَهَبٌ تَشْهِيبٌ اور اِشْهَابٌ، جلا ڈالنا فنا کر دینا، رنگ بدل دینا، خراب کر دینا، الشُّهْبَةُ : سفیدی جس میں کچھ سیاہی ملی ہوئی ہو، جیسا کہ انگارہ کی روشنی کے ساتھ دھواں ملا ہوتا ہے۔ جَيْشٌ اَشْهَبُ : سخت لشکر كَتِيْبَةٌ شَهْبَاءُ : مسلح لشکر، کیونکہ اس میں ہتھیاروں کی چمک سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیاہی اور سفیدی ملی ہوئی ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا اھل مکہ! اسلموا تسلموا فقد استبطنتم بِاَشْهَبَ بَازِلٍ، مکہ والو! مسلمان ہو جاؤ بچ جاؤ گے کیونکہ تم پر ایک جوان اونٹ زور آور پھینکا گیا ہے تم پر ایک بڑی مصیبت ڈالدی گئی ہے جسکا تم مقابلہ نہیں کر سکتے يَوْمٌ اَشْهَبُ مشکل دن اور سَنَةٌ شَهْبَاءُ قحط سالی، سخت سال، حضرت حلیمہ سعدیہ کا قول ہے خرجت فی سنۃٍ شہباء، میں قحط سالی کے سال گھر سے نکلی۔ شہباءُ وہ صاف زمین جس میں سبزی اور روئیدگی وغیرہ نہ ہو۔ شِهَابٌ قَبَسٌ۔ جَذْوَةٌ وہ لکڑی جس کا ایک کنارہ سلگ رہا ہو۔ اور شِہَابٌ وہ دودھ جس میں دو یا تین حصہ پانی ہو، شیر کو بھی اشہب کہتے ہیں۔ حضورؐ کے خچر کا نام بھی شہباء تھا کیونکہ اس کی سفیدی پر سیاہی غالب تھی۔ جمع شُهُبٌ۔ شُهْبَانٌ۔ شِهْبَانٌ واَشْهُبٌ۔

لے خسر

قَبَسٍ : شِهَابٍ قَبَسٍ، سُلگتا ہوا انگارہ
اَلْقَبَسُ : آگ کا شعلہ، اور اس چنگاری کو بھی قبس کہتے ہیں جو بڑے انگارے یا شعلہ سے لیجائے۔ (القَبَسُ : المتناول من الشُّعْلَة (راغب)
والقَبَسُ : اِسْمٌ لِمَا يُقْتَبَسُ مِنْ جمرةٍ وما اشبهه (قرطبی) یہ لفظ سورۂ طٰہٰ میں گزر چکا ہے۔

تَصْطَلُوْنَ : لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ : تاکہ تم تاپو، اور اصطلاء سے ہے، جسکے معنی تاپنے کے ہے۔ تصطلون میں طا ر تا ر سے تبدیل شدہ ہے کیونکہ صاد بھی حروف مطبقہ میں سے ہے، اور طا ر بھی، لہٰذا ان دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے، اِصْطَلٰى يَصْطَلِيْ۔ اِصْطِلَاءً آگ تاپنا محاورہ ہے، فلانٌ لَا يُصْطَلٰى بِنَارِهٖ، فلاں ایسا بہادر ہے کہ اسکا مقابلہ نہیں ہو سکتا، اصل مادہ صَلٰی ہے جسکے معنی آگ جلانے کے آتے ہیں، اور صَلِيَ (س) بالنّار کے معنی ہیں وہ آگ میں جلا، اسنے آگ کی تکلیف برداشت کی اصطلاءٌ باب افتعال ہے۔ اَلِاصْطِلَاءُ : افتعالٌ من صَلَا النارِ والتَّسَخُّنِ بها (لسان)

وَرِثَ : وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ : وَرِثَ سے یہاں مراد علم اور نبوّت ہے۔ وراثت مال نہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نَحْنُ مَعَاشِرَ الانبیاءِ لَا نُوْرِثُ وَلَا نُوْرَثُ۔ یعنی انبیاء وارث ہوتے ہیں نہ مُوْرِث۔ ایک اور روایت ہے جس کو ترمذی اور ابوداؤد نے ابوالدرداء سے نقل کیا۔ العلماءُ ورثة الانبیاء وان الانبیاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا ولکن ورثوا العلم فمن اخذہ اخذ بحظٍ وافرٍ، یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ لیکن انبیاء میں علم اور نبوت کی وراثت ہوتی، مال کی نہیں ہوتی۔ علامہ بغدادی نے کلبی کے حوالہ سے ایک روایت ابوعبداللہ سے نقل کی ہے جو اس مسئلہ کو اور زیادہ نکھا دیتی ہے کہ حضرت سلیمانؑ حضرت داؤد کے وارث ہوئے، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان کے وارث ہوئے اور عقلی طور پر بھی یہاں وراثت مال مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ حضرت داؤد کی وفات کے وقت آپکی اولاد میں انیس ۱۹ بیٹے تھے، اور وراثت مال مراد ہو تو یہ تمام بیٹے وارث ٹھہریں گے پھر حضرت سلیمانؑ کی وراثت میں کوئی تخصیص نہیں رہ جاتی حالانکہ قرآن پاک کا سیاق و سباق بنا رہا ہے کہ یہاں حضرت سلیمان کے کمال اور

اُن کی خاص صفت کا ذکر کرنا مقصود ہے، اس سے ثابت ہوا کہ وراثت سے مراد وہ وراثت ہے جس میں دوسرے بھائی شریک نہ تھے، بلکہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام وارث بنے اور وہ صرف علم نبوت ہی کی وراثت ہو سکتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ طبرسی کی وہ روایت قطعاً بے بنیاد ہے جس کو اُنھوں نے بعض اصطلاحی اہل بیت کے ائمہ سے نقل کیا ہے کہ اُنھوں نے اس آیت سے وراثت مالی مراد لی ہے۔ حضرت سلیمانؑ کی عمر اپنے والد کی وفات کے وقت بارہ یا تیرہ سال تھی (روح) اور حضرت داؤدؑ کی عمر اسوقت پچاس سال تھی قرطبی

کُلِّ : وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ لفظ کُلّ اصل لغت کے اعتبار سے تمام افراد جنس کو عام ہوتا ہے مگر بسا اوقات عموم کلی مراد نہیں ہوتا بلکہ کسی خاص مقصد کی حد تک عموم مراد ہوتا ہے۔ جیسا یہاں مراد ان اشیاء کا عموم ہے جن کی سلطنت وحکومت میں ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ہوائی جہاز، موٹر، ریل وغیرہ ان کے پاس نہ تھے۔

اَوْزِعْنِيْٓ : وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ ۔ وَزْعٌ سے مشتق ہے جس کے لفظی معنی روکنے کے ہیں۔ مطلب اس جگہ یہ ہے کہ مجھے اس کی توفیق دیدیجئے کہ میں شکر نعمت کو ہر وقت یاد رکھوں، اس سے کسی وقت جدا نہ رہوں جسکا حاصل مداومت اور پابندی ہے اس سے پہلی آیت میں فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ اسی معنی میں آیا ہے کہ لشکر کو کثرت کی وجہ سے انتشار سے بچانے کے لئے روکا جاتا تھا (معارف)

وَزَعْتُهٗ عَنْ كَذَا کے معنی کسی آدمی کو کسی کام سے روکدینا کے ہیں فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ میں اس طرف اشارہ ہے کہ لشکر سلیمانی کثیر التعداد ہونے کے باوجود انتشار و خلفشار سے محفوظ تھا اور باقاعدہ نظم وضبط کے ساتھ چلتا تھا۔ بعض نے یوزعون کے معنی یہ کئے ہیں کہ لشکر کا اگلا حصہ پچھلے حصہ کی خاطر رُکا رہتا تھا

تَبَسَّمَ : تَبَسَّمَ ضَاحِكًا : مسکرا کر ہنس پڑا۔ تَبَسَّمَ وہ مسکرایا۔ تَبَسُّمٌ مسکرانا بَسَمَ (ض) بَسْمًا وَتَبَسَّمَ وَابْتَسَمَ مسکرانا اَلْمَبْسَمُ: دانت۔ جمع مَبَاسِمُ۔ اَلْبَسَّامُ بہت مسکرانے والا۔ بَسَمَ يَبْسِمُ بَسْمًا وَابْتَسَمَ، وَتَبَسَّمَ : وهو اقل الضحك واحسنه

وقال اللیث بَسَمَ یَبْسِمُ بَسْمًا: اذا فتح شفتیہِ کالمُکَاشِرِ (لِسَان)

تَبَسَّمَ : اصل میں ضحک کا ابتدائی درجہ ہے اس میں آواز نہیں ہوتی۔ اور ضحک چہرہ کا خوشی سے کھِل پڑنا یہانتک کہ دانت ظاہر ہوجائیں، اور اسمیں ہلکی سی آواز بھی ہوتی ہے اور اگر آواز بلند ہوجائے کہ دوسروں کو بھی چوکنا کردے یہ قہقہہ ہے جو عامۃ الناس میں پایاجاتا ہے۔ یہ وصف انبیاء سے منفی ہے۔

التبسّم : مبادی الضحك من غیر صوت والضّحكُ انبساط الوجہ حتّٰی تظھر الاسنان من السرور مع صوت خفی (روح)

یَحْطِمَنَّ : لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمَانَ وَجُنُوْدُہٗ ۔ کہیں سلیمان اور ان کا لشکر تم کو روند نہ ڈالیں۔ الحطیم کے اصل معنی کسی چیز کو توڑنے کے ہیں جیساکہ کَسْرٌ اور ھَشْمٌ وغیرہ الفاظ ہیں۔ پھر کسی چیز کو ریزہ ریزہ کرنے اور روندنے کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا ہے چنانچہ یَحْطِمَنَّكُمْ کے معنی ہونگے وہ تمہیں کچل ڈالے گا تمہیں روند دیگا حَطَمْتُہٗ فَانْحَطَمَ میں نے اس کو توڑا تو وہ ٹوٹ گیا دوزخ کو بھی حُطَمَۃٌ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اہلِ دوزخ کی خوب توڑ پھوڑ کرتی ہے۔ الحُطَامُ وہ گھانس پھونس وغیرہ جو خشک ہوکر ریزہ ریزہ ہوجائے۔ ثُمَّ یَجْعَلُہٗ حُطَامًا: پھر اسے چورا چورا کردیتا ہے اور سَائِقٌ حُطَمٌ وہ چرواہا جو بے رحمی سے اونٹوں کو ہنکائے (مفردات)

الحطم: الکسر، حَطَمْتُہٗ حَطْمًا ای کسرتُہٗ و تَحَطَّمَ، والتحطیم، التکسیر (قرطبی) حَطِیْمٌ، بیت اللہ میں اس خالی جگہ کو کہا جاتا ہے جو میزابِ رحمت کے تلے کعبہ سے باہر چھوڑ دی گئی ہے اس کو حطیم اس لئے کہا گیا ہے کہ بیت اللہ کو توڑ کر اس جگہ کو بعض وجوہات کی بنار پر خالی چھوڑ دیا گیا ہے۔ بعض نے کچھ اور وجوہات بھی بیان کی ہیں۔ الدِّرع الحطمیّۃ۔ ایسی زرہ جو تلواروں کو توڑ دے، حدیث میں ہے اَیْنَ درعكَ الحطمیۃ تیری وہ زرہ کہاں ہے جو تلواروں کو توڑ دیتی ہے یہ آپؐ نے اسوقت حضرت علیؓ کو فرمایا جب انھوں نے کہا کہ میرے پاس تو شادی کے لئے کچھ نہیں، حقِ مہر کہاں سے دونگا، شَرُّ الرِّعاءِ الحُطَمَۃُ، بد ترین چرواہا وہ ہے جو اونٹوں پر ظلم کرتا ہے اور بدترین حاکم وہ ہے جس کے دورِ اقتدار میں مُلک کی کمر ٹوٹ جائے، رعایا پر ظلم ہو۔

تَرْضٰہُ : وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰہُ

یہاں رِضَاہُ بمعنی قبول ہے معنی یہ ہیں کہ یا اللہ مجھے ایسے عمل صالح کی توفیق دیجئے جو آپ کے نزدیک مقبول ہوں۔ (روح المعانی) میں اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ عمل صالح کے لئے لازم نہیں ہے کہ وہ مقبول ہو۔ بلکہ مقبولیت کچھ شرائط پر موقوف ہوتی ہے اور فرمایا کہ صالح اور مقبول ہونے میں نہ عقلاً کوئی لزوم ہے نہ شرعاً۔ اس لئے انبیاء علیہ السلام کی سُنت ہے کہ اپنے اعمالِ صالحہ کے مقبول ہونے کی دُعا کرتے تھے جیسے کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت دُعا کی، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا (معارف) تَرْضٰہ، تو اسکو پسند کرے تو اس سے راضی ہو

تَفَقَّدَ : وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ، اور خبر لی اُڑتے جانوروں کی۔ تَفَقَّدَ کے لفظی معنی ہیں کسی مجمع کے متعلق حاضر وغیرہ کی تحقیق کرنا اس لئے اس کا ترجمہ خبرگیری اور نگہبانی سے کیا جاتا ہے (معارف)۔ والتَّفَقُّدُ: تَطَلُّبُ مَا غَابَ عَنكَ مِن شَيْءٍ۔

الهُدْهُد : مَالِيَ لَا أَرَى الهُدْهُدَ
هُدْهُد : کیا بات ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھتا ہُدہُد ایک معروف پرندہ ہے سر پہ کلغی لئے ہوئے، جو اکثر ہندوستان کے اطراف میں موسم برسات میں اکثر دکھائی دیتا ہے ملک فلسطین میں بکثرت پایا جاتا ہے جاڑوں میں مصر اور مضافات مصر میں چلا جاتا ہے اور مارچ کے مہینہ میں پھر فلسطین آجاتا ہے اُڑان کی بڑی زبردست قوت رکھتا ہے، (حاشیہ ماجدی) جمع ہداھد

سَبَإٍ : وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ
سبا ایک قوم کا نام ہے ان کا وطن عرب میں تھا یمن کی طرف (موضح القرآن) سَبا عرب کا مشہور شہر جسکا ایک نام مآرب بھی ہے، اس کے اور یمن کے دارالحکومت صَنعا کے درمیان تین دن کی مسافت تھی (معارف) ملک سَبا عرب کے مغربی جنوبی علاقہ کو کہتے ہیں۔ تقریباً وہی ملک جہاں آج یمن واقع ہے (ماجدی) سَبا قحطانی نسل کی ایک مشہور شاخ ہے۔ یہ اپنے قبیلہ کا جدِ اعلیٰ تھا اور اسکا نام عمر یا عبدشمس تھا اور سَبا اسکا لقب تھا، یہ عرب مؤرخین اور جدید مؤرخین کی تحقیق ہے اور تورات کا بیان ہے کہ اسکا نام ہی سَبا تھا۔ یہ شخص بہت جری اور ہمت والا تھا اور اس نے زبردست فتوحات کے ذریعہ حکومت سبا کی بنیاد ڈالی۔ سبا کا زمانہ عروج محققین کے نزدیک تقریباً ۱۱۰۰ ق م

سمجھا جاتا ہے اسلئے تقریباً ۱۰۰۰ ق م اسکی حکومت وطاقت اور عروج کا ذکر داؤد علیہ السلام کی زبور میں موجود ہے، فرماتے ہیں اے خدا بادشاہ کو اپنی عدالتیں عطا کر اور بادشاہ کے بیٹے کو اپنی صداقت دے۔ وہ تیرے لوگوں میں صداقت سے حکم کرے، ترسیس اور جزیروں کے سلاطین نذریں گے۔ اور سبا اور سبا کے بادشاہ ہدیے گزاریں گے وہ جیتا رہے گا اور سبا کا سونا اُسے دیا جائے گا اس کے حق میں سدا دُعا ہوگی۔ (زبور - ۷۲ سلیمان کا زبور) چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ دُعا قبول ہوئی۔ اور تقریباً ۹۵۰ ق م میں ملکہ سبا نے حاضر ہو کر سبا کا سونا اور جواہرات نذر گزارے بلکہ مسلمان حکومتِ سبا ہی کو حضرت سلیمان کے زیر فرمان کر دیا۔ سبا کی حکومت کا اصل مرکز عرب کے جنوبی حصے یمن کے مشرقی علاقہ میں تھا اور دار الحکومت کا نام مآرب تھا۔ اس شہر کو سبا بھی کہتے تھے اور آہستہ آہستہ اسکا دائرہ وسیع ہو کر مغرب میں حضر موت تک وسیع ہو گیا تھا اور دوسری جانب افریقہ تک بھی اسکا اثر پہنچ چکا تھا چنانچہ حبشہ میں اُذنیہ کا علاقہ سبا کے ماتحت تھا جس پر معافر ایک سبائی گورنر حکومت کرتا تھا، یہ وہ زمانہ تھا کہ معین کی حکومت زوال پذیر تھی، اور سبا نے یمن اور اطراف یمن میں اپنے مشہور قلعے تعمیر کر لئے تھے اور معین کے قلعے کھنڈر کی صورت میں بدلے جا رہے تھے، سبا کی مختلف شاخیں اور عرصہ دراز کے بعد ان سے متعدد شاخوں نے یمن کو مرکز حکومت بنا کر عظیم الشان تمدّن اور حکومت کی بنیادیں قائم کر لی تھیں ان میں سے حمیر اور تابعہ مشہور حکمراں شاخیں ہیں اور ان سے قبل سبا کے حکمراں ملوک سبا کے نام سے مشہور ہیں اور ملوک سبا کا آخری دورِ حکومت ۱۱۵ ق م بتایا جاتا ہے (قصص القرآن ص ۱۳۴ ج ۲)

اَحَطْتُّ : اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ

اَحَطْتُّ - اِحَاطَةٌ سے واحد متکلم ماضی ہے، احاطۂ خبر کے معنی معلوم کر لینے ہیں، ہُدہُد یہ کہتا ہے کہ میں نے ایسی بات معلوم کی ہے جو آپ کو معلوم نہیں تھی لہٰذا میری غیر حاضری سرکاری ڈیوٹی کے طور پر تھی۔

عَرْشٌ : وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ۔

عرش کے لفظی معنی تختِ سلطنت کے ہیں حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے کہ تختِ بلقیس کا طول اسّی ہاتھ اور عرض

چالیس ہاتھ اور بلندی بیس ہاتھ تھی جس پر موتی اور یاقوت احمر، زبرجد اخضر کا کام تھا اور اس کے پائے موتیوں اور جواہرات کے تھے اور پردے ریشم اور حریر کے، اندر باہر یکے بعد دیگرے سات مقفل عمارتوں میں محفوظ تھا (معارف)

اَلْخَبْءُ : يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، جو نکالتا ہے چھپی ہوئی چیز آسمانوں میں اور زمین میں کسی چیز کے پوشیدہ اور مخفی ذخیرہ کو بھی خبائر کہا جاتا ہے۔ اسی سے جَارِيَةٌ خُبَأَةٌ طُلَعَةٌ کا محاورہ ہے وہ لڑکی جو کبھی پردہ میں چلی جائے اور کبھی باہر نکل آئے (مفردات) خَبْأٌ، مَخْبُوْءٌ کے مفہوم میں ہے یعنی زمین و آسمان کی تمام پوشیدہ چیزوں کو بے نقاب تو اللہ تعالیٰ کرتا ہے لیکن نادان لوگ غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں، آسمان کی پوشیدہ چیزوں سے یہاں اشارہ سورج، چاند، زہرہ، مشتری اور بارش وغیرہ کی طرف خاص طور سے ہے جن میں سے سورج کی پوجا سب سے بڑے دیوتا کی حیثیت سے اہل سبا کرتے تھے زمین کی پوشیدہ چیزوں سے اشارہ ان چیزوں کیطرف ہے

جو اس سے اُگتی ہیں یا برابر آمد ہوتی ہیں مثلاً درخت، نباتات، دریا، چشمے وغیرہ فرمایا کہ ان تمام چیزوں کا خالق و مالک تو اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور وہ تمہارے تمام پوشیدہ اور علانیہ سے واقف بھی ہے تو دوسری چیزوں کی بندگی کے کیا معنی (تدبر) خَبَأَ الشَّيْءَ يَخْبَؤُهٗ : چھپانا۔ اِخْتَبَأَ مِنْهُ کسی سے چھپنا۔ اور اختبأ الشئ چھپانا خَبْءٌ اور خَبِيْءٌ : پوشیدہ اور چھپائی ہوئی چیز محاورہ ہے۔ اِخْتَبَأَ لَهٗ خَبِيْئًا : اُس نے اس سے کوئی شے پوشیدہ رکھ کر اس کے بارے میں سوال کیا، خَبْءٌ۔ خَبِيْءٌ اور خَبِيْئَةٌ چھپائی ہوئی چیز، مخفی بات، حدیث میں ہے، خَبَأْتُ لَكَ خَبْأً، آپ نے ابن صیاد سے فرمایا کہ میں نے ایک بات دل میں پوشیدہ رکھی ہے، دیکھیں تو بتاتا ہے یا نہیں۔ الخباء اونٹوں کی پشم اون اور بالوں کا خیمہ، جمع اَخْبِيَةٌ الْخَبِيْئَةُ پوشیدہ رکھی ہوئی چیز جمع خَبَايَا۔ خبءُ الارض۔ زمین کی نباتات اور خبءُ السَّماء بارش۔ عرب کا محاورہ ہے، اَخْرَجَ خَبْءُ السَّمَاءِ خَبْءَ الْاَرْضِ، آسمان کی بارش نے زمین پر روئیدگی پیدا کی اور اُسکے

پودوں کو اُگایا۔ بَيْتُ الْخَابِيَة : شراب
الْخَبْأُ : ظرف، چھپنے کی جگہ۔ لسان العرب
میں ہے، خَبَأَ الشَّیْئَ يَخْبَؤُهُ خبأً : سَتَرَهُ
(لسان) الخَبْءُ : كُلُّ شَيْءٍ غَائِبٍ مَسْتُورٍ
يقال۔ خبأت الشَّيْئَ خَبْأً إِذَا أَخْفَيْتَهُ
(لسان) خَبْءٌ یہاں مصدر بمعنی اسم مفعول
ہے۔ یعنی وہ چیز جو چھپائی گئی ہو، فَالْخَبْءُ
مصدر اريدُ بِهِ اسم المفعول (روح)
وسمی المخبوءُ بالمصدر، : وهوالنبات
والمطروغيرهما مما خَبَأَهُ عَزَّوَعَلاَمن
غُيُوبِهِ (کشاف)

كَرِيْمٌ : كِتَابٌ كَرِيْمٌ : معزز خط
کریم کے لفظی معنی معزز، مکرم کے ہیں اور محاورہ
میں کسی خط کو معزز مکرم جب کہا جاتا ہے جبکہ
اس پر مہر لگائی گئی ہو اس لئے اس آیت میں
کِتَابٌ کَرِیْمٌ سے مراد ابن عباسؓ، قتادہ اور
زہیر وغیرہ کی تفسیر کے مطابق کِتَابٌ مَخْتُوْمٌ ہے
جس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام
نے اپنے خط پر مہر ثبت فرمائی تھی، نبی کریم
صلے اللہ علیہ وسلم کا دستور مبارک یہی تھا کہ
بادشاہوں کی طرف جو خطوط روانہ فرماتے اُن پر
اپنی مہر ثبت فرماتے۔ خط پر مہر لگانا مکتوب الیہ
کی تکریم کے طور پر ہوتا ہے اور خود اپنے خط کا
بھی اس میں اکرام ہوتا ہے۔

عِفْرِيْتٌ : قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ
ایک شریر جن بولا (ماجدی)
جنوں میں سے عفریت اُس جن کو کہا جاتا ہے
جو نہایت شریر اور طرار ہو۔ ابن قتیبہ نے
عفریت کے معنی قوی ہیکل کے کئے ہیں، اصل
میں عفریت کا لفظ عَفَرٌ سے ہے جسکے معنی
مٹی کے ہیں۔ اور عَافِرَة کے معنی ہیں، اُسے
پچھاڑ کر مٹی میں ملا دیا، لت پت کر دیا اور
رَجُلٌ شَرٌّ دِشِمْرٌ کی طرح رَجُلٌ عِفْرٌ بھی
کہا جاتا ہے جسکے معنی ہیں چالاک اور شریر
آدمی۔ جمہور کی قرارت تو عفریتٌ کی ہے۔
اور بعض حضرات نے جیسا کہ ابو رجاء اور عیسٰی
ثقفی نے عِفْرِيَةٌ پڑھا ہے۔ ایک حدیث
میں ہے، إِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْعِفْرِيَةَ
النِّفْرِيَةَ، اللہ تعالٰی بدکار خبیث کا
دشمن ہے۔ النفریۃ، یہ تابع بے معنی ہے
علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ شیاطین میں سے
عفریت متمرد سرکش کو کہا جاتا ہے اور عفریت
میں حرف تا زائد ہے گویا اصل میں عِفْرِیٌّ
ہے۔ اور عفریت کے معنی رئیس بھی کئے
گئے ہیں۔ یعنی جنوں میں سے ایک رئیس جن
نے کہا۔ نحاس کہتے ہیں کہ جن حضرات نے

عِفرِیَۃٌ پڑھا ہے اُن کے نزدیک جمع میں تین صورتیں جائز ہیں ۔ ایک عفاریت اور دوسری عَفَارِ ۔ چونکہ حرف تار زائد ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ طاغوت کی جمع طَوَاغِ آتی ہے اور تیسری صورت یہ بھی جائز ہے کہ جمع میں حرف تار کو حذف کرکے اس کے عوض حرف یار کو لائے، جیسا کہ عَفاری، وہب بن منبہ کا قول ہے کہ عِفرِیت کا اصل نام کودن ہے ۔ یعنی عِفرِیت وصف اور کودن علم ہے (قرطبی) عَافورٌ شدت، سختی ۔ عَفَارۃٌ خباثت اور عَفرٌ کا لفظ اشکال شبہ کے معنی میں بھی آتا ہے ۔ محاورہ ہے کلامٌ لاعفر فیہ اس کلام میں کوئی شک نہیں ۔ عَفَّرَہٗ فِی التُّرَابِ اس کو مٹی میں لٹا دیا ۔ عَفَّرتُ الانارَ فی التُّرابِ، میں نے برتن کو مٹی میں رگڑا ۔ عِفریتٌ کی مؤنث عِفرِیتَۃٌ ہے (منجد) وَالعِفریت مِن الشّیاطِینِ القویُّ المَارِدُ (قرطبی)

اَلصَّرحُ : قِیلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ : اس سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو (ماجدی) الصّرح : بلند منقش و مزین مکان ۔ ہر طرح کے عیب سے پاک ہونے کے اعتبار سے ایسے مکان اور محل کو صَرحٌ کہتے ہیں ۔ الصَّرحُ بَیتٌ عَالٍ مُزَوَّقٌ سُمّی بذالک اعتبارًا بکونہٖ صَرحًا عن الشَّوْبِ ای خالِصًا (راغب) جمع صُرُوحٌ آتی ہے ۔ والصَّرحُ ۔ بَیتٌ واحدٌ یُبنیٰ منفردًا ضخمًا طویلًا فی السَّمَا وقیل ھو القصر و قیل ھو کل بناءٍ عالٍ مرتفع والجمع صُرُوحٌ (لسان)

لُجَّۃٌ : حَسِبَتْهُ لُجَّةً ۔ اس نے اسے پانی خیال کیا ۔ لُجَّۃُ البَحرِ سمندر کی موجوں کا تلاطم ان کا بار بار آنا اور پلٹنا اور رات کی تاریکی کو بھی لُجَّۃُ اللّیل کہا جاتا ہے ۔ اس مادہ کی تحقیق سورۂ مومنون میں گزر چکی ہے دیکھئے آیت نمبر ۵ ۔

مُمَرَّدٌ : اِنَّهُ صَرْحٌ مُمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ : مُمَرَّدٌ تَمرِیدٌ سے اسم مفعول ہے ۔ اصل مادہ مَردٌ ہے ۔ چکنا صاف ۔ ہموار ۔ مَرَدَ الشَّیَٔ مَردًا کے معنی ہیں کسی چیز کو نرم کرنا ۔ صاف کرنا کسی محل کی دیواروں اور زمین کا چکنا ہونا اس کے حسن کو دوبالا کرتا ہے ۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

فِی مِجدَلٍ شُیِّدَ بُنیَانُہٗ
یَزِلُّ عَنہُ ظُفُرُ الطَّائِرِ

ایک مضبوط محل میں جس کی دیواروں پر ایسا

پلاستر کر دیا گیا ہے کہ پرندے کے پنجے اس پر پھسلتے ہیں۔ مَرَدَ البناءَ : عمارت کو ہموار د چکنا کرنا۔ لمبی کرنا۔ قَالَ ابو عبیدۃ الممرّدُ بناءٌ طویلٌ، قال ابو منصور ومنہ قولہ تعالیٰ۔ صَرحٌ مُمَرَّدٌ مِنْ قوارِیرَ (لسان)

قَوَارِيْرَ : مُمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيْرَ: جڑے ہوئے ہیں اس میں شیشے (محمود الحسنؒ)

القَارُوْرَةُ : شیشہ کو کہا جاتا ہے۔ اسی کی جمع قَوَارِيْرَ ہے (راغب) مقصود اس بیان سے یہ دکھلانا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تعمیری کمال کا یہ عالم تھا کہ ان کے اس شیش محل کو دیکھ کر ملکہ سبا جیسی صاحب تاج و تخت بھی دنگ رہ گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کمال حکمت سے ملکہ سبا پر حق واضح کیا کہ آفتاب و کواکب کی چمک دمک پر مفتون ہوکر ان کو خدا سمجھا، اسی طرح کی غلطی اور دھوکہ ہے جیسے شیشے کی چمک دیکھ کر پانی گمان کرنا۔

رَهْطٍ : وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ اور تھے اس شہر میں نو شخص کہ خرابی کرتے مُلک میں (معارف)

لفظ رھط جماعت کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں نو اشخاص میں سے ہر شخص کو رَھْط کے لفظ سے شاید اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنے مال و دولت اور جاہ و حشم کے سبب قوم کے بڑے مانے جاتے تھے اور ہر ایک کے ساتھ الگ جماعتیں تھیں اس لئے ان نو آدمیوں کو نو جماعتیں فرمایا گیا۔ یہ لوگ قوم صالح علیہ السلام کی بستی کے بڑے مانے جاتے تھے (معارف)

مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں کہ لفظ رَھْط کا ترجمہ جن حضرات نے شخص کیا ہے انہوں نے ہمارے نزدیک یہ ترجمہ غلط کیا ہے، چنانچہ اُنھوں نے خود اس کا ترجمہ یعنی تِسْعَةَ رَھْطٍ کا نو خاندان سے کیا ہے یعنی اور شہر میں نو خاندان تھے، اسمیں شک نہیں کہ لفظ رَھْط اسم جمع ہے اور اس کا اطلاق تین سے دس تک کے درمیانی عدد پر ہوتا ہے، لیکن یہاں اہلِ تفسیر کے نزدیک رَھْط اشخاص و رجال کے معنی میں ہے، چنانچہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ، ای تسعةُ رجالٍ من ابناءِ اشرافِھم اور آگے ضحاکؒ کا قول یہ نقل کیا ہے کہ کَانَ ھٰؤُلَاءِ تِسْعَةُ عُظَمَاءَ اَھْلِ المدینۃ یعنی یہ نو شخص شہر کے بڑے لوگ تھے، حافظ ابن کثیر نے تسعةُ رَھْطٍ کا ترجمہ ای تِسْعَةَ نفرٍ سے کیا ہے اور تفسیر ابن کثیر کا اُردو میں اس عبارت کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے۔ ثمودیوں کے شہر میں

نو فسادی شخص تھے (ترجمہ ابن کثیر نور محمدی)
اور مولانا عبد الحق صاحب حقانی نے بھی اسکا
ترجمہ نو اشخاص ہی کیا ہے اور علامہ محمود زمخشری
جو علوم قرآن پر گہری نظر رکھتے ہیں ایک نحوی
اشکال کیطرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ
وانما جاز تمییز التسعۃ بالرھط لانہ فی
معنی الجماعۃ، فکانہ قیل: تسعۃ انفس
(کشاف) یعنی تِسعَۃٌ کو لفظ رھط کی تمیز بنانا
اسلئے درست ہے کہ رھط جماعت کے معنی میں
ہے گویا (اصل میں یوں) کہا گیا ہے۔ تِسْعَۃٌ
اَنْفُسٍ۔ مولانا اصلاحی صاحب کے قدیم ساتھی
اور ہمعصر مفسر مولانا مودودی صاحب نے بھی
اسکا ترجمہ نو جتھے دار سے کیا ہے، چنانچہ تسعۃٌ
رَھْطٍ کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں کہ اس شہر میں نو
جتھے دار تھے اور فائدہ نمبر ۶۲ کے تحت اسکی
وضاحت اس طرح فرماتے ہیں یعنی نو سرداران
قبائل جن میں سے ہر ایک اپنے ساتھ ایک بڑا
جتھا رکھتا تھا (تفہیم القرآن ص۵۸۵ جلد ۳) یہ
بالکل وہی بات ہے جو اوپر مشہور تفسیر معارف
القرآن سے لکھی گئی ہے۔ ان متداول کتب تفسیر
کی ذکر کردہ وضاحتوں کے پیش نظر مولانا
اصلاحی صاحب کا یہ ارشاد کہ شخص کا ترجمہ
غلط ہے، محل نظر ہے البتہ امام فخر الدین
رازیؒ فرماتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ تِسعَۃُ رَھْطٍ
سے مراد تسعَۃُ جَمْعٍ لیا جائے۔ چونکہ ظاہری طور
پر رَھْطٍ کا اطلاق جماعت پر ہوتا ہے نہ کہ واحد
پر۔ صاحب تدبر کا ماخذ بھی یہی معلوم ہوتا ہے
لیکن دوسرے مفہوم کی نفی یا اس پر غلط ہونے کا
فتوی تو صاحب کبیر نے بھی نہیں دیا، اور بعض
اہل تفسیر نے تو ان نو شخصوں کے نام بھی گنوائے ہیں

مَهْلِكَ : مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ

مَهْلِكَ۔ هَلَكَ سے اسم زماں ہے اور ظرف
مکان بھی ہو سکتا ہے، مصدر میمی کا احتمال بھی ہے
ویحتمل المصدر والزمان والمکان (کشاف)
مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ: ہم انکے متعلقین
کے مارے جانے کے وقت موجود بھی نہ تھے (ماجدی)
هَلَكَ يَهْلِكُ هَلَاكًا وهُلْكًا۔ فنا و برباد ہونا
وقال القرطبی۔ وقرأ عاصم والسلمی (بفتح المیم
واللام) ای الهلاک، یقال ضرب، یضرب،
مَضْرَبًا ای ضَرْبًا وقرأ المفضل وابوبکر (بفتح
المیم وجرّ اللام) فیکون اسم المکان کالمجلس
لموضع الجلوس ویجوز ان یکون مصدرًا کقولہ
تعالی، اِلیہ مرجعکم" ای رجوعکم (قرطبی)

حَدَآئِقَ : حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ،

بارونق باغ (ماجدی) الحَدِيْقَةُ: سرسبز باغ
جسکے اردگرد چار دیواری کھچی ہوئی ہو اور کوئی

دیوار یا باڑ وغیرہ باغ کے اردگرد نہ ہو تو اُس کو بُسْتَانٌ کہتے ہیں اصل میں یہ حَدَقَۃُ العین سے ماخوذ ہے جس کے معنی آنکھ کی پتلی کے ہیں، باغ کو حدیقہ اس مناسبت سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی ہیئت و شکل میں حدقۃ العین کے مشابہ ہے کہ جس طرح وہ گھری ہوئی اور بآب وتاب اور بارونق ہوتی ہے اسی طرح سرسبز وشاداب باغ ہوتا ہے حَدَقَۃٌ کی جمع حِدَاقٌ اور اَحْدَاقٌ آتی ہے۔ حَدَقَ النَّظَرَ: کسی کی طرف گھور کر دیکھنا نظر جما کر دیکھنا۔ حَدَّقُوْا بِہٖ وَاَحْدَقُوْا۔ انھوں نے اس کے اردگرد احاطہ کرلیا۔ یہ معنی بھی حدقۃ العین کو گھانے سے لئے گئے ہیں اور بہجۃ کے معنی ہیں خوب منظر، حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ کا ترجمہ ہوگا بارونق والے، یہ ترجمہ شیخ الہندؒ کا ہے۔ الحدیقۃُ: البُستان الذی علیہ حائطٌ قال الفراء: الحدیقۃ البُستانُ المحظر علیہ حائطٌ، وان لم یکن حائطٌ فھو البستان ولیس بحدیقۃٍ (قرطبی) وقال صاحب الکشاف، الحدیقۃ: البُستانُ علیہ حائطٌ من الاحداق وھو الاحاطۃ (کشاف) وکلُّ بُستانٍ کان علیہ حائطٌ فھو حدیقۃ ومالم یکن علیہ حائط لم یَقُلْ لہٗ حدیقۃ (لسان) حَدَقَۃٌ آنکھ کے کالے پتلے کو بھی کہتے ہیں۔ صاحب لسان العرب نے بھی علامہ جوہری لغوی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حَدَقَۃُ العین: سَوَادُھَا الاعظم آنکھ کا حدقہ کالا پتلا ہے۔ بعض اہل لغت نے لکھا ہے، کہ حدیقہ کے لئے چار دیواری شرط نہیں، یعنی اگر باغ کے گرد باڑ وغیرہ نہ ہو تب بھی حدیقہ کا اطلاق اس پر ہوتا ہے گویا بُستان اور حدیقہ میں کوئی خاص مابہ الامتیاز نہیں ہے۔

جَمْعُ حَدِیقَۃٍ وھی کما فی البحر البُستان سواء احاط بہ جدار أم لا (روح)

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا حَدَائِقَ وَاَعْنَابًا (النبأ) بیشک ڈر والوں کو اُن کی مراد ملنی ہے باغ ہیں اور انگور۔ وَحَدَائِقَ غُلْبًا: اور گنجان باغ (سورۂ عبس)

بَهْجَةٍ: ذَاتَ بَهْجَةٍ۔ والبھجۃ المنظر الحسن (قرطبی) خوبصورت۔ بَهْجَۃٌ رونق تازگی خوبی و خوش رنگی، ظہور وفرحت ومسرت (لغات القرآن) بَهُجَ (ک) خوشنما اور تروتازہ ہونا بَهِیْجٌ اور بَہِجٌ دونوں صفت کے صیغے ہیں۔ خوشنما اور خوش رنگ چیز۔ قرآن پاک میں ہے، وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ۔ اور ہم نے اسمیں ہر طرح کی خوشنما چیزیں اُگائیں۔ اور اِبْتَهَجَ بِكَذَا کے معنی ہیں کسی چیز پر اس قدر خوش ہونا کہ خوشی

اور مسرت کے آثار چہرے پر ظاہر ہونے لگیں، خوش مزاج آدمی کو رَجُلٌ بَهِيجٌ کہتے ہیں ۔ البَهْجَةُ ۔ خوش کرنا ۔ بَهْجَةُ الجَنَّةِ : جنت کی بہار، باغ کی رونق ۔ بَهَجَ (ف) اور اَبْهَجَ (افعال) دونوں کے ایک ہی معنی ہیں ۔ خوش کرنا ۔ مسرور کرنا اور بَهِجَ بہ (س) خوش ہونا، اور بَهُجَ (ک) بَهَاجَةً و بهجانًا ۔ خوبصورت و خوش رنگ ہونا ۔ صفت مذکر بَهِيجٌ اور صفت مؤنث مِبْهَاجٌ : خوبصورت عورت ۔

البَهْجَةُ : الحُسْنُ : يقالُ رَجُلٌ ذُو بَهْجَةٍ البَهْجَةُ حُسْنُ لَوْنِ الشئ و نضارته وقيل هو في النبات النضارة وفي الانسان ضَحِكُ اسارير الوجه او ظهور الفرح البتة (لسان) والبَهْجَةُ : المنظر الحسن (قرطبی) ونقل القرطبی عن الفراء والبَهْجَة الزِّينَةُ والحُسْنُ يَبْهَجُ به من راٰه (قرطبی) وفی الحدیث : فاذا راٰی الجَنَّةَ و بَهْجَتَهَا جب وہ جنت اور اسکی بہار و خوبصورتی کو دیکھے گا

يَعْدِلُوْنَ : بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُوْنَ :

یہاں صیغہ یَعْدِلُوْنَ عَدَلَ يَعْدِلُ عُدُوْلًا سے ہے جسکے معنی جَارَ وَ ظَلَمَ کے ہیں یعنی ان لوگوں کے پاس اپنے معبودوں کے حق میں کوئی دلیل نہیں ہے صرف کجروی اور حق ناشناسی کیوجہ سے خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو پوجتے ہیں ۔ من العدول بمعنی الانحراف ۔ ای بل هم قومٌ عادتهم العدول عن طریق الحق بالکلیه فلذالک یفعلون ما یفعلون (روح المعانی) لفظ عدل کی تحقیق سورۂ نحل میں گزر چکی ہے ۔

حَاجِزًا : وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا

اور رکھا دو دریاؤں میں پردہ (معارف)

الحَجْزُ : کے معنی دو چیزوں کو آڑ کے ذریعہ ملنے سے روک دینے کے ہیں ۔ حَاجِزٌ ۔ پردہ، روک اوٹ ۔ يَحْجُزُ بَيْنَهُمَا : انکے درمیان حدِ فاصل قائم کردی ۔ اور آیت کریمہ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ میں حَاجِزِيْنَ اَحَدٍ کی صفت ہے، چونکہ لفظ اَحَدٍ معنیً جمع ہے ۔ اور اِحْتَجَزَ فلانٌ عَنْ کذا کے معنی کسی چیز سے رُک جانا کے ہیں ۔ حُجْزَةٌ : کمر ۔ جہاں ازار یا کمر بند باندھا جاتا ہے، حدیث میں ہے ۔ رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا اَخَذَ بِحُجْزَةِ هَادٍ فَنَجَا ۔ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جسنے ہدایت کرنیوالے کی کمر تھامی اور نجات پاگیا ۔ حاجز کی جمع حواجز آتی ہے ۔ حجاز عرب کا ایک صوبہ ہے جسمیں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ واقع ہے ۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ شام اور بادیہ کے درمیان حائل ہے ۔ نیز حجاز اُس رسی کو بھی کہتے ہیں جس سے اونٹ کے پاؤں کو باندھا جاتا ہے ۔ وَالحَجْزُ : المنعُ (قرطبی) حَاجِزًا : فاصلًا

يَمْنَعُ مِنَ الْمُمَازَجَةِ (روح) الْحَجْزُ: الفَصْلُ بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ. حَجَزَ بَيْنَهُمَا يَحْجُزُ (ن)، وَتَحْجُزُ (ض)، حَجْزًا وَحِجَازَةً فَانْحَجَزَ، وَاسْمُ مَا انْفَصَلَ بَيْنَهُمَا الْحَاجِزُ (لسان)

اِدّٰرَكَ : بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ، بلکہ تھک کر گر گیا۔ ان کا علم آخرت کے بارے میں (ترجمہ شیخ الہند) اِدّٰرَكَ: اصل میں تدارک ہے جو باقاعدہ ادغام ادّٰرَكَ ہوگیا ہے جیسا کہ تثاقل سے اِثَّاقَلَ ہوگیا ہے۔ ان حروف کی تحقیق گزر چکی ہے۔ تدارکَ القوم کے معنی ہیں قوم کے اگلے پچھلے سب ایک دوسرے کیساتھ رل گئے۔ قرآن مجید کی سورۂ اعراف آیت نمبر ۳۸ میں ہے حَتّٰی اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا۔ یہاں تک وہ سب اسمیں اکٹھے ہوجائیں گے۔ اس مقام پہ ادّارکَ کے معنی بعض مفسرین نے تکامَلَ کے لئے ہیں اور فِی الاٰخرۃ کو ادّٰرکَ سے متعلق کر کے معنی یہ کئے ہیں کہ آخرت میں اُن کا علم اس معاملہ میں مکمل ہوجائے گا کیونکہ اسوقت ہر چیز کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی مگر اسوقت علم کا حاصل ہونا ان کو نفع نہ دیگا کیونکہ دنیا میں وہ آخرت کی تکذیب کیا کرتے تھے اور بعض مفسرین نے ادّارکَ کو ضَلَّ اور غابَ کے معنی میں قرار دیکر فی الآخرۃ کو علمہم کے متعلق کیا ہے کہ آخرت کے معاملہ میں ان کا علم غائب ہوگیا یہ لوگ اسکو سمجھ نہ سکے مزید تفصیل کیلئے تفسیر قرطبی ج۱۳ ص۲۲۶ ملاحظہ فرمائیں۔

عَمُوْنَ : کوردل۔ دل کے اندھے، یہ عَمٍ کی جمع ہے۔ عَمٍ اصل میں عَمِیَ سے فَعِلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے جو کہ اصل میں عَمِیٌ ہے۔ چونکہ ناقص یائی میں صفت مشبہ کا ی حذف ہوجاتا ہے اسلئے حرف یار حذف ہوگیا ہے۔ عمون بھی اصل میں عَمِیُوْنَ تھا حرف یار التقاء الساکنین کیوجہ سے گر گیا ہے۔ واصلہ عمیونَ حُذِفَتِ الیاء لالتقاء الساکنین ولم یجز تحریکہا لثقل الحرکۃ فیہا (قرطبی) یار پر ضمہ چونکہ ثقیل تھا نقل کر کے ماقبل (میم) کو یا بعد میں یار اور واؤ میں التقاء ساکنین ہوا یار کو گرا دیا گیا۔ عمون رہ گیا۔

رَدِفَ : قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ : رَدِفَ بغیر صلہ کے بھی استعمال ہوتا ہے، اور صلہ۔ ل۔ کے ساتھ بھی، اسکے معنی ایک شے کے دوسری شے کے پیچھے لگے ہوئے ہونے کے ہیں، الرِّدْفُ ہر وہ چیز جو دوسرے کے پیچھے ہو اسی سے رِدْفُ الْمَرْاَۃِ ہے یعنی عورت کے سرین اور تَرَادُف یکے بعد دیگرے آنا۔ ایک دوسرے کی پیروی کرنا مُرْدِفٌ: سواری پر اپنے پیچھے کسی کو بٹھانے

والا۔ الترادِفُ: متأخر، پچھلا، بعد میں آنے والا۔ الرِّدافُ: سواری پر پیچھے بیٹھنے کی جگہ۔ دابۃ لاترادِفُ، سواری جو ردیف کو سوار نہ ہونے دے۔ الرَّادفۃُ: قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، پیچھے آنے والی۔ الرِّدف مَا تَبِعَ الشَّیْءَ وَکُلُّ شَیْءٍ تَبِعَ شَیْئًا فَهُوَ رِدْفُهُ (لسان)

علامہ بغدادی فرماتے ہیں کہ رَدِفَ کے معنی تَبِعَ کے ہیں اور یہاں اس سے مراد لَحِقَ اور وَصَلَ ہے۔ اور اُن افعال میں سے ہے جو بنفسہٖ بھی متعدی ہوتے ہیں اور حرف لام کے ساتھ بھی، جیساکہ نَصَحَ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ لام زائد ہے جو تاکید معنی کے لئے لایا گیا ہے بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ رَدِفَ دَنَا کے معنی کو متضمن ہے۔ اور فعل دنا حرف جر کے ساتھ متعدی ہوتا ہے یعنی (ل۔من اور الی) دَنَا کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے مندرجہ ذیل شعر میں مِن کے ذریعہ متعدی ہوا ہے۔

فَلَمَّا رَدِفْنَا مِنْ عُمَيْرٍ وَصَحْبِهٖ
تَوَلَّوْا سِرَاعًا وَالْمَنِيَّةُ تُعْنِقُ

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ سابق کلام دراصل رَدِفَ پر مکمل اور تام ہوجاتا ہے اور بَعْضُ مبتدا ہے اور لَکُمْ خبر محذوف کے متعلق ہے لیکن اس توجیہہ کو علامہ بغدادی نے بہت کمزور قرار دیا ہے (روح)

دَاخِرِیْنَ: وَكُلٌّ اَتَوْهُ دَاخِرِيْنَ:

دَخْرٌ اور دُخُوْرٌ کے معنی ذلیل ہونے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے اَدْخَرْتُہٗ فَدَخَرَ: میں نے اسکو ذلیل کیا تو وہ ذلیل ہوگیا اور صیغہ یَدَّخِرُ دَخَرَ سے نہیں ہے بلکہ اسکا اصل ذَخَرَ ہے، اور یَدَّخِرُ کی اصل یَذْتَخِرُ ہے، حرف تار کو دال سے تبدیل کیا، اور ذال کو دال بناکر دال کو دال میں مدغم کردیا۔ یَدَّخِرُ ہوگیا۔ اور سورۃ آلِ عمران کی آیت وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ میں تَدَّخِرُوْنَ باب ذَخَرَ ہے کُلٌّ اَتَوْهُ دَاخِرِيْنَ یعنی بڑے چھوٹے اور لیڈر و پیرو سب اُس دن خدا کے حضور میں نہایت ذلّت کے ساتھ حاضر ہونگے، اس ذلت سے وہی لوگ محفوظ رہ سکتے ہیں جنھیں اللہ بچائے صاحب تدبر قرآن لکھتے ہیں کہ دَاخِرِیْن کے یعنی صَاغِرِیْن کے ہیں۔

جَامِدَةً: وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ:

جَامِدَةً جُمُوْدٌ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے یعنی جمنا، ٹھہرنا۔ جَمَدَ الْمَاءُ جَمْدًا وَجُمُوْدًا۔ پانی کا جم جانا۔ جَمَدَتْ یَدُہٗ بخیل ہونا۔ جَمَادٌ جُمُوْدٌ اور

جَمِيْدٌ صفت کے صیغہ ہیں ۔ جمع جُمُدٌ ۔ اَلْجَمَدُ برف ۔ جَمَادُ الْكَفِّ : بخیل آدمی ۔ اَلْجَمَادُ : وہ چیز جو نشوونما پاتی ہو ۔ جو نامی نہ ہو ۔ عَيْنٌ جَمُوْدٌ : بے ترس نگاہ ۔ وہ آنکھ جس سے آنسو نہ بہیں ۔

اَلصُّنْعُ : صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ : یہ کاریگری اللہ کی ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے (ماجدی)

صُنْعٌ کے معنی کسی کام کو کمال مہارت کے ساتھ حد کمال تک پہنچانے کے ہیں ۔ اس لئے ہر صُنْع کو فعل کہا جاتا ہے مگر ہر فعل صُنع نہیں ہو سکتا ۔ اور پھر لفظ صُنع ذوی العقول کے لئے مخصوص ہے ۔ حیوانات کے لئے صُنع کا فعل استعمال نہیں ہوتا (راغب)

اَتْقَنَ : اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ۔

اَتْقَنَ ، اِتْقَانٌ سے مشتق ہے ۔ کسی چیز کو مضبوط اور مستحکم کرنا ۔ اَلْاِیْقَانُ : الاحکام (قرطبی) اَتْقَنَ الْاَمْرَ کام کو مضبوطی سے کرنا ۔ اَلتِّقْنُ : طبیعت ، کہا جاتا ہے اَلْفَصَاحَةُ مِنْ تِقْنِهٖ رَجُلٌ تِقْنٌ : کام کو بھروسے کے ساتھ انجام دینے والا ۔ تَتْقِيْنُ الْاَرْضِ : زمین کو غلیظ پانی دینا تاکہ اسمیں زور آجائے ۔ وَخَلَقَ الْتِّقْنَ يَوْمَ الثُّلٰثَاءِ : منگل کے دن کھانے اور جینے کا سامان پیدا کیا ۔ رَجُلٌ تِقْنٌ : حاضر جواب ، اَتْقَنَ الشَّیْءَ ۔ اَحْكَمَهٗ وَاِتْقَانُهٗ احکامہ ۔ والاتقانُ : الاحکام لِلْاَشْیَاءِ (لسان)

كُبَّتْ : فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ سو اوندھے ڈالیں ، اُن کے منہ آگ میں ۔ كُبٌّ : کے معنی کسی کو منہ کے بل گرانے کے ہیں ۔ كَبَّ الْاِنَاءَ ۔ برتن کو اوندھا کر دینا اور اَلْاِكْبَابُ : کسی چیز پر اوندھے منہ گر جانا ۔ اَكَبَّ عَلَيْهِ : کسی کو بچانے کے لئے اوندھے منہ اس پر گر پڑنا ۔ اَكَبَّ عَلَى العلم وغیرہ : پورے انہماک کے ساتھ علم وغیرہ میں مشغول ہونا ۔ كَبَّهُ اللّٰهُ : اللہ اس کو اوندھا گرا دے ۔ مُكِبٌّ اِكْبَابٌ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے ۔ قرآن پاک میں ہے ۔ اَفَمَنْ يَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰى : كَبَّ نَصَرَ سے مجرد متعدی ہے اور اَكَبَّ افعال سے لازم ہے ۔ گویا ہمزہ سلب ماخذ کا کام دے رہا ہے ۔

شرح الفاظ القرآن من سورۃ القصص

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شِیَعًا : وَجَعَلَ اَھۡلَھَا شِیَعًا : اور اس نے وہاں کے باشندوں کو طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا۔ شِیَاعٌ کے معنی منتشر ہونے، اور تقویت دینے کے آتے ہیں۔ شَاعَ الخبرُ: خبر پھیل گئی اور قوت پکڑ گئی۔ اب گویا اسکا تدارک مشکل ہے۔ شِیۡعَۃٌ : فرقہ، گروہ۔ جماعت۔ اسلام میں ایک غلط اور باطل عقائد کا حامل فرقہ ہے جو صحابہؓ کی عظمتوں کا منکر اور قرآن کو محرف مانتا ہے۔ جمع شِیَعٌ اور اشیاعٌ آتی ہے جیسا کہ وَلَقَدۡ اَھۡلَکۡنَآ اَشۡیَاعَکُمۡ، اور ہم تمہارے ہم مذہبوں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ اَشۡیَاع: ہم مذہب اور ہمخیال ٹولے۔

ھَامَانَ : وَنُرِیَ فِرۡعَوۡنَ وَھَامَانَ
ھَامَانَ کا نام یہاں پہلی مرتبہ قرآن عزیز میں فرعون کے ساتھ آ رہا ہے۔ ہامان کے متعلق قرآنِ عزیز نے کوئی تصریح نہیں کی کہ یہ کسی شخصیت کا نام ہے یا عہدہ یا منصب کا، اور اسکا عہدہ یا منصب فرعون کے دربار میں کیا تھا، اور نہ اس نے اس پر روشنی ڈالی کہ ہامان نے وہ عمارت جو فرعون نے بنانے کا اس کو حکم دیا تھا بنائی یا نہیں۔ بعض مستشرقین نے اس نام کو ہدف بنایا ہے وہ کہتے ہیں کہ مصر میں اس نام کا کوئی شخص نہیں تھا۔ اور چونکہ یہ نام موجودہ تورات میں بھی نہیں ہے اس لئے یہود و نصاریٰ نے اسکا سہارا لیکر قرآن پر غلط بیانی کا (معاذ اللہ) الزام لگایا ہے لیکن ان لوگوں کا قرآن پاک پر اعتراض خالص تعصب کی پیداوار ہے۔ کیا یہ حضرات یہ دعوی کر سکتے ہیں کہ ان کو فرعون اور اس کے تمام اعیان وزراء اور اس عہد کے تمام اکابر مصر کے ناموں کی فہرست مل گئی ہے۔ وزراء و اعیان تو درکنار یہ حضرات خود فرعون کے بارے میں متفق اللسان نہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہمعصر تھا۔

اَلۡیَمِّ : فَاَلۡقِیۡہِ فِی الۡیَمِّ۔ اَلۡیَمُّ، اسم جنس ہے۔ سمندر، اور بڑے دریا پر بولا جاتا ہے مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ لکھتے ہیں کہ یَمٌّ سے مراد یہاں مصر کا مشہور اور لمبا چوڑا دریائے نیل ہے جو اسرائیلیوں کے محلہ سے ہوتا ہوا عین شاہی محل کے دامن سے گزرتا

تھا۔ (ماجدی)

اِلْتَقَطَ: فَالْتَقَطَهٗ اٰلُ فِرْعَوْنَ:
الالتقاط، کے معنی ہیں کسی چیز کو بغیر طلب و ارادہ پانا۔ قال القرطبی والالتقاط وجود الشیٔ من غیر طلب ولا ارادۃ (قرطبی) اس لفظ کی پوری وضاحت سورۂ یوسف میں گزر چکی ہے۔

قُرَّتُ: قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ: یہ بچہ میری اور تیری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔
قَرَّتْ عَيْنُهٗ: آنکھ کا ٹھنڈا ہونا۔ مراد خوشی کا حاصل ہونا ہے۔ اور جس چیز کو دیکھ کر انسان کو خوشی حاصل ہو اسکو قُرَّةُ عَيْنٍ کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ قُرٌّ بمعنی سردی سے ہے جو سکون کو چاہتی ہے جیسا کہ اس کے برعکس حَرٌّ ہے جو حرکت کو چاہتی ہے قَرَّتْ عَيْنُهٗ کے معنی ہونگے آنکھ کے ٹھنڈا ہوکر خوشی ہو جانے کے۔ اور بعض نے کہا ہے قَرَّتْ عَيْنُهٗ کے معنی خوش ہونا اسلئے آتے ہیں کہ خوشی کے آنسو ٹھنڈے ہوتے ہیں۔

اَشُدَّ: وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰى:
اَشُدَّ کے لفظی معنی قوت و شدت کی انتہا کو پہنچنا ہیں۔ یعنی انسان بچپن کے ضعف سے تدریجاً قوت و شدت کی طرف بڑھتا ہے ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اسکے وجود میں جتنی قوت و شدت آسکتی تھی وہ پوری ہو جائے اسوقت کو اَشُدَّ کہتے ہیں اور یہ زمین کے مختلف خطوں میں قوموں کے مزاج کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ کسی کا زمانہ اشد کا جلدی آتا ہے کسی کا دیر میں، لیکن حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد سے بروایت عبد ابن حمید یہ منقول ہے کہ اَشُدَّ عمر کے تینتیس ۳۳ سال میں ہوتا ہے۔ اس کو سنِ کمال یا وقوف کہا جاتا ہے جس میں بدن کا نشو و نما ایک حد تک رک جاتا ہے، اسکے بعد چالیس سال کی عمر تک وقوف کا زمانہ ہے۔ اسی کو آیت میں اِسْتَوٰى کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چالیس کے بعد انحطاط اور کمزوری شروع ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمر کا اشد تینتیس ۳۳ سال سے شروع ہوکر چالیس سال تک رہتا ہے اسکے بعد بڑھاپے کی ابتدا ہو جاتی ہے۔

اَلْمَدِيْنَةَ: وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ
المدینہ سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک شہر مصر ہے (معارف) جو شرفاء و اعیان کا مرکز اور حکومت کا مستقر تھا، بنی اسرائیل کی حیثیت چونکہ محض غلاموں اور خدمتگاروں کی تھی اس وجہ سے اُن کی بستی اصل شہر سے

الگ بسائی گئی تھی (تدبر)

یہ بات تو کافی حد تک درست ہے کہ مصر شہر کا اصلی علاقہ عام لوگوں کے لئے علاقہ ممنوعہ تھا اور انکی آبادیاں شہر سے دُور رکھی گئی تھیں لیکن یہ کہ حضرت موسیٰ بھی ان آبادیوں میں رہتے تھے یہ بات اس لئے ذہن میں کھٹکتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں باہر تشریف لے گئے ہوئے تھے اور واپس ایسے وقت تشریف لائے جب سب سو رہے تھے اور یا پھر جیساکہ مولانا مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ شاہی بستی میں رہتے تھے اسلئے شہر میں نکلے کہنے کے بجائے شہر میں داخل ہوئے فرمایا گیا ہے۔ (تفہیم القرآن)

وَكَزَ : فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ وَكْزٌ کے معنی مکہ مارنے کے ہیں (معارف) وَكَزَ يَكِزُ (ض)، وَكْزًا ہٹانا۔ وَكَزَهُ بِالرُّمْحِ نیزہ مارنا۔ وَكَزَ الرُّمْحَ فِي الْأَرْضِ زمین پر نیزہ گاڑنا۔ وَكَزَ أَنْفَهُ ناک توڑنا (منجد) وَكْزٌ۔ لَكْزٌ۔ لَهْزٌ اور لَهْدٌ چاروں کے معنی ایک ہیں ہاتھ بند کر کے مکا مارنا۔ وَهُوَ الضَّرْبُ بِجُمْعِ الْكَفِّ مَجْمُوعًا كَعَقْدِ ثَلَاثَةٍ وَسَبْعِينَ (قرطبی)

يَسْتَصْرِخُهُ : اِسْتِصْرَاخ کے معنی ہیں چیخ کر پکارنا۔ کسی کو مدد کے لئے بُلانا۔ للکارنا اصل مادہ صَرَخَ ہے۔ يَسْتَصْرِخُهُ وہ اسکو چیخ کر بُلا رہا ہے۔ وَالْاِسْتِصْرَاخُ: الْاِسْتِغَاثَةُ وَهُوَ مِنَ الصُّرَاخِ، وَذٰلِكَ لِأَنَّ الْمُسْتَغِيثَ يَصْرُخُ وَيُصَوِّتُ فِي طَلَبِ الْغَوْثِ (قرطبی) صَرَخَ لَهُ: نَادَاهُ (منجد)

يَأْتَمِرُونَ : يَأْتَمِرُونَ بِكَ: آپ کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں۔ الْاِئْتِمَار: کے اصل معنی حکم بجالانے کے ہیں کیونکہ مشورہ میں بھی ایک دوسرے کے حکم کو قبول کیا جاتا ہے،

تَذُودَانِ : وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ : اور ان لوگوں سے ایک طرف دیکھیں دو عورتیں کہ اپنے جانوروں کو روکے کھڑی ہیں ذُدْتُهُ عَنْ كَذَا کے معنی کسی چیز سے دفع کرنے کے ہیں اور ذَوْدٌ دس اونٹوں کی جماعت کو کہا جاتا ہے۔ یہاں بکریوں کا گلہ مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ دو لڑکیاں لوگوں سے کچھ فاصلے پر اپنے ذَوْد کو روکے کھڑی ہیں حدیث میں ہے فِي خَمْسِ ذَوْدٍ مِنَ الْإِبِلِ شَاةٌ پانچ اونٹوں میں زکوٰۃ کی ایک بکری ہے مَذَادٌ اور مِذْوَدٌ۔ جہاں جانوروں کا چارہ ہو۔

الرِّعَاءُ: لَا نَسْقِیْ حَتّٰی یُصْدِرَ الرِّعَاءُ

الرِّعَاءُ : ہم نہیں پلائیں گی پانی چرواہوں کے پھر لیجانے تک۔ الرعاء ۔ راعی کی جمع چرواہے ۔ رَعْیٌ اور رِعَاءٌ کا لفظ عام طور پر حفاظت اور حُسنِ انتظام کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ۔چرواہا چونکہ جانور کی حفاظت کرتا ہے ۔اس لئے اس پر راعیٌ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ وراعی الماشیۃ : حافظھا (لسان)

تَاْجُرَ : عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ

تَاْجُرُ : اَجْرٌ سے جسکے معنی مزدوری دینے اور مزدوری کرنے کے ہیں ۔ تَاْجُرَنِیْ ، تو میری نوکری کریگا ، تو میری مزدوری کریگا ۔

حِجَجٌ : یہ حِجَّۃٌ بکسر الحاء کی جمع معنی سال ۔ برس ۔ والحِجَجُ السِّنُوْنَ الواحدۃ حِجّۃ بکسر الحاء (قرطبی)

سَارَ : وَسَارَ بِاَھْلِہٖ ، اور اپنے گھر والوں کو لیکر روانہ ہوا ۔ سَارَ یَسِیْرُ سَیْرًا : کے معنی زمین پر چلنے کے ہیں ، اور چلنے والے کو سائرٌ اور سَیَّارٌ کہا جاتا ہے اور قافلے کی صورت میں ایک ساتھ چلنے والی جماعت کو سیّارۃٌ کہا جاتا ہے جیسا کہ وجاءت سیّارۃٌ ، سِرْتُ : میں چلا ، میں روانہ ہوا ، اور سِرْتُ بفلانٍ اور سَیَّرْتُہٗ کے معنی چلانے کے بھی آتے ہیں ۔ اور معنی تکثیر کیلئے سَیَّرْتُہٗ کہا جاتا ہے ۔ امام راغب نے لفظ سَیْرٌ کا استعمال چار طرح نقل کیا ہے ۔

نمبر ا ۔ ایک متعدی بحرف باء جیسا کہ سِرْتُ بفلانٍ : کسی کو لیکر چلنا ، اسی سے ہے سَارَ بِاَھْلِہٖ ۔ اپنے اہلِ بیت کو لیکر چلے ۔

دوسرا استعمال حرف فی کے ساتھ ہے ، سَارَ فِی الْاَرْضِ ۔ زمین میں چلنا جیسا کہ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ

نمبر۳ ۔ تیسری صورت سِرْتُہٗ ، بغیر صلہ کے اسکا استعمال قرآن میں نہیں پایا جاتا ۔

نمبر۴ ۔ سَیَّرَ (تفعیل) سے تکثیر کے لئے اور معنی میں زور پیدا کرنے کے لئے ، جیسا کہ وَسُیِّرَتِ الْجِبَالُ ۔

نمبر۵ ۔ منجد میں اس کا استعمال حرف عن کے ذریعہ بھی نقل کیا ہے ، سَیَّرَ الجلَّ عن ظھر الدابّۃ ۔ جانوروں کی پیٹھ پر سے جھول اُتارنا ۔ سَارَ یَسِیْرُ کے معنی چلنے کے ہیں ، چاہے یہ دن کو ہو یا رات کو ، جیسا کہ صاحبِ لسان العرب نے نقل کیا ہے کہ وَالسَّیْرُ عِنْدَھُمْ بِالنَّھَارِ وَاللَّیْلِ (لسان) البتہ جو اصل میں سریٰ یَسْرِیْ سے ہے کے معنی رات ہی کو چلنے کے آتے ہیں جیسا کہ سُوْرَۃُ الاسراء میں لفظ اسریٰ کے تحت بیان

کیا جا چکا ہے لیکن صاحب منجد نے سَارَ کے
معنی ذَھَبَ بِاللَّیْل کئے ہیں۔ جس سے معلوم
ہوتا ہے کہ انکے نزدیک اس لفظ کے اصل
معنی رات کو چلنے کے ہیں۔

جَذْوَۃٍ : جَذْوَۃٍ مِّنَ النَّارِ: آگ
کا انگارہ۔ ای قطعۃ من النار (قرطبی)
الجَذْوَۃُ ۔ وَالجِذْوَۃ (بالکسر) والجُذْوَۃُ
(بضم الجیم) جلنے اور شعلہ ختم ہونے کے بعد
جو ایندھن رہ جاتا ہے وہ جَذْوَۃٌ ہے، ابوعبیدؒ
کا قول ہے کہ جِذْوَۃٌ اور جِذْمَۃٌ کے ایک ہی
معنی ہیں۔ وہ لکڑی جو ایک طرف سے جل چکی
ہو۔ چاہے جلے ہوئے کنارے پر آگ سُلگ
رہی ہو یا نہیں۔ (قرطبی)

علامہ راغب نے خلیل کا قول نقل کیا ہے کہ
جَذَا اور جَثَا دونوں ہم معنی ہیں یعنی چمٹ جانا
مگر جَذَا میں شدت لزوم کے معنی پائے جاتے ہیں
محاورہ ہے کہ جَذَا القرادُ فی جنب البعیر کہ چیچڑی
اونٹ کے پہلو میں سختی سے چمٹ گئی۔ وقالَ
صَاحب الکشاف، الجَذْوَۃُ باللغاتِ
الثلاث وَقُرِیٔ بھنّ جمیعًا : العود الغلیظ
کانت فی راسہٖ نارًا اولم تکن (کشاف)
جمع جِذًی وجُذًی۔ ابو حاتم نے ابن زید کا
یہ قول نقل کیا ہے کہ ھِیَ عُوْدٌ من حطبٍ
فیہ النَّار۔ یعنی جذوہ وہ لکڑی ہے جس میں
آگ سُلگ رہی ہو۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ آگ
کی شرط لفظ جذوہ میں نہیں ہے، جیسا کہ ایک
شاعر کا قول ہے ؎

باتت حواطب لیلیٰ یلتمسن لھا
جَزْلَ الجِذَا غَیْرَ خَوَّارٍ ولا دَعِرٍ

ایک اور دوسرا شاعر کہتا ہے ؎

وَاَلْقَیٰ عَلٰی قَبَسٍ مِنَ النَّارِ جَذْوَۃً
شَدِیْدًا علیھا حَرُّھَا والتھابُھَا

نَصْطَلُوْنَ : یہ اصطلاء سے ہے۔ آگ
تاپنا۔ سردی دُور کرنا۔ اصل مادہ صَلْیٌ ہے
جس کے اصل معنی آگ جلانے کے آتے ہیں، صَلِیَ
بالنَّار، اسنے آگ کی تکلیف برداشت کی۔ اور
صَلِیَ بِالْاَمْرِ معاملہ کی سختی کو برداشت کرنا، اور
صَلَی العصا علی النار یا بالنَّار۔ لاٹھی کو آگ
سے تپا کر نرم کرنا یا سیدھی کرنا۔ تَصْطَلُوْنَ باب
افتعال سے ہے، حرف طاء بدل ہے تاء سے،
اور صَلِیَ بالنَّار سے ماخوذ ہے اسکی تحقیق سُورَۃ
النَّمل میں گزر چکی ہے۔

شَاطِیٔ : نُوْدِیَ مِنْ شَاطِیٔ الْوَادِ
الْاَیْمَنِ : شاطیٔ کنارہ جمع شواطیٔ۔
شاطیٔ الوادی وادی کا کنارہ۔ شاطأتُ
فلانًا۔ میں اس کے ساتھ ساتھ وادی کے

کنارے پر چلا۔ شَطْأُ الزَّرْعِ کھیتی کی بالی یا سوئی جو زمین سے نکل کر دونوں طرف پھیل جاتی ہے اس کی جمع اَشْطَائٌ آتی ہے۔ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَہٗ۔ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے زمین سے اپنی سوئی نکالی۔ شَطَأَ (ف) شَطْأً کنارے پر چلنا۔ الشَّطْأُ مِنَ الشَّجَرِ، درخت کے گرداگرد نکلنے والی شاخیں اور شَاطَأَتُ الرَّجُلَ، اس وقت کہا جاتا ہے جب ایک آدمی وادی کے کنارے پر ہو اور دوسرا ادھر والے کنارے پر اور دونوں ایک دوسرے کے برابر چلتے جائیں، (قرطبی)

اَلْبُقْعَۃُ : فِی الْبُقْعَۃِ الْمُبَارَکَۃِ ـــ بُقْعَۃٌ : زمین، قطعۂ زمین، بِقَاعٌ اور بُقَعٌ جمع ہے۔ اشہب عُقَیْلی نے فِی الْبَقْعَۃِ (بفتح الباء) پڑھا ہے۔ اور بِقَاعٌ (بکسر الباء) بَقْعَۃٌ کی قرات صحیح ہونے پر دلالت کرتا ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے جَفْنَۃٌ کی جمع جِفَانٌ آتی ہے اور جن حضرات نے بُقْعَۃٌ (بضم الباء) پڑھا ہے وہ اسکی جمع بُقَعٌ بناتے ہیں جیسے کہ غُرْفَۃٌ کی جمع غُرَفٌ آتی ہے (قرطبی) البقعۃ کا لفظ مرتبہ اور درجے پر بولا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے فلانٌ حَسَنُ الْبُقْعَۃِ عِنْدَ الْاَمِیْرِ یعنی فلاں امیر کے حضور میں اچھا مرتبہ رکھتا ہے۔ اور البقعۃ اس زمین کو بھی کہا جاتا ہے جہاں پانی جمع ہو جاتا ہے ـــ

بَقِعَ الطَّیْرُ بَقَعًا، پرندہ کا مختلف رنگوں کا ہونا صفت اَبْقَعُ۔ البَقِیْعُ، مختلف درختوں کی جڑوں والی زمین۔ بَقِیْعُ الْغَرْقَدِ، وہ قبرستان جہاں مدینہ والوں کی قبریں ہیں۔ اصل میں بَقِیْعٌ اُس کشادہ زمین اور میدان کو کہتے ہیں جس میں درخت ہوں، اور غرقد ایک درخت کا نام ہے، ممکن ہے کہ ان درختوں کی وجہ سے اسکا نام بقیع الغرقد پڑ گیا ہو۔

ذَانِکَ : فَذَانِکَ بُرْهَانَانِ : سو یہ دو سندیں ہیں۔ ذان ذَا کا تثنیہ ہے۔ اسماء اشارہ میں سے ہے اور کَ ضمیر خطاب ہے، ذَا قریب کے لئے اسم اشارہ ہے۔ حالت رفعی میں اسکا تثنیہ ذانِ اور نصبی اور جری میں ذَیْنِ آتا ہے۔ جمع اُولَاءِ ہے، ذَیَّا، تصغیر ہے مگر شاذ ہے۔ اور جب مَا یا مَنْ استفہامیہ کے بعد واقع ہو تو الذی کے معنی میں ہو جاتا ہے جیسا کہ ماذا فعلت اور من ذا فی الدار، اور مَا کے ساتھ یہ (منجد) م استفہام ہوتا ہے، جیسے لماذا ترکتنا

رِدْءً : فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْ ان کو مددگار بنا کر میرے ساتھ کر دیں تاکہ میری تصدیق کریں۔ الرِّدْءُ، جو دوسرے کا مددگار بن کر اسکا تابع ہو، اور اَرْدَاَہٗ کے معنی کسی کی مدد کرنے کے ہیں۔ حدیث میں ہے، اُوْصِیْهِ

باهل الامصار خيرًا فَاِنَّهُمْ رِدْءُ الاسلام وجبَاةُ المَال - میں اس کو وصیت کرتا ہوں کہ جو دوسرے شہر والوں سے عمدہ سلوک کرے کیونکہ وہ اسلام کے مدد گار اور آمدنی کا ذریعہ ہیں۔ اَرْدَءَهٗ کے معنی کسی کی مدد کرنے کے ہیں۔ رَدِيْئٌ اور رِدْءٌ اصل میں دونوں ہم معنی ہیں مگر استعمال میں ردِيئٌ مذموم شئے پر بولا جاتا ہے چنانچہ رَدُءَ (ک) الشيءُ رداءۃً کے معنی ہونگے کسی شئے کا ردی ہونا۔ رِدْءٌ یعنی معینًا مشتق مِنْ اَرْدَاْتُهٗ اَیْ اَعَنْتُهٗ - والرِّدْءُ: العون (قرطبی)

مَقْبُوْحِيْنَ : وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ

: اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں ہونگے، مقبوحین اسم مفعول جمع ہے۔ واحد مقبوحٌ ہے۔ اصل مادہ قبحٌ ہے۔ قَبُحَ (ک)، قُبْحًا وقَبَاحَةً۔ بدصورت ہونا۔ القبيحُ صفت کا صیغہ ہے وہ چیز جس کو دیکھ کر آنکھ کو نفرت ہو اور اعمال واحوال میں اس عمل اور حالت کو قبیح کہا جاتا ہے جس سے طبیعت کراہت کرے قَبَّحَهُ اللّٰهُ عَنِ الخَيْر : خدا کا کسی کو رحمت سے دُور کر دینا۔ القَبِيْحَة : بُری بات، بُرا کام جمع قَبَائِحُ وقَبَائِحُ۔ قَبِيْحٌ جمع قِبَاحٌ وقُبْحٰی

اَقْبَحَ الرجلُ - کسی آدمی کا بُرا کام کرنا، ناپسندیدہ افعال کا ارتکاب کرنا۔ قُبْحٌ : قول یا فعل یا شکل کا بُرا ہونا جس کو طبع سلیم تسلیم نہ کرے حدیث میں ہے، اُسْكُتْ مَقْبُوْحًا مشقُوْحًا مَنْبُوْحًا - چپ رہ بدبخت، کمبخت، گالی خور یہ حضرت عمارؓ کا مقولہ اُنھوں نے ایک شخص کو اُس وقت فرمایا جب ان کے سامنے اُسنے حضرت عائشہؓ کی غیبت کی۔ مُقَابَحَة ایک دوسرے کے ساتھ گالی گلوچ کرنا۔ مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن اُنکے چہرے مسخ ہوکر سیاہ اور آنکھیں نیلی ہو جائیں گی۔

ثَاوِيًا : وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ

- اَلثَّوَاء کے اصل معنی کسی جگہ مستقل طور پر قیام کرنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے ثوی - يَثْوِيْ - ثَوَاءً : وہ اقامت پذیر ہو گیا۔ آیت کا ترجمہ یہ ہو گا، اور تو نہ رہتا تھا مدین والوں میں۔ الثوِيُّ، مہمان جو کئی دن ٹھہرنے والا ہو۔ قیدی۔ مہمان خانہ۔ جمع اَثْوِيَاءُ : مَثْوٰی : منزل ٹھکانا۔ جمع مثاوٍ۔ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ای مقيمًا كمقام موسیٰ وشعيب بينهم (قرطبی)

سَرْمَدًا : سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

: ہمیشہ کے لئے قیامت تک

سَرْمَدٌ کے معنی دائم اور ہمیشہ کے ہیں۔ لَیْلٌ سَرْمَدٌ لمبی رات۔ السَّرْمَدِیُّ جسکا نہ اول ہو نہ آخر۔ السَّرْمَدُ۔ دوام الزمان من لیل او نہار۔ وقال الزجاج، السَّرْمَدُ الدائم فی اللغۃ (لسان)

صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ سَرْمَدٌ کے معنی دائم و متصل کے ہیں، اور یہ سَرْدٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی متابعت یعنی پے در پے اور لگاتار ہونے کے ہیں اسی سے ماہ حرم کے متعلق عرب کا محاورہ ہے، ثَلٰثَۃٌ سَرْدٌ وَوَاحِدٌ فَرْدٌ، یعنی تین تو لگاتار آتے ہیں اور ایک اکیلا ہے اور اس میں میم زائد ہے، اور اس کا وزن فَعْمَلٌ ہے۔ اور اس کی نظیر دلامصٌ جو اصل میں دلاصٌ سے ماخوذ ہے دلاص نرم اور چمکدار چیز کو کہتے ہیں، طرفہ کہتا ہے ؎

لعمرکَ ما امری علیّ بغمّۃٍ
نہاری ولا لیلی علیّ بسرمدٍ

تیری جان کی قسم میرا کوئی کام مجھ کو متفکر نہیں کرتا اور نہ ہی مجھ پر میری رات لمبی نظر آتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حرف میم اسمیں اصلی ہے اور اس کا وزن فَعْمَلٌ نہیں ہے بلکہ فَعْلَلٌ ہے کیونکہ درمیان میں میم کی زیادتی قیاس سے نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ وقیل ان میمہ اصلیۃ وزنہ فعللٌ لا فعمل، وھو الظاھر (فتح القدیر)

والسَّرْدُ: المتتابع وسَرَدَ فلانٌ الصوم اذ والاہ وتابعہ (لسان)

قَارُوْنَ: اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ۔ قارون ایک عجمی لفظ غالباً عبرانی زبان کا ہے اس کے متعلق اتنی بات تو خود الفاظِ قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری، بنی اسرائیل میں سے تھا۔ باقی یہ کہ رشتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا اس میں مختلف اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس کی ایک روایت میں ہے جس میں اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی بتایا گیا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ تورات کا حافظ تھا اور دوسرے بنی اسرائیل کی گمراہ کن سیاست نے اسکو بغاوت پر آمادہ کر دیا اور انجام کار ہلاک کر دیا، اسکا اس کا مطالبہ تھا کہ بنی اسرائیل صرف اِن دو بھائیوں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی زیر اثر کیوں ہو مجھے بھی اسمیں شریک کیا جائے اور ایک بڑا سردار تسلیم کیا جائے

لیکن اس کا مطالبہ باطل اور خود پرستی کی پیداوار تھا۔ اسلئے موسیٰ علیہ السلام نے اس کو رد کر دیا اور اس نے بنی اسرائیل کے سیکڑوں افراد کو اپنے ساتھ ملاکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بغاوت کرادی۔ چنانچہ آیت فَبَغٰی عَلَیْهِمْ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

مولانا عبدالماجد دریا بادی رحمۃ اللہ علیہ نے تورات کے حوالہ سے قارون کا شجرہ نسب یوں نقل کیا ہے: قرقوج بن اظہار بن قحات، بن لاوی بن یعقوب بن اسرائیل۔ ہمارے یہاں کے سب ناموں میں املا یوں آیا ہے قارون بن یصیر بن تاہث بن لاوی بن یعقوب، تاہث پر جاکر موسیٰ بن عمران کا بھی نسب نامہ مل جاتا ہے اور تاہث بن لاوی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جدامجد تھے اسی طرح قارون کے بھی تھے۔ اس رشتے سے قارون آپ کے سگے چچا کا لڑکا ٹھہرتا ہے (ماجدی)

بَغٰی: فَبَغٰی عَلَیْهِمْ: لفظ بغی چند معانی کے لئے آتا ہے۔ مشہور معنی ظلم کے ہیں، یہاں یہ معنی مراد لئے جاسکتے ہیں کہ اس نے اپنے مال و دولت کے نشہ میں دوسروں پر زیادتیاں کرنا شروع کیا، جیسا کہ آج بھی دنیا میں یہی ہورہا ہے کہ سردار حضرات غریب عوام اور مزدوروں پر کھلے دل سے ظلم کرتے ہیں، دوسرے معنی بغی کے تکبر کے بھی آتے ہیں بہت سے مفسرین نے اس جگہ یہی معنی قرار دیئے ہیں کہ اس نے دولت کے نشہ میں بنی اسرائیل پر تکبر کیا، اور ان کو حقیر و ذلیل سمجھا۔ بَغٰی عَلَیْهِ کے ایک معنی حسد کرنے کے بھی آتے ہیں اور اس کی حسد کا اظہار تورات میں بھی کیا گیا ہے۔

اَلْبَغْیُ: کے اصل معنی کسی چیز کی طلب میں اعتدال اور درمیانہ روی کی حد سے تجاوز کرنے کی خواہش کرنے کے ہیں۔ چاہے وہ تجاوز کرسکے یا نہ کرسکے، اور بغیت الشیئ وَابْتَغَیْتُهٗ کے معنی ہیں کسی چیز کی طلب میں جائز حدود سے تجاوز کرنا (راغب) اس مادہ کی تحقیق گزر چکی ہے۔

اَلْكُنُوْز: وَاٰتَیْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ: کنوز۔ کَنْزٌ کی جمع ہے، مدفون خزانہ کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح شرع میں کنز وہ خزانہ جس کی زکوٰۃ نہ دی گئی ہو (معارف) لفظ کَنْزٌ پہلے گزر چکا ہے۔

یہ خزانہ اس کو کیسے ملا۔ اس بارے میں علامہ قرطبی نے ایک بات یہ نقل کی ہے کہ اسکو جناب یوسف علیہ السلام کا مدفون خزانہ مل گیا تھا یہ قول عطار کا ہے اور دوسرا قول مروان بن لبید

کا نقل کیا ہے کہ قارون کیمیا گر تھا (قرطبی)

تَنُوْءُ : لَتَنُوْٓءُ بِالْعُصْبَةِ : نَآءَ
کا لفظ بوجھ جھکا دینے کے معنی میں آتا ہے اور
عُصْبَۃ کے معنی جماعت کے ہیں، جیسا کہ سورۂ
یوسف میں واضح کیا جا چکا ہے معنی یہ ہیں کہ
اسکے خزانے اتنے زیادہ تھے کہ ان کی کنجیاں اتنی
تعداد میں تھیں کہ ایک طاقتور جماعت انکے
اٹھانے سے تھک جاتی تھی اور انکے بوجھ سے
جھک جاتی تھی۔ اور لفظ عصبہ کا اطلاق طاقتور
مَردوں کی جماعت پر ہوتا ہے عورتیں اس میں
داخل نہیں۔ نَاءَ - یَنُوْءُ - نَوْءًا - اذا نَھَضَ
بثقل واناءنی اذا اثقلنی (قرطبی)
نَاءَ بِجَانِبِہٖ - تکبر سے پہلو کو اُٹھا لیا، اور
بعض نے اسکے معنی یوں بیان کئے ہیں کہ یہ
اصل میں لَتُنْئُ الْعُصْبَۃَ - ای تُمِیْلُھُمْ
بِثِقْلِھَا - یعنی وہ چابیاں ان کو اپنے وزن
کی وجہ سے جھکا دیتی تھیں (قرطبی)

عُصْبَۃٍ : العُصْبَۃ : وھی الجماعۃ
یتعصب بعضھم لبعض (قرطبی)
والعُصْبَۃ : جماعت، متعصّبۃ متعاضدۃ
(راغب) یعنی عصبہ اس جماعت کو کہا جاتا ہے
جسکے افراد ایک دوسرے کے حامی اور مددگار
ہوں۔ یہ لفظ مع تحقیق کے سورۂ یوسف میں گزر چکا ہے

خَسَفْنَا : فَخَسَفْنَا بِہٖ وَبِدَارِہِ الْاَرْضَ
پھر ہم نے اس (قارون) کو مع اسکے بنگلے کے زمین
میں دھنسا دیا۔ خَسَفَ الْمَکَانُ یَخْسِفُ
خُسُوْفًا - زمین میں دھنس جانا۔ اور خَسَفَ
اللّٰہُ بِہِ الارض - اللہ نے اس کو زمین میں
دھنسا دیا۔ اسی سے ہے خَسَفْنَا بِہٖ وَبِدَارِہٖ
الارضَ - لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال
ہوتا ہے۔ خَسَفَہُ اللّٰہُ ، اللہ نے اُسکو
زمین میں دھنسا دیا اور خَسَفَ ھُوَ فِی
الْاَرْضِ - وہ زمین میں دھنس گیا، الْخَسْفُ
کے معنی کمی اور نقصان کے آتے ہیں، محاورہ ہے
رَضِیَ فلانٌ بِالخسف - فلاں نقصان پر راضی
ہوگیا (قرطبی) الخسفُ - النُّقْصَانُ وَ
الْھَوَانُ (لسان) حضرت علیؓ کا قول ہے،
مَنْ تَرَكَ الجِھَادَ اَلْبَسَہُ اللّٰہُ الذِّلَّۃَ
وسِیْمَ الخَسْفَ ، یعنی جو شخص جہاد چھوڑیگا
اللہ تعالیٰ اس کو ذلت و رسوائی کا لباس پہنائیگا
اور نقصان اس کے لئے لازم ہو جائے گا اور
لفظ سِیْمَ کے معنی لازم کر دینے کے ہیں، اور
لفظ خسف بھوک پر بھی بولا جاتا ہے، ظاہر
ہے کہ بھوک بھی اُسی وقت لگتی ہے جب
جسم میں غذائی اجزاء کی کمی ہو، الخُسُوْفُ
کا لفظ چاند کی بے نوری پر بولا جاتا ہے اور

كُسُوْف کا لفظ سورج گہن کے لئے ہے۔ لیکن یہ
خسوف و کسوف کی تخصیص محض اصطلاحی ہے
حدیث میں خسوف کا لفظ چاند اور سورج
دونوں پر بولا گیا ہے۔ ایک حدیث ہے اِنَّ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰیَتَانِ مِنْ اٰیَاتِ اللّٰهِ
لَا یَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَیَاتِهٖ،
چاند اور سورج اللہ کی نشانیوں میں سے دو
نشانیاں ہیں، جو کسی کی موت اور پیدائش
کی وجہ سے بے نور نہیں ہوتے۔ عَیْنٌ خَاسِفَةٌ
اندر کو دھنسی ہوئی آنکھ۔ اور بِئْرٌ مَخْسُوْفَةٌ
اس کنویں کو کہتے ہیں جس کا پانی غائب ہو گیا
ہو۔ اَلْخَاسِفُ، فاعل۔ دُبلا۔ بیماری کی وجہ
سے کمزور لاغر۔ بھوکا۔ محاورہ ہے، بَاتُوْا
علی الخَسْفِ، انھوں نے بھوکے رات گزاری،

الْاَمْسِ : وَاَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا
مَکَانَهٗ بِالْاَمْسِ : اَمْسِ۔ بالکسر مبنی
کل گذشتہ دن۔ اور الْاَمْسُ (اعرابی حالتیں)
گذشتہ ایام میں سے کوئی دن۔ جمع اُمْسٌ،
اُمُوْسٌ و اٰمَاسٌ (منجد) لفظ اَمْسِ فصیح
صرف گزرے ہوئے کل کے لئے نہیں آتا۔ بلکہ
ماضی قریب کے مفہوم میں بھی آتا ہے جس طرح ہم
اپنی زبان میں بولتے ہیں "یہ تو کل کی بات ہے"
حالانکہ بات کو برسوں گزر گئے ہوتے ہیں یہاں
بھی یہ اسی مفہوم میں ہے، یعنی ابھی کل تک
جو لوگ اُن کی شان و شوکت پر مرتے تھے وہ
یہ کہنے لگے۔

اَصْبَحَ : اِصْبَاحٌ سے فعل ناقص ہے۔
ہو گیا۔ لگا۔ اس نے صبح کی۔ **وَیْکَاَنَّهٗ** :
میں لفظ وَیْ تنبیہ کا ہے یہ ایسا ہی ہے،
جس طرح ہم اپنی زبان میں "ارے" کہتے ہیں
اور جب اس کے ساتھ کَاَنَّ یا کَاَنَّہٗ مل جائے
تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ ارے یہ تو گویا کہ
وہی بات ہوئی (تدبر)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ وَیْ حرف تندّم ہے
عرب لوگ ندامت اور تاسّف کے وقت وَیْ
کہتے ہیں۔ اور جوہری کا قول ہے کہ وَیْ کلمۂ
تعجب ہے۔ کہا جاتا ہے وَیْكَ۔ وَوَیْ لِعَبْدِاللّٰه
اور یہ کَاَنَّ مخففہ اور مشددہ دونوں پر داخل
ہوتا ہے۔ قطرب کا قول یہ ہے کہ وَیْکَاَنَّ
دو لفظوں سے مرکب ہے۔ ایک وَیْکَ اور
دوسرا اَنَّ۔ وَیْکَ بمعنی وَیْلَکَ مستعمل کلمہ ہے
عنترہ کہتا ہے ؎

وَلَقَدْ شَفٰی نَفْسِیْ وَاَبْرَاَ سُقْمَهَا
قِیْلُ الْفَوَارِسِ وَیْکَ عَنْتَرُ اَقْدِمِ

ترجمہ: سواروں نے جب یہ کہا، کہ اے عنترہ
آگے بڑھ، تو اس بات نے میرے دل کو قوی

کر دیا اور اس کی بیماری کو دُور کر دیا۔ فراء کا قول ہے کہ یہ کلمہ تقریر ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ محاورہ میں کہا جاتا ہے اَمَا تَرٰی اِلٰی صنع اللّٰہ واحسَانِہٖ۔ چنانچہ ایک اعرابی عورت نے اپنے خاوند سے پوچھا کہ اَیْنَ اِبْنُكَ وَیْكَ اے تمہارا لڑکا کہاں ہے؟ تو عورت کے اعرابی شوہر نے جواب دیا، وَیْ کَاَنَّہٗ وَرَاءَ الْبَیْتِ کیا تم نے نہیں دیکھا وہ تو گھر کے اُدھر موجود ہے۔

فَرَضَ : اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ : جس نے حکم بھیجا تم پر قرآن کا، وہ پھیر لانے والا ہے تجھ کو پہلی جگہ (ترجمہ شیخ الہند) فَرَضَ بمعنی اَوْجَبَ ہے، یعنی کسی چیز کو واجب اور ضروری قرار دینا۔

اَوْجَبَ اور فَرَضَ میں فرق یہ ہے کہ اَوْجَبَ کے معنی کسی چیز کے بلحاظ وقوع اور ثبات کے قطعی ہونے کے ہیں۔ اور فَرَضَ کے معنی بلحاظ حکم کے قطعی ہونے کے ہیں (راغب) اور علامہ قرطبی نے یہاں فَرَضَ کے معنی اَنْزَلَ کئے ہیں۔ وفَرَضَ مَعْنَاہُ : اَنْزَلَ۔ مَعَادٍ کے معنی مرجع وغائیت اور انجام کار کے ہیں اسکی تنکیر یہاں شانِ تفخیم کے لئے ہے۔ اسوجہ سے یہ اِلٰی مَعَادٍ حَسَنٍ کے مفہوم میں ہوگا یعنی شاندار انجام اور اعلیٰ مرجع (تدبر) مراد مکہ مکرمہ ہے جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ تفسیر منقول ہے (معارف) قتبی کہتے ہیں کہ معاد الرجل : اسکا وطن ہے معاد الرجل : بلدہٗ، لانہٗ ینصرف ثم یعود (قرطبی)

شرح الفاظ القرآن من سورة العنكبوت

بسم الله الرحمن الرحيم

يُفْتَنُوْنَ : وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ، اور وہ آزمائے نہ جائیں گے یُفْتَنُوْنَ مضارع مجہول جمع مذکر ہے۔ ان کو دُکھ دیا جائے گا۔ وہ مصیبت میں مبتلا کئے جائیں گے۔ لَا یُفْتَنُوْنَ ، وہ دُکھ نہیں دیئے جائیں گے۔ فِتْنَةٌ سے مشتق ہے جس کے معنی آزمائش کے ہیں (معارف)

فَتَنَ یَفْتِنُ (ض) تعجب میں ، فتنہ میں ڈالنا، فریفتہ کرنا۔ صفت فَاتِنٌ جمع فُتَّانٌ ۔

اٰتٍ : فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ : سو اللہ کا وعدہ آرہا ہے۔ اٰتٍ اِتْیَانٌ سے اسم فاعل ہے بمعنی آنے والا۔

وَصَّیْنَا : وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا۔ ہم نے تاکید کی انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی کے ساتھ رہنے کی۔ وصیت کہتے ہیں کسی شخص کا کسی عمل کی طرف بلانے کو جبکہ وہ بلانا نصیحت و خیرخواہی پر مبنی ہو (معارف)

حُسْنًا : لفظ حُسْن مصدر ہے بمعنی خوبی، اس جگہ خوبی والے طرز عمل کو مبالغہ کیلئے حُسْن سے تعبیر کردیا ہے۔ مراد واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت فرمائی ہے۔ حَسَنَةٌ خوبی نیکی بھلائی۔ ہر وہ نعمت جو انسان کو اس کی جان یا بدن یا حالات میں حاصل ہو کر اس کیلئے مسرت کا سبب بنے حَسَنَةٌ کہلاتی ہے اور سَیِّئَةٌ اس کی ضد ہے۔ یہ دونوں اسم جنس ہیں جسکے تحت مختلف انواع شامل ہیں

اَثْقَالَ : وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ : اور یہ لوگ اپنے گناہوں کی گٹھڑیاں اپنے اوپر لادے ہوئے ہونگے۔ اثقال جمع ہے ثِقْلٌ کی، مراد اس سے گناہوں کے بوجھ ہیں اور گھر کے مال و اسباب کو بھی ثقل کہا جاتا ہے۔ ثَقُلَ بھاری ہونا ثَقُلَ السَّمْعُ : قدرے بہرہ ہونا۔ ثَقُلَ الْمَرِیْضُ : سخت بیمار ہونا۔ مرض کی زیادتی کی وجہ سے مریض کا اُٹھ بیٹھ نہ سکنا۔

اَلطُّوْفَانُ : فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ : پھر اُن کو طوفان نے آدبایا۔ ہر وہ حادثہ جو انسان کو گھیرلے طوفان ہے اور عام طور پر اس کا استعمال اس پانی کے لئے ہوتا ہے جو

انتہائی کثرت سے ہو۔ چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو جو حادثہ پہنچا تھا وہ پانی ہی کا تھا، لفظ طوفان کا اشتقاق کیا ہے؟ اسمیں اہل لغت کا اختلاف ہے۔ بعض ائمۂ لغت نے لکھا ہے کہ یہ طَافَ یَطُوْفُ سے ماخوذ ہے طَافَ بِالْمَکَانِ، مکان کے چاروں طرف گھومنا چکر لگانا۔ طوفان چونکہ انسان کو ہر طرف سے گھیر لیتا ہے اس لئے طوفان کہا گیا۔ علامہ آلوسی بغدادی لکھتے ہیں کہ والطوفانُ قد یطلقُ علیٰ کُلّ مایطوف بالشئ علیٰ کثرۃ وشدۃ من السّیل والرّیح والظلام (روح)

صاحبِ لسان العرب نے ابوالعباس کا قول نقل کیا ہے کہ وَھُوَ مِنْ طَافَ یَطُوْفُ: نیز یہ کہ یہ رجحان اور نقصان کی طرح مصدر ہے لہٰذا اس کا واحد تلاش کرنیکی کوئی حاجت نہیں ہے۔ لیکن اخفش کہتے ہیں طوفان، طُوْفَانَۃٌ کی جمع ہے۔ ابن سیدہ کہتے ہیں، اخفش چونکہ ثقہ ہے اس لئے لازم ہے کہ ثقہ کی بات کا اعتبار کیا جائے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ طَفَا یَطْفُوْ طَفْوًا و طُفُوًّا سے ماخوذ ہے۔ طفا الشئُ علی الماءِ۔ کسی چیز کا پانی کے اوپر تیرنا اور نہ ڈوبنا (لسان) اور طفا الماءُ یَطْفُوْا۔ پانی کا بلند ہونا۔ یہ فعلان کے وزن پر ہے بعد میں عین کلمہ کی جگہ جو کہ (ف) ہے لام کو بدلدیا اور وہ حرف واؤ ہے لیکن صاحب تاج العروس نے پہلے قول کو ہی زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ لفظ طوفان اچانک موت اور حوادثات عظیمہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے سورۂ اعراف کی آیت وَ اَرْسَلْنَا عَلَیْھِمُ الطُّوْفَانَ کا ملاحظہ فرمائیے۔

اَلنَّشْاَۃَ: ثُمَّ اللّٰہُ یُنْشِئُ النَّشْاَۃَ الْاٰخِرَۃَ - پھر اللہ پچھلی بار بھی پیدا کریگا، اَلنَّشْاَۃُ اسم بمعنی پیدائش اور مصدر بمعنی پیدا ہونا، فتحہ اور کسرہ دونوں سے مستعمل ہے نَشَأَ۔ نَشْاَۃً۔ اِنْشَاءٌ: پیدا کرنا، پرورش کرنا

اَوْثَانًا: اَوْثَان جمع ہے وَثَنٌ کی۔ ہر وہ چیز جس کی خدا کے سوا بندگی کیجائے وَثَنٌ ہے۔ مورتی ہو یا پتھر یا قبر اور جھنڈا وغیرہ ہو۔ سورۂ حج کی آیت نمبر ۳۰ کے تحت اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

ذَرْعًا: یہ ایک محاورہ ہے ضَاقَ بِھِمْ ذَرْعًا وہاں بولا جاتا ہے جہاں شدتِ ناگواری برداشت سے باہر ہو جائے۔

عَنْکَبُوْت: کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ: جیسے مکڑی کی مثال، عنکبوت مکڑی کو کہا

جاتا ہے اس کی مختلف قسمیں ہیں بعض انمیں سے زمین پر اپنا گھر بناتی ہیں۔ بظاہر وہ یہاں مراد نہیں، بلکہ وہ مکڑی مراد ہے جو جالا تانتی ہے اور اسمیں معلق رہتی ہے اس جالے کے ذریعہ مکھی مچھر وغیرہ کا شکار کرتی ہے، یہ مکڑی جالا اپنے لعاب کی نہایت باریک تاروں سے تانتی ہے جو بہت زیادہ کمزور ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے، وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ۔ عنکبوت کا اطلاق واحد جمع مذکر مؤنث سب پر یکساں طور پر ہوتا ہے لیکن بیشتر مؤنث استعمال ہوتا ہے اور اسکی (ت) ایسے ہی ہے جیسے کہ طاغوت کی۔ جمع عَنَاكِبُ اور عَنْكَبُوْتَاتٌ ہے، سیبویہ نے تصریح کی ہے کہ جب نون کلمہ میں حرف ثانی واقع ہو تو اس کو بغیر کسی پختہ ثبوت کے زائد نہیں کہا جا سکتا۔ سیبویہ کی یہ تصریح جوہری نے لفظ عندلیب کی تشریح میں نقل کی ہے لیکن اس کے باوجود خود انھوں نے عنکبوت کو عَكْبٌ ہی کے مادہ میں ذکر کیا ہے جسکا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے نون کو زائد مانتے ہیں۔ اور علامہ ابن ہشام نے بصراحت لکھا ہے کہ عنکبوت میں نون کا زائد ہونا یہی صحیح ہے اور یہی سیبویہ کا مذہب ہے۔ کیونکہ اس کی جمع عناکِبُ آتی ہے اس صورت میں اس کا وزن فَعْلَلُوْت ہوگا اور نون کو زائد ماننے کی صورت میں فَنْعَلُوْتٌ اور علامہ سید مرتضیٰ زبیدی نے لکھا ہے کہ سیبویہ اس کی جمع ایک مقام پر تو عَنَاكِبُ بروزن فناعلُ لکھی ہے اور دوسری جگہ عَنَاكِبُ بروزن فعائلُ بتلائی ہے، مگر تمام نحوی عنکبوتٌ کو بروزن فَعْلَلُوْتٌ بیان کرتے ہیں (لغات القرآن) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ نحاۃ نے کہا ہے کہ عنکبوت کی تا زائد ہے کیونکہ یہ تصغیر اور جمع کے وقت ساقط ہو جاتی ہے۔ تصغیر اس کی عُنَيْكِبٌ آتی ہے اور جمع عَنَاكِيْبُ وعَنَاكِبُ وعِكَابٌ وعُكُبٌ واَعْكُبٌ (قرطبی) صاحب لسان العرب نے عنکبوت کو عِنَبٌ عنکب کے مادہ کے تحت ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رباعی مجرد ہے اور نون اصل ہے۔

اَلْعٰلِمُوْنَ : تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ :

اور یہ مثالیں بیان کرتے ہیں ہم لوگوں کے واسطے اور انکو سمجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے۔

(عالم کون ہے؟) امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ حضرت جابرؓ نے اسی آیت

پڑھنے کے بعد فرمایا کہ عالم وہی شخص ہے جو
اللہ تعالیٰ کے کلام میں غور و فکر اور اس کی
اطاعت پر عمل کرے اور اس کو ناراض کرنے
والے کاموں سے بچے۔ اس سے معلوم ہوا کہ
قرآن و حدیث کے محض الفاظ سمجھ لینے سے
اللہ کے نزدیک کوئی شخص عالم نہیں ہوتا جب
تک قرآن میں تدبر اور غور و فکر کی عادت نہ ڈالے
اور جب تک اپنے عمل کو قرآن کے مطابق نہ
بنائے (معارف)
عَالِمُوْنَ عالم کی جمع ہے اور علمٌ سے ماخوذ ہے

تحقیق گزر چکی ہے۔ اَلْبَلَاغ : پہنچا دینا، کافی
ہونا۔ مصدر ہے۔ قرآن پاک میں بَلَاغٌ بمعنی
تبلیغ آیا ہے۔ بَلَغَ یَبْلُغُ بُلُوْغًا وَبَلَاغًا : انتہائی
مقصد اور منتہی کو پہنچنا۔ بَلِیْغٌ : اثر کرنیوالا۔ بلاغت
والا۔ فعیل کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے
یہ بلاغۃٌ سے مشتق ہے۔ قولٌ بلیغٌ : بااثر
کلام۔ دلوں میں اتر جانے والی بات۔ رَجُلٌ
بِلْغٌ : خوش بیان۔ بدزبان۔ مطلب پرست
مَبْلَغٌ : منتہیٰ۔ آخری حد،
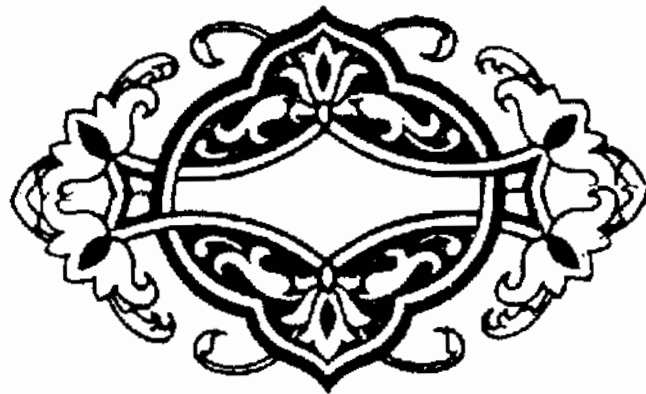
شرح الفاظ القرآن من سورۃ الرّوم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

غُلِبَتْ : غُلِبَتِ الرُّوْمُ : رومی مغلوب ہو گئے ۔ اَلْغَلَبَۃُ کے معنی قہر اور بالادستی کے ہیں غَلَبْتُہٗ، غَلْبًا وغَلَبَۃً : میں اس پر غالب ہو گیا ، غَالِبٌ صیغہ صفت ہے ۔ غَلَبَ عَلَیْہِ : کسی پر غالب آنا ۔ غُلِبَتْ غَلَبَۃٌ سے فعل مجہول ہے ۔

اَلرُّوْم : سے مراد قدیم رومن ایمپائر کا وہ مشرقی حصہ ہے جو سنہ ۳۹۵ء میں اس سے کٹ کر خود ایک مستقل سلطنت بن گیا ۔ مسیحوں کے قبضہ میں یہ سلطنت سنہ ۱۴۵۹ء تک رہی اس کے بعد ترکوں کے قبضہ میں آگئی ۔ اسکا دار الحکومت استنبول یا قسطنطنیہ تھا اور اسی کا قدیمی نام جدید روم بھی ہے ۔ شام، فلسطین، ایشیا ر کوچک کے علاقے سب اسی میں شامل تھے (ماجدی)

اَثَارُوْا : وَاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْھَا : اور انھوں نے زمین کو جوتا اور بسایا ۔ یہ اثارۃٌ سے جمع مذکر کا صیغہ ہے جس کے معنی زمین کو جوتنے کے ہیں ۔ اور ثَارَ یَثُوْرُ ثَوْرًا وثَوَرَانًا ، ثَارَ الْغُبَارُ او السَّحَابُ کے معنی غبار یا بادل کے اوپر اٹھنے اور پھیلنے کے ہیں ، آیت کریمہ ہے ، فَتُثِیْرُ سَحَابًا : تو وہ بادل کو اوپر اٹھاتی ہے اور غبار کے منتشر ہونے کے ساتھ تشبیہ دیکر ثَارَتِ الْحَصْبَۃُ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی کھنکر پھیل جانا ہے ۔ ثَارَ یَثُوْرُ ثَوْرًا کے اصل معنی جوش میں آنا کے ہیں اور اسی سے یہ کلام ہے ثَارَتِ الْفِتْنَۃُ بَیْنَھُمْ : فتنہ و فساد انمیں بھڑک اٹھا ، اور ثَارَ اِلَیْہِ دَ بہ : کسی پر حملہ کرنا ، کود پڑنا اور ثَوَّرَ الْاَمْرَ : کسی معاملہ کی کھود کرید کرنا ۔

عَمَرُوْا : وَعَمَرُوْھَا : اور انھوں نے اس کو آباد کیا تھا ۔ العِمَارۃ ، یہ خرابٌ کی ضد ہے عَمَرَ اَرْضَہٗ یَعْمُرُھَا عِمَارَۃً کے معنی ہیں انھوں نے اپنی زمین آباد کی ۔ اور آیت کریمہ ہے وَعِمَارَۃَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔ اور مسجد حرام کو آباد کرنا اور مَعْمُوْرٌ آباد کی ہوئی جگہ ۔ اَلْبَیْتُ الْمَعْمُوْرُ : رستہ بستہ گھر ۔ آباد گھر

یُبْلِسُ : یُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ : مجرم بے آس ہو جائیں گے ۔ اَلْاِبْلَاسُ کے معنی سخت نا امیدی کے باعث غمگین ہونیکے ہیں ، اَبْلَسَ : وہ مایوس ہونے کی وجہ سے غمگین ہوا ،

ابلیس اسی سے مشتق ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور عام طور پر غم اور مایوسی کی وجہ سے انسان خاموش رہتا ہے اور اسکو کچھ سوجھائی نہیں دیتا، اسلئے اَبْلَسَ فلانٌ کے معنی ہیں وہ خاموش ہوگیا، دلیل سے عاجز ہوگیا۔ اَبْلَسَ الرَّجُلُ: قُطِعَ بِہٖ — وَاَبْلَسَ: سَکَتَ وَاَبْلَسَ مِنْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ اَیْ یَئِسَ وَنَدِمَ وَمِنْہُ سُمِّیَ اِبْلِیْس وَ کَانَ اِسْمُہٗ عزازیل (لسان)

یُحْبَرُوْنَ : فَھُمْ فِیْ رَوْضَۃٍ یُّحْبَرُوْنَ

سو وہ باغ میں مسرور ہونگے (ماجدی)

یُحْبَرُوْنَ۔ حَبُوْرٌ سے مشتق ہے جس کے معنی سرور اور خوشی کے ہیں اور اس لفظ کے عموم میں ہر طرح کا سرور داخل ہے جو نعمائے جنت سے اہلِ جنت کو حاصل ہوگا (معارف القرآن)

اصل میں الحِبْرُ وہ نشان جو عمدہ اور خوبصورت ہو۔ حدیث میں ہے، یَخْرُجُ مِنَ النَّارِ رَجُلٌ قَدْ ذَھَبَ حِبْرُہٗ وَسَبْرُہٗ آگ سے آگ سے ایک آدمی نکلے گا جس کا حسن و جمال اور چہرے کی رونق ختم ہوچکی ہوگی۔ اسی سے سیاہی کو حِبْرٌ کہا جاتا ہے۔ اور شاعِرٌ مُحَبِّرٌ بہترین شاعر۔ عمدہ گو۔ اور الحِبْر عالم کو کہتے ہیں اسلئے کہ لوگوں کے دلوں میں اسکے کلام کا اثر باقی رہتا ہے اور لوگ اس کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ اسکی جمع اَحْبَارٌ آتی ہے اور فِیْ رَوْضَۃٍ یُّحْبَرُوْنَ کے معنی یہ ہونگے کہ وہ اسقدر خوش ہونگے کہ جنت کی نعمتوں کے آثار انکے چہروں پر ظاہر ہونگے (راغب)

ابوعبیدہ نے یُحْبَرُوْنَ کے معنی یُکْرَمُوْنَ کئے ہیں ان کی عزت کی جائے اور مجاہد و قتادہ سے مروی ہے کہ یُحْبَرُوْنَ کے معنی یُنَعَّمُوْنَ ہیں یعنی ان کو نعمتیں دی جائیں گی۔ اور بعض نے اس کے معنی یُسَرُّوْنَ کئے ہیں۔ یعنی ان کو خوش کیا جائے گا۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ والحَبْرَۃُ : عند العرب۔ السرور وَالفَرَح، عرب کے نزدیک الحَبْرَۃ کے معنی سرور اور فرح کے ہیں جیسا کہ ماوردی نے نقل کیا ہے اور تقریباً یہی معنی جوہری نے بھی ذکر کئے ہیں۔ وقالَ الجوہری : الحَبْرُ : الحُبُوْرُ : وھُوَ السرور اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ تَحْبِیْرٌ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو زینت دینا، آراستہ کرنا۔ محاورہ ہے، فلانٌ حَسَنُ الحِبْرِ والسِّبْرِ : اذا کان جَمِیْلاً حسن الھَیْئَۃ، اور علامہ قرطبی نے یحیٰی بن کثیر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ یُحْبَرُوْنَ سے مراد سَمَاعٌ ہے۔ یعنی جنت میں اُن کو نغمات یا قوالی سنائی جائینگی (قرطبی) حَبَرٌ۔ حَبْرَۃٌ۔ حِبْرٌ یہ نَصَرَ سے مصادر ہیں

خوش کرنا، کپڑوں کو آراستہ کرنا، کسی چیز
کو زینت دینا۔ حُبُوْرٌ (س) سے خوش ہونا،
حَبْرٌ: زخم کا ٹھیک ہونیکے بعد اسکا نشان
باقی رہنا اور رَجُلٌ یَحْبُوْرٌ آسودہ آدمی،
رَجُلٌ یَحْبُوْرٌ: یفعول من الحبور،
والیَحْبُوْرُ: الناعم من الرجال وجمعہٗ
الیَحَابِیْرُ (لسان)

الرَّوْضَةُ : فِیْ رَوْضَۃٍ یُّحْبَرُوْنَ :
آیت میں لفظ روضہ سے مراد جنت کے سبزہ زار
اس کے محاسن اور لذات ہیں اصل میں الرَّوْضَۃُ
اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پانی جمع ہو اور سبزہ بھی
ہو۔ صاحب کشاف نے نقل کیا ہے کہ الرَّوْضَۃُ
عند العرب: کل ارضٍ ذاتُ نباتٍ و مَاءٍ
(کشاف) اراض الوادی واستراض:
وادی میں پانی زیادہ ہو گیا۔ اور أَرَاضَہُمْ کے
معنی ہیں اس نے لوگوں کو سیراب کر دیا، اور
الرِّیَاضَۃُ: کسی سے بکثرت کام لینا تاکہ اسکو
مہارت پیدا ہو جائے۔ رُضْتُ الدَّابَّۃَ کے معنی ہیں
میں نے جانور کو سدھایا ہے۔ اَرْضٌ مُسْتَرَوِضَۃٌ
وہ زمین جس میں ہر طرح کی سبزیاں وغیرہ پیدا ہوں
أَرَاضَ الْاَرْضُ: زمین کو باغ و بہار بنا دینا۔
الروضۃُ: الارض ذات الخضرۃ والروضۃ:
البُسْتَانُ الحَسَنُ عن ثعلب والروضۃ:
الموضع یجتمع الیہ الماء یکثر نبتہٗ (لسان)

تُمْسُوْنَ : فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ
وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ۔ سو پاک اللہ کو یاد کرو
جب شام کرو اور جب صبح کرو۔ حِیْنَ تُمْسُوْنَ:
جب شام کے وقت میں داخل ہو، اور حِیْنَ
تُصْبِحُوْنَ: جب تم پر صبح کا وقت آئے (معارف)
یہ اِمْسَاءٌ سے ہے جس کے معنی شام کرنے یا شام
کے وقت کسی فعل کے ہونے کے ہیں جب اسکا
استعمال فعل ناقص کی حیثیت سے ہوتا ہے
تو بمعنی کان آتا ہے۔ یعنی ہو جانے کے معنی
دیتا ہے جیسے اَمْسٰی زَیْدٌ ضَاحِکًا۔ زید شام
کے وقت ہنس رہا تھا۔ اَلْمَسَاءُ: دوپہر کے
بعد سے مغرب تک کا وقت، جمع اَمْسِیَۃٌ (منجد)
مَسَاءٌ: ظہر کے بعد سے مغرب تک کا وقت
مَسَاءٌ ہے (لسان)، اَلْمُمْسٰی: رات گزارنے
کی جگہ۔ امراء القیس کہتا ہے ؎

تُضِیْءُ الظَّلَامَ بِالْعَشِیِّ کَاَنَّہَا
مَنَارَۃُ مُمْسٰی رَاھِبٍ مُتَبَتِّلِ

اس کا چہرہ اتنا منور ہے کہ شام کی تاریکیوں
کو کافور کر دیتا ہے جیسا تارک الدنیا راہب
کا شام کا چراغ۔

مَنَامٌ : وَمِنْ اٰیٰتِہٖ مَنَامُکُمْ بِالَّیْلِ
وَالنَّہَارِ : اور اس کی نشانیوں میں سے

تمہارا سونا ہے رات اور دن میں ۔ اَلْمَنَامُ یہ نَامَ یَنَامُ نَوْمًا وَ مَنَامًا سے مصدر ہے اور بمعنی ظرف بھی استعمال ہوتا ہے ۔
وَالْمَنَامُ مصدر نَامَ یَنَامُ نَوْمًا وَمَنَامًا (لسان) اور مَنَام خواب کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔ سورۃ الصافات میں ہے اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ : میں خواب میں دیکھتا ہوں ۔ لفظ نوم کی تفسیر کئی وجوہ سے کی گئی ہے ۔ اور مختلف اعتبارات سے سب وجوہات صحیح ہو سکتی ہیں، بعض کا قول ہے کہ بخارات کی رطوبت سے اعصاب دماغ کے ڈھیلا ہونے کا نام نَوْم ہے ۔ اور بعض کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا بغیر موت کے روح کو قبض کر لینے کا نام نَوْم ہے چنانچہ ارشاد ہے اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۔
رَجُلٌ نُوَمٌ وَنُوَمَةٌ : بہت سونے والا آدمی اور اَلنُّوْمَةُ کے معنی خامل الذکر یعنی گمنام کے بھی آتے ہیں ۔ اور مَنَامَةٌ لباس خواب اور مجازی طور پر نَامَتِ السُّوْقُ کا استعمال کساد بازاری کے لئے ہوتا ہے، یعنی بازار مندا پڑ گیا، اس طرح نَامَ الثَّوْبُ کے معنی ہیں کپڑا پرانا ہو گیا ۔ اور اِسْتَنَامَ فلانٌ الیٰ کذا کے معنی ہیں کسی چیز سے اطمینان حاصل کرنا ۔

اَلْبَرْقَ : وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ

اَلْبَرْقَ : بَرْق بجلی ۔ بجلی کی چمک، یہ اسم ہے ۔ بَرِقَ (س) خیرہ ہو گئی ، ماند پڑ گئی چندھیا گئی ۔ سَمِعَ سے بَرِقٌ کے معنی نظر متحیر اور خیرہ ہو جانے کے ہیں ۔ اصل میں بَرْق کے معنی تو بجلی کے ہیں ۔ اسی اعتبار سے اسکے معنی چمکنے کے آنے لگے ، لیکن جب آنکھ کے ساتھ استعمال ہو تو اس کے معنی خوف کی وجہ سے آنکھ کی پتلیوں کا پتھرا جانا ہوتا ہے جیساکہ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ : سو جس روز آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی ۔ لفظ بَرْق کو مجازی اعتبار سے ہر چمکدار چیز کے لئے استعمال کیا جاتا ہے ۔ سَیْفٌ بَارِقٌ : چمکدار تلوار ۔ اَلْبَرْقُ الْخُلَّبُ : وہ بادل جس میں بارش نہ ہو گویا وہ دھوکہ دینے والا ہے ۔ اسی سے بے عہد آدمی کے لئے بولا جاتا ہے جو وعدہ تو کرے مگر پورا کر کے نہ دکھائے ۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

لَا یَكُنْ بَرْقُكَ بَرْقًا خُلَّبًا
اِنَّ خَیْرَ الْبَرْقِ مَا الْغَیْثُ مَعَهٗ

اور بے بارش کے پانی کو کبھی خُلَّبْ کہا جاتا ہے

اور کبھی بَرْقٌ خلّب اضافت کے ساتھ بھی بولتے ہیں (قرطبی) اور اباریق، ابریق کی جمع ہے یعنی لوٹے اور جگ۔ مولانا نعمانی نے لکھا ہے کہ یہ آب ریز کا معرب ہے (لغات القرآن) قرآن میں ہے، يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ (الواقعہ) اور خوب چمکدار تلوار کو بھی ابریق کہا جاتا ہے، والابریق: السّیف الشدید البریق (لسان) علامہ قرطبی نے لکھا ہے، ابریق وہ ہے جسکے پکڑنے کا کنڈا ہوتا ہے چمک اور صفائی رنگ کی وجہ سے ابریق کہا جاتا ہے، والاباریق التی لها عُریٰ وخراطیم واحدها ابریق سمی بذالك لانّه یبرق لونهٗ من صفائه، قرطبی ص۱۰۳ ج ۱۷

فِطْرَةٌ: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا، وہی تراش لوگوں کی جس پر تراشا لوگوں کو۔ پروفیسر عبد الرؤف مصری نے لکھا ہے کہ فطرت ان خصوصی صفات کو کہتے ہیں جن سے کسی قوم کی یا فرد کی اچھی بری شخصیت بنتی ہے۔ مثلاً شجاعت، قوّت ذہانت، محنت، دانشمندی، مکاری وغیرہ فطرت کے اصلی معنی ہیں آٹا گوندکر فوراً بغیر خمیر کے روٹی پکانا۔ خُبْزٌ فَطِيْرٌ: چپاتی، رَأْيٌ فَطِيْرٌ: بے سوچی رائے۔ پھر اصلی لغت میں توسیع ہوئی تو ایجاد واختراع کے معنی ہو لیئے، (لغات القرآن) علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ فطرتَ العجین کے معنی ہیں، آٹا گوندکر فوراً پکانا کہ خمیر نہ ہو، اور فِطْرَةٌ اسی سے ہے جس کے معنی تخلیق کے ہیں۔ اور فَطَرَ اللّٰهُ الخلقَ کے معنی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس طرح پیدا کیا کہ اس میں کچھ کرنے کی استعداد موجود ہے۔ پس آیت کریمہ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا میں اس معرفت کی طرف اشارہ ہے جو تخلیقی طور پر انسان کے اندر ودیعت کی گئی ہے۔ لہٰذا فطرۃ اللہ سے معرفتِ الٰہی کی استعداد مراد ہے جو انسان کی جبلت میں پائی جاتی ہے اور آیت کریمہ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ میں اسی قوت معرفت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ وفطرۃ اللہ: وھی ما رکز فیه مِنْ قوّته علیٰ معرفة الایمان (راغب)

فَطَرَ الشیٔ یفطرہٗ فطرًا فانفطر وفطّرہٗ کے معنی کسی چیز کو پھاڑنا اور تفطّر الشیٔ (لازم) کسی چیز کا پھٹ جانا، اور الفَطْرُ شَقٌّ کے معنی میں آتا ہے یعنی پھٹن، اسکی

جمع فُطُورٌ آتی ہے جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے هَلْ تَرَىٰ مِنْ فُطُورٍ ۔ حدیث میں ہے، حَتّٰی تَفَطَّرَتْ قَدَمَاهُ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اتنا طویل قیام فرماتے کہ قدم مبارک پھٹ جاتے ۔ تَفَطَّرَ اور انْفَطَرَ دونوں کے معنی ایک ہیں اور فِطرُ الصَّائِم بھی اسی سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں روزہ دار کا افطار کرنا ۔ کیونکہ وہ بھی افطار کے وقت منہ کھولتا ہے ۔ اور سَيْفٌ فُطَارٌ : وہ کُند تلوار جس میں شقوق اور دندانے پڑ گئے ہوں اور فطرَ النَّاقَۃ یَفطِرُھَا فَطْرًا : اونٹنی کو انگلیوں کے سہارے دوہنا۔

جوہری کہتے ہیں کہ الفَطْرُ کے معنی ہیں سبابہ اور ابہام سے اونٹنی کو دوہنا ۔ الفُطْرُ : ان چند قطروں کو کہا جاتا ہے جو دوہتے وقت برتن میں پڑتے ہیں اور دوہتے وقت جو دودھ برتن میں ہوتا ہے اس کو الفطیر کہا جاتا ہے اور چھاتی یا تھن کی بھٹنی کو دبانے سے جو دودھ نمودار ہوتا ہے اسکو بھی فَطْرٌ کہا جاتا ہے ۔ مذی کو بھی فَطْرٌ (بفتح الفاء) کہا جاتا ہے لیکن منی پر اس کا اطلاق نہیں ہوگا (لسان) علامہ قرطبیؒ نے فِطْرَۃٌ کے معنی میں علماء کے کئی اقوال نقل کئے ہیں جنہیں سے دو مشہور ہیں جن کو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں ذکر کیا ہے

قول اوّل یہ کہ فطرۃ سے مراد اسلام ہے حضرت ابو ہریرہؓ اور ابن شہاب اور انکے علاوہ اور بہت سے اہلِ لغت اور اصحابِ علم نے اس قول کو اپنایا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے ہر انسان اپنی فطرت اور جبلّت کے اعتبار سے مسلمان پیدا کیا ہے ۔ اگر اسکو گرد و پیش اور ماحول میں کوئی خراب کرنے والا نہ ہو تو ہر پیدا ہونے والا بچہ مسلمان ہوگا مگر عادۃً ہوتا یہ ہے کہ ماں باپ اس کو بعض اوقات اسلام کے خلاف چیزیں سکھا دیتے ہیں، جس کے سبب وہ اسلام پر قائم نہیں رہتا جیسا کہ صحیحین کی ایک روایت میں مذکور ہے قرطبی نے اس قول کو جمہور کا قول قرار دیا ہے وھو المعروف عند عامّۃِ السلف من اھل التاویل (قرطبی) احادیث اور آیت قرآنی اس کی تائید میں ہے ۔

دوسرا قول یہ ہے کہ فطرۃٌ سے مراد استعداد ہے یعنی تخلیق انسانی میں اللہ تعالٰی نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ ہر انسان اپنے خالق کو پہچاننے اور اس کو ماننے کی استعداد وصلاحیت بھی رکھی ہے جس کا اثر اسلام

کا قبول کرنا ہوتا ہے بشرطیکہ وہ استعداد سے کام لے (قرطبی)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اہلِ لغت نے کہا ہے کہ الفطرۃ کے اصل معنی کلام عرب میں کسی کام کی ابتداء کرنا ہے اور الفاطر کے معنی ہیں ابتداء کرنے والا۔ عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے الفاطر کے معنی میں تردد تھا اور معلوم نہیں تھا کہ اس کے اصل معنی کیا ہیں حتیٰ کہ ایک دفعہ دو بدّو میرے پاس ایک مقدمہ کنویں کے بارے میں لیکر آئے کہ میں ان میں فیصلہ کر دوں، تو انہیں سے ایک نے کہا، اَنَا فَطَرْتُھَا : کہ اس کنویں کو میں نے پہلے کھودا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ فطر کے معنی کسی کام کی پہل اور ابتداء کرنے کے ہیں۔ ابو العباس کہتے ہیں کہ میں نے ایک بدّو کے لڑکے کو کہتے ہوئے سُنا کہ اَنَا اَوَّلُ من فَطَرَ ھٰذَا یعنی اس کام کی ابتداء سب سے پہلے میں نے کی ہے (قرطبی۔ لسان العرب) وقال صاحب الکشاف : الفطرۃ : الخلقۃ، الاتری الی قولہ (لاتبدیل لخلق اللّٰہ) والمعنی انّہ خلقھم قابلین للتوحید ودین الاسلام، غیرنائین عنہ والا منکرین لہ، لکونہ مجاوبًا للعقل مساوقًا للنظر الصّحیح، حتّٰی لو تُرِکُوا لما اختاروا علیہ دِیْنًا اٰخر (کشّاف)

مُنِیْبِیْنَ : مُنِیْبِیْنَ اِلَیْہِ وَاتَّقُوْہُ

اسی کی طرف رجوع کرو اور اسی سے ڈرو۔ منیبٌ اسم فاعل کی جمع ہے۔ اِنَابَۃٌ باب افعال کے مصدر سے ماخوذ ہے۔ اصل مادہ نَوْبٌ ہے۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا نَابَ یَنُوْبُ نَوْبًا ونَوْبَۃً کے معنی ہیں کسی چیز کا بار بار لوٹ کر آنا۔ شہد کی مکھی کو بھی نَوْبٌ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی اپنے مستقر کی طرف بار بار لوٹ کر آتی ہے، نَائِبَۃٌ اس حادثہ اور مصیبت کو کہتے ہیں جس کے دوبارہ لوٹ کر آنیکا خطرہ ہو، لاغب ماوردی کہتے ہیں کہ اِنَابَۃٌ کی اصل میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے اصل معنی القطع کے ہیں۔ یعنی کاٹنا، اسی سے النَّابُ ماخوذ ہے جس کے معنی دانت کے ہیں یعنی وہ کچلی جو سامنے کے چار دانتوں کے بعد ہے کیونکہ وہ دانت کاٹتے ہیں۔ اس صورت میں معنی ہونگے ہر چیز کو کاٹ کر اللہ کی طرف طاعت کے لئے اپنے کو مخصوص کرنا، فکانَ الِانَابَۃَ ھی

الانقطاع الی عزّ وجلّ ۔
دوسرا قول یہ ہے کہ انابۃٌ کے اصل معنی
الرجوع یعنی لوٹنے کے ہیں اور یہ ناب ینوب
سے ماخوذ ہے جس کے معنی دوبارہ لوٹنے کے
ہیں ۔ اصل الرجوع ، ماخوذ من ناب
ینوب اذا رجع مرۃً بعد اخری ومنہ
النوبۃ لانہا الرجوع الی عادۃ (قرطبی)
پہلے قول پر مبنی اجوف یائی اور دوسرے
قول پر اجوف واوی ہے ۔

یَصَّدَّعُوْنَ : یَوْمَئِذٍ یَّصَّدَّعُوْنَ
اس روز سب لوگ جُدا جُدا ہو جائیں گے ۔
تصدّع القوم : لوگ منتشر ہوگئے ، اصل میں
یتصدّعون حرف تاء کو صاد میں ادغام کیا
گیا ہے ۔ فیہ ادغام التاء فی الاصل فی
الصاد (جلالین) الصّدع کے معنی ٹھوس
اجسام جیسے شیشہ لوہا وغیرہ میں شگاف ڈالنے کے
ہیں ۔ صَدَعَ الامر کا محاورہ ہے جسکے معنی کسی
امر کے ظاہر اور واضح کر دینے کے ہیں ۔ فَاصْدَعْ
بِمَا تُؤْمَرُ : جو حکم خدا کی طرف سے آپکو دیا گیا ہے اسکو
کھول کر بیان کر دو ۔ اسی سے صداعٌ ماخوذ ہے ۔
جسکے معنی سر درد کے ہیں گویا سر پھٹا جا رہا ہے ۔
لَا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا یُنْزِفُوْنَ ، اس سے
نہ تو سر درد ہوگا اور نہ مت ماری جائے گی ۔
صَدَّعْتُ الفَلَاۃَ : میں نے جنگل طے کیا ۔
والاصل یتصدّعون ویقال تصدّع
القوم اذا تفرّقوا ، منہ اُشْتُقَّ الصداع
لانہ یفرّق شعب الرأس (قرطبی)

کِسَفًا : وَیَجْعَلُہٗ کِسَفًا فَتَرَی الْوَدْقَ
یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِہٖ : کِسَفًا جمع ہے کِسْفَۃٌ
کی جسکے معنی ٹکڑے کے ہیں ۔ اور حسن ابو جعفر
عبد الرحمٰن الاعرج اور ابن عامر کی قراءت میں
کِسْفًا ، سین کے سکون سے ہے یہ بھی کِسْفَۃٌ کی
جمع ہے جیسے سِدْرَۃٌ کی جمع سِدْرٌ آتی ہے (قرطبی)
اور جمع الجمع ، اَکْسَافٌ اور کُسُوْفٌ آتی ہے
لازم اور متعدی دونوں طرح آتا ہے کَسَفَ
الثَّوْبَ کپڑا کاٹ دیا ، پھاڑ دیا ، اور کَسَفَ
الشَّمْسُ : سورج گرہن ہو گیا ۔ کَسَفَ اللّٰہُ
الشَّمْسَ ، اللہ نے سورج کو گرہن والا کر دیا ،
کَسَفَ حالُہٗ : اسکا حال بُرا ہو گیا ، اور کَسَفَ
طَرْفَہٗ : اُسنے اپنی نگاہیں نیچی کرلیں ۔

الْوَدْقُ : اَلْوَدْقُ ، وَدَقَ ان افعال
سے ہے جن کے معنی صلہ کی تبدیلی سے
ہوتے ہیں ۔ حرف الی کے ساتھ قریب ہونیکے معنی
دیتا ہے ۔ ودق الیہ : کسی کے قریب ہونا اور
وَدَقَ بہٖ صلہ باء کے ساتھ کسی سے مانوس ہونا
وَدَقَ الصَّیْدُ یَدِقُ وَدْقًا : شکار کا آدمی

کے قریب ہو جانا ۔ الودیقۃُ : نصف النہار
کی گرمی ۔ شدت کی گرمی ۔ چونکہ نصف النہار
کی گرمی ہر چیز کو قریب سے متاثر کرتی ہے ،
اس لئے اس کو ودیقۃٌ کہا گیا ہے ۔ اور بارش
کو بھی وَدْق کہا گیا ہے کیونکہ وہ بھی ہر چیز کو
پہنچتی ہے اور اسکے قریب ہوتی ہے اور یہاں
آیتِ کریمہ میں ودق سے مراد بارش ہے
وَدْق کے اندر قرب کا مفہوم اصل ہے (دیکھئے
لسان وغیرہ) الوَدْقُ : ای المطر (روح)
وَدْق : مطر کے مترادف ہے (ماجدی)

مُصْفَرًّا : فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا : پھر
لوگ کھیتی کو زرد ہوا دیکھیں گے ۔ مُصْفَرًّا
باب (فعال کے مصدر اِصْفِرَارٌ سے اسم مفعول
ہے ۔ زرد پیلا پڑا ہوا ۔ اصل مادہ صُفْرٌ
ہے ۔ صَفَّرَ الشَّیْءَ : کسی چیز کو پیلا کرنا صَفَّرَ
الثَّوْبَ : کپڑے کو زرد رنگ میں رنگنا صِفْرٌ
صُفْرٌ : پیتل ۔ تانبا ۔ سونا اور ہر چیز کا
خالی حصہ ۔ اس کی جمع اَصْفَارٌ ہے صَفَرٌ
پیلیا ۔ یرقان کی بیماری ۔ عقل ۔ خوف ۔ دل
نفس ۔ بھوک ۔ اسلامی سال کا دوسرا مہینہ

بُعْدٌ : ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ
ضُعْفًا وَشَيْبَةً : (آیت نمبر ۵۴)
بَعِدَ يَبْعُدُ بُعْدًا : دور ہونا یہ قرب کی
ضد ہے ۔ یہ محسوسات اور معقولات دونوں
میں استعمال ہوتا ہے ۔ وَقَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا
بَعِيدًا (النساء آیت نمبر ۱۶۷) وہ گمراہی
میں بہت دور جا پڑے یہاں باطل عقائد کے
بُعْد کا مراد ہے ۔ بَعِدَ : ہلاک ہوا، مارا گیا
كَمَا بَعِدَتْ ثَمُودُ ۔ جیسی ثمود پر پھٹکار پڑی ۔ بُعْدٌ :
ہلاکت ۔ دوری لعنت ۔ قریب کی ضد ہے
قرب و بُعد کی حد مقرر نہیں، بلکہ جگہ اور مقام
کے اعتبار سے ایک کو قریب اور دوسرے
کو بعید کہتے ہیں ۔ محسوسات میں تو قُرب و
بُعد کا استعمال بکثرت ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی
معقولات کے لئے بھی بعید اور قریب کے
الفاظ آتے ہیں جیسے ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا :

شَيْبَةً : ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ
ضُعْفًا وَشَيْبَةً : شَيْبًا اور شَيْبَةً
دونوں شَابَ يَشِيبُ کے مصدر ہیں ۔ بڑھاپا
بالوں کا سفید ہونا ۔ سر کے سفید ہونے کو شَيْبٌ
کہتے ہیں ۔ بوڑھے مرد کو شائب اور بوڑھی
عورت کو شَيْبَاءُ کہتے ہیں بلکہ شَمْطَاءُ کہتے ہیں،
اور تَشْيِيبٌ (تفعیل) کے معنی ہیں بوڑھا کرنا
حدیث میں ہے، شَيَّبَتْنِي هُودُ وَالْوَاقِعَةُ
مجھے سورہ ہود اور سورہ واقعہ نے بوڑھا کر دیا ہے
(وَشَيْبَةً) مَصْدَرٌ كَالشَّيْبِ (قرطبی)

وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا : بڑھاپے سے سر شعلہ مارنے لگا۔ یعنی سر میں سفیدی چمکنے لگی اور بَاتَتِ الْمَرْءَةُ بِلَيْلَةٍ شَيْبَاءَ کے معنی ہیں عورت نے شب زفاف گزاری یعنی جس میں اس کی بکارت زائل کی گئی ہو۔ اور اسکے برعکس بَاتَتِ الْمَرْءَةُ بِلَيْلَةٍ حَرَّةٍ کے معنی ہیں وہ رات جس میں اسکی بکارت زائل نہ کی گئی ہو (راغب)

يُسْتَعْتَبُوْنَ : وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ

اَلِاسْتِعْتَابُ: کے معنی ہیں کسی سے رضامندی چاہنا کسی سے یہ خواہش کرنا کہ وہ اپنے عتاب کو دور کرے تاکہ راضی ہو جائے۔ کہا جاتا ہے اِسْتَعْتَبَ فلانٌ: کسی سے عتاب دُور کرنے کی خواہش کرنا۔ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ، اور نہ اُن سے کوئی منانا چاہے۔ یعنی نہ کوئی معقول عذر پیش کر سکیں جو کام آئے اور نہ اُن سے کہا جائے گا کہ اچھا اب تو اور اطاعت کر کے اپنے پروردگار کو راضی کر لو، کیونکہ اسکا وقت گزر چکا، اب تو ہمیشہ کی سزا بھگتنے کے سوا چارہ نہیں (حاشیہ عثمانی) اور اَعْتَبَ فلانًا کے معنی ہیں ۱۔ ناراضگی ظاہر کرنا ۲۔ ناراضگی پر ابھارنا ۳۔ میں نے اس کی ناراضگی دُور کر دی یہ سلب ماخذ کے معنی ہیں۔ فَمَا هُمْ مِنَ الْمُعْتَبِيْنَ ان سے عتاب دُور نہیں کیا جائے گا۔ اِس لفظ کی وضاحت سورۃ النحل میں گزر چکی ہے وہاں دیکھی جائے۔

شرح الفاظ القرآن من سورۃ اللقمٰن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَشْتَرِىْ : وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ : اور کوئی انسان ایسا بھی ہے جو خرید کرتا ہے غافل کرنے والی باتیں تاکہ اللہ کی راہ سے دوسروں کو گمراہ کردے بغیر دلیل کے۔ لفظ اشترار کے معنی لغوی خریدنے کے ہیں اور بعض اوقات ایک کام کے بدلے دوسرے کام کو اختیار کرنے کے لئے بھی لفظ اشترا استعمال کیا جاتا ہے جیسے اَلَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى (معارف) علامہ راغب فرماتے ہیں کہ ويجوز الشراءُ والاشتراءُ فی کل ما يحصل به شيٌ کے لفظ شرار اور اشترار ہر اس چیز کے لئے بولا جاتا ہے جسکے عوض میں دوسری چیز حاصل ہو۔

لَهْوَ الْحَدِيْثِ : لَهْوَ مضاف اور الحَدِيْثِ مضاف الیہ ہے۔ اور اضافت بتقدیر حرف مِنْ ہے۔ اصل میں لَهْوٌ مِنَ الحدیث ہے، فضول، بیہودہ اور بے سرو پا قصّوں کہانیوں کا طومار۔ اور صاحب کشاف اور قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ لَهْو خاص اور حدیث عام ہے کیونکہ قصّے مفید بھی ہوتے ہیں اور خرافات بھی، اللَّهْو: ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو اہم کاموں سے روک دے۔ یہ لَهَوْتُ بکذا و لَهَيْتُ عن کذا سے اسم ہے جسکے معنی ہیں کسی اہم مقصد سے ہٹ کر فضول کام میں لگ جانا۔ اور بطور کنایہ کے جماع پر بھی بولا جاتا ہے اور عورت پر بھی لَهْو کا اطلاق ہوتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ لَهْو الحدیث میں لفظ حدیث تو باتوں اور قصّے کہانیوں کے معنی میں ہے اور لَهْو کے لفظی معنی غفلت میں پڑنے کے ہیں، جو چیز انسان کو ضروری کاموں سے غفلت میں ڈالدے وہ لَهْو کہلاتی ہے۔ اور بعض اوقات ایسے کاموں کو بھی لَهْو کہا جاتا ہے جن کا کوئی معتدبہ فائدہ نہ ہو محض وقت کا مشغلہ یا دل بہلانے کا سامان ہو (معارف) لَهْوُ الحدیث سے مراد عام اہل علم کے نزدیک غنا، موسیقی، سماع اور گانے بجانے کا سامان ہے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے و فی الآیۃ عند الاکثرین ذم الغناء باعلی الصوت، اور علامہ قرطبی نے

لکھا ہے کہ، الغناء فی قول ابن عباسؓ ابن
مسعود وغیرہما وھو ممنوعٌ بالکتاب
والسنۃ۔ یعنی لھو الحدیث سے مراد ابن عباسؓ
اور ابن مسعود کے قول کیمطابق غناء ہے، اور
اس کا حرام ہونا کتاب و سُنّت سے ثابت ہے
لیکن محققین کا فیصلہ یہ ہے کہ اسمیں گانے
کا یعنی غناء کا حصر اور تعیین مراد نہیں، چنانچہ
حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ لھو الحدیث
ھو الغناء واشباھہ، یعنی اس سے مراد
گانا بجانا اور اسکے مشابہ دوسری چیزیں ہیں
گویا ہر بیکار چیز اور غیر مفید مشغلہ اسکے تحت
داخل ہے جو حق کی طرف سے بے رغبتی پیدا
کرنے والا ہو۔ قاضی بیضاوی فرماتے ہیں
ما یُلھی عما یعنی کالاحادیث التی لا اصل
لھا والاساطیر التی لا اعتبار لھا المضاحک
وفصول الکلام (بیضاوی) لھو الحدیث
یعنی غناء کے باب میں فقہاء میں اختلاف ہے
جو گانا محض دل بہلانے اور رفع غم اور خشیت
نفس کے دُور کرنے کے لئے ہو اسمیں کوئی مضائقہ
نہیں حنفی علماء نے بھی اس کو جائز لکھا ہے
درِ مختار میں اسے سرخسی عینی وعنایہ کے حوالہ
سے جائز بتایا ہے۔ وفی در المختار التغنی
لنفسہ لدفع الوحشۃ لا بأس بہ عند
العامۃ علی ما فی العنایۃ وصححہ العینی و
والیہ ذھب شمس الائمۃ السرخسی، اور
اس کلام میں حکیمانہ مضامین ہوں اخلاقُ
معرفت کے ہوں تو اتفاقاً جائز ہیں جیسا کہ
علامہ آلوسیؒ نے نقل کیا ہے کہ ولو فیہ وعظ
وحکمۃ فجائزٌ اتفاقاً (روح) لیکن جو گانے
لوگوں کو سُنانے کے لئے جشن عقد اور عید
وغیرہ کے علاوہ خصوصاً جو قوالی کی محفلیں
مسجدوں اور خانقاہوں میں مجمع فساق میں ہوا
کرتی ہیں اور بد قسمتی سے جنھیں عبادت سمجھا
جاتا ہے وہ یقیناً قابلِ ملامت اور حرام ہے
اور صاحب ہدایہ اور دیگر فقہاء نے اسکو
گناہ کبیرہ لکھا ہے مفتی بغداد فرماتے ہیں
کہ: وصاحب الھدایہ والذخیرۃ سمّیاہ
کبیرۃ ھذا فی التغنی للناس فی غیر
الاعیاد والاعراس ویدخل فیہ تغنی
صوفیۃ زماننا فی المساجد والدعوات
بالاشعار والاذکار مع اختلاط اھل
الھواء والمرد بل ھذا اشد من کل
تغن لانہ مع اعتقاد العبادۃ (روح)
اور اسی طرح علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ:
فاما ما ابتدعت الصوفیۃ الیوم من الادمان
علی سماع المغانی بالآلات المطربۃ من

الشبابات والطار والمعازف والاوتار محرام
(قرطبی) معلوم ہوا کہ قوالی وغیرہ لھو الحدیث
کے تحت داخل ہے اور حرام ہے اور تولجد و
تراقص (رقص) کو زندقہ اور الحاد کی علامت
قرار دیا گیا ہے اور جائز سمجھنا حدود کفر میں
داخل ہے۔ اہلِ تفسیر نے اس پر تفصیل سے
بحث کی ہے مسئلہ کی پوری تحقیق جسکو درکار
ہو وہ روح المعانی ص۶۶ ج ۲۰ تا ص۷۹ اور
قرطبی ص۵۱ ج ۱۴ تا ص۵۶ اور معارف القرآن
ص۱۹ ج ۷ تا ص۲۷ دیکھے۔

علامہ عبدالماجد دریابادیؒ نے اپنی تفسیر
میں ان ذکر کردہ کتب کا نہایت مفید خلاصہ
ذکر کیا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر ممنوع وناجائز
وہ کھیل تماشے ہونگے جو تہذیب و تمدن
نے خدا اور آخرت سے غافل کرنے کے لئے
گھڑ لئے ہیں۔ سنیما۔ تھیٹر اور شعر و ادب کا
بڑا ذخیرہ جو آج آرٹ کے بڑے پرفخر کارنامہ
کی حیثیت رکھتا ہے پیش کیا جا رہا ہے،
لھو الحدیث میں داخل ہے۔ غرض کہ ہر وہ
چیز جو انسان کو عملاً یا اعتقاداً خدا سے غافل
کرنے والی ہو وہ لھو الحدیث کے حکم میں
داخل ہے

وَقْرًا : كَاَنَّ فِىْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا، گویا
اُس کے کانوں میں ثقل ہے۔ وَقْرًا اسم مصدر
بمعنی ثقل۔ گرانی۔ بہرہ پن۔ گرانِ گوش ہونا
قوتِ سامعہ کا ضائع ہونا۔ الوَقَارُ: حلم و
بُردباری۔ سنجیدگی کے معنی میں آتا ہے۔ باوقار
اور حلیم آدمی کو وَقُورٌ، وَقَارٌ اور مُتَوَقِّرٌ
کہا جاتا ہے اور آیت کریمہ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ
لِلّٰهِ وَقَارًا۔ تمہیں کیا ہوا کہ خدا کی عظمت
کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ وَقْرٌ: ثقلاً وصمماً
(قرطبی) اس مادہ کی تحقیق گزر چکی ہے،

تَمِيْدَ : اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ : کہ تمہیں لے کر
ڈانواڈول نہ ہو۔ تَمِيْدُ وہ ہلے، وہ جھکے،
وہ ہلتی ہے، وہ جھکتی ہے، مَادَ يَمِيْدُ مَيْدًا
و مَيَدَانًا: کسی بڑی چیز کا ہلنا اور حرکت
کرنا۔ یہ بَاعَ يَبِيْعُ کے باب سے اجوف یائی
ہے۔ مَادَ الشَّيْءُ يَمِيْدُ مَيْدًا: تحرک (لسان)

لُقْمٰن : وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ
اور بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی،
لقمان غیر منصرف ہے اس وجہ سے نہیں کہ
یہ عجمی نام ہے بلکہ اس وجہ سے کہ اس میں
الف و نون زائدتان ہیں اور عَلَم بھی ہے
اور لفظی ساخت سے اسکا عربی ہونا معلوم
ہوتا ہے۔ یہ فُعْلَانٌ کے وزن پر ہے جسکی
مؤنث فُعْلٰی آتی ہے۔

علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ وَلَمْ یَنْصَرِفْ لِاَنَّ فِیْ اٰخِرِہٖ الفًا ونُوْنًا زائد تان شبہ فعلان الذی انثاہٗ فُعْلیٰ فلم ینصرف فی المعرفۃ لانّ ذالک ثقل ثانٍ وانصرف فی النکرۃ لانّ احد الثقلین قد زال (قرطبی)

باقی یہ کہ حضرت لقمان کون تھے؟ نبی تھے یا مرد صالحؑ بادشاہ تھے یا غلام۔ صحیح یہ ہے کہ یہ عربی النسل شریف خاندان کے شریف فرد تھے۔ اور جناب ابراہیم علیہ السلام کے والد تارح کی اولاد سے تھے، حکیم و دانا ہونے کے علاوہ اپنے قبیلہ اور مُلک کے سردار بادشاہ بھی تھے بعض وہ روایات جن میں حضرت لقمان کا حبشی غلام ہونا مذکور ہے محدثین نے ان پر کلام کیا ہے۔ قرآن پاک نے جس انداز سے جناب لقمان کا تذکرہ کیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ تذکرہ کسی صاحب حسب ونسب بلند کردار کا ہے تفصیل کے لئے ارض القرآن اور قصص القرآن کی طرف مراجعت فرمائیں۔ حافظ ابن کثیر نے بھی اس پر کلام کیا ہے۔

اَلْحِکْمَۃُ: لفظ حکمت قرآن کریم میں متعدد معانی کے لئے استعمال ہوا ہے علم عقل، حلم و بُردباری، نبوت، اصابت رائے

ابو حیان نے فرمایا ہے کہ حکمت سے مراد وہ کلام ہے جس سے لوگ نصیحت حاصل کریں اور دلوں میں مؤثر ہو اور جسکو لوگ سُنکر دوسروں تک پہنچائیں اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ علم کے مطابق عمل کرنا حکمت ہے۔ حضرت تھانویؒ نے حکمت کا ترجمہ دانشمندی کیا ہے اور پھر اس کی تفسیر علم باعمل سے فرمائی اور یہی صحیح ہے اور علامہ راغب نے اسکی تعریف یہ فرمائی ہے کہ حکمت کے معنی علم و عقل کے ذریعہ حق بات کو دریافت کر لینے کے ہیں۔ والحکمۃُ: اصابۃُ الحق بالعلم والعقل (راغب)

خَرْدَلٍ: یٰبُنَیَّ اِنَّہَا اِنْ تَکُ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَکُنْ فِیْ صَخْرَۃٍ۔

خَرْدَلٍ: رائی۔ واحد خَرْدَلَۃٌ، والخَرْدَلُ ضَرْبٌ مِنَ الحُرُفِ معروف، الواحدۃُ الخَرْدَلَۃُ (لسان)

صَخْرَۃٌ: صَخْرٌ کے معنی سخت پتھر یا چٹان کے ہیں: وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ: اور ثمود جنہوں نے وادی میں چٹان تراش کر (مکان بنائے) صَخْرَۃٌ واحد ہے اور اسکی جمع صَخْرٌ آتی ہے، بغیر حرف تا کے علامہ قرطبی نے سُدی کا قول نقل کیا ہے کہ صَخْرَۃٌ ساتوں زمینوں کے بعد آتی ہے،

تُصَعِّرْ : وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ
وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ، اور
اپنے گال مت پھیلا لوگوں کی طرف، اور مت
چل زمین پر اتراتا ۔ لَا تُصَعِّرْ : صَعَر سے مشتق
ہے، اونٹ کی ایک بیماری ہے جس سے گردن
مڑجاتی ہے ۔ جیسے انسانوں میں لقوہ معروف
بیماری ہے جس سے چہرہ ٹیڑھا ہوجاتا ہے
مراد اس سے رُخ پھیر لینا ہے مطلب یہ ہے
کہ لوگوں کی ملاقات اور گفتگو میں ان سے منہ
پھیر کر گفتگو نہ کرو جو ان سے اعراض کرنے
اور تکبر کی علامت ہے اور اخلاق شریفانہ کے خلاف
ہے (معارف) صَعِرَ (س) صَعَرًا وجہٗ منہ
کا ٹیڑھا ہونا ۔ صفت اَصْعَر ۔ صَعِرٌ ۔ وصَاعِرٌ
و اَصْعَرَ تینوں کے معنی ایک ہی ہیں ۔ صَعَّرَ
خَدَّہٗ ۔ تکبر کی وجہ سے گردن کو ٹیڑھا کرنا ۔ ہر
کام جو مشکل ہو اس کو بھی مُصَعِّرٌ کہا جاتا ہے
صَعَّارٌ : متکبر ۔ مغرور ۔ تَصْعِیرٌ تکبر سے
منہ موڑنا ۔ علامہ قرطبی نے ایک حدیث
نقل کی ہے، یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَیْسَ
فِیْہِمْ اِلَّا اَصْعَرُ اَوْ اَبْتَرُ ۔ کہ لوگوں پر ایک
زمانہ آنے والا ہے کہ انہیں یا تو متکبر منہ پھیرنے
والے ہونگے یا سفلے اور ناقص لوگ ۔ صَعَرٌ
کے اصل معنی جھک جانے کے ہیں ۔ متکبر چونکہ غرور
کی وجہ سے اپنے منہ کو ایک جانب رکھتا ہے اسلئے
تصعیر کا لفظ گردن موڑنے کے معنی میں آنے لگا ہے

مَرَحًا : وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا،
اور زمین پر اکڑ کر نہ چل ۔ مَرَحٌ : اکڑ کر اترا کر
چلنا ہے (معارف) علامہ راغب نے لکھا ہے
کہ مَرَحٌ کے معنی بہت زیادہ فرح کے ہیں ۔
یعنی ایسی خوشی اور مسرت کہ جس میں انسان اترانے
لگے ۔ مَرِحٌ صفت مشبہ ہے ۔ اترانے والا،
اور مَرْحٰی کلمہ تعجب ہے جو اَحْسَنْتَ اور اَحْبَبْتَ
کی جگہ استعمال ہوتا ہے مَرِحَ الرجل آدمی
کا بہت خوش ہوکر اترانا ناز سے چلنا ۔ اور
المِرَاحُ کے معنی خوشی اور اتراہٹ کے ہیں ۔
اَمْرَحَہٗ : خوش کرنا ۔ سورۃ المؤمن میں ہے
ذٰلِکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ
الْحَقِّ وَبِمَا کُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۔ یہ (سزا)
اسکی ہے کہ دنیا میں ناحق خوشی رچاتے تھے
اور اس کی کہ تم اترایا کرتے تھے ۔ فَرَحٌ کا تعلق
قلب سے ہے اور مَرَحٌ کا جسم سے ۔ یہ خدا فراموشی
کا نتیجہ ہوتا ہے ۔ تَفْرَحُوْنَ ، یہ فَرِحٌ سے مشتق
ہے جسکے معنی ہیں خوش اور مسرور ہونا ، اور
تَمْرَحُوْنَ ، مَرَحٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنی ہیں
اترانا اور مال و دولت پر فخر و غرور میں مبتلا ہوکر
دوسروں کے حقوق میں تعدی کرنا ۔ مَرَحٌ تو

مطلقاً مذموم و حرام ہے اور فَرَحٌ بِیَّن تفصیل ہے کہ مال و دولت کے نشہ میں خدا کو بھولکر معاصی سے لذت حاصل کرنا اور ان پر خوش ہونا یہ تو حرام و ناجائز ہے اور اس آیت کریمہ میں یہی فَرَح مراد ہے اور قارون کے قصہ میں اسی فَرَح سے منع فرمایا گیا ہے کہ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۔ یعنی بہت خوش نہ ہو اللہ تعالیٰ خوش ہونے والے کو پسند نہیں کرتا، اور دوسرا درجہ فَرَح کا یہ ہے کہ دُنیا کی نعمتوں اور راحتوں کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھ کر ان پر خوش ہونا اور مسرت کا اظہار کرنا یہ جائز اور مستحب ہے، بلکہ مامور بہ ہے جیسا کہ ارشاد ہے کہ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ، یعنی اس پر خوش ہونا چاہیئے،

مُخْتَالٍ : إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ : مختال باب افتعال کے مصدر اختیال سے اسم فاعل ہے ۔ اصل مادہ خَيْلٌ ہے ۔ مغرور ۔ ناز سے چلنے والا ۔ اترانے والا ۔ متکبر اور الْخُيَلَاءُ کے معنی تکبر کے آتے ہیں جو کسی ایسی فضیلت پر مبنی ہو جو انسان اپنے اندر خیال کرتا ہو اور فی الواقع وہ فضیلت اس میں نہ ہو ۔ اسی سے لفظ خَيْلٌ کہا گیا ہے کیونکہ جو شخص گھوڑے پہ سوار وہ اپنے اندر نخوت اور غرور پاتا ہے ۔ الْخَيَالُ : اسکے اصل معنی صورت مجردہ کے ہیں جیسے وہ صورت جو خواب یا آئینے میں نظر آتی ہو یا کسی کی عدم موجودگی میں دل کے اندر اسکا تصور آتا ہے ۔ پھر مجازاً ہر اس امر پر اسکا اطلاق ہوتا ہے جسکا تصور کیا جائے (راغب ۔ روح)

أُغْضُضْ : وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۔ اور اپنی آواز کو پست رکھ ۔ أُغْضُضْ ، غَضٌّ سے امر کا صیغہ ہے جسکے معنی جھکانے اور نیچا کرنے کے ہیں ۔ أُغْضُضْ : تو نیچے کر ۔ تو جھکا پست کر أُغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ : اپنی آواز کو آہستہ رکھ آہستہ بول ۔ علامہ راغب نے لکھا ہے کہ غَضٌّ کے اصل معنی کمی کرنے کے ہیں خواہ نظر اور صورت میں یا برتن سے کچھ کم کرنے کی صورت میں ہو ۔

الْحَمِيْرِ : إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ : بیشک سب سے بُری آواز گدھے کی ہوتی ہے ۔ الْحِمَارُ : گدھا ، اسکی جمع حَمِيْرٌ ۔ حُمُرٌ اور اَحْمِرَةٌ آتی ہے ۔ آخری جمع قرآن میں مستعمل نہیں ہے ۔ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ ، گویا گدھے ہیں جو بدک جاتے ہیں ۔ ہم نے آیت کا ترجمہ تفسیر ماجدی سے لیا ہے جو واحد کا ترجمہ ہے اسی طرح بعض دوسرے تراجم میں بھی حَمِيْرٌ کا ترجمہ لفظ گدھے سے کیا گیا ہے جو اُردو ترکیب واحد کا ترجمہ بنتا ہے البتہ حضرت تھانویؒ نے اسکا ترجمہ کرتے ہوئے اسکی جمع کیطرف

اشارہ کیا ہے ۔ فرماتے ہیں کہ بیشک آوازوں میں سے بُری آواز گدھوں کی (ہوتی) ہے، تفہیم القرآن کا ترجمہ بھی اسی سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے ۔

اَسْبَغَ : وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً : اسباغ کے معنی مکمل کرنے کے ہیں معنی یہ ہے کہ مکمل کر دیا اللہ نے تم پر اپنی ظاہری نعمتوں کو اور باطنی نعمتوں کو ۔ دِرْعٌ سَابِغٌ : پوری اور وسیع زرہ کو کہتے ہیں اور آیت کریمہ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ کا معنی یہ ہے کہ زرہیں پوری پوری اور کشادہ بناؤ ۔ اسی سے استعارۃً کے طور پر اسباغ الوضوء کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں وضو پورا پورا کرنا اور تمام اعضائے وضو کو صحیح طرح دھونا اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ میں یہی محاورہ مستعمل ہے ۔

سَبَغَ يَسْبُغُ (ن) سُبُوْغًا : پورا ہونا ۔ کشادہ ۔ مائل ہونا ۔ ملنا ۔ سَبَغَ الْعَيْشُ : زندگی کا فراغ اور خوشحال ہونا ۔ سَبَغَ اِلٰى وَطَنِهٖ اپنے وطن کیطرف مائل ہونا ۔ اَلسُّبُغَةُ : فراخی خوشحالی آسودگی، اِسْبَاغٌ پورا کرنا مکمل کرنا ۔ حدیث میں ہے اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ ۔ تکلیف کے وقتوں میں وضوء کو پورا کرنا ۔ ایک اور حدیث ہے اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ : وضوء کو پورا کرو یعنی اعضاء کو صحیح طور پر دھوؤ ۔ ارشاد ہے اَسْبِغُوا الْيَتِيْمَ فِي النَّفَقَةِ ۔ یتیم پر اچھی طرح فراغت کے ساتھ خرچ کرو تاکہ اسکی تعلیم و تربیت میں کوئی کوتاہی نہ ہو ۔ ہر وہ چیز جو زمین کی طرف لٹکی ہوئی ہو سَابِغٌ ہے اسی طرح پوری اور مکمل چیز کو بھی سَابِغٌ کہا جاتا ہے، شَيْءٌ سَابِغٌ اى كَامِلٌ وَافٍ (لسان)، وكل شَيْءٍ طَالَ اِلَى الْاَرْضِ سَابِغٌ (لسان)، اور سَبَغَ الْمَطَرُ بارش زمین کے قریب ہوگئی ۔

اَلْعُرْوَةُ : فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى : تو اُس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا ۔ عروہ : کڑا حلقہ کسی چیز کا قبضہ وہ چیز جس کو (بطور سہارے) کے پکڑا جائے اس آیت کریمہ میں ایمان باللہ کو بطور تمثیل کے مضبوط حلقہ سے تعبیر کیا گیا امام فخر الدین رازیؒ نے سورۂ بقرہ کی آیت فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى، کے تحت لکھا ہے ۔ اسمیں شئ معقول کے لئے شئ محسوس کا استعارہ ہے کیونکہ جو شخص کسی چیز کو تھامتا ہے وہ اسکے دستے اور حلقے کو پکڑتا ہے ۔ اسی طرح جو کوئی اس دین اسلام کو تھامنا چاہتا ہے وہ ان دلائل سے وابستہ

ہو جاتا ہے جو اس پر رہنمائی کرتے ہیں، اب چونکہ اسلام کے دلائل سب سے زیادہ مضبوط اور واضح تر ہیں اس لئے انکو العروۃ الوثقی سے موسوم کیا گیا ہے۔ العُروۃِ الوثقی: محکم سہارا۔ پکا آسرا

اَلْوُثْقٰی: یہ اَوْثَقُ (اَفْعَلُ) کی مؤنث ہے اور قریب قریب مُوْثُوْقٌ کے ہم معنی ہیں، اور ثِقَۃٌ: قابلِ اعتماد آدمی۔ یہ واحد اور جمع دونوں کے لئے بولا جاتا ہے، قوم ثِقَۃٌ اور رَجُلٌ ثِقَۃٌ اور بطور استعارہ کے لفظ ثقہ موثوق کے معنی میں آتا ہے یُوْثُوْقٌ (معتمد) اور الوَثَاق اس رسی یا زنجیر وغیرہ کو کہا جاتا ہے جس سے کوئی چیز کس کر باندھی جائے (دیکھئے سورۃ البقرہ)

خَلْقٌ: مَاخَلْقُکُمْ وَلَا بَعْثُکُمْ اِلَّا کَنَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ۔ (الخَلْقُ۔ پیدائش بنانا۔ پیدا کرنا۔ یہ خَلَقَ یَخْلُقُ (ن) کا مصدر ہے۔ اصل میں الخلق کے معنی تقدیر مستقیم یعنی صحیح اندازہ لگانے کے لئے آتا ہے۔ اور اسکا استعمال بمعنی ابداع بھی ہوتا ہے۔ یعنی کسی چیز کو بغیر مادہ کے اور بغیر کسی تقلید کے پیدا کرنا۔ اور آیت کریمہ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ والارض اس پر دلالت کر رہا ہے اور خَلْقٌ کا لفظ ایک شئ سے دوسری شئ کے بنانے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ، اسنے تم کو پیدا کیا ایک جان سے اور آیت کریمہ خلق الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ: خلق بمعنی ابداع ذات باری کی مخصوص صفت ہے۔ آیت شریفہ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ افلا تذکرون میں اسی فرق کو واضح کیا گیا ہے، البتہ دوسرے معنی کہ جسمیں ابداع نہیں بلکہ استحالہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ نے اس سے غیر کو بھی موصوف کیا ہے جیسا کہ حضرت عیسی علیہ السلام کے باب میں فرمایا، وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَۃِ الطَّیْرِ۔ اور عام لوگوں کے حق میں خلق کا استعمال صرف دو معنوں میں ہوتا ہے ایک اندازہ کرنے کے لئے اور دوسرے جھوٹ بولنے کے لئے، جیسا کہ وَ تَخْلُقُوْنَ اِفْکًا۔ اور تم جھوٹی باتیں گھڑتے ہو اور آیت کریمہ فتبارک اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ میں خلق کا استعمال اندازہ کرنے اور صورت گری کے معنی میں ہے۔ اور اَلْخَلَاقُ: وہ فضیلت ہے جو انسان اپنے اخلاق اور عادات حسنہ سے حاصل کرتا ہے، وَمَالَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ خَلَاقٍ۔ ایسے لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں، اور الخَلَّاق۔ خَلْقٌ سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ پیدا کرنے والا۔ اصل بنانے والا

بَعَثُ : وَلَا بَعْثُكُمْ : بعث: جی اُٹھنا اُٹھا کھڑا کرنا۔ زندہ کرنا۔ اصل میں بعث کے معنی کسی چیز کو اُبھارنے اور کسی طرف بھیجنے کے ہیں اور اِنْبَعَثَ اس کا مطاوع ہے مگر متعلقات کے لحاظ سے بعث کے معنی میں تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے مثلاً بَعَثْتُ البعیر کے معنی اونٹ کو اُٹھانے اور آزاد چھوڑنے کے ہیں اور اگر اس کا استعمال مردوں کے متعلق ہوگا تو اسکے معنی جی اُٹھنے اور حشر کے ہونگے، اور رسولوں کے متعلق ہوگا، تو بعثت بمعنی مبعوث کرنا اور بھیجنا ہوگا مطلب یہ ہے کہ نسبت کے اختلاف سے معنوں میں تبدیلی ہوتی ہے جو قرینہ سے سمجھی جاتی ہے،

علامہ راغب نے لکھا ہے کہ بعث دو قسم پر ہے ایک بعث بشری جسکا فاعل بشر اور انسان ہوتا ہے جیساکہ بعثت البعیر یعنی اونٹ کو اُٹھا کر چلانا اور بَعَثْتُ الانسانِ فی حَاجَۃٍ کسی حاجت کیلئے انسان کو بھیجنا۔ دوسری قسم بَعْثِ الٰہی کی ہے یعنی جب اسکی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے۔ پھر بعثِ الٰہی خود دو قسم پر مشتمل ہے ایک یہ کہ اجناس اعیان اور انواع کو عدم سے وجود میں لانا، یہ قسم اللہ تعالےٰ کی خاص صفت ہے جسمیں کوئی شریک نہیں ہے اور اس پر کبھی بھی کسی دوسرے کو قدرت حاصل نہیں ہوتی بعث الٰہی کی دوسری قسم مُردوں کو زندہ کرنا ہے، اس صفت کیساتھ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اپنے مخصوص بندوں کو بھی متصف فرما دیتا ہے جیساکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ وَاِذْ تُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ بَعَثُ قَیَضَ کے معنی میں بھی آتا ہے، قرآن میں ہے۔ بَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ یعنی ہم نے مقرر کردیا ایک کوّا جو زمین کریدنے لگا۔ اور جب اسکی نسبت رسولوں کیطرف ہوتی ہے تو اسکے معنی مبعوث کرنے کے ہوتے ہیں، و لقد بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا، بَعَثَ بہ دوسرے کے ساتھ بھیجنا، اور یہ نیند سے بیدار کرنیکے معنی میں بھی آتا ہے جیساکہ ارشاد ہے ثُمَّ بَعَثْنٰھُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا۔ یہاں بَعَثْنَا کے معنی صرف نیند سے اُٹھانے کے ہیں بَعَثَہٗ مِنْ نَوْمِہٖ: اسکو نیند سے جگایا۔ بَعَثَہٗ عَلَی الشَّیْءِ اسنے اسکو کسی کام پر اُکسایا۔ بَعَثَ جب علیٰ کے ساتھ استعمال ہو تو اسکے معنی مسلط کردینے کے بھی آتے ہیں جیساکہ ارشاد ہے، بَعَثْنَا عَلَیْکُمْ عِبَادًا لَّنَا اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ۔ ہم تمہارے اوپر اپنے

ایسے بندے مسلط کردینگے جو بڑے جنگجو ہونگے ۔

صَبَّارٍ: لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ : صَبَّارٍ بڑا صبر کرنے والا۔ بلا کا صابر۔ بڑا تحمل کرنے والا بڑا قائم رہنے والا ۔ صَبْرٌ سے فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے ۔ علامہ راغبؒ لکھا ہے کہ صبارٌ اُس وقت کہا جاتا ہے جبکہ اسمیں ایک قسم کا تکلف ہو۔ علامہ سید مرتضیٰ زبیدی نے صبر کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں (۱) صابر (۲) مُصْطَبِرٌ (۳) مُتَصَبِّرٌ (۴) صَبُوْرٌ (۵) صبارٌ سو صابر تو ان سب میں عام درجہ ہے اور مُصْطَبِرٌ جو صبر کے حصول میں لگا ہوا ہو اور اسمیں مبتلا ہو۔ اور مُتَصَبِّرٌ وہ جو بقوت صبر سے کام لے اور اپنے آپ کو اس پر مجبور کرے ۔ اور صَبُوْرٌ جو بڑا صبر کرنے والا ہو۔ اسکا صبر دوسروں کے صبر سے بڑھ کر ہو اور صبارٌ بلا کا صابر ہو کہ بڑے بڑے حوادثاتِ زمانہ اس کی چٹان صبر سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں ۔

خَتَّارٍ: وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ : اور ہماری نشانیوں کا (کوئی) انکار نہیں کرتا مگر ہر وہ شخص جو غدار اور ناشکرا ہو غدار وہ شخص جو سخت بے وفا ہو اور اپنے عہد و پیماں کا کوئی خیال نہ رکھے ۔ ختارٌ خَتْرٌ سے فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے ۔ خَتْرٌ کے معنی بُری طرح عہد شکنی کرنے کے ہیں جس سے انسان ضعیف اور ڈھیلا پڑ جائے ۔

الخَتَّارُ : الغَدَّارُ والخَتْرُ : اَسْوَأُ الغَدْرِ (قرطبی) قال الجوهری الختر: الغَدْر (قرطبی) الختر : اَشَدُّ الغَدْرِ (کشاف)

حدیث میں ہے ، فَاخَتَرَ قَوْمٌ اِلَّا سُلِّطَ عَلَيْهِمُ العَدُوُّ ۔ جو کوئی قوم عہد شکنی کرتی ہے تو اس کا دشمن اس پر مسلط کر دیا جاتا ہے ۔ فَتَرَهُ الشَّرَابُ : شراب نے اسکے قویٰ کو مضمحل کر دیا

شرح الفاظ القرآن من سورة السجدة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يُدَبِّرُ : يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ : آسمان سے زمین تک وہی ہر امر کی تدبیر کرتا ہے پھر یہ امر اسکے پاس پہنچ جائے گا۔ یُدَبِّرُ باب تفعیل کے مصدر تدبیر سے واحد مضارع کا صیغہ ہے، تدبیر کے معنی ہیں کسی معاملے کے انجام پر نظر رکھتے ہوئے اسمیں غور و فکر کرنا، اس لفظ کی پوری تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔

يَعْرُجُ : يَعْرُجُ إِلَيْهِ : العروج کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں۔ تعرج الملئكة والروح اليه جس کی طرف روح الامین اور فرشتے چڑھتے ہیں اور معارج کے معنی سیڑھیوں کے ہیں اور یہ معرَج اور معراج کی جمع ہے، من اللہ ذی المعارج۔ سیڑھیوں والے خدا کی طرف سے، اور شب معراج کو لیلۃ المعراج اسلئے کہتے ہیں کہ اسمیں بندوں کی دعائیں اوپر کی طرف چڑھتی ہیں۔ عَرَجَ فی السُّلَّم : سیڑھی پر چڑھنا اور عُرِجَ بہ۔ چڑھایا جانا۔ حدیث معراج میں ہے ثم عُرِجَ بی : پھر مجھ کو چڑھایا گیا۔ ایک اور روایت میں ثم عَرَجَ بی ہے یعنی پھر مجھ کو لیکر چڑھا،

نَسْلُ : ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۔ پھر چلائی اسکی نسل نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے یعنی نطفہ سے جو عرف میں ایک گندی چیز ہے۔ النسل کے معنی کسی چیز سے الگ ہو جانے کے ہیں محاورہ ہے نسل الوبر عن البعیر اون اونٹ سے الگ ہو گئی اور نسل القمیص عن الانسان کے معنی قمیص کا بدن سے الگ ہو جانا ہے۔ اسی سے اولاد اور ذُرّیت کو نسل کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی اپنے باپ سے الگ ہوتی ہے۔ یہاں نسل سے مراد اولاد ہی ہے اور آیت کریمہ وَ یھلک الحرث والنسل میں نسل سے مراد مال مویشی ہیں۔ النُّسَالُ اور النُّسَالَةُ : وہ بال اور اون جو خود گر جائیں اور نَسِيْلَةٌ : پگھلا ہوا شہد۔

سُلٰلَةٌ : خلاصہ نچوڑ سَلَّ الشیءَ مِنَ الشیء۔ ایک چیز کو دوسری چیز سے کھینچ لینا، یہاں مراد نطفہ ہے جو غذاء انسانی کا خلاصہ ہوتا ہے

نَفَخَ : وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ، اور

اسمیں اپنی طرف سے روح پھونکی۔ النَّفْخُ کے معنی کسی چیز میں پھونکنے کے ہیں نَفَخَ بِفَمِہٖ : منہ سے پھونک مارنا۔ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ جس دن صُور پھونکا جائے گا۔ اسی سے نفخ الرّوح ہے جس کے معنی دُنیا کے اندر روح پھونکنے کے ہیں۔ جناب آدم علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ نفخ روح سے مرا یہاں نفخ مجازی ہے یعنی رُوح کو بدن کے متعلق کردینا۔ ونفخ الرّوحُ قیل مجاز عن جعلها مُتَعَلِّقَةً بِالبَدَنِ (روح)

ضَلَلْنَا : وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں جب ہم مٹی میں رُل مِل چکے ہونگے ؟ ضَلَلْنَا۔ ہم رل گئے۔ ہم گم ہوگئے۔ ہم ضائع ہوگئے۔ یہ موت اور بدن کے استحالہ کا کنایہ ہے (لغات القرآن)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ ضلّ الماءُ فی الارض سے مشتق ہے۔ جسکے معنی ہیں پانی دودھ میں گم ہوگیا۔ یعنی پانی اتنا مغلوب ہوا کہ دودھ میں اسکا اثر ظاہر نہیں ہوا اسی سے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ کہ ہمارے والد تو ان دونوں کی محبت میں مغلوب ہیں یعنی حضرت یوسف اور اُنکے بھائی کی محبت میں، اور جب کوئی چیز دوسری چیز میں مل کر اسقدر مغلوب ہوجائے کہ اسکا اثر بالکل چھپ جائے تو شیئ مغلوب کے لئے بولتے ہیں۔ قد ضَلَّ اور قطرب نے ضَلَلْنَا فی الارض کے معنی غِبْنَا فی الارض کئے ہیں (قرطبی) صاحب کشاف لکھتے ہیں (ضَلَلْنَا) صِرنا تُرَابًا وذَهَبْنَا مختلطين بتراب الارض لانَتَمَيَّزُ منه۔ كما يضل الماء في اللبن اوغبنا (کشاف) اور ضلالٌ کا لفظ ہر قسم کی گمراہی کے لئے بولا جاتا ہے چاہے وہ گمراہی قصدًا ہو یا سہوًا۔ معمولی ہو یا زیادہ کیونکہ ضلال کے معنی سیدھی راہ سے ہٹ جانےکے ہیں خواہ یہ ہٹنا تھوڑا ہو یا زیادہ۔ ضَلَّ الْمَتَاعُ اِذَا ضَاعَ۔ سامان ضائع ہوگیا۔

تَتَجَافٰی : تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ جدا رہتی ہیں اُنکی کروٹیں اپنے سونے کی جگہ سے، تجافیٌ سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے جسکے معنی ہیں جگہ سے الگ اور دُور ہونا۔ تَجَافٰی عَنِ الْمَكَانِ قرار نہ پانا۔ تَجَافٰی السَّرْجُ عَنْ ظَهْرِ الْفَرَسِ۔ تجافٰی فی جَنْبُهٗ عَنِ الفراش۔ اس کا پہلو بستر سے دُور رہا۔ جَفَا يَجْفُوْا جَفَارَةً ایک جگہ قرار نہ پکڑنا۔ بے قرار رہنا جفا الشَّیْئُ يَجْفُوْا جَفَاءً وتجافٰی لم يَلزَم مكانهٗ (لسان) جفا فعل لازم ہے، عرب لوگ کہتے ہیں، جَفَا یعنی وہ دُور ہوا۔ اور اَجفاءُ دُور کیا۔ حدیث

میں ہے کان یجافی عَضُدَیْهِ عَنْ جَنْبَیْهِ
لِلسُّجُوْدِ۔ سجدے میں آپ اپنے دونوں بازوؤں
کو پہلو سے الگ رکھتے۔ قَالَ الزَّجَاج والرُّمَانِیّ
التَّجَافِی: التَّنَحِّی الی جِهَةِ فَوْقٍ ۔

جُنُوْبٌ: الجُنُوْبُ جمع جَنْبٍ، جُنُوْبُ
جَنْبٌ کی جمع ہے۔ پہلو (قرطبی)

المَضَاجِعُ: اسم ظرف ہے۔ اسکا واحد
مَضْجَعٌ ہے۔ بستر۔ خوابگاہ۔ سونے کی جگہ۔
ضَجْعٌ کے اصل معنی سونے ہی کے ہیں۔ لیکن
سونے سے مراد کبھی موت لیجاتی ہے۔ اور
مَضْجَعٌ سے مراد سونے کی جگہ۔ چنانچہ سورہ
آلِ عمران کی آیت لَبَرَزَ الَّذِیْنَ کُتِبَ عَلَیْهِمُ
الْقَتْلُ اِلٰی مَضَاجِعِهِمْ میں مضاجع سے
مراد قتل گاہیں ہیں۔ ضَجَعَ (ف) ضَجْعًا و
ضُجُوْعًا: پہلو کے بل لیٹنا۔ ضَجَعَ النَّجْمُ ستارے
کا غروب کیلئے جھکنا۔ ضَجِیْعٌ ساتھ لیٹنے والا مونث ضَجِیْعَةٌ

مُنْتَقِمُوْنَ: اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ
مُنْتَقِمُوْنَ: ہم مجرموں سے بدلہ لیکر رہیں گے
(ماجدی) مُنْتَقِمُوْنَ باب افتعال کے مصدر
انتقام سے اسم فاعل جمع مذکر ہے بدلہ میں سزا
دینے والے نَقِمْتُ الشَّیْءَ وَنَقَمْتُهُ کسی چیز کا
برا سمجھنا۔ یہ کبھی زبان سے ہوتا ہے یعنی
عیب لگانے سے اور اس کا اطلاق عقوبت
اور سزا پر ہوتا ہے۔ آیتِ کریمہ وَمَا نَقَمُوْا
مِنْهُمْ اِلَّا اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ انکو ایمان
لانے والوں کی صرف یہی بات بری لگتی تھی کہ
وہ خدا پر ایمان لائے ہوئے تھے۔

اَلْجُرُزِ: اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ
الْمَاءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ: جُرُزٌ: بنجر
چٹیل۔ وہ زمین جس میں کچھ پیدا نہ ہوتا ہو
قرآن پاک میں ہے۔ صَعِیْدًا جُرُزًا: بنجر میدان
جُرُزٌ کے معنی کاٹ دینے اور کھاکر صاف کردینے
کے ہیں، صفت مشبہ کا صیغہ ہے یعنی وہ زمین
جسکے درخت اور گھاس چھانٹ دیئے گئے ہوں
اور چونکہ چٹیل میدان اور بنجر زمین درختوں اور
گھاس سے خالی ہوتی ہے اسلئے جُرُزٌ کہلاتی ہے
اَرْضٌ مَجْرُوْزٌ: وہ زمین جسکی گھاس چر کر
ختم کردی گئی ہو جو صاحب دستر خوان کا
صفایا کردیں ان کو مَجْرُوْزٌ کہا جاتا ہے مثل ہے
لَا یَرْضٰی شَانِئُهُ اِلَّا بِجَزْرِهٖ اس کے
دشمن اس کا استیصال کئے بغیر راضی
نہیں ہونگے۔

شرح الفاظ القرآن من سورة الاحزاب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلنَّبِيُّ : يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ : النبیّ معروف باللام صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ اصل میں نَبِیْئٌ تھا۔ ہمزہ کو یار سے بدل کر یار کو یار میں ادغام کردیا۔ پیغمبر۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فعیل بمعنی فاعل ہو۔ جیسے فرمایا، نَبِّئْ عِبَادِیْ: کہ اے نبی! میرے بندوں کو اطلاع کردو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فعیل بمعنی مفعول ہو یعنی خبر دیا گیا ہو۔ کیونکہ نبی اللہ تعالیٰ کیطرف سے خبر دیا جاتا ہے یہ نبارٌ سے ماخوذ ہے جسکے اصل معنی خبر مفید کے ہیں جو علم یا غلبۂ ظن کا فائدہ دے اور حقیقی معنی کے اعتبار سے کسی خبر پر نبارٌ کا اطلاق نہیں ہوسکتا جب تک اسمیں تین چیزیں موجود نہ ہوں۔ یعنی نہائیت (۲) مفید ہونا، (۳) علم یا غلبۂ ظن کا حاصل ہونا، اور نبارٌ کا اطلاق صرف اس خبر پر ہوتا ہے جسمیں کذب کا احتمال نہ ہو جیسے خبر متواتر خبر الٰہی اور خبر نبوی اور النُّبُوَّةُ وہ سفارت جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان انکے اُمورِ دُنیوی اور اُخروی میں خرابیوں کو دور کرنے کے لئے جاری ہوتی ہے اس کو نبوۃ کہا جاتا ہے اور نبی کو نبی اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں کی خبر دیتا ہے جن پر عقول سلیمہ مطمئن ہوتی ہیں (راغب) لفظ نبی کا ترجمہ غیب کی خبریں دینے والا کرنا قرآن پاک میں تحریف ہے۔ دیکھئے اَلنَّبَأُ۔

جَوْفٌ : وَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ۔ جوف کسی چیز کا اندرونی حصّہ جو خالی ہو جوفٌ کہلاتا ہے، جوف الانسان آدمی کا پیٹ۔ مکان کا اندرونی حصّہ جَوَفَ (س) جَوَفًا۔ کھوکھلا ہونا۔ الجَوَفُ (بتحریک الواو) کشادگی۔ رَجُلٌ مُجَوَّفٌ بزدل اندر سے کھوکھلا

تُظٰهِرُوْنَ : تم ظہار کرتے ہو تم ماں کہتے ہو۔ مظاہرۃٌ اور ظہارٌ سے ہے جس کے معنی اپنی بیوی سے ظہار کرنے کے ہیں۔ ظہارٌ کے لغوی معنی شوہر کا اپنی بیوی کو یوں کہنا کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ۔ یہ گویا حرمت کا استعارہ ہے یعنی تو مجھ پر حرام ہے اور اصطلاحِ شرع میں اپنی منکوحہ کو محرمات ابدیہ کے ساتھ یا ان کے اُن اعضار کیساتھ

تشبیہ دینا جن کا اس شخص کیلئے دیکھنا جائز نہیں ظہار کہلاتا ہے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ظہار کی حقیقت یہ ہے کہ ایک پشت کو دوسری پشت کے ساتھ تشبیہ دینا اور حرمت کا حکم ثابت کرنیکا موجب یہ ہے کہ ایک حلال کو حرام ظہر کے ساتھ تشبیہ دینا ہے اور اصل ظہار میں یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو کہے اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ ۔حقیقۃُ الظِّھار تشبیہ ظَھْرٍ بظھر، والموجب للحُکْمِ منہُ، تشبیہ ظھر مُحَلّل بظھرٍ مُحَرَّمٍ۔ واصل الظھار ان یقول الرجل لامْرَءَتِہٖ اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ (قرطبی سورۂ مجادلہ) ظہار کا حکم یہ ہے کہ شوہر پر اس عورت سے صحبت کرنا یا ایسی باتیں جو صحبت کا سامان ہوں سب حرام ہیں جب تک کفارہ ادا نہ کرے تفصیل کتب فقہ میں دیکھئے ظَاھَرَ مِن امْرَأَتِہٖ اس نے اپنی بیوی سے ظہار کیا۔

اَدْعِیَاءَ : وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَاءَ کُمْ اَبْنَآءَ کُمْ۔ اور نہیں کیا تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے۔ اَدْعِیَاء دَعِیٌّ کی جمع ہے۔ دَعِیٌّ وہ لڑکا ہے جس کو منہ بولا بیٹا کہا جائے۔ یہ فَعِیْلٌ بمعنی مفعولٌ ہے، اور اَدْعِیَاءُ اَفْعِلَاءُ کے وزن پر ہے۔ صاحب جمل نے لکھا ہے کہ یہ جمع خلافِ قیاس ہے کیونکہ اَفْعِلَاءُ اس فعیل معتل اللام کی جمع ہوتی ہے جو بمعنی فاعل ہو۔ جیسے تَقِیٌّ کی جمع اَتْقِیَاءُ اور غَنِیٌّ کی جمع اغنیاءُ۔ تو دَعِیٌّ اگرچہ فَعِیْلٌ کے وزن پر تو ہے لیکن معنی میں فاعل کے نہیں بلکہ مفعول ہے اس لئے قیاس کے مطابق اس کی جمع فَعْلٰی کے وزن پر آنی چاہئے تھی جیسے قَتِیْلٌ کی جمع قَتْلٰی اور جَرِیْحٌ کی جمع جَرْحٰی۔ صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ یہاں دَعِیٌّ کی جمع تشبیہ لفظی کی بنا پر ادعیاء آتی ہے اور شاذ ہے۔ اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ فَعِیْلٌ معتل اللام کی جمع مطلقًا اَفْعِلَاء کے وزن پر آتی ہے لیکن علامہ آلوسی بغدادی فرماتے ہیں کہ یہ قول محل نظر ہے۔ دَعِیٌّ اصل میں دَعِیْوٌ ہے۔ واؤ کو یاء میں ادغام کر دیا گیا ہے۔ الادعِیَاءُ: جمع الدَّعِی، وھوالَّذِی یُدْعٰی ابنًا بغیر اَبِیْہِ اَوْ یدّعی غیر ابیہ والمصدر۔ الدِّعْوَۃُ (بالکسر) (قرطبی)

مَوَالِیْ : فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْکُمْ تو تمہارے بھائی ہیں دین میں اور رفیق ہیں، موالی جمع ہے مولیٰ کی۔ آقا۔ آزاد کردہ غلام دوست۔ بھائی بند۔ وَلَاءٌ اور تَوَالِیْ دو

چیزوں میں ایسی کیفیت اتصالیہ کہ اجنبیت
حائل نہ رہے۔ مجازاً قرب مراد ہوتا ہے۔
خواہ وہ قرب بلحاظ مکان یا نسب یا بلحاظ دین
دوستی یا امداد و نصرت کے ہو یا اعتقاد کے
ہو۔ وِلَایَۃٌ واؤ کی زیر کے ساتھ نُصرت اور
امداد کے معنی دیتا ہے۔ وَلِیَ الرجلَ وعَلَیْہِ:
نَصَرَہٗ۔ مدد کرنا اور وَلَایَۃٌ واؤ کے زبر
(فتح) کے ساتھ۔ اسکے معنی کسی کام کے متولی
ہونے کے ہیں۔

الوَلِیُّ اور اَلمَوْلیٰ۔ کبھی دونوں اسم فاعل
یعنی موالٍ کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں
اور کبھی موالیٌ یعنی اسم مفعول کے معنی میں
اور مومن کو وَلِیُّ اللہ تو کہا جاتا ہے لیکن
مَولَی اللہ کہنا ثابت نہیں ہے مگر اللہ تعالےٰ
کے متعلق ولی المؤمنین اور مولی المؤمنین
دونوں بول سکتے ہیں۔ وَلِیٌّ اور مَوْلیٰ دونوں
ہم معنی ہیں۔ ہر ایک کے معنی میں قرب و
اتّصال کا مفہوم ملحوظ ہے۔ اس لئے دونوں
لفظوں کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر بھی ہوتا ہے
اور بندوں پر بھی۔ لیکن مومن اور غیر مومن
میں چونکہ رشتۂ اتصال اور تولّی نہیں ہے
اس لئے ایک دوسرے کے ولی اور متولّی
نہیں ہیں۔

اَوْلیٰ: اَلنَّبِیُّ اَوْلیٰ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ
اَنْفُسِھِمْ: نبیؐ سے لگاؤ ہے ایمان والوں
کو زیادہ اپنی جانوں سے۔ اَوْلیٰ۔ زیادہ لائق
زیادہ مستحق زیادہ قریب۔ وَلِیٌّ سے ماخوذ ہے
جنکے معنی پے در پے اور مسلسل واقع ہونے
کے ہیں۔

اسی لحاظ سے قریب ہونیکے معنی میں
بھی استعمال ہوتا ہے۔ صاحب منجد نے لکھا ہے
وَلِیَ یَلِیْ وَلْیًا فُلَانًا: دنامنہ وقرب
وھو (قلیل الاستعمال) تبعہٗ من غیر
فَصْلٍ: کسی کے قریب اور نزدیک ہونے کے
معنی میں مستعمل تو ہوتا ہے لیکن کم، اس کے
اصل معنی پے در پے اور مسلسل واقع ہونے
کے ہیں وَلِیَ الشیئُ الشیئَ۔ دوسری چیز کا
پہلی چیز کے بعد بلا فصل آنا اور اَوْلَیْتُ
الشیئَ بالشیئِ: دوسری چیز کو پہلی چیز کے
ساتھ ملانا۔ متصل کرنا۔ آزاد کردہ غلام
سے جو میراث حاصل ہو اسکو بھی الولاء
اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ مرنے کے متصل حاصل
ہوتی ہے۔ فُلَانٌ اَوْلیٰ بکذا: وہ اس کا
زیادہ حقدار ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے
فاللہُ اَوْلیٰ بِھِمَا۔ تو خدا ان کا زیادہ خیرخواہ
ہے وہ اُن کے زیادہ قریب ہے۔ اِنَّ

اَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو انکی اتباع کرتے ہیں، اور جب اَوْلٰی کا صلہ لام آتا ہے تو یہ معنی ڈانٹ دھمکی اور خرابی کے دیتا ہے چنانچہ آیت کریمہ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۔ تیرے لئے خرابی ہے خرابی ہے ۔ یعنی تو عذاب کا زیادہ سزاوار اور مستحق ہے ۔ النَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِينَ کا حاصل یہ ہے کہ آپ کا حکم ہر مسلمان کے لئے اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ واجب التعمیل ہے، آپؐ کے حکم کے خلاف والدین کا اتباع ممنوع ہے ۔ اسی طرح خود اپنی نفسانی خواہشات بھی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام کو مقدم رکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے صحیح بخاری کی روایت ہے کہ: مَا مِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَ اَنَا اَوْلَى النَّاسِ بِهٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ یعنی کوئی مومن ایسا نہیں جسکے لئے میں دُنیا و آخرت میں سارے انسانوں سے زیادہ قریب نہ ہوں جسکا حاصل یہ ہے کہ ہر مومن مسلمان پر اسکا لازمی اثر یہ ہو کہ وہ ہر چیز سے زیادہ عزیز آپؐ کو رکھے ۔ چنانچہ آپؐ کا ارشاد ہے لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُونَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِينَ ۔ تم میں سے کوئی بھی اُس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اُس کی محبت مجھ سے والد۔ ولد اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو

زَاغَتْ : وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ ، اور جبکہ آنکھیں کھُلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے ۔ الزَّيغ کے معنی حالتِ استقامت سے ایک جانب کو مائل ہوجانے کے ہیں ۔ رَجُلٌ زَائِغٌ ۔ مائل ہونے والا ، اس کی جمع زَاغَةٌ آتی ہے ۔ اور زاغتِ البَصَرُ کے معنی ہیں نگاہ نے غلطی کی ، ایک طرف کو مائل ہوگئی وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ سے مراد یہ ہے کہ خوف و ہراس کی وجہ سے اُن کو کچھ نظر نہیں آتا تھا ۔ یہ غزوۂ احزاب کی ہولناکی کا بلیغ نقشہ ہے جس کو مسلمان محسوس کررہے تھے، زاغتِ الابصار ۔ ای شخصت وقیل مالت (قرطبی ۔ راغب)

الْحَنَاجِرُ : وبلغتِ القلوبُ الحناجرَ اور کلیجے منہ کو آنے لگے ۔ حناجر جمع ہے حنجرۃٌ کی حلق ۔ گلا ۔ نرخرہ ۔ ای زالت عن اماکنها من الصدر حتی بلغت الحناجر ۔ وھی الحلاقیمُ واحدھا حَنْجَرَۃٌ (قرطبی)

سورۂ مؤمن میں ہے وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ اور آپ انھیں ایک قریبی مصیبت والے دن سے ڈرائیے جب کلیجے منہ کو آئیں گے (غم کی وجہ سے گھٹ گھٹ جائیں گے)
حَنْجَرَةٌ : بیرونی جانب سے علقوم کا سرا اور حلقوم، طعام و شراب کی گذرگاہ ہے۔
الْحَنْجَرَةُ : رأس الغلصمة وهي منتهى الحلقوم والحلقوم مدخل الطعام و الشراب (کشاف) الحنجور ـ نرخرہ سانس کی نالی۔ والحَنْجَرَةُ : راس الغلصمة حيث تراه ناتئًا من خارج الحلق و الجمع الحناجر۔ ومنه وبلغت القلوب الحناجر، اى صَعَدَتْ عن مواضِعِها (لسان) اور حنجر الرجل ـ ذبح کرنا حلق کاٹ دینا اور مُحَنْجِرٌ : پیٹ کی ایک بیماری کا نام ہے۔ حدیث میں ہے۔ ضَرَبَ حَنْجَرَةَ رَجُلٍ فَذَهَبَ صَوْتُهُ ـ ایک آدمی کے حلق پر مارا تو اس کی آواز بند ہو گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کی پوری دیت دینی ہوگی۔ اور حدیث ہے۔ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، قرآن ان کے گلوں سے نہیں اترے گا یعنی ان کے دلوں تک نہ پہنچے گا ویسے ہی حلق کو پھاڑ پھاڑ کر پڑھتے رہیں گے۔ حَنْجَرَتْ دَدْمَهَ : آنکھ اندر کو دھنس گئی

يَثْرِبَ : يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا، اے یثرب والو تمہارے ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہیں ہے، پس واپس چلو۔ یثرب مدینہ منورہ کا قدیم نام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام بذریعہ وحی خفی مدینہ رکھا، اور طابہ اور طیبہ بھی اس کے ناموں میں سے ہیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے یثرب کہنے سے منع کیا۔ يَقُوْلُوْنَ يَثْرِبَ وهي المدينة : لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں حالانکہ یہ تو مدینہ ہے، اور یثرب تعریف اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔
صحیح حدیث میں ہے کہ مجھے خواب میں تمہاری ہجرت کی جگہ دکھائی گئی ہے جو دو سنگلاخ میدانوں کے درمیان ہے۔ پہلے تو میرا خیال ہوا کہ یہ ہجر ہے۔ لیکن ہجر نہیں وہ جگہ یثرب ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ جگہ مدینہ ہے چنانچہ ہجرت کے بعد سے اس کو مدینۃ النبیؐ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔
ابو عبیدہ کا قول ہے یثرب اس زمین کا نام ہے جس کے ایک کنارے میں مدینہ واقع ہے علامہ قرطبیؒ نے علامہ سہیلی کا قول یہ نقل کیا ہے کہ اس شہر کا نام یثرب اس وجہ سے پڑا کہ

عمالیق میں سے جو شخص سب سے پہلے یہاں آکر آباد ہوا اس کا نام تھا یثرب بن عمیل بن مہلا ئیل بن عوص بن عملاق بن لاوذ بن إرم (قرطبی) بہرحال ان روایات سے اتنی بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ مدینہ کا قدیم نام یثرب ہے اور ہجرت کے بعد آپ نے اس کا نام تبدیل فرما کر مدینہ رکھا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام کو تبدیل کیوں فرمایا، اس سلسلہ میں علامہ ابن منظور نے ابن کثیر کا قول یہ نقل کیا ہے۔ یثرب اصل میں تثریب سے ماخوذ ہے جس کے معنی لوم اور عار دلانے کے ہیں اسلئے آپ نے اسکو ناپسند فرمایا اور اس کا نام تبدیل فرمایا، اور یثرب کے معنی کلام عرب میں شر و فساد کے آتے ہیں اسلئے بھی یثرب نام آپ کو اچھا معلوم نہ ہوا (لسان) مادہ ثرب کی تحقیق سورہ یوسف کی آیت لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کے تحت گزر چکی ہے۔
عَوْرَةٌ : إِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ عَوْرَةٌ یہاں بمعنی ذات عَوْرَةٍ ہے۔ یعنی شگاف زدہ جسکے اندر داخلہ ممکن ہے اور چور داخل ہو کر نقصان پہنچا سکتا ہے۔ ای مُتَخَرِّقَةٌ مُمْكِنَةٌ لِمَنْ أَرَادَهَا (راغب) یعنی انمیں جگہ جگہ رخنے پڑے ہوئے ہیں یہ عَوِرَ الْمَكَانُ عَوَرًا سے ماخوذ ہے۔ جسکے معنی ہیں مکان میں کوئی ایسا خلل اور رخنہ پڑ جانا جن سے گھس کر دشمن نقصان دے سکتا ہو۔ قال صاحب الکشاف: والعورة: ذات العورة: يقال عَوِرَ المكانُ عَوَرًا۔ اذا بدا فيه خلل يخاف منه العدوّ والسارق (کشاف) فالعَوْرَةُ: الخَلَلُ (کشاف) اسی سے محاورہ ہے فلانٌ يحفظ عَوْرَتَهٗ فلاں اپنے خلل کی حفاظت کرتا ہے۔ صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ عورۃٌ جائز ہے کہ عَوِرَةٌ کی تخفیف ہو (جسکے معنی شگاف کے ہیں۔ دارٌ مُعْوِرَةٌ و ذاتُ عَوْرَةٍ: وہ مکان جس کی دیواریں چھوٹی ہوں اور آسانی سے اندر کو پھلانگا جاسکے۔ اور ہر وہ مکان جو غیر محفوظ اور کھلا ہوا ہو اس کو عورۃ کہتے ہیں وَكُلُّ مكان ليس بممنوع ولا مستور فهو عَوْرَةٌ۔ دارُ فلانٍ عَوِرَةٌ: بکسر الواو فلاں کا مکان غیر محفوظ ہے۔ علامہ جوہری فرماتے ہیں کہ ہر اس خلل کو عورۃ کہتے ہیں جس سے جنگ وغیرہ میں خوف ہو۔ والعورةُ

کل خلل یتخوّف منہ فی ثغرٍ او حربٍ
(قرطبی)
کنایہ کے طور پر انسان کے مقامِ ستر کو بھی عورۃ
کہا جاتا ہے۔ اصل میں یہ عَارٌ سے مشتق ہے
مقامِ ستر کے کھلنے سے بھی چونکہ عار محسوس
ہوتی ہے اس لئے اس کو عورۃ کہا جاتا ہے
اور عورۃ کو بھی عورۃ اس لئے کہتے ہیں کہ
شرفار کے نزدیک اسکا بے پردہ رہنا عار ہے۔
فِرَارًا : اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا، یہ
صرف بھاگنا چاہتے ہیں۔ الفرُّ اور الفِرَارُ
کے اصل معنی ہیں جانوروں کی عمر معلوم کرنے
کے لئے اسکے دانت کھولنا، اسی سے محاورہ ہے
فرّ الدّھر جَذَعًا : یعنی زمانہ اپنی پہلی حالت
پر لوٹ آیا، اور اِفْتِرَارٌ ہنسنے میں دانتوں کا
کھُل جانا۔ فرَّ یفرُّ اصل میں لازم ہے
لیکن کبھی اس کا استعمال متعدی بھی ہوتا ہے
جیسے فرّ الدّابۃ۔ عمر معلوم کرنے کے لئے
گھوڑے کے دانت کھولنا۔ اور فرّ مِنَ الحَرْب
فِرَارًا : میدان کارزار چھوڑ دینا۔ میدان
جنگ میں خوف کی وجہ سے بھاگنا۔ رجل فرٌّ
وفارٌّ۔ بھاگنے والا۔ المَفَرُّ میں تین احتمال
ہیں۔ اَیْنَ المَفَرّ : بھاگنا کہاں یعنی مصدر ہے
اگر ظرف مکان ہو تو معنی ہونگے بھاگنے کی جگہ
کہاں۔ اور ظرفِ زماں ہو تو معنی ہونگے بھاگنے
کا وقت کہاں۔ اور اَفْرَرْتُہٗ (افعال) کے
معنی ہیں میں نے اس کو بھگا دیا۔
اَقْطَارٌ : وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَیْھِمْ مِنْ
اَقْطَارِھَا، اقطارٌ یہ قُطْرٌ کی جمع ہے
جسکے معنی جانب اور طرف کے ہیں۔ اقطارٌ
اطراف وجوانب، اِنِ اسْتَطَعْتُمْ ان
تنفذوا من اقطار السّمٰوٰت والارض
اگر تمہیں قدرت اور طاقت ہے کہ آسمان کے
اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ (تو نکل جاؤ)
اَلْمُعَوِّقِیْنَ : قَدْ یَعْلَمُ اللہُ الْمُعَوِّقِیْنَ
مِنْکُمْ وَالْقَآئِلِیْنَ لِاِخْوَانِھِمْ ھَلُمَّ
اِلَیْنَا۔ اللہ کو خوب معلوم ہے جو اٹکانے
والے ہیں تم میں اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے چلے
آؤ ہمارے پاس۔ یعنی وہ لوگ اللہ کے علم میں
ہیں جو لوگوں کو بھلے کاموں سے روکتے اور منع کرتے ہیں
المُعَوِّقِیْنَ : روکنے والے، منع کرنیوالے
المُعَوِّقُ واحد ہے۔ مراد اس سے وہ منافق
جماعت ہے جنہوں نے کہا تھا کہ محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کو آخر مرنا ہے، تو اس مرتبہ اگر
ابوسفیان کے ہاتھ لگ گئے تو وہ تم پر ہرگز
رحم نہ کریگا، لہٰذا بہتر ہے کہ محمدؐ کا ساتھ
چھوڑ دو اور اپنے یہودی بھائیوں سے جا ملو۔

عاقہٗ۔ یَعُوْقُہٗ وعوَّقہٗ تَعْوِیْقًا و اعتاقہٗ اِعْتِیَاقًا تینوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی خیر سے روکنا۔ عَائِقٌ اور مُعَوِّقٌ بھلائی سے روکنے والا۔ رَجُلٌ عوقٌ روکنے والا منع کرنے والا۔ یَعُوْقُ: قبیلہ بنی کنانہ اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے ایک بُت کا نام ہے والعَوْقُ: المنع والصَرف (قرطبی)، عائِقٌ اسم فاعل، روکنے والا۔ جمع عوائق اور عوائق الدہر مشاغل زمانہ۔ اعوَقنی الزادُ او الدَّابَۃُ اعواقًا: مجھے سفر سے توشہ یا سواری نے باز رکھا۔ رجلٌ عَوُقٌ: بے فیض آدمی، خیر سے روکنے والا۔ عَاقہٗ مِنَ الامرِ: کام سے رُکا دینا امرأۃٌ عائِقٌ: مرد کو اپنے پر سے ہٹانے والی عَوَقٌ بفتح الواو: بھوک، والعائق: الصارف عما یُرادُ مِن خیر (راغب)

هَلُمَّ: هَلُمَّ اِلَیْنَا، ہمارے پاس آجاؤ۔ هَلُمَّ اسم فعل ہے کسی چیز کی طرف بُلانے کے معنی میں آتا ہے۔ اسکی اصل میں اہل لغت کا اختلاف ہے، بعض کے نزدیک اس کی اصل ھا لُمَّ ہے، اور یہ لَمَمْتُ الشئُ سے مشتق ہے جسکے معنی اصلاح کرنے کے ہیں۔ ھاء کا الف حذف ہونیکے سبب هَلُمَّ بن گیا اور بعض کہتے ہیں کہ اسکی اصل هَلْ اُمَّ ہے گویا یہ اصل میں هَلْ لَکَ فی کذا اُمَّہٗ بمعنی قَصَدَہٗ کا مخفف ہے۔ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ یہ فعل منصرف ہے یا غیر منصرف۔ چنانچہ اہل حجاز کی لغت میں تو یہ منصرف ہے اور مذکر مؤنث واحد تثنیہ جمع سب میں یکساں استعمال ہوتا ہے۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ منصرف ہے اور اس کی جمع اور تثنیہ میں اور مذکر و مؤنث میں فرق کیا ہے اور اس کو منصرف مانکر اسکے آخر میں ضمائر کا الحاق کیا ہے جیسے هَلُمَّا میں هَلُمُّوْا۔ هَلُمِّیْ۔ هَلْمُمْنَ (راغب قرطبی) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ هَلُمَّ پر پیش یا زیر پڑھنا درست نہیں ہے چونکہ یہ غیر منصرف ہے اور ھا لُمَّ کے ساتھ تنبیہ کی لگانے کے بعد الف کو حذف کردیا گیا۔ اور یہ مبنی بر فتح ہے اور هَلُمَّ کے معنی اَقْبِلْ کے ہیں و معنی هَلُمَّ اَقْبِلْ لانّ الاصل: "ھا" التی للتنبیہ ضُمَّتْ الیھا "لُمَّ" ثمّ حذفت الالف استخفافًا وبنیت علی الفتح ولم یجز فیھا الکسر ولا الضمّ لانّھا لا تنصرف (قرطبی)

اَشِحَّۃً: اَشِحَّۃً عَلَیْکُمْ، تمہارے بارے میں حریص ہونگے۔ اَشِحَّۃٌ: حریص لوگ کسی پر ٹوٹ پڑنے والے۔ شَحِیْحٌ کی جمع ہے

جس کے معنی حریص کے ہیں (لغات القرآن)
رَجُلٌ شَحِيحٌ : بخیل آدمی - قَوْمٌ أَشِحَّةٌ بخیل لوگ ، الشُّحُّ کے معنی ہیں حرص کیساتھ بخل جو انسان کی عادت میں داخل ہو چکا ہو (راغب)
سَلَقُوا : سَلَقُوكُمْ بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ: تمہیں تیز زبانوں سے طعنہ دیتے ہیں (ماجدی)
سَلَقُوكُمْ : وہ تم سے چڑھ چڑھ کے بولے ، وہ تم سے بڑھ بڑھ کر بولے - سَلْقٌ سے ہے جس کے معنی زبان سے ستانے کے ہیں (لغات القرآن)
علامہ راغب فرماتے ہیں کہ السَّلْقُ بَسْطٌ بِقَهْرٍ إِمَّا بِالْيَدِ أَوْ بِاللِّسَانِ والتَّسَلُّقُ عَلَى الْحَائِطِ منه : یعنی سَلْقٌ کے معنی قہر اور غلبہ کے ساتھ دست یا زبان درازی کرنا کے ہیں اور تَسَلُّقٌ علی الحائط بھی اسی سے ہے جسکے معنی دیوار پر چڑھنے کے ہیں - اور سلقٌ کے معنی اُون یا سوت کے گچھوں کو ایک دوسرے میں پرونے کے بھی آتے ہیں اور سلیقہٌ بمعنی طبیعت آتا ہے - خَطِيبٌ مِسْلَاقٌ : بلیغ اور خوش بیان خطیب - فراء نحوی نے سَلَقُوكُمْ کو صَلَقُوكُمْ صاد کے ساتھ نقل کیا ہے - اور صَلْقٌ (بالصاد) کے معنی آواز کے ہیں - حدیث میں ہے لَعَنَ اللهُ الصَّالِقَةَ وَالْحَالِقَةَ وَالشَّاقَّةَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چیخ چیخ کر رونے والیوں اور بال منڈوانے والیوں پر، نوحہ میں کپڑے پھاڑنے والیوں پر لعنت کی ہے - السلق کے معنی ایذا اور تکلیف کے بھی آتے ہیں - چنانچہ سلقہٗ بالکلام کے معنی ہیں کلام سے کسی کو تکلیف دینا - سخت کلامی کرنا - اس صورت میں مطلب یہ ہوگا انھوں نے تمہیں باتوں سے ایذا پہنچائی -

حِدَادٍ : بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ (آیت ۱۹)
حِدَادٌ: تیز- حدید کی جمع ہے اور الحَدّ ایسی روک کو کہا جاتا ہے جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو کر انھیں باہم ملنے سے روک دے اسی روکنے کے معنی کے اعتبار سے زبان کو حداد کہا جاتا ہے - حَدَدْتُ السِّكِّينَ، چھری کی دھار تیز کرنا - اور أَحْدَدْتُهٗ : میں نے اُس کے لئے حد مقرر کر دی - پھر ہر وہ چیز جو بلحاظ خلقت یا بلحاظ معنی کے ایک ہو، جیسے نگاہ اور بصیرۃ ، اس کی صفت میں الحدید کا لفظ بولا جاتا ہے ، جیسے هو حديد النظر : وہ تیز نظر ہے هو حديد الفهم وہ تیز فہم ہے - فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ آج تیری نگاہ تیز ہے - اور زبان جب تیزی میں لوہے کی سی تاثیر رکھتی ہو تو حدید اسکی صفت

واقع ہوتی ہے رَجُلٌ حَدِیْدٌ ۔ تیز مزاج
آدمی ۔ تیز فہم آدمی اور رَجُلٌ محدودٌ بدنصیب
آدمی جس سے خیر روک لی گئی ہو ۔

نَحْبَهٗ : فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ (آیت ۲۳) سو
انمیں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنی نذر پوری
کرچکے اور کچھ ان میں کے راستہ دیکھ رہے ہیں
نحبٌ کے لفظی معنی نذر کے ہیں ۔ اور یہ اُس
نذر پر بولا جاتا ہے جسکا پورا کرنا واجب ہو
قضٰی نحبہٗ ۔ اُس نے اپنی نذر پوری کردی
اور محاورہ میں کنایہ کے طور پر وفات پاجانا
مراد ہوتا ہے ۔ یہی معنی سلف سے منقول ہیں
النَّحبُ : النّذرُ والعهدُ (قرطبی)
وقیل : النَّحْبُ ۔ الْمَوْتُ ، ای مَاتَ
علی ماعاهدَ علیہ ، عن ابن عباس
والنّحب ایضًا الوقت والمدۃ ۔ یقال
قضی فلانٌ نحبہٗ اذا مات : یعنی فلاں
مرگیا اس کا وقت پورا ہوگیا (قرطبی)
فان قلتَ ما قضاء النحب ؟ قلتُ
وقع عبارۃ عن الموت (ان کُلَّ حَیٍّ لا
بدّ لہٗ من الموت فکانہ نذر لازم
فی رقبتہ فاذا مات فقد قضی نحبہٗ
ای نذرہ (کشّاف)

صَيَاصِيْهِمْ : وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ
مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ :
اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی اللہ نے
انھیں ان کے قلعوں سے اُتار دیا ۔ صَیَاصِی
قلعے اور گڑھیاں ۔ صاحب احکام القرآن
علامہ جصاص نے لکھا ہے قیل فی الصیاصی
انہا الحصون التی کانوا یمتنعون بہا
(جصاص) اسکی واحد صِیْصَۃٌ آتی ہے،
واحدھا صِیْصَۃٌ (قرطبی) علامہ راغب
فرماتے ہیں کہ الصِّیْصَۃُ ہر اُس چیز کو کہتے ہیں
جسکے ذریعہ آپنے آپ کو محفوظ رکھا جائے
(مثلاً حفاظت گاہ اور قلعہ وغیرہ) اور پھر
معنی حفاظت کے اعتبار سے گائے کے سینگ
کو بھی صِیْصَۃٌ کہا جاتا ہے اور مرغ کے خارو
کو بھی صِیْصَۃٌ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ دوسرے
مرغ سے لڑتے وقت اپنی حفاظت انھیں
خاروں سے کرتا ہے (راغب)
والصِّیْصَۃُ ما تُحَصَّنُ بہ ، یقالُ
لِقَرْنِ الثورِ والظبی صِیْصَۃٌ (کشاف)

تَاْسِرُوْنَ : اَسْرٌ : باندھنا جکڑنا
اَسِیْرٌ : جکڑا ہوا ۔ قیدی ۔ جمع اَسْرٰی
واُسَارٰی ۔ تَاْسِرُوْنَ ، تم قید کرتے ہو
تم اسیر کرتے ہو اَسَرَ ۔ یَاْسِرُ اَسْرًا :

قید میں باندھنا ۔ جَاءَ الْقَوْمُ بِأَسْرِهِمْ سب کے سب آ گئے ۔ أُسْرَةٌ : اقربا کنبہ ۔ جمع أُسَرٌ ۔ أَسْرٌ : جوڑ بند، نَحْنُ خلقناهم وشددنا اسرهم (الدھر) ہم نے اُن کو پیدا کیا اور مفاصل کو مضبوط بنایا تاکہ پیدا ہونے کے بعد دُنیا میں اپنی ان ذمہ داریوں کو پورا کرے جو خدائے پاک نے اُس کو سونپی ہیں ۔

تَطَؤُا : وَأَرْضًا لَّمْ تَطَؤُهَا : اور خدا نے تمہیں اس زمین کا وارث بنا دیا جس پر تم نے ابھی تک قدم نہیں رکھا ۔

تَطَؤُهَا : تم نے اس پر پاؤں رکھا، تم نے اس کو پامال کیا، تم نے اس کو پاؤں سے رُوندا وَطْأٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی پامال کرنے کے ہیں اور وُطُوءُ الشَّيْءِ فَهُوَ وَطِيءٌ کے معنی کسی چیز کے پامال ہونے کے ہیں ۔ اور الْوِطَاءُ : ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو پاؤں کے نیچے روندی جائے ۔ جیسے فرش وغیرہ ۔ اور وطأت لهٗ بفراشه کسی کے لیے فرش بچھانا ۔ اور وطأته برجلي ، میں نے اس کو پاؤں سے رُوندا ، اور آیت کریمہ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَّأَقْوَمُ قِيلًا : اس میں کوئی شک نہیں کہ رات کو اُٹھنا (نفس بہیمی کو) سخت پامال کرتا ہے اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے ۔ مولینا عبدالماجد دریابادیؒ سورۂ مزمل کے حاشیہ پر لکھتے ہیں ۔ وَطْأً کے لفظی معنی کچلنے کے ہیں گویا رات کو سو کر نماز کے لئے اُٹھنا نفس کو روند ڈالتا ہے اور اس سے نفس شکستہ اور منکسر ہو جاتا ہے اور انسان کے ظاہر و باطن میں یا زبان و دل کے درمیان موافقت پیدا ہو جاتی ہے (ماجدی، راغب) لفظ کی مزید وضاحت سورۂ توبہ میں گزر چکی ہے

تَخْضَعْنَ : فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ : سو تم دب کر بات نہ کرو (معارف) یعنی کسی غیر محرم سے پس پردہ بات کرنے کی ضرورت پیش آئے تو کلام میں اس نزاکت اور لطافت کے لہجہ سے بتکلف پرہیز کیا جائے جو فطرۃً عورتوں کی آواز میں ہوتی ہے (معارف)

لَا تَخْضَعْنَ : تم نرمی مت کرو ۔ تم ملائمت نہ کرو خُضُوْعٌ سے ہے جس کے معنی پست ہونے، نرمی کرنے اور تواضع اختیار کرنے کے ہیں یہاں بات میں جھکنا اور تواضع کرنا مراد ہے جس سے عورتوں کو منع کر دیا گیا ہے ۔

رَجُلٌ خُضَعَةٌ : وہ آدمی جو ہر ایک کے سامنے جھکتا پھرے یعنی خوشامدی اور حجی حضور کی

تَبَرَّجْنَ : وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى ۔ اور دکھلاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھلانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں لفظ تَبَرُّجْ کے اصل معنی ظہور کے ہیں اور اس جگہ مراد اپنی زینت کا اظہار ہے غیر مردوں پر جیسا کہ دوسری آیت میں غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيْنَةٍ آیا ہے (معارف) تَبَرَّجْنَ، تم بناؤ سنگھار کرنے لگیں۔ تم دکھاتی پھریں۔ تَبَرُّجٌ سے جمع مؤنث مضارع کا صیغہ ہے۔ اصل میں تَتَبَرَّجْنَ تھا۔ ایک تاء کو حذف کر دیا گیا۔ تَبَرُّجٌ بناؤ سنگار کرنا، دکھانا، نمائش کرنا، خودنمائی کرنا۔ سورۂ نور میں بھی اس لفظ پر کچھ عرض کیا جا چکا ہے۔ تَبَرَّجَتِ الْمَرْأَةُ تَبَرُّجًا : اظهرت زينتها ومحاسنها للرجال (تاج) اور بُرُوْجٌ کے معنی قصر اور محل کے ہیں۔ اور ستاروں کی مخصوص منازل کو بھی اسی مناسبت سے بروجٌ کہا جاتا ہے جیسا کہ والسماءِ ذات البروج اسی سے بعض نے کہا ہے کہ تَبَرَّجَتِ الْمَرْأَةُ کے معنی ہیں عورت اپنے قصر سے ظاہر ہوئی، بلند اور اونچی عمارات کو بھی بُرج اسی لئے کہا جاتا ہے کہ بلندی اور خوبصورتی کی وجہ سے واضح طور پر ظاہر ہوتی ہیں۔

اَهْلَ الْبَيْتِ : اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۔ اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ اے (نبی کی) گھر والیوں تم سے آلودگی کو دور کر دے اور تمکو خوب نکھار دے۔ اہلِ بیت سے مراد باتفاق اہلِ تفسیر یہاں ازواجِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور سلف و خلف سے یہی مفہوم منقول ہے۔ اسی مفہوم کی رعایت کرتے ہوئے ترجمہ اے نبی کی گھر والیوں کیا گیا ہے اگرچہ اردو تراجم میں کسی نے بھی اس طرح کا ترجمہ نہیں کیا جس سیاق و سباق میں یہ آیت وارد ہوئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات ہیں کیونکہ خطاب کا آغاز يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ سے کیا گیا ہے اور ماقبل و مابعد کی پوری تقریر کی وہی مخاطب ہیں قرآنِ پاک میں اسکے علاوہ دو اور مقامات میں بھی لفظ اہل وارد ہوا ہے۔ ایک تو سورۂ ہود میں جبکہ حضرت سارہؓ کو حضرت اسحٰق کے پیدا ہونے کی بشارت دی جاتی ہے اور تعجب سے بے ساختہ کہہ اٹھتی ہیں کہ اس کبر سنی میں میرے بچہ کیونکر پیدا ہوگا جبکہ میرا شوہر بھی ضعیف العمر ہے، لہٰذا یہ تو بڑی عجیب بات ہے (اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ) اس کے جواب میں فرشتے کہتے ہیں، اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ وَرَحْمَتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۔ یہاں پر اہلِ بیت کا خطاب جناب سارہؓ کو ہے جو حضرت

خلیل علیہ السلام کی زوجۂ مطہرہ ہیں۔ دوسری جگہ سورۂ قصص میں ہے جہاں اہل بیت کا لفظ وارد ہوا ہے۔ جب جناب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں شیر خوار بچہ کی حیثیت سے پہنچتے ہیں تو آپکی ہمشیرہ فرماتی ہیں هل ادلکم علیٰ اهل بیتٍ یَکْفُلُوْنَہ لکم۔ اور عربی محاورہ میں اہل کا لفظ انہی معنی میں بولا جاتا ہے جیسے ہم اپنی زبان میں گھر والوں کا لفظ بولتے ہیں۔ جب کوئی عرب کیف اَھْلُکَ بولتا ہے تو اس سے مراد بیوی بچے ہوتے ہیں۔ پس محاورات اور قرآن پاک کے استعمالات اور خود اس آیت کا سیاق و سباق قطعی فیصلہ کر رہے ہیں کہ اہل بیت سے مراد یہاں ازواج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور آیت کا اصل خطاب انھیں سے ہے۔

سورۂ احزاب کی آیت میں نہ معلوم بعض اہل تفسیر کو کیوں مغالطہ لگا اور اہل بیت میں اختلاف کی نوبت آئی۔ حالانکہ اجلہ صحابہ اسکی منادی کرتے تھے کہ اس سے مراد ازواج النبیؐ ہیں۔ اور حضرت عکرمہؓ تو بازاروں میں منادی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر اسمیں کسی کو شک ہو تو وہ مجھ سے مباہلہ کرے۔ بعض حضرات نے آیتِ کریمہ کے سیاق وسباق کا کوئی لحاظ کئے بغیر یہ دعویٰ کر دیا کہ اہل بیت سے صرف حضرت علی مرتضیٰؓ۔ فاطمۃ الزہراؓ حسنؓ اور حسینؓ ہیں۔ اس جماعت کا بڑا استدلال یہ ہے کہ آیتِ کریمہ میں خطاب کے لئے جمع مذکر کے ضمائر اختیار کئے گئے ہیں چنانچہ عنکم اور لیطھرکم فرمایا گیا ہے۔ اور اگر ازواج مطہرات مراد ہوتی تو عنکنّ اور لیطھرکنّ فرمایا گیا ہوتا لیکن یہ استدلال اسلئے صحیح نہیں ہے کیونکہ جمع مذکر کی ضمائر صرف لفظ اہل کی رعایت کے لئے استعمال کی گئی ہیں، چنانچہ سورۂ ہود میں حضرت سارۃ کو خطاب علیکم کے صیغہ مذکر سے کرنا اس پر واضح دلیل ہے اور اہل عرب عموماً مؤنث سے تخاطب کرتے وقت جمع مذکر کا استعمال کرتے ہیں۔ حماسی شاعر اپنی بیوی کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

" فلا تحسبی انی تخشّعت بعدکم "

تو یہ گمان نہ کر کہ میں تیرے بعد ذلیل ہو گیا۔

اسی طرح مخدومی اپنی بیوی کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

" فان شئتِ حرّمتُ النساء سواکمُ "

یعنی اگر تو چاہے تو تیرے سوا تمام عورتوں کو اپنے اوپر حرام کر لوں۔ مسئلہ کی مزید وضاحت کے لئے لغات القرآن، قرطبی اور تفسیر ابن کثیر کی طرف رجوع کیا جائے اور سورۂ ہود میں بھی ہم اس پر کچھ عرض کر چکے ہیں وہاں دیکھ لیا جائے۔

الخیرۃ : اَنۡ یَّکُوۡنَ لَہُمُ الۡخِیَرَۃُ

یہ خارَ یَخِیْرُ کا مصدر ہے بمعنی اختیار

فالخِیَرَۃُ مصدر بمعنی الاختیار (قرطبی)
بعض حضرات نے الخِیْرَۃُ (سکون الیاء) پڑھا ہے
علامہ راغب فرماتے ہیں کہ الخِیْرَۃُ سے مراد وہ حالت
ہے جو طالبِ خیر یا مختار کو حاصل ہوتی ہے۔
جیسے کہ قِعْدَۃٌ اور جِلْسَۃٌ کا لفظ قاعدٌ اور جالسٌ
کی ہیئت اور حالت پر بولا جاتا ہے، اور الاختیار
کسی بہتر چیز کو طلب کر کے اسے کر گزرنا، اور
کسی چیز کو بہتر سمجھنے پر بھی اختیار کا لفظ بولا
جاتا ہے، گو نفس الامر میں وہ چیز بہتر نہ ہو۔
مختارٌ: متکلمین کی اصطلاح میں مختار کا لفظ
ہر اُس فعل پر بولا جاتا ہے جس کے کرنے میں
انسان پر کسی طرح کا جبر و اکراہ نہ ہو۔ لہٰذا ھُوَ
مختارٌ فی کذا کا محاورہ فلانٌ لَہٗ اختیارٌ
کے ہم معنی نہیں ہے کیونکہ اختیار کے معنی
اس کام کے کرنے کے ہوتے ہیں جسے انسان بہتر
خیال کرتا ہو۔ مگر مختارٌ کا لفظ فاعل اور مفعول
دونوں پر بولا جاتا ہے (مفردات) الخِیَرَۃ:
ما یتخیر (کشاف)

زَیْدٌ: فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا
زَوَّجْنٰكَهَا، پھر جب زید کا دل (اس عورت)
سے بھر گیا تو ہم نے اسکا نکاح آپ سے کر دیا، حضرت
زید رضی اللہ عنہٗ مشہور صحابی اور حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے خاص خادم تھے، بڑے صاحبِ
تدبر و حکمت تھے، غزوات میں حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم ان کو امیر مقرر فرمایا کرتے حکیم بن حزام
نے خرید کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی خدمت
میں پیش کیا۔ اور جب حضرت خدیجہؓ نے حضورؐ
سے عقد کیا تو حضرت زید کو بھی آپکی خدمت میں
پیش کیا اور آپؐ نے اُن کو اپنا متبنّٰی بنالیا۔
مزید حالات تاریخ میں دیکھے جائیں۔

وطرًا۔ الوَطَرُ کے معنی کسی چیز کی انتہائی خواہش
اور اہم ضرورت کے ہیں (راغب) قضی منہ
وَطَرَہٗ و اوطارَہٗ۔ اُسنے اپنے مطلب کو پالیا،
اَوْطَارٌ جمع ہے، وَطَرٌ اور اَرَبٌ دونوں کے معنی
حاجت کے ہیں۔ الوَطَرُ محرکۃ والاَرَبُ بمعنی
واحد وھو الحاجۃ مطلقًا قالہٗ الزجاج
(تاج) لیث لغوی کا قول ہے کہ وَطَرٌ ہر اس
حاجت کو کہا جاتا ہے جسمیں صاحبِ حاجت کو
مشقت اُٹھانی پڑے اور اس میں فعل مستعمل نہیں
ہوتا۔ عرب کہتے ہیں، قضیتُ من کذا وَطَرِیْ
میں نے اس سے اپنی حاجت پوری کرلی۔ لغوی استعمال
سے معلوم ہوتا ہے کہ وَطَرٌ اس حاجت کو کہا
جاتا ہے جو پوری ہو چکے، اور اَرَبٌ وہ حاجت ہے
جسکی طرف صاحبِ حاجت کو رغبت ہو، جیسا
کہ قرآن پاک کی آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ اَوِ التَّابِعِیْنَ
غیرِ اُولِی الاِرْبَۃِ اور اسکے پورا کرنے کیلئے حیلہ

اور تدبیر سے کام لینا پڑے۔ اَلْوَطْرُ: کل حاجۃ للمرأ له فیها همّةٌ والجمع الاوطارُ (قرطبی)

اَدْعِیَاءِ: فِیْ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ، یہ دَعِیٌّ کی جمع ہے۔ فعیل بمعنی مفعول ہے، لے پالک اور بولے بیٹے۔ دِعْوَةٌ (بکسر الدال) جھوٹا سبب بیان کرنا، اور دَعِیٌّ دوسرے کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنانا۔ لادعوۃ فی الاسلام، کسی کو اپنا باپ ظاہر کرنا اسلام میں درست نہیں ہے۔

حَرَجٌ: مَا کَانَ عَلَی النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ حَرَجٌ اور حَرَاجٌ کے اصل معنی اشیاء کے ایک جگہ مجتمع اور اکٹھا ہو جانے کے ہیں اور ایک جگہ جمع ہونے میں چونکہ تنگی کا تصور پایا جاتا ہے اس لئے تنگی اور گناہ پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا ہے اور تنگ مکان کو بھی حَرَجٌ کہا جاتا ہے، اور گھنے درختوں کی جگہ کو بھی حَرَجٌ کہتے ہیں جہاں کوئی چرواہا بھی نہ پہنچ سکے۔ اسی سے ہے، وَیَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا۔ بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ اسکا مطلب یہ ہے کہ کافر کا دل اسقدر سنگلاخ ہے کہ وہاں حکمت کی رسائی نہیں (تاج)

خَاتَمَ: مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا: لفظ خاتم میں دو قراتیں ہیں۔ امام حسن اور عاصم کی قرارت خَاتَمٌ بفتح تار ہے۔ اور دوسرے ائمۂ قرارت خَاتِمٌ بکسر تار پڑھتے ہیں۔ حاصل معنی دونوں کا ایک ہی ہے، یعنی انبیاء کو ختم کرنیوالے، کیونکہ خاتم خواہ بکسر تار ہو یا بالفتح تار، دونوں کے معنی آخر کے ہی آتے ہیں اور مُہر کے معنی میں بھی یہ دونوں لفظ استعمال ہوتے ہیں کیونکہ مُہر کسی چیز پر بند کرنے کے لئے آخر میں کیجاتی ہے۔ لفظ خاتم بالکسر و بالفتح دونوں کے معنی لغت عربی کی تمام کتابوں میں مذکور ہیں۔ قاموس، صحاح، لسان العرب، تاج العروس وغیرہ۔ اسی لئے تفسیر روح المعانی میں خاتَم خاتِم بمعنی مہر کا حاصل بھی وہی معنی آخر کے بتلائے ہیں اسکے الفاظ یہ ہیں، والخاتم اسمُ اٰلةٍ لما یختم به کالطابع لما یُطبَع به معنی خاتم النّبیّین الذی ختم النّبیّون به ومآلهٗ اٰخر النّبیّین یہی مضمون تفسیر بیضاوی اور احمدی میں بھی مذکور ہے اور امام راغب نے مفردات القرآن میں فرمایا، وخاتم النّبیّین لانه ختم النبوّة ای تمّمها بمجیئه، یعنی آپ کو خاتم نبوت اسلئے کہا جاتا ہے کہ آپنے نبوّت کو اپنے تشریف لانے سے ختم اور مکمل کر دیا ہے۔ اور محکم بن سیدہ میں ہے وخاتمُ کل شیءٍ وخاتِمَتُهٗ عاقبتُهٗ واٰخرُهٗ، یعنی ہر چیز کے خاتم اور خاتمہ اسکے آخر اور انجام کو کہا جاتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ قرارت خواہ بالفتح

ہو یا بالکسر معنی دونوں صورتوں میں یہ ہیں کہ آپؐ ختم کرنیوالے انبیاء کے، یعنی سب کے آخر اور بعد میں آپ مبعوث ہوئے ہیں۔

صفت خاتم الانبیاء ایک ایسی صفت ہے جو تمام کمالاتِ نبوت و رسالت میں آپکی اعلیٰ فضیلت کو ظاہر کرتی ہے، کیونکہ عموماً ہر چیز میں تدریجاً ترقی ہوتی ہے اور انتہا پر پہنچ کر اسکی تکمیل ہوتی ہے اور جو آخری نتیجہ ہوتا ہے وہی اصل مقصود ہوتا ہے قرآن کریم نے خود اس کو واضح کر دیا ہے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا یعنی آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے۔ انبیاء سابقین کے دین بھی اپنے وقتوں میں مکمل تھے کوئی ناقص نہ تھا، لیکن کمال مطلق اسی دینِ مصطفوی کو حاصل ہو جو اوّلین و آخرین کے لئے حجت اور قیامت تک چلنے والا دین ہے۔ اس آیت میں یہ بات بھی قابلِ نظر ہے کہ اُوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت رسول آئی ہے (وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ) اس کے لئے بظاہر مناسب یہ تھا کہ آگے خاتم الرسول فرمایا جاتا یا خاتم المرسلین ارشاد ہوتا، مگر قرآن حکیم نے اسکے بجائے لفظ خاتم النبیین اختیار فرمایا ہے وجہ یہ ہے کہ جمہور علماء کے

نزدیک نبی اور رسول میں ایک فرق ہے وہ یہ کہ نبی تو ہر اُس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جسکو حق تعالےٰ اصلاحِ خلق کے لئے مخاطب فرمائیں اور اپنی وحی سے مشرف فرمائیں خواہ اس کے لئے کوئی نئی کتاب اور مستقل شریعت تجویز کریں یا پہلے ہی کسی رسول اور نبی کی کتاب و شریعت کے تابع لوگوں کو ہدایت کرنے پر معمور ہو، جیسے حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسےٰ علیہ السلام کی کتاب و شریعت کے تابع ہدایت کرنے پر مامور تھے۔ اور لفظ رسول خاص اس نبی کے لئے بولا جاتا ہے جس کو مستقل کتاب و شریعت دی گئی ہو۔ اسی طرح لفظ نبی کے مفہوم میں بہ نسبت لفظ رسول کے عموم زیادہ ہے تو آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ آپ انبیاء کے ختم کرنے والے اور سب سے آخر میں ہیں خواہ وہ صاحبِ شریعت نبی ہو یا صرف پہلے نبی کے تابع، اس سے معلوم ہوا کہ نبی کی جتنی قسمیں اللہ کے نزدیک ہو سکتی ہیں وہ سب آپ پر ختم ہے اور آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔ حافظ ابنِ کثیر اپنی تفسیر میں یوں رقمطراز ہیں: فھٰذہ الاٰیۃ صریحۃ فی انہٗ لا نبیّ بعدہٗ واذا کان لا نبیّ بعدہ واذا کان لا نبی بعدہ فلا رسول بالطریق الاولیٰ لانّ مقام الرّسالۃ

اَخَصُّ من مقام النبوّة فان کل رسولٍ
نَبِیٌّ ولا ینعکس بذ الک وردت الاحادیث
المتواترة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
من حدیث جماعۃ من الصّحابۃ :
ترجمہ : یعنی یہ آیت نص صریح ہے۔ اسی عقیدہ
کے لئے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور جب نبی
نہیں تو بدرجۂ اُولیٰ رسول بھی نہیں، کیونکہ لفظ رسول
خاص ہے۔ اور یہ وہ عقیدہ ہے جس پر احادیث
متواترہ شاہد ہیں جو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم
اجمعین کی ایک بڑی جماعت کی روایات سے ہم
تک پہنچی ہیں (ماخوذ معارف القرآن)
والخاتِمُ والخاتَمُ من اسماء النبی صلے اللہ
علیہ وسلم وفی التنزیل العزیز۔ ما کان
محمّدٌ اَبَآ احدٍ من رجالکم ولٰکن رسول
اللّٰہِ وخاتم النّبیّین الی اٰخرھم (تھذیب للازھری)
خاتِم اور خاتَم رسُول کے نام ہیں۔ اور قرآن میں
ہے کہ محمدؐ تم میں سے کسی کا باپ نہیں، البتہ وہ
اللہ کا رسول ہے اور خاتم النبیین یعنی آخری رسول
خاتِم النبوّۃ بکسر التاء ای فاعل الختم وھو
الاتمام وبفتحھا بمعنی التّابع ای شئی یدل
علی انہ لا نبی بعدہ (مجمع البحار) خاتم النبوّۃ
بکسر التاء یعنی نبوت کو تمام کرنے والا۔ اور بفتح
التاء بمعنی مہر یعنی ایسی چیز جو اس بات پر دلالت
کرے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔
وتسمیۃ نبیّنا خاتم الانبیاء لان الخاتم
آخر القوم - قال اللہ تعالیٰ مَا کان محمّدٌ
ابا احدٍ من رجالکم ولٰکن رسول اللہ وخاتم
النّبیّین ۔ اور ہمارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم
کو خاتم الانبیاء اس لئے کہا گیا ہے کہ خاتم کے
معنی ہیں قوم میں سب سے آخری، اور انھیں
معنوں میں ارشاد الٰہی ہے کہ تم مَردوں میں سے
محمدؐ کسی کے باپ نہیں، البتہ وہ رسول ہیں، اور
خاتم النّبیّین یعنی آخر نبیوں کے (کلیات ابی البقاء)
متنبی کہتا ہے ؎

اَرُوحُ وقد ختمت علیٰ فؤادی
بحبّك ان یّحُلّ بہٖ سِوَاكا

میں تیرے ہاں سے اس طرح جا رہا ہوں کہ جیسے
تونے میرے دل پر مہر کر دی تاکہ میرے سوا اس
میں کوئی داخل نہ ہو سکے ۔
مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ پس
جہاں تک سیاق وسباق کا تعلق ہے وہ قطعی طور
پر اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ یہاں خاتم النّبیّین
کے معنی سلسلۂ نبوت کو ختم کردینے والے ہی کے لئے
جائیں گے اور یہ سمجھا جائے گا کہ حضورؐ کے بعد کوئی
نبی آنیوالا نہیں ہے لیکن یہ صرف سیاق وسباق کا
تقاضا نہیں ہے۔ لغت بھی اس معنی کا مقتضی ہے

(جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے) عربی لغت اور محاورہ
کی رُو سے ختم کے معنی مہر لگانے، بند کرنے، آخر
تک پہنچ جانے اور کسی کام کو پُورا کر کے فارغ ہو جانے
کے ہیں۔ ختم العَمَل کے معنی ہیں فرغ من العمل
کام سے فارغ ہو گیا۔ ختم الاِناءَ کے معنی ہیں برتن
کا منہ بند کر دیا اور اس پر مہر لگا دی تاکہ خط محفوظ
ہو جائے۔ ختم علی القلب دل پر مہر لگا دی کہ
نہ کوئی بات اس کی سمجھ میں آئے، نہ پہلے کی جمی ہوئی
کوئی بات اس میں سے نکل سکے ختام کُلِّ مشروبٍ
وہ مزہ جو کسی چیز کو پینے کے بعد آخر میں محسوس
ہوتا ہے۔ خاتمتُہٗ کُلِّ شیٔ۔ عاقبتُہٗ واٰخرتُہٗ
ہر چیز کی خاتمہ سے مراد اس کی عاقبت اور آخرت ہے
ختم الشیٔ بَلَغَ اٰخرہٗ۔ کسی چیز کو ختم کرنے کا
مطلب اُس کے آخر تک پہنچ جانا۔ اس معنی میں
ختم قرآن بولتے ہیں اور اس معنی میں سورتوں کی
آیات کو خواتیم کہا جاتا ہے۔

خاتم القوم اٰخرھم۔ خاتم القوم سے مراد قبیلے کا
آخری آدمی ہے، ملاحظہ ہو لسان العرب،
قاموس اور اقرب الموارد۔ تفہیم القرآن ضمیمہ
احزاب، مزید تفصیل کے لئے حضرت مفتی صاحبؒ
کی کتاب ختم نبوت کی طرف مراجعت فرمائیں۔

علامہ قرطبی، ابن عطیہ کا قول نقل کرتے ہوئے
فرماتے ہیں کہ ھذہ الالفاظ عند جماعۃ علماء
الامۃ خلفاً و سلفاً متلقاۃٌ علی العموم التام
مقتضیۃ نصًّا انہٗ لا نبی بعدہٗ صلی اللہ علیہ
وسلم (قرطبی)

علامہ قرطبی نے قاضی ابو طیب اور امام غزالی
پر اس مقام پر سخت گرفت کی ہے۔ قاضی
ابو طیب نے اپنی کتاب الہدایہ اور امام غزالی
نے الاقتصاد میں امکان نبوّت کا جو احتمال
ذکر کیا ہے علامہ فرماتے ہیں کہ یہ میرے نزدیک
الحاد ہے۔ اور پھر واضح الفاظ میں یوں فرماتے
ہیں، وتطرّقَ خبیثٌ الی تشویش عقیدۃ
المسلمین فی ختم محمد صلی اللہ علیہ وسلم
النبوۃ فالحذر الحذر منہ! واللہ الھادی
برحمتہ (قرطبی)

ذات محمدی پر ہر قسم کی نبوّت کا ختم ہو جانا امت
کا اجماعی عقیدہ ہے اور جو اجرائے نبوت کا
اب بھی قائل ہے۔ اہلِ تحقیق نے تصریح کر دی ہے
کہ وہ اجماعِ اُمت سے زندیق بلکہ حکومتِ
اسلامیہ میں واجب القتل ہے۔

ومن ذھب انّ النبوّۃ مکتسبۃٌ لا تنقطع
فھو زندیق یجب قتلہٗ (مجمع) واجمعت
علیہ الامۃ فیکفر مدعی خلافہ و یقتل ان
اصرّ (روح)

سِرَاجًا: سِرَاجًا مُّنِیْرًا، روشن چراغ

سِرَاجٌ : چراغ، دیا، مجازاً آفتاب اور ہر روشن
چیز پر بولا جاتا ہے۔ جمع سُرُجٌ، حدیث میں ہے
نھٰی عن السُّرُج فی القبور، قبروں پر چراغاں
کرنے سے آپؐ نے منع فرمایا، اور مِسْرَجَۃٌ چراغدان
کو کہتے ہیں۔ سِرَاجًا مُنِیْرًا، نورِ شریعت کے
لئے بطور استعارہ ہے ھذا استعارۃ للنور
الذی یتضمنہ شرعہ (قرطبی) سَرَّجَ وَجْھَہٗ
اس نے اپنے چہرے کو حسین بنایا۔ نبیٔ پاک
کو بھی سراج منیر اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ
آپ کی اتباع سے سیرتِ انسانی میں چمک اور
حُسن پیدا ہوتا ہے، اس کی سیرت، اخلاق و کردار
کی اصلاح ہوتی ہے۔

اَفَاءَ : وَمَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ مِمَّا اَفَاءَ اللّٰہُ
عَلَیْکَ، اور وہ عورتیں بھی جو آپ کی مِلک
میں ہیں جنھیں اللہ نے آپکو غنیمت میں دلوایا ہے
اَفَاءَ، اُس نے لوٹایا، اُس نے ہاتھ لگوالیا،
اس نے فیٔ میں عطا فرمایا۔ اِفَاءَۃٌ سے ہے
جس کے معنے لوٹانے اور مٹی میں دینے کے ہیں
اصل مادہ فیئٌ ہے جسکے معنی کسی اچھی حالت
کی طرف لوٹنے کے ہیں۔

اَفَاءَ کا لفظ قرآن پاک میں تین مقامات پر
آیا ہے۔ ایک تو یہی سورۂ احزاب کی آیت ہے
یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ
الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ وَمَا مَلَکَتْ
یَمِیْنُکَ مِمَّآ اَفَاءَ اللّٰہُ عَلَیْکَ ۔ اے نبی!
ہم نے آپ کے لئے آپکی یہ بیبیاں جنکو آپ
ان کے مہر دے چکے ہیں حلال کی ہیں اور وہ
عورتیں بھی آپ کی مملوکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے
آپ کو فیٔ میں دلوائیں ہیں۔ وہ عورتیں جو فیٔ
کے طور پر آپ کو عطا ہوئیں چار تھیں۔ حضورؐ نے
غزوۂ بنی مصطلق کے سبایا میں سے حضرت
جویریہؓ۔ غزوۂ بنی قریظہ سے صفیہ رضؓ اور
مقوقس مصر کی بھیجی ہوئی حضرت ماریہ قبطیہ کو
اپنے لئے مخصوص فرمایا، ان میں سے مقدم
الذکر تین کو آپؐ نے آزاد کرکے ان سے نکاح
کیا تھا، لیکن حضرت ماریہ قبطیہ کے بارے میں
ثابت نہیں ہے کہ اُن کو آپ نے آزاد کیا ہو
دوسری آیت حشر میں ہے، وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ
عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ ۔ یہاں اَفَاءَ سے مراد
بنی نضیر کا مال واسباب ہے۔ یہ پہلا مال ہے
جو آپ کو بطور فیٔ عطا ہوا، اور یہ مال خالص
آپ کی ملکیت تھا اور فیٔ میں اس طرح کی
ملک آپ کی خصوصیت تھی۔ اس مال کا اکثر
حصّہ آپ نے مہاجرین میں تقسیم فرما دیا، اور
انصار میں سے صرف چند افراد کو ملا، اور بقیہ
میں سے اپنے اہل و عیال کو سال بھر کا خرچ

دیگر وہ جہاد کی تیاری میں صرف فرما دیتے، اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین کا جو مال مسلمانوں کو بغیر لشکر کشی کے بطور صلح حاصل ہو، وہ بیت المال میں داخل کیا جائے گا، اور خراج اور جزیہ کے مصارف میں اس کو بھی صرف کیا جائے گا۔ کیونکہ ایسے مال کا حکم بنو نصیر کے مال کا ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھا اور آپ کے بعد بیت المال کی ملکیت ہوگا تیسرے سورۂ حشر میں اسی آیت کے بعد تیسری آیت میں ہے، مَا اَفَاءَ اللّٰہُ علٰی رسولہٖ من اھل القریٰ (جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو دوسری بستیوں سے دلوا دے) پہلی آیت میں اس فیٔ کا حکم تھا جو بغیر لشکر کشی کے ہاتھ لگے اور اس آیت میں اس فیٔ کا حکم ہے جو لشکر کشی کے ذریعہ حاصل ہو۔ قرآن پاک میں الفیٔ استعمال مختلف معانی کے لئے ہوا ہے، لیکن مرجع سب کا ایک ہے۔ یعنی رجوع کرنے والے مَردوں کے بارے میں ہے، فَاِنْ فَاءُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔ یعنی اگر چار ماہ کے اندر اندر اپنی بیوی سے ازدواجی تعلق قائم کر لیتا ہے تو یہ اسکا رجوع ہے۔ تو یہاں فَاءُوْا بمعنی رَجَعُوْا ہے (تاج)

یَسْتَنْکِحَ : اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْکِحَهَا ۔ اگر نبی انھیں اپنے نکاح میں لانا چاہیں ۔ اِستنکاح ، نکاح کے معنی میں بھی آتا ہے اور طلب نکاح کے معنی میں بھی آتا ہے ای ینکِحَھَا ، یقال نکح واستنکح مثل عجب واستَعْجَبَ و یجوزان یَرِدُ الاستنکاح بمعنی طلب النکاح (قرطبی)

تُرْجِیْ : تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ ، جسکو چاہیں (اپنے سے) دُور رکھیں، جس کو آپ چاہیں پیچھے رکھیں ۔ تُرْجِیْ : تو ڈھیل دے، تو پیچھے رکھ اِرْجَاءٌ سے واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے ۔ اَرْجَی الامرَ : کام کو مؤخر کرنا ۔ اَرْجَی الصَّیْدَ : شکار کو کھو دینا، نہ پانا ۔ یہ مہموز اور غیر مہموز دونوں طرح پڑھا گیا ہے ۔ یقالُ ارجَیْتُ الامْرَ و اَرْجَأتُهٗ : اذا اخرّتہٗ (قرطبی) رَجَاء البئر : کنویں کا کنارہ جمع اَرْجَاءٌ ۔ قرآن پاک میں ہے والملك علیٰ ارجَائِھَا اور اس کے کناروں پر فرشتے ہونگے ۔ ترجی بھمز و غیر ھمز : تُؤَخِّرُ (کشّاف)

تُؤْوِیْ : وَتُؤْوِیْٓ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ، اور جس کو چاہیں اپنے نزدیک رکھیں ، تُؤْوِیْ اِیْوَاءٌ سے مشتق ہے جس کے معنی قریب کرنے کے ہیں ۔ اَوٰی الٰی کذا ۔ کسی کے ساتھ مل جانا اور منضم ہو جانا ۔ اور افعال سے اٰوَاہُ

إِیْوَاءٌ، کسی کو جگہ دینا، اٰوی البیت، کسی
کو گھر میں اُتارنا۔ اصل مادہ مجرد اوی سے
یَاوِی اُوِیًّا و اِوَاءً۔ اَوَی البَیْت گھر
میں اُترنا۔ اسی سے مَاْوٰی ہے، جائے پناہ،

نَاظِرِیْنَ : غَیْرَ نَاظِرِیْنَ اِنٰهُ : یہاں
ناظرین بمعنی منتظرین ہے۔ ای غیر منتظرین
(قرطبی) ناظرین راہ تکنے والے، انتظار
کرنے والے، دھونی جما کر بیٹھ رہنے والے،
فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ : میں
انتظار کرتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں۔
نَاظِرِیْن جمع ہے نَاظِرٌ کی، انتظار کرنیوالے
نَظِرَةٌ : تاخیر، مہلت، نظیر، مثل، مانند

اِنٰہٗ : اِنٰی کے معنی کسی چیز کی تیاری اور پکنے
کے وقت کے ہیں (تدبر)
اَنَی الشَّیْءُ : اس کا وقت قریب آگیا، وہ
اپنی انتہائی اور پختگی کے وقت کو پہنچ گئی۔
قرآن پاک میں ہے اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا،
کیا ابھی تک مومنوں کیلئے وقت نہیں آیا، اٰنٍ
الحمیم، پانی حرارت میں انتہا کو پہنچ گیا، اور
اِنًی بتثلیث الھمزۃ، وقت کا کچھ حصہ، جمع آناءٌ
آتی ہے، یَتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰہِ اٰنَآءَ الَّیْلِ، رات کے
کچھ حصے میں خدا کی آیات پڑھتے ہیں، اِنًی ہمزہ مکسور
ہونیکی صورت میں اسم مقصور اور ممدود مفتوح
ہونے کی صورت میں اسم ممدود ہے اور الاناءُ برتن
کو کہتے ہیں جس کی جمع اٰنِیَۃٌ اور جمع الجمع
اَوَانِیْ آتی ہے تُسْقٰی مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَۃٍ (الغاشیہ)

یُصَلُّوْنَ : اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ
عَلَی النَّبِیِّ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا
عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ؁
بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت
بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی آپ پر
درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔
لفظ صلوٰۃ عربی زبان میں چند معانی کے لئے
استعمال ہوتا ہے۔ رحمت، دُعا، مدح وثنا
آیتِ مذکورہ میں اللہ کی طرف سے جو نسبت
صلوٰۃ کی ہے اس سے مراد رحمت نازل کرنا
ہے اور فرشتوں کی طرف سے صلوٰۃ انکا آپ
کے لئے دعا کرنا ہے اور عام مومنین کیطرف
سے صلوٰۃ کا مفہوم دعا و مدح اور ثنا کا
مجموعہ ہے، عام مفسرین نے یہی معنی اختیار
کئے ہیں (معارف)
والصلوٰۃ من اللہ رحمتہ و رضوانہ
ومن الملئکۃ الدعاء والاستغفار و
من الامۃ الدعاء والتعظیم لِاَمرہٖ (قرطبی)
علامہ راغب اصفہانی رقمطراز ہیں کہ بہت سے
اہل لغت کا بیان ہے کہ صلوٰۃ کے معنی دُعا

کرنے، برکت مانگنے اور بزرگی سے یاد کرنے کے ہیں بولا جاتا ہے صَلَّیْتُ عَلَیْہِ میں نے اسکے لئے دُعا کی اور بزرگی سے یاد کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ اِلٰی طعامٍ فلیجب وان کان صَائِمًا فَلْیُصَلِّ جب تم میں سے کسی کو کھانے پر بلایا جائے تو وہ قبول کرے۔ اور اگر روزہ دار ہو تو وہ دعا کرے یعنی دعوت کرنے والے کے حق میں دُعا کرے، اور قرآن پاک میں ہے۔ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ اور دُعا دے ان کو بیشک آپ کی دُعا انکے لئے آسودگی ہے، و صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اور دعائیں یعنی رسول کی اللہ کی طرف سے مسلمانوں پر صلوٰۃ کا مطلب حقیقت میں ان کو سراہنا ہے جیسا کہ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ایسے لوگوں پر ہی شاباشیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی۔

سَلِّمُوْا : وَسَلِّمُوْا، اور سلام بھیجو لفظ سلام۔ مصدر بمعنی السلامۃ ہے جیسے مُلَام بمعنی ملامت مستعمل ہوتا ہے اور مراد اس سے نقائص و عیوب اور آفتوں سے سالم رہنا ہے۔ اور السلام علیک کے معنی ہیں نقائص اور آفات سے سلامتی آپکے ساتھ ہے (معارف)

سلّموا امر کا صیغہ ہے اسی لئے حضور اکرم پر درود و سلام نماز میں واجب ہے اور بعض کے نزدیک آخری قعدہ میں فرض ہے۔ اور خارج نماز حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر درود زندگی میں ایک بار تو فرض ہے اور ہر بار جب بھی اسم شریف آئے درود پڑھنا موجب نجات ہے

يُدْنِيْنَ : يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ اپنے اوپر نیچی کر لیا کریں اپنی چادریں تھوڑی سی۔ یُدْنِیْنَ، اِدْنَاءٌ سے مشتق ہے جسکے لفظی معنی قریب کرنے کے ہیں (معارف) ادناءٌ کا اصل مادہ دُنُوٌّ ہے۔ دُنُوٌّ اور دَنَاوَۃٌ کا معنی ہے قریب ہونا، اور دَنَائَۃٌ کا معنی ہے کمینہ اور نچلا ہونا (نصر) اور باب افعال لازم بھی ہے اور متعدی بھی۔ قریب ہونا، قریب کرنا اور نیچا کر لینا یا کر دینا، اور دَنِیٌّ حقیر اور کمینہ (لغات القرآن)

ادناءٌ کے اصل معنی قریب کرنے اور لپیٹ لینے کے ہیں مگر جب اس کے ساتھ علیٰ آتا ہے تو اسمیں اِرْخَاءٌ یعنی اوپر سے لٹکا لینے کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ صاحب کشاف فرماتے ہیں: يُرْخِيْنَهَا عَلَيْهِنَّ وَيُغَطِّيْنَ بِهَا وُجُوْهَهُنَّ وَاَعْطَافَهُنَّ (کشاف) دنا منه: اس کے قریب ہوا دَخَلْتُ علی الامیر فرحّب بی و

اَدْنیٰ مَجْلِسِیْ ۔ میں امیر کے پاس گیا تو اُسنے میرا خیر مقدم کیا اور مجھے قرب بخشا۔

جَلَابِیْبُ: جلابیب جمع اور اسکی واحد جلباب ہے ایک خاص لمبی چادر کو کہا جاتا ہے، اس چادر کی ہیئت کے بارے میں ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ وہ چادر ہے جو دوپٹہ کے اوپر اوڑھی جاتی ہے، محمد بن سیرین نے حضرت عبیدہ السلمانی سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو انھوں نے بجائے کچھ کہنے کے چادر اُٹھائی اور اوپر اوڑھ کر سر اور پیشانی اور منہ ڈھانک کر صرف ایک آنکھ کھلی رکھی۔ ابن عباس بھی قریب قریب یہ معنی بیان کرتے ہیں۔ یہ حضرت عبیدہ عہد رسالت میں مسلمان ہو چکے تھے مگر حاضر خدمت نہ ہو سکے تھے۔ حضرت عمر کے زمانہ میں مدینہ آئے اور پھر دہیں رہے۔ اُنھیں فقہ اور قضاء میں قاضی شریح کا ہم پلہ مانا جاتا تھا، الجلابیب جمع جلباب وھو ثوب اکبر من الخمار، وروی عن ابن عباس وابن مسعود انہ الرداء۔ وقد قیل: انہ القناع۔ والصحیح انہ الثوب الذی یَسْتُرُ جمیع البدن (قرطبی)

جلابیب کا اصل مادہ جلبٌ ہے جس کے معنی کسی چیز کو ہنکانے اور چلانے کے ہیں اسی سے جلباب ہے۔ وہ چادر جسکو عورتیں سر کے اوپر سے سرکا کر چہرے کے اوپر کر لیتی ہیں یہ وہی صورت ہے جس کو ہماری زبان میں گھونگھٹ نکالنا کہتے ہیں۔ آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ عورتیں اپنی چادریں اچھی طرح اوڑھ کر لپیٹ کر ان کا ایک حصہ یا پلّو اپنے چہرے پر سے لٹکا لیا کریں باحیا عورتیں ایسا برقع استعمال کرتی ہیں جن میں جسم نمائی نہ ہو۔

مُرْجِفُوْنَ: وَالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَۃِ مُرْجِفُوْن، باب افعال کے مصدر ارجافٌ سے اسم فاعل جمع ہے اصل مادہ رجفٌ ہے شدید اضطراب رَجَفَتِ الارض او البحر زمین یا سمندر میں زلزلہ آنے کے ہیں، اور الْاِرْجَافُ، کوئی جھوٹی افواہ پھیلانا، یا کسی کام کے ذریعہ اضطراب پھیلانا کے ہیں، اَرْجَفَ لوگوں کو بھڑکانے کے لئے بُری خبریں اُڑانا، اَرْجَفَ الْقَوْمُ بالشیٔ وفیہ: گھسنا اور اَرْجَفَ الرِّیْحُ الشَّجَرَ ہوا کا درخت کو ہلا دینا۔

وقال ابن عباس: الارجاف: التماس الفتنۃ، والارجاف: اشاعۃُ الکذب والباطل للاغتمام بہ، والرَّجفانُ: الاضطراب الشدید (قرطبی)

اَرَاجِیْفٌ: جھوٹی اور بے سروپا باتیں۔ رَجْفٌ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے رَجَفَ الشَّیْءَ کسی چیز کو حرکت دینا یا کسی چیز کا حرکت کرنا۔ رَجَفَ القَلْبُ، دل کا مضطرب ہونا، دل کا دھڑکنا، خوف وغیرہ سے گھبرانا رَجَفَ یَرْجُفُ (ن) رَجْفًا و رَجَفَانًا و رُجُوْفًا و رَجِیْفًا زور سے حرکت دینا، مُرْجِفٌ دروغ گو، خبر گھڑنتو، افواہ ساز، دہشت پسند وَالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَۃِ: قَالَ اللیث وھم الَّذین یُوَلِّدُوْن الاخبار الکاذبۃ التی یکون معھا اضطراب فی الناس (بیح) واصل الارجافِ۔ التحریك من الرجفۃ التی ھی الزلزلۃ وصفت بہِ الاخبار الکاذبۃ لکونھا۔ فی نفسھا متزلزلۃ غیر ثابتۃٍ (روح) عرب کا ایک محاورہ ہے اذا وقعت المخاویف کثرت الاراجیف یعنی خطروں کے زمانہ میں جھوٹی چیزیں زیادہ اڑتی ہیں۔

تُقَلَّبُ: یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْھُھُمْ فِی النَّارِ۔ جس روز انکے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے۔ تَقْلِیْبٌ کے معنی اُلٹنے پلٹنے کے ہیں۔ جس طرح گوشت کو آگ پر بھونتے ہیں اس کو کبھی ایک جانب سے بھونتے ہیں کبھی دوسری جانب سے فرمایا کہ یہی گت انکی بننے والی ہے۔ یہ دوزخ کی آگ میں اپنے چہروں کے بل اسی طرح گھسیٹے جائیں گے کہ دونوں طرف سے اُنکے چہرے بُھن جائیں گے (اعاذنا اللہ من ذٰلك) قلب الشیٔ کے معنی کسی چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹنے کے ہیں اور تَقْلِیْبُ الشَّیْءِ کسی چیز کی حالت کو متغیر کر دینا۔

سَادَۃ: اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَکُبَرَآءَنَا ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہنا مانا، سَادَۃٌ سے مراد لیڈر اور سردار ہیں، یہ سَیِّدٌ کی جمع ہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے سَادَاتِنَا بکسر التاء پڑھا ہے، سَادَاتٌ جمع الجمع ہے۔ سَیِّدٌ کی جمع سَادَۃٌ ہے۔ یہ فِعَلَۃٌ کے وزن پر ہے، جیسے کَتَبَۃٌ اور فَجَرَۃٌ، اور پھر سَادَۃٌ کی جمع سادات ہے (قرطبی)

کُبَرَآءَ: خاندانی اور مذہبی پیشوا، آیت سے صاف مفہوم ہوتا ہے کہ انمیں سے کسی کی بھی آنکھ بند کر کے اطاعت کرنا جائز نہیں جب تک کوئی بزرگ قرآن و حدیث کی کسوٹی پر نہ اُترے۔ محض عقیدت کی بناء پر اطاعت کرنا مذہبی اعتبار سے تباہ کُن ہے کبیر کی جمع ہے

كُبَرَاء -

وَجِيْهًا : وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا :
اور اللہ کے نزدیک وہ بڑے معزز تھے، وجیھًا
کے معنی عربی میں بڑے معزز صاحب منزلت
کے آتے ہیں (ماجدی)
والوجيه عند العرب العظيم القدرة
الرفيع المنزلة (قرطبی) فلان وجيهٌ
أوْ ذو جاهٍ : فلاں صاحب وجاہت ہے، سورۂ
آلِ عمران میں اس کی تحقیق گزر چکی ہے -

سَدِيْدًا : وقولوا قولاً سَدِيْدًا : اور
راستی کی بات کہو - یعنی افراط وتفریط سے الگ
اور عدل واعتدال کے مطابق بات جچی تلی اور
بچی منہ سے نکالو - سَدِيْدٌ : سیدھا، سَدَادٌ
سے جسکے معنی درست وراست ہونیکے ہیں
فعیل کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے،
سدیدٌ کی تفسیر بعض نے صدق کے ساتھ کی ہے
بعض مستقیم اور بعض نے صواب وغیرہ سے کی ہے
ابن کثیر نے سب کو نقل کر کے فرمایا کہ سب حق ہے
مطلب یہ ہوا کہ قرآن کریم نے اس جگہ صدق یا
مستقیم وغیرہ کے الفاظ چھوڑ کر سدیدٌ کا لفظ
اختیار فرمایا ہے کیونکہ لفظ سدید ان تمام اوصاف
کا جامع ہے اسلئے کاشفی نے روح البیان میں فرمایا
کہ قول سدید وہ ہے جو سچا ہو جھوٹ کا اسمیں
شائبہ نہ ہو - ٹھیک بات ہو - ہزل یعنی مذاق
و دل لگی نہ ہو نرم کلام ہو دلخراش نہو (معارف)
سَدَّ يَسِدُّ وسَدَّ يَسَدُّ (س - ض)
سَدَدًا وسَدَادًا : درست ہونا هو يَسِدُّ
في قوله : وہ ٹھکانے کی بات کہتا ہے - سَدَّدَ
سَهْمَهُ، اس کا تیر ٹھیک نشان پر لگا -

اَلْاَمَانَةَ : اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ :
ہم نے امانت کو پیش کیا (ماجدی) ہم نے
دکھلائی امانت (معارف) اس جگہ لفظ امانت
کی تفسیر میں ائمہ تفسیر صحابہ وتابعین وغیرہم
کے بہت سے اقوال منقول ہیں - فرائض شرعیہ،
حفاظتِ عفت، امانت اموال، غسل جنابت
نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ - اس لئے جمہور
مفسرین نے فرمایا کہ دین کے تمام وظائف و
اعمال اسمیں داخل ہیں - تفسیر مظہری میں فرمایا
کہ دین کی اطاعت تکلیفات امر ونہی کا مجموعہ
امانت ہے - ابو حیان نے بحر محیط میں فرمایا کہ
الظاهر انها كل ما يؤتمن عليه من
امرٍ ونهيٍ وشأنٍ ودينٍ ودنيا والشرع
كُلُّهُ، امانة وهذا قول الجمهور، یعنی
ہر وہ چیز جس میں انسان پر اعتماد کیا جائے
یعنی امر ونہی اور ہر حال جسکا دین یا دُنیا
سے تعلق ہو اور شریعت پوری کی پوری امانت ہے

یہی قول ہے جمہور کا۔

خلاصہ یہ کہ امانت سے مراد احکام شرعیہ کا مکلف و مامور ہونا جن میں پورا اترنے پر جنت کی دائمی نعمتیں اور خلاف ورزی یا کوتاہی پر جہنم کا عذاب موعود ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ امانت سے مراد احکامِ الٰہیہ کا بار اُٹھانے کی صلاحیت و استعداد ہے جو عقل و شعور کے خاص درجہ پر موقوف ہے اور ترقی استحقاق خلافتِ الٰہیہ اسی خاص استعداد پر موقوف ہے۔ (معارف)

والامانۃ: تَعُمُّ جمیعَ وظائف الدّین علی الصحیح من الاقوال و ھو قول الجمھور (قرطبی)

ظَلُوْمًا : اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ،

بے شک وہ بڑا ظالم ہے، بڑا جاہل ہے۔ ماجدی

ظَلُوْمٌ : نہایت ستمگار، بہت ظلم کرنے والا ظُلْمٌ سے فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے شاہ ولی اللہ دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں فانّ الظّلوم من لا یکون عادلا ومن شأنہ ان یّعدلَ والجھول من لا یکون عالمًا ومن شأنہ ان یّعلم بلاشبہ ظلوم ہے جو عادل نہ ہو اور اسمیں عدل کی صلاحیت موجود ہو۔ اور جہول یہ ہے کہ عالم نہ ہو اور اس کی شان یہ ہو کہ وہ عالم بن سکتا ہو۔ اس جملہ سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ مطلقًا انسان کی مذمت میں آیا ہے کہ اس نادان نے اپنی جان پر ظلم کیا کہ اتنا بڑا بار اُٹھا لیا جو اس کی طاقت سے باہر تھا مگر قرآنی تصریحات کے مطابق واقعہ ایسا نہیں کیونکہ انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہوں یا پوری نوع انسانی، ان میں آدم علیہ السلام تو نبی معصوم ہیں۔ انھوں نے جو بار اُٹھایا تھا اس کا حق بھی یقینی طور پر پورا کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں ان کو خلیفۃ اللہ بنا کر زمین پر بھیجا گیا۔ ان کو فرشتوں کا مسجود بنایا گیا۔ اور آخرت میں ان کا مقام فرشتوں سے بھی بلند و بالا ہے۔ اگر نوع انسانی ہی مراد ہو تو اس پوری نوع میں لاکھوں تو انبیاء علیہم السلام ہیں اور کروڑوں وہ صالحین اور اولیاء اللہ ہیں جن پر فرشتے رشک کرتے ہیں۔ جنہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ اس امانت الٰہیہ کے اہل اور مستحق ہیں انھیں حقِ امانت کو ادا کرنے والوں کی بناء پر قرآن کریم نے نوعِ انسانی کو اشرف المخلوقات ٹھہرایا وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ۔ اس سے ثابت ہوا کہ نہ آدم علیہ السلام قابلِ مذمت ہیں اور نہ پوری نوع انسانی۔ اسی لئے حضرات

مفسرین نے فرمایا کہ یہ جملہ مذمت کے لئے نہیں بلکہ اکثر افراد نوع کے اعتبار سے بیان واقعہ کے طور پر ارشاد ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ نوع انسانی اکثریت سے ظلوم و جہول ثابت ہوئی جس نے اس امانت کا حق ادا نہ کیا خسارہ میں پڑی، اور چونکہ اکثریت کا یہ حال تھا اس لئے نوع انسانی کی طرف منسوب کر دیا گیا (معارف القرآن)

جَهُوْلًا : بڑا نادان، بڑا جاہل، جَهُوْلٌ :

جَهْلٌ اور جہالۃٌ سے فعول کے وزن پر مبالغہ ہے ظلم، عدل و حق کی ضد ہے۔ اور جہل، علم اور حلم کی ضد ہے۔ ظلوم اس کو کہیں گے جو عدل و حق کا شعور رکھتے ہوئے ظلم کا ارتکاب کرے۔ اسی طرح جہول اس کو کہیں گے جو علم و حلم کی صلاحیت کے باوجود وصف جہل اور جذبات سے مغلوب ہو جانے والا ہو (تدبر)

تمت

شرح الفاظ القرآن من سورة سبا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یلج : یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ : وہ جانتا ہے جو کچھ زمین کے اندر داخل ہوتا ہے اَلْوُلُوْج کے معنی کسی تنگ جگہ میں داخل ہونے کے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے حَتّٰی یَلِجَ الۡجَمَلُ فِیۡ سَمِّ الۡخِیَاطِ، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نکل جائے،

یعرج : وَمَا یَعۡرُجُ فِیۡهَا ، اور جو کچھ اسمیں چڑھتا ہے عَرَجَ (ض۔ن) عُرُوْجًا و مَعْرَجًا۔ عَرَجَ فِی السُّلَّمِ : سیڑھی پر چڑھنا ۔ عُرِجَ بِهٖ : چڑھایا جانا،

یعزب : لَا یَعۡزُبُ عَنۡهُ مِثۡقَالُ ذَرَّةٍ : اس سے کوئی ذرہ برابر بھی غائب نہیں ۔عَزَبَ یَعۡزُبُ و یَعۡزِبُ (ن،ض) دُور نکل جانا، پوشیدہ ہونا ۔ اَلْعَازِبُ : وہ آدمی جو گھاس کی تلاش میں دُور نکل جائے عَزَبَ عَنْهُ حِلْمُهٗ اس کی عقل جاتی رہی رَجُلٌ عَزَبٌ : بے زن مرد، عورت سے دُور۔ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ : ای لایغیب عَنْهُ ۔ یقال ۔ عزب ۔ یَعْزُبُ : اذا بعد وغاب (قرطبی) من العزوب و هو البُعْدُ : یقال روض عزیبٌ بعید من النّاس (کشاف) عَزَبَ طُهْرُهَا اس کا خاوند غائب ہوگیا ۔

مزقتم : اِذَا مُزِّقۡتُمۡ کُلَّ مُمَزَّقٍ جب تم پھٹ کر ہو جاؤ گے ٹکڑے ٹکڑے (معارف)

مُزِّقْتُمْ : باب تفعیل کے مصدر تَمْزِیْقٌ سے جمع مذکر حاضر ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ یعنی تم ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاؤ گے ۔ مَزْقٌ پھاڑنا، ٹکڑے ٹکڑے کرنا ۔ مِزَقٌ کپڑے کے پھٹے ہوئے ٹکڑے چیتھڑے ۔ مَزَّقْنٰهُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ ۔ یعنی اُس نے ان کو ملک کے اطراف و جوانب میں پراگندہ و متفرق کر دیا ۔ مِزْقَةٌ واحد چیتھڑا جمع مِزَقٌ چیتھڑے ۔

اَلْمَزْقُ : خَرْقُ الاشیاء ۔ مَزْقٌ کے معنی چیزوں میں شگاف کے ہیں (قرطبی) ومعنی مُزِّقْتُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ : فُرِّقْتُمْ کُلَّ تفریق (قرطبی)

وتمزیق الشیٔ۔ تخریقہٗ وجعلہٗ قطعًا قطعًا (روح المعانی) تمزیق الشیٔ کے معنی کسی چیز کو پھاڑ دینا اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا کے ہیں۔ التمزیقُ: (التخریقُ والتقطیع (لسان) مَزَقَ الطائر، پرندہ نے بیٹ کردی، حدیث ابن عمرؓ میں ہے ان طائرًا مزق علیہٖ پرندے نے ان پر بیٹ کردی۔ مَزَقَ عِرضَ أخیہِ: اپنے بھائی پر سب وشتم کیا، اس کی عزت کو پھاڑا۔

جِنَّۃٌ: اَمۡ بِہٖ جِنَّۃٌ، یا اسکو جنون ہے جِنَّۃٌ: دیوانگی، جنون، سودا۔ یہ جنٌّ سے مشتق ہے۔ الجنُّ کے اصل معنی کسی چیز کو حواس سے پوشیدہ کرنے کے ہیں۔ چونکہ دیوانگی عقل کو پوشیدہ اور مستور کر دیتی ہے اس لئے اس کو جنون یا جِنَّۃٌ کہتے ہیں۔ اور جِنَّۃٌ جنوں کی جماعت، یہ جِنّیٌّ کی جمع ہے۔

فَضۡلًا: وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا: یعنی عطا کیا ہم نے داؤد کو اپنا فضل۔ فضل کے لفظی معنی زیادتی کے ہیں۔ مراد وہ خالص صفات ہیں جو دوسروں سے زائد ان کو عطا کی گئی ہیں (معارف)

اصل میں الفضل کے معنی کسی چیز کے اقتصاد (یعنی متوسط درجہ سے زیادہ ہونے کے ہیں) اور یہ دو قسم پر ہوتا ہے۔ ایک محمود جیسے علم و حلم وغیرہ کی زیادتی اور دوسری مذموم، جیسے غصہ وغیرہ کا حد سے بڑھ جانا۔ لیکن عام طور پر فضل اچھی باتوں پر بولا جاتا ہے۔ اور فضول بری باتوں کے لئے۔ تفضیل، بزرگی دینا، فضیلت دینا ایک کو دوسرے پر برتری دینا، مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعۡضَہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ۔ اسلئے کہ خدا نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے۔ جب ایک چیز پر دوسری چیز کی فضیلت کے لئے لفظ فضل کا استعمال ہوتا ہے تو اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ نمبر۱۔ برتری بلحاظ جنس کے جیسے جنس حیوان کا جنس نباتات سے افضل ہونا نمبر۲۔ برتری بلحاظ نوع کے، جیسے نوع انسان کی برتری باقی تمام حیوانات پر، چنانچہ آیت کریمہ فَضَّلۡنٰہُمۡ عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِیۡلًا میں اسی طرف اشارہ ہے نمبر۳۔ فضیلت بلحاظ ذات کے، جیسے ایک انسان کو دوسرے انسان پر فضیلت ہونا۔

امام راغب فرماتے ہیں کہ پہلی دونوں قسم کی فضیلت بلحاظ جوہر ہوتی ہے جس میں ادنیٰ ترقی کر کے اعلیٰ کے درجہ کو حاصل نہیں کر سکتا مثلاً گھوڑا اور گدھا، کہ یہ دونوں ترقی کر کے انسان کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے، البتہ

تیسری قسم کی فضیلت من حیث الذات چونکہ کبھی عارضی ہوتی ہے اس لئے اسکا اکتساب عین ممکن ہے ، چنانچہ آیت کریمہ : وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ، اور خدا نے رزق (دولت میں) بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، میں اسی قسم کی طرف اشارہ ہے اس کو آدمی اپنی محنت اور سعی سے حاصل کر سکتا ہے ۔ اور آیت کریمہ فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ میں انسان کے ان ذاتی امتیازات کی طرف اشارہ ہے جس کے ساتھ اسے خاص طور سے نوازا جاتا ہے مثلاً جاہ ، عزت اور قوت و شوکت وغیرہ

اَوِّبِیْ : يَا جِبَالُ اَوِّبِیْ ۔ اَوِّبِی ، تَأْوِیْبٌ سے مشتق ہے جس کے معنی دہرانے اور لوٹانے کے آتے ہیں ۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو حکم دیدیا تھا کہ جب داؤد علیہ السلام اللہ کا ذکر و تسبیح کریں تو پہاڑ بھی وہ کلمات پڑھ کر لوٹائیں ۔ اسی طرح ابن عباسؓ نے بھی اَوِّبِیْ کی تفسیر سَبِّحِیْ فرمائی ہے (معارف) يَا جِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهُ وَالطَّيْرَ ، یہ اشارہ ہے اس سوز و گداز کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو عطا فرمایا تھا جب وہ پہاڑوں کے دامن میں بیٹھ کر اپنے خاص لاہوتی لحن میں

اپنے رب کی حمد کا ترانہ چھیڑتے اور اپنی منظوم مناجاتیں پڑھتے تو شجر و حجر اور چرند و پرند جھوم اُٹھتے اور انکی ہمنوائی کرتے ۔

تاویبؔ کے اصل معنی ترجیعؔ کے ہیں یعنی کسی کے سُر میں سُر ملانا ، اس کی آواز کو دہرانا اس کی ہم آہنگی اور ہمنوائی کرنا ، یوں تو اس کائنات کی ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جس طرح حضرت داؤدؑ کو خاص نوع کا دل گداختہ اور خاص قسم کا لحن عطا فرمایا تھا اسی طرح اپنے خاص حکم سے پہاڑوں اور پرندوں کو یہ حکم بھی دیا تھا کہ جس وقت حضرت داؤد علیہ السلام اپنے رب کی حمد و تسبیح کریں وہ بھی انکے ساتھ اسمیں شریک ہوں (تدبر)

وَالتَّاْوِيْبُ وَالتَّاْيِيْبُ وَالتَّاَدُّبُ : الرُّجُوعُ (القاموس)

اصل میں اَبَ يَئُوْبُ اَوْبًا وَمَاٰبًا کے معنی ہیں واپس ہونا ۔ لوٹنا ۔ اٰبَ مِنَ السَّفَرِ ۔ سفر سے واپس ہونا اور تاویبؔ پورا دن چلنا اور رات کو قیام کرنا ، اَوَّبَ الْقَوْمُ ۔ قوم سارا دن چلی اور راتکو قیام کیا ۔ تَاَوَّبَ الْمَاءَ ۔ رات میں پانی کے کسی چشمہ پر اُترنا ۔ اسی سے بعض حضرات نے

أَوِّبِي کے معنی سیری کئے ہیں یعنی اے پہاڑو
حضرت داؤدؑ کے ساتھ چلو۔ وقیل المعنی
سیری معہٗ حیث شاء من التأویب
الذی ھو سیر النھار اجمع وینزل اللیل
أَلَنَّا: أَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ: ہم نے لوہے
کو اس کے لئے نرم کردیا، لَانَ يَلِينُ لِينًا
وَلَيَانًا، ولِيْنَةٌ نرم ہونا۔ صفت کا صیغہ
لَيِّنٌ اور لَيْنٌ آتے ہیں۔ اور لَيَّنَ الشئ
تلیینا والانہ الانۃ والینہ الیانا
نرم کرنا الَانَ لِلْقَوْمِ جَنَاحَهٗ اُس نے
لوگوں سے نرم برتاؤ کیا، فلانٌ لَيِّنٌ فلاں
نرم مزاج ہے، اس کی ضد خَشِنٌ آتی ہے
فلانٌ خَشِنٌ فلاں درشت مزاج ہے۔
الْحَدِيد: لوہا۔ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ
فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ اور ہم نے لوہا پیدا کیا
اس میں بڑا خطرہ بھی ہے۔
سَابِغَاتٍ: أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ
وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ، بناؤ زرہیں کشادہ
اور اندازے سے جوڑو کڑیاں۔ دِرْعٌ سابغٌ
پوری اور وسیع زرہ کو کہتے ہیں، أَنِ اعْمَلْ
سَابِغَاتٍ کے معنی ہونگے پوری پوری زرہیں
بناؤ (راغب)
سابغات ڈھیلے ڈھالے لباس کو بھی کہتے ہیں
جو پورے جسم کو ڈھانپ لے، یہاں یہ ڈھیلی
ڈھالی زرہوں کی صفت کے طور پر استعمال
ہوا ہے (تدبر)
قَدِّرْ: یہ تقدیر سے مشتق ہے جسکے معنی
ایک اندازے پر بنانے کے ہیں جس میں پورے
تناسب کو ملحوظ رکھا جائے، لہٰذا قَدِّرْ کے معنے
ہونگے مناسب اندازے کے ساتھ بناؤ۔
کڑیوں کو حساب کے ساتھ بناؤ اور جوڑو۔
سَرْدِ: سَرْدٌ کے معنی بُننے کے ہیں، سَرَدَ
يَسْرُدُ وَيَسْرِدُ سَرْدًا وسِرَادًا سَرَدَ
الدِّرْعَ، زرہ بُننا۔ سَرَدَ الشئَ سوراخ
کرنا۔ زرہ کی کڑیوں کے لئے بطور اسم بھی
استعمال ہوتا ہے، السَّرْدُ، نَسْجُ الدِّرْعِ
وھو تداخل الحَلَقِ بعضها في بعضٍ
والسَّرْدُ۔ اسم جامع للدروع وسائر
الحلق (تاج) سَرْد، زرہ بُننے کو کہتے
ہیں اور یہ ایک حلقہ کو دوسرے حلقہ میں
داخل کرنا اور ڈالنا، اور لفظ سَرْد زرہ اور
ہر گول چیز کو شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ
زرہ بنانے میں اُس کی کڑیوں کو متوازن اور
متناسب بنائیں۔ کوئی حلقہ چھوٹا اور کوئی
بڑا نہ ہو تاکہ وہ مضبوط بھی بنے اور خوبصورت
بھی ہو۔ اور دیکھنے میں بھی بھلی معلوم ہو۔

غُدُوٌّ : غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ
صبح کی منزل اس کی ایک مہینہ کی اور شام کی
منزل بھی ایک مہینہ کی۔ الغُدُوُّ غَدْوَةٌ کی
جمع ہے۔ صبح صبح کو نکلنا۔ صبح کو پہنچنا یا فجر
اور طلوع آفتاب کا درمیانی وقت یا دن کا ابتدائی
حصہ، جیسا کہ امام راغب نے لکھا ہے اور اس
کے معنی دن کے ابتدائی حصہ میں چلنے کے بھی
آتے ہیں۔ غُدْوَةٌ تڑکا بالکل صبح کا وقت،

رَوَاحٌ : یہ رَاحَ یَرُوْحُ کا مصدر ہے جسکے
معنی شام کرنے اور شام کے وقت چلنے کے ہیں
رواحھا، اس کی شام کی منزل، اس کی شام
کی سیر۔ امام راغب نے لکھا ہے کہ راح کے
معنی سہولت اور آسانی کے ہیں اور بطور استعارہ
اسکا استعمال نصف النہار کے بعد سے اس
وقت کے لئے ہوتا ہے جس میں انسان چلتا ہے
یہ غُدُوٌّ اور صَبَاحٌ کا مقابل ہے اور اسکا استعمال
سرِ شام یا زوال سے لیکر رات تک کے لئے ہوتا ہے
یہاں رواح سے مراد شام کی منزل یعنی زوال
سے لیکر غروب آفتاب تک چلنا ہے۔

اَسَلْنَا : وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ،
اور ہم نے اس کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا،
یہ اَسَالَ سے جمع متکلم کا صیغہ ہے، یہاں
اَسَلْنَا بمعنی بہا دینے اور جاری کر دینے کے ہیں

عَيْنَ : عَيْنَ الْقِطْرِ، تانبے کا چشمہ،
قرآن پاک میں اس لفظ کا استعمال صرف دو ہی
معنوں میں ہوا ہے۔ ایک آنکھ کے لئے اور
دوسرا چشمہ کے لئے۔ امام راغب کے نزدیک
عَيْنٌ کے اصل معنی آنکھ کے ہیں اور دیگر معانی
میں اسکا استعمال بطور استعارہ کے ہے، چنانچہ
ان کے نزدیک چشمہ کو عَيْنٌ کہتے ہیں تو وہ اس
تشبیہ کی بنا پر کہتے ہیں کہ جس طرح آنکھ سے
قطراتِ اشک اُبلتے ہیں اسی طرح چشمہ سے
پانی اُبلتا ہے لہذا انکے نزدیک عین کا اطلاق اس
چشمہ پر ہوگا جس سے سوتے پھوٹتے ہوں۔

الْقِطْرِ : عَيْنَ الْقِطْرِ۔ تانبے کا چشمہ۔
قِطْر، پگھلا ہوا تانبا، القِطْرُ هُوَ بالكسر
النحاسُ الذائبُ (تاج) بعض حضرات کا
خیال ہے کہ تانبے کے لئے قِطر کا لفظ صرف
حمیری زبان میں بولا جاتا ہے دوسرے قبائل
عرب کی زبان میں یہ مستعمل نہیں ہے اور قطران
رال، تارکول اور گندھک وغیرہ صاحب
معجم القرآن نے لکھا ہے کہ قطران تیل کی طرح
ایک سیال مادہ ہوتا ہے جو ابہل اور صنوبر
وغیرہ کے درختوں سے نکلتا ہے اور خارشی اونٹ
کو بطور علاج کے لگایا جاتا ہے۔

مَحَارِيْبَ : يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ

مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رَّاسِيَاتٍ ، بناتے اس کے واسطے جو کچھ چاہتا، قلعے اور تصویریں اور لگن جیسے تالاب اور دیگیں، چولھوں پر جمی ہوئی محاریب، محراب کی جمع ہے جو مکان کے اشرف داعلیٰ حصہ کے لئے بولا جاتا ہے بادشاہ اور بڑے لوگ جو اپنے لئے حکومت کا کمرہ بنائیں اس کو محراب کہا جاتا ہے۔ اور لفظ محراب حربٌ بمعنی جنگ سے مشتق ہے، کوئی آدمی جو اپنا حکومت کدہ خاص بناتا ہے اسکو دوسروں کی رسائی سے محفوظ رکھتا ہے اسمیں کوئی دست اندازی کرے تو اسکے خلاف لڑائی کرتا ہے اسی مناسبت سے مکان کے مخصوص حصہ کو محراب کہتے ہیں۔ مساجد میں امام کے کھڑا ہونے کی جگہ کو بھی اسی امتیاز کی بنا پر محراب کہتے ہیں اور کبھی خود مساجد کو محاریب کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں محاریب بنی اسرائیل اور اسلام میں محاریب سے انکی مساجد مراد ہوتی ہیں (معارف)

علامہ راغب فرماتے ہیں کہ مسجد کے محراب کو محراب یا تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ شیطان اور خواہشات نفسانی سے جنگ کرنیکی جگہ ہے یا اسلئے کہ اس جگہ میں کھڑے ہو کر عبادت کرنے والے پر حق یہ ہے کہ دنیوی کاروبار اور پریشان خیالیوں سے یکسو ہو جائے۔

تَمَاثِيْلَ : وَتَمَاثِيْلَ ، یہ تِمْثَالٌ کی جمع ہے۔ تمثال عربی زبان میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی قدرتی شے کے مشابہ بنائی جائے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ کوئی انسان ہو یا حیوان، کوئی درخت ہو یا کوئی پھول پتی یا دریا یا کوئی اور بیجان چیز، چنانچہ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں کہ التمثال اسم للشئی المصنوع مشبّهًا بخلق من خلق الله، تمثال نام ہے ہر اس مصنوعی چیز کا جو خدا کی بنائی ہوئی کسی چیز کے مانند بنائی گئی ہو خواہ وہ جاندار ہو یا بیجان، اور صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ التمثال کلّ مَا صُوّرَ علیٰ صُوْرَةِ غیرہ من حیوان وغیر حیوان (تفسیر کشاف ص۵۷۲ جلد ۳)

قاموس میں ہے کہ تَمثال بفتح التاء مصدر ہے اور بکسر التاء تِمثال تصویر کو کہا جاتا ہے۔ اَلتَّمثال بالفتح التمثیل وھو مصدر وبالکسر الصورة (قاموس)

جِفَانٍ : جِفَانٍ كَالْجَوَابِ ، جِفَانٌ جَفْنَةٌ کی جمع ہے جو پانی کے بڑے برتن

جیسے ٹب اور تسلہ وغیرہ کو کہا جاتا ہے (معارف)
جَفْنَۃٌ کی جمع ہے جس کے معنی لگن کے ہیں
(لغات القرآن) جفنہ کی جمع ہے جس کے معنی
تھال اور لگن کے ہیں (تدبر) لگن کے ساتھ
تشبیہ کے دیگر چھوٹے کنوئیں کو بھی جفنۃٌ
کہدیتے ہیں (راغب)
والجفنۃُ : معروفۃ، اَعْظَمُ مَا یَکُوْن
من القِصَاعِ والجمع جِفَانٌ و
جِفَنٌ (لسان) سخی آدمی کو بھی جفنۃ
کہدیتے ہیں۔ جیسے کہ۔ ع۔ اَنْتَ الْجَفْنَۃُ
الْغَرَّاءُ۔ تو سفید پیالہ ہے یعنی سخی ہے
لوگوں کے سامنے کھانے کے پیالے رکھتا ہے
اور سفید سے مراد یہ ہے کہ اس میں چربی
اور گھی بھرا رہتا ہے، الجفنۃ : القصعۃُ
(تاج) جمع جِفَنٌ جِفَانٌ وجَفَنَاتٌ،

الجواب : یہ جابیۃٌ کی جمع ہے بڑے
حوض کو کہا جاتا ہے۔ الجواب اصل میں الجوابی ہے
یاء کو حذف کر کے علامت حذف کے طور
پر کسرہ چھوڑ دیا ہے۔ وواحد الجوابی
جَابِیَۃٌ : وھی القِدر العظیمۃ و
الحوض الکبیر العظیم الذی یجبی
فیہ الشئی ای یُجْمَعُ (قرطبی)
جَبَیَ الماءَ فی الحوض جِبَایَۃً، حوض

میں پانی جمع کیا (راغب) مجاہد سے روایت
ہے کہ جوابی جَوْبَۃٌ کی جمع ہے اور جوبۃ
پہاڑوں کے ان بڑے بڑے گڑھوں کو کہا
جاتا ہے جنہیں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے۔
الجَابِیَۃُ : الحوض الضخم (لسان)
جابیہ بڑا حوض ہے۔ والجمع الجوابی
(لسان) الجابیۃ : حوضٌ ضَخْمٌ یُجْبیٰ
فیہ الماء للابل (تاج)
جابیہ وہ بڑا حوض ہے جس میں اونٹوں کے لئے
پانی جمع کیا گیا ہو۔ جَبیٰ یَجْبِیْ جَبَایَۃً ضرب
سے آتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ رمیٰ یَرْمِیْ
جَبَیَ الخَرَاجَ : خراج جمع کرنا۔
کالجواب ای کالحِیَاضِ العظام جمعُ
جابیۃٍ من الجبَایۃ ای الجمع (روح)
جواب بڑے بڑے حوض، یہ جابیۃٌ کی جمع ہے
اور جِبَایَۃٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی جمع
کرنے کے ہیں۔
جمع جَابِیَۃ وھی حوض کبیر (جلالین)
حضرت مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ الجواب
جابیہ کی جمع ہے۔ چھوٹے حوض کو جابیۃ کہتے ہیں
مراد یہ ہے کہ پانی بھرنے کے بڑے برتن ایسے
بنائے تھے جسمیں چھوٹے حوض کے برابر پانی آتا
ہے (معارف) حضرت نے جابیہ چھوٹے حوض

قرار دیا ہے جبکہ اوپر ذکر کردہ حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جابیہ بڑا حوض ہے، البتہ صاحب تفسیر فتح القدیر، علامہ محمد بن علی الشوکانی نے جابیہ چھوٹے حوض ہی کو قرار دیا ہے، اور بڑے حوض کا قول قیل سے ذکر کیا ہے ممکن ہے کہ حضرت نے اسی پر اعتماد کیا ہو۔ والجواب جمع جابية وهي حفيرة كالحوض (فتح القدير) جواب، جابیہ کی جمع ہے، اور یہ حوض کی طرح چھوٹا گڑھا ہے۔

قُدُوْرٍ: قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ، جمی ہوئی دیگیں قُدُوْر، قِدْرٌ بکسر القاف کی جمع ہے۔ ہنڈیا کو کہا جاتا ہے (معارف) لفظ قِدْرٌ استعمال میں عموماً مؤنث آتا ہے اور بہت کم مذکر (لغات القرآن) والقدر بالكسر معروفة، انثى بلا هاء عند جميع العرب في تصغيرها قديرة (تاج)

رّٰسِیٰتٍ: رّٰسِیٰتٍ ایک جگہ دھری رہنے والی، چولہوں پر قایم رہنے والی، رُسُوٌّ سے ہے جس کے معنی کسی چیز پر قائم رہنے اور استوار ہونے کے ہیں۔ اسم فاعل کا صیغہ جمع مؤنث ہے راسیۃٌ واحد ہے (لغات القرآن) رَسَا، یَرْسُوْ، رَسْوًا و رُسُوًّا: ثابت ہونا، استوار ہونا اسم فاعل مذکر راسٍ، رَسَتِ السَّفِیْنَۃُ: جہاز کا لنگر انداز ہونا۔ رَسَا عَنْہُ حَدِیْثًا

کسی سے حدیث بیان کرنا۔ اصل میں رَسَا الشَّیْءُ کے معنی ہیں کسی چیز کا کسی چیز پر ٹھہر جانا، استوار ہونا، اور اَرْسٰی (افعال) کے معنی ہیں کسی چیز کو ٹھہرانا اور استوار کرنا، قرآن پاک میں ہے، وَرَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ اور اونچے اونچے پہاڑ۔ یہاں پہاڑوں کو بوجہ ثبات اور استواری رواسی کہا گیا ہے اسی طرح معنی ثبات کا لحاظ کر کے پہاڑوں کو اَوْتَادٌ بھی کہا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا اور پہاڑوں کو زمین کی میخیں بنایا۔

یہاں رّٰسِیٰتٍ قُدُوْرٍ کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے، مراد یہ ہے کہ اتنی بڑی اور وزنی دیگیں بناتے تھے جو ہلائے نہ ہلیں اور ممکن ہے یہ دیگیں پتھر سے تراش کر پتھر ہی کے چولہوں پر لگی ہوئی بناتے ہوں جو نا قابل حمل و نقل ہوں۔

مِنْسَاَتَہٗ: تَاْکُلُ مِنْسَاَتَہٗ، اس کی لاٹھی کو کھاتا تھا، مِنْسَاَۃٌ اسم آلہ ہے بمعنی لاٹھی، ہنکانے کا آلہ نَسْیٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں آواز دینا، ہنکانا، نگہبانی کرنا، اُدھار بیچنا، مہلت دینا، باب افعال سے اِنْسَاءٌ کے بھی یہی معنی آتے ہیں۔

والمِنْسَاۃُ: العصا لانه يَنْسَأُ بها۔ (ای

یطرد ویُوخر (کشاف)
واصلها من : نَسَأَتُ الْغَنَمَ ای زجرتُهَا وسُقْتُهَا، فسمّیت العصا بنالك لانہ یزجرها الشئ ویساق (قرطبی)

سَبَاٍ : لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ
سبا والوں کے لئے اُن کے وطن ہی میں نشانِ (قدرت) موجود تھا۔ سبا سے مراد یہاں اہلِ سبا ہیں اور مسکن یہاں علاقہ اور خطہ کے مفہوم میں ہے۔ سبا کا ذکر سورۂ نمل کی آیت ۲۳ کے تحت گزر چکا ہے جو علاقہ اب یمن کہلاتا ہے وہی پہلے سبا کا علاقہ تھا، یہ نہایت زرخیز اور سرسبز و شاداب خطہ تھا، اس کی اصل شاہراہ کے دونوں جانب نہایت شاداب باغوں کا سلسلہ تھا جو پورے علاقہ پر پھیلا ہوا تھا لیکن اسکے باشندوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل کی قدر نہیں کی جسکی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اُن پر ایک سیلاب بھیجا جس سے پورا ملک تباہ و برباد ہو گیا۔
ابن کثیر نے لکھا ہے کہ سبا یمن کے بادشاہوں اور اس کے باشندوں کا لقب ہے۔ تبابعہ جو اس ملک کے مقتدا اور پیشوا تھے وہ بھی اسی قوم سبا ہیں سے تھے اور ملکہ بلقیس جن کا واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ سورۂ نمل میں گزر چکا ہے وہ بھی اسی قوم میں سے تھی۔ تاریخی ذوق رکھنے والے حضرات سید سلیمان ندویؒ کی کتاب ارض القرآن کی طرف رجوع فرمائیں، صاحب موضح القرآن فرماتے ہیں کہ سبا ایک قوم کا نام ہے اُن کا وطن عرب میں تھا یمن کی طرف۔

شِمَالٍ : شمال یہ یمین کا مقابل ہے، جانب شمال، بائیں طرف، اَشْمُلٌ اور شُمُلٌ جمع ہے شمائل بھی اس کی جمع ہے مگر یہ خلافِ قیاس ہے
الشمالُ ضد الیمین (قاموس)

سَيْلَ : فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ
سو ہم نے ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا۔ سَیْلٌ: بہاؤ، سیلاب، فلڈ، یہ اصل میں سَالَ یَسِیْلُ کا مصدر ہے جس کے معنی بہنے کے ہیں، پھر مصدر بطور اسم سیلاب کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے اس کی جمع سُیُوْلٌ آتی ہے، قرآن پاک میں اسکا استعمال بطور اسم ہی ہوا ہے۔
سال الماءُ والشئُ سَیْلا وسَیْلانًا: جَرَیٰ (لسان) والسَّیْلُ: الماء الکثیر السائل، اسم لامصدر، وجمعہٗ سُیُوْلٌ (لسان)
الْعَرِمِ : تیز و تند، زور دار، سخت، یہ عُرَامٌ اور عرامۃٌ سے ہے جنکے معنی بد اخلاق اور سخت درشت ہونے کے ہیں، یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے، کثرت کے معنی میں اس کا استعمال ہوتا ہے، سلامہ بن جندل کہتا ہے ؎

وانا کالحصی عددًا وانا
بنو الحرب التی فیھا عرام

لغت کے اعتبار سے اصل معنی تو عرم کے یہی ہیں - عرام الجیش ، لشکر کی شدت وکثرت اور حدت (قاموس) عرم الرجل اشتد یعنی آدمی کا سخت ہونا ، لیکن بہت سی ان اشیاء کے لئے بھی جن میں یہ وصف پایا جاتا ہو اس کا استعمال ہوتا ہے اس بناء پر اہل لغت اور اہل تفسیر نے اسکے بہت سے معانی ذکر کئے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں :

نمبر۱- سخت بارش (۲) بند (۳) بند کا پشتہ (۴) گھونس (۵) اس خاص بند کا نام جو یمن میں تعمیر ہوا تھا (۶) ایک وادی کا نام (۷) وہ سیلاب جس کو روکا نہ جا سکے (۸) وہ آڑ جو دو چیزوں کے درمیان ہو (۹) وہ سُرخ پانی جس کو اللہ تعالیٰ نے عذاب کی شکل میں آکر بند کو توڑنے کے لئے بھیجدیا اور اس نے بند کو توڑ کر رکھدیا - ایک بحث اس لفظ میں یہ بھی ہے کہ یہ جمع ہے یا واحد اور جمع ہونے کی صورت میں اسکا واحد آتا ہے یا نہیں - بعض کہتے ہیں کہ جمع ہے اسکا واحد نہیں آتا - اور بعض کہتے ہیں اس کا واحد آتا ہے ، اور اسکا واحد عَرِمَۃٌ ہے ، اور عَرِمَۃٌ ان پتھروں کو کہا جاتا ہے جو اوپر تلے رکھے ہوئے ہوں اور اس پشتہ کو بھی عَرِمَۃٌ کہتے ہیں جو وادی کے عرض میں ہو -

والعَرِمَۃُ سَدٌّ یعترض بہ الوادی، و الجمع عَرِمٌ ، وقیل العَرِمُ جمعٌ لا واحد لہ والعرم السیل الذی لا یطاق ومنہ قولہ تعالیٰ فارسلنا علیھم سیل العرم (لسان)

عَرِمٌ کے ان تمام معانی میں سے قرآن پاک کے سیاق وسباق کے مطابق وہ معنی ہیں جو قاموس اور صحاح جوہری وغیرہ کتب لغت میں ہیں کہ عرم کے معنی السّدّ یعنی بند کے ہیں جو پانی روکنے کے لئے بنایا جاتا ہے - جو آجکل ڈیم کے نام سے معروف ہے ، حضرت ابن عباسؓ نے یہ معنی بیان کئے ہیں ، والعرم فیما روی عن ابن عباس السد ، فالتقدیر سَیْلَ السَّدِّ العَرِمِ (قرطبی)

اور جنگلی چوہوں کو بھی عرم کہا جاتا ہے -

علامہ ابن کثیر نے ذکر کیا کہ ملک یمن اس کے دار الحکومت صنعاء سے تین منزل کے فاصلہ پر ایک شہر مارب تھا جس میں قوم سبا آباد تھی دو پہاڑوں سے بارش کا سیلاب آتا تھا اور ان ہی پہاڑوں کے بیچ میں شہر آباد تھا ، یہ شہر ہمیشہ ان سیلابوں کی زد میں رہتا تھا اس شہر کے بادشاہوں نے جنھیں ملکہ بلقیس

کانام خصوصیت سے ذکر کیا جاتا ہے، ان دونوں پہاڑوں کے درمیان بند (ڈیم) نہایت مستحکم اور مضبوط تعمیر کیا جسمیں پانی اتر نہ کرسکے اسی بند کے باعث پہاڑوں سے آنیوالا سیلاب رُک گیا اور اس بند نے اس پانی کو روک کر پانی کا ایک عظیم الشان ذخیرہ بنادیا اور پہاڑوں سے نکل کر پانی اس بند میں جمع ہونے لگا اس بند کے اندر اوپر نیچے پانی نکالنے کے لئے تین دروازے رکھے گئے تھے تاکہ پانی کا ذخیرہ انتظام کے ساتھ شہر کے لوگوں کے لئے اور اُن کے باغ و زمین کی آبپاشی کے کام آسکے پہلے اوپر کا دروازہ کھول کر اس سے پانی لیا جاتا پھر ختم ہونے پر اسکے نیچے والا اور پھر اس سے نیچے والا کے دروازے سے یہانتک دوسری بارشوں کا زمانہ آجاتا اور بند میں پانی دوبارہ بھر جاتا۔

بند کے نیچے ایک بہت بڑا تالاب تعمیر کیا گیا تھا جس میں پانی کے بارہ راستے بنا کر بارہ نہریں شہر کے مختلف اطراف میں پہنچائی گئی تھیں اور سب نہروں میں پانی یکساں انداز میں چلتا تھا اور شہر کی ضروریات کو پورا کرتا تھا۔ شہر کے دائیں بائیں جو دو پہاڑ تھے ان کے کناروں پر باغات لگائے تھے جنمیں پانی کی نہریں جاری تھیں، باغات ایکدوسرے کے متصل مسلسل دو رویہ پہاڑوں کے کناروں پر تھے۔ یہ باغات اگرچہ تعداد میں بہت تھے مگر قرآن کریم نے ان کو جنّتان یعنی دو باغ کے لفظ سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ ایک رُخ کے تمام باغات کو بوجہ اتصال کے ایک باغ، دوسرے رُخ کے تمام باغوں کو دوسرا باغ قرار دیا ہے، ان باغوں میں ہر طرح کے پھل تھے اور کثرت سے پیدا ہوتے تھے اور ائمۂ سلف قتادہ وغیرہ کے بیان کے مطابق ان باغوں میں عورت اپنے سر پر خالی ٹوکرا لیکر چلتی تو درختوں سے ٹوٹ کر گرنے والوں پھلوں سے خود بخود بھر جاتا اس کو ہاتھ بھی نہ لگانا پڑتا (ابن کثیرؒ) لیکن جب اس قوم نے خدا کی ناشکری کی اور انبیاء کی دعوت و تبلیغ کو ٹھکرا دیا تو اللہ تعالےٰ نے یہی بند اُن کی بربادی اور تباہی کا ذریعہ بنا دیا۔ بند ٹوٹ گیا اور سیلاب سے ملک کا سرسبز حصّہ کھنڈرات میں تبدیل ہوگیا، اس سیلاب کو عرم کی طرف اس لئے منسوب کیا گیا جو عرم انکی حفاظت اور خوشحالی کا ذریعہ تھا اسی کو اللہ تعالیٰ نے انکے لئے آفت اور مصیبت بنا دیا۔ ائمۂ تفسیر نے لکھا ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے اس بند کو توڑنے کا ارادہ فرمایا
تو اس پر اندھے چوہے مسلط کر دیئے جنہوں نے
اس بند کو کھوکھلا کر دیا اور پانی کے دباؤ نے
اس کو توڑ دیا اور پانی سے شہر مارب تباہ ہو گیا،
اور تمام باغات تباہ ہو گئے (ابن کثیر)
اس لفظ کی مکمل تفصیل دیکھنے کے لئے ارض القرآن
کا مطالعہ کریں۔

أُكُلٍ : ذَوَاتَیْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ
شَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ ، لفظ (اکل) سے
مراد یہاں پھل ہیں اور اس کو دو طرح سے پڑھا
گیا ہے ایک تو تنوین کے ساتھ، اس صورت
میں تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ
اُكُلِ خَمْطٍ مضاف کو حذف کر کے مضاف
الیہ کو اسکے قائم مقام کر دیا گیا، اور بعض
نے بلا تنوین پڑھا ہے ذَوَاتَیْ اُكُلِ خَمْطٍ
اُكُلٌ : میوہ، پھل وغیرہ

خَمْطٍ : کڑوے کسیلے اور بدمزہ پھلوں
کو کہتے ہیں، امام بغوی لکھتے ہیں کہ خمط، اراک
یعنی پیلو اور اسکا پھل ہے اسکو بریر کہتے ہیں
اکثر مفسرین کا قول یہی ہے، والخمط
الاراك يقال له البرير هذا قول اكثر
المفسرين (بغوی برحاشیہ خازن)
مبرد اور زجاج کہتے ہیں کہ ہر وہ سبزی جسکے
مزہ میں اتنی تلخی پیدا ہو جائے کہ اسکو کھایا
نہ جا سکے وہ خمط ہے۔ ابن الاعرابی کہتے ہیں
کہ خمط ایک درخت کا پھل ہے جسکو فَسْوَةُ
الضبع کہا جاتا ہے خشخاش کی طرح ہے اور
جھڑ جاتا ہے اس سے کوئی نفع اندوز نہیں ہوتا
(معالم التنزیل) لفظ خمط کے معنی اکثر
مفسرین نے درخت اراک (پیلو) کیے گئے
ہیں اور جوہری لغوی نے لکھا ہے کہ اراک
کی ایک قسم ایسی بھی ہے جس پر کوئی پھل ہوتا ہے
اور کھایا جاتا ہے مگر اس درخت کے پھل بھی
بدمزہ تھے۔ اور ابو عبیدہ کا قول ہے کہ خمط
ہر ایسے درخت کو کہا جاتا ہے جو خاردار بھی
ہو اور کڑوا بھی (معارف)

خَمَطَ يَخْمُطُ خَمْطًا وَخُمُوطًا، خَمَطَ الْخَمْرُ
اَوِ اللَّبَنُ شراب اور دودھ کا خوشبودار ہونا
بو میں تغیر آنا، تَخَمَّطَ الرَّجُلُ تکبر کرنا
غصہ کرنا۔ حدیث میں ہے۔ تَخَمَّطَ عُمَرُ
حضرت عمرؓ ناراض ہوئے۔ واقعہ یہ ہوا
کہ رفاعہؓ بن رافع نے کہا کہ الماءُ مِنَ
الماء یعنی پانی، پانی سے ہے۔ مطلب یہ ہے
کہ غسل جب ہی واجب ہے جب منی نکلے،
یہ سن کر حضرت عمر ناراض ہوئے کیونکہ انکا
مذہب جمہور صحابہ کا مذہب ہے کہ غسل

مطلق دخول سے واجب ہوتا ہے انزال ہو یا نہ ہو

اَثْلٍ : لفظ اثل جمہور مفسرین کے نزدیک طرفاء کی ایک قسم ہے جسکو اردو میں جھاؤ کہا جاتا ہے اور کوئی پھل کھانیکے قابل نہیں ہوتا اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اثل بمعنی سمر ہے یعنی ببول کا درخت اور کیکر جو خار دار ہوتا ہے جس کا پھل بکریوں کو کھلایا جاتا ہے۔ علامہ راغب نے لکھا ہے کہ اثل وہ درخت ہے جس کی جڑ مضبوط ہو اسی سے شَجَرٌ مُتَاَثِّلٌ کا محاورہ ہے یعنی وہ درخت جس کی جڑ شجر اثل کی طرح مضبوط ہو۔ تَاَثَّلَ کذا، وہ چیز اثل کی طرح مضبوطی سے جم گئی۔ اس کی جمع اَثْلَاثٌ اور اثالٌ و اُثُوْلٌ آتی ہے۔ فالاثل هو الطرفاء وقيل هو شجر يُشْبِهُ الطرفاء الا انه اعظم منه (لغوی) وقيل هو السمر (ابن كثير) و الاثل بالفتح شجر وهو نوع من الطرفاء (تاج) قال الفراء هو شبيه بالطرفاء الا انه اعظم منه طولا، ومنه اتخذ منبر النبي صلى الله عليه وسلم (قرطبی)

اَثَلَ يَأْثُلُ اُثُوْلًا وَاَثَّلَ (ك) اثالةً زمین یا شرافت میں جڑ پکڑنا۔ اثل المال: مال کی زکوٰۃ دینا۔ تَاَثَّلَ، جڑ پکڑنا، جمع ہونا صیغہ صفت اثیلٌ آتا ہے۔ مجدٌ اثیلٌ، موروثی بزرگی، خاندانی شرافت، اسی طرح مجدٌ موثّلٌ کے یہی معنی ہیں۔ غیرَ مُتَاَثِّلٍ یتیم کے مال میں سے اپنے لئے نہ جوڑو۔ متأثّل: جو مال و دولت کو بڑھاتا جائے۔ اَثْلَةٌ: جڑ اصل

سِدْرٍ : بیری کا درخت، بیری دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک وہ جو باغات میں اہتمام سے لگائی جاتی ہے اسکا پھل شیریں اور خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ اسکے درخت میں کانٹے کم اور پھل زیادہ ہوتا ہے۔ دوسری قسم جنگلی بیری کی ہے جو جنگلوں میں خودرو اور خار دار جھاڑیاں ہوتی ہیں اس میں کانٹے زیادہ اور پھل کم، اور جو ہوتا ہے وہ بھی ترش۔ آیت مذکورہ میں سدر کے ساتھ قلیل کے لفظ کی قید لگا کر غالباً اسی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ بیری کے درخت بھی خودرو اور جنگلی تھے جن پر پھل کم اور وہ بھی ترش۔ امام راغب نے لکھا ہے کہ سدر ایسا درخت ہے، جو کھانے میں ناکافی ہوتا ہے۔ اسمیں غذائیت بہت کم ہوتی ہے اور کبھی اس سے سایہ حاصل کیا جاتا ہے جبکہ اسکو کاٹ دیکر بے کانٹے بنا دیا جائے۔ اس لئے اسکو جنت کے آرام اور اس کی نعمتوں کے لئے بطور مثال ذکر کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ۔ بے خار کی بیریوں

میں مزے کر رہے ہونگے کیونکہ ایسا درخت بہت
سایہ دار ہوتا ہے۔

سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی: یہ سدرۃ المنتہیٰ کیا چیز ہے انسانی
فہم و ادراک کی آخیر سرحد پر ایک درخت، اکابر تابعین
سے یہی روایت طبری نے اس آیت کی تفسیر میں
نقل کی ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کو فیوض ربانی اور نعمائے صمدانی سے مخصوص
کیا گیا تھا۔ سدرۃٌ واحد ہے، سدرٌ جمع ہے، سِدْرٍ
قَلِیْلٍ، تھوڑی سی بیریاں۔

اَسْفَارٌ: یَاعِدْ بَیْنَ اَسْفَارِنَا۔ اسفارٌ
سَفَرٌ کی جمع ہے جسکے معنی قطع مسافت کے ہیں،
سَفَرَ الرَّجُلُ: اس نے سفر کیا، اور سَافِرٌ
(مُسَافِرٌ) کی جمع سَفْرٌ آتی ہے جیسے رَاکِبٌ کی جمع
رَکْبٌ آتی ہے اور سَافَرَ کے معنی ہیں اسنے سفر
کیا، یہ خاصکر باب مفاعلۃ سے آتا ہے گویا اسمیں
جانبین یعنی وطن اور آدمی کے ایکدوسرے سے
ہونیکا لحاظ کیا گیا ہے اور سَفَرٌ سے ہی سُفْرَۃٌ مشتق
کیا گیا ہے جسکے معنی طعام سفر یا توشہ دان کے ہیں
جسمیں سفری کھانا رکھا جاتا ہے۔ رَجُلٌ سَفْرٌ:
مسافر آدمی، قومٌ سَفْرٌ: مسافر لوگ، ناقۃٌ سِفْرٌ
سفر کرنیوالی اونٹنی، اصل میں سفرٌ کے معنی کشف
غطار یعنی پردہ اٹھانیکے ہیں۔ اَلسَّفْرُ کشفُ الغِطَاءِ
(راغب) واصلہ: الکشف (لسان) اور یہ اعیان
کے ساتھ مخصوص ہے جیسے سَفَرَ العِمَامَۃَ عَنِ الرَّأسِ
اسنے سر سے عمامہ اُتار دیا سَفَرَتِ الْمَرْأَۃُ عَنِ الوَجْہِ:
عورت نے چہرے سے پردہ ہٹا دیا اور سفر البیتَ
کے معنی گھر میں جھاڑو دینے کے ہیں۔ جھاڑو کو
مِسْفَرٌ اور گرد و غبار کو سَفِیْرٌ کہتے ہیں جو جھاڑو
دیکر دُور کیجاتی ہے۔ الاسفار، یہ الوان کیساتھ
مخصوص ہے۔ یعنی کسی رنگ کے ظاہر ہونے پر
بولا جاتا ہے جیسے کہ وَالصُّبْحِ اِذَا اَسْفَرَ: قسم ہے
صبح کی جب روشن ہو۔ اور اسی طرح وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ
مُّسْفِرَۃٌ: اور سِفْرٌ اس کتاب کو کہا جاتا ہے جس
میں حقائق کا بیان ہو گویا وہ حقائق کو بے نقاب
کرتی ہے اس کی جمع بھی اسفارٌ آتی ہے جیسے کہ
کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا، ان کی مثال
گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں
یہاں تمثیل یہ میں خصوصیت کیساتھ اَسْفَار
کا لفظ ذکر کرنے سے اس بات پر متنبہ کرنا مقصود
ہے کہ تورات اگرچہ اپنے حقائق کو اور مضامین
کو محقق طور پر بیان کرتی ہے لیکن جاہل یہودی اسکو
سمجھ نہیں پاتے لہٰذا انکی مثال بعینہ اس گدھے
کی سی ہے جو علم و حکمت کے پشتارے اٹھائے ہوئے ہو

اَلْفَتَّاحُ: وَھُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ: اور
وہ بڑا فیصلہ کرنیوالا، بڑا علم والا ہے، اَلْفَتَّاحُ
القاضی بالحق (قرطبی) درست فیصلہ سنانیوالا

مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اصل مادہ فَتْحٌ ہے جس کے معنی کسی چیز سے بندش اور پیچیدگی کو زائل کرنے کے ہیں۔ الفَتَّاحُ، معاملہ کی بندش اور پیچیدگی کو دُور کرنیوالا اور خوب درست فیصلہ دینے والا۔

كَآفَّةً: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ اور ہم نے تو آپ کو سارے ہی انسانوں کیلئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ خوشخبری سُنانیوالے اور ڈرانیوالے کے طور پر لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں، کَافَّةٌ اسم فاعل مؤنث ہے اور کَافٍّ مذکر ہے بمعنی جماعت، جمع کَافَّاتٌ آتی ہے اور کَفٌّ مصدر ہے، کہا جاتا ہے جَاءَ النَّاسُ كَافَّةً: سب لوگ آئے اس پر الف لام نہیں آتا اور نہ اسکی اضافت ہوتی ہے بلکہ ہمیشہ حال کی صورت میں نکرہ منصوب استعمال ہوتا ہے جسکے معنی ہوتے ہیں سب کے سب پُورے کے پُورے۔ کَافَّةٌ اسمِ فاعل مذکر مفرد بھی ہوسکتا ہے اس صورتمیں تار مبالغہ کی ہوگی جیساکہ زَاوِيَةٌ اور عَلَّامَةٌ کی تار ہے اور کَافَّةً لِّلنَّاسِ میں اکثر اہلِ تفسیر نے کَافَّةٌ کو عَامَّةٌ کے معنی میں لیا ہے۔ کَافَّةٌ ای عَامَّةٌ (قرطبی) یعنی ہمنے آپکو تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے اور دوسرا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ ہم نے آپ لوگوں کے لئے گناہوں سے روکنے والا بنا کر بھیجا ہے اس صورت میں کَافَّةٌ اسم فاعل مذکر ہوگا اور تا مبالغہ کی ہوگی لیکن پہلی صورت زیادہ واضح اور صحیح تر ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ لفظ کَافَّةٌ عربی محاورہ میں کسی چیز کے سب کو عام و شامل ہونیکے معنی میں استعمال ہوتا ہے جسمیں کوئی مستثنیٰ نہ ہو۔ اصل عبارت ترکیبی کا تقاضا یہ تھا کہ لِلنَّاسِ كَافَّةً کہا جاتا کیونکہ لفظ کافۃ حال ہے ناس کا مگر عموم بعثت بیان کرنیکا اہتمام واضح کرنے کے لئے کَافَّةٌ کو مقدم کر دیا گیا ہے (معارف) اور آیت کریمہ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ میں کافٍ کَفٰی يَكْفِيْ كِفَايَةً سے اسم فاعل مذکر ہے جو اصل میں کَافِيٌ تھا بمعنی پورا حاجت روا ایسا کام پورا کرنیوالا کہ اُسکے بعد کسی دوسرے کی ضرورت نہ رہے۔ اگرچہ اس کی جمع آتی ہے لیکن بصورت واحد اسکو تثنیہ اور جمع دونوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے جیساکہ رَجُلٌ كَافِيْكَ، رَجُلَانِ كَافِيْكَ اور رِجَالٌ كَافِيْكَ، تینوں صورتوں میں لفظ کافِ میں کوئی فرق نظر نہیں آتا ہے والكافة: الجماعة۔ وقيل الجماعة من النّاس يقال لَقِيْتُهُمْ كَافَّةً اى كُلَّهُمْ (لسان)

لَوْلَآ: لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ، اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آئے ہوتے۔ لَوْلَا: امتناعیہ، لَوْ حرف شرط اور لا، نافیہ سے

مرکب ہے لفظاً کوئی تغیر نہیں کرتا اور اس کا
استعمال دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک شئی کے
پائے جانے سے دوسری شئی کا ممتنع ہونا، اسکی
خبر ہمیشہ محذوف ہوتی ہے، اور لَوْلَا کا جواب
قائم مقام خبر کے ہوتا ہے جیساکہ مذکورہ آیت
میں ہے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے یعنی
ہمارا عدم ایمان تمہارے وجود کی وجہ سے ہے
دوم لَوْلَا بمعنی ھَلَّا کے آتا ہے اور اسکے بعد
متصلاً فعل کا آنا ضروری ہوتا ہے جیساکہ لَوْلَا
اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا : تونے ہماری طرف
کوئی رسول کیوں نہ بھیجا (راغب) ابن مالک اور
بعض دوسرے علماءِ نحاۃ کا قول ہے کہ لَوْلَا
کے پہلے جملہ کی خبر اگر عام ہو جیسے کائن، ثابت
وغیرہ تو واجب الحذف ہے اگر عمومی خبر نہ ہو
بلکہ کسی مادہ کے ساتھ مقید ہو مثلاً آکِلٌ،
شَارِبٌ، قَائِمٌ، قَاعِدٌ، ذَاھِبٌ وغیرہ اور
بغیر ذکر کے معلوم نہ ہوسکے تو ذکر واجب ہے
جیساکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لَوْلَا
قَوْمُكِ حديث عهدها بالاسلام لهدمت
الكعبة : اگر تمہاری قوم نئی نئی اسلام میں
داخل نہ ہوئی ہوتی تو میں کعبہ کو گرا دیتا اور
دوبارہ ابراہیمی بنیادوں پر اس کو قائم کرتا۔
اور ذکر کے بغیر اگر خبر معلوم ہوسکے تو ذکر اور

حذف دونوں جائز ہیں، ان حضرات میں سے
ابن الشجری نے اسکی مثال یہ دی ہے وَلَوْلَا
فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ، اگر عَلَيْكُمْ فَضْلُ
اللہ کے متعلق ہو تو خبر محذوف ہوگی ورنہ ذالک
کے متعلق ہوکر فضل اللہ کی خبر ہوجائے گی، اگر
لَوْلَا ضمیر پر داخل ہو تو ضمیر مرفوع ہوگی،
جیساکہ آیت لَوْلَا اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ، اور
مُبَرِّد نحوی کے نزدیک ضمیر کا مرفوع ہونا ضروری
نہیں ہے لیکن مُبَرِّد کا یہ قول اسلئے صحیح معلوم
نہیں ہوتا کہ لَوْلَا اسم مظہر پر جب داخل ہوتا ہے
تو وہ اسم بالاجماع مرفوع ہوتا ہے اس لئے ضمیر
کا مرفوع ہونا بھی واجب ہے جیساکہ علامہ
قرطبی نے محمد بن یزید کا قول نقل کیا ہے۔
نمبر۲۔ تحضیض اور عرض کے لئے بھی لَوْلَا کا استعمال
ہوتا ہے۔ تحضیض کا مطلب ہے فعل پر سختی سے
کسی کو ابھارنا، اور عرض کا مطلب ہے نرمی سے
کسی کام کی طلب کرنا، اسوقت لَوْلَا کے بعد
مضارع آنا چاہئے خواہ لفظاً یا معنیً۔ لَوْلَا
تَسْتَغْفِرُوْنَ اللهَ۔ کیوں نہیں اللہ سے معافی
مانگتے۔ یہ تحضیض ہے، اور لَوْلَا اَخَّرْتَنِيْ
اِلٰی اَجَلٍ قَرِيْبٍ، یہ اکثر کے نزدیک عرض ہے،
نمبر۳۔ لَوْلَا توبیخ کیلئے بھی آتا ہے اسوقت اسکا
مدخول فعل ماضی ہوگا، جیساکہ لَوْلَا جَاءُوْ عَلَيْهِ

بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ، کیوں نہ لائے اسپر چار گواہ

نمبر۴۔ ہروی کا قول ہے کہ لَوْلَا استفہام کے لئے بھی آتا ہے جیسا کہ لَوْلَا اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ اور لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ جمہور اہلِ ادب کے نزدیک اوّل آیت میں عرض کے لئے ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور دوسری آیت میں توبیخ کے لئے۔

نمبر۵۔ ہروی نے یہ بھی کہا ہے کہ لَوْلَا کبھی نافیہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ فَلَوْلَا قَرْیَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِیْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ، یونس علیہ السلام کی قوم کے علاوہ کوئی دوسری آبادی ایسی نہ تھی کہ (عذاب دیکھنے کے بعد) ایمان لائی اور ایمان سے اس کو فائدہ پہنچا، اکثر مفسرین نے لَوْلَا کو اس جگہ توبیخ کے لئے قرار دیا ہے اور توبیخ کے لئے نفی بہرحال لازم ہے، اسلئے لَوْلَا میں نفی کا مفہوم ذیلی اور ضمنی طور پر آگیا۔ نفی کے لئے لَوْلَا کی کوئی مستقل قسم قرار دینا صحیح نہیں جیسا کہ صاحبِ کشاف نے اس آیت کی تفسیر کے تحت یہ لکھ کر اس طرف اشارہ کردیا ہے کہ الجملة فی معنی النفی جملہ نفی کے معنی میں ہے۔ معلوم ہوا کہ لَوْلَا نفی کے لئے نہیں بلکہ متضمن بمعنی النفی ہوتا ہے۔

مُتْرَفُوْا : قَالَ مُتْرَفُوْهَا، یہ اصل میں مُتْرَفُوْنَ تھا، ھا ضمیر کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے نون اعرابی گر گیا ہے اور یہ مُتْرَفٌ کی جمع ہے۔ عیش پرست، خوشحال اور فارغ البال لوگ، اُتْرِفَ زَیْدٌ، زید کو خوشحالی دی گئی۔ فَهُوَ مُتْرَفٌ، پس وہ خوشحال ہے، عیش پرست ہے، اَتْرَفَتْهُ النِّعْمَةُ : عیش نے اسکو بے راہ کردیا، تَرِفَ (سمع) اور تَتَرَّفَ (تفعل) خوشحالی کی زندگی گزارنا۔ مترفین سے مراد وہ لوگ جو شر و فساد کے لیڈر تھے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں :

مُتْرَفُوْهَا : قَالَ قتادہ : ای اغنیاؤها و رُءُوْسَاؤُهَا و جَبَابِرَتُهَا و قادة الشَّرِّ لِلرُّسُلِ، حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ مُتْرَفٌ تَرَفٌ سے مشتق ہے جس کے معنی ناز و نعمت کی فراوانی کے آتے ہیں۔ مترفین سے مراد اغنیاء، مالدار اور قوم کے رؤساء ہیں (معارف) التُّرْفَةُ خوشحالی، خوش عیشی۔ فُلَانٌ مُتْرَفٌ فلاں خوشحال ہے عیش پرست ہے۔

زُلْفٰی : تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰی، یہاں لفظ زلفی مصدر ہے جس سے مقصود فعل کی تاکید ہے۔ یعنی تُقَرِّبُكُمْ قُرْبَةً مطلب یہ ہے کہ مال اور اولاد میں سے کوئی بھی چیز

ایسی نہیں جو خدا کے ہاں ذرا بھی وجہ قربت ہوسکے، قال مجاهد: ای قربیٰ والزُّلْفَةُ القُرْبیٰ (قرطبی) وقال الراغب الزّلفةُ المنزلةُ والخطوةُ ...... والزلفیٰ الخطوةُ - وقال صاحب لسان العرب الزّلف والزّلفةُ والزّلفیٰ: القربة و الدرجةُ والمنزلةُ ..... وزلف اليه وازدلفَ وتزلّف: دنامنه ... وَاَزْلَفَ الشئَ: قَرَّبَهٗ (لسان)

الغُرُفَاتِ: وَهُمْ فِی الْغُرُفَاتِ اٰمِنُوْن الغُرُفَاتِ جمع ہے۔ الغُرْفَةُ کی، اونچے مکان منازل عالیہ۔ جمہور اہلِ لغت نے غُرُفَات بصیغہ جمع پڑھا ہے اور علامہ زمخشری نے لکھا ہے کہ غُرُفَات کی راء میں تینوں حرکات جائز ہیں، یعنی بضمّ الراء وفتحہا وسکونہا (قرطبی) اعمش یحییٰ بن وثّاب اور حمزہ وغیرہ نے الغرفۃ بصیغہ واحد پڑھا ہے جیساکہ آیت کریمہ ہے اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ، چونکہ لفظ غرفۃ کا اطلاق کبھی کبھی اسم جمع پر بھی ہوتا ہے

مُفْتَرًی: اِفْكٌ مُّفْتَرًی تراشا ہوا جھوٹ، مفتری، اِفْتِرَاءٌ سے اسم مفعول ہے بمعنی از خود ساختہ

التَّنَاوُشُ: وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ، اور اب کہاں ان کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے بعید جگہ سے، تَنَاوُشٌ کے معنی ہاتھ بڑھا کر کسی چیز کو اٹھا لینے کے ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ ہاتھ بڑھا کر وہی چیز اٹھائی جاسکتی ہے جو دُور نہ ہو ہاتھ وہاں تک پہنچ سکے مضمون آیت کا یہ ہے کہ کفار منکرین قیامت کے روز حقیقت سامنے آجانے کے بعد کہیں گے کہ ہم قرآن پر یا رسول پر ایمان لے آئے مگر اُن کو معلوم نہیں کہ ایمان کا مقام ان سے بہت دُور ہوچکا ہے کیونکہ ایمان صرف دُنیا کی زندگی کا مقبول ہے۔ (معارف) النَّوش کے معنی کسی چیز کو پکڑنے کے ہیں۔ پھر ایک قراءت میں التَّنَاؤُش ہمزہ کیساتھ ہے اس صورت میں یا تو نَأْشٌ سے مشتق ہوگا جسکے معنی طلب کے ہیں اور یا پھر اس کا ہمزہ واؤ سے مبدل ہوگا جیساکہ اُقِّتَتْ کہ اصل میں وُقِّتَتْ ہے اور دارٌ کی جمع ہے اَدْؤُرٌ کہ اصل میں اَدْوُرٌ ہے (راغب) نَاشَ الشَّیْءَ يَنُوْشُ نَوْشًا: چیز کو پکڑنا، طلب کرنا۔ تَنَاوَشَ الشَّیْءَ چیز کو پکڑنا اور تَنَاوَشُوْا بِالرِّمَاحِ نیزہ بازی کرنا۔ ابن عباسؓ اور ضحاکؒ نے تناوش کے معنی رَجْعَةٌ کے کئے ہیں یعنی مجرمین واپس دُنیا میں لوٹنے کی کوشش کرینگے تاکہ ایمان لائیں۔ التّناوش: الرجعۃ، ای یطلبون الرّجعۃ الی الدّنیا لیؤمنوا (قرطبی)۔ وفی لسان العرب نَاشَهٗ يَنُوْشُهٗ نَوْشًا: تَنَاوَلَهٗ ..... والانتیاش (افتعال) مثلہ وتناوشہ کَنَاشَہٗ

تناوش کا اصل مادہ نوشٌ ہے اور یہ اجوف واوی ہے اور اگر تناؤش ہمزہ کے ساتھ ہو تو اسکا اصل مادہ نَأشٌ ہوگا اور یہ مہموز العین ہے، تناءَشَ الشیٔ کے معنی بھی پکڑنے اور چیز کو گرفت میں کرنیکے ہیں (ترجمہ منجد) تناوشٌ (اجوف) اور تناؤشٌ (مہموز) دونوں میں اخذ اور تناول کا مفہوم پایا جاتا ہے. صاحب کشاف نے ان دونوں میں جو فرق ہے اسکی طرف اشارہ کیا ہے کہ تناوش اور تناول تو دونوں ایک معنی دیتے ہیں۔ البتہ تناوش کے معنی قریب کسی چیز کو آسانی سے پا لینے کے ہیں (اور تناول مطلقًا) اور ابو عمرو کا قول نقل کرتے ہیں کہ التناؤش بالھمزۃ التناولُ مِنْ بعدٍ ۔یعنی کسی چیز کو دُور سے لینا۔ والتَّناؤش : الاخذ من بعد، ھموز فان کان عن قرب فھو التناوُش بغیر ھمزۃ (لسان) والتّناوش ھو التناول عن قریب وقیل عن بعید

بَعْض: کچھ ٹکڑا، کُل کے اعتبار سے شیٔ کے کسی جز کو بعض کہتے ہیں اسی لئے یہ کُل کے مقابل استعمال ہوتا ہے۔ بَعَّضَ الشیٔ چیز کو تقسیم کر دیا۔ تَبْعِیْضٌ، الگ الگ کرنا تقسیم کر دینا۔

بعض ائمۂ لغت نے لفظ بعض کو کُل کے معنوں میں بھی لیا ہے اور استدلال میں آیت یُصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِی یَعِدُکُمْ ۔ ہر وہ بات ہو کر رہے گی جو پیغمبر یعنی جناب موسٰی علیہ السلام فرما دیتے ہیں۔ کو پیش کیا ہے ۔لفظ بعض اور کُل دونوں پر الف لام داخل نہیں ہوتا کیونکہ یہ الف لام کے بغیر ہی معرفہ ہیں ۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اصمعی سے کہا کہ میں نے ابن مقفع کی کتاب میں یوں لکھا ہوا دیکھا ہے العلم کثیرٌ ولکنّ اَخْذَ البعض خیر من ترک الکل ۔ بعض اور کُل دونوں معرف باللام ہیں تو اصمعی نے اس پر شدت سے انکار کیا ہے ۔ اور فرمایا کہ جن حضرات نے ایسا کیا ہے علم نحو سے ناواقفیت کی وجہ سے کیا ہے (لسان) بعضٌ کی جمع اَبْعَاضٌ آتی ہے۔

بَعُوْضَۃ : مچھر، مکھی وغیرہ اسکی جمع بَعُوْضٌ آتی ہے لَیْلَۃٌ بَعِضَۃٌ وہ رات جسمیں کثرت سے مچھر کاٹیں، مَکَانٌ مَبْعُوْضٌ وہ مکان جسمیں مچھر بہت ہوں،

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الفاطر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَجْنِحَةٍ: اَجْنِحَۃٌ، جناحٌ کی جمع ہے۔ پَر، بازو۔ محاورہ ہے جنح الطائر، پرندہ کا بازو توڑ دینا۔ پھر اسی سے جناح بمعنی ید بھی آتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ ہے۔ وَاضْمُمْ اِلَیْکَ جَنَاحَکَ مِنَ الرَّھْبِ اور (خوف دفع کرنے کے) واسطے اپنا بازو پھر اپنے سے ملا لینا (ترجمہ ماجدی) جوانح الصدر، وہ پسلیاں جن کے سرے سینے کے وسط میں باہم متصل ہوتی ہیں اسکا واحد جانحۃٌ ہے اور ان پسلیوں کو جوانح اسلئے کہا جاتا ہے کہ انمیں میلان یعنی خم ہوتا ہے، (تاج العروس) مولانا اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ اَجْنِحَۃٌ، جَنَاحٌ کی جمع ہے۔ جناح آدمیوں کے بازؤں کے لئے بھی آتا ہے اور پرندوں کے پَروں کے لئے بھی جن سے وہ اڑتے ہیں۔ یہاں یہ لفظ فرشتوں کے لئے استعمال ہوا ہے اسلئے اسکی نوعیت متشابہات کی ہے یعنی ان کی اصل حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے (تدبر)

مَثْنٰی: مَثْنٰی وثُلٰثَ ورُبٰعَ: مَثْنٰی، دو۔ دو، وادی کا موڑ، گھومنے کی جگہ، مَثْنَی الاَیَادِیْ، مکرر احسان، بار بار احسان آیت میں پہلے معنی مراد ہیں۔ الثِّنْیُ: موڑ ثانی: دوسرا۔ ثَانِیَ اثْنَیْنِ: ابوبکر صدیق خلیفہ بلا فصل، نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرے

ثُلٰثَ: ثُلٰثَ، تین۔ تین، یہ اسم ہے۔ ثلٰثۃٌ ثلٰثۃٌ سے معدول ہے۔

رُبٰعَ: چار چار، یہ اَرْبَعٌ اَرْبَعٌ سے معدول ہے اور چونکہ اسمیں دو عدل ہیں۔ ایک اسکے صیغہ سے، دوسری اس کی تکرار سے اسلئے غیر منصرف ہے۔ یہ علامہ زمخشری کی رائے ہے اور قاضی بیضاوی کے نزدیک بنا بر عدل و وصف غیر منصرف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رباع مبنی بصفت ہے۔ اگرچہ اس کی اصل وصف یعنی نہیں (بیضاوی سورۃ النساء)

الْغَرُوْر: لَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ غَرُوْرٌ۔ حرف غین کی زبر (فتح) کے ساتھ مبالغہ کا صیغہ ہے جسکے معنی بہت دھوکہ دینے والا۔ مراد اس سے شیطان ہے (معارف) اور غُرُوْرٌ غین کے پیش (ضمہ) کے ساتھ مصدر ہے،

دھوکہ دینا، فریب دینا، شیطان کو غرور اسلئے فرمایا گیا ہے کہ وہ مغفرت کی اُمیدیں دِلا دلا کر انسان سے گناہ کراتا رہتا ہے۔

حَسَرٰتٍ : فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ، سواُن پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے۔ حَسَرٰتٍ، پشیمانیاں، پچھتاوے۔ یہ حَسْرَةٌ کی جمع ہے، حَسْرَةٌ: غم۔ جو چیز ہاتھ سے چلی جائے اُس پر نادم اور پشیمان ہونا۔ اصل میں حَسْرٌ کے معنی ننگا کرنے اور اس سے پردہ اُٹھانے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے حَسَرْتُ عَنِ الذِّرَاعِ، میں نے آستین چڑھالی۔ گویا وہ غفلت اور جہالت جو اسکے ارتکاب کا باعث تھی وہ اس سے دُور ہوگئی یا فرطِ غم کی وجہ سے اسکے قویٰ ننگے ہوگئے۔ حَسْرٌ متعدی استعمال ہوتا ہے، لیکن اشعار میں لازم بھی آتا ہے، وَالْحَسْرَةُ اَشَدُّ النَّدَمِ حَتّٰى يَبْقَى النَّادِمُ كَالْحَسِيْرِ مِنَ الدَّوَابِّ الَّذِىْ لَا مَنْفَعَةَ فِيْهِ (لسان)

يَبُوْرُ : وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ: اور ان کا مکر نابود ہوگا۔ بَارَ الشَّيْءُ (ن) يَبُوْرُ بَوْرًا کے معنی کسی چیز کے بہت مندا پڑنے کے ہیں۔ اور چونکہ کسی چیز کی کساد بازاری اُس کے فساد کا باعث ہوتی ہے اس لئے بورٌ بمعنی ہلاکت استعمال ہونے لگا ہے، اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ اور انھوں نے اپنی قوم کو تباہی کے گھر اُتار دیا۔ يقال بَارَ يَبُوْرُ اِذَا هَلَكَ وَبَطَلَ وَبَارَتِ السُّوْقُ اى كسدت وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا اور وہ لوگ ہلاک ہونے والے تھے۔ بُوْرًا یہ بَائِرٌ کی جمع ہے۔ رَجُلٌ حَائِرٌ بَائِرٌ، ایسا پریشان کہ نہ کہنا سُنے نہ کسی کی طرف متوجہ ہو۔ اس لفظ کی تحقیق گزر چکی ہے،

عَذْبٌ : هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ: عَذْبٌ شیریں میٹھا۔ گوارا۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ مَاءٌ عَذْبٌ کے معنی عمدہ اور ٹھنڈے پانی کے ہیں۔ عُذُوْبَةٌ سے جس کے معنی پانی کے خوشگوار اور میٹھے ہونے کے ہیں صفت مشبہ کا صیغہ ہے عِذَابٌ (بکسر العین) اور عُذُوْبٌ جمع ہے۔

فُرَاتٌ : بہت شیریں پانی، مصدر فروتۃٌ شیریں ہونا۔ ماضی فَرُتَ، شیریں ہوگیا۔ مضارع يفرتُ شیریں ہورہا ہے یا ہوگا۔ (باب کرم) لیکن اگر باب نصر سے اسکے مشتقات بنائیں تو فَرَتَ فرتًا کہا جائے گا اور معنی زنا کار ہونے کے ہونگے۔ اور سمع سے اسکے معنی بیوقوف ہونے کے آتے ہیں۔ فَرِتَ فَرَتًا: ضعیف العقل ہونا (منجد) علامہ قرطبی نے

حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ فرات وہ ہے جو پیاس بجھا دے۔ والفرات : الذی یکسر العطش (کشاف) واسقیناکم ماءً فراتاً اور تم کو میٹھا پانی پلایا۔ القرات : الماء العذبُ (مفردات القرآن)
الفرات : اشد الماء عُذُوبَۃً۔ وقد فَرُتَ الماءُ یفرتُ فُرُوتَۃً اذا عَذُبَ (لسان)

سَائِغٌ : سَائِغٌ شَرَابُہٗ، خوشگوار ہے اسکا پینا۔ سَائِغٌ خوشگوار، رچتا پچتا، سَوْغٌ سے جسکے معنی آسانی کے ساتھ کھانے پینے کے حلق سے نیچے اُتر جانے کے ہیں۔ سَاغَ الشرابُ فی الحلق کے معنی شراب کے آسانی کے ساتھ حلق سے نیچے اُتر جانیکے ہیں اور اساغۃ کے معنی حلق سے نیچے اُتارنے کے ہیں۔ وَلَا یَکَادُ یُسِیْغُہٗ اور گلے سے نہیں اُتار سکے گا۔ اسی سے بطور استعارہ کے کہا جاتا ہے۔ سَوَّغْتُہٗ مَالاً، میں نے اس کے مال کو خوشگوار بنادیا بعض حضرات نے سائغٌ کو سیّغٌ شرابُہٗ بھی پڑھا ہے جیسے سَیِّدٌ اور میّتٌ (قرطبی) طَعَامٌ سَیِّغٌ : خوشگوار کھانا۔ سَاغَ النّہار دن آسانی سے گزر گیا۔

مِلْحٌ : مِلْحٌ اُجَاجٌ : اَلْمِلْحُ، اس پانی کو کہتے ہیں جو متغیر ہو کر جم جائے۔ اور صرف متغیر پانی کو بھی مِلحٌ کہہ دیتے ہیں چنانچہ کھاری پانی کو مَاءٌ مِلْحٌ کہا جاتا ہے، اور مَاءٌ مَالِحٌ بہت کم استعمال ہوتا ہے، مَلَّحْتُ القِدْرَ کے معنی ہیں، میں نے ہانڈی میں نمک ڈالدیا۔ اور اگر اَمْلَحْتُ (افعال) القِدْرَ کہا جائے تو اسکے معنی ہونگے میں نے ہانڈی میں نمک ڈال کر اسکو خراب کر دیا۔

اُجَاجٌ : کڑوا پانی، کھاری پانی (دیکھو یاجوج ماجوج)

مَوَاخِرَ : وَتَرَی الْفُلْکَ فِیْہِ مَوَاخِرَ اور تو کشتیوں کو اس میں پانی میں پھاڑتی ہوئی چلتے دیکھتا ہے (ترجمہ ماجدی) مَوَاخِرَ : مَاخِرَۃٌ کی جمع ہے اور مَخْرٌ اور مُخُوْرٌ مصدر ہیں باب فتح سے، مَوَاخِرُ پانی کو پھاڑنے والی کشتیاں۔ مخرالماءُ الارض مخرًا ومُخُوْرًا۔ پانی کا زمین کو چیرنا اور اس میں چکر لگانا۔ مَخَرَتِ السَّفِیْنَۃُ، کشتی کا پانی کو اپنے سینے سے چیرنا۔ سمندر چیر کر چلنے والے جہازوں اور کشتیوں کو بھی مَوَاخِرُ کہا جاتا ہے، وقد مَخَرَتِ السَّفِیْنَۃُ تَمْخَرُ اِذَا شَقَّتِ المَاءَ (قرطبی) مَخَرَتَ السَّفِیْنَۃُ تَمْخَرُ (ف) وتَمْخُرُ (ن) مَخْرًا وَّمُخُوْرًا جَرَتْ تَشُقُّ مَعَ صَوْتٍ (لسان) یعنی

یعنی کشتی کا آواز کے ساتھ پانی کو پھاڑتے ہوئے چلنا۔ مَوَاخِرَ، شَوَّاقٌ لِلْمَاءِ بِجَرْیِهَا، یقال مَخَرَتِ السَّفِیْنَۃُ الْمَاءَ (کشاف) مخرتِ السفینۃ۔ کشتی کا پانی کو آواز کے ساتھ چیرنا۔ مَخَرَ الْاَرْضَ۔ زمین کا سیراب کرنا۔ مَخَرَ السَّابِحُ تیرنے والے کا ہاتھوں سے پانی کو چیرنا۔ الماخِرَۃُ مؤنث ہے مَوَاخِرُ اسی کی جمع ہے اور مذکر کا صیغہ، صفت مَاخِرٌ ہے۔ اس کی جمع بھی مَوَاخِرُ ہے۔ اور المَاخُوْرُ۔ بدکاروں کی مجلس، اوارگی کا اڈا (منجد)

قِطْمِیْرٍ: وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ: اور جنہیں تم اس اللہ کے علاوہ پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔

قِطمیر اس باریک غلاف کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے اوپر ہوتا ہے (تدبر) اکثر مفسرین نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ علامہ قرطبی فرماتے ہیں، والقطمیر: القشرۃ الرقیقۃ البیضاء التی بین التمرۃ والنواۃ، قالہ اکثر المفسرین (قرطبی) اور قطمیر اس سپید نقطے کو بھی کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کی پشت میں ہوتا ہے جس سے کھجور اگتی ہے (قرطبی) صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ قطمیر وہ لفافہ ہے جس میں کھجور کی گٹھلی لپٹی ہوئی ہوتی ہے، قَالَ والقطمیر، لفافۃ النواۃ وھی القشرۃ الرقیقۃ الملتفۃ علیھا (کشاف) اور اس باریک ڈورے کو قطمیر کہا جاتا ہے جو کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں ہوتا ہے مراد ان سب سے حقیر اور بے مقدار چیز ہوتی ہے یہ ایک ضرب المثل ہے۔ بے قدر اور کم درجہ کی چیز کیلئے بولی جاتی ہے۔ محاورہ عرب میں اس کے وہی معنی ہیں جو ہماری زبان میں ذرہ بھر، رتی بھر کے ہوتے ہیں

مُثْقَلَۃٌ: وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَۃٌ اِلٰی حِمْلِهَا لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَّلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی، اور کوئی بوجھ لدا ہوا اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلائیگا جب بھی بوجھ نہ اٹھایا جائیگا اگرچہ وہ شخص قرابتدار ہی ہو۔ مُثْقَلَۃٌ اسم مفعول مؤنث ہے، وہ نفس جس پر آخرت میں گناہوں کا بار لدا ہوا ہوگا، مُثْقَلٌ وہ لوگ جن پر بوجھ لادا گیا ہو یا انکو کسی بوجھ کی طرح لاد دیا گیا ہو۔ مُثْقَلٌ کی جمع مُثْقَلُوْنَ ہے

اَلْحَرُوْرُ: وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ
حَرُوْر، دھوپ، لو، گرم ہوا۔ حَرُوْرٌ، اس گرمی کو کہا جاتا ہے جو گرم ہوا چلنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اخفش اور رؤبۃ بن العجاج کا یہی قول ہے اور فراء النحوی کا قول علامہ قرطبی نے یہ نقل کیا ہے کہ سَمُوم کا تعلق خاصکر دن سے ہے اور الحرور کا تعلق دونوں سے ہے، نحاس النحوی کے نزدیک

یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ حَرُوْدٌ فَعُوْلٌ کے وزن
پر ہے جسمیں کثرت کے معنی پائے جاتے ہیں (قرطبی)
جُدَدٌ : وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَّ
حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ
اور پہاڑ میں گھاٹیاں ہیں کوئی سفید اور کوئی سرخ
انکے رنگ مختلف ہیں اور کوئی بہت گہرے سیاہ
(ماجدی) جُدَدٌ : جُدَّةٌ کی جمع ہے جسکے معنی
راستے کے بھی اور خط یا دھاری کے بھی ہیں۔
الجُدَد، الخُطَطُ والطرائق (کشاف) یہ لفظ
(جُدَدٌ) اصلاً، ہرنوں اور گدھوں کی پیٹھوں
پر مختلف رنگوں کی جو دھاریاں ہوتی ہیں،
انکے لئے آتا ہے لیکن یہاں یہ ان مختلف سِلوں
اور چٹانوں کے لئے آیا ہے جنکی دھاریاں یا
قطاریں پہاڑوں کے اندر پائی جاتی ہیں (تدبر)
یہ جُدَّةٌ کی جمع ہے جسکے معنی اس چھوٹے راستہ
کے ہیں جسے جادہ بھی کہا جاتا ہے اور بعض حضرات
نے جدہ بمعنی قطعہ و حصّہ قرار دیا ہے مطلب
دونوں صورتوں میں پہاڑوں کے اجزا کا رنگ
مختلف ہونا ہے جسمیں سب سے پہلے سفید کا اور
آخر میں سیاہ کا ذکر فرمایا اور درمیان میں احمر
و سُرخ کے ذکر کے ساتھ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانٌ فرمایا،
اسمیں اشارہ اس طرف بھی نکل سکتا ہے کہ اصل
رنگ دنیا میں دو ہی ہیں۔ سفید سیاہ اور باقی
رنگ اسی سفیدی اور سیاہی کے مختلف درجوں
سے مرکب ہوکر بنتے ہیں (معارف)
حُمْرٌ : یہ اَحْمَر کی جمع ہے بمعنی سرخ اور
حُمُرٌ بحرف حار اور میم دونوں کے ضمّہ کے ساتھ
حمارٌ کی جمع ہے جسکے معنی گدھے کے ہیں۔
غَرَابِيبُ : غَرَابِيبُ، یہ غِرْبِيبٌ کی
جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں کالا بھجنگ، یہ لفظ
عام طور پر سودٌ کی تاکید کے لئے آتا ہے، مثلاً
کہیں گے، اَسْوَدُ غِرْبِيبٌ، فلاں چیز کالی بھجنگ ہے
الغربيبُ: الشديد السواد (قرطبی)
غِربیب اس بوڑھے آدمی کو بھی کہتے ہیں جو خضاب
سے ہمیشہ بال سیاہ رکھے (منتہی الادب)
عُلَمٰٓؤُا : اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ
عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا، اللہ سے ڈرتے تو بس
وہی بندے ہیں جو علم والے ہیں۔
علماء: عالم لوگ۔ علامہ احمد فیومی نے المصباح
المنیر میں لکھا ہے کہ علیمٌ کی جمع علماء اور عالم
کی عالمونَ آتی ہے۔ لیکن صاحب قاموس نے
علماء کو عالم اور علیم دونوں کی جمع قرار دیا ہے
اور علامہ سید مرتضیٰ زبیدی نے تاج العروس
میں ابن جنی سے اسکی یہ وجہ نقل کی ہے کہ علم کا
تعلق چونکہ قرارات اور گہرے تعلق کے بعد
پیدا ہوتا ہے اسلئے یہ وصف بمنزلہ طبیعت

کے ہیں۔ اور ابتدائی طور پر علم میں داخل ہونے
سے نہیں ہوا ہے کیونکہ اس صورت میں وہ متعلم
کہلاتا ہے نہ عالم۔ لہٰذا جب وصف طبیعت
کے معنی لے کر باب سمع میں آیا تو عالم بمعنی علیم ہے
اور اسی لئے اس کی جمع بھی اسکی طرح مکسر آئی
اور لعد کو اس کی ضد کو بھی اسی پر محمول کیا گیا،
چنانچہ علماء کی طرح جہلا بھی بولنے لگے (لغات القرآن)
لفظ علماء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ
جلّ شانہ کی ذات و صفات کا کما حقہٗ علم رکھتے
ہیں۔ صرف و نحو اور عربی زبان کے علوم و فنون
جاننے والوں کو قرآن کی اصطلاح میں علماء نہیں
کہا جاتا ہے۔ جب اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت
مذکورہ طریق پر حاصل نہ ہو۔ حضرت عبد اللہ
بن مسعود نے فرمایا کہ لیس العالم بکثرۃ الحدیث
ولکنّ العلم عن کثرۃ الخشیۃ، یعنی
بہت سی احادیث یاد کرلینا یا بہت باتیں کرلینا
کوئی علم نہیں، بلکہ علم وہ ہے جسکے ساتھ اللہ کا
خوف ہو۔ حضرت ربیع بن انس نے فرمایا مَنْ
لم یَخْشَ فلیسَ بعالِم۔ جو اللہ سے نہیں ڈرتا
وہ عالم نہیں۔ اور حضرت مجاہد کا قول ہے، انّما
العالِم من خشیَ اللّٰہ، یعنی عالم تو صرف وہی ہے
جو اللہ سے ڈرے، تو جسقدر جسمیں خدا کا خوف
ہوگا وہ اُسی درجہ کا عالم ہوگا اور اس خشیۃ اللہ

کو کثرتِ روایت اور کثرتِ معلومات سے نہیں پہچانا
جاتا بلکہ اس کو کتاب و سُنت کے اتباع سے پہچانا
جاتا ہے (ابن کثیر۔ قرطبی)

اَسَاوِرَ : یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ
ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا۔ اَسَاوِرَ: کنگن، پہنچیاں
یہ سوارٌ کی جمع ہے (تحقیق گزر چکی ہے)

حَرِیْرٌ : وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ:
اور ان کی پوشاک جنّت میں ریشم کی ہوگی۔ حریرٌ
ریشم، یہ اسم ہے۔ ریشمی کپڑے کو حریر کہا جاتا ہے
(ثِیَابٌ مِنْ ابریْشَم (لسان)

لُغُوْبٌ : وَلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ اور
نہ ہمیں تھکن ہی محسوس ہوگی (ماجدی)
اللُّغُوب کے معنی بہت زیادہ درماندہ ہونے اور
تھک جانے کے ہیں۔ چنانچہ ایک محاورہ ہے
اَتَانَا سَاغِبًا لَاغِبًا، وہ ہمارے پاس بھوکا
اور تھکا ہارا پہنچا۔ سورۂ قٓ میں ارشاد ہے
وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ اور کوئی تھکان نہیں
ہوئی۔ سَهمٌ لَغِبٌ اس تیر کو کہتے ہیں جس کے
پر کمزور ہوں۔ رَجُلٌ لَغِبٌ کاہل کمزور رائے والا
آدمی۔ ایک اعرابی کا قول ہے فلانٌ لَغُوْبٌ
اَحْمَقُ جَاءَتْهُ کِتَابِیْ فَاحْتَقَرَهَا کہ فلاں آدمی
بڑا بیوقوف اور احمق ہے کہ اُسنے میرے خط کو حقیر
سمجھا، یہاں لُغُوْب کے معنی کمزور رائے والے

آدمی کے ہیں۔ اس پر اعرابی سے کسی نے سوال کیا کہ کتاب تو مذکر ہے تم نے جاءَتہُ کیوں کہا؟ تو اعرابی نے جواب دیا، الیس الکِتَابُ بِصَحِیْفَۃٍ کہ کتاب بھی کیا ایک صحیفہ نہیں ہے اور صحیفہ مؤنث ہے (راغب)

امام قرطبی لکھتے ہیں، وَالنَّصَبُ، التَّعَبُ واللُّغُوْبُ: الاعیاء، لَغَبَ (ن۔ف) ولَغُبَ (ک)، لَغْبًا ولُغُوْبًا، لَغِبَ (س) لَغَبًا: بہت تھکنا۔ لغب القوم لَغْبًا، قوم سے جھوٹی بات کہنا، اور لغبَ الکَلْبُ فی الاناء: کتے کا برتن میں منہ ڈالنا، اللاغب (فاعل) کمزور اور ضعیف، مؤنث اللّاغِبَۃُ جمع لَوَاغِبُ اللُّغُوْبَۃُ بیوقوفی، کمزوری وقیل النصب تعب البدن واللغوب تَعَبُ النّفس (جمل)

یَصْطَرِخُوْنَ: وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا، اور وہ اس کے اندر چلائیں گے (ماجدی)

یَصْطَرِخُوْنَ: اصطراخٌ باب افتعال کے مصدر سے جمع مذکر کا صیغہ ہے، افتعال کی تار کو حرف صاد کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے طار سے بدل دیا گیا ہے، اصطراخٌ کے معنی ہیں زور سے چیخنا چلّانا اور فریاد کرنا، ویَصْطَرِخون یفتعلون من الصّراخ وهو شدّۃ رفع الصّوت فأبدلت التاء طاءً لوقوعها بعد الصاد (جمیل) یفتعلون من الصّراخ وهو الصیاح بجهد وشدّۃ (کشاف)

مَقْتًا: مَقْتٌ مصدر ہے باب نصر سے مَقَاتَۃٌ بھی مصدر آتا ہے کسی شخص کو کسی برائی کا مرتکب پاکر اس سے بغض رکھنا، اِقْتَاتٌ اور تمقیتٌ کے بھی یہی معنی ہیں اور باپ کی بیوی سے نکاح کرنے کو بھی مَقْتٌ کہتے ہیں اور باپ کی بیوی سے نکاح کرنیوالے کو مَقْتِیٌّ کہتے ہیں اور اس کی اولاد کو بھی مَقْتِیٌّ کہہ دیتے ہیں۔ جو باپ کی بیوی سے نکاح کرنے کی وجہ سے پیدا ہو، صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ مَقْت شدید ترین بغض کو کہتے ہیں۔ المقت: اشدّ البغض (کشاف) ای بُغْضًا وغَضَبًا (قرطبی)

شرح الفاظ القرآن من سورۃ یٰس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَعْنَاقِ : اِنَّا جَعَلْنَا فِیْ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ
اَعْنَاق جمع ہے، اس کی واحد عُنُقٌ آتی ہے گردنیں - ہر چیز کے ابتدائی حصہ کو عنق کہتے ہیں محاورہ ہے مَاتَ فلانٌ فِیْ عُنُقِ الصَّیْفِ فلاں ابتدائے موسمِ گرما میں مرگیا - عَنِقَ (س) عنقًا لمبی گردن والا ہونا، الاَعْنَاقُ لمبی گردن والا
عنقاء : ایک فرضی پرندہ ہے -

اَغْلَالٌ : قیدیں، طوق، ہتھکڑیاں، واحد غُلٌّ ہے - اُس شئے کو غُلٌّ کہا جاتا ہے جس سے قید کیا جائے اور اعضاء اسمیں بندھ جائیں، الْغَلَلُ کے اصل معنی کسی چیز کو اوڑھنے یا اس کے درمیان میں جانے کے ہیں، اسی سے غَلَلٌ اس پانی کو کہا جاتا ہے جو درختوں کے درمیان سے بہہ رہا ہو اور کبھی ایسے پانی کو غَیْلٌ بھی کہدیتے ہیں - اِلْغَلَّ کے معنی درختوں کے درمیان داخل ہونے کے ہیں - لہذا غُلٌّ اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے کسی کے اعضاء کو جکڑ کے اُسکے وسط میں باندھ دیا جائے

اغلال اسی کی جمع ہے - غِلٌّ کے معنی کینہ اور پوشیدہ دشمنی کے ہیں - قرآن پاک میں ہے وَنَزَعْنَا مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اور جو کینہ انکے دلوں میں ہوگا ہم سب نکال دیں گے غَلَّ یَغِلُّ (ض) کسی کے متعلق دل میں کینہ رکھنا اور غَلَّ یَغُلُّ غُلُوْلًا نصر سے بمعنی خیانت کرنا - مالِ غنیمت سے چُرانا، وَلَا صَدَقَةَ مِنْ غُلُوْلٍ اور نہ چوری کے مال کا صدقہ قبول ہے اور اَغْلَلْتُ فلانًا کے معنی کسی کو خیانت کے ساتھ متہم کرنے کے ہیں - قرآن پاک کی آیت وَمَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ اور یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ پیغمبر خیانت کرے ایک قرارت میں اَنْ یُّغَلَّ ہے غین کے فتح کے ساتھ - یہ اَغْلَلْتُہٗ سے ماخوذ ہے یعنی اس کو خیانت کے ساتھ متہم کیا جائے غَلَّهٗ (ن) غلًّا فی الشیٔ داخل کرنا، غَلَّ الشَّیَٔ چیز کو چوری سے اپنے سامان میں رکھ لینا اور غَلَّ الْمَفَازَةَ : ریگستان میں داخل ہونا -

الاَذْقَانِ : اذقان ٹھوڑیاں اس کی

واحد ذَقنٌ آتی ہے، آیت ہے وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْکُوْنَ اور ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں روتے جاتے ہیں، ذَقَنَہٗ (ن) ذَقْنًا ٹھوڑی پر مارنا۔

مُقْمَحُوْنَ : مُقْمَحٌ اصل میں اُس اُونٹ کو کہتے ہیں جسکا سر پیچھے کیجانب اس طرح باندھ دیا گیا ہو کہ اس کی گردن ایک خاص حد سے نہ نیچے ہو سکے نہ اوپر، بالکل یہی حال اُس شخص کا ہوتا ہے جسکے گلے میں آہنی طوق ڈالدیا گیا ہو، وہ بھی اپنا سر نہ نیچے کر سکتا ہے نہ اوپر بلکہ ایک خاص زاویہ پر اسکی گردن تنی رہتی ہے، یہ جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا متکبرین کی تصویر ہے۔ اس طرح کے لوگ اپنے اوپر نیچے اور دائیں بائیں کی تمام نشانیوں سے بے خبر ہی رہتے ہیں۔ ان کو اپنی آن کے سوا اور کسی طرف کبھی توجہ نہیں ہوئی، علامہ اغبؒ نے خلیل نحوی کا قول نقل کیا ہے کہ اس گیہوں کو بھی قمح کہتے ہیں جو پکنے کے وقت سے ذخیرہ اندوزی تک پانی کے اندر ہی رہے اور اس گیہوں سے جو ستو بنایا جاتا ہے اسکو قمیحۃ کہتے ہیں۔ اور ستو کی مناسبت سے کوئی چیز پھانکنے کے لئے سر اوپر اُٹھانے کو قمح کہتے ہیں۔ پھر محض سر اُٹھانے پر قمح کا لفظ بولا جانے لگا ہے۔ محاورہ ہے قَمَحَ البعیرُ اونٹ نے تیزی کے بعد سر اُٹھالیا۔ اور اَقْمَحْتُ البَعِیْرَ میں نے اونٹ کا سر اونچا کرکے پچھلی جانب باندھ دیا۔ آیت کریمہ فَهُمْ مُقْمَحُوْنَ میں تشبیہ اور تمثیل کے طور پر ان کو مُقْمَحُوْنَ کہا گیا ہے۔ اس سے مراد قبولِ حق سے سرتابی اور راہِ خدا میں خرچ کرنے سے سرتابی اور انکے انکار کو بیان کرنا ہے۔ قَمَحَ قُمُوْحًا (ن) وَاَقْمَحَ البَعِیْرُ اونٹ کا سیراب ہو کر حوض سے سر اٹھالینا۔ فاعل قَامِحٌ (جمع) قِمَاحٌ وقُمَّحٌ اور قَمِحَ السَّوِیْقَ ستو پھانکنا القَمِیْحَۃُ چورن وغیرہ پھانکنے کی دوا صاحب لسان العرب نے لکھا ہے کہ قمح شامی لغت کا لفظ ہے جس کو اہلِ حجاز نے بھی اپنایا ہے۔ حدیث میں ہے زکوٰۃ فطر صاعًا من بر او صاعًا مِنْ قمح یہاں قَمْحٌ اور بُرٌّ دونوں سے مراد گندم ہے اور حرفِ اَو شکِ راوی ہے، الاقماح آنکھیں بند کرکے سر اوپر کو اُٹھانا، والاقماح: رفع الرأس وغضُّ البصر (لسان)

اِمَامٍ : وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ، امام کے اصل معنی رہنما

ہادی، لیڈر اور مرجع کے ہیں، یہیں سے یہ لفظ اس کتاب کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے جو سب کے لئے رہنما اور مرجع کی حیثیت رکھتی ہو چنانچہ سورۂ ہود آیت ۱۷ اور سورۂ احقاف کی آیت ۱۲ میں یہ لفظ تورات کے لئے بولا گیا ہے، یہاں یہ اس مرکزی کتاب کے لئے استعمال ہوا ہے جس میں ہر شخص کے اعمال درج ہونگے جسکے مطابق ہر شخص جزا یا سزا پائے گا۔

اس راہ و راستہ کو بھی امام کہتے ہیں جو انسان کو آسانی کے ساتھ اپنی منزل تک پہنچا دے چنانچہ سورۂ حجر کی آیت کریمہ وانہما لبامام مبین سے وہ واضح اور کھلا راستہ مراد ہے جس پر قوم لوط اور اصحٰب الایکہ واقع تھے، یہ وہ قدیم شاہراہ ہے جو عرب کے جغرافیہ میں یمن سے شروع ہو کر سواحل بحر احمر کے کنارے کنارے حجاز و مدین سے ہوتی ہوئی خلیج عقبہ کے کنارہ سے نکل کر تیماء وغیرہ کو قطع کرتی ہوئی جاتی ہے اور یہ وہی راستہ ہے جس پر عرب ہندوستان کے ساتھ تجارت وغیرہ کرتے تھے شیعہ فرقوں کے غالیوں نے اپنے اختراعی معنی کے پیش نظر امام سے مراد حضرت علی کو لیا ہے اور ان کو عالم الغیب قرار دیا ہے، شیعہ مجتہد فرقان علی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ اور ہم نے ہر چیز کو ایک صریح و روشن پیشوا میں گھیر دیا ہے۔ حاشیہ پر درِ منثور کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس سے مراد حضرت علی ہیں[۱]۔

اَصْحٰبُ الْقَرْیَةِ : وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ، القریہ سے مراد بعض اہل تفسیر نے شام کا شہر انطاکیہ لیا ہے، اور بعض کے نزدیک مصر ہے، اور الف لام القریہ پر عہد کا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے قرآن کے مخاطب اس کو جانتے تھے، عام رجحان یہی کہ انطاکیہ ہے۔ ذکرا نہا انطاکیہ (ابن جریر) علامہ قرطبی نے تصریح کی ہے کہ یہاں القریہ سے مراد تمام مفسرین کے نزدیک انطاکیہ ہے، صاحب تدبر نے لکھا ہے کہ القریہ سے مراد مصر ہے، لیکن یہ بات بھی واضح رہے کہ یقینی طور پر انطاکیہ کے مراد ہوتے پر بھی کوئی واضح دلیل نہیں ہے اور جو روایات اس سلسلہ کی ہیں وہ اسرائیلی ہیں اور قرآن کا مسئلہ القریہ کے تعین پر موقوف نہیں ہے اور یہ صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ جن رسولوں کو اس بستی کی

---

[۱] ان حضرات کے پیشہ ورانہ مغالطہ کو دیکھئے کہ جس روایت کے متعلق اس کتاب کا حوالہ دے رہے ہیں اسمیں کہیں نام و نشان تک اس حوالہ کا نہیں ملتا،

ہدایت کے لئے بھیجا گیا وہ کون تھے اور کس زمانے میں ہوئے، علامہ قرطبی نے تصریح کی ہے کہ القریہ سے مراد تمام مفسرین کے نزدیک انطاکیہ ہے، حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ البدایہ میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔

تَطَيَّرْنَا : قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ

وہ لوگ بولے ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں۔ تَطَيُّرٌ بُری فال لینا، کسی کو منحوس سمجھنا تَطَيَّرْنَا ہم نے شگونِ بد لیا، ہمنے نامبارک سمجھا، ہمنے منحوس جانا، تَطَيُّرٌ سے ماضی کا صیغہ ہے اس کے اصل معنی تو پرندوں سے بدفالی لینے کے ہیں مگر پھر اسمیں وسعت دیکر ہر بدفالی کے لئے بولا جانے لگا سورۂ نمل میں ہے، قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ، یہاں اِطَّيَّرْنَا کی اصل تَطَيَّرْنَا ہے۔ تَ کا ط میں ادغام کرکے شروع میں ہمزہ وصلی لگایا گیا ہے۔ طَائِرٌ، نحوست بدفالی۔ طائِرُكُمْ تمہاری نحوست

جُنْدٍ : وَمَآ اَنْزَلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ، جُنْدٌ کے اصل معنی سنگستان کے ہیں پھر شدت اور غلظت کے مفہوم کے پیشِ نظر لشکر کو جُنْدٌ کہا جانے لگا ہے اور مجازاً ہر گروہ اور جماعت پر لفظ جُنْد کا استعمال ہوتا ہے اس کی جمع جنود اور اجناد آتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (راغب)

خَامِدُوْنَ : فَاِذَا هُمْ خَامِدُوْنَ

سب اسی دم بجھ کر رہ گئے، یعنی مرکھپ کر ایسے نیست و نابود ہو گئے جیسے خاکستر جلنے کے بعد (ماجدی) خَمَدَتِ النَّارُ آگ کے شعلوں کا ساکن ہو جانا جبکہ انگارہ نہ بجھا ہو اسی سے خَمَدَتِ الحمٰی کا محاورہ ہے جسکا معنی ہے بخار ہلکا ہو گیا اس کا جوش ٹوٹ گیا، بطور استعارہ کے خمود موت کے معنی میں آتا ہے یہاں اسی معنی میں ہے فَاِذَا هُمْ خَامِدُوْنَ تو وہ ناگہانی طور پر مر مٹ گئے۔ كِنَايَةٌ عَنْ مَوْتِهِمْ (راغب) ای میتون حامدون تشبیها بالرماد الخامد (قرطبی) فاذاهم خامدون یقول فاذاهم هالکون (ابن جریر)

نَسْلَخُ : نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ، ہم اس پر سے دن کو اُتار لیتے ہیں (ماجدی) سَلْخٌ کے اصل معنی کھال کھینچنے کے ہیں استعارۃً کے طور پر زرہ اُتارنے، مہینہ گزر جانے اور اسی طرح رات اور دن کی آمد و رفت پر بولا جاتا ہے۔

العُرْجُوْن : حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ
الْقَدِیْمِ، عُرجون کھجور کی اس ٹہنی کو کہتے
ہیں جسمیں خوشے لگتے ہیں۔ یہ ٹہنیاں خشک ہونے
کے بعد خمدار ہوکر بالکل وہ شکل اختیار کرلیتی
ہیں جو ابتدائی تاریخوں میں چاند کی ہوتی ہے
یہ تشبیہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے
کہ جس چاند کو نادان لوگ پوجتے ہیں اس کی
بے بسی کا یہ حال ہے کہ ہر ماہ اس کو مختلف
منازل فلکیہ طے کرنی پڑتی ہیں، اور ایک وقت
اس پر ایسا آتا ہے کہ وہ سوکھ کر خمیدہ مگر اس
طرح ہوجاتا ہے جس طرح کھجور کی سوکھی ٹہنی (تدبر)
عُرجون اصل میں کھجور کے گچھے کی وہ شاخ ہے
جسمیں اس گچھے کی جڑ ہوتی ہے نیز یہ ٹیڑھی ہوتی
ہے اور گچھے کو کاٹ لینے کے بعد درخت پر
خشک ہوکر باقی رہتی ہے اس کی جمع عراجین
آتی ہے۔ علامہ محمود زمخشری فرماتے ہیں کہ
عُرجون کا نون زجاج کے قول کے مطابق
اصلی ہے اور اسکا وزن فُعْلُوْن ہے یہ العراج
سے بنا ہے۔ جسکے معنی ٹیڑھے ہونے اور مڑجانے
کے ہیں اور ایک جماعت کا قول ہے کہ جسکو
صاحب روح المعانی نے اختیار کیا ہے، کہ
اسکا نون زائدہ ہے اسکا وزن فُعْلُوْلٌ
ہے (روح)

مَشْحُوْن : الفُلْكِ المشحون، بھری
ہوئی کشتیاں۔ الشَّحْنُ: کشتی میں سامان
لادنا۔ عَدُوٌّ مَشَاحِنٌ بہت سخت دشمن،
گویا وہ دشمنی سے پُر ہے۔ اَشْحَنَ لِلْبُكَاءِ
غم سے بھر کر رونے کے لئے آمادہ ہونا، المشحون
المملوء الموقر (ابن جریر) شَحَنَ السَّفِيْنَةَ
کشتی کو سامان بھر کر سفر کے لئے تیار کرنا۔
شَحَنَ يَشْحَنُ کے معنی جھڑک دینے کے بھی آتے
ہیں يَشْحَنُ (ف) شَحْنًا بھرنے اور رلا دینے کے
معنی میں آتا ہے اور (سمع) سے دشمنی اور
کینہ کے معنی دیتا ہے۔ شَحَنَ السَّفِيْنَةَ:
کشتی بھرنا، کشتی میں سامان لادنا اور شَحِنَ
شَحْنًا عَلَيْهِ، کینہ رکھنا۔

صَرِيْخ : فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ: صَرِيْخ
فریاد اور فریاد رسی کے معنی میں بھی آتا ہے
اور فریاد کرنے اور فریاد رسی کرنیوالے کے
معنی میں بھی آتا ہے یہاں یہ تمام معنوں کے
لئے موزوں اور مستعمل ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ
نے صَرِيْخ کے معنی مغیث یعنی فریاد رس کے
لئے ہیں۔ فلا صريخ لهم يقول فلا مغيث
لهم (ابن جریر)

يَخِصِّمُوْن : وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ، اور

وہ اپنے معاملات میں جھگڑ رہے ہونگے، یہ اصل
میں یَخْتَصِمُوْن تھا، حرف تا کو صاد میں مدغم کیا
گیا، اختصامٌ مصدر ہے (باب افتعال) ابن جریر

تَوْصِيَةً : فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً:
توصِيَةٌ باب تفعیل کا مصدر ہے، وصیت
کرنا، کہہ مرنا۔ تَفْعِلَةٌ وزن ہے توصِيَةً پر تنکیر
تعمیم کے لئے ہے یعنی کسی قسم کی وصیت یا وصیت
کا اشارہ تک نہ کرسکیں گے (کشاف)

نُفِخَ : وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِنَ
الْأَجْدَاثِ إِلَى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ (آیت ۵۱)
النَّفْخُ : کے معنی کسی چیز میں پھونکنے کے ہیں،
وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ اور صور پھونکا جائیگا، اسی
سے موٹے آدمی کو رَجُلٌ مَنْفُوْخٌ کہتے ہیں،
گویا اسمیں ہوا بھری ہے۔

الصُّوْرُ : یہ نرسنگھے کی طرح کی کوئی چیز ہے
جسمیں پھونکا جائے گا اسکی اصل حقیقت اللہ
ہی کو معلوم ہے، ایک حدیث میں ہے اَنَّ
الصُّوْرَ فِيْهِ صُوْرَةُ النَّاسِ كُلِّهِمْ : کہ صور
کے اندر تمام لوگوں کی صورتیں موجود ہیں، یہاں
نُفِخَ سے مراد نَفْخَةُ الْبَعْثِ ہے (ابن جریر)

أَجْدَاثٌ : اجداث سے مراد قبور ہیں اسکی
واحد جَدَثٌ ہے۔

يَنْسِلُوْنَ : یہ نَسَلَانٌ سے مشتق ہے،
جسکے معنی تیز دوڑنے کے ہیں۔ یعنی وہ چال جو
اعتدال سے زیادہ ہو۔ ایک دوسری آیت میں
ارشاد ہے يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا
یعنی یہ لوگ اپنی قبروں سے جلدی کرتے ہوئے
نکلیں گے۔ لفظ نسل کے اصل معنی کسی چیز
سے الگ ہونے اور جدا ہو جانے کے ہیں محاورہ ہے
نسل الوبرُ عن البعیر اونٹ سے اون الگ ہوگئی
اولاد پر نسل کا لفظ اسی لئے بولا جاتا ہے کہ وہ
اپنے باپ کی پشت سے جدا ہوتی ہے، اصحاب
قبور چونکہ قبروں سے اٹھ کر جلدی سے دربار الٰہی
میں حاضر ہونگے اسلئے فرمایا إِلَى رَبِّهِمْ
يَنْسِلُوْنَ (ابن جریر، راغب)

مَرْقَدٌ : مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا ہمیں
ہماری خوابگاہ سے کس نے اٹھا دیا ہے، مرقد
ظرفِ مکان ہے۔ خوابگاہ سونے کی جگہ رَقْدٌ
رُقَادٌ اور رُقُوْدٌ مصادر ہیں۔ میٹھی نیند سے
سونا۔ الرُّقاد خوشگوار اور ہلکی نیند کو بھی
کہتے ہیں۔ مرقد یہاں اگرچہ صورۃً واحد ہے
مگر معنیً جمع ہے۔

شُغُلٍ : فِيْ شُغُلٍ فَاكِهُوْنَ اپنے مشغلہ
میں خوشدل ہونگے۔ شُغُلٌ سے ہر وہ مشغلہ
مراد ہے جو ذوق کو بالکل گھیر لے۔ العارضُ
الذی یذهل الانسان، ایسی مصروفیت

جس کی وجہ سے انسان دوسرے کاموں کی طرف
توجہ نہ دے سکے۔ شَاغِلٌ مصروف رکھنے والا کام
(راغب)

اَرَائِکَ : عَلَی الْاَرَآئِکِ مُتَّکِـُٔوْنَ :
اَرَائِکَ جمع ہے اَرِیْکَۃٌ کی، وہ تخت جس پر
پردہ لٹکا ہوا ہو۔ مزین تخت

مُتَّکِـُٔوْنَ : کی تحقیق سورۂ یوسف میں گزر چکی ہے

یَدَّعُوْنَ : وَلَھُمْ مَّا یَدَّعُوْنَ اور انہیں
ہر وہ چیز میسر ہوگی جنھیں وہ طلب کریں گے،
یَدَّعُوْنَ، اِدِّعَاءٌ سے جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ باب
افتعال۔ حرف تاء کو دال بنا کر ادغام کیا گیا ہے
حضرت مفتی صاحبؒ نے لکھا ہے کہ یَدَّعُوْنَ
دعوۃ سے مشتق ہے جسکے معنی بلانے کے ہیں یعنی اہل
جنت جس چیز کو بلائیں گے وہ انکو ملجائیگی (معارف)

اِمْتَازُوْ : وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّھَا الْمُجْرِمُوْنَ
اِمْتَازُوْا: الگ ہوجاؤ۔ اِمْتِیَازٌ مصدر ہے۔
الگ ہونا، ممیز ہوجانا۔ المیز والتمییز: مشابہ
اشیاء کو ایک دوسرے سے الگ کرنا۔

جِبِلًّا : وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْکُمْ جِبِلًّا
کَثِیْرًا (آیت ۶۲) اور اس نے تم میں سے
بہت سی خلقت کو گمراہ کر دیا تھا، اصل میں الجبل
پہاڑ کو کہا جاتا ہے اسی سے بڑائی اور عظمت کا
اعتبار کر کے بڑی جماعت کو جبلٌ کہا جاتا ہے
بعض علماء نے لکھا ہے کہ جِبِلًّا جمع ہے اس کی
واحد جِبِلَّۃٌ ہے۔ قرآن میں ہے، وَاتَّقُوا الَّذِیْ
خَلَقَکُمْ وَالْجِبِلَّۃَ الْاَوَّلِیْنَ، اسمیں جِبِلَّۃٌ سے
مراد اُنکے وہ احوال ہیں جن پر ان کو پیدا کیا
گیا تھا۔ اور وہ راستے ہیں جن پر چلنے کے وہ پابند تھے

طَمَسْنَا : وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓی
اَعْیُنِھِمْ، اور اگر ہم چاہیں تو انکی آنکھیں
مٹا دیں۔ طَمْسٌ کے معنی کسی چیز کا نام ونشان
مٹا دینے کے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے، فَاِذَا
النُّجُوْمُ طُمِسَتْ جب ستاروں کو بے نور
کر دیا جائے گا۔

مُضِیًّا : فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِیًّا،
یہ مضی یمضی کا مصدر ہے بمعنی گزرجانا،
مطلب یہ ہے کہ جب ہم انکی گرفت کریں گے تو
یہ جا نہیں سکیں گے۔

نُعَمِّرْ : وَمَنْ نُّعَمِّرْہُ نُنَکِّسْہُ فِی
الْخَلْقِ۔ نُعَمِّرْ، تعمیر سے مشتق ہے جس
کے معنی عمر دراز کرنیکے ہیں۔ عَمَّرَ الرَّجُلُ، آدمی
نے زندگی دراز پائی عَمَّرَکَ اللّٰہُ، خدا تیری
زندگی دراز کرے۔

نُنَکِّسْ : نُنَکِّسْہُ فِی الْخَلْقِ: نُنَکِّسْ
تَنْکِیْسٌ سے مشتق ہے جسکے معنی ہیں اوندھا
الٹا کر دینا۔ نُکِسَ الْوَلَدُ بچے کا الٹا

پیدا ہونا۔ نُکِسُوْا عَلٰی رُءُوْسِہِمْ شرمندہ
ہو کر سر جھکا لینا۔ اسمیں ایک قرارت نُنَکِسْہُ
تخفیف کے ساتھ بھی ہے۔ اخفش کا قول ہے
کہ نُنَکِّسْہُ (بتشدید الکاف) کے معنی
کسی چیز کو سرنگوں کر دینے کے ہوتے ہیں،
التَّنْکِیْسُ: قلب الشئ علٰی رَاسِہٖ (راغب)

الشِّعْرَ: وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ وَمَا
یَنْۢبَغِیْ لَہٗ اور ہم نے اُنھیں شعر کہنا نہیں سکھایا
اور نہ ہی انکے مناسب شان ہے۔ یہ شَعَرَ
یَشْعُرُ کا مصدر ہے جسکے معنے شعر کہنے کے ہیں،
ادب کی زبان میں شعر نام ہے اس کلام کا جو
موزوں ہو۔ نظم ہو یا نثر، متکلم نے
موزوں کیا۔ والشّعر کلام موزوں مقفّٰی مع تعمّد
(غریب القرآن) اصل میں شعر (بفتح الشین)
کے معنے بالوں کے ہیں اسکی جمع بھی اشعار آتی ہے،
قرآن پاک میں ہے وَمِنْ اَصْوَافِہَا وَاَوْبَارِہَا
وَاَشْعَارِہَا، اور شَعُرْتُ کے معنے ہیں میں نے
بالوں کو حاصل کر لیا یعنی بال گھنے کر لئے، اسی سے
بطور استعارہ کے کہتے ہیں شَعَرْتُ کذا، میں نے
علم حاصل کر لیا جو باریکی میں بال کی طرح ہے،
اور شاعر کو شاعر اسکی فطانت اور دقت معرفت
کی بنا پر ہی شاعر کہا جاتا ہے، پس شعر اصل میں
علم دقیق کا نام ہے، عرب کا محاورہ ہے لَیْتَ
شعری، کاش مجھے اس کا گہرا پتہ ہوتا اور عُرف
میں جو کلام موزوں اور مقفّٰی ہو اسکا نام شعر ہے
اور جو کوئی صنعت شعر گوئی سے مخصوص ہے اسکو
شاعر کہتے ہیں۔

عرب شعر کو کذب سے بھی تعبیر کرتے ہیں، اور
شاعر بمعنی کاذب استعمال کرتے ہیں، بعض
حضرات تو ادلۂ کاذبہ کو ادلۂ شعریہ کہتے ہیں
حکماء کا کہنا ہے کہ کوئی متدین صادق اللہجہ
شاعری میں نادرہ کار نہیں دیکھا گیا۔

خَصِیْمٌ: فَاِذَا ھُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ:
خَصِیْمٌ: سخت جھگڑنے والا خَصْمٌ فَعِیْلٌ
کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی کثیر المخاصمت
اس کی جمع اخصامٌ خصماء، اور خصمانٌ آتی ہے
الخَصِمُ جھگڑالو، جن کا شیوہ ہی جھگڑنا ہو اسکی
جمع خَصِمُوْن ہے۔ قرآن پاک میں ہے بَلْ
ھُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْن۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ
لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔ وَھُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ
اور وہ حالانکہ سخت جھگڑالو ہے۔

عِظَامٌ: قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ
ھِیَ رَمِیْمٌ: عِظَامٌ، یہ عَظْمٌ کی جمع ہے،
بمعنی ہڈی۔ قرآن پاک میں ہے، فَکَسَوْنَا
الْعِظَامَ لَحْمًا، پھر ہمنے ہڈیوں پر گوشت
چڑھایا (اسکی تحقیق پہلے گزر چکی ہے)

رَمِیْمٌ : وَهِیَ رَمِیْمٌ ، رَمِیْمٌ بوسیدہ
اور گلی ہوئی ہڈی ، یہ رِمَّۃٌ سے جس کے
معنی ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے کے ہیں صفت
مشبّہ کا صیغہ ہے اس کی جمع رِمَام اور
رِمَامٌ آتی ہے ۔ امام راغب نے لکھا ہے
کہ الرّم (ن) کے معنی بوسیدہ چیز کی اصلاح
اور مرمّت کرنے کے ہیں اور رِمَّۃٌ خاص کر
بوسیدہ ہڈیوں کو کہا جاتا ہے ۔ اور الرُّمَّۃُ
(بضمّ الرّاء) بوسیدہ رسّی کو کہا جاتا ہے ، اور
الرِّم لکڑی وغیرہ کا بُرادہ اور چورہ ۔

الاَخْضَر : الشَّجَرُ الْاَخْضَرِ ، سبز
درخت ۔ عرب میں دو درخت معروف ہیں ،
ایک مرخ ، دوسرا عفار ۔ عرب لوگ ان دونوں
درختوں کی دو شاخیں مثل مسواک کے کاٹ
لیتے تھے جو بالکل ہری تازہ پانی سے بھری ہوتی
تھی ایک دوسرے پر رگڑنے سے آگ پیدا ہو جاتی تھی

الخَلّٰق : وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ : خلّاقٌ
پیدا کرنے والا ، بنانیوالا ۔ یہ خلق سے مبالغہ کا
صیغہ ہے ۔ امام حلیمی نے اسکے معنے لکھے ہیں
الخالق خلقًا بعد خلقٍ ایک مخلوق کے بعد
دوسری مخلوق پیدا کرنے والا (لغات القرآن)
یہ اسماء الٰہیہ میں سے ہے ، صاحب لسان العرب
لکھتے ہیں کہ ھو الذی اَوْجَدَ الاشیاء جمیعها
بعد ان لم تکن موجودۃً ۔
خلاق وہ ہے جس نے تمام اشیاء کو عدم سے
وجود کیا ۔ وھو الخلّٰق الکثیر الخلق
الکامل فیہ
(غرائب القرآن برحاشیہ طبری)

شرح الفاظ القرآن من سورة الصّٰفّٰت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلصَّافَّاتِ : وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۔ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا فَالتّٰلِیٰتِ ذِکْرًا : قسم ہے صف باندھنے والوں کی قطار ہو کر، پھر ڈانٹنے والوں کی جھڑک کر، پھر پڑھنے والوں کی یاد کر کر۔ صَافَّات، اصل میں صفت سے نکلا ہے اور اسکے معنی ہیں کسی جمعیت کو ایک خط پر استوار کرنا۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں : والصّفّ ترتیب الجمع علی خط کالصف فی الصّلوٰۃ (قرطبی) صافّات : صَفَّ یَصُفُّ سے اسم فاعل مؤنث صَافَّۃٌ کی جمع ہے، اور صَافَّۃٌ خود جمع کے لئے بھی بولا جاتا ہے کہا جاتا ہے جَمَاعَۃٌ صَافَّۃٌ صفت بستہ جماعت اس لحاظ سے صَافَّات جمع الجمع ہے وَھِیَ جَمْعُ صَافَّۃٍ فَالصَّافَّات جمع الجمع (طبری)

زٰجِرٰت : یہ زَجَرَ یَزْجُرُ سے زَاجِرَۃٌ اسم فاعل کی جمع ہے۔ اَلزَّجْرُ کے اصل معنی آواز کے ساتھ دھتکارنے کو کہتے ہیں زَجَرْتُہٗ میں نے اس کو جھڑکا۔ اِزْدَجَرَ : جھڑکنے پر کسی کام سے رُک جانا، اور قرآن کریم کی آیت فَاِنَّہٗ مُزْدَجَرٌ اسمیں مُزْدَجَر سے مراد ایسی باتیں ہیں جو ارتکاب معاصی سے روکتی ہیں اور سختی سے منع کرتی ہیں اور آیت وَازْدُجِرَ : کے معنی اسے جھڑکیاں دی گئیں۔

اَلتّٰلِیٰتِ : فَالتّٰلِیٰتِ ذِکْرًا : تَالِیَات، تلاوت کرنے والیاں، پڑھنے والیاں، یہ تِلَاوَۃٌ سے تَالِیَۃٌ اسم فاعل مؤنث کی جمع ہے، جمہور مفسرین کے نزدیک ان ذکر کردہ صَافَّات، زاجرات اور تالیات سے مراد فرشتے ہیں اور یہ ان کی مختلف صفات کا ذکر ہے۔ پہلی صفت صَافَّات ہے، وہ فرشتے جو صف بستہ ہو کر خدا کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ بعض اہل تفسیر نے صحابہ کی روایات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ملائکہ جب ذکر کرتے ہیں تو صف باندھ لیتے ہیں۔ (کبیر) زاجرات، یہ ملائکہ کی ایک دوسری جماعت کی صفت ہے۔ یہ لفظ زَجْرٌ سے مشتق ہے بمعنی روکنا، پھٹکارنا، ڈانٹنا، بندش لگانا۔ حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو شیاطین کو عالم بالا

تک پہنچنے سے روکتے ہیں۔ تالیات ذکرًا: یہ
ملائکہ کی تیسری صفت ہے۔ یعنی یہ فرشتے خدا
کی یاد کرتے ہیں۔ ذکر کا مفہوم نصیحت کی بات
بھی ہے اور یاد خدا بھی۔ اگر تلاوت سے مراد
نصیحت کی بات لیجائے تو اس سے مراد وہ
فرشتے ہوسکتے ہیں جو انبیاء پر وحی لیکر آتے
رہے۔ اور اگر ذکر سے مراد یاد خدا ہو تو اسکا
مطلب یہ ہوگا کہ وہ ہر دم ان کلمات کی تلاوت
میں مصروف رہتے ہیں جو اللہ کی تسبیح و
تقدیس پر دلالت کرتے ہیں۔

مَارِدٌ : وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ
مَّارِدٍ : اور ہر شریر شیطان سے حفاظت
کی غرض سے۔ شَيْطَانٍ مَارِدٍ۔ سرکش شیطان
مَارِدٌ : مَرَدَ (ن۔ک) مُرُوْدًا سے اسم فاعل
ہے اس کی جمع مَرَدَةٌ آتی ہے۔ سرکش شیطان
یا آدمی جو ہر خیر سے عاری اور خالی ہو۔
غُصْنٌ أَمْرَدُ : وہ شاخ جو پتوں سے خالی
ہو۔ اور رَجُلٌ أَمْرَدُ : وہ لڑکا یا جوان جو
ڈاڑھی مونچھ سے خالی ہو۔ مَرَدَ علی الشئ
کسی چیز کا عادی ہوجانا (قاموس) وَمِنْ
أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ
مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو نفاق کے
عادی ہوگئے ہیں۔ جو دوغلی باتیں کرتے ہیں
مَرَدَ کے بعد جب حرف علیٰ آئے تو اسمیں عادی
ہونے کا مفہوم پیدا ہوجاتا ہے، المَارِدُ:
العَاتِي مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالعَرَبُ
تُسَمِّيه شيطانا (قرطبی)

يَسَّمَّعُونَ : لَا يَسَّمَّعُونَ : وہ کان
نہیں لگا سکتے۔ یہ اصل میں يَتَسَمَّعُونَ
تھا، تاء کو سین میں مدغم کر دیا گیا ہے، واصل
يَسَّمَّعُونَ: يَتَسَمَّعُونَ فَأُدْغِمَتِ التَّاء
فی السّین لقربها منها (قرطبی)

يُقْذَفُونَ : وَيُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ
جَانِبٍ دُحُورًا : وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ
إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ
شِهَابٌ ثَاقِبٌ : القذف کے معنی ہیں
کسی چیز کو دور پھینک دینا، اسی سے بُعد
اور دوری کے اعتبار سے دور دراز منزل کو
منزل قذف اور منزل قذیف کہا جاتا ہے، بَلْدَةٌ
قَذِيفَةٌ، دور دراز کا شہر، فَاقْذِفِيهِ فِي
الْيَمِّ : اس کو دریا میں پھینک دو۔ يُقْذَفُونَ
مِنْ كُلِّ جَانِبٍ اُن پر ہر طرف سے انگارے
پھینکے جائیں گے۔ استعارہ کے طور پر رَمْی
کی طرح قَذْفٌ بھی گالی دینے اور جھوٹی
تہمت لگانے پر بولا جاتا ہے۔ قذفہ بکذا
کسی پر کسی چیز کی تہمت لگانا۔ تَقَذَفَ الحجر

پتھر پھینکنا۔ اور قذف القول۔ بغیر تأمل اور تدبر کے بول اٹھنا۔ القذاف منجنیق جس سے کوئی چیز دور پھینکی جائے۔

جَانِبٍ : مِن كُلِّ جَانِبٍ، جانب: جہت، کنارہ، طرف، کروٹ، رُخ۔ اصل میں پہلو کو کہتے ہیں۔ عرب کی عادت ہے کہ وہ اعضاء اور جوارح ہی کو بطور استعارہ سمتوں کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ یمن اور شمال اصل میں دائیں بائیں ہاتھ کا نام ہے اور دائیں بائیں سمتوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح پہلو کی سمت کو جنب اور جانب بولتے ہیں۔

دُحُورًا : یہ دَحَرَ يَدْحَرُ (ف) کا مصدر ہے۔ بمعنی بھگانا، دور کرنا، دھتکارنا، ہانکنا اُخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَدْحُورًا۔ نکل جا یہاں سے دھتکارا ہوا ذلیل۔ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَدْحُورًا۔ ملامت زدہ اور درگاہِ خدا سے راندے ہوئے دوزخ میں ڈالدیئے جائیں گے۔ دُحُورًا، فعل یقذفون سے مصدر ہے کیونکہ يُقْذَفُونَ اصل میں يُدْحَرُونَ کے معنی میں ہیں۔ قال القرطبی: دُحُورًا، مصدر لان معنی، یقذفون، يُدْحَرُونَ دَحَرْتُهُ دَحْرًا وَدُحُورًا ای طَرَدْتُهُ (قرطبی)

والدحر: الدفع والابعاد (ابن جریر)

وَاصِبٌ : وَلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ اور انکے لئے عذاب ہے دائمی۔ اصل میں الوصب کے معنی دائمی بیماری کے ہیں جسکے ختم ہونے کی کوئی امید اور توقع نہ ہو اسی سے عَذَابٌ وَّاصِبٌ ہے کہ یہ عذاب ہوگا جسکے ختم ہونے کی کوئی امید نہ ہوگی۔ وَلَهُ الدِّينُ وَاصِبًا، اسکی عبادت ہے لازم یعنی اسکی عبادت دائمی ہے اسمیں وعید ہے ایسے شخص کے لئے جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے کہ ایسے شخص کو دائمی سزا ملے گی اور یہاں دین بمعنی طاعت اور واصب بمعنی دائم ہے آیت کے معنی یہ ہیں کہ انسان کو ہر حالت میں ہمیشہ اسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔ وَصَبَ وُصُوبًا: کسی چیز کا دائم اور ثابت ہونا۔ وَصَبَ الدَّيْنُ: قرض کا لازم ہوجانا۔ مفازۃٌ وَّاصِبَۃٌ دور دراز تک پھیلا ہوا جنگل (راغب)

عَذَابٌ وَّاصِبٌ: ای دائمٌ (قرطبی)

ابن عباسؓ سے وَاصِبٌ کے معنی شدید کے منقول ہیں۔ کلبی، سدی اور ابو صالح وغیرہ سے منقول ہے کہ وَاصِبٌ وہ عذاب ہے جسکا درد دل تک اثر کرے۔ مُوْجِعٌ، ای الذی یصل وَجْعُهٗ الی القلب، ماخوذ مِنَ الوصب وھو المرض (قرطبی)

علامہ ابن جریرؒ نے لفظ واصب کے معنی میں مختلف اقوال اور تاویلات ذکر کرنے کے بعد فیصلہ یہ دیا ہے کہ واصب کے معنی دائم کے ہیں، اور قرآن پاک کی دوسری آیات سے بھی اس کے معنی میں دوام و ثبات ہی معلوم ہوتا ہے ۔ وَصَبَ الشیُٔ یَصِبُ وُصُوْبًا: دائم و لَزِمَ (معجم الفاظ القرآن)

خَطِفَ : خَطِفَ الْخَطْفَةَ : خَطِفَ یَخْطَفُ خَطْفًا : اُچک لینا سَمِعَ اور ضَرَبَ دونوں ابواب سے مستعمل ہے لیکن سَمِعَ سے زیادہ فصیح ہے یَخْطَفُهَا الجنیُّ : اسکو جن نے اُچک لیا ۔ اسکا مصدر جب خَطَفَانٌ آتا ہے تو اس کے معنی جلدی چلنے کے ہوتے ہیں، خَطَّفَ : کسی چیز کو بہت جلدی چھین لینا، والخطف : اخذ الشئ بسرعۃ (قرطبی) الخَطْفُ ۔ والاختطافُ : الاختلاس بسرعۃ (راغب)

شِهَابٌ ثَاقِبٌ : فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ، قدیم یونانی فلاسفر اس بات کے قائل تھے کہ یہ کوئی زمینی مادہ ہوتا ہے جو بخارات کے ساتھ اوپر چلا جاتا ہے اور کرۂ نار کے قریب پہنچکر جل اُٹھتا ہے لیکن قرآن کریم کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہاب ثاقب کوئی زمینی مادہ نہیں بلکہ عالم بالا ہی میں پیدا ہونے والی کوئی چیز ہے ۔ قدیم مفسرین اس موقع پر یہ کہتے آئے ہیں کہ یونانی فلاسفر کا یہ خیال کہ شہاب ثاقب کوئی زمینی مادہ ہے لغو ہے جو محض قیاس اور تخمینہ پر مبنی ہے ۔ اس لئے اس سے قرآن پاک پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا ۔ اس کے علاوہ اگر کوئی زمینی مادہ اوپر جاکر مشتعل ہوجاتا ہو تو قرآن کریم سے کوئی منافات نہیں ہے ۔

لیکن آج کی جدید سائنس نے یہ سوال ختم کردیا ہے موجودہ سائنسداں حضرات کا خیال یہ ہے کہ شہاب ثاقب ان گنت ستاروں ہی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں عموماً بڑی بڑی اینٹوں کے برابر ہوتے ہیں ۔ یہ ان گنت ستارے فضا میں رہتے ہیں ۔ ان کے ٹکڑوں میں روشنی ان کی تیز رفتاری اور خلائی اجرام کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے ۔ یہ ان گنت ستارے فضا میں رہتے ہیں ۔ ان ہی کے ایک مجموعہ کا نام اسد یہ ہے جو سورج کے گرد ہلیلہ کی شکل میں گردش کرتا رہتا ہے ۔ اور ایک دورہ تینتیس ۳۳ سال میں پورا ہوتا ہے ۔ یہ ٹکڑے ۱۰ اگست اور ۲۷ نومبر کی راتوں میں زیادہ گرتے ہیں اور ۲۰ اپریل ۲۸ نومبر ۔ ۱۸ اکتوبر اور ۶، ۹ اور ۱۳ دسمبر

کی راتوں کو کم ہو جاتے ہیں۔ جدید سائنس کی یہ تحقیق اسلوب قرآن پاک سے زیادہ قریب ہے البتہ جو لوگ شہاب ثاقب کے ذریعہ شیاطین کو مارنے کا انکار کرتے ہیں انکے بارہمیں علامہ طنطاوی مرحوم نے الجواہر میں بڑی اچھی بات لکھی ہے کہ ہمارے آباء و اجداد اور حکماء کو بھی یہ بات گراں محسوس ہوتی تھی کہ قرآن کریم ان کے زمانے کے علوم فلکیات کے خلاف کوئی بات کہے لیکن اہل تفسیر اس بات پر راضی نہیں ہوئے کہ انکے فلسفیانہ نظریات کو قبول کر کے قرآن کو چھوڑ دیں، اس کے بجائے انھوں نے فلسفیانہ نظریات کو چھوڑا اور قرآن کریم کے ساتھ رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد خود بخود ثابت ہو گیا کہ قدیم یونانی فلاسفر کا خیال بالکل باطل اور لغو تھا۔ اب بتائیے کہ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ یہ ستارے شیطانوں کو جلاتے مارتے اور تکلیف پہنچاتے ہیں تو اسمیں کونسی رکاوٹ ہے ہم قرآن کریم کے اس بیان کو تسلیم کرتے ہوئے مستقبل کے انتظار میں ہیں جب سائنس بھی اس حقیقت کو تسلیم کرے گی (معارف القرآن)

طِيْنٍ : اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ہم نے ان کو چپکتے کیچڑ سے بنایا ہے۔ الطِّین: پانی میں ملی ہوئی مٹی کو کہتے ہیں گو اسمیں سے پانی زائل ہو چکا ہو، طِنْتُ كَذَا وَطَيَّنْتُهٗ کے معنی دیوار وغیرہ کو گارے سے لیپنے کے ہیں۔

لَازِبٌ : اُس چیز کو کہتے ہیں جو کسی مقام پر شدت سے چپک جائے اور ثبت ہو جائے، مِنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ: چپکتے گارے سے (بنایا) اور کبھی لَازِبٌ بمعنی لازم بھی آجاتا ہے جیساکہ کسی چیز کے لازم ہونیکے لئے ضَرْبَةُ لَازِبٍ کا محاورہ استعمال کرتے ہیں اور اللَّزْبَةُ سخت قحط سالی کو کہتے ہیں اس کی جمع لَزَبَاتٌ آتی ہے لَزَبَ (نصر سے) لُزُوبًا مصدر ہے، چپٹنا، قائم ہونا۔ والازِبُ: الثابت، تقول، صَارَ الشَّيْءُ ضربة الازب (قرطبی)

دَاخِرُوْنَ : وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ: اور تم ذلیل ہونے والے ہو۔ دَاخِرُوْنَ ذلیل لوگ، عاجزی کرنیوالے، دُخُورٌ سے ہے جس کے معنی ذلیل اور خوار ہونے کے ہیں دَاخِرٌ اسم فاعل کی جمع ہے۔

زَجْرَةٌ : فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ سو وہ اٹھانا تو یہی ہے ایک جھڑکی، زجرۃٌ کا لفظ زجرٌ کا اسم مرہ ہے اور اسکے عربی زبان میں کئی معنی آتے ہیں، انہیں سے ایک معنی یہ ہیں، مویشیوں کو چلنے پر آمادہ کرنے کے لئے ایسی آواز نکالنا جس کو سنکر وہ اٹھ کھڑے

ہوں۔ یہاں اس سے مراد وہ دوسرا صُور ہے جو حضرت اسرافیل علیہ السلام مُردوں کو زندہ کرنے کے لئے پھونکیں گے اور اسے زجرۃ مویشیوں سے تعبیر اسلئے کیا کہ جس طرح مویشیوں کو اُٹھا کر چلانے کے لئے کچھ آوازیں نکالی جاتی ہیں، اسی طرح مُردوں کو زندہ کرنے کے لئے یہ صُور پھونکا جائے گا، (معارف)

زجرۃٌ واحدۃٌ: ای صیحۃٌ واحدۃٌ قاله الحسنؒ وهی النفخة الثانية وسميت الصيحة زجرةً لان مقصودها الزجر، ای یزجرها کزجر الابل والخیل عند السوق (قرطبی)

ازواج: وازواجہم اور ان کے ہم مشربوں کو (بھی جمع کرو) لفظ ازواج یہاں ہم مشربوں، متبع اور پیروکاروں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ بن الخطابؓ کا ارشاد ہے کہ زانی زانیوں کے ساتھ جمع ہونگے۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے ازواج کے معنی اس مقام پر اشباھہ منقول ہیں، ای اشباھہم (قرطبی) دونوں معنی کا مطلب ایک ہی ہے، اُحشروا الذین ظلموا وازواجہم مشرکوں کو بھی جمع کرو اور ان جیسے سارے لوگوں کو بھی۔

ازواج اصل میں زَوْجٌ کی جمع ہے جس کے لفظی معنی ساتھی یا مُقارن کے ہیں، آدمی کی بیوی کو بھی زوجہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ زندگی میں آدمی کے ساتھی اور مقارن ہوتی ہے اس لئے بعض اہلِ تفسیر کے نزدیک یہاں ازواج سے مراد مشرکوں کی مشرکہ بیویاں ہیں، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مشرکوں کو اور انکی بیبیوں کو سب کو جمع کرلو لیکن ترجیح قول اوّل ہی کو ہے کہ ازواج سے مراد ہم مشرب وہم خیال لوگ ہیں۔

قِفُوْھُمْ: وَقِفُوْھُمْ اِنَّھُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ان کو ٹھہرائے رکھو، ان سے کچھ پوچھنا ہے، اصل مادہ وَقْفٌ ہے۔ وَقَفْتُ القَوْمَ، وَقْفًا: لوگوں کو ٹھہرانا متعدی ہے اور وَقَفُوْا وُقُوْفًا (لازم) ٹھہرنا، قِفُوْا جمع مذکر امر کا صیغہ ہے۔ گردان یہ ہے۔ قِفْ قِفَا قِفُوْا قِفِیْ قِفَا قِفْنَ۔ مَوْقِفُ الْاِنْسَانِ: انسان کے ٹھہرنے کی جگہ۔ اور الوقیفۃ: وہ بھگایا ہوا شکار جو شکاری کے بھگانے سے تھک کر ٹھہر جائے یہاں تک کہ وہ اسکو پکڑ لے

یَتَسَآءَلُوْنَ: تَسَاؤُلٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنی باہم ایک دوسرے سے سوال وجواب کرنا۔ ایکدوسرے کا پُرسانِ حال ہونا۔

سُلْطَانٌ : وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ : اور ہمارا تمہارے اوپر کوئی زور نہیں تھا۔ سُلطان کے معنی زور اور اختیار کے ہیں، یعنی ہمارا تمہارے دلوں پر کوئی زور اور اختیار تو تھا نہیں کہ تم اپنا قصور ہمارے سر تھوپتے ہو۔ تم خود نافرمان اور سرکش لوگ تھے کہ حق کے واضح طور پر سامنے آجانے کے بعد تم نے اس کی پیروی کرنے کے بجائے ہماری بات مانی۔

طٰغِيْنَ : بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ بلکہ تم خود ہی سرکش لوگ تھے۔ طاغین : ای ضالین فتجاوز عن الحد (قرطبی) طَغَوْتُ وَطَغَيْتُ طَغْوَانًا وطُغْيَانًا کے معنی طغیان اور سرکشی کرنے کے ہیں اور أَطْغَاهُ (افعال سے) کے معنی ہیں کسی کو سرکشی پر ابھارنا۔ اور طُغْيَانٌ کے معنی عصیان اور نافرمانی میں حد سے بڑھ جانے کے ہیں وھو تجاوز الحد فی الْعِصْيَانِ (راغب) إِنَّهُ طَغٰى وہ (فرعون) بےحد سرکش ہو گیا، اسی سے طاغیؔ اسم فاعل ہے اور طاغین جمع ہے، اوباش قسم کے لوگ،

غٰوِيْنَ : إِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ، ہم خود ہی بے راہ تھے۔ غاوِیؔ اسم فاعل کی جمع ہے۔ اور غوایۃٌ مصدر ہے گمراہ اور گمراہ بُت پرست لوگوں کے لئے اسکا استعمال ہوتا ہے۔ غَوٰى يَغْوِي غَيًّا وغَوَايَةً ، گمراہ ہونا، ناکام اور محروم ہونا۔ یہاں غٰوِيْنَ ضالین کے معنی میں ہے۔

فَوَاكِهُ : فَوَاكِهُ وَهُمْ مُكْرَمُوْنَ یعنی میوے اور وہ عزت کے ساتھ (ماجدی) فَوَاكِهُ ۔ فَاكِهَةٌ کی جمع ہے اور عربی میں فواکہ ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو بھوک کی ضرورت رفع کرنے کے لئے نہیں بلکہ لذّت حاصل کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے اُردو میں اسکا ترجمہ میوہ اس لئے کر دیا جاتا ہے کہ میوہ بھی لذت حاصل کرنے کے لئے کھایا جاتا ہے ورنہ درحقیقت فاکہہ کا مفہوم میوہ کے مفہوم سے زیادہ ہے (معارف)

كَأْسٍ : يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِنْ مَعِيْنٍ ، كَأْسٌ عربی میں ظرف اور مظروف یعنی پیالہ اور شراب دونوں پر بولا جاتا ہے۔ كَأْسٌ طَيِّبَةٌ عمدہ شراب كَأْسٍ معین ، صاف شراب کے گلاس شَرِبْتُ كَأْسًا ، میں نے شراب کا پیالہ پیا۔ جمع كُئُوْسٌ وكِئَاسٌ ، قرآن میں جہاں بھی كَأْسٌ آیا ہے مراد شراب ہے (قرطبی)

مَعِیْنٍ : بے آمیز، خالص، صاف ستھرا۔ مَاءٌ مَعِیْنٌ جاری پانی جو صاف اور خالص ہو۔

لَذَّۃٍ : بَیْضَآءُ لَذَّۃٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ : لَذَّۃٌ، اصل میں مصدر ہے جس کے معنی ہیں لذیذ ہونا، اس لئے بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے، یعنی اصل میں ذاتَ لَذَّۃٍ تھا بمعنی لذت والی، لیکن اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ اول تو اگر لذت کو مصدر ہی مانا جائے تو مصدر اسم فاعل کے معنی میں بکثرت آتا ہے اس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ وہ شراب پینے والوں کے لئے مجسم لذت ہوگی، اس کے علاوہ لَذَّۃٌ کا صیغہ صفت لذیذٌ کے علاوہ لَذٌّ بھی آتا ہے ہوسکتا ہے کہ یہاں لَذَّۃٌ اسی لفظ لَذٌّ کا مؤنث ہو۔ اس صورت میں معنی ہوں گے کہ پینے والوں کے لئے لذیذ۔

غَوْلٌ : لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ۔ اصل میں غول خفیہ طور پر ہلاک کرنے کے معنی میں آتا ہے پھر اسی سے مہلک امراض کو بھی غولٌ کہدیتے ہیں چونکہ یہ بھی انسان کو خفیہ طور پر اندر ہی اندر ہلاک کردیتی ہے۔ اور اُس چڑیل اور جن بھوت وغیرہ کو بھی غول کہا جاتا ہے جو انسان کو مخفی طور پر متأثر کردیتی ہے اور انسان ہلاک ہوجاتا ہے غَالَ یَغُوْلُ غَوْلًا واغْتَالَهُ اغْتِیَالًا، اس نے اس کو ہلاک کردیا، الغول۔ اھلاک الشَّئی مِنْ حَیْثُ لَا یُحَسُّ بِهٖ (راغب) لفظ غول فساد اور درد سر کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، قال اللیث : الغول الصداع (کبیر)

ابن فارس نے ذکر کیا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی کو دھوکے سے پکڑ کر ہلاک کرنے کے ہیں۔ الغَوْلُ : میدان، ریگستان کی وسعت اور دُوری۔ غَالَتْهُ غَوْلٌ : اس کو مصیبت نے برباد کردیا۔

یُنْزَفُوْنَ : یہ لفظ نڈھال ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور تعطل عقل کے معنی میں بھی یہاں اس کے دونوں معنی مراد ہیں۔ شراب کا ردِ عمل۔ خمار، اعضاء شکنی اور شدید اضمحلال کی شکل میں بھی، ظاہر ہوتا ہے اور تعطل عقل کی صورت میں بھی۔ پہلی صورت جسمانی اذیت کی ہے اور دوسری اخلاقی فساد کی۔ اہل جنت کی شراب ان دونوں آفتوں سے پاک اور منزہ ہوگی۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ انکے

لئے شراب خالص کے جام گردش میں ہونگے یہ شراب ہر غل و غش سے پاک، نہایت صاف شفاف اور پینے والوں کیلئے سراپا لذّت و سرور ہوگی، اسمیں نہ تو کوئی مخفی ضرر ہوگا نہ اس کے پینے سے عقل میں تعطل ہوگا۔ اس شرابِ طہور میں وہ تمام خوبیاں ہونگی جو اعلیٰ سے اعلیٰ شراب میں ہوتی ہے اور ان تمام خرابیوں سے پاک ہوگی جو دُنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ شراب میں لازمًا ہوتی ہیں اصل میں نزف الما ر کے معنی ہیں کنویں سے تدریجاً سارا پانی کھینچ لینا اور بِئرٌ نزوفٌ وہ کنواں جسکا پانی خشک ہوگیا ہو اور نُزِفَ دَمُهٗ یا دَمْعُهٗ: خون یا آنسو کا کلیتہً نکل جانا۔ اسی سے سکرانٌ نَزِیفٌ ہے، جسکے معنی بدمست کے ہیں، یعنی شراب کی وجہ سے کلیتہً مغلوب العقل، النَّزِیفُ وہ پیاسا جس کی زبان اور رگیں پیاس کی وجہ سے خشک ہوچکی ہوں۔ اور شراب میں دُھت آدمی کو بھی نَزِیفٌ کہا جاتا ہے نزافِ بمعنی اسم فعل بمعنی سب پانی نکالدُ المَنْزُوفُ الذَّاهب العقل وانْزَفَ الرّجلُ: انقطعَ کلامُهٗ اَوْ ذَهَبَ عَقْلُهٗ اَوْ ذَهَبَ حُجَّتُهٗ فی خُصُومہ (تاج العروس)

قٰصِرٰتُ : وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ۝ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ :

الْقِصَرُ : یہ طول کی ضد ہے۔ اور یہ دونوں اسمائے نسبتی ہیں جو ایک دوسرے پر قیاس کے ذریعہ سمجھے جاتے ہیں۔ قَصَرْتُ کذا کے معنے کسی چیز کو چھوٹا کرنے کے ہیں۔ اِمْرَأَةٌ قَاصِرَةُ الطَّرْفِ : وہ عورت جو ناجائز نظر نہ اُٹھاتی ہے، اور کسی غیر کی طرف نگاہِ بد اُٹھا کر نہ دیکھے، قرآن پاک کی ایک دوسری آیت ہے فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ، ان میں نیچے نگاہ رکھنے والی عورتیں ہیں۔ یہ جنّت کی حوروں کی صفت ہے کہ وہ نگاہیں نیچی رکھنے والی ہونگی، مطلب یہ ہے کہ جن شوہروں کے ساتھ انکا ازدواجی رشتہ اللہ تعالیٰ نے قائم کردیا ہے وہ انکے علاوہ کسی مرد کو آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھیں گی، علامہ ابن جوزی نے ایک مطلب یہ نقل کیا ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی نگاہیں نیچی رکھیں گی، یعنی وہ اتنی خوبصورت ہونگی کہ اُن کے شوہروں کو کسی طرف دیکھنے کی حاجت نہیں ہوگی (معارف)

عِيْنٌ : یہ اعین کی جمع ہے یعنی وہ بڑی آنکھوں والیاں غزالہ چشم ہونگی یہ خوبصورتی اور جمال کے اظہار کے لئے قاصرات الطرف

کی دوسری صفت ہے۔

بَیْضٌ : بَیْضٌ مَّکْنُوْنٌ ، اصل میں البیاض سفیدی کو کہتے ہیں۔ انڈا چونکہ سفید ہوتا ہے اس لئے اس کو عرب بیضہ کہتے ہیں، اور بَیْضٌ اسی کی جمع ہے۔ انڈا سفید اور پَروں کے نیچے رہتا ہے اس لئے تشبیہ کے طور پر بیضہ بول کر خوبصورت عورت مراد لیجاتی ہے بَیْضٌ مَّکْنُوْنٌ : سفید و خوبصورت عورتیں جنت عدن میں محفوظ۔ یہ حورانِ جنت کی تیسری صفت ہے جس سے ان کی عفت و عصمت کا بدرجہ کمال اظہار ہو رہا ہے۔

مَکْنُوْنٌ : یہ کِنٌّ سے اسم مفعول ہے اور کِنٌّ ہر اُس چیز کو کہا جاتا ہے جس میں کسی چیز کو محفوظ رکھا جائے۔ اور مکنون وہ چیز جو محفوظ رکھی گئی ہو۔ کَنَنْتُ الشَّیْءَ کَنًّا : کسی چیز کو کِنٌّ میں محفوظ کر دیا ہے۔ کِنٌّ کی جمع اَکْنَانٌ آتی ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے : وَجَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَکْنَانًا : یہاں اکنان سے مراد پہاڑی غار ہیں جنہیں جنگ کے دَوران فوجیں پناہ لیتی ہیں اور بارش وغیرہ کے وقت جنگلی جانور بھی انھیں غاروں میں پناہ لیتے ہیں اور اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ ۔ یہاں کتاب مکنون سے مراد لوحِ محفوظ ہے، جیساکہ دوسری جگہ ارشاد ہے فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۔

قَرِیْنٌ : کَانَ لِیْ قَرِیْنٌ میرا ایک ساتھی تھا۔ قَرِیْن قَرْنٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنی میں اجتماعیت اور قرب کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ قرین وہ آدمی جو دوسرے کا ہم عمر ہو، ایک زمانہ میں دونوں جمع ہوں وہ اونٹ جو دوسرے اونٹ کے ساتھ ایک رسی میں بندھا ہو۔ ہم نشین کو بھی قرین کہتے ہیں جو بہکانے کے لئے ہر وقت انسان کے ساتھ لگا رہتا ہے اس کی جمع قُرَنَاء آتی ہے۔

مَدِیْنُوْنَ : ءَاِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ ۔ دَانَ یَدِیْنُ دَیْنًا بدلہ دینا، مَدِیْنُوْنَ : اسی سے اسم مفعول ہے۔ جن کو بدلہ دیا جائے اور ان لوگوں کو بھی مَدِیْنُوْنَ کہا جاتا ہے جو کسی کے دستِ نگر ہوں۔ کوئی ان کا حاکم ہو کسی کا حکم اُن پر مسلط ہو، دان السلطان رعیتہٗ بادشاہ نے اپنی رعایا کا انتظام کیا۔ آیت میں مراد پہلے معنی ہیں یعنی بدلا دینا۔

مَدِیْنٌ (بکسر الدال) واحد ہے، فَمَدِیْنُوْنَ ای مُجْزَیُوْنَ مُحَاسَبُوْنَ بعد الموت (قرطبی)

مُطَّلِعُوْنَ : قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ارشاد ہوگا کیا تم جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو۔

مُطَّلِعُوْن: جھانک کر دیکھنے والے، جھانکنے والے، باب افتعال کے مصدر اطلاع سے اسم فاعل جمع مذکر ہے۔ واحد مطّلع ہے، اصل مادہ طُلُوْعٌ ہے۔ طَلَعَ الشَّمْسُ طُلُوْعًا و مَطْلَعًا کے معنی آفتاب کا طلوع ہونا، بلند ہونا، اسی سے بطور استعارہ کے طَلَعَ عَلَيْنَا فُلَانٌ وَ اطَّلَعَ کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں کسی کے سامنے ظاہر ہونا، اوپر جا کر نیچے کی طرف جھانکنا، مُطَّلِع اصل میں مُتْطَلِعٌ ہے، تاء افتعال کو طاء میں مدغم کر دیا گیا ہے،

تُرْدِيْنِ: قَالَ تَاللّٰهِ إِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ بول اُٹھے گا اللہ کی قسم تو تو مجھے ہلاک کر ڈالنے کو تھا تُردین باب افعال کے مصدر اِرْدَاءٌ سے واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ الرّدٰی کے معنی ہلاکت کے ہیں۔ اور التّردی باب تَفَعُّل کے معنی ہیں اپنے آپ کو ہلاکت کے سامنے پیش کرنا وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗ إِذَا تَرَدّٰى اور جب وہ جہنم میں گریگا تو اس کا مال کچھ کام نہ آئے گا اور المِرْدَاةُ اس پتھر کو کہتے ہیں جس سے دوسرے پتھر کو توڑا جاتا ہے

زَقُّوْم: شَجَرَةِ الزَّقُّوْمِ، یہ ایک درخت ہے جو عرب میں اپنی تلخی کے لئے مشہور تھا۔ فارسی میں اس کو حنظل اور اُردو میں تھوہڑ کہتے ہیں دوزخ میں آگ سے پیدا ہوگا اور کسی طرح بھی انسانی غذا کے قابل نہ ہوگا، یہ زہریلا اور تلخ ہوتا ہے۔ اور پھر دوزخ کا زقوم تو کریلا اور نیم چڑھا کا مصداق ہوگا۔

قال ثعلب: الزّقوم كل طعام يقتل (تاج) عبارة عن أطعمة كريهة في النّار (راغب) انّها شجرة مُرّةٌ تكون بتهامة من اخبث الشجر (قرطبی) وقال غيره بل هو كلّ نبات قاتل (قرطبی)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ زقوم اصل میں تَزَقُّم سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی مکروہ چیز کو کراہت کے ساتھ نگل جانا۔ زَقَّمَ فُلَانٌ و تَزَقَّمَ اس نے کوئی کریہہ چیز نگل لی۔ ابن ابی حاتم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے[1]۔

نُزُلًا: أَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ۔ نُزُلًا، مہمانی کا کھانا، طعام ضیافت أَنْزَلْتُ فُلَانًا۔ کسی کی مہمانی کرنا، اصل

[1] کیونکہ اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی دُنیا کے سمندروں میں ڈال دیا جائے تو زمین پر بسنے والوں کی زندگی خراب ہو جائے۔ پھر جس کی یہ غذا ہو اس کا تو پوچھنا ہی کیا امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے (ابن کثیر صلا ج ۴)

ہیں نُزُلٌ اسی رزق کو کہتے ہیں جو وسیع اور کھلا ہو۔ والنّزُل فی اللغۃ الرّزق الّذی لہٗ سَعَۃٌ (قرطبی) والنّزل بِضمّتَین : المنزل .... قال ابن الاثیر النّزل فی الاصل قِرى الضیف (تاج)

نُزُلٌ : وہ کھانا جو آنے والے مہمان کے لئے تیار کیا جائے۔ اور لفظ برکت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے طَعَامٌ ذوالنّزُلِ : برکت والا طعام۔ رجل ذُوالنزل کثیر النفل والعطاءِ۔ ایک حدیث میں ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ نُزُلَ الشَّھِیْدِ یا اللہ میں تجھ سے وہ ثواب مانگتا ہوں جو تو شہیدوں کو عطا فرمائے گا۔ اَکْرِمْ نُزُلَہٗ اس کی مہمانی اچھی کر۔ نُزُلٌ کی جمع اَنْزَالٌ آتی ہے۔ وقال ابن جریر الطبری : وعُنِیَ بالنّزُلِ الفضل۔

طَلْعٌ : طَلْعُھَا کَاَنَّہٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ

طَلْعٌ : گابھا، پھل، یہ لفظ گزر چکا ہے۔

مَالِئُوْنَ : فَمَالِئُوْنَ مِنْھَا الْبُطُوْنَ

مَالِئُوْنَ، اسم فاعل مذکر ہے اسکی واحد مَالِئٌ آتی ہے۔ بھرنے والا۔ مَلْأٌ اور مِلْأٌ مصدر (فتح) بھرنا۔ مَلَأَ الرَّجُلُ آدمی بھر گیا یعنی مالدار ہو گیا۔ مَلَأٌ بڑے لوگ، عمائدین قوم و مذہب۔

شَوْبًا : لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ : الشوب کے معنی ہیں خلط ملط کرنا۔ لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ گرم پانی ملا کر دوزخیوں کو دیا جائیگا، شہد کو بھی شَوْبٌ کہا جاتا ہے یا اس وجہ سے کہ تمام مشروبات میں ملایا جاتا ہے۔ یا پھر اس لئے کہ اسمیں موم ملا ہوتا ہے، محاورہ ہے مَا عندہ شوبٌ وَلَا رُوْبٌ نہ اس کے پاس شہد ہے نہ دودھ۔ الشوب الخلط والشوب، والشُّوبُ (بضم الشین) لُغتان کالفَقْرِ والفُقْرِ والفتح اَشْھَرُ۔ قال الفراء شاب طَعَامَہٗ وشَرَابَہٗ خلطھما بشئ یشوبھما شوبًا وشیابۃ (قرطبی)

یُھْرَعُوْنَ : فَھُمْ عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ یُھْرَعُوْنَ۔ ھَرِعَ واَھْرَعَ کے معنی سختی اور تخویف سے ہانکنے کے ہیں، وَجَاءَہٗ قَوْمُہٗ یُھْرَعُوْنَ اور لوط کی قوم اُن کے پاس بے تحاشا دوڑتی ہوئی آئی، الاھراع : الاسراعُ برعدۃ (قرطبی)

شِیْعَۃ : وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِہٖ لَاِبْرٰھِیْمَ

شِیْعَۃ : عربی زبان میں اس گروہ یا جماعت کو کہتے ہیں جس کے افراد بنیادی نظریات و عقائد اور طور و طریق میں متحد اور یکساں

ہوں، اور یہاں ظاہر یہی ہے کہ شیعتہٖ کی ضمیر حضرت نوح علیہ السلام کی طرف عائد ہے لہٰذا اسکا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے پیش رو نبی نوح علیہ السلام کے طریقے پر تھے۔ اور بنیادی اصولِ دین میں دونوں کا مکمل اتفاق تھا اور یہ بھی ممکن تھا کہ دونوں شریعتیں ملتی جلتی ہوں۔ واضح رہے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار ۲۶۰۰ چھ سو سال کا فاصلہ ہے اور حضرت ہودؑ اور حضرت صالح علیہ السلام کے سوا اُن کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا (کشاف، معارف)

سَقِيْمٌ : اِنِّیْ سَقِیْمٌ، میری طبیعت ناساز ہے۔ میں مضمحل ہوں، میں دکھی ہوں میں بیمار ہوں سُقْمٌ سے فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ سُقْمٌ اور سَقَمٌ اس مرض کو کہا جاتا ہے جو بدن کے ساتھ مخصوص ہو اور اِنِّیْ سَقِیْمٌ میں کفار پر ایک تعریض ہے

رَاغَ : فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ پھر ان پر قوت کے ساتھ جا پڑے اور مارنے لگے۔ الرّوغ کے معنی کسی حیلہ اور تدبیر کی خاطر ایک جانب مائل ہونے کے ہیں، اسی سے راغ الثعلب اِرغانًا: لومڑی کا فریب دہی کے طور پر ادھر اُدھر جانا، اور کج راستہ کو رائغٌ کہا جاتا ہے، گویا وہ اپنے پیچ و خم سے فریب دیتا ہے، رَاغَ فلانٌ فلانًا کسی سے فریب کھیلنا۔ اور راغ فلانٌ الیٰ فلانٍ کے معنی یہ ہیں کہ یہ فلاں کی طرف اس طرح لوٹا کہ اپنا مقصد حیلے سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے، فَرَاغَ اِلٰی اَهْلِهٖ پھر وہ جلدی سے اپنے گھر پہنچا۔ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ: تو بڑی قوت سے انکے مارنے کے لئے مائل ہوئے، اصل میں اس کے معنی ہیں داؤ لگا کر کسی چیز کو حاصل کرنا، اور علی (صلہ) کے لفظ سے معنی استیلاءً کا اظہار مقصود ہے، فَرَاغَ يَرُوْغُ رَوْغًا وَرَوَغَانًا : اذا مال وطریق رائغٌ ای مائلٌ (قرطبی - راغب) ایک شاعر کہتا ہے ؎

ویُرِیْكَ من طرف اللسان حلاوۃ
ویروغ عنك كما یروغ الثعلبُ

يَزِفُّوْنَ : فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ : وہ اس کی طرف دوڑتے ہوئے آئے، زَفَّ الابلُ یَزِفُّ کے معنی ہیں اونٹ کا تیز دوڑنا، اور اَزَفَّهَا (افعال سے) کے معنی ہیں تیز چلانا۔ چنانچہ ایک قرات میں يُزِفُّوْنَ ہے، بضمۃ (یاء) یعنی وہ اپنے ساتھیوں کو تیز دی

پر برانگیختہ کرتے ہیں کہ جلدی چلو اور اپنے بتوں کو اور خداؤں کو ضرب ابراہیمی سے بچاؤ، اصل میں زَفِیفٌ کے معنی ہوا کے تیز چلنے یا شترمرغ کے اسقدر تیز چلنے کے ہیں جسمیں نیم پرواز پائی جاوے۔ قال ابواسحٰق۔ الزفیف اول عدو النعامۃ (قرطبی) زف النعام: شترمرغ تیز دوڑا اور بطور استعارہ کے کہا جاتا ہے۔ زفت العروس الیٰ زوجھا بیوی کو شوہر کے لئے پیش کیا، اسمیں بھی سُرعت کے معنی ملحوظ ہیں مگر اس کا تعلق تیز چلنے سے نہیں بلکہ پیش کرنے والوں کے وفورِ شوق سے ہے اسمیں ایک قرارت یَزِفُوْنَ بھی ہے، (مخفف) وَزَفَ یَزِفُ سے جیسے وَزَنَ یَزِنُ ہے لیکن عام نحاۃ نے اس کا انکار کیا ہے (قرطبی۔ راغب) الزفُّ: یدل علیٰ خِفّۃٍ فی کلّ شیٔ (مقاییس ابن فارس)

تَنْحِتُوْنَ: قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ نَحَتَ یَنْحِتُ کے معنی لکڑی یا پتھر وغیرہ کی قسم کی چیزوں کو تراشنے کے ہیں۔ قرآن پاک میں پہلے گزر چکا ہے کہ وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فَارِهِیْنَ [۱] اور النُّحَاتَۃُ: بُرادہ تراشہ۔ المِنحتُ: تراشنے کا آلہ۔ والنحت النجر والبری۔ نَحَتَہٗ یَنْحِتُہٗ۔ بالکسر نَحْتًا: ای براہ والنُّحَاتَۃُ: اَلْبُرَایَۃُ والمِنْحَتُ مَا یُنْحَتُ بِہٖ (قرطبی)

کَیْدًا: فَاَرَادُوْا بِہٖ کَیْدًا۔ الکید المکر ای احتالوا لاِہلاکِہٖ (قرطبی) کید کے معنی مکر کے ہیں یعنی انھوں نے جناب ابراہیمؑ کو ختم کرنے کے لئے بڑا مکروفریب کیا۔

اَسْلَمَا: فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّہٗ لِلْجَبِیْنِ: الاسلام کے معنی سِلْمٌ یعنی صلح میں داخل ہونیکے ہیں اور صُلح کے معنی یہ ہیں کہ فریقین باہم ایکدوسرے کیطرف سے ایذا اور تکلیف پہنچنے سے بیخوف ہوجائیں فَلَمَّا اَسْلَمَا جب دونوں بیخوف ہوگئے، بیٹے نے باپ کی صداقت کو تسلیم کرلیا اور باپ نے بیٹے کی اطاعت وایثار پر بھروسہ کرلیا تو دونوں خدا کے سامنے جھک گئے، دونوں نے خدا کا حکم مانا اور دونوں نے اپنا معاملہ خدائے ذوالجلال کے حوالے کردیا اور باپ نے بیٹے کو اللہ کے سپرد کردیا (راغب۔ قرطبی)

تَلَّ: وَتَلَّہٗ لِلْجَبِیْنِ، انھیں پیشانی کے بل خاک پر لٹادیا۔ حضرت ابن عباس سے اس کا مطلب یہ منقول ہے کہ انھیں اس طرح کروٹ کے بل لٹادیا کہ پیشانی کا ایک کنارہ زمین سے

۱۔ اور تکلیف سے پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے ہو

چھونے لگا۔ لغت کے اعتبار سے یہ تفسیر راجح ہے
اس لئے کہ جبین عربی زبان میں پیشانی کی دونوں
کروٹوں کو کہتے ہیں۔ اور پیشانی کا درمیانی
حصہ جبہۃ کہلاتا ہے بعض اہل تفسیر نے یہ بھی
لکھا ہے کہ اوندھے منہ لٹا دیا (معارف) اصل میں
تَلٌّ بلند ٹیلے کو کہتے ہیں اور تلیل گردن کو کہتے ہیں
اس لئے تلّہٗ للجبین کے معنے ٹیلے پر لٹا دینے کے
ہیں جیسے ترّبہٗ کے معنی کسی کو زمین پر گرا دینے کے آتا
تلًّا۔ تلاًّ: بچھاڑنا، تَلَّ الشَّیْءَ الیہ: ہٹانا، دفع
کرنا۔ تَلَّ الیہ: کسی کے سامنے عاجزی کرنا،
گڑگڑانا۔ امام قرطبی لکھتے ہیں کہ التَّلُّ:
الدّفع والصّرع، تَلٌّ کے معنی ہٹانا اور دفع
کرنا۔ حضرت ابو درداء کی ایک حدیث میں ہے
وَتَرَكُوكَ لِمَتَلِّكَ: تجھ کو تیرے گرنے کے مقام
پر چھوڑ دیا۔ یہاں مَتَلٌّ ظرف مکان ہے یعنی
وہ جگہ جہاں کسی کو بچھاڑا جائے، ایک اور
روایت ہے فَجَاءَ بِنَاقَةٍ كَوْمَاءَ فَتَلَّهَا ایک
بڑی کوہان والی اونٹنی لائے اسکو بٹھایا، ایک اور
روایت ہے، اُتِیتُ بمفاتیح خزائن الارض
فَتُلَّتْ فی یدی، زمین کے خزانے کی کنجیاں
میرے پاس لائیں اور میرے ہاتھ میں ڈالدی
گئیں اور تَلَّ یَتِلُّ بالکسر، سقط، گرنا کے
معنی میں آتا ہے۔ اور تَلَّ یَتُلُّ (ن) بمعنی صَبَّ
آتا ہے یعنی ڈالنا (قرطبی)
تَلٌّ: ٹیلہ۔ کونا۔ گرنا۔ اوندھا پچھاڑنا۔ گردن اور
منہ کے بل لٹا دینا۔ ایک حدیث ہے فَتَلَّهٗ فی
یدہ، آپ نے وہ شربت کا پیالہ اس لڑکے کے
ہاتھ میں ڈالدیا تَلَلْتُ الرَّجُلَ: میں نے آدمی
کو گرا دیا، بچھاڑ دیا۔

الْجَبِيْنِ: وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ یقول صرعہ
للجبین الجبینان عن یمین الجبھۃ
وعن شمالھا وللوجہ جبینان والجبھۃ
بینھما (طبری) جبین: ماتھا، پیشانی جَبَانٌ بزدل

اِلْيَاسَ: وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ
حضرت الیاس علیہ السلام ایک مشہور اسرائیلی
نبی گزرے ہیں تورات میں انکا نام ایلیا آیا ہے،
اور یہ اخی اب بادشاہ کے ہمعصر ہیں جس کا زمانہ
حکومت ۸۷۶ تا ۸۵۴ قبل مسیح ہے ان کے
بارے میں اہل یہود کا عقیدہ ہے کہ وہ زندہ
آسمان پر اٹھائے گئے ہیں (ماجدی)

بَعْلٌ: اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا۔ کیا تم بعل کو پکارتے
ہو۔ بَعْل کے لغوی معنی شوہر کے ہیں اور مالک
وغیرہ کو بھی بعل کہتے ہیں۔ یہ اس بت کا نام تھا جو
حضرت الیاسؑ کی قوم نے اپنا معبود بنایا تھا
بعل کی پرستش کی تاریخ بہت قدیم ہے، شام
کے علاقہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے

میں اس کی بندگی ہوتی تھی۔ غالباً اسی کی بندگی کرتے ہوئے دیکھ کر اسرائیلیوں نے حضرت موسیٰؑ سے یہ اپیل کی ہوگی کہ ہمیں اسی طرح کا ایک خدا بنا دیا جائے جس طرح ان کا خدا ہے۔ بعل اُن کا قدیم ترین دیوتا تھا اور تمام دیوتاؤں سے زیادہ مشہور تھا شام کا مشہور شہر بعلبک بھی اسی کے نام سے موسوم ہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عرب کا ہبل بھی اصل میں بعل ہی تھا بعض کا خیال ہے کہ بعل دیوتا کا نام نہیں بلکہ دیوی کا نام تھا، بعل کی جمع بعول آتی ہے۔ بعالٌ بھی جمع ہے،

اَبَقَ : اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ :
اَبَقَ اَبَاقًا، بھاگنا، غلام کا آقا اور مولا سے بھاگ جانا۔ مبرّد لغوی کا قول ہے کہ ابق کی اصل تَبَاعَدَ ہے یعنی دُور ہونا۔ اسی سے غلامٌ اٰبِقٌ ہے۔ بھگوڑا غلام، گویا بھاگ کر خدمتِ مولیٰ سے دُور ہو جاتا ہے (قرطبی) تَاَبَّقَ الرجل بھاگے ہوئے غلام کی طرح چھپ گیا۔ تَاَبَّقَ چھپنا، اجنبی سمجھنا۔ آبِقٌ صفت فاعلی ہے۔ بھاگا ہوا، جمع اُبَّاقٌ آتی ہے۔

مَشْحُوْنَ : المشحونِ اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ بھرا ہوا۔ شَحَنٌ بھرنا۔ فتح نصر اور سَمِعَ تینوں ابواب سے آتا ہے، سَمِعَ سے اس کے معنے دشمنی کرنے کے آتے ہیں،

مُشَاحَنَۃٌ : باہم ایکدوسرے سے دشمنی کرنا، مشاحِنٌ : دشمن، تارک جماعت، الفُلْكِ المشحون : بھری ہوئی کشتی۔

سَاهَمَ : فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ : اصل میں سَهْمٌ اس تیر کو کہتے ہیں جو چلایا جاتا ہے پھر قرعہ اندازی کو بھی سَهْمٌ کہتے ہیں کیونکہ اسمیں بھی ایک قسم کا تیر چلایا جاتا ہے۔ اِسْتَهَمُوْا کے معنی قرعہ اندازی کرنے کے ہیں سَهَمَ الوجهُ لاغری کی وجہ سے چہرے کا متغیر ہونا، گویا کمزور ہو کر تیر کی طرح پتلا ہو گیا ہے۔ فساهم قالَ المبرد۔ فقارَعَ قال واصله من السِّهَامِ التى تُجَالُ (قرطبی)

مُدْحَضِيْنَ : فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ قرعہ میں شریک ہوئے تو شکست کھا گئے۔ مِنَ المغلوبينَ (قرطبی) اصل میں دحض الرّجل کے معنی ہیں آدمی کا پاؤں پھسل جانا۔ ٹھوکر کھانا۔ اسی سے مناظرہ میں بے دلیل ہونے پر اسکا اطلاق ہونے لگا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ انکی دلیل بیوزن ہے باطل ہونے والی ہے دَحَضَتْ حُجَّتُهٗ۔ وہ بے دلیل ہو گیا، اسکی دلیل باطل ہو گئی قال القرطبی واصله من الزلق،

قال الشاعر ؎

قتلنا المدحضين بكل فج
فقد قرت بقتلهم العيون
والدحض: اصله الزلق فی الماء و
الطين (طبری) دَحَضَتْ رِجْلُهٗ: اسکا
پاؤں پھسل گیا۔ ھٰذہٖ مَدْحَضَةُ القوم:
یہ وہ جگہ ہے جہاں سے لوگ پھسل جاتے ہیں

اَلْعَرَاءِ: فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ
پھر ہمنے ان کو ایک میدان میں ڈالدیا اور وہ
مضمحل تھے۔ العرار کے معنی ہیں کھلا میدان
جسمیں کوئی درخت نہ ہو، بعض روایات سے
معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت حضرت یونس علیہ السلام
مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے انتہائی کمزور
ہوگئے تھے اور جسم پر بال بھی باقی نہ رہے تھے، معارف
عراء، کے معنی کھلی فضا، وسیع زمین اور زمین
کے اوپر والے حصہ کے بھی کئے گئے ہیں، کما
نقل القرطبی عن الفراء و ابی عبیدہ ص ۱۲۹ ج ۱۵

يَقْطِيْنٍ: وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ
يَّقْطِيْنٍ اور ہم نے ان پر ایک بیلدار درخت
بھی اگا دیا۔ یقطین ہراس درخت کو کہتے ہیں
جسکا تنہ نہ ہو، جیسے کدو۔ خربوزہ۔ ادھوانہ
لوکی وغیرہ وکل شجر لا تقوم علی ساق
کالدباء والبطیخ والحنظل ونحو ذالک
فھی عند العرب یقطین (ابن جریر)
البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوکی
کی بیل تھی۔ (معارف)

اِنَاثًا: اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا:
اَنَثٌ کے معنی میں نرمی اور ضعف کا مفہوم
بنیادی حیثیت رکھتا ہے چنانچہ نرم لوہے کو
حَدِيْدٌ اَنِيْثٌ کہتے ہیں۔ ارض انیثۃ نرم زمین
اور سَيْفٌ اَنِيْثٌ کند تلوار جو قاطع نہ ہو، حافظ
ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ضحاک تابعی کا بیان ہے
کہ مشرکین (نعوذ باللہ) فرشتوں کو خدا کی
بیٹیاں بتاتے تھے اور اس بات کے مدعی
تھے کہ ہم ان کو اسلئے پوجتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ
کے قریب کردیتے ہیں اسلئے انھوں نے خوبصورت
شکلوں کے مجسمے بنا رکھے تھے (ابن کثیر ج ۱)
قرآن پاک نے اُنھیں کے عقیدہ کیمطابق فرمایا
کہ اِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّآ اِنٰثًا (یہ پتھر کی مزاج)
عورتوں کو پوجتے ہیں (النساء آیت ۱۱۷)
اُناث، اُنثیٰ کی جمع ہے جسکے معنی عورت کے ہیں
اس آیت شریفہ میں معبودان باطلہ کو اناث
یا تو باعتبار لفظ فرمایا کیونکہ مشرکین اپنے اپنے
بتوں کو انواع و اقسام کے زیوروں سے آراستہ
کرتے اور عورتوں کے نام سے نامزد کرتے تھے،
جیسے لات، منات، عزّیٰ اور نائلہ وغیرہ یہ
سب نام مؤنث ہیں۔ سعید بن منصور ابن

جریر نے حضرت حسن بصریؒ کی تصریح ذکر کی ہے کہ عرب کے قبیلہ قبیلہ کا جُدا جُدا بُت ہوتا تھا جو اُس قبیلہ کی نسبت سے انثیٰ بنی فلاں کہلاتا تھا (فتح القدیر ص۴۲۹ جلد ۱) یا معنی کے اعتبار سے اناث فرمایا گیا۔ چنانچہ مغربی نے اناث کے معنی کمزور اور عاجز کے بتائے ہیں، قال المغربی: الا اناثاً۔ اِلَّا ضِعَافًا عَاجِزِیْن لا قدرة لهم (البحر المحيط) اَنَّثَ فِیْ اَمْرِہٖ: کام میں ڈھیلا پڑجانا، عورتوں کو بھی اناث اسی لئے کہا گیا ہے کہ وہ بہ نسبت مرد کے کمزور ہیں۔ راغب اصفہانی رقمطراز ہیں کہ موجودات کی ایک دوسرے کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں۔ (۱) فاعل منفعل یہ صفت صرف ذات باری کی ہے۔ اسمیں کوئی دوسرا شریک نہیں (۲) منفعل غیر فاعل، یہ صفت جمادات کی ہے (۳) ایک اعتبار سے منفعل، دوسرے اعتبار سے فاعل جیسے جن وانس اور ملائکہ یہ اللہ کے اعتبار سے منفعل ہیں، اور اپنی مصنوعات کے اعتبار سے فاعل ہیں، پس چونکہ معبودان عرب منجملہ جمادات تھے، جو سرتاسر منفعل اور غیر فاعل ہیں یعنی انہیں محض اثر پذیری کی تو صلاحیت ہے مگر مؤثر ہونے کی قوت ذرا سی بھی نہیں لہٰذا قرآن مجید نے اِناث کہہ کر مشرکین کو تنبیہ کی ہے کہ تم نے جن کو اپنا معبود بنا رکھا ہے ان میں نہ عقل ہے نہ سمجھ، نہ سُن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ کسی حیثیت سے بھی تو کوئی کام سرانجام نہیں دے سکتے، حضرت ابراہیم صلوٰت اللہ علیہ وسلامہ نے اپنے باپ کو توحید کی تبلیغ کرتے ہوئے اس حقیقت کو واضح کیا تھا، فرماتے ہیں، یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْئًا اے میرے باپ کیوں پُوجتا ہے اسکو جو نہ سُنے اور نہ دیکھے اور نہ تیرے کچھ کام آوے، اسی لئے حضرت ابن عباسؓ حضرت بصریؒ اور قتادہ نے اناثاً کے معنی بیجان کے بتائے ہیں ابن جریر اور ابن ابی حاتم حضرت حسن بصری سے ناقل ہیں کہ ہر بیجان چیز جسمیں روح نہ پائی جائے اناث میں داخل ہے خشک ہو یا پتھر (قرطبی ص۳۸ ج ۵)

فٰتِنِیْنَ: مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ بِفٰتِنِیْنَ: تم بہکا نہیں سکتے۔ یہاں فاتنین بمعنی مضلین ہے اهل التفسير مجموعون فيما علمت على ان المعنى ما انتم بمضلين احدا الا من قدّر الله عز وجل عليه ان يضلّ (قرطبی)

سَاحَة: فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ

صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ۔ تو وہ (عذاب) جب اُن کے روبرو آ نازل ہوگا تو وہ ان لوگوں کا جنھیں ڈرایا جا چکا ہے بہت بُرا ہوگا، سَاحَةٌ کے لفظی معنے صحن یا انگنائی کے ہیں یعنی وہ عذاب ان سے ایسا متصل ہوگا کہ انکے لئے کوئی جائے پناہ نہ رہے گی ۔

وَالسَّاحَةُ والسَّحْسَةُ فی اللغة فناء الدار الواسع (قرطبی) نَزَلَ بِسَاحَتِهٖ ، یہ ایک عربی محاورہ ہے کہ وہ اس کے صحن میں اُترا اور اسکا مفہوم کسی آفت کا سامنا ہوتا ہے ۔

صَبَاحٌ : صبح، دن کا ابتدائی حصہ جبکہ طلوع آفتاب سے اُفق مشرق سُرخ رہتا ہے، یہ اسم ہے اور مَسَاءٌ کی ضد ہے جس کے معنی شام اور دن کے آخری حصہ کے ہیں۔ صبح کے وقت کو اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ عرب کی عادت دشمن پر صبح کو حملہ کرنے کی تھی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بھی کفار پر عام طور پر صبح کو ہی حملہ فرمایا کرتے تھے، خیبر پر آپؐ نے صبح کو حملہ کرکے یہودیوں کا کباڑہ کیا اور فتح کے بعد فرمایا اللہ اکبر، خَرِبَتْ خیبر، انا اذا نزلنا بساحۃ قوم فساء صباح المنذرین، اللہ اکبر، خیبر ویران ہوگیا۔ بلاشبہ جب ہم کسی قوم کے صحن میں اُترتے ہیں تو جن لوگوں کو پہلے ڈرایا جا چکا ہوتا ہے ان کی وہ صبح بہت بُری ہوتی ہے ۔

شرح الفاظ القرآن من سورۃ صٓ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذِی الذِّکْرِ : صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ قسم ہے یاد دہانی سے معمور قرآن کی (تدبر) ذکر کے اصل معنی اور مفہوم یاد دہانی کرنا ہے، قرآن چونکہ اول تا آخر یاد دہانی ہے اس لئے اس کو ذی الذکر کہا گیا ہے، یعنی نصیحت سے لبریز۔ اور نیز ذکر کا لفظ عظمت و شرف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اس صورت میں معنی ہونگے، عظمت و شرف والے قرآن کی قسم : والمراد بالذکر۔ العظمۃ والشرف والشہرۃ (بیضاوی) ذی الشرف ای ذی الشأن والمکانۃ۔

لَاتَ : فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ سو انھوں نے بڑی ہائے پکار کی دراں حالیکہ وقت خلاصی کا گزر چکا تھا۔ لات، اصل میں لا ہے البتہ اس کے ساتھ تؔ کا اضافہ ہوگیا ہے، اسوقت یہ وقت کی نفی کے لئے خاص ہوجاتا ہے۔ لات۔ اصل میں مختلف فیہ ہے اور نحاۃ کے اس میں دو طرح کے اختلاف ہیں ایک تو یہ کہ یہ مفرد ہے یا مرکب اور دوسرا یہ کہ اس کا عمل کیا ہے، ابوذرخشنی کا قول ہے کہ یہ لفظ مفرد ہے ماضی کا صیغہ ہے، اسکا مضارع یَلِیْتُ آتا ہے جس طرح اَلَتَ یَاْلِتُ اسی طرح لاتَ یلیتُ آتا ہے، دونوں کے معنی ہیں کم کرنا۔ قرآن پاک میں ہے لَا یَلِتْکُمْ مِّنْ اَعْمَالِکُمْ شَیْئًا، اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے کوئی کمی نہیں کریگا یہ تو لفظی وضعی معنی تھے، توسیع استعمال کے بعد عرف عام میں لات نفی کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ لات ماضی کا صیغہ ہے اس کی اصل لَیْسَ ہے۔ یا کو الف سے اور سین کو تا سے بدل دیا گیا ہے، جمہور اہل لغت کا قول ہے کہ لات دو لفظوں سے ملکر بنا ہے۔ لا۔ نافیہ اور تا تانیث جیسے رُبَّتَ اور ثُمَّتَ دو ساکنوں کے اجتماع کے سبب تؔ کو متحرک کر دیا گیا۔ ابوعبیدہ اور ابن طراوہ کا قول ہے کہ یہ لفظ ہے تو مرکب مگر حرف تار زائد ہے، یعنی اصل میں لفظ لا ہی ہے۔ لیکن مصحف عثمانی میں حین سے

پہلے ملی ہوئی تَ لکھی ہوئی تھی اسلئے تا رکی کوئی حیثیت نہیں، گویا اصل لفظ یوں ہے لَا تَحِیْنَ مَنَاصٍ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ لات کا عمل کیا ہے اسمیں اخفش کا ایک قول تو یہ ہے کہ لات عامل ہی نہیں ہے لہٰذا اسکے بعد کا اسم مرفوع ہوتا ہے اور منصوب بھی ہوتا ہے۔ دوسرا ایک قول یہ ہے کہ لات کا عمل اِنَّ کی طرح ہوتا ہے، اسم کو نصب اور خبر کو رفع کرتا ہے۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ لاتَ لَیْسَ کی طرح عمل کرتا ہے، اسم کو رفع اور خبر کو نصب کرتا ہے، عموماً اس کا اسم محذوف ہوتا ہے۔ فراء کا قول ہے کہ لات کا استعمال صرف حین کے ساتھ ہوتا ہے۔ سیبویہ کا قول بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اہلِ لغت کی ایک بڑی جماعت کہتی ہے کہ حین ہو یا حین کا ہم معنی کوئی دوسرا لفظ سب کے ساتھ لات مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ ابوزبید طائی کا قول ہے۔ ع۔ طَلَبُوْا صُلْحَنَا وَلَاتَ اَوَانٍ یہاں لفظ لات اوانٍ کے ساتھ استعمال ہوا ہے جو بمعنی حِیْنَ ہے۔ یعنی انھوں نے وقت گزرنے پر صلح کی تمنا کی، نیز اس شعر میں اوانٍ مجرور ہے اس لئے فراء کا قول ہے کہ اسماء زمان پر لات بطور حرف جر کے استعمال ہوتا ہے۔ علامہ زمخشری نے تفصیل سے لکھا ہے کہ لات کی تا ر زیادہ کی گئی ہے اور اسکا استعمال نفی اوقات کے لئے مخصوص ہو گیا ہے مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو قرطبی صفحہ ۱۳۵ تا ۱۳۸ جلد ۱۵۔

مَنَاصٍ : وَلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ : لفظ مناص میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ یہ نَاصَ یَنُوْصُ نَوْصًا و مَنَاصًا سے مصدر میمی ہو جسکے معنی بھاگنے کے ہیں یعنی وہاں بھاگنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ اور مَنَاصٌ ظرف بھی ہے۔ بھاگنے کی جگہ۔ نَاصَ اِلٰی کذا کے معنی ہیں کسی کے پاس پناہ لینا، مطلب یہ ہے کہ پناہ کی جگہ بھی وہاں نہیں ہوگی اور ظرف زمان کے معنی میں لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ پناہ لینے کا وقت بھی گزر چکا ہوگا اور ناصَ عنہٗ : ہٹ جانا، پھر جانا۔ ناصَ عن قرانہٖ۔ اپنے مقابل سے فرار ہو جانا، پھر جانا جُدا ہو جانا۔ اِنَاصَۃٌ افعال سے۔ ارادہ کرنا۔ مناوصۃٌ (مفاعلۃٌ) میدان میں دو آدمیوں کا ایک دوسرے کو پکڑنا۔ وَالمَنَاصُ بمعنی التأخّر والفرار والخلاص ای نَادَوْا لطلب الخلاص فی وقتٍ لا یکون لہم فیہ خلاص (قرطبی) وجمع مناص

مَنَاوِصُ (قرطبی)

عُجَابٌ : اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ :

بیشک یہ بڑی انوکھی بات ہے، لفظ عجابٌ عجیبٌ کے مرادف ہے۔ البتہ زور تعجب اسمیں زیادہ ہے هو العجب الانہ اَبْلَغُ مِنَ العجیب۔ علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ عجابٌ عُجَابٌ (بالتشدید) اور العجب تینوں برابر ہیں خلیل نحوی نے انہیں فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عجیبٌ تو عَجَبٌ کے معنی میں ہے اور العُجَابُ وہ چیز ہے جو حدِ تعجب سے آگے ہو جیسا کہ طویل تو وہ چیز ہے جسمیں طول ہو، اور طُوَال، جو حد طول کو پھاند چکی ہو یعنی بہت لمبی ہو۔

علامہ جوہری نے لکھا ہے کہ عجیب تو وہ معاملہ ہے جس سے تعجب کیا جائے، اور عجاب بھی اسی کے ہم معنی ہے، اور عُجَّابٌ بالتشدید میں تعجب زیادہ ہے اور اعجوبۃٌ میں بھی تعجب کی کثرت پائی جاتی ہے۔ العجیبُ العَجَبُ، والعُجَابُ الذی قد تجاوز حد العجب والطول الذی فیہ طول والطُّوَال الذی قد تجاوز حدّ الطول۔ وقال الجوهری۔ العجب الامر الّذی یتعجب منه وکذلك العجابُ بالضم والعجاب بالتشدید اکثر منه وکذلك الاعجوبۃ (قرطبی)

اِخْتِلَاق : اِنْ هٰذَا اِلَّا اخْتِلَاقٌ

ہو نہ ہو یہ اس کی گھڑت ہے (ماجدی) اختلاق، افترا، بہتان طرازی، افتعال کے وزن پر مصدر ہے۔

مَهْزُوْمٌ : جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الاَحْزَابِ۔ مَهْزُوْمٌ اسم مفعول ہے هَزْمٌ مصدر ہے، شکست خوردہ، هَزِيْمَةٌ شکست هَزِیْمٌ: نہ رُکنے والی بارش، اِنْهِزَام (انفعال) شکست کھانا، هَزَمْتُ الجَيْشَ: میں نے لشکر کی قوت کو توڑ دیا اس کو شکست دیدی۔ تَهَزَّمَتِ القِرْبَةُ مشکیزہ شکستہ ہوگیا، ٹوٹ گیا، یہاں مهزومٌ بمعنی مقطوع ہے۔ مَهْزُوْمٌ : ای مقطوعٌ ذلیلٌ قد انقطعت حجتهم

اَوْتَادٌ : وفِرْعَوْنُ ذُوالاَوْتَادِ :

ذُوالاَوْتَادِ کا لفظی ترجمہ ہوگا، میخوں والا، لیکن عربی میں میخوں سے خیموں کو تعبیر کرتے ہیں پھر خیموں سے بطور کنایہ فوجیں مراد لیتے ہیں، تو حاصل ہوگا فوجوں والا فرعون، تو یہاں ذو الاوتاد سے مراد فرعون کی کثیر فوجوں کی طرف اشارہ ہے۔ اوتاد اصل میں وَتِدٌ کی جمع ہے جس کے معنی میخ کے آتے ہیں چونکہ

میخوں سے مکان اور تعمیرات وغیرہ کی مضبوطی کا کام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح افواج بھی صاحبِ افواج کی قوت اور مضبوطی کا چونکہ سبب ہوتی ہیں اس لئے کنایۃً ان پر اَوْتَادٌ کا اطلاق ہونے لگا ہے۔ وقیل ذوالاوتاد: ای ذوالجنود الکثیرۃ، فسمّیتِ الجنودُ اوتادًا لانّھم۔ یُقَوّوْنَ امرہ کما یُقوِّی الوتدُ البیْتَ (قرطبی)

ایک قول یہ ہے کہ فرعون چونکہ ظالم و جابر تھا۔ جب یہ کسی سے ناراض ہوتا تو اسکے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں لگا دیتا تھا یہاں تک کہ وہ مرجاتا۔ دونوں قول صحیح ہیں۔ چونکہ فرعون میں یہ دونوں وصف موجود تھے، کثرتِ افواج بھی اور اپنے مخالف سے بعید روانہ انتقام بھی۔

اَلْاَیْکَۃِ : وَاَصْحٰبُ الْاَیْکَۃِ، اس سے مراد اصحاب مدین ہیں۔ اَیْکَۃ کے معنی جنگل کے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مدین کے پاس کوئی جنگل بھی تھا اسی وجہ سے لوگ بھی اسی نام سے معروف تھے اس کی تحقیق سورۂ حجر میں گزر چکی ہے۔

فَوَاقٍ : مَا لَھَا مِنْ فَوَاقٍ، لفظ فَوَاق کے عربی زبان میں کئی معنی آتے ہیں۔ ایک تو فَوَاقٌ اس درمیانی وقفہ کو کہتے ہیں جس میں ایک مرتبہ دودھ دوہنے کے بعد دوبارہ اسکے تھنوں میں دودھ آجائے۔ نیز اس کے معنی راحت اور آرام کے بھی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کا صور پھونکنا اسقدر مسلسل ہوگا کہ اسمیں کوئی وقفہ نہ ہوگا، اسکی جمع اَفْوِقَۃٌ آتی ہے۔ فَواق اور فُوَاق (بفتح الفاء وضمہا) دونوں کے معنی ایک ہی ہیں اور فِیْقَۃٌ: اس دودھ کا نام ہے جو دومرتبہ دوہنے کے درمیانی وقفہ میں تھنوں سے نکل جاتا ہے۔ اور لفظ فواق تھوڑے وقفہ اور کم وقت کے لئے بولا جاتا ہے، حدیث میں ہے۔ العیادۃُ قدر فواق الناقۃ: عیادت اتنی ہو جتنا وقت اونٹنی کے دوبارہ اُتارے ہوئے دودھ کو دوہنے میں لگتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مریض کی عیادت میں زیادہ وقت نہیں لگانا چاہئے جس سے اسکو تکلیف ہونے لگے۔

والفَوَاقُ والفُوَاقُ: ما بَیْنَ الحَلْبَتَیْنِ من الوقت (قرطبی)

والفیقۃُ، اسم اللبن الذی یَجْتَمِعُ بینَ الحَلْبَتَیْنِ (قرطبی)

قِطَّنَا: عَجِّلْ لَنَا قِطَّنَا: قِطٌّ، اصل میں اس دستاویز کو کہا جاتا ہے جسکے ذریعہ کسی کو انعام دینے کا وعدہ کیا گیا ہو، پھر یہ لفظ مطلق حصّہ اور نصیب کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے یہاں یہی معنی مراد ہیں کہ آخرت کی جزا و سزا کا جو کچھ وعدہ ہے، اسمیں سے ہمارا حصّہ تو یہاں ہی دلوا دیجئے، (معارف) اس کی جمع قُطُوطٌ آتی ہے، قِطَطَةٌ بھی جمع ہے اور جمع قلیل کے لئے أَقِط اور أَقْطَاط۔ بولا جاتا ہے قال الفراء القِطّ فی کلام العرب الحظ والنصیب ومنه قیل للصّكّ قط۔ وقال ابو عبیدة والکسائی القط الکتاب بالجوائز والجمع القُطوط (قرطبی)

علامہ راغب نے لکھا ہے کہ اصل میں قِط اس چیز کو کہا جاتا ہے جو عرض میں کاٹی گئی ہو جیساکہ اسکے بالمقابل قدٌّ اس چیز کو کہا جاتا ہے جو طول میں کاٹی گئی ہو پھر محاورہ میں اس معیّن حصّہ کو بھی قِطٌّ کہا جانے لگا ہے جو کاٹ کر الگ کر لیا گیا ہو۔ [illegible] نہیں دیکھا یہاں قط سے ایک خاص زمانہ مراد ہے

الْخَصْمِ: وَهَلْ أَتٰكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ: لفظ خصم کسی مقدمے کے فریقوں کے لئے آتا ہے۔ یہ واحد اور جمع دونوں کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے مگر پھر بھی اسکا تثنیہ الگ آجاتا ہے جیساکہ قرآن میں ہے، خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا، اصل میں خَصْمٌ کے معنی کنارہ کے ہیں اور مخاصمت کے معنی ایک دوسرے کو کنارے سے پکڑنے کے ہیں اور خصم کی جمع خصوم استعمال ہوتی ہے۔ الخَصْمُ یقع علی الواحد والاثنین والجماعة لانّ اصله المصدر (قرطبی)

تَسَوَّرُوا: تَسَوَّرُوا المِحْرَابَ: تَسَوُّرٌ کے معنی دیوار پر چڑھنے کے ہیں یہاں عربیت کے قاعدے کے مطابق یہ دَخَلُوا کے مفہوم پر متضمن ہے یعنی تَسَوَّرُوا الجِدَارَ و دَخَلُوا المِحْرَابَ، دیوار پر چڑھے اور محراب میں داخل ہوگئے وقال القرطبی، ومعنی: تسوّروا المحراب: أتوه من اعلی سورة: یقال: تسوّر الحائط تسلّقه، والسُّور حائط المدینة وهو بغیر همزة (قرطبی) تَسَوُّرٌ، تَفَعُّلٌ، اصل مادہ سُوْرٌ ہے جس کے معنے ہیں بلندی پر کودنا۔

تُشْطِطْ : فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ، سو آپ ہم میں انصاف سے فیصلہ کر دیجئے۔ اور بے انصافی نہ کیجئے۔ اِشْطَاطٌ ظلم کرنا، حد سے بڑھنا، بات کو دُور ڈال دینا۔ لَا تُشْطِطْ فعل نہی ہے۔ تو زیادتی نہ کر، بات کو دُور نہ ڈال، شَطَّتِ الدَّارُ وَاَشَطَّ، گھر کا دُور ہو جانا۔ وَاَشَطَّ فِی السَّوْمِ : بھاؤ بڑھانا، نرخ میں اضافہ کرنا، اور شَطُّ النَّهْرِ، نہر کا کنارہ جہاں سے پانی دُور ہو، اصل معنی شَطَّ میں بُعد کے ہیں، وَالاَصْلُ فِیْهِ الْبُعْدُ مِنْ شَطَّتِ الدَّارُ اَیْ بَعُدَتْ (قرطبی)

ایک حدیث میں ارشاد ہے لها مهرُ مثلها لا وکسٌ ولا شَطَطٌ، اسکو مہر مثل ملیگا نہ کم نہ زیادہ، معنی بُعد کے اعتبار سے یہ لفظ ظلم و جور کے معنی میں بولا جانے لگا ہے، قرآن کریم میں ہے لَقَدْ قُلْنَا اِذًا شَطَطًا، اَیْ جَوْرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَبُعْدًا عَنِ الْحَقِّ (قرطبی، راغب) وقال ابو عمرو : الشطط مُجَاوَزَةُ الْقَدْرِ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ (قرطبی)

نَعْجَةٌ : لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً : اس کے ہاں ننانوے دُنبیاں ہیں اور میری صرف ایک دُنبی ہے۔ نَعْجَةٌ : دُنبی، بکری نیل گائے، نَعْجَةٌ کا اطلاق عام طور پر ان بکریوں پر ہوتا ہے جو جنگل میں چرتی ہیں۔ عرب لوگ کنایہ کے طور پر عورتیں مراد لیتے ہیں۔ اس کی جمع نِعَاجٌ آتی ہے جیسا کہ اگلی آیت میں ہے لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰی نِعَاجِهٖ۔

اَلْخِطَابِ : وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ اور بات چیت میں مجھے دبا دیا ہے، یہاں لفظ خطاب بحث و جدال کے مفہوم میں ہے اور فصل الخطاب : دو ٹوک فیصلہ، فیصلہ کُن بات جس سے نزاع ختم ہو جائے، اور فریقین مطمئن ہو جائیں۔

خُلَطَاءِ : وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ : اور اکثر شرکاء ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں، خُلَطَاءُ شُرَکَاءُ، شرکت والے، ساجھی، یہ خَلِیْطٌ کی جمع ہے۔ اَلْخَلْطُ، دو یا دو سے زیادہ چیزوں کے اجزاء کو جمع کرنا اور ملا دینا۔ اِخْتَلَطَ الشَّیْءُ : کسی چیز کا دوسری چیز سے مل جانا، اسی سے خلیط کا لفظ کاروبار میں شریک کے لئے آتا ہے، اور کتب فقہ میں خلیطان کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا مال اکٹھا ہو

اور تجارت میں شریک ہوں۔ لفظ خلیط واحد اور جمع دونوں کے لئے بولا جاتا ہے جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے ؎

بَانَ الخَلِيطُ وَلَمْ يَأْوُوْا لِمَن تَرَكُوْا

ساتھی جدا ہو گئے اور انھوں نے جنکو چھوڑا، ان پر رحم نہ کیا، اور اخلَطَ فَلَانٌ فِيْ كَلَامِهِ فلاں نے بکواس کی، غلط بیانی کی، بات کو توڑ مروڑ کر بیان کیا۔ خلط الماءَ بالشراب شراب میں پانی ملا دیا۔ خُوْلِطَ فِيْ عقله: اس کی عقل میں فتور آگیا، اور اِخْلَطَ الرَّجلُ وہ پاگل ہو گیا۔ رَجُلٌ خَلَطٌ میل ملاپ والا آدمی۔

الصّٰفِنٰتُ : إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الجِيَادِ، جب شام کے وقت انکے رُوبرو اصیل عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے صافنات ایک خاص اصیل نسل کے گھوڑے ہیں۔ اور الجیاد اچھے گھوڑوں کی عام صفت ہے مطلب یہ کہ وہ ذات وصفات دونوں کے اعتبار سے بہت اچھے تھے۔ الصَّفَنُ: دو چیزوں کو اس طرح اکٹھا کر دینا کہ انکے کچھ حصّے دوسرے کے ساتھ لجائیں۔ محاورہ ہے صَفَنَ الْفَرَسُ قَوَائِمَهٗ، گھوڑے کا تین پاؤں پر کھڑے ہو کر چوتھے پاؤں کا سُم اس طرح اُٹھانا کہ اُس کا اگلا حصہ زمین پر لگا رہے، اور صفن اُس ڈول کو کہتے ہیں جسکے ساتھ حلقہ بندھا ہوا ہو، قال القتبی والفراء، الصّافن فی کلام العرب الواقف من الخیل اوغیرھا۔ صَفَنَ الرَّجُلَ۔ دونوں قدموں کا ایک قطار میں کرنا۔ صَفَنَ الفَرَسُ (ض) صَفْنًا، گھوڑے کا تین ٹانگوں پر کھڑا ہونا اور چوتھی ٹانگ کے کُھر کا سرا ٹکانا۔

الجِيَادُ : یہ الجواد کی جمع ہے، رَجُلٌ جَوَادٌ: سخی آدمی۔ فَرَسٌ جَوَادٌ: تیز رفتار عمدہ گھوڑا جو دوڑنے میں اپنی قوت صَرف کر دے، اور وہ صفت جو گھوڑے میں دوڑنے کی ہوتی ہے اسے جَوْدَةٌ کہتے ہیں اور سخاوت مال کو جُوْدٌ کہتے ہیں۔ جَادَ الشَّيْءُ کسی چیز کا عمدہ اور جَيِّدٌ ہونا۔ اس سے صیغہ صفت کا جَيِّدٌ آتا ہے اور جُوْدِيٌّ اُس پہاڑ کا نام ہے جس پر حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ٹھہری تھی، یہ موصل اور جزیرہ کے درمیان میں واقع ہے۔ بعض کا قول ہے کہ جیادٌ اصل میں جِيْدٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنی گردن کے ہیں، جیسے فرمایا ہے کہ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ۔ اس صورت میں جیادٌ کے معنی ہونگے لمبی گردنوں والے گھوڑے، لیکن واضح یہ ہے کہ یہ

جَادَ یَجُوْدُ جُوْدًا سے ماخوذ ہے، قَوْمٌ اَجْوَادٌ : سخی لوگ، اور خَیْلٌ جِیَادٌ، عمدہ تیز رو گھوڑے۔ الجواد صفت ہے، مذکر مؤنث دونوں کے لئے آتی ہے، کہا جاتا ہے رَجُلٌ جوادٌ وامْرَاۃٌ جَوَادٌ (راغب قرطبی)

تَوَارَتْ : حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ یہاں تک کہ آفتاب پردہ میں چھپ گیا، وَارَیْتَ کذا کے معنی کسی چیز کو چھپانے کے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ۔ ہم نے تم پر پوشاک اُتاری کہ تمہارے ستر ڈھانکے اور یُوَارِیْ کے معنی ہیں چھپ جانا، چھپانا، تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ: پردے کے پیچھے چھپ گیا

طَفِقَ : طَفِقَ یَفْعَلُ کَذَا : وہ ایسا کرنے لگا۔ یہ اَخَذَ یفعلُ کی طرح کسی کام کو شروع کرنے کے معنی دیتا ہے اور ہمیشہ کلام مثبت میں استعمال ہوتا ہے لہٰذا مَاطَفِقَ کَذَا کہنا درست نہیں ہے قرآن پاک میں ہے، وَطَفِقَا یَخْصِفَانِ، اور وہ لگے چپکانے (جنت کے پتے)

رُخَاءً : تَجْرِیْ بِاَمْرِہٖ رُخَاءً حَیْثُ اَصَابَ : وہ اُن کے حکم سے جہاں چاہتے نرمی سے چلتی۔ الرّخاءُ : نرمی کو کہتے ہیں، شیءٌ رِخوٌ : نرم چیز۔ رَخِیَ یَرْخٰی رَخًا وَ رِخْوَۃً : نرم ہونا، آسان ہونا، آسودہ ہونا، مطلب یہ ہے کہ ہوا اپنی شدت اور قوت کے باوجود اس نرمی سے چلتی کہ کسی کو کوئی تکلیف نہ ہوتی تھی۔ رُخَاءً : ای لَیِّنَۃً مع قوّتھا وشِدّتھا حتّٰی لاتضرّ بِاَحَدٍ (قرطبی)

اَصَابَ : اَصَابَ یہاں ہدف ٹھہرانے کے مفہوم میں ہے جس طرح اَصَابَ السّھمَ کا محاورہ ہے، یعنی اپنے جہاز کو بھیجنے کے لئے جس مقام کو وہ اپنا ہدف بنائے وہ بے روک ٹوک فصل و موسم کا انتظار کئے بغیر وہاں کے لئے روانہ ہو جائے اس لئے کہ ہوائیں انکے تابع تھیں جب چاہتے انکو اپنے لئے ساز گار بنا لیتے تھے (تدبر)

اصل میں الصّواب کا لفظ دو طرح سے استعمال ہوتا ہے، ایک تو کسی چیز کی ذات کے اعتبار سے، یعنی جب کوئی چیز اپنی ذات کے اعتبار سے قابلِ تعریف ہو اور عقل و شریعت کی رو سے پسندیدہ ہو مثلاً تحری العدل صَوَابٌ، انصاف کو مدّنظر رکھنا صواب ہے دوسرا قصد کرنے والے کے لحاظ سے یعنی جب کوئی اپنے حسب منشاء کسی چیز کو

حاصل کرنا ہے تو اس کے متعلق اصاب کذا کا محاورہ استعمال ہوتا ہے، مثلاً اَصَابَہٗ بِسَھْمٍ، اسنے اسے تیر مارا (راغب)
مجاہد کا قول ہے کہ اَصَابَ یہاں اَرَادَ کے معنی میں ہے، عرب کہتے ہیں اَصَابَ الصَّوَابَ وَاَخْطَأَ الجوابَ یعنی اس نے ارادہ تو صواب کیا لیکن جواب میں خطا کی (قرطبی)
اَصَابَ : وہ پہنچا، وہ آپڑا، اُس نے پالیا اِصَابَۃٌ سے جس کے معنی پالینے کے ہیں (لغات القرآن)

بَنَّاءَ : کُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ : بَنَّاءٍ تعمیر کرنے والے، عمارت بنانے والا، معمار بروزن فَعَّالٌ، بِنَاءٌ سے مشتق ہے جس کے معنی عمارت بنانے کے ہیں اگرچہ مبالغہ کے وزن پر ہے، مگر بمعنی اسم فاعل ہے اور کلّ بَنَّاء شَیٰطِیْنَ سے بدل ہے۔ لفظ بھی بتا رہا ہے کہ یہ شیاطین اپنے فن کے پورے ماہر تھے۔

غَوَّاصٍ : الغَوْصُ کے معنی پانی میں غوطہ لگا کر کوئی چیز نکال لانے کے ہیں اور جو شخص کسی پیچیدہ مسئلہ کی تہہ تک پہنچ جائے اس کو غائِصٌ کہا جاتا ہے اسی سے غَوَّاصٌ مبالغہ کا صیغہ ہے جبکہ معنی غوطہ خور کے ہیں ان الفاظ کی مزید تحقیق سورۂ سبا ر میں دیکھی جائے۔

الاَصْفَادِ : مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ : زنجیروں میں جکڑے ہوئے۔ الصَّفَدُ وَ الصِّفَادُ کے معنی لوہے کی زنجیروں یا طوق کے ہیں، اسی کی جمع اَصْفَادٌ ہے، مُقَرَّنِیْنَ فِی الاصْفَاد جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہونگے
صفادٌ : ہتھکڑی، بندھن اور بندش وغیرہ
اصفدہٗ : کسی کو ہتھکڑی لگانا، قید کرنا،
صَفَدَہٗ صَفْدًا وَّ صُفُوْدًا : قید کرنا، باندھنا
صَفَدٌ : نعمت اور عطیہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اَصْفَدَہٗ مَالًا : مال دینا، اس معنی کا اعتبار کرتے ہوئے آیتِ کریمہ میں اس مفہوم کی بھی گنجائش ہے کہ یہ لوگ دُنیا میں خدا کی نعمتوں اور احسانات کا غلط استعمال کرنے کی پاداش میں گرفتار ہونگے لیکن یہ معنی مجھے کسی تفسیر میں نہیں ملے اس لئے مُقَرَّنِیْنَ فِی الاصفاد کا بے غبار ترجمہ یہی ہوگا کہ وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، چونکہ اس قید و بند کا تعلق دُنیا میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی سرتابی سے ہے کہ جو انکے حکم سے انحراف کرتے ان کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا تھا، وقال ابن جریر رحمہ اللہ علیہ الاصفاد جمع صفدٍ وھی الاغلال (تفسیر ابن جریر)

اُرْكُضْ : اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ، اپنا پاؤں زمین پر مار۔ الرَّكْضُ کے معنی ٹانگ کو حرکت دینے کے ہیں، اگر سوار کے متعلق بولا جائے، جیسے رَكَضْتُ الفرسَ، تو اس کے معنی ہونگے گھوڑے کو تیز دوڑانے کے لئے اس کو ایڑھ لگانا، اور پیدل کی طرف نسبت ہو تو اس کے معنی پاؤں کے ساتھ زمین کو روندنے کے ہوتے ہیں۔ قرآن پاک کی آیتِ کریمہ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْا اِلٰى مَا اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ مت بھاگو اور ساز و سامان دُنیا کی طرف لَوٹ جاؤ یہ بطور تہدید و تعجیز ہے۔

مُغْتَسَلٌ : هٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ، یہ ٹھنڈا پانی ہے نہانے کا مُغْتَسَلٌ بابِ افتعال کے مصدر اِغْتِسَالٌ سے ظرف مکان ہے، نہانے کی جگہ، چشمہ، اور مُغْتَسَلٌ اس پانی کو بھی کہا جاتا ہے جس سے نہایا جائے۔

ضِغْثًا : وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ۔ ضِغْثٌ: ریحان، خشک گھاس یا شاخیں جو انسان کی مٹھی میں آجائیں اس کی جمع اضغاثٌ آتی ہے، حاشیہ جمل میں شیخ سمین سے نقل کیا گیا ہے کہ ضِغْثٌ گھاس یا ٹہنیوں کی چھوٹی گٹھڑی کو کہتے ہیں یہاں درخت کی پتلی پتلی ٹہنیوں کا جو کہ قمچیوں کے طور پر استعمال ہوتی ہیں گٹھا مراد ہے۔ وقیل: الضِّغْثُ قَبْضَةُ حَشِيْشٍ مختلطة الرطب باليابس، (قرطبی)

لَا تَحْنَثْ : تو قسم نہ توڑ۔ حَنِثَ يَحْنَثُ قسم کا توڑنا۔ حَنِثَ فُلَانٌ اسنے قسم توڑ دی۔

اُولُوْ : اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ: اس کے لفظی معنی ہیں کہ وہ ہاتھوں اور نگاہوں والے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی فکری اور عملی توانائیاں اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی اطاعت میں صرف کرتے تھے، اس سے اس بات کیطرف اشارہ ہوگیا کہ اعضاءِ انسانی کا اصل مصرف یہ ہے کہ طاعتِ الٰہی میں خرچ ہوں اور جو اعضاء اسمیں خرچ نہوں انکا ہونا نہ ہونا برابر ہے (معارف)[1]

اَلْيَسَعَ : وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ، حضرت الیسع علیہ السلام بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ہیں اور قرآن کریم میں آپ کا نام صرف دو بار آیا ہے، ایک سورۂ انعام میں اور دوسری جگہ یہ ہے مگر دونوں جگہ تفصیلی حالات سے خاموش ہیں۔ تاریخ کی کتابوں میں آتا ہے کہ آپ حضرت الیاس علیہ السلام کے چچا زاد بھائی تھے اور حضرت الیاس علیہ السلام کے نائب۔ اور

---

[1] اُولُوْ: والے، یہ جمع اسکا واحد نہیں آتا لیکن بعض نحاۃ اسکا واحد ذُوْ کو قرار دیتے ہیں، حالتِ رفع میں اُولُو، اور بحالتِ نصب و جر اُولِي استعمال ہوتا ہے یہاں اُولِي منصوب ہے۔

خلیفہ تھے اور حضرت الیاس علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کو نبوت عطا ہوئی، بائبل کی کتاب سلاطین اوّل باب ۱۹ اور سلاطین دوم باب ۲ میں آپکے حالات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

ذاالکفل : یہ اپنے وقت کے پیغمبر ہیں قرآن پاک میں ذوالکفل علیہ السلام کا ذکر صرف دو مقامات پر کیا گیا ہے لیکن کسی مقام پر تفصیل نہیں، اور حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام سے بھی کوئی وضاحت انکے بارہیں مروی نہیں ہے قرآن پاک نے آپ کا ذکر صابرین صالحین اور اخیار کے زمرہ میں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنی قوم کیطرف سے تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اور انھوں نے اس پر صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ (مزید سورۂ انبیاء دیکھئے)

قَاصِرٰتُ : قَاصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ: نیچی نگاہ والیاں ہم سن ہونگی۔ قَاصِرٰتُ الطَّرْفِ باحیا اور شرمیلی نازنینوں کو کہتے ہیں۔ عرب اور دنیا کے تمام شرفاء میں عورت کی سب سے اعلیٰ صفت یہی سمجھی گئی ہے اور جس عورت میں قصر طرف کی صفت نہیں ہے وہ یقیناً وصف حیاء سے خالی ہے اِمْرَاَۃٌ قَاصِرَۃُ الطَّرْفِ : وہ عورت جو ناجائز نظر اٹھا کر نہ دیکھے۔ قَصِرتُ کذا، کے معنی ہیں کسی چیز کو کم کرنا۔ کوتاہ کرنا، پست کرنا، چنانچہ قرآن پاک کی آیت حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ اسی سے ماخوذ ہے جسکے معنی ہیں حوریں جو خیموں میں مستور ہوں۔

الطَّرْفِ : الطَّرْف، طرف العین: آنکھ کی پلک اور الطرف کے اصل معنی جیسا کہ امام راغب رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے پلک جھپکنے کے ہیں اور پلک جھپکنے کو دیکھنا لازم ہے اسلئے طرف بمعنی دیکھنا بھی آتا ہے

اَتْرَابٌ : اَتْرَابٌ، ہم عمر اور ہم سن، لیکن اس سے مراد محض ہم عمری یا سن و سال میں مطابقت مراد نہیں بلکہ شوق و پسند میں ہم آہنگی، عادات و جذبات میں یکسانیت، غرض ہر ایسے امر میں باہمی مناسبت مراد ہے جو ازدیاد لطف کا باعث ہو سکے۔ اور اَتْرَابٌ جمع ہے تِرْبٌ کی، تِرْبُ فلانۃٍ، یہ عورت فلانی کی ہم عمر ہے۔
ابن فارس نے اسکے معنی بیان کئے ہیں ۱۔ خاک آلود ہونا۔ ۲۔ مماثل ہونا۔

نَفَادٌ : مَالَهٗ مِنْ نَّفَادٍ، اسکا کبھی خاتمہ ہی نہیں۔ النَّفَادُ (س) ختم ہو جانا، ختم ہونے کے معنی میں یہ باب سمع سے استعمال ہوتا ہے نَفِدَ الشَّیْءُ، چیز کا ختم ہو جانا، فنا ہو جانا، اَنْفَدَ الشَّیْءَ (افعال) سے چیز کو خرچ کر دینا، قرآن پاک میں ہے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ، جو مال و دولت وغیرہ تمہارے پاس ہے وہ

توختم ہوجائے گا اور جو خدا کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ لَنَفِدَ الْبَحْرُ: سمندر خشک ہوجائیں، اَنْفَدُوْا، ان کا توشہ ختم ہوگیا، مُنَافِدٌ دوسرے کی دلیل کو ختم کرنے کے لئے جھگڑنے والا (راغب)

شَرٌّ: وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ: اور سرکشوں کے لئے بیشک بُرا ٹھکانہ ہے، شر وہ چیز ہے جس کو دیکھ کر ہر ایک کو کراہت ہو مَنْ هُوَ شَرٌّ مَكَانًا، مکان کیسا بُرا ہے، لفظ شر خیر کی ضد ہے،

غَسَّاقٌ: حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ، کھولتا ہوا پانی اور پیپ۔ غَسَقَ اللَّيْلُ کے معنی ابتدائے شب کی تاریکی اور سخت اندھیری رات کے ہیں۔ اور الغاسق تاریک رات کو کہتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ (اور میں پناہ مانگتا ہوں) شبِ تاریک کی بُرائی سے جب وہ چھا جائے اور مراد رات کو پیش آنیوالے حوادث ہیں اور غاسقٌ چاند کو کہتے ہیں جب اس کو گہن لگ جائے اور سیاہ ہوجائے۔ اور غَسَّاقٌ دوزخیوں کے جسموں سے بہنے والے غلیظ مادے پیپ وغیرہ کو کہا جاتا ہے۔ ٹھنڈے اور بدبودار پانی کو بھی غسّاقٌ کہتے ہیں۔ چنانچہ بعض اہل تفسیر نے یہاں اس معنی کو زیادہ راجح قرار دیا ہے۔ ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ مجاہد اور مقاتل نے زمہریر اور الثلج البارد کے معنی بیان کئے ہیں۔

محمد بن کعب کا قول ہے یہ عُصارۃٌ اہل النار یعنی دوزخیوں کے جسموں سے بہنے والی پیپ اور لہو وغیرہ۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول لغت کے زیادہ موافق ہے، کہا جاتا ہے، غَسَقَ الجرحُ يَغْسِقُ غَسْقًا اِذَا خَرَجَ منه مَاءٌ اَصْفَر (قرطبی) یعنی غسق الجرحُ اسوقت کہا جاتا ہے جب زخم سے زرد قسم کا پانی بہہ نکلے، ایک قول یہ بھی ہے کہ غسّاق جہنم میں ایک گندہ چشمہ ہے (اعاذنا اللهُ مِنْ كُلِّ ذالك)

والغَسَّاق: المُنْتِنُ الذی یسیل من صدید وقیح او دموع اهل النار (المعجم لالفاظ القرآن)

شَكْلٌ: وَاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ، اور اس طرح کے اور بہت سے عذاب ہوں گے، المُشَاكَلَةُ کے معنی شکل وصورت میں مشابہ ہونے کے ہیں اور نِدٌّ کے معنی جنس میں شریک ہونیکے ہیں اور آیت کریمہ وَاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖ اَزْوَاج میں ہیئت اور تعاطی فعل سے مماثلت ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ شَكْلٌ کے معنی دَلٌّ یعنی عورت کے ناز و انداز کے ہیں، لیکن اصل میں اُس نسبت کو کہتے ہیں جو دو ہم مشرب اور ہم پیشہ لوگوں میں پائی جائے۔ ایک حدیث میں ہے النّاسُ اشکالٌ وَّاُلَّافٌ، کہ لوگ ایکدوسرے کے ساتھ الفت کرنیوالے ہیں۔ شکل کی جمع اَشْكَالٌ اور

شَاکِلَۃٌ کی جمع شَوَاکِلُ آتی ہے (دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل)

مُقْتَحِمٌ: هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ یہ ایک فوج ہے دھنستی آرہی ہے تمہارے ساتھ۔ مُقْتَحِمٌ، اسم فاعل واحد مذکر، ہولناک مقام میں گھس پڑنے والا، اِقْتِحَامٌ افتعالٌ سے کسی خوفناک مقام یا چیز میں گھس پڑنا، قَحَمَ نَفْسَهٗ: اپنے آپکو بغیر سوچے کسی کام میں ڈالدینا، ایک شاعر نے کہا ہے ۔

مَقَاحِيْمُ فِى الْاَمْرِ الَّذِىْ يُتَجَنَّبُ، قابلِ اجتناب یعنی ہولناک اُمور میں وہ بے دھڑک گھس پڑتے ہیں۔

مَرْحَبًا: لَا مَرْحَبًا بِهِمْ۔ رَحُبَ: فراخی، کشائش، گنجائش۔ مَرْحَبًا ظرف مکان ہے، کشادہ جگہ، لَا مَرْحَبًا بِهِمْ کے معنی ہونگے تمہارے لئے کشادہ جگہ نہیں ہے، تم کو کوئی جگہ نہیں دیگا۔ تمہارا کوئی روادار نہیں ہے مرحباً کا لفظ خوش آمدید کے لئے بولا جاتا ہے، حرفِ نفی آنے سے اسکے معنی ہونگے واپس جاؤ اور اظہارِ نفرت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے رَحِيْبُ الصَّدْرِ: کشادہ دل اور سخی مزاج اور عالی ظرف والا، بلند حوصلہ کا مالک،

لَا مَرْحَبًا بِهِمْ۔ اى لا تَسَعَتْ مَنَازِلُهُمْ فى النار والرحبة: السّعة۔ ومنه مرحَبَةُ المسجد وغيره۔ قال ابو عبيدة العرب تقول لامرحبًا بِكَ، اى لا رَحُبَتْ عليك الارض والا اتّسعت (قرطبی)

اَشْرَارٌ: كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ: الشَّرُّ، وہ چیز جس کو دیکھ کر ہر سلیم الطبع نفرت کرے اور یہ خیر کے مقابلے میں ہے رَجُلٌ شِرِّيْرٌ۔ شریر آدمی، قَوْمٌ اَشْرَارٌ: شریر لوگ

زَاغَتْ: زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ: الزَّيْغُ کے معنی ہیں حالت استقامت سے ایک جانب مائل ہونا اور التَّزَايُغُ (تفاعل) بمعنی تمایُلٌ ہے یعنی بہت زیادہ مائل ہونا، رَجُلٌ زَائِغٌ: مائل ہونے والا، اس کی جمع زَاغَةٌ اور زائغون آتی ہے، زَاغَ الْبَصَرُ نگاہ نے غلطی کی، وَمَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى نظر نہ تو حقیقت سے ایک طرف ہٹی اور نہ ہی اُس نے حد سے تجاوز کیا۔

زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ان سے نگاہیں چُوک گئیں۔

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الزُّمَر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

زُلْفٰی : لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی، کہ ہم کو خدا کے قریب کر دیں۔ زُلْفٰی : مرتبہ، قرب نزدیک، قرآن پاک میں ہے وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ، اور بہشت نیکو کاروں کے قریب لائی جاوے گی۔ زَلَفَ (ن) الشیئَ، کسی چیز کو قریب کرنا۔ زَلَّفَ فی الکلام، زیادہ کرنا، زُلْفٰی، مراتب محمودہ اور درجات صالحہ کے لئے بولا جاتا ہے اور بطور تہکم مذموم درجات پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ الزلفی۔ القُرْبَۃُ ای لیقرّبونا الیہ تقریبًا (قرطبی)

وَاِنَّ لَہٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی: تَقَدُّمًا وَقُرْبَۃً (غریب القرآن ابن قتیبہ)

یُکَوِّرُ : یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّھَارِ وَیُکَوِّرُ النَّھَارَ عَلَی الَّیْلِ : وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے، اصل میں الکور کے معنی کسی چیز کو عمامہ کی طرح اور اس کو اوپر تلے گھمانے کے ہیں، اور آیت مذکورہ یُکَوِّرُ الَّیْلَ سے مطالع شمسی کے تبدیل ہونے سے دن رات کے بڑھنے اور گھٹنے کو تعبیر کیا گیا ہے۔ الکُوْر (بضم الکاف) اونٹ کے پالان کو کہتے ہیں جس کی جمع اکوارٌ اور کُوُوْرٌ آتی ہے۔ کُوَارَۃُ النَّحْلِ : شہد کے چھتے کو کہتے ہیں۔ حضرت علیؓ کی ایک روایت ہے لَیْسَ فِیْمَا تُخْرِجُ اَکْوَارُ النَّحْلِ صَدَقَۃٌ : مکھیوں کے چھتے جو شہد نکالتے ہیں انمیں زکوٰۃ نہیں ہے۔ الکوْر زیادہ ہونے کے معنے میں کبھی استعمال ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے نعوذُ باللّٰہِ من الحور بَعْدَ الکوْر : ہم زیادتی کے بعد نقصان سے پناہ مانگتے ہیں الحوار کی تشریح النقصان اور رجوع سے اور الکور کی زیادتی سے کی ہے مقصد یہ ہے کہ ہم ترقی کے بعد تنزل سے پناہ چاہتے ہیں، بڑے شہر کو بھی کورٌ کہتے ہیں چونکہ وہ بہت سے دیہات اور قصبوں کو اپنے اندر لپیٹے ہوئے ہوتا ہے (تاج۔ راغب)

حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ تکویر کے معنی ایک چیز کو دوسری چیز پر ڈالدینے اور اسکو چھپا دینے کے ہیں۔ قرآن کریم نے دن کے

انقلاب کو یہاں عام نظروں کے اعتبار سے بلفظ تکویر تعبیر کیا ہے کہ رات آتی ہے تو گویا دن کی روشنی پر ایک پردہ ڈالدیا گیا اور دن آتا ہے اور رات کی اندھیری پردہ میں چلی جاتی ہے، (معارف، زمر) واصل التکویر: اللف والجمع ومنه کَوْرُ العَمَامَة ومنه قوله اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ ای جمعت ولفّت ابن قتیبۃ ص۳۸۲ طبع لبنان۔

اَمَّنْ : اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّ قَائِمًا ۔ لفظ اَمَّنْ مرکب ہے دو لفظوں سے، ایک ہمزہ حرف استفہام اور دوسرا مَنْ موصولہ سے بمعنی بھلا جو یا کون؟ بھلا کون اس جملہ سے پہلے کفار کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا گیا ہے کہ دُنیا کی چند روزہ زندگی میں کفر اور فسق و فجور کے مزے اُڑالو آخر تم کو جہنم کا ایندھن بننا ہے۔ اس کے بعد اس جملے میں مومن مطیع کا بیان ہے جس کو امن کے لفظ سوال سے شروع کیا گیا ہے۔ علماء تفسیر نے یہاں ایک جملہ محذوف قرار دیا ہے کہ کافر سے کہا جائے گا کہ تو اچھا ہے یا وہ مؤمن مطیع جو صبح شام خدا کے دربار میں سجدہ ریز ہوتا ہے؟ والاصل اَمْ مَنْ فأُدْغِمَت فی المیم (قرطبی) یعنی اَمْ کا میم، من کے میم کے ساتھ مدغم کر دیا گیا، علامہ قرطبی نے ایک تفسیر یہ بھی ذکر کی ہے کہ حرف ہمزہ استفہام کا نہیں ہے بلکہ ندا کے لئے ہے اور معنی میں یائے حرف ندا کے ہیں۔ چنانچہ نافع، ابن کثیر، و یحیی بن وثاب، اعمش اور حمزہ وغیرہ قراء نے اَمَنْ تخفیف میم کے ساتھ پڑھا ہے، تو انکے نزدیک اَمَنْ هُوَ قَانِتٌ بمعنی یا مَنْ هُوَ قَانِتٌ ہے۔ اور فراء نحوی کا قول بھی یہی ہے کہ الف بمعنی یاء ہے جیساکہ یا زید اقبل و اَزَیْدُ اَقْبِلْ۔

فالمعنی علیٰ هذا، قُلْ تمتع بِکُفْرِكَ قَلِیْلًا۔ اِنَّكَ مِنْ اصحاب النّار، یا مَنْ هُوَ قَانِتٌ اِنَّكَ مِنْ اَصْحَابِ الْجَنَّةِ، کما یقال فی الکلام فلان لا یُصَلِّیْ وَلَا یَصُوْم فیا من یُصَلِّی ابشر بالجنّۃ (قرطبی) والبیان لابن الانباری ص۳۲۲ جلد ۲۔

قَانِتٌ : حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں لفظ قانت کے کئی ترجمے کئے گئے ہیں، سب سے جامع قول ابن مسعود کا ہے، اس کے معنی ہیں اطاعت گزار۔ اور یہ لفظ خاص نماز کے لئے بولا جاتا ہے، جیسے قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِیْنَ۔ تو وہاں مراد وہ شخص ہوتا ہے جو نماز میں اپنی نگاہ کو پست رکھے، ادھر اُدھر

نہ رکھے ۔ نہ اپنے بدن اور کپڑوں سے کھیل کرے ۔ نہ دنیا کی کسی چیز کو اپنے اختیار سے نماز میں یاد کرے ۔ بھول اور غیر اختیاری سوچ اس کے منافی نہیں (معارف)

وفی قانتٌ اربعۃ اوجہٍ ۔ احدھا انہٗ المطیع قالہٗ ابن مسعود الثانی انہٗ الخاشع فی صلاتہٖ : قالہ ابن شہاب، الثالث انہٗ القائم فی صلاتہٖ، قالہٗ یحیٰی بن سلام۔ الرابع انہٗ الداعی لربّہٖ ۔ وقول ابن مسعود یجمع ذالک وروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہٗ قال کل قنوتٍ فی القرآن فھو طاعۃ للہ عزّ وجلّ (قرطبی) وقال ابن قُتَیْبَۃَ : اصل القنوت الطاعۃ (غریب القرآن)

الصّٰبِرُوْنَ : اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت میں صابرین سے مراد وہ لوگ لئے ہیں جو دُنیا کے مصائب اور رنج وغم پر صبر کرنیوالے ہیں ۔ اور بعض نے فرمایا کہ صابرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو معاصی سے اپنے نفس کو روکیں (معارف)

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ لفظ صابر جب بغیر کسی دوسرے لفظ کے بولا جائے تو اس سے مراد یہی ہوتا ہے جو اپنے نفس کو گناہوں سے باز رکھنے کی مشقّت پر صبر کرے ، اور مصیبت پر صبر کرنیوالے کے لئے لفظ صابر بولا جاتا ہے تو صابرٌ علی کذا کے الفاظ بولے جاتے ہیں یعنی فلاں مصیبت پر صبر کرنے والا ہے[1] ۔ ولفظ صابر یُمدح بہٖ وانّما ھو لمن صبر عن المعاصی ۔ وَاِذَا اَرَدْتَّ انّہٗ صبر علی المصیبۃ قُلْتَ صابرٌ علی کذا : قالہ النحاس (قرطبی)

اَلطَّاغُوْتَ : وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْھَا ، طاغوت ہر وہ ہستی ہے جو طغیان میں حد سے تجاوز کر جائے مراد یہاں شیاطین لی گئی ہے ، اور صرف ایک شیطان بڑا بھی مراد ہو سکتا ہے مفسّر ضحاک اور سُدّی وغیرہ نے طاغوت سے مراد یہاں اوثان یعنی بُت لئے ہیں اور بعض حضرات نے کاہنوں کو بھی طاغوت میں شامل قرار دیا ہے ۔ بعض اہلِ تفسیر کا قول ہے کہ طاغوت عجمی لفظ ہے جیسا کہ طالوت ، جالوت ، ہاروت ماروت وغیرہ لیکن صحیح یہ ہے کہ طاغوت عربی ہے

[1] والصبر: ھو ترک الشکوی من الم البلوی لغیر اللہ لا الی اللہ فاذا دعا اللہ العبد فی کشف الضرّ عنہ لا یقدح فی صبرہ (مجموعہ ص ۳۲)

اور طغیان سے ماخوذ ہے (قرطبی)

والطغیان: مجاوزۃ الحد فی العصیان

(مجموعہ قواعد الفقہ)

سَلَكَ: فَسَلَكَهٗ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ

سُلُوْكٌ کے اصل معنی راستہ پر چلنے کے ہیں، جیسے سَلَكْتُ الطَّرِيْقَ، اور یہ فعل متعدی بن کر بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے راستہ پر چلانا، يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ، اور اسکے آگے مقرر کر دیتا ہے لِتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا۔ تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں پر چلو اور متعدی معنوں میں ارشاد ہے مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ: تمہیں کونسی چیز دوزخ میں لائی یعنی دُنیا میں تمہیں دوزخ کی راہ پر کس چیز نے لگا دیا تھا۔ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا وہ اس کو سخت عذاب میں داخل کریگا۔ بعض نے سَلَكْتُ فلانًا فی طریقہ کے بجائے سَلَكْتُ فُلَانًا طَرِيْقًا کہا ہے اور عَذَابًا کو يَسْلُكْهُ کا دوسرا مفعول قرار دیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ عذابًا فعل محذوف کا مصدر ہے اور یہ اصل میں نعذّبہٗ عَذَابًا ہے (راغب)

فَسَلَكَهٗ۔ ای فادخلہٗ فی الارض (قرطبی)

یہاں متعدی استعمال ہوا ہے۔

يَنَابِيعَ: یہ يَنْبُوْعٌ کی جمع ہے جس کے معنی زمین سے پھوٹنے والے چشمے کے ہیں۔ جمع يَنْبُوْعٍ وھو یفعولٌ من نَبَعَ يَنْبُعُ و يَنْبَعُ ويَنْبِعُ بالرفع والنصب والخفض والينبوعُ عین الماء والجمع اليَنَابِيع (القرطبی)

يَهِيْجُ: ثُمَّ يَهِيْجُ، ای يَيْبَسُ (قرطبی)

هَاجَ البَقْلُ (ض) کے معنی سبزیوں کے پک کر زرد پڑ جانے کے ہیں۔ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا، پھر وہ پک کر خشک ہو جاتی ہے سو تو اس کو دیکھتا ہے کہ وہ زرد ہو جاتی ہے۔ اور اَهْيَجَتِ الارضُ: کے معنی زمین کے خشک گھاس والی ہونیکے ہیں اور هَيَّجْتُ الشَّرَّ وَالْحَرْبَ کے معنی لڑائی کو بھڑکانے کے ہیں۔ اَرْضٌ هَائِجَةٌ وہ زمین جسکا سبزہ وغیرہ سوکھ کر زرد ہو گیا ہو۔

اَهَاجَتِ الرِّيْحُ النَّبْتَ: ہوا نے زمین کے سبزے کو خشک کر دیا (قرطبی۔ راغب)

حُطَامًا: ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا، پھر وہ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے۔ حُطَامٌ: یہ وہی چیز ہے جس کو ہماری زبان میں بھوسہ کہتے ہیں (ماجدی) جو چیز چورا ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائے اور روندی جانے لگے حُطَامٌ کہلاتی ہے۔ یہ حَطْمٌ سے مشتق ہے جسکے معنی توڑنے کے ہیں

جہنم کو حُطَمہ کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ مجرم کو روندنے اور توڑنے والی ہے۔ سَائِقٌ حَطِمٌ بے رحم چرواہا جو اونٹوں کو سخت ہنکا کر ان کو تکلیف پہنچائے۔ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهٗ: کہیں سلیمان اور اسکی سپاہ تمہیں روند نہ ڈالے۔ رِيحٌ حَطُومٌ وہ تند ہوا جو ہر چیز کو توڑ کر رکھ دے تَحَطَّمَ الْعُودُ لکڑی خشک ہو کر ٹوٹ گئی۔ الحَطْمُ کے معنی کسی چیز کو توڑنے کے ہیں، چاہے کسی طرح سے ہو خشک ہو یا تر۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ حطم خشک چیز کو توڑنے کے ساتھ مخصوص ہے حَطَمَهٗ يَحْطِمُهٗ (ض) حَطْمًا ای کسرہ (لسان) الحَاطُوْمُ: قحط سالی جو مسلسل ہو جس سے لوگ نہایت پراگندہ ہو جائیں۔ إِذَا تَكَسَّرَ يَبِيسُ الْبَقْلِ فهو حُطَامٌ (لسان) اور حَطِمَ حَطْمًا (س) بمعنی عمر رسیدہ ہونا۔

شَرَحَ: أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْإِسْلَامِ، سو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا۔ شرحٌ کے لفظی معنی کھولنے پھیلانے اور وسیع کرنے کے ہیں اور شرح صدر کے معنی وسعت قلب کے ہیں جسکا مطلب یہ ہے کہ قلب میں اس کی استعداد موجود ہو کہ وہ تکوینی آیاتِ الٰہیہ آسمان و زمین اور خود اپنی پیدائش وغیرہ میں غور کر کے عبرت اور فوائد حاصل کرے۔ اسی طرح جو آیات بصورتِ کتاب و احکام نازل کیجاتی ہیں ان پر غور کر کے استفادہ کر سکے۔ اس کے بالمقابل دل کی تنگی اور قساوتِ قلب ہے، جیسا کہ ارشاد ہے يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا اور فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ۔

قٰسِيَةِ: فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ قاسیہ قساوت سے مشتق ہے جسکے معنی ہیں سخت دل ہونا، جس کو کسی پر رحم نہ آئے جو اللہ کے ذکر اور اسکے احکام سے اثر قبول نہ کرے (معارف)

حَجَرٌ قَاسٍ: سخت پتھر، ثُمَّ قَسَتْ قلوبُكُمْ: پھر تمہارے دل سخت ہو گئے۔ قال المبرد: يقال قسا القلب إذا صلب وكذلك عتا وعسا متقاربة لها۔ و قلبٌ قاسٍ ای صلبٌ لا يرقّ ولا يلين (قرطبی)

مُتَشَابِهًا: كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا: کِتَابٌ موصوف ہے، اور متشابہًا اس کی صفت اوّل ہے۔ مراد اس جگہ متماثل ہے، یعنی مضامین قرآنیہ ایکدوسرے سے مربوط

اور متماثل ہیں کہ ایک آیت کی تشریح و تصدیق دوسری آیت سے ہو جاتی ہے، تضاد و تعارض سے بالکل مبرّا ہے، اِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا کیونکہ بہت سارے بیل ہمیں ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں۔

مَثَانِيَ : مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۔ مثانی، کتاب کی دوسری صفت ہے، اور یہ مَثْنٰی کی جمع ہے، جسکے معنی مقرر کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک مضمون کو ذہن نشین کرنیکے لئے بار بار دہراتا رہتا ہے۔

تَقْشَعِرُّ : یہ رُباعی مزید فیہ کے باب اِفْعِلَّالٌ سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اِقْشَعَرَّ يَقْشَعِرُّ اِقْشِعْرَارًا : رونگٹے کھڑے ہونا۔ اسم فاعل مُقْشَعِرٌّ آتا ہے اور اسکی جمع قَشَاعِرُ ہے، حرف میم کو زائد ہونے کی وجہ سے گرا دیا گیا ہے۔

تَلِينُ : ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ، پھر نرم ہوتی ہیں انکی کھالیں اور انکے دل اللہ کی یاد پر۔

تَلِينُ : لَانَ ۔ يَلِينُ ۔ لَيْنًا سے، جس کے معنی نرم ہونے کے ہیں، مضارع کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے۔ لِيْنٌ یہ خُشُونَةٌ کی ضد ہے جسکا استعمال اجسام میں ہوتا ہے، اور بطور استعارہ معانی میں سے نرم خوئی وغیرہ اخلاق کے لئے بھی مستعمل ہے۔ لِيْنٌ اور خشونت دونوں حسب مواقع کبھی مدح کے لئے اور کبھی ذم کے لئے لائے جاتے ہیں۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۔ خدا کی مہربانی سے آپکی افتاد طبع و مزاج ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئے ہیں۔

مُتَشَاكِسُوْنَ: مُتَشَاكِسُوْنَ ، اسم فاعل مذکر بمعنی جھگڑالو۔ شَكَاسَةٌ کا اصلی معنی ہے بدخلقی، اور بد اخلاقی کا لازمی نتیجہ جھگڑا ہے، اگر شرکاء بد اخلاق ہوں تو رواداری کسی میں نہ ہو گی لا محالہ آپس میں جھگڑا کریں گے۔

شَكُسَ (ک) شَكَاسَةٌ : بدخلق ہو گیا، شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُوْنَ : مختلف المزاج لوگ جو اپنی بد مزاجی کی وجہ سے باہم جھگڑتے ہیں۔ التَّشَاكُسُ والتَّشَاخُسُ ۔ الاختلاف ۔ قرطبی عن الزمخشری ۔ شَاكَسَهُ ۔ مُشَاكَسَةً مخالفت کرنا۔ سختی سے پیش آنا۔ تَشَاكَسَ الْقَوْمُ : آپس میں مخالفت کرنا۔ رَجُلٌ شَكِسٌ بد مزاج آدمی، جمع شُكْسٌ كَقُفْلٍ شَكْسٌ شَكِسٌ اور شَرِسٌ سب کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی بد اخلاق ۔ السَّيِّئُ الْخُلُقِ (لسان)

مَيِّتٌ : اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ

لفظ مَیِّتٌ بتشدید الیا راس کو کہتے ہیں جو زمانہ مستقبل میں مرنے والا ہو، اور مَیْتٌ بسکون الیا راسکو کہتے ہیں جو مرچکا ہو (معارف)

اَلْمَیِّتُ بالتشدید مَنْ لَمْ یَمُتْ وسیموت والمَیْتُ بالتخفیف من فارقۃ الروح (قرطبی)

اَسْوَأَ : لِیُکَفِّرَ اللّٰہُ عَنْہُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا ۔ اَسْوَاٌ، سب سے بُرا، یہ سُوْءٌ سے جسکے معنی بُرا ہونیکے ہیں افعل التفعیل ہے سُوْءٌ ہراُس چیز کو کہتے ہیں جوانسان کو غم میں مبتلا کردے چاہے وہ دُنیوی اُمور سے تعلق رکھتی ہو یا اُخروی ۔ اور سَوْءٌ بفتح السین اس چیز کو کہتے ہیں جوانجام کار غم کا موجب ہو۔ سَاءَ یَسُوْءُ سَوْءً سے مصدر ہے اور سُوْءٌ بضمّ السین تمام برائیوں کے لئے اسم ہے (لسان)

کَافٍ : اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ : کیا اللہ بس نہیں ہے اپنے بندہ کو ۔ کافٍ اسم فاعل واحد مذکر ۔ اس کی جمع کُفَاۃٌ آتی ہے ۔ کَفٰی یَکْفِیْ کِفَایَۃً (ض) یہ اصل میں کافِیٌ تھا ۔ صرفی تعلیل کی وجہ سے یا رگرگئی ہے بمعنی پورا حاجت روا ۔ ایسا کام پورا کرنے والا کہ اسکے بعد کسی دوسرے کی احتیاج نہ رہے اگرچہ اس کی جمع آتی ہے

مگر صیغہ واحد کا جمع اور تثنیہ کے لئے برابر استعمال ہوتا ہے کہا جاتا ہے رَجُلٌ کَافِیْکَ ورَجُلَانِ کَافِیْکَ ورِجَالٌ کَافِیْکَ ،

اَرَادَ : اُسنے چاہا، ارادہ کیا، اَرَادَنِیْ : اس نے مجھ کو چاہا، میرے متعلق ارادہ کیا رادَ یَرُوْدُ رَوْدًا : طلب کرنا، کسی شے کی تلاش میں گھومنا اور آنا جانا ، رَاوَدَہٗ مُرَاوَدَۃً : چاہنا ، رَاوَدَہٗ عن نفسِہٖ وعلیہا کے معنی ہیں فریب دینا، دھوکہ دینا، پھسلانا ۔

یَتَوَفّٰی : اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا والَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا : اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو انکے مرنے کا، اور جو نہیں مرتا اُن کو کھینچ لیتا ہے اُن کی نیند میں ۔ تَوَفّٰی بلفظی معنی لے لینے اور قبض کرلینے کے ہیں ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ جانداروں کی ارواح ہرحال ، ہر وقت اللہ تعالیٰ کے زیرِ تصرف ہیں ۔ وہ جب چاہے ان کو قبض کرسکتا ہے اور واپس لے سکتا ہے اور اس تصرفِ خداوندی کا ایک مظاہرہ تو ہر جاندار روزانہ دیکھتا ہے کہ نیند کے وقت اسکی روح ایک حیثیت سے قبض ہوجاتی ہے اور پھر بیداری

کے بعد واپس ملجاتی ہے اور آخرکار ایک وقت
ایسا بھی آئے گا کہ بالکل قبض ہو جائیگی واپس
نہ ملے گی۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ قبض روح کے
معنی اسکا تعلق بدن انسانی سے قطع کردینے کے
ہیں، کبھی یہ ظاہراً اور باطناً بالکل منقطع کردیا
جاتا ہے اس کا نام موت ہے اور کبھی صرف
ظاہراً منقطع کیا جاتا ہے باطناً باقی رہتا ہے جسکا
اثر یہ ہوتا ہے کہ صرف حس اور حرکت ارادیہ جو
ظاہری علامت زندگی کی ہے وہ منقطع کردی جاتی ہے
اور باطناً تعلق روح کا جسم کیساتھ باقی رہتا ہے،
جس سے وہ سانس لیتا ہے اور زندہ رہتا
ہے اور صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ روح
انسانی کو عالم مثال کے مطالعہ کی طرف
متوجہ کر کے اس عالم سے غافل اور معطّل
کردیا جاتا ہے تاکہ انسان مکمل آرام پاسکے
اور یہ باطنی تعلق بھی منقطع ہو جاتا ہے،
جس کی وجہ سے جسم کی حیات بالکل ختم ہو جاتی
ہے، آیت مذکورہ میں لفظ توفّی بمعنی قبض
بطور عموم مجاز کے دونوں معنی پر حاوی ہے
موت اور نیند دونوں میں قبض روح کا
یہ فرق جو اوپر بیان کیا گیا ہے حضرت
علی کے ایک قول سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے
انھوں نے فرمایا کہ سونے کے وقت انسان
کی روح اس کے بدن سے نکل جاتی ہے مگر
ایک شعاع روح کی بدن میں رہتی ہے
جس سے وہ زندہ رہتا ہے اور اسی رابطہ
شعاعی سے وہ خواب دیکھتا ہے۔ پھر یہ
خواب اگر روح کے عالم مثال کی طرف متوجہ
رہنے کی طرف دیکھا گیا تو وہ سچا خواب ہوتا ہے
اور اگر اس طرف سے بدن کی طرف واپسی کی
حالت میں دیکھا تو اس میں شیطانی تصرفات
ہو جاتے ہیں وہ رؤیا صادقہ نہیں رہتا، اور
فرمایا نیند کی حالت میں جو روح انسانی
اس کے بدن سے نکلتی ہے تو بیداری کے
وقت آنکھ جھپکنے سے بھی کم مقدار وقت میں
بدن میں واپس آجاتی ہے (معارف القرآن
قرطبی صفحہ ۲۶۲ ج ۱۵ تا صفحہ ۲۶۳)

اِشْمَأَزَّتْ : وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ
اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ ، جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو
ان لوگوں کے دل منقبض ہو جاتے ہیں جو آخرت
کا یقین نہیں رکھتے۔ اِشْمَأَزَّتْ، وہ رک
گئی۔ اس نے نفرت کی۔ اِشْمِئْزَازٌ سے جس
کے معنی غم وغصہ سے اس طرح بھر جانا کہ چہرے
سے رکاوٹ اور نفرت کا اظہار ہونے لگے۔
واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے باب اِفْعِلَّالٌ

اِقْشَعَرَّتْ کے وزن پر ہے۔ اصل مادہ شَمْزٌ ہے، شَمَزَتْ نَفْسُهٗ مِنْهُ: مکروہ سمجھ کر نفرت کرنا۔ اِشْمَأَزَّ اِشْمِئْزَازًا خوف زدہ ہونا، کراہت سے رونگٹے کھڑے ہونا۔ اِشْمَأَزَّ مِنْهُ منقبض ہونا، تنگ دل ہونا۔ الشَّمْزُ: التَّقَبُّضُ اِشْمَأَزَّ اِشْمِئْزَازًا۔ انقبض واجتمع بعضه الی بعض (لسان)

حَاقَ: وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ حَاقَ يَحِيْقُ حَيْقًا و حُيُوْقًا۔ گھیرنا احاطہ کرنا کسی چیز پر نازل ہونا۔ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ، اور بُری چال کا وبال اُس کے چلنے والے پر ہی پڑتا ہے۔ حَاقَ بِهِمْ۔ ای احاطہ بھم ونزل (قرطبی) یہ حرف باء کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔

خَوَّلْنَا: ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا پھر جب ہم اسکو اپنے کرم سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں خَوَّلْنَا تَخْوِيْلٌ سے ماضی کا صیغہ ہے جسکے معنی ہیں کسی چیز کا مالک بنانا، کسی کو کوئی چیز عطا کرنا، علامہ راغب نے لکھا ہے کہ تخویل کے اصل معنی حشم وخدم عطا کرنے کے ہیں، اور بعض نے کہا ہے کہ خوّل کے معنی ایسی چیز عطا کرنے کے ہیں جس کی نگہداشت کی ضرورت پڑے (دیکھئے سورۂ انعام)

السّٰخِرِيْنَ: وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ، اور میں تو تمسخر ہی کرتا رہا، سَخِرْتُ منه وَاسْتَسْخَرْتُهٗ کسی سے مذاق کرنا، ہنسی اُڑانا۔ سَاخِرٌ اسم فاعل سَاخِرِيْنَ جمع۔

مَقَالِيْدُ: لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، اُسی کے اختیار میں ہیں زمین و آسمان کی کنجیاں۔ مقالید جمع مِقْلَاد یا مِقْلِيْدٌ کی ہے۔ جو قفل کی کنجی کے لئے بولا جاتا ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ دراصل یہ لفظ فارسی زبان سے معرب کیا گیا ہے فارسی میں کنجی کو کلید کہتے ہیں، معرب کرکے اسکو اقلید بنایا گیا پھر اسکی جمع مقالید لائی گئی (روح) کنجیوں کا کسی کے ہاتھ میں ہونا اسکے مالک اور متصرف ہونے کی علامت ہے اس لئے مراد آیت کی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو خزانے نعمتوں کے مستور ہیں ان سب کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں وہی انکا محافظ اور وہی ان کا متصرف ہے کائناتِ الٰہی میں اس کے سوا کوئی دوسرا مختار متصرف نہیں۔

مَطْوِيّٰتٌ: وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ: طَوَيْتُ الشَّيْءَ، کسی چیز کو

اس طرح لپیٹ لینا جیسا کہ کپڑے کو اسکی درز پر لپیٹ دیا جاتا ہے ۔ طویت الفلاۃ : جنگل کو قطع کرنا، اس کے معنی یہ ہیں کہ جنگل کی مسافت کو قطع کیا ۔ طوی اللّٰہُ عُمْرَہٗ : اللہ نے اسکی عمر پوری کردی، اسی سے مطویّات ہے، جسکے معنی لپیٹنے کے ہیں اور مراد اس سے فنا ہے معنی آیت کے یہ ہونگے کہ جس روز آسمان کو فنا کردیا جائیگا، مَطْوِیَّۃٌ واحد، طیٌّ، باب ضرب کا مصدر، لپیٹے گئے ۔

اَشْرَقَتْ : وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اٹھی، شَرَقَتِ الشَّمْسُ شُرُوْقًا، آفتاب طلوع ہوا، مثل مشہور ہے لَا اَفْعَلُ ذَالِكَ مَاذَرَّ شَارِقٌ وَاَشْرَقَتْ : جب تک طلوع آفتاب ہوتا رہیگا میں یہ کام نہیں کروں گا (راغب)

اَشْرَقَتْ : اَضَاءَتْ (ابن قتیبۃ) [۱]

[۱] الشَّرْقُ ، شگاف کو کہتے ہیں ۔ شَرَقَ الشَّاۃَ بکری کا کان چیر دیا ۔ التَّشْرِیْقُ : گوشت کو چیرنا، کاٹنا ایام التّشریق : عیدالاضحیٰ کے تین دن جنمیں قربانی کا گوشت خشک کرنیکے لیے دھوپ میں رکھاجاتا تھا، اَلْمَشْرِقُ : طلوع آفتاب کی سمت جائے طلوع، یہ مغرب کے مقابل ہے ۔ علامہ راغب فرماتے ہیں کہ مشرق و مغرب جب مفرد ہوں تو ان سے شرقی اور غربی جہت مراد ہوتی ہے جیسے کہ رَبُّ الْمَشْرِقِ والمَغْرِبِ، مراد یہ ہے کہ وہ پوری کائنات کا رب ہے ۔ اور جب تثنیہ ہو تو موسم سرما اور گرما دونوں مراد ہوتے ہیں، اور جمع ہوں تو ہر روز کا مشرق و مغرب مراد ہوتا ہے جیساکہ وربّ المشارق، وہ تمام مشرقوں کا رب ہے، اور مکانًا شَرْقِیًّا (مریم) مشرق کی سمت والا مکان جس طرف سے سورج نکلتا ہے، الشَّرْقُ (بسکون الرّاء) سمت، جہت، اور شَرَقٌ : (بفتح الراء) سورج کو کہاجاتا ہے، یہاں مکانًا شرقیًّا سے مراد بیت المقدس کا وہ محراب ہے جو شرقی حصہ میں واقع تھا یہی حضرت مریم کا معبد تھا بعض حضرات نے اس سے مراد ناصرہ لیا ہے لیکن یہ اس لئے صحیح نہیں کہ ناصرہ تو یروشلم کے شمال میں واقع ہے نہ کہ مشرق میں ۔ سورۂ نور میں ہے لَا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ، مطلب یہ ہے کہ اس کا نور مشرق و مغرب کی جہات سے بلند و بالا ہے اس کی روشنی عالمگیر ہے اور تمام کائنات کو محیط ہے ۔

سِيْقَ : وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۔ سِيْقَ : وہ ہانکا گیا، سَوْقٌ مصدر ہے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے ۔ سَائِقٌ اسم فاعل ہانکنے والا ۔

زُمَرًا : زُمْرَةٌ کے معنی چھوٹی سی جماعت کے ہیں اس کی جمع زُمَرٌ ہے اور اسی سے شَاةٌ زَمِرَةٌ ہے جس کے معنی کم اُون والی بھیڑ کے ہیں اور بے مروت آدمی کو زمرٌ کہا جاتا ہے اور زَمَرَتِ النَّعَامَةُ تَزْمِرُ زِمَارًا کے معنی ہیں شتر مرغ نے سیٹی بجائی اور اسی سے کنایہ کے طور پر فاجرۃ عورت کو زَمَّارَۃٌ زمارۃٌ کہا جاتا ہے ۔ الزُّمَرُ الجماعات واحد تھا زُمْرَةٌ كَظُلْمَةٍ وَ غُرْفَةٍ (قرطبی)

حَافِّيْنَ : وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَافِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ ، اور تم فرشتوں کو دیکھو گے عرش کے ارد گرد گھیرے ڈالے ہوئے ہیں ۔ الحَفُّ کے معنی ہیں کسی چیز کو حافتین یعنی دونوں جانب سے گھیرنے یا احاطہ کرنے کے وَحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ ، اور ہم نے انکے گرداگرد کھجوروں کے درخت لگا دیئے تھے حَافِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یعنی اس کے دونوں جانب کو ملائکۃ اللہ گھیرے میں لئے ہوئے ہیں ۔ ایک حدیث میں ہے تَحُفُّهُ الْمَلٰٓئِكَةُ بِاَجْنِحَتِهَا : فرشتے ان پر اپنے پروں سے گھیرے ڈال لیتے ہیں اس کی واحد حَافٍّ آتی ہے، حافات الشئی : کسی چیز کے اطراف اور کنارے ۔ حَافِّيْنَ کی واحد حَافٍّ ہے لیکن فراء کا قول ہے کہ اس کی واحد نہیں آتی (البیان ابن الانباری)

تمت

شرح الفاظ القرآن من سورۃ المؤمن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

غَافِر : غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ :
غَافِرِ الذَّنْبِ کے لفظی معنی ہیں گناہوں پر پردہ ڈالنے والا، معاف کرنے والا، غَافِر اسم فاعل کا صیغہ ہے اصل مادہ غَفْرٌ ہے، جس کے معنی کسی کو ایسی چیز پہنا دینے کے ہیں جو اس کو میل کچیل سے محفوظ رکھ سکے، محاورہ ہے اغْفِرْ ثَوْبَکَ فِی الْوِعَاءِ : کہ اپنے کپڑوں کو صندوق وغیرہ میں ڈال کر محفوظ رکھ لو، اِصْبغْ ثَوْبَکَ فَاِنَّهٗ اَغْفَرُ لِلْوَسَخِ کپڑے کو رنگ لو کیونکہ وہ میل کچیل کو زیادہ چھپانے والا ہے۔ غَفْرٌ : چھپانا، پردہ ڈالنا۔ غَفَرَ المتاع فی الوعاء : سامان کو کسی برتن میں ڈالکر چھپانا۔ اللہ کی طرف سے غفران اور مَغْفِرَۃٌ کے معنی ہوتے ہیں بندے کو گناہوں سے بچا لینا الغافِرُ اور الغفور دونوں اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں، جن کے معنی ہیں گناہوں کے بخشنے والا

قَابِل : قَابِلِ التَّوْبِ : اس کے لفظی معنی ہیں توبہ قبول کرنے والا۔ قَابِلٌ : اسم فاعل ہے۔ یہ باب نصر۔ ضرب۔ سمع تینوں سے آتا ہے اور سب کے معنی قبول کرنیکے ہوتے ہیں بشرطیکہ حرف بار کے ساتھ متعدی ہو، جیسے قَبِلَ بِهٖ یَقْبِلُ بِهٖ۔ قَبَلَ بِهٖ یَقْبِلُ بِهٖ یَقْبُلُ بِهٖ، سب کا مصدر قُبَالَۃٌ آتا ہے اگر متعدی بالبار نہ ہو تو کبھی لازم آتا ہے تو اسوقت اس کے معنی سامنے آنے کے ہوتے ہیں، اور باب سمع سے آتا ہے جیسے قَبِلَتِ اللَّیْلَۃُ : رات سامنے آگئی اور کبھی بغیر حرفِ جر کی وساطت سے خود متعدی ہوتا ہے۔ اسوقت بھی سمع سے آتا ہے جیسے قَبِلَہٗ : اسکو قبول کیا اسوقت اسکا مصدر قُبُوْلٌ آتا ہے آیت کریمہ میں قَابِلٌ اسم فاعل اسی سے آیا ہے، بمعنی قبول کرنے والا۔ اور اگر قبل کے بعد حرف عَلیٰ آئے تو اس کے معنی چمٹنے اور شروع کرنے کے ہوتے ہیں جیسے قَبِلَ عَلَی الشَّیْءِ کسی چیز پر چمٹ گیا یا اسکو شروع کیا (لسان و قاموس)

الطَّوْلُ : شَدِیْدُ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ : طَوْلٌ کے لفظی معنی وسعت و غنا کے ہیں

اور قدرت کے معنی میں بھی آتا ہے، فضل و
غنا اور احسان کے معنی میں بھی - یہ طَالَ
یَطُوْلُ کا مصدر ہے، امام راغب فرماتے ہیں
کہ طَوْلٌ فضیلت اور احسان کے لئے مخصوص
ہوگیا ہے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ طول کے
اصل معنی انعام و فضل کے ہیں کہا جاتا ہے
اَللّٰهُمَّ طُلْ عَلَيْنَا، یعنی اے اللہ تو ہم پر
انعام اور فضل کر اور ابن عباس رضی اللہ عنہ
نے ذِی الطول کے معنی ذی النعم کئے ہیں،
اور مجاہد نے ذی الغنی والسَّعَۃِ کئے ہیں -
قرآن پاک سے ان معنی کی تائید بھی ہوتی ہے
جیساکہ ارشاد ہے وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ
طَوْلًا، یہاں طَوْل سے مراد وسعت غنی ہے
حاصل سب کا ایک ہی ہے، صاحب لسان
العرب لکھتے ہیں کہ والطول والطَّائِلُ
والطائلۃُ : الفضل والقدرۃ والغنی
والعُلُوُّ (لسان) واصل الطول: الانعام
والفضل (قرطبی) والطَّوْلُ خُصَّ بِهِ
الْفَضْلُ وَالْمَنُّ (راغب)
الطول : التَفَضُّلُ - يقال: طُلْ عَلَيَّ
بِرَحْمَتِكَ : اى تَفَضَّلْ (غريب القرآن)
يُدْحِضُوْا ، لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ :
تاکہ حق کو (باطل سے) دبالیں -

دَحَضَ (ف) دَحْضًا و دُحُوْضًا دَحَضَ
الْحُجَّةَ : دلیل کو باطل کرنا، دَحَضَ رِجْلُهٗ
پاؤں پھسلنا - حُجَّةٌ دَاحِضَةٌ، باطل
ہونے والی دلیل، مَكَانٌ دَحْضٌ: پھسلنی جگہ
شَیْءٌ : رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً
وَّعِلْمًا، شَیْءٌ : چیز، کچھ، لفظ شئ اپنے
مفہوم لغوی کے اعتبار سے ہر اس چیز
کے لئے آتا ہے جس کو معلوم کیا جاسکے،
اور اس کے متعلق خبر دی جاسکے خواہ کچھ
ہی ہو، یہ اصل میں شَاءَ کا مصدر ہے
جو ایک مفہوم کے لئے بولا جاتا ہے اور اس
مفہوم میں صرف اس پر اکتفا کیا گیا ہے
کہ اس سے مشیت کے تعلق کا اعتبار ہو،
خواہ علم کی حیثیت سے خواہ خبر دینے کی
حیثیت سے - علامہ راغب فرماتے ہیں کہ
اکثر متکلمین کے نزدیک یہ اسم مشترک ہے
جو اللہ تعالیٰ اور اس کے ماسوا پر بھی بولا جاتا
ہے اور موجودات اور معدومات سب کو
شئ کہدیتے ہیں اگرچہ بعض کے نزدیک
شئ کا لفظ صرف موجودات پر بولا جاتا ہے
جب ذات باری پر اس کا اطلاق ہو تو یہ
مصدر بمعنی اسم فاعل، شَاءٍ : چاہنے والا،
کے ہوتا ہے، اور غیر اللہ کے لئے بولا جائے

تو بمعنی اسم مفعول مَشِیْئٌ کے ہوتا ہے اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْئٍ میں لفظ شئی بمعنی اسم مفعول آیا ہے اس لئے یہ عموم پر محمول ہوگا اس سے کسی قسم کا استثناء نہیں کیا جائے گا۔
اور آیت کریمہ قُلْ اَیُّ شَیْئٍ اَکْبَرُ شَھَادَۃً میں شَیْئٍ بمعنی اسم فاعل ہے، والشئُ فی اللغۃ ما یَصِحُّ ان یعلم ویخبر عنہ عند سیبویہ۔ وقیل الشئی عبارۃ عن الوجود واسم لجمیع المکنونات عَرَضًا کان او جوھرًا۔ ویصح ان یعلم ویخبر بہ وفی الاصطلاح: ھوالموجود الثابت المتحقق فی الخارج، تعریفات ص۱۱۴ و مجموعہ ص۳۴۳ ۔ شئی کی جمع اَشْیَاء آتی ہے اور یہ غیر منصرف ہے، خلیل، سیبویہ اور جمہور بصریین کے نزدیک اسکی اصل شَیْئَاءُ ہے فَعْلَاءُ کے وزن پر، عرب ایسے جملہ کو ثقیل قرار دیتے ہیں جس دو ہمزوں کے درمیان الف ہو، لہٰذا اسمیں قلب مکانی کرکے پہلے ہمزہ کو جو لام کلمہ ہے شین سے مقدم کیا اب اس کا وزن لَفْعَاءُ ہوگیا ہے جو الف ممدودہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے، صاوی ص۳۰۸/۱۷ مظہری ص۱۹۱/۳۲

مَقْتٌ: لَمَقْتُ اللّٰہِ اَکْبَرُ مِنْ مَّقْتِکُمْ اَنْفُسَکُمْ، مَقْتٌ ومَقَاتَۃٌ دونوں مصدر ہیں باب نصر سے، کسی شخص کو برائی کا مرتکب دیکھ کر اس سے نفرت کرنا، اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرلینے کو نکاح مقت کہا جاتا ہے، کہ سلیم الفطرت طبائع اس سے نفرت کرتی ہیں اس لفظ کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔

التَّلَاقِ: لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ، تاکہ یوم الاجتماع سے ڈرائے۔ تَلَاقٍ ایک دوسرے سے ملاقات کرنا، باہم جمع ہونا یہ اصل میں تَلَاقِیٌ ہے۔ یٰ حرف علت آخر سے گر گیا ہے
یوم التلاق: ھو یوم القیٰمۃ الذی یتم فیہ لقاء اللّٰہ تعالیٰ بعبادہ (معجم الفاظ القرآن) علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ یوم التلاق سے مراد ہے یوم الآخرۃ اور اسکو یوم التلاق کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اسمیں متقدمین اور متاخرین سب جمع ہونگے، اس طرح ارض وسما، دونوں کی مخلوقات کا اجتماع ہوگا اور ہر آدمی کو اس کے نامۂ اعمال سے ملاقات بھی کرائی جائے گی، تلاقٍ باب تفاعل کا مصدر ہے

الْاٰزِفَۃُ: وَاَنْذِرْھُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَۃِ: اٰزِفَۃٌ کے لفظی معنی ہیں قریب آجانے والی کے۔ قیامت چونکہ برابر قریب آتی جارہی ہے اس لئے اسماء قیامت میں ایک نام آزِفَۃٌ بھی پڑ گیا ہے۔ سُمِّیَتْ بِذٰلِکَ لِاَنَّھَا

آزِفَةُ : اذ كلّ ما هو آتٍ قريبٌ (قرطبی)
میرے استاذ حضرت مولانا عبدالرشید صاحب
نعمانی فرماتے ہیں کہ آزفۃ کے اصلی معنی تنگی
وقت کے ہیں، چونکہ تنگیٔ وقت کا مطلب وقت
کا قریب آلگنا ہوتا ہے اس لئے اسکا استعمال
قریب آلگنے میں ہونے لگا، مکانٌ متآزفٌ
تنگ مکان، والآزفۃ: القیامۃ لقربھا
وان استبعد الناس مداھا (لسان العرب)

کٰظِمِیْنَ : اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَی الْحَنَاجِرِ
کٰظِمِیْنَ ۔ کَظْمٌ، کظم کے اصل معنی مخرج النفس
سانس کی نالی کے ہیں، اَخَذَ بِکَظْمِہٖ، اسکی سانس
کی نالی کو پکڑ لیا، یعنی غم میں مبتلا کردیا، الکظوم
کے معنی سانس رکنے کے ہیں، اور خاموش ہوجانے
کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ انتہائی خاموشی
کو ظاہر کرنے کے لئے کہا جاتا ہے فلانٌ لَا یَتَنَفَّسُ
کہ فلاں سانس نہیں لیتا، یہاں کاظمین سے مراد
وہ لوگ ہیں جنکے سانس آخرت میں گھٹ گھٹ
جائیں گے اس لفظ کی مزید وضاحت والکٰظمین
الغیظ کے تحت گزرچکی ہے۔

وَاقٍ : وَمَا کَانَ لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ وَّاقٍ
وَقَیْتُ الشَّیْئَ (ض) وِقَایَۃً وِوِقَاءً، کسی چیز
کو مضر اور نقصان دینے والی چیزوں سے بچانے
کے ہیں وَوَقٰھُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ، اور خدا نے
انکو عذاب دوزخ سے بچالیا، وَاقٍ، اسم فاعل
کا صیغہ ہے، بچانے والا، وَمَا کَانَ لَھُمْ مِّنَ
اللّٰہِ مِنْ وَّاقٍ، اور اُن کو خدا کے عذاب سے کوئی
بچانے والا نہیں۔

مُسْرِفٌ : اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ
مُسْرِفٌ کَذَّابٌ، مُسْرِفٌ باب افعال کے
مصدر اسرافٌ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، حد سے
بڑھنے والا، کسی کام میں اعتدال سے آگے بڑھنے والا
بےاندازہ صرف کرنیوالا، حرام چیز کھانے والا،

التَّنَادِ : اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ یَوْمَ التَّنَادِ
مجھے تمہاری بابت پکار کے دن کی طرف سے خطرہ ہے
یَوْمَ التَّنَادِ سے مراد یہاں قیامت کا دن ہے،
پکار والا دن، چونکہ یہ دن نہایت ہولناک
دن ہوگا۔ اہل کفر و بدعت عذاب آخرت کو دیکھکر
مدد کے لئے پکاریں گے مگر مدد نہ ملے گی، حافظ
ابن جریرؒ لکھتے ہیں کہ یوم ینادی الناس بعضہم
بعضا من فزع نفخۃ الفزع (ابن جریر ص ۲۴/۴۷ بیروت)
تَنَادِ، بکسر الدال مخفف ہے، اصل میں یتنادیٰ
ہے جسکے معنی باہم ایکدوسرے کو ندا دینا، پکارنا
قیامت میں چونکہ بے شمار ندائیں اور آوازیں
ہونگی اس لئے اس کو یَوْمَ التَّنَادِ کہا گیا ہے،
اسمیں ایک قراءت تَنَادِّ بتشدید الدال ہے جو
نَدَّ یَنِدُّ سے مشتق ہے جسکے معنی بھاگنے کے ہیں، تو

اس قرارت پر یَوْمَ التَّنَادِ کے معنی ہونگے کہ بھاگنے کا دن، اور تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ اسکی تفسیر ہوگی، علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ بعض اہلِ زبان نے اس قرارت کو لحن اور غلط قرار دیا ہے، مفسّر ابن جریر نے بھی دال کی تخفیف والی قرارت کو ہی ترجیح دی ہے، دیکھئے صفحہ ۴۱۴ تا ۴۱۱ ج ۲۴ البحر المحیط، ص ۴۶۳ ج ۷ تا ص ۴۶۴، القرطبی ص ۳۱۱ ج ۱۵،

رَشَادِ : وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ میں تمہیں ٹھیک راستہ بتا رہا ہوں۔ رشَادِ: نیکی، راستی، بھلائی، یہ رَشَدَ يَرْشُدُ (ن)، کا مصدر ہے بمعنی راہِ راست اختیار کرنا،

النَّجٰوةِ : اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ، میں تمہیں نجات کیطرف بلاتا ہوں، للنجاۃ، نجا، يَنْجُوْ کا مصدر ہے، رہائی پانا، چھٹکارا حاصل کرنا، رہائی۔ بچاؤ۔ چھٹکارا۔

اُفَوِّضُ : وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَى اللّٰهِ اور میں اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں، فَوَّضَ کا صلہ جب الیٰ آتا ہے تو اسکے معنی ہوتے ہیں کوئی معاملہ کسی کے سپرد کر دینا، فَوَّضَ اِلَيْهِ الْاَمْرَ کسی کو اختیار سپرد کر دینا، اور حاکم شاد نیا اَمْرُهُمْ فَوْضٰى بَيْنَهُمْ، لوگوں کا ایکدوسرے کے معاملہ میں اپنا شریک ہونا کہ ہر ایکدوسرے کے معاملہ میں تصرف کرنیکا حق رکھتا ہو۔

اَمْوَالُهُمْ فَوْضٰى بَيْنَهُمْ : وہ مال میں برابر کے شریک ہیں۔ شِرْكَةُ مُفَاوَضَةٍ ایسی شرکت کہ جسمیں مال اور تصرّف اور دین کے لحاظ سے تمام لوگ برابر ہوں اور ایکدوسرے کے وکیل ہوں اس کے مقابلے میں شرکت عِنان ہے اس تصرف میں سب برابر نہیں ہوتے اور نہ کوئی دوسرے کا وکیل ہوتا ہے، مُفَاوَضَةُ الْعُلَمَاءِ: علمی مسائل میں مذاکرہ اور مباحثہ کرنا تاکہ ایکدوسرے کی تحقیق معلوم ہو جائے۔ تَفَاوَضَ الْقَوْمُ فِیْ كَذَا : بعض کا بعض کے ساتھ شریک ہونا اور فَوَّضَ الْمَرْاَةَ : عورت کا بغیر مہر کے نکاح کر دینا۔ قرآن پاک میں یہ مادہ صرف ایک ہی دفعہ اسی مقام پر آیا ہے۔

بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ : وَاَوْرَثْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ : یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے عبرانی میں اسکے معنی اللہ کے برگزیدہ یا اللہ کے بندے کے ہیں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپکے دو نام ہوں۔ ایک یعقوب اور دوسرا اسرائیل،

اسرائیل : ابراہیم اور اسمٰعیل کی طرح علمیت اور عجمہ ہونیکی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ بَنِیْ : اصل میں بنین سے جمع کا نون اضافت کی وجہ سے گر گیا ہے، اصل مادہ بَنْیٌ یا بَنْوٌ ہے، علامہ قرطبی نے زجاج کا قول نقل کیا ہے کہ اسکی اصل

بُنَیٌّ ہے اور اخفش نے اس کو واوی کہا ہے،
اسلئے کہ واؤ کا حذف ثقل کی وجہ سے زیادہ ہے
تصغیر بُنَیٌّ آتی ہے، ندا کے وقت کہتے ہیں یَا بُنَیَّ
و یَا بُنَیِّ (بفتح الیاء وکسرھا) دونوں لغت
ہیں جیسے یَا اَبَتِ اور یَا اَبَتَ، اور اصل بنا ر سے
مشتق ہے جسکے معنی ایک چیز کو دوسری چیز پر
رکھنا، وھو مشتق من البناء: وھُوَ وضع
الشیٔ علی الشیٔ - والابن فرعٌ للاب وھو
موضوع علیه قرطبی ص ۳۳۰

لفظ اسرائیل میں چند لغات ہیں۔ اسرائیل،
اِسرائل، بغیر حرف یار کے و اسرائلَ اور بنو تمیم
اسرائین پڑھتے ہیں لام کو نون سے تبدیل کر دیتے ہیں
المُسِیْءُ: اسم فاعل، مصدر اساءۃٌ، باب افعال
اصل مادہ سُوْءٌ - بدی اور برائی کرنیوالا، گنہگار،
سَوْءٌ ناپسندیدہ چیز جس سے آدمی کبیدہ خاطر
ہو۔ اس مادہ کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔
المُسِیْءُ۔ الّذی یعمل السّیّئات (قرطبی)

دَاخِرِیْنَ: سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ
وہ عنقریب جہنم میں ذلیل ہوکر داخل ہونگے،
دَخَرٌ اور دُخُوْرٌ کے معنی ذلیل و خوار ہونے کے
ہوتے ہیں، اَدْخَرْتُهٗ فَدَخَرَ: میں نے اس کو
ذلیل کیا اور وہ ذلیل ہو گیا۔ سورۂ صافات میں
منکرین بعث کو زجر کرتے ہوئے ارشاد ہے، قُلْ
نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ - آپ فرما دیجئے کہ یہی
نہیں کہ تمہیں اُٹھایا جائے گا بلکہ تم ذلیل بھی ہوگے
سورۂ نمل میں ارشاد ہے کہ وَکُلٌّ اَتَوْهُ
دٰخِرِیْنَ۔ سورۂ آلِ عمران میں جو گزرا ہے وَمَا
تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ تو یہ اس باب سے
نہیں بلکہ اس کا مادہ ذخر ہے جسکے معنی ہیں مستقبل
کے لئے کسی چیز کو جمع کرنا، ذخیرہ کرنا۔ یہ اصل
میں تَذْتَخِرُوْنَ تھا۔ پہلے تار کو دال میں تبدیل کیا
گیا ہے پھر ذال کو دال بناکر دال کو دال میں مدغم
کر دیا گیا ہے، حدیث میں ہے اِنَّ النّبیَّ صلی اللہ
علیه وسلم کان لا یدّخر لغدٍ، یعنی حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کل کے لئے ذخیرہ نہیں کرتے تھے۔

اَغْلَالٌ: اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ
اَغْلَالٌ: ہتھکڑیاں، قیدیں، طوق، یہ غُلٌّ کی
جمع ہے، غلٌّ اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے قید
کیا جائے اور اعضاء کو باندھا جائے غُلَّ فُلَانٌ
اُسے طوق سے باندھ دیا گیا، خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ:
اس کو پکڑو اور طوق ڈالدو۔ سَلٰسِلُ: زنجیریں
یہ سِلْسِلَةٌ کی جمع ہے سِلْسِلَةٌ کے معنی اصل میں ایک
شے کے دوسری شے کے اتصال کے ہیں۔ زنجیر میں
بھی چونکہ کڑیاں ایکدوسرے سے ملی ہوئی ہوتی ہیں
اسلئے اسکو سِلْسِلَةٌ کہتے ہیں۔ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا
سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ پھر زنجیر سے جسکا

ناپ ستر گز ہے جکڑ دو، (الحاقہ)

یُسْحَبُوْنَ : یُسْحَبُوْنَ فِی الْحَمِیْمِ :

اَلسَّحْبُ کے اصل معنی کھینچنے کے ہیں، چنانچہ دامن زمین پر گھسیٹ کر چلنے یا کسی انسان کو منہ کے بل گھسیٹنے پر سحبٌ کا لفظ بولا جاتا ہے السحبُ جرّكُ الشیئ علی وجہ الارض کالثوب وغیرہ (لسان) اصل السَّحْبُ جرّكُ الشیئ علی وجہ الارض کالثوب وغیرہ (لسان) اصل السحب الجرّ کسحب الذّیل والانسان علی لوجہ (راغب) بادل کو سَحَابٌ کہا جاتا ہے یا تو اس لئے کہ ہوائیں اس کو کھینچ کر لے چلتی ہیں اور یا پھر اس لئے کہ وہ چلنے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ گھسٹتا ہوا چل رہا ہے۔

یُسْجَرُوْنَ : ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ (آیت ۷۲) پھر آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ اَلسَّجْرُ کے اصل معنی زور سے آگ کو بھڑکانے کے ہیں اور سَجَرْتُ التَّنُّوْرَ کے معنی ہیں میں نے تنور کو بھڑکایا، اسکو ایندھن سے بھر کر جلا دیا، اسی سے ہے، وَالْبَحْرُ الْمَسْجُوْرُ، جوش مارنے والے سمندر کی قسم، اَلسَّجْرُ تَهْيِيْجُ الشیئ (راغب) صاحب لسان العرب نے لکھا ہے کہ سَجَرَ کے معنی کسی چیز کو بھر دینے کے ہیں، سَجَرْتُ النَّهْرَ: میں نے نہر کو بھر دیا، سَجَرَ اور سَجَّرَ (تفعیل) دونوں برابر ہیں۔ اور ارشاد باری ہے وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ اور جب سمندر بھر دیئے جائیں گے، ثعلب نے اسکے معنی مُلِئَتْ کئے ہیں۔ ابن سیدہ کا قول ہے کہ سَجَرَت کا لفظ آگ کے بھڑکانے پر بولا جاتا ہے۔

عربی لغات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ سجَرَ کے اصل معنی تو کسی چیز کو بھر دینے کے ہیں، بعد میں یہ معنی آگ کے بھڑکنے کے ساتھ مخصوص ہوگئے ہیں اور یہ لفظ آگ کا تنور اور بھٹی وغیرہ بھرنے پر ہی بولا جاتا ہے چنانچہ ابن سیدہ کا قول ہے وَلَا وَجْهَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ ملئت نارًا، اہل عرب کا محاورہ ہے سَجَرْتُ الاِنَاءَ وَسَجَرْتُهٗ یعنی میں نے برتن کو بھر دیا، اور سَجَرْتُ التَّنُّوْرَ کے معنی ہونگے میں نے تنور کو لکڑیوں سے بھر کر بھڑکا دیا، صاحب لسان العرب نے نقل کیا ہے کہ کلام عرب میں مَسْجُوْرٌ مَمْلُوْءٌ کے معنی میں آتا ہے المسجورُ فی کلام العرب المملوءُ (لسان) عرب کا مشہور ترین شاعر لبید بن ربیعہ کہتا ہے ؎

فتوسطا عُرْضَ السَّرِیِّ وَصَدَّعَا
مَسْجُوْرَةً مُتَجَاوِرًا قُلَّامُهَا

پس وہ دونوں ایک نہر کے کنارے داخل ہوئے

اور پار کیا ایسے بھرے ہوئے چشمہ کو جس پر قلام نامی گھاس بہت گنجان تھی شاعر نے یہاں مسجورۃ سے مراد بھرا ہوا چشمہ مراد لیا ہے، ساجرؔ، اس مقام کو کہتے ہیں جو سیلاب کے پانی سے بھر گیا ہو اور خود سیلاب کو بھی ساجرؔ کہتے ہیں، چونکہ وہ زمین کو پانی سے بھر دیتا ہے (لسان) اور آیت کریمہ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ میں حضرت علی کا قول منقول ہے کہ تمام سمندروں کو جمع کر کے ایک کر دیا جائیگا اس سے بھی بھرنے ہی کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے اور الْبَحْرُ الْمَسْجُوْرُ سے اشارہ ہے کہ سمندر مظاہر قدرت اور اسکے خزانوں سے بھرا پڑا ہے
يقالُ : سَجَرْتُ التَّنُّوْرَ : أي أوقدته وسَجَرْتُهُ : ملأته ومنه والبحر المسجور اي المملوء۔ فالمعنى على هذا تُملأ بِهِمُ النارُ (قرطبی) اس تفسیر کے اعتبار سے ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ کے معنی ہونگے کہ پھر ان سے جہنم کو بھرا جائے گا۔ مولانا دریابادی مرحوم۔ والبحر المسجور کا ترجمہ فرماتے ہیں "اور پانی سے لبریز سمندر کی۔"

تَفْرَحُوْنَ : ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْأَرْضِ ، یہ سزا اسکی ہے کہ تم دُنیا میں ناحق خوشیاں مناتے تھے، تَفْرَحُوْنَ، فَرِحٌ سے مشتق ہے جسکے معنی ہیں خوش ہونا اور مسرور ہونا، فرح اور خوشی مطلق حرام نہیں ہے بلکہ وہ خوشی اور سرور حرام ہے جو مال و دولت کے نشہ میں خدا کو بھول کر معاصی سے لذت اندوز ہو۔

تَمْرَحُوْنَ : وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ یہ مَرَحٌ سے مشتق ہے جسکے معنی ہیں اترانا اور مال و دولت پر فخر و غرور میں مبتلا دوسروں کے حقوق میں تعدی کرنا۔ لہٰذا مرح مطلقاً حرام و ناجائز ہے نقل القرطبی قول الضحاك، الفرح: السرور والمرح: العدوان (قرطبی)

شرح الفاظ القرآن من سورۃ حٰمٓ السجدۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فُصِّلَتْ : کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ - یہ کتاب ہے جس کی آیات کو کھول کر بیان کیا گیا ہے فُصِّلَتْ، تفصیلٌ سے مشتق ہے جس کے اصل معنی مضامین کو فصل فصل کر کے بیان کرنے اور ممتاز کرنیکے ہیں مراد اس سے کھولکر وضاحت سے بیان کرنا ہے خواہ وہ مختلف فصلوں میں ہو یا ایک ہی جگہ،

اَكِنَّةٍ : وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَكِنَّةٍ : اَكِنَّةٌ : یہ کِنَانٌ کی جمع ہے، کِنَانٌ اس پردے اور غلاف وغیرہ کو کہتے ہیں جس میں کوئی چیز چھپائی جائے - قال القرطبی : الاكنّةُ جمع كِنانٍ وَهُوَ الغطاء -

وَقْرٌ : وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ، اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے - الوَقْرُ : کان میں بھاری پن اور ثقل کو کہتے ہیں جس سے قوت سماعت متاثر ہوتی ہے - مقصد یہ ہے کہ ہم بہرے ہیں آپ کی باتیں نہیں سن سکتے -

مَمْنُوْنٍ : لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ، اُن کے لئے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے، لفظ ممنون کے معنی مقطوع کے ہیں، مراد یہ ہے کہ ایمان و عمل صالح کے پابند لوگوں کو آخرت میں جو اجر دیا جائے گا وہ دائمی غیر منقطع ہوگا اور بعض حضرات نے اسکا مطلب یہ قرار دیا ہے کہ مومن جن اعمال صالحہ کا عادی ہوتا ہے، اگر کسی بیماری یا سفر یا کسی دوسرے عذر سے کسی وقت یہ عمل بھی ترک ہو جائے تو بھی اس عمل کا اجر منقطع نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ میرا بندہ جو عمل اپنی تندرستی اور فرصت کے اوقات میں پابندی کیا کرتا تھا اس کے عذر کے حالت میں بھی وہ اعمال بغیر کئے ہوئے اس کے نامۂ اعمال میں لکھے جاتے ہیں (معارف)

بعض حضرات نے غیر ممنون کے معنی کئے ہیں غیر محدود اور بے شمار، ان گنت وغیرہ، اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان حضرات نے لفظ ممنون کو مِنَّةٌ یا مَنٌّ مصدر سے مشتق قرار نہیں دیا بلکہ اس کو مَنٌّ سے ماخوذ کیا ہے جو اسم ہے بمعنی وزن کرنے کا باٹ، تو اس صورت میں ممنون کا ترجمہ ہوگا موزوں، اور بے وزن

دینے کا مطلب ہے بے شمار دینا، اسلئے غیر ممنون کا ترجمہ ہوگیا، بے شمار

علامہ قرطبی نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ممنون بمعنی مقطوع ہے اور یہ مَنَنْتُ الحَبْلَ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں میں نے رسّی کو کاٹ دیا، قال الجوھری: وَالمَنُّ: القطع (قرطبی) سبعہ معلقہ کا مشہور شاعر لبید کہتا ہے

لِمُعَفَّرٍ قَهْدٍ تَنَازَعَ شِلْوَهٗ
غُبْسٌ كَوَاسِبُ لَا يُمَنُّ طَعَامُهَا

اس کا پھرنا گرے ہوئے مٹیالے رنگ کے بچے کے لئے تھا جسکے اعضاء بھیڑیوں نے نوچ لئے تھے جن کا کھانا قطع نہیں کیا جاتا۔

یہاں لَا يُمَنُّ بمعنی لا يُقْطَعُ کے ہے۔

اَقْوَاتٌ : وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا : (آیت ۱۰) اَقْوَاتٌ، قُوْتٌ کی جمع ہے جسکے معنی ہیں رزق اور روزی جس میں عام ضروریات انسانی داخل ہیں (معارف القرآن)

مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی فرماتے ہیں: کہ قوت اس خوراک کو کہتے ہیں جس سے سدِّ رمق ہوسکے، (لغات القرآن)

قَاتَ يَقُوْتُ قَوْتًا قاتَ الرجلَ: روزی دینا۔ قُوْتٌ، قِيْتٌ، قِيْتَةٌ، اور القَائِتُ ضرورت کے مطابق رزق، سامانِ معیشت

کہا جاتا ہے مَا عِنْدَهٗ قُوْتُ لَيْلَةٍ: اسکے پاس ایک رات کا کھانا بھی نہیں ہے، هُوَ فِيْ قَائِتٍ مِنَ الْعَيْشِ: وہ گزارے کے قابل روزی میں ہے۔ القُوْتُ: ما يُمْسِكُ الرمق من الرزق (لسان) وفی الصحاح: هو مَا يقومُ به بدن الانسان من الطعام (لسان) المُقِيْتُ: محافظ، نگراں، روزی رساں، وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا: اور اللہ کائنات کی ہر شے کا محافظ ہے، اس کو اسباب حیات سے نوازتا ہے۔

دُخَانٌ : ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ، پھر اُس نے آسمان کی طرف توجہ کی اس حال میں کہ وہ دھواں تھا،

دُخَانٌ: دھواں، اس کی جمع اَدْخِنَةٌ آتی ہے۔ قرآن پاک میں یہ لفظ دو دفعہ آیا ہے۔ ایک تو یہی، اور دوسرا سورۂ دخان میں فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ۔ دخنتِ النّارُ تَدْخُنُ (ن) آگ کی کثرت سے دھواں دینا، اسی سے دُخْنَةٌ ہے۔ عرف میں دُخْنَةٌ اُس خوشبو کو کہا جاتا ہے جس سے دھونی دیجاتی ہو دَخِنَ الطَّبِيْخُ: کسی پکی ہوئی چیز کا دھوئیں سے خراب ہوجانا۔ لَيْلَةٌ دُخَانِيَةٌ تاریک رات

اور اس سے ایذا رسانی کا معنی لیکر ھُوَ دَخِنُ الْخُلُق کا محاورہ بولتے ہیں، یعنی وہ بدخلق ہے۔ اَلْمَدْخَنُ : دھوئیں کی جگہ اَلمَدَاخِنَۃُ انگیٹھی۔ اَلدَّاخِنَۃُ : دھواں نکلنے کا روشن دان چمنی، جمع دَوَاخِنُ۔

صَرْصَرًا : رِیْحًا صَرْصَرًا : تیز آندھی سخت ٹھنڈی ہوا، گرم لُو، لفظ صَرْصَر میں اہل تفسیر کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے، صرصر سے مراد یہاں سخت سرد اور ٹھنڈی ہوا ہے جسمیں شدّت روی کی وجہ سے آواز بھی پیدا ہوتی ہے اور یہ صِرٌّ سے ماخوذ ہے جسکے معنی کلام عرب میں ٹھنڈک کے ہیں، امام قرطبیؒ نے نقل کیا ہے، وروی عن معمر عن قتادہ، قال، باردۃٌ وقالہ عطاء لانّ صَرْصَرٌ، ماخوذ من الصِّرِّ والصِّرُّ فی کلام العرب البرد (قرطبی)

دوسرا قول یہ ہے کہ صَرصَر کے معنی اس آندھی کے ہیں جس میں آواز ہوتی ہے، اور صَرَّ یَصِرُّ صَرِیْرًا سے ماخوذ ہے جس کے معنی آواز کے ہیں صَرَّ الْقَلَمُ : قلم کا لکھتے ہوئے آواز نکالنا دِرْہَمٌ صِرِّیٌّ : وہ درہم جو پرکھتے وقت آواز پیدا کرے، اور یہ احتمال ہے کہ یہ صَرَّۃٌ سے ماخوذ ہو، جسکے معنی چیخ کے ہیں، اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہونگے کہ ہم نے ان پر ایسی ہوا بھیجی جسمیں چیخ تھی۔ ایک قول اہل تفسیر کا یہ ہے کہ صَرصَر سے مراد گرم ہوا ہے جو مہلک ہوتی ہے۔ امام راغب علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ لفظ صَرصَر اصل میں صِرٌّ سے ماخوذ ہے جس کے معنی باندھنے کے ہیں، یہ بھی بندش ہی کی طرف راجع ہے کیونکہ ٹھنڈ میں جما دینے کی صفت ہے، جمع صَرَاصِرُ۔

هُوْنِ : فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ۔ سو ان کو عذاب سراپا ذلت کی آفت نے آپکڑا۔ هَانَ يَهُوْنُ هَوْنًا، نرم اور آسان ہونا، اور هَانَ يَهُوْنُ هُوْنًا مصدر میں ہا کے پیش کے ساتھ بمعنی ذلت اور حقارت۔ هَانَ الرجل : ذلیل وخوار ہونا اور مسکین ہونا۔ لفظ هونٌ ذلت اور رسوائی کے لئے بطور اسم کے استعمال ہوتا ہے اور الھَوْنُ بفتح الہار بمعنی سکون وقار۔ یہ لفظ بمعنی مخلوق بھی استعمال ہوتا ہے، عرب کہتے ہیں مَا اَدْرِیْ اَیُّ الْهَوْنِ هُوَ مجھے معلوم نہیں وہ کونسی مخلوق ہے۔

یُوْزَعُوْنَ : فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ، پھر وہ روکے جائیں گے، یُوْزَعُوْنَ، وَزْعٌ سے مشتق ہے جسکے معنی رُکنے اور منع کرنے

کے آتے ہیں۔ اکثر مفسرین یہی معنی لیتے ہیں کہ اہل جہنم جو بڑی تعداد میں ہونگے ان کو میدانِ حشر اور موقف میں حساب کی طرف لیجانے کے وقت انتشار سے بچانے کے لئے اگلے حصہ کو کچھ روک دیا جائے گا تاکہ پچھلے لوگ آملیں۔

اور بعض اہلِ تفسیر نے یُوزَعُوْن کے معنی یُسَاقُوْنَ کئے ہیں، جسکے معنی ہیں انکو موقف حساب کی طرف ہانک کر دھکے دیکر لایا جائیگا یُسَاقُوْنَ وَيُدْفَعُوْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ (قرطبی) وَزَعْتُهٗ عن كذا: کسی آدمی کو کسی کام سے روکدینا۔ وَزَعَۃٌ: فوج کا یا حکومت کا وہ دستہ جو لوگوں کو بے قابو ہونے سے روکے، ایک محاورہ ہے لَا بُدَّ لِلسُّلْطَانِ مِنْ وَزَعَةٍ: بادشاہ کے لئے حفاظتی دستہ ضروری ہے جو لوگوں کو بدنظمی سے بچائے۔

اَرْدٰی: اَرْدَاكُمْ، تمہیں برباد کیا اسنے تمہیں غارت کیا، اَرْدٰی: ارداءٌ سے جسکے معنی ہلاک اور غارت کرنے کے ہیں۔ ماضی کا صیغہ ہے۔ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ خدا کی قسم تو تو مجھے تباہ کرنے کو تھا، اصل مادہ رَدْیٌ ہے بمعنی ہلاکت اور التَّرَدِّی (تفعُّل) کے معنی ہیں اپنے کو ہلاکت کے سامنے پیش کرنا۔ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗ اِذَا تَرَدّٰى اور جب وہ جہنم میں گرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اَرْدَاكُمْ: ای اَهْلَكَكُمْ (قرطبی)

مُعْتَبِيْنَ: فَمَا هُمْ مِنَ الْمُعْتَبِيْنَ تو ان کی معذرت قبول نہ ہوگی۔ اَعْتَبْتُ فلانًا: ناراضگی ظاہر کرنا۔ ناراضگی پر اُبھارنا۔ میں نے اس کی ناراضگی دُور کردی یہاں سلب ماخذ کے معنی پائے جارہے ہیں اس مادہ کی تحقیق گزرچکی ہے، دیکھئے سورۃ نحل کی آیت نمبر ۸۴،

قَيَّضْنَا: وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ: اور ہم نے اُن کے لئے کچھ ساتھ رکھنے والے مقرر کر رکھے تھے۔ القیض کے معنی انڈے کے اوپر کے چھلکے کے ہیں اور چھلکا چونکہ اس کے باقی ماندہ اجزاء پر محیط ہوتا ہے، لہٰذا اسی سے قَيَّضَ (فعل) کسی چیز پر غالب اور مستولی ہونیکے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ قرآن پاک میں دوسرے مقام پر ارشاد ہے وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا: اور جو کوئی خدا کی یاد سے آنکھیں بند کرلے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کردیتے ہیں۔ یہاں نُقَيِّضْ

کے معنی ہیں کہ ہم اس سے الگ ہو جاتے ہیں تاکہ شیطان اس پر انڈے کے چھلکے کی طرح چپک جائے (راغب) قَاضَ يَقِيضُ قَيْضًا، اجوف یائی ہے۔ قَاضَ الشَّيْءَ، کسی چیز کو چیرنا، پھاڑنا۔ قَاضَ الشَّيْءُ، (لازم) کسی چیز کا چیرنا، پھٹنا، قیض الله لهٗ كذا۔ قادر بنا۔ القيضُ والقياضُ (دونوں مصدر) مساوی اور ہم قیمت ہونا هذا قيضٌ او قياضٌ لكذا۔ یہ اس کے مساوی اور مماثل ہے۔ هما قيضانِ، وہ دونوں ایک جیسے ہیں۔

قُرَنَاءَ : یہ قَرِيْنٌ کی جمع ہے، قُرَنَاءُ ہم نشین، ساتھ رہنے والے، اصل مادہ قَرْنٌ ہے جس میں اجتماعیت اور قرب کا مفہوم ضرور ہوتا ہے۔ قَرِيْنٌ : وہ آدمی جو دوسرے کا ہم عمر ہو۔ ایک زمانے کے لوگوں کو بھی ہم قرن کہا جاتا ہے۔ وہ فرشتہ بھی قرینٌ ہے جو ہر وقت آدمی کے ساتھ رہتا ہے، اور انسان کا اپنا نفس بھی قرین ہے، قَرَنَ الشَّيْءَ بِالشَّيْءِ : ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ باندھ دینا۔ حج قرانٌ، جس میں ایک احرام کے ساتھ عمرہ اور حج دونوں کو جمع کیا جائے۔

الْغَوْ : لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ : اس قرآن کو سنو ہی مت اور اس کے درمیان غُل مچا دیا کرو۔ اِلْغَوْا : بک بک کرو۔ نَصَرَ۔ سَمِعَ۔ فَتَحَ۔ لَغْوٌ سے جس کے معنی بے سوچے سمجھے بکواس کرنے کے ہیں۔ اصل میں لغا چڑیوں کے چیں چیں کرنے کو کہتے ہیں۔ اسی اعتبار سے بے سوچے سمجھے زبان سے بک دینے کو لَغْوٌ اور لَغًا کہا گیا ہے، کہ وہ بھی چڑیوں کی طرح چیں چیں کرنے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا امام لغت ابوعبیدہ کی تصریح کے مطابق عَيْبٌ اور عابٌ کی طرح لَغْوٌ اور لغًا کی بھی دو لغتیں ہیں۔ کبھی ہر بُری بات کو بھی لغوٌ کہا جاتا ہے۔ لغا فی قوله : بات میں غلطی کرنا، بے سوچے سمجھے بولنا، هُمْ يَلْغُوْنَ فِي الْحِسَابِ : وہ حساب میں غلطی کرتے ہیں۔ اَللَّغْوُ : الكلام الذي لا فائدة فيه (جمل) لغو بے فائدہ کلام،

دَارُ الْخُلْدِ : ہمیشگی کا مقام، خَلَدَ يَخْلُدُ خُلُوْدًا، کسی چیز کا دیر تک باقی رہنا۔ اصل میں کسی کے بربادی سے بچنے اور اپنی اصلی حالت پر باقی رہنا کہلاتا ہے اسی بنا پر اہل عرب عام طور پر خساود کا

استعمال اس چیز کیلئے کرتے ہیں جو دیر پا ہو اور اسمیں تغیر و فساد مُدت کے بعد پیدا ہو، چنانچہ چولہے کے ان تین پتھروں کو جن پر دیگ چڑھائی جاتی ہے خوالد کہتے ہیں کہ وہ دیر تک رہتے ہیں عالم آخرت کیلئے جہاں خلود کا استعمال ہوتا ہے وہاں اسکے اصلی معنی یعنی تمام اشیاء کا اپنی اپنی حالت پر برقرار رہنا ہے۔ دار الخلد: وہ مقام جسکو کوئی تغیر نہیں اور نہ اسمیں کوئی خرابی پیدا ہوگی، دارٌ: مکان، خُلدٌ: ہمیشگی، دار الخلد: ہمیشگی کا مقام، خلد۔ بالی یا کنگن جسکو عورت پہنے رہتی ہے، ابو خالد: کتا (مخد) جسکا کام ہمیشہ بھونکنا ہوتا ہے، الخُلد: دوام البقاء فی دارٍ لایخرج منھا۔ خَلَدَ یَخْلُدُ خُلدًا وَخُلُودًا۔ بَقِیَ واقامَ و دار الخُلدِ۔ الآخرۃ لبقاء اھلھا فیھا (لسان)

تَشْتَهِیْ: وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ اور اسمیں تمہارے لئے وہ سب کچھ موجود ہے جسکو تمہارے جی چاہیں۔ تَشْتَهِیْ: صیغہ واحد مؤنث غائب ہے، باب افتعال کے مصدر اشتہاءٌ سے ماخوذ ہے، اصل مادہ شَھوۃٌ ہے۔ الشَّھوۃُ کے معنی ہیں نفس کا اس چیز کیطرف کھنچ جانا جسے وہ چاہتا ہے۔ خواہشات دنیوی دو قسم پر ہیں: (۱) صادقہ (۲) کاذبہ، خواہشِ صادقہ وہ ہے جسکے حصول کے بغیر بدن کا نظام مختل ہو جاتا ہے، جیسے بھوک کے وقت کھانے کی خواہش اور خواہشِ کاذبہ وہ ہے جسکے عدم حصول سے بدن میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی (راغب)

حَظّ: ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ، بڑے نصیب والا حظ، نصیب، حصّہ، مقرر حصّہ کو حظ کہتے ہیں جمع حُظُوظ، اور اَحْظَاظٌ۔ هُوَ ذُوْ حَظٍّ مِنَ العلم، وہ علم سے بہرہ ور ہے۔ هُوَ ذُوْ حَظٍّ: وہ بانصیب ہے۔ حَظِیظ: خوش بخت، مَحظوظٌ: خوش نصیب، کامرانی سے بہرہ ور، وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ، اور یہ شرف اسی کو نصیب ہوتا ہے جو بڑا صاحب نصیب ہو۔

يَسْئَمُوْنَ: وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ وہ تھکتے نہیں۔ السَّاٰمَۃُ، کے معنی کسی چیز کے زیادہ عرصہ تک رہنے کی وجہ سے اس سے کبیدہ خاطر یا دل برداشتہ ہونے کے ہیں اور فعلاً کسی کام کو زیادہ عرصہ تک کرنے اور انفعالاً کسی چیز سے زیادہ متاثر ہونے، دونوں طرح ہوتا ہے لَا يَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَاۤءِ الْخَيْرِ: انسان خیر کی دعا سے تو اکتاتا ہی نہیں، زہیر شاعر کہتا ہے ؎

سَئِمْتُ تکالیفَ الحَیَاۃِ وَمَنْ یَعِشْ
ثمانین حولًا لا ابا لك یَسْأَمُ

میں زندگی کی ناخوشگواریوں سے اکتا چکا ہوں، ہاں جو شخص اسّی سال کو پہنچ جائے وہ لامحالہ اکتا

ہی جاتا ہے۔ لَا یَسْئَمُوْنَ: ای لا یملون عبادتہ (قرطبی)

اَعْجَمِیًّا: وَلَوْجَعَلْنٰہُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا:

اور اگر ہم اسے قرآن عجمی بناتے (ماجدی)

اَعْجَمِیٌّ: عجمی، اوپری زبان والے، اعجم اس کو کہتے ہیں جسکی زبان میں عجمیت اور اُوپرا پن ہو۔ اَعْجَمُ: کی جمع اعجمین آتی ہے عجمی غیر عربی کو کہا جاتا ہے چاہے وہ فصیح ہو یا غیر فصیح اور اَعْجَمِیٌّ، غیر فصیح کو کہا جاتا ہے چاہے وہ عربی ہو یا غیر عربی۔ اَعْجَمُ، یہ فصیح کی ضد ہے، اعجم جو اپنے مافی الضمیر کے اظہار پر قادر نہ ہو اسی لئے حیوان غیر ناطق کو اعجم کہتے ہیں (قرطبی)

عرب کے سوا جتنی قومیں دُنیا میں آباد ہیں ان سکو عجم کہا جاتا ہے اور جب اس پر ہمزہ بڑھا کر اَعْجَمُ کو کہا جاتا ہے تو اسکے معنی کلام غیر فصیح ہوتے ہیں، اسلئے عجمی اُس شخص کو کہیں گے جو عربی نہ ہو اگرچہ کلام فصیح بولتا ہو اور اعجمی اسکو جو کلام فصیح نہ کر سکے (معارف)

اَکْمَامٌ: وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَکْمَامِھَا۔ اَکْمَامٌ، میوہ کے غلاف، یہ کِمٌّ کی جمع ہے۔ کِمٌّ اس غلاف کو کہتے ہیں جو میوے یا کلی پر لپٹا ہوا ہوتا ہے، وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَکْمَامِ، اور کھجور کے درخت ہیں جن کے خوشوں پر غلاف چڑھے ہوتے ہیں (راغب)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اکمام، کُمَّۃٌ کی جمع ہے، اور یہ ہر ظرف پر بولا جاتا ہے، چاہے اُس میں کوئی مال ہو یا غیر مال، شگوفہ ثمر کو بھی کُمَّۃٌ اسی لئے کہتے ہیں کہ اسمیں سے پھل نکلتا ہے مِنْ اَکْمَامِھَا: ای من اوعیتھا، فالاکمام اَوْعِیَۃُ الثَّمَرَۃِ: واحدھا کُمَّۃٌ وھی کل ظرف لمال اوغیرہ (قرطبی) ابن عباس کا قول ہے کہ شگوفہ کو شق ہونے اور پھٹنے سے پہلے کمۃ کہا جاتا ہے، اور جب شق ہو جائے تو اسپر لفظ کُمَّہ نہیں بولا جاتا، وَکُمُّ کُلِّ نَوْرٍ وِعَاؤُہٗ والجمع اکمام وا کامیم (ذکرہ لسان العرب)

اٰذَنّٰا: قَالُوْا اٰذَنّٰکَ مَامِنَّا مِنْ شَھِیْدٍ

وہ کہیں گے کہ ہم تو آپ سے یہ عرض کریں گے کہ ہم میں سے کوئی اسکا مدعی نہیں (ماجدی)

ای نُعْلِمُکَ مَامِنَّا اَحَدٌ یَشْھَدُ بِاَنَّ لَکَ شَرِیْکًا (قرطبی) اٰذَنّٰا، اِیْذَانٌ سے ماضی جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ اٰذَنْتُہٗ بِکَذَا کے معنی ہیں اطلاع دینا، اعلان کرنا، اٰذَنّٰکَ، ہم آپ کو بتاتے ہیں۔ اٰذَنّٰکَ: اسمعناک و اعلمناک: یقال اٰذن یُؤذن: اذا اَعْلَمَ (قرطبی)

مَحِیْصٌ: وَظَنُّوْا مَالَھُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ

اور وہ لوگ یہ سمجھ لیں گے کہ اب کوئی صورت بچاؤ کی نہیں۔ محیصٌ، ظرفِ مکان ہے بمعنی پناہ گاہ۔ لوٹنے کی جگہ۔ حَاصَ عن الحق کے معنی حق سے بھاگ کر شدّت و مکروہ کیطرف جانے کے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ، کوئی جگہ گریز اور رہائی پانے کی ہمارے لئے نہیں ہے۔ علامہ راغب فرماتے ہیں کہ اصل میں حَیصٌ بَیصٌ ہے جسکے معنی شدت اور سختی کے ہیں (راغب) یقالُ۔ حَاصَ یحِیْصُ حَیْصًا و محِیصًا اذا ھرب (قرطبی) حَاصَ حَیْصًا: الگ ہونا، ہٹنا، بچنا محاورہ ہے، مَنْ حَاصَ عن الشر سَلِمَ: جو برائی اور شر سے الگ رہا وہ محفوظ رہا۔ وقع فی حَیْصٍ بیصٍ: وہ ایسی پیچیدگی میں پھنسا کہ جس سے خلاصی کا کوئی راستہ نہیں

یَسْئَمُ: لَا يَسْئَمُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ: انسان کا ترقی کی آرزو سے جی نہیں بھرتا (ترجمہ ماجدی) قَدْ مَرَّ تحقیقہٗ اٰنِفًا۔

يَئُوْسٌ: فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ۔ اصل میں اَلْيَاْسُ کے معنی ناامید ہونے کے ہیں اسی سے يَئُوْسٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے مایوس و ناامید جس کی آس ٹوٹ گئی ہو، اس کی جمع یُئُوسٌ (بضم الیاء) آتی ہے، اور صفت مفعولی مَیْئُوسٌ۔

قَنُوْطٌ: قَنَطَ يَقْنُطُ قُنُوْطًا (بضم القاف) مصدر ہے، امور خیر سے ناامید ہونا، بھلائی سے مایوس ہونا، اور قَنُوْطٌ (بفتح القاف) مبالغہ کا صیغہ ہے بالکل بے آس، قطعی ناامید

اٰفَاقِ: سَنُرِيْهِمْ فِي الْاٰفَاقِ، ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں (اسی) دنیا میں دکھائیں گے (ماجدی) آفاق یہ اُفُقٌ کی جمع ہے بمعنی کنارہ۔ طرف، آفاقٌ، اطراف کنارے۔ واحد اُفُقٌ (بضم الفاء) اور اُفْقٌ (بسکون الفاء) دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ۔ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى نسبت کے وقت اُفُقِیٌّ کہا جاتا ہے اور اُفِقَ فَلَانٌ کے معنی آفاقِ عالم میں جانے کے ہیں۔ اور اُفق کے معنی میں انتہائی بُعد اور وسعت سے تشبیہ کے طور پر اُفُقٌ کا لفظ انتہائی سخی پر بولا جاتا ہے (راغب)

الاٰفاق: النَّوَاحِی، واحدھا اُفْقٌ و اُفُقٌ مثل عُسْرٍ و عُسُرٍ (قرطبی)

الاُفْقُ والاُفُقُ مثل عُسْرٍ و عُسُرٍ: مَا ظھر من نواحی الفلک واطراف الارض

وكذالك أفاق السماء نواجها (لسان العرب)

حضرت عباس کا ایک شعر ہے جو انھوں نے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح میں فرمایا ہے

وَاَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ اَشْرَقَتْ
اَلْاَرْضُ وضاءَتْ بنُورِكَ الْاُفُقُ

آپ جب پیدا ہوئے تو زمین اور فضا کے اطراف وجوانب آپ کے نورِ نبوت سے جگمگا اٹھے

مِرْيَةٍ : اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ : یاد رکھو یہ لوگ شک میں پڑے ہیں ۔ مِرْيَةٌ : اسم مصدر ہے بمعنی تردد، یہ شک اور ریب سے خاص ہے گویا جس شک سے تردد پیدا ہوجائے اس کو مِرْيَةٌ کہا جاتا ہے (راغب) اِمْتِرَاءٌ شک میں پڑنا ۔ مماراۃٌ اور مِرَاءٌ کا معنی ہے جس امر میں شک ہو اسمیں جھگڑا کرنا، اصل ماخذ مَرْیٌ ہے، مَرْیٌ کا معنی ہے دودھ اُتارنے کیلئے جانور کے تھنوں کو سہلانا ۔

مُحِيْطٌ : اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ

محیط اسم فاعل مفرد ہر طرف سے گرفت میں رکھنے والا، ایسا قابو یا فتہ کہ اس سے چھوٹ جانا ناممکن ہو ۔ مُحِيْطٌ اصل میں مُحْيِطٌ تھا (بکسر الیاء) یاء کی حرکت نقل کر کے حرف حاء کو دی گئی اور یٓ ساکن ہو گئی ہے ۔ (قرطبی)

شرح الفاظ القرآن من سورة الشورٰى

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَكَادُ : تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ ، کچھ بعید نہیں کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں۔ تَكَادُ ، كَادَ يَكَادُ سے ماخوذ ہے۔ كَادَ افعال مقاربہ میں سے ہے جو فعل کے قریب الوقوع ہونے کو بیان کرنے کے لئے آتا ہے، مثلاً كَادَ يَفْعَلُ قریب تھا کہ وہ اس کام کو کر گزرتا۔ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ، قریب ہوتے کہ ان پر حملہ کر دیں۔ اور اجوف واوی ہے، اس کی اصل كَوِدَ يَكْوَدُ كوْدٌ (س) ہے کام کرنے کے قریب ہونا اور نہ کرنا۔ كَادَ يَضْرِبُ وہ مارنے ہی والا تھا مگر مارا نہیں، اور كَادَ يَكِيْدُ كَيْدًا : مکر و فریب کرنا، خفیہ تدبیر کرنا۔ کہا جاتا ہے فلانٌ يَكِيْدُ اَمْرًا مَا اَدْرِيْ مَا هُوَ۔ فلاں کسی کام کی تدبیر کر رہا ہے مجھے معلوم نہیں وہ کیا ہے۔

يَتَفَطَّرْنَ : تَفَطُّرٌ سے جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں، اصل مادہ فَطْرٌ ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو طول میں پھاڑنا۔ محاورہ ہے فَطَرَ فلانٌ كذا اِفْطَارًا، کسی چیز کو پھاڑ ڈالنا یہ لفظ پہلے گزر چکا ہے۔

شَرَعَ : شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا ، اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جسکا اسنے نوح کو حکم دیا تھا (ماجدی) شَرَعَ ، يَشْرَعُ شَرْعًا ، شَرَعَ اسنے راہ ڈالی یہ شَرْعٌ سے ماخوذ ہے بمعنی صاف راستہ پر چلنا راہ ڈالنا۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ سے ان اصولوں کی طرف اشارہ ہے جن میں ساری ملتیں برابر ہیں اور جن کا نسخ صحیح نہیں، جیسا کہ حق تعالیٰ کی معرفت اور وہ اُمور جن کو آیۃ کریمہ بتلا رہی ہے شِرْعَةٌ : دستور یہ شَرْعٌ سے اسم ہے ابن عباسؓ کا قول ہے کہ شِرْعَةٌ وہ راستہ ہے جسکو قرآن پاک نے بیان کر دیا ہو، اصل میں شَرْعٌ شِرْعٌ شَرِيْعَةٌ واضح راستہ کو کہا جاتا ہے پھر استعارہ کے طور پر یہ الفاظ طریقِ الٰہیہ پر بولے جانے لگے ہیں، کیونکہ قانونِ قدرت کا راستہ واضح اور کھلا ہوتا ہے

دَاحِضَةٌ : حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ :

دَاحِضَةٌ : اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے، بمعنی زائل اور باطل ہونے والی دلیل، کہا جاتا ہے اَدْحَضْتُ فلانًا فی حُجَّتِہٖ فدحض و اَدْحَضْتُ حُجَّتَہٗ فَدَحَضَتْ، میں نے اسکی دلیل کو باطل کیا تو وہ باطل ہوگی۔ دَحَضَتْ حُجَّتُہٗ دُحُوضًا۔ بَطَلَتْ والادحاض، الازلاقُ (قرطبی)

لَطِيْفٌ : اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ، اللہ اپنے بندوں کے باریک اُمور سے خوب باخبر ہے (ماجدی) اللہ نرمی رکھتا ہے اپنے بندوں پر (معارف) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے (بیان القرآن)

لفظ لطیف عربی لغت کے اعتبار سے چند معانی میں استعمال ہوتا ہے یہاں ابن عباسؓ نے اس کا ترجمہ حفی بمعنی مہربان سے اور حضرت عکرمہؓ نے بارٌّ یعنی محسن سے کیا ہے (معارف) لطیفٌ، جب یہ کسی جسم کی صفت واقع ہو تو یہ کثیفٌ کی ضد ہے جس کے معنی بھاری اور ثقیل کے ہیں۔ اور کبھی لطافۃ یا لطفٌ کا لفظ حرکت خفیہ اور دقیق اُمور کے انجام دینے پر بولا جاتا ہے۔ لطائف سے مراد وہ باتیں لی جاتی ہیں جن کا ادراک انسانی حواس نہ کرسکتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے لطیف ہونے کے معنی یا تو یہ ہیں کہ وہ انسانی حواس کے ادراک سے مافوق اور بالاتر ہے اور یا اس لئے لطیف کہا جاتا ہے کہ وہ دقیق اُمور تک سے واقف ہے جیسا کہ ترجمہ ماجدی سے ظاہر ہے اور یا اسلئے کہ وہ انسانوں کو ہدایت دینے میں نہایت نرم انداز اختیار کرتا ہے جیسا کہ ترجمہ معارف میں ظاہر کیا گیا ہے۔ آیت کریمہ اِنَّ رَبِّىْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ میں لطیف سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر کام کو حسن تدبیر سے انجام دیتا ہے۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کا معاملہ دیکھئے، ان کو بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا تھا کہ ماں باپ کی محبت ان سے کٹ کر انکی طرف متوجہ ہو مگر دُنیا نے دیکھ لیا کہ کنوئیں میں گرنے والا بچہ اور مصر میں بازاروں میں بکنے والا غلام کس طرح مصر کے تاج و تخت کا وارث بنا دیا گیا، اور کنوئیں میں گرانے والے کڑیل نوجوان کس طرح اپنے جرم کا اقرار کرکے اپنے آپ کو طلب معافی اور اظہارِ ندامت پر مجبور پاتے ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفت لطیف کا مظہر ہے کسی جسم کے لطیف ہونے کے معنی ہوتے ہیں باریک ہونا، نازک ہونا اور بات کے لطیف ہونے کے معنی ہیں دقیق ہونا معنی کا پوشیدہ ہونا اور حرکت کے لطیف ہونے کے معنی

سُبک ہونا، ہلکا ہونا کے ہیں (لغات القرآن، راغب، قرطبی)

رَوْضٰتِ : فِیْ رَوْضٰتِ الجَنّٰتِ : بہشتوں کے باغوں میں، روضٰت یہ روضۃ کی جمع ہے، باغات، سبزہ زار، سرسبز و شاداب مقام۔ رَوْضَۃٌ کی جمع رِیَاضٌ بھی آتی ہے، حدیث میں رَوْضَۃٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ، رَوْضَات جمع کے صیغہ میں ان ظاہری نعمتوں کی طرف اشارہ ہے جو آخرت میں اصحابِ جنّت کے لئے تیار کی گئی ہے (راغب، قرطبی)

یَقْتَرِفْ : وَمَنْ یَّقْتَرِفْ : القرف اور الاقتراف کے اصل معنی درخت سے چھال اُتارنے اور زخم سے چھلکا کریدنے کے ہیں اور جو چھال یا چھلکا اُتارا جاتا ہے اسکو قِرْفٌ کہا جاتا ہے اور بطور استعارہ کے اقتراف، بمعنی اِکْتَسَبَ کے آتا ہے۔ یعنی کمانے کے معنوں میں آتا ہے، کسب اچھا ہو یا بُرا، اقتراف دونوں کیلئے آتا ہے جیسے کہ وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَۃً میں ہے امام راغبؒ نے لکھا ہے کہ اسکا اکثر استعمال اکتساب مذموم میں ہوتا ہے (راغب) امام قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ قَرْفٌ کے اصل معنی کَسْبٌ یعنی کمانے کے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے فُلَانٌ یَقْرِفُ لِعِیَالِہٖ، فلاں اپنے عیال کے لئے کماتا ہے۔ اور اقتراف کے معنی اکتساب کے ہیں اور یہ اہلِ زبان کے قول رَجُلٌ قِرْفَۃٌ سے ماخوذ ہے محنتی اور کمانے والا آدمی۔

واصل القرف : الکسب، یقال فلانٌ یقرف لِہٖ ای یکسِبُ والاقترافُ: الاکتسابُ وھو ماخوذ من قولھم رجلٌ قِرْفَۃٌ۔ إذا کان محتالا (قرطبی)

الغَیْثَ : وَھُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الغیثَ غوث اور غیثٌ دونوں کے معنی بارش کے ہیں۔ اس مادہ کی تحقیق گزر چکی ہے۔

الجَوَارِ : وَمِنْ اٰیٰتِہِ الجَوَارِ فِی البَحْرِ کَالاَعلامِ : الجوار جَارِیَۃٌ کی جمع ہے۔ کشتیاں، چلنے والیاں، رواں دواں اصل میں جَرٰی یَجْرِیْ جِرْیَۃً وَجَرْیًا وجَرَیَانًا کے معنی تیزی سے چلنے کے ہیں اصل میں یہ لفظ پانی اور پانی کی طرح چلنے والی چیزوں کے متعلق آتا ہے، کشتیاں چونکہ سطحِ آب پر تیزی سے چلتی ہیں اس لئے ان کو جاریہ کہا جاتا ہے، الإجْرِیَا، عادت جس پر انسان چلتا ہے۔ جَارِیَۃٌ کی جمع جاریاتٌ بھی آتی ہے و واحد الجوار جاریۃٌ سُمّیتْ جاریۃٌ لانّھا تجری فی الماء (قرطبی)

اَعۡلَام : فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ : اعلام سے مراد یہاں پہاڑ ہیں۔ یہ عَلَمٌ (بفتح اللام) کی جمع ہے، علمٌ ایسے نشان کو کہا جاتا ہے جس سے کوئی چیز پہچانی جائے، عَلَمُ الطریق اسی نشان کو کہتے ہیں جو راستہ کی پہچان کے لئے اسمیں کھڑا کیا جاتا ہے عَلَمُ الجیش، فوج کا جھنڈا جس سے فوج کی پہچان ہوتی ہے۔ جناب عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں ایک قرارت میں وانّہٗ لَعَلَمٌ للسَّاعَۃِ ہے کہ قرب قیامت کی ایک نشانی ہیں۔ پہاڑوں کی طرح بلند مکان اور قصور کو اعلام کہتے ہیں اور خلیل نحوی کا قول ہے کہ ہر بلند اور مرتفع چیز کو عرب اعلام کہتے ہیں، کلّ شیء مرتفع عند العرب فھو علَمٌ (قرطبی)

يَظۡلَلۡنَ : فَيَظۡلَلۡنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهۡرِهٖ، يَظۡلَلۡنَ : ظلّ، فعل ناقص سے جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے، وہ ہوجائیں، وہ ہوجائیگی

رَوَاكِدَ : رواکِد، رَكَدَ يَرۡكُدُ رُكُوۡدًا رَكَدَ الۡمَآءُ اَوِ الرِّيۡحُ، پانی یا ہوا وغیرہ کا رُک جانا، رَكَدَتِ الشَّمۡسُ : سورج کا نصف النہار میں آکر رُک جانا، ہر وہ چیز جو اپنے مکان میں ٹھہری ہوئی ہو اسکو رَاكِدٌ کہتے ہیں۔ رَكَدَ الميزان : ترازو کا برابر ہوجانا۔ رَاكِدٌ اسم فاعل ہے ٹھہرا ہوا، بےحرکت۔ مَرَاكِد : لوگوں کے ٹھہرنے کی جگہیں (قرطبی) رَوَاكِدُ، رَاكِدٌ کی جمع ہے۔

يُوۡبِقۡ : اَوۡ يُوۡبِقۡهُنَّ۔ اِيۡبَاقٌ (افعال) سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے ان کو ہلاک کردے۔ ھُنَّ ضمیر منصوب متصل ہے۔ اَوۡبَقَهٗ كذا : ہلاک کرنا۔ اصل میں وَبَقَ (ض، ن) وَبَقًا وَمَوۡبِقًا کے معنی ہیں ضعیف اور گراں بار ہوکر ہلاک ہوجانا، وَجَعَلۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَوۡبِقًا، اور انکے درمیان ہلاکت کی جگہ بنا دینگے

مَحِيۡصٌ : مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ، ان کے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں (ماجدی)

حَاصَ عَنۡ كذا : الگ ہوجانا، بچنا، ہٹنا، محاورہ ہے مَنۡ حَاصَ عَنِ الشَّرِّ سَلِمَ جو شر سے محفوظ رہا وہ بچ گیا، اسی طرح محاورہ ہے وَقَعَ فِيۡ حَيۡصَ بَيۡصَ وہ ایسی مشکل میں گرا جہاں سے نکلنا دشوار ہے، اسی سے مَحِيۡصٌ ہے۔ ملجا، اور مَھۡرَبٌ بھاگ کر جانیکی جگہ، مَا لَهُمۡ مِنۡ مَحِيۡصٍ، انکے لئے بھاگ کر جانے کی کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ فلانٌ يَحِيۡصُ عن الحقّ (حق سے اعراض کرنا (یہ اجوف یائی ہے) دیکھئے حٰمٓ السجدہ

شُوۡرٰى : وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ

اور اُن کا یہ کام باہمی مشورہ سے ہوتا ہے۔ شُوْرٰی، بُشْرٰی کے وزن پر مصدر ہے، تقدیر عبارت ذوشوریٰ ہے، مراد یہ ہے کہ مہمات اُمور جن میں شریعت نے کوئی فیصلہ نہیں دیا ہے، ان کو طے کرنے میں باہمی مشورہ لیتے ہیں (معارف) قاضی شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ شوریٰ باب مفاعلت کے محاورہ شَاوَرْتُہٗ کا مصدر ہے جیسے بُشْرٰی اور ذکریٰ بمعنی مشورہ کرنا۔ قاضی بیضاوی لکھتے ہیں کہ یہ فُتْیا کی طرح مصدر ہے معنی میں تشاور کے ہیں۔ وھی مصدر کالفتیا بمعنی التشاور (بیضاوی) شوریٰ۔ ہر وہ امر جس میں مشورہ کیا جائے، الشوریٰ الامر الذی یتشاور فیہ (راغب)

عَقِیْمًا: وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَاۗءُ عَقِیْمًا، اور جسے چاہتا ہے لاولد رکھتا ہے۔ عَقِیْمٌ بانجھ، بےخبر، منحوس، اس لفظ کا استعمال مذکر مؤنث دونوں کے لئے ہوتا ہے۔ مرد کے لئے ہو تو اس کی جمع عُقَمَاءُ اور عِقَامٌ آتی ہے، اور جب عورت کی صفت ہو تو جمع عَقَائم اور عُقُمٌ آتی ہے۔ عُقْمٌ اصل میں اُس خشکی کو کہتے ہیں جو اثر قبول کرنے سے مانع ہو۔ محاورہ ہے عَقَمَتْ مَفَاصِلُہٗ، اس کے جوڑ خشک ہو گئے، اسی سے عَقَمَتِ الْمَرْأَۃُ کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں عورت بانجھ ہوگئی، اس کا رحم اسقدر خشک ہوگیا ہے کہ نطفہ ولادت کے قبول کرنے کے قابل نہیں رہا، عقمت الرَّحْمُ، بچہ دانی خشک ہوگئی۔

شرح الفاظ القرآن من سورة الزخرف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صَفۡحًا : اَفَنَضۡرِبُ عَنۡكُمُ الذِّكۡرَ صَفۡحًا
کیا ہم تم سے اس نصیحت نامہ کو ہٹالیں، صَفۡحٌ:
کنارہ پکڑنا، کنارہ کش ہونا، الزام سے درگزر
کرنا۔ صَفَحَ یَصۡفَحُ کا مصدر ہے، امام راغب
نے لکھا ہے کہ صَفۡحٌ کے معنی ہیں ترک تثریب
یعنی ملامت کرنا، ترک کردینا، اور یہ عَفۡوٌ
سے زیادہ بلیغ ہے، مطلب یہ ہے کہ آدمی
معاف بھی کردے اور طعن و تشنیع بھی ترک
کیجائے، صَفَحۡتُ عَنۡ فُلَانٍ : میں نے اسکا
جرم معاف کردیا، ومعنی صفحا: اعراضا
یُقَالُ صَفَحۡتُ عَنۡ فُلَانٍ اذا اَعۡرَضۡتَ
عَنۡ ذَنۡبِہٖ (قرطبی)

یُنَشَّؤُا : اَوَمَنۡ یُّنَشَّؤُا فِی الۡحِلۡيَةِ
کیا ایسا شخص کہ پرورش پاتا ہے زیور میں،
یُنَشَّأُ باب تفعیل کے مصدر تَنۡشِئَةٌ سے
واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، یعنی وہ پرورش
پاتا ہے، وہ تربیت پاتا ہے نَشۡأٌ اور نَشۡأَةٌ
کے معنی ہیں کسی چیز کو پیدا کرنا اور اسکی تربیت
کرنا، جیسے قرآن پاک میں ہے، وَلَقَدۡ عَلِمۡتُمُ
النَّشۡأَةَ الۡاُوۡلٰى : تم نے پہلی پیدائش تو
جان ہی لی ہے۔ اور نَشَأَ فُلَانٌ کے معنی
ہیں بچہ جوان ہوگیا اور جوان کو ناشیٌٔ کہا
جاتا ہے۔ نَشۡوَةٌ کے معنی ترتیب کے ہیں
کہا جاتا ہے، نَشَأۡتُ فِیۡ بَنِیۡ فُلَانٍ نَشۡأً
ونُشُوۡءًا، میں نے بنی فلاں میں پرورش
پائی۔ یُنَشَّأُ، ای یُرَبّٰی ویَشِبُّ والنُّشُوۡءُ
التربیةُ (قرطبی)
واصلہ من نَشَأَ اَیۡ اِرۡتَفَعَ (قرطبی)

سُخۡرِيًّا : لِيَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا
سُخۡرِيًّا : (آیت ۳۲) تاکہ ایکدوسرے
سے کام لیتا رہے، سُخۡرِيًّا : خدمتگار،
تابع۔ علامہ محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں
کہ سُخۡرِيًّا کے معنی کام میں لگانے اور بس
میں کرنے کے ہیں، یہ لفظ اپنی پوری تحقیق کے
ساتھ سورۃ المؤمنون میں گزر چکا ہے،

سُقُفًا : سُقُفًا مِّنۡ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ
(آیت ۳۳) سُقُفٌ : چھتیں، اخفش
کے نزدیک یہ سَقۡفٌ کی جمع ہے، جیسے دُهُنٌ

آتی ہے، اور سُقُوفٌ بھی اسکی جمع آتی ہے، فراء کے نزدیک یہ سَقِيفٌ کی جمع ہے، اس کے معنی بھی چھت ہی کے ہیں جیسے کثیبٌ کی جمع کُثُبٌ ہے۔ فراء کے نزدیک اس کو جمع الجمع بھی کہا جاسکتا ہے یعنی سَقْفٌ کی جمع سقوفٌ اور سقوفٌ کی جمع سُقُفٌ، وان شئت جَعَلْتَهٗ جمع الجمع فقلت سُقْفٌ، سُقُوْفٌ و سُقُفٌ (تاج العروس)

مَعَارِج : یہ معراج اسم آلہ کی جمع ہے، بمعنی زینہ، سیڑھیاں۔ عَرَجَ عُرُوْجًا چڑھنا اس سے بلندی کے مفہوم کو مدنظر رکھتے ہوئے بلند درجات پر بھی معارج کا لفظ بولتے ہیں، معراج کی جمع معاريج بھی آتی ہے جیسے کہ مِفْتَاحٌ کی جمع مَفَاتِحُ اور مَفَاتِيحُ، اخفش کے نزدیک یہ مِعْرَجٌ کی جمع بھی ہوسکتی ہے، اور مَعْرَجٌ (بفتح المیم) کی بھی، ذکرہٗ (قرطبی)

يَظْهَرُوْنَ : ای يَرْتَقُوْن : وہ چڑھکر اوپر پہنچ جاتے، کہاجاتا ہے ظَهَرْتُ عَلَى الْبَيْتِ میں مکان کے اوپر چڑھا، ظَهَرَ الشَّيْءُ کے معنی ہیں کسی چیز کا زمین کے اوپر اس طرح ظاہر ہونا کہ نمایاں طور نظر آئے اور ظَهَرْتَ عَلَى الشَّيْءِ کے معنی ہیں کسی چیز کو جان لینا، ظَهَرْتُ عَلَى الْعَدُوِّ : دشمن پر قابو پانا۔

سُرُرًا : وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا (آیت ۳۴) سُرُرًا، یہ سریر کی جمع ہے، اور سَرِيْرٌ اس تخت کو کہتے ہیں جس پر بڑے لوگ ٹھاٹھ باٹھ سے اظہار فرحت کیساتھ بیٹھتے ہیں۔ یہ سُرُوْرٌ سے مشتق ہے جسکے معنی ہیں قلبی فرحت، دلی خوشی، اس کی جمع اَسِرَّةٌ اور سُرُرٌ آتی ہے۔

سَرَّ يَسُرُّ سُرُوْرًا : قلب میں التذاذ اورانشراح حاصل ہونا بغیراس کے کہ ظاہر پر اسکا کوئی اثر ہو اور جی میں خوشی کا ظاہر بھی اثر ہو تو اس کو حُبُوْرٌ کہتے ہیں قال بعضهم: حقيقة السرور التذاذ و انشراح يحصل فى القلب فقط من غير حصول اثره فى الظاهر والحُبُوْرُ مَا يُرَى اَثَرُهٗ فى الظاهر (تاج)

زُخْرُفًا : زُخْرُفٌ، اصل میں زینت کو کہا جاتا ہے جو طمع سے حاصل ہو، اسی سے سونے کو زخرف کہتے ہیں کہ لوگ اسکو نہایت طمع سے جمع کرتے ہیں کیونکہ یہ زیبائش کے کام آتا ہے۔ بَيْتٌ مِنْ زُخْرُفٍ: طلائی گھر آیت کریمہ میں زُخْرُف سے مراد سونا ہے یعنی اگر ہم چاہتے تو کفّار کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی چاندی اور سونے کے

بنا دیتے ، اور زُخْرُفَ الْقَوْلِ: ملمع کی ہوئی باتیں

نُقَيِّضْ : نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا ، نُقَيِّضْ باب تفعیل کے مصدر، تَقْيِيْضٌ سے جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ہم مقدر کر دیتے ہیں ، ہم سبب بنا دیتے ہیں (قاموس) اس کی تحقیق سورۂ فُصِّلَت میں گزر چکی ہے اس کا اصل مادہ مجرد میں سے قَيْضٌ ہے باب ضرب سے آتا ہے اسکے معنی ہیں تبادلہ کرنا ، کسی چیز کے عوض اسکی مثل لے آنا ۔ اقاضَۃٌ: پھاڑنا ۔ قَيَّضَ اللّٰهُ فلانًا بفلانٍ ۔ اللہ فلاں شخص کو فلاں کیطرف لے آئیں ؛ اسکو آمادہ کردے ، لیکن اگر یار کیجگہ لام ذکر کیا جائے تو اس کے معنی مقدر کرنے مقرر کرنے سبب ، بنا دینے کے ہوتے ہیں شلاً قَيَّضْنَا لَهُمْ قرنآء ہم نے اُنکے لئے ساتھی مقرر کر دیئے ۔ مقایضَۃٌ : باہم سامان کا تبادلہ کرنا

ذِكْرٌ : وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ (اٰیت ۴۴) یہ قرآن آپکے اور آپکی قوم کے لئے شرف کی چیز ہے ۔ ذِکْرٌ یہاں شرفٌ کے معنی میں ہے ، ای شرفٌ و لِقَوْمِكَ (راغب) معناهٗ لَشَرَفٌ لكَ وَلِقَوْمِكَ قاله ابن عباس ومجاهد وقتادة والسدی وابن زيد واختاره ابن جرير (ابن کثیر) ای انهٗ يوجب الشرف العظيم لكَ و لقومك (كبير) يعنى القرآن شرفٌ لكَ وَلقومكَ (قرطبی)

يَنْكُثُوْنَ : اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ (اٰیت ۵۰) نَكَثَ يَنْكُثُ نَكْثًا (ن) توڑنا ، نکث العهد : وعدہ توڑنا ۔ نکث البيع : بیع فسخ کرنا ۔ نَكِيْثَةٌ ۔ نَفْسٌ ، طبیعت ، عادت پوری پوری کوشش ، مشکل کام ۔ محاورہ ہے کہ قال قولًا لا نَكِيْثَةَ فِيْهِ : اس نے ایسی بات کہی کہ جس میں خلاف وعدگی نہیں صَرَفَ فيه نكيثتهٗ ۔ اُس نے انتہائی کوشش کی پوری قوت صرف کی ۔

اَسْوِرَةٌ : فَلَوْلَآ اُلْقِیَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ (اٰیت ۵۳) اَسْوِرَةٌ : کنگن ، یہ سِوَارٌ کی جمع ہے جس کے معنی کنگن اور پہنچی کے ہیں ، اسورہ جمع سِوَارٌ کحمار واَحْمِرَةٌ (قرطبی)

اٰسَفُوْنَا : فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا (اٰیت ۵۵) پھر جب انھوں نے ہمیں غصہ دلایا ، اٰسَفُوْا ، اِيْسَافٌ سے جس کے معنی غصہ دلانے کے ہیں ، ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے (لغات القرآن) حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ اَسَفٌ سے نکلا ہے جسکے معنی ہیں افسوس ۔ لہٰذا اس جملہ کے لفظی معنے ہوئے ، پس جب انہوں نے ہمیں افسوس دلایا ، اور افسوس بکثرت غصہ کے معنی

ہیں کبھی استعمال ہوتا ہے اس لئے اسکا بامحاورہ
ترجمہ عموماً اسی طرح کیا جاتا ہے کہ جب انھوں
نے ہمیں غصہ دلایا۔ اور چونکہ باری تعالیٰ افسوس
اور غصہ کے انفصالی کیفیات سے پاک ہیں،
اس لئے اسکا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے کام
ایسے کئے جس سے ہم نے انھیں بدلہ دینے
کا پختہ ارادہ کرلیا (معارف) والاسف ھھنا
بمعنی الغضب (قرطبی)

سَلَفًا : فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ مَثَلًا
لِّلْاٰخِرِيْنَ (آیت ۵۶) تو ہم نے انھیں
پچھلوں کے حق میں ایک خاص قسم کا پیشرو
اور نمونہ عبرت بنادیا (ماجدی)
السَّلَفُ کے معنی مقدم یعنی پہلے گزر جانے
کے ہیں اور فَجَعَلْنٰهُمْ سلفًا کے معنی
ہونگے، ہم نے ان کو گئے گزرے کر دیا اور
پچھلوں کے لئے عبرت کردیا کہ آنیوالی نسلیں
انکے حشر سے سبق حاصل کریں، القَوْمُ
السُّلَّافُ : گزرے ہوئے لوگ، لفلانٍ
سَلَفٌ کَرِيْمٌ، اس کے آبا و اجداد شریف
ہیں، والسَّلَفُ المتقدّم، يقال سَلَفَ
يَسْلُفُ سَلَفًا مِثْلَ طَلَبَ طَلَبًا اى
تقدّم ومضى وسَلَفَ له عَمَلٌ صَالِحٌ
اى تقدّم (قرطبی) سلف کی جمع
اسلافٌ آتی ہے (قرطبی)
عام اہلِ قرارت نے یہاں سَلَفًا (بفتح السین
واللام) پڑھا ہے اس قرارت میں یہ سَالِفٌ
کی جمع ہوگی جیسے خادِمٌ کی خَدَمٌ اور رَاصِدٌ کی
جمع رَصَدٌ اور حَارِسٌ کی جمع حَرَسٌ آتی ہے،
حمزہ اور کسائی نے اسکو سُلُفًا (بضم السین
واللام) پڑھا ہے، اس صورت میں یہ فراء
کے قول کے مطابق سَلِيفٌ کی جمع ہے جیسے
سَرِيْرٌ کی جمع سُرُرٌ آتی ہے، اور ابو حاتم
کے قول کے مطابق یہ سَلَفٌ کی جمع ہے،
جیسے خَشَبٌ کی جمع خُشُبٌ اور ثَمَرٌ کی جمع
ثُمُرٌ آتی ہے، معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔
حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، علقمہ، ابو وائل
نخعیؒ اور حُمَید بن قیس وغیرہ نے سُلَفًا
(بضم السین وفتح اللام) پڑھا ہے۔ اس
قرارت پر سُلَفًا، سُلْفَةٌ کی جمع ہوگی جس
کے معنی ہیں گزرا ہوا فرقہ، اہلِ لغت میں
مؤرج اور نصر بن شمیل کا قول ہے کہ سُلَفًا
سُلْفَةٌ کی جمع ہے جیسے غرفۃ کی جمع غُرَفٌ
اور طُرفَةٌ کی جمع طُرَفٌ اور ظُلْمَةٌ کی جمع
ظُلَمٌ (قرطبی)

يَصِدُّوْنَ : اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ
يَصِدُّوْنَ (آیت ۵۷) تبھی اپکی قوم اس

سے چلانے لگتی ہے، یَصِدُّوْن، باب ضَرَبَ
کے مصدر صدید سے ہے جس کے معنی ہیں شور
چیخنا، چلانا۔ یَصِدُّوْن : وہ چیختے چلاتے ہیں،
صَدَّ یَصُدُّ صُدُوْدًا، یہ نَصَرَ سے ہے،
عَنْ کے ذریعہ جب استعمال ہو تو اس کے معنی
اعراض کرنے، منہ پھیرنے اور ہٹ جانے کے
ہوتے ہیں اسی سے تصدیۃٌ ہے بمعنی تالی بجانا
اور تَصَدُّدٌ (تفعل) کسی کے درپے ہونا۔
قال الجوھری، وصدّ یَصُدُّ صَدِیْدًا،
ای ضَجَّ وقیل إنہ بالضم من الصدود
وھو الاعراض و بالکسر من الضجیج (قرطبی)
ضَجِیْجٌ کے معنی ہیں ثقل کی وجہ سے اونٹ کا
آواز دینا۔ علامہ ابن منظور نے لسان العرب
میں لکھا ہے کہ صَدَّ یَصِدُّ صَدًّا کے معنی ہیں
ہنستے ہوئے کسی چیز کو بعید سمجھنا اور چیخنا،
(لسان العرب) وَصَدَّ یَصِدُّ صَدًّا، استغرب
ضحکًا۔ وصَدَّ یَصِدُّ صَدًّا۔ ضَجَّ و عَجَّ (لسان)

خَصِمُوْن : بَلْ ھُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْن
(آیت ۵۸) اصل یہ ہے کہ یہ ہیں جھگڑالو۔
خَصِمُوْن خَصِمٌ کی جمع ہے جھگڑالو لوگ، یہ
صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ اصل مصدر خَصْمٌ
ہے بمعنی جھگڑنا۔ لڑنا۔ خَصِیْمٌ فَعِیْلٌ کے وزن
پر مبالغہ کا صیغہ ہے سخت قسم کا جھگڑالو اور
لڑاکا، کثیر المخاصمت،

اَلْاَخِلَّاءُ : (آیت ۶۷) اخلاء خلیلٌ
کی جمع ہے جس کے معنی دوست احباب کے ہیں
اصل میں خَلَلٌ دو چیزوں کے درمیان کشادگی
اور فاصلہ کو کہتے ہیں مثلاً بادل اور گھروں کے
درمیان کا فاصلہ یا راکھ وغیرہ کا اندرونی حصہ
اس کی جمع خِلَالٌ آتی ہے فَتَرَی الْوَدْقَ
یَخْرُجُ مِنْ خِلَالِہٖ، تم دیکھتے ہو کہ اس کے
بیچ میں سے بارش برسنے لگتی ہے، اور گھروں
کے متعلق فرمایا، فَجَاسُوْا خِلَالَ الدِّیَارِ
اور وہ شہروں کے اندر پھیل گئے، اسی سے
خُلَّۃٌ ہے بمعنی مودّت دوستی، محبت، دوستی
کو خُلَّۃٌ اسلئے کہتے ہیں کہ وہ دل کے اندر داخل
ہو کر اس طرح اثر کرتی ہے جس طرح تیر نشانہ پر لگ کر
اس پر نشان ڈالدیتا ہے یا اس لئے کہ وہ دل
کے اندر سرایت کرجاتی ہے (راغب)

تُحْبَرُوْنَ : اُدْخُلُوا الْجَنَّۃَ اَنْتُمْ
وَاَزْوَاجُکُمْ تُحْبَرُوْنَ (آیت ۷۰)
تم اور تمہاری بیویاں خوش خوش جنت میں
داخل ہو (ماجدی)
تُحْبَرُوْنَ، تمہاری عزت کرائی جائے گی تم
خوش کردیئے جاؤ گے، تمہارا بناؤ سنگار کرایا
جائے گا۔ حَبَرَ (ن) سے ہے جس کے معنی

زینت کرنے اور خوشی و مسرت کے آثار ظاہر ہونے کیلئے

تُحْبَرُوْنَ : تُكْرَمُوْنَ ، قالہ ابن عباسؓ (قرطبی) عالم کو بھی حَبْرٌ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کے وعظ اور ارشاد کا اثر لوگوں کے دلوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ حَبْرٌ : جمع اَحْبَارٌ آتی ہے علمائے یہود، جوہری نے لکھا ہے کہ بفتح الفار زیادہ فصیح ہے۔ جیّد عالم، نیک، صالح، یہود کے علماء کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ اِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ، لوگوں کا مال ناجائز طریقوں سے ہڑپ کرتے رہتے ہیں چندے کے سیکڑوں پکھنڈ بنائے ہوئے ہیں۔

صِحَافٍ : يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ، صَحْفَةٌ : چوڑے پیالے کی طرح کا ایک برتن ہے اس کی جمع صِحَافٌ ہے اہلِ لغت میں سے کسائی کا قول ہے، پیالوں میں سب سے بڑا پیالہ جَفْنَةٌ ہے پھر اسکے بعد قَصْعَةٌ ہے اس کی جمع قِصَاعٌ آتی ہے تقریباً دس افراد کے لئے کافی ہوتا ہے اسکے بعد صَحْفَةٌ ہے جس میں پانچ افراد سیر ہوسکتے ہیں۔ اسکے بعد مِئْكَلَةٌ ہے جو دو یا تین افراد کے لئے ہوتا ہے اور سب سے چھوٹا صُحَيْفَةٌ ہے (بضم الصاد) کتاب کو کہا جاتا ہے اس کی جمع صحائف اور صُحُفٌ ہوتی ہے (قرطبی)

اَكْوَابٌ : (آیت نمبر ۷۱) اس کی واحد كُوْبٌ آتی ہے، اَكْوَابٌ : کوزے، آبخورے پیالے، كُوْبٌ : اس کوزے سے پانی پینا جسکا سر گول ہو اور کنڈا نہ ہو یعنی اس میں پکڑنے کا الگ سے کوئی دستہ وغیرہ نہ ہو قال ابن عزیز: اکوابٌ : اباریق لا عُرٰی لها ولا خراطیم واحدها کوب : قلت وهو معنیٰ قول مجاهد والسدی وهو مذهب اهل اللغة انها التی لاآذان لها ولا عریٰ (قرطبی) یعنی اہلِ لغت کا مذہب بھی یہی ہے کہ کوب اس کوزے کو کہا جاتا ہے جسکا دستہ کنڈا وغیرہ کچھ نہ ہو۔

مفسر قتادہؒ کا قول ہے کہ کوب، گول قسم کا کوزہ ہے جو چھوٹا ہوتا ہے، اور چھوٹا سا دستہ بھی اسکا ہوتا ہے۔ (اور ابریق وہ ہے جو لمبا ہوتا ہے اور اس کا دستہ بھی طویل ہوتا ہے لیکن عام اہلِ لغت کا قول یہ ہے کہ کوبٌ وہ ہے جسکا دستہ وغیرہ نہ ہو، الكوبُ : الكوز الذی لا عروة لهٗ (لسان) حدیث میں حوضِ کوثر کے متعلق یہ ارشاد وارد ہوا ہے کہ اکوابُهٗ عدد نجوم السماءِ، یعنی حوض کوثر میں جو کوزے رکھے ہیں ان کی تعداد آسمان کے ستاروں کی طرح ہے

یعنی لاتعداد ہیں۔

تَلَذُّ : وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ (آیت ۷۱) اور جس سے آنکھیں آرام پائیں (معارف)

تَلَذُّ : وہ لذت پکڑتی ہے وہ لذت پکڑے وہ لذت پکڑ لے گی (سمع) لَذَّةٌ سے جس کے معنی لذت پانے اور مزہ لینے کے ہیں مضارع کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے (لغات القرآن) لَذَّ الشَّیْءَ : کسی چیز کو لذیذ پانا۔ لَذٌّ، لذیذ مرغوب، نبیذ۔ مَلَذٌّ لذت کی جگہ جمع مَلَاذُّ

يُفَتَّرُ : لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ (آیت ۷۵) وہ ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں مایوس پڑے رہیں گے (ماجدی) الفُتُوْر کے معنی ہیں تیزی کے بعد ٹھہرنا، سختی کے بعد نرم ہونا، قوت کے بعد کمزور پڑجانا، اور لَا يَفْتُرُوْنَ کے معنی ہیں وہ ہمیشہ عبادت میں سرگرم رہتے ہیں کبھی سست نہیں ہوتے، ایک حدیث میں وارد ہے فَمَنْ فَتَرَ اِلٰی سُنَّتِیْ فَقَدْ نَجَا، جس نے میری سنت سے سکون حاصل کیا وہ بچ گیا اور فَتَرَ عَنِ الْعَمَلِ کام میں کوتاہی کرنا۔ يُفَتَّرُ تَفْتِيْرٌ سے بمعنی کم نہیں کیا جائے گا، ہلکا نہیں کیا جائے گا لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ، ان سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا، لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ : ای لا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ ذالك العذاب (قرطبی)

مُبْلِسُوْنَ : وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ، اور وہ اسمیں مایوس پڑے رہیں گے، مُبْلِسُوْنَ، ای آیِسُوْنَ من الرحمۃ (قرطبی) یہ ابلاسٌ سے باب اَفْعَلَ سے مُبْلِسٌ اسم فاعل کی جمع ہے سخت مایوسی کی وجہ سے غمگین ہونا، اَبْلَسَ، وہ مایوس ہونے کی وجہ سے غمگین ہوا، اس کا اصل مادہ بَلَسٌ ہے، پرانی سامی لغت میں بلس کے معنی ہیں قدموں سے کچل ڈالنا، روندنا، اور عربی میں بَلَسٌ بےخبر آدمی کو کہا جاتا ہے، اَبْلَسَ مِنَ الرَّحْمَۃِ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہوا بعض اہل لغت کے نزدیک ابلیس بھی اسی سے ماخوذ ہے۔

اَبْرَمُوْا : اَمْ اَبْرَمُوْا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ کیا انھوں نے کوئی انتظام کر رکھا ہے، ہاں تو ہم نے بھی انتظام کر رکھا ہے، الابرام کے معنی ہیں کسی معاملہ کو مضبوط و محکم کرنا، یہ اصل میں ابرام الحبل سے ماخوذ ہے جسکے معنی ہیں رسّی کو مضبوط بنانا، اَبْرَمَ الْفِتَالَ : رسّی کو مضبوط باٹنا، اصل رسّی کو صرف ایک بار باٹنے کو سَحِیْلٌ کہتے ہیں، اور ابرم الفتل اُسی کو دوبارہ باٹنا تاکہ مزید پکی ہو جائے۔ اَبْرَمُوْا : اَحْكَمُوْا:

والابرام الاحکام : اَبْرَمْتُ الشئَ ، اَحْکَمْتُہٗ - واَبْرَمَ الفتالَ اذا احکمہ الفتلَ وھو الفتل الثانی (قرطبی)

اَلشَّفَاعَۃ : شفاعت کے لفظی معنی ملنے یا ملانے کے ہیں، اسی وجہ سے لفظ شفعہ عربی زبان میں جوڑے کے معنی میں آتا ہے اور اس کے بالمقابل وتر بمعنی طاق استعمال کیا جاتا ہے اسلئے شفاعت کے لفظی معنی یہ ہوئے کہ کسی کمزور طالب حق کے ساتھ اپنی قوت ملاکر اس کو قوی کر دیا جائے یا بیکس اکیلے شخص کے ساتھ خود ملکر اس کو جوڑا بنا دیا جائے - اس سے معلوم ہوا کہ جائز سفارش کے لئے ایک تو یہ شرط ہے کہ جس کی سفارش کیجائے اسکا مطالبہ حق اور جائز ہو دوسرے یہ کہ وہ اپنے مطالبہ کو بوجہ کمزوری خود بڑے لوگوں تک نہیں پہنچا سکتا، آپ پہنچا دیں، اس سے معلوم ہوا کہ خلافِ حق سفارش کرنا یا دوسروں کو اسکے قبول پر مجبور کرنا شفاعت سیئہ یعنی بُری سفارش ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ سفارش میں اپنے تعلق یا وجاہت سے طریقہ دباؤ اور اجبار کا استعمال کیا جائے تو وہ بھی ظلم ہونے کی وجہ سے جائز نہیں، اس لئے وہ بھی شفاعت سیئہ میں داخل ہے - اب خلاصہ مضمون آیت

مذکورہ کا یہ ہوگا کہ جو شخص کسی شخص کے جائز حق اور جائز کام کے لئے جائز طریقے پر سفارش کرے تو اس کو ثواب کا حصہ ملیگا، اور اسی طرح جو کسی ناجائز کام کے لئے یا ناجائز طریقہ پر سفارش کرے گا اس کو عذاب کا حصہ ملیگا حصہ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص سے سفارش کی گئی ہے وہ جب اس مظلوم یا محروم کا کام کر دے تو جس طرح اس کام کرنے والے افسر کو ثواب ملے گا اسی طرح سفارش کرنے والے کو بھی ثواب ملے گا - اسی طرح کسی ناجائز کام کی سفارش کرنے والا بھی گنہگار ہوگا اور یہ پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ سفارش کرنے والے کا ثواب یا عذاب اس پر موقوف نہیں کہ اس کی سفارش مؤثر اور کامیاب بھی ہو بلکہ اسکو بہرحال اپنا حصہ ملے گا -

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ (رواہ البزار عن ابن مسعود والطبرانی عنہ عن سھل بن سعد بحوالہ مظھری) یعنی جو شخص کسی نیکی پر کسی کو آمادہ کر دے اس کو ایسا ہی ثواب ملیگا جیسا اس نیک عمل کرنے والے کو - اسی طرح ابن ماجہ کی ایک حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَنْ اَعَانَ عَلٰی قتل مؤمن بشطر کلمۃ لقی اللہ، مکتوب بین عینیہ اٰئس من رحمۃ اللہ (مظہری) یعنی جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل میں ایک کلمہ سے بھی مدد کی تو وہ قیامت میں حق تعالیٰ کی پیشی میں اس طرح لایا جائے گا کہ اس کی پیشانی پر یہ لکھا ہوگا کہ یہ شخص اللہ تعالےٰ کی رحمت سے محروم و مایوس ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح نیکی پر کسی کو آمادہ کرنا نیک عمل اور برابر کا ثواب رکھتا ہے اسی طرح بدی اور گناہ پر کسی کو آمادہ کرنا یا سہارا دینا بھی برابر کا گناہ ہے، آخر آیت میں ارشاد فرمایا، وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا لفظ مقیت کے معنی لغت کے اعتبار سے قادر و مقتدر کے بھی ہیں اور حاضر و نگراں کے بھی، اور روزی تقسیم کرنے والے کے بھی، اور اس جملہ میں تینوں معنی مراد ہو سکتے ہیں، پہلے معنی کے اعتبار سے تو مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے عمل کرنے والے اور سفارش کرنے والے کی جزا یا سزا اسکے لئے دشوار نہیں، اور دوسرے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگراں و حاضر ہے اس کو سب معلوم ہے کہ کون کس نیت سے سفارش کر رہا ہے محض لوجہ اللہ کسی بھائی کی امداد

مقصود ہے یا کوئی اپنی غرض بطور رشوت کے اس سے حاصل کرنا ہے، اور تیسرے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ رزق و روزی کی تقسیم کا تو اللہ تعالےٰ خود متکفل ہے، جتنا کسی کے لئے لکھدیا ہے وہ اس کو ملکر رہے گا کسی کی سفارش کرنے سے وہ مجبور نہیں ہوگا بلکہ جسکو جتنی چاہے روزی عطا فرمائے، البتہ سفارش کرنے والے کو مفت میں ثواب مل جاتا ہے کہ وہ ایک کمزور کی اعانت ہے، حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کان اللہ فی عون عبدہ ما دام فی عون اخیہ، یعنی اللہ تعالیٰ اسوقت تک اپنے بندے کی امداد میں لگا رہتا ہے جب تک وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی امداد میں لگا رہے۔ اسی بنا پر صحیح بخاری کی ایک حدیث میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اشفعوا فلتوجروا ولیقضی اللہ علی لسان نبیہ ماشاء، یعنی تم سفارش کیا کرو تمہیں ثواب ملے گا، پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے ذریعہ جو فیصلہ فرمائیں اس پر راضی رہو" اس حدیث میں جہاں سفارش کا موجب ثواب ہونا بیان فرمایا ہے وہیں یہ بھی بتلایا کہ سفارش کی حد یہی ہے کہ

کمزور آدمی جو خود اپنی بات کسی بڑے تک پہنچانے اور اپنی حاجت صحیح طور پر بیان کرنے پر قادر نہ ہو تم اس کی بات وہاں تک پہنچا دو، آگے وہ سفارش مانی جائے یا نہ مانی جائے اور اس شخص کا مطلوبہ کام پورا ہو یا نہ ہو، اس میں آپ کا کوئی دخل نہ ہونا چاہئے اور اس کے خلاف ہونے کی صورت میں آپ پر کوئی ناگواری نہ ہونی چاہئے، حدیث کے آخری جملہ میں ویقضی اللّٰہ علیٰ لسان نبیہٖ ماشاء کا یہی مطلب ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ میں اس طرف اشارہ موجود ہے کہ سفارش کا ثواب یا عذاب اس پر موقوف نہیں کہ وہ سفارش کامیاب ہو بلکہ اس ثواب و عذاب کا تعلق مطلق سفارش کر دینے سے ہے، آپ نے شفاعت حسنہ کر دی تو ثواب کے مستحق ہو گئے اور شفاعت سیئہ کر دی تو عذاب کے مستوجب بن گئے خواہ آپکی سفارش پر عمل ہو یا نہ ہو، تفسیر بحر محیط اور بیان القرآن وغیرہ میں مَنْ یشفع میں لفظ مِنْهَا کو سببیہ قرار دے کر اسکی طرف اشارہ بتلا رہا ہے اور تفسیر مظہری میں امام تفسیر مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ سفارش کرنے والے کو سفارش کا ثواب ملیگا

اگرچہ اسکی سفارش قبول نہ کی گئی ہو، اور یہ بات صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ مخصوص نہیں، کسی دوسرے انسان کے پاس جو سفارش کیجائے اسکا بھی یہی اصول ہونا چاہئے کہ سفارش کر کے آدمی فارغ ہو جائے، اسکے قبول کرنے پر مجبور نہ کرے جیسا کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آزاد کردہ کنیز سے یہ سفارش فرمائی کہ اُسنے اپنے شوہر مغیث سے طلاق حاصل کر لی ہے اور وہ اسکی محبت میں پریشان پھرتے ہیں کہ دوبارہ اُنھیں سے نکاح کر لے، بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ آپ کا حکم ہے تو سر آنکھوں پر اور اگر سفارش ہی ہے تو میری طبیعت اس پر بالکل آمادہ نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حکم نہیں سفارش ہی ہے۔ بریرہؓ جانتی تھیں کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خلاف اصول کوئی ناگواری نہ ہوگی، اسلئے صاف عرض کر دیا کہ تو پھر میں یہ سفارش قبول نہیں کرتی، آپ نے خوش دلی کیساتھ ان کو انکے حال پر رہنے دیا، یہ تھی حقیقت سفارش کی جو شرعاً باعث اجر و ثواب تھی، آجکل لوگوں نے جو اس کا حلیہ بگاڑا ہے وہ

درحقیقت سفارش نہیں ہوتی بلکہ تعلقات یا وجاہت کا اثر اور دباؤ ڈالنا ہوتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اگر ان کی سفارش نہ مانی جائے تو ناراض ہوتے ہیں بلکہ دشمنی پر آمادہ ہو جاتے ہیں حالانکہ کسی ایسے شخص پر ایسا دباؤ ڈالنا کہ وہ ضمیر اور مرضی کیخلاف کرنے پر مجبور ہو جائے، اکراہ و اجبار میں داخل اور سخت گناہ ہے اور ایسا ہی ہے جیسا کوئی کسی کے مال یا کسی کے حق پر زبردستی قبضہ کرلے وہ شخص شرعاً اور قانوناً آزاد و خود مختار تھا، آپ نے اس کو مجبور کر کے اسکی آزادی سلب کرلی، اس کی مثال تو ایسی ہوگئی کہ کسی محتاج کی حاجت پوری کرنے کے لئے کسی دوسرے کا مال چرا کر اسکو دیدیا جائے۔

سفارش پر کچھ معاوضہ لینا رشوت ہے حرام ہے جس سفارش پر کوئی معاوضہ لیا جائے وہ رشوت ہے، حدیث میں اس کو سُحتٌ و حرام فرمایا ہے اسمیں ہر طرح کی رشوت داخل ہے خواہ وہ مالی ہو یا یہ کہ اسکا کام کرنے کے عوض اپنا کوئی کام اس سے لیا جائے تفسیر کشاف وغیرہ میں ہے کہ شفاعت حسنہ وہ ہے جسکا منشا کسی مسلمان کے حق کو پورا کرنا یا اس کو کوئی جائز نفع پہنچانا یا مضرت اور نقصان سے بچانا ہو اور یہ سفارش کام بھی کسی دُنیوی جوڑ توڑ کے لئے نہ ہو بلکہ محض اللہ کے لئے کمزور کی رعایت مقصود ہو اور اس سفارش پر کوئی رشوت مالی یا جانی نہ لیجائے اور یہ سفارش کسی ناجائز کام میں بھی نہ ہو، نیز یہ سفارش کسی ایسے ثابت شدہ جرم کی معافی کے لئے نہ ہو جن کی سزا قرآن میں معین مقرر ہے۔ تفسیر بحر محیط اور مظہری وغیرہ میں ہے کہ کسی مسلمان کی حاجت روائی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا بھی شفاعت حسنہ میں داخل ہے اور دعا کرنے والے کو بھی اجر ملتا ہے ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی مسلمان کے لئے کوئی دُعائے خیر کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے، ولك بمثلٍ، یعنی اللہ تعالیٰ تیری بھی حاجت پوری فرمائیں (معارف القرآن ص ۴۹۶ ج ۲)

قِيْلِهٖ : وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَاۤءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ : قِيْلِهٖ مصدر ہے جو ہٖ ضمیر کی طرف مضاف ہے، اسکی قرأت میں تین قول ہیں۔ النصب، الجر، الرفع عاصمؒ اور حمزہؒ نے جر کے ساتھ پڑھا ہے، اس صورت میں اس کا مطلب دو طرح ہوگا، نمبر ا۔ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ و

علم قیلہ، اللہ ہی کو قیامت کا علم، اور اُسی کو رسول کے قول کا علم ہے۔ نمبر۲۔ واؤ قسم کے لئے ہے اور جواب قسم محذوف ہے یعنی قسم ہے رسول کے اس قول کی ان لوگوں کے ساتھ جو چاہوں گا کروں گا۔ یا قسم ہے رسول کے یا رب کہہ کر پکارنے کی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے، اس صورت میں جواب قسم مذکور ہوگا، یعنی اِنَّ هٰؤُلَاۤءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ، دوسری قرارت نصب کی ہے جو باقی قراءِ سبعہ کی قرارت ہے، اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہے وعِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیَعْلَمُ قِیلَہٗ۔ یعنی اس صورت میں اس کا نصب یعلم فعل محذوف کی بنار پر ہے، قِیلَہٗ کا نصب مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے بھی جائز ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی : وقال قیلَہٗ۔ تیسری قرارت قیلُہٗ ہے (یعنی بالرفع) اس صورتمیں تقدیر عبارت یہ ہوگی وعِنْدَہٗ قِیلُہٗ۔ اَوْ قِیلُہٗ مَسْمُوْعٌ (قرطبی)

شرح الفاظ القرآن من سورة الدخان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِرْتَقِبْ : فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ، (آیت نمبر۱۰) سو تو انتظار کر اس دن کا کہ لائے آسمان دھواں صریح (معارف) اصل میں رَقَبَةٌ تو گردن کو کہتے ہیں اور رَقَبْتُہٗ کے معنی ہیں کسی کی گردن پر مارنا یا اس کی گردن کی حفاظت کرنا۔ اسی سے رقیبٌ ہے، نگراں کو کہا جاتا ہے، یا اس لئے کہ وہ ہر شخص کی گردن پر نظر رکھتا ہے اور یا اس لئے کہ وہ نگرانی کے لئے بار بار اپنی گردن اٹھا کر دیکھتا ہے، قرآن پاک کا ارشاد ہے وَارْتَقِبُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ تم بھی منتظر رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں، اور ارتقبوا باب افتعال کے مصدر ارتقابٌ سے امر کا صیغہ ہے، اسکے معنی انتظار کرنے اور راہ دیکھنے کے آتے ہیں۔ اِرْتَقِبْ : تو انتظار کر، تو راہ دیکھ۔

دُخَانٌ : دھواں جمع اَدْخِنَةٌ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ یہ دھواں عہد نبوی میں گزر چکا ہے اور حضرت علیؓ کا قول ہے کہ اس دھوئیں کا ظہور قیامت میں ہوگا، مزید تفصیل سورۂ فصلت میں دیکھیں۔

رَهْوًا : وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا، اور تم اس دریا کو سکون کی حالت میں چھوڑنا، رَهْوٌ کے معنی ہیں ساکن (معارف) یہ رَهَا يَرْهُوْ کا مصدر ہے جسکے معنی دریا کے تھمنے کے آتے ہیں۔ امام بخاری نے دخان کی تفسیر میں مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ رَهْوٌ، خشک راستہ ہے۔ رَهْوٌ اصل میں ایسا لفظ ہے جس کے معانی بہت سے ہیں اور یہ اضداد میں سے ہے۔ الرَّهْوَ وَالرَّهْوَةُ : بلند جگہ کو بھی کہتے ہیں اور نیچی جگہ کو بھی کہتے ہیں جہاں پانی کھڑا ہو جائے۔ زیادہ مشہور معنی لفظ رہو کے کشادہ اور ساکن کے ہیں۔ والرَّهْوُ عند العرب : الساكن (قرطبی)

مطلب یہ ہے کہ جب آپ بنی اسرائیل کو لیکر دریا پار کرلیں تو دریا کو تھما ہوا اور کشادہ ہی رہنے دینا اس کے دوبارہ ملنے کی فکر نہ کرنا، کیونکہ اس میں فرعون اور جنود فرعونی کو غرق کرنا ہے۔ جمع رِهَاءٌ آتی ہے اور عَيْشٌ رَاهٍ

کشادہ زندگی، خوش عیشی۔

زُرُوْعٍ : زُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ، اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات، زُرُوْعٍ، زَرْعٌ کی جمع ہے بمعنی کھیتیاں۔ الزَّرْعُ اس کے اصل معنی انبات کے ہیں یعنی اُگانا، اور یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور انسان کی طرف اس کی نسبت مجازاً کی جاتی ہے کیونکہ یہ اُگانے کے اسباب میں سے ہے، اصل میں زرعٌ مصدر ہے جو مزروعٌ بمعنی اسم مفعول استعمال ہوتا ہے اور مراد کھیتی ہوتی ہے جیسے کہ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا: پھر اس پانی کے ذریعہ سے کھیتی نکالتے ہیں۔

نَعْمَةٍ : اس کے معنی آرام و آسائش کے ہیں یہ فَعْلَةٌ کے وزن پر ہے جو بمعنی مرۃٌ کے استعمال ہوتا ہے۔ نَعْمَةٌ بمعنی تَنْعِيْمٌ ہے کسی کو آرام و آسائش دینا، نَعَّمَهُ اللّٰهُ وَنَاعَمَهُ فَتَنَعَّمَ، اللہ نے اسپر انعام کیا تو وہ انعام یافتہ ہوگیا۔ اور نِعْمَةٌ (بالکسر) فائدہ، فضل، انعام، حق، احسان، مال، حدیث میں ہے کیف انعمُ وصاحب القرن قد التقمہ میں کیونکر خوش ہو سکتا ہوں جبکہ حالت یہ ہے کہ صُور کا فرشتہ صُور منہ میں لئے ہوئے ہے، نہ معلوم اس کو کب پھونکنے کا حکم ہو جائے یہاں اَنْعَمُ نَعْمَةٌ بفتح النون سے ماخوذ ہے جس کے معنی مسرت فرح اور ترفّہ کے ہیں۔ نُعْمَةٌ نون کے پیش کے ساتھ خوشی کے معنی میں آتا ہے،

نُعْمَةُ الْعَيْنِ : آنکھوں کی ٹھنڈک (اللسان، قرطبی) حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ اذا سمعت قولاً حسنًا فرويدًا بصاحبه فان وافق قولٌ عملاً فنَعَمْ ونعمة عين واخِه وَاَوْدِدْهُ اگر تو کسی شخص سے اچھی بات سنے تو ابھی تھوڑا تحمل کرو جلدی سے اُس پر فریفتہ نہ ہو جاؤ بلکہ اسکے فعل کو دیکھو اگر قول اسکے فعل کے موافق ہے جو وہ نصیحت کرتا ہے اُسپر وہ عمل کرتا ہے تو اُسکی تائید کر اور اسکو کہہ کہ میں تیری اطاعت کرکے تیری آنکھ کو ٹھنڈک دونگا اور اسکا بھائی بن جا اور اس سے محبت کر۔ ابو مریم نے امیر معاویہؓ سے کہا کہ ما انعمنا بك کس امر نے ہم کو آپ کی ملاقات سے مسرور اور خوش کیا یعنی آپ کیسے تشریف لاکر میرے لئے وجہ مسرت بنے یہ جملہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی کے ملنے سے خوشی ہو۔

اِخْتَرْنَا : وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ (آیت ۳۲) اور ہم نے ان کو پسند کر لیا، ہم نے ان کو چن لیا، اِخْتَرْنَا اِخْتِيَارٌ (افتعال) سے جسکے معنی انتخاب کر لینے اور چن لینے کے ہیں۔ جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہے اس کا اصل مادہ مجرد خیرٌ ہے اس چیز یا کام کو کہا جاتا ہے جو سب کو پسند اور مرغوب ہو جیسے مثلاً عقل، فضل اور تمام نیک اعمال خیر ہیں، اسی

سے اختیار ہے ۔ بہتر اور پسندیدہ چیز کو طلب کر کے گزرنا ، اور کبھی اختیار کا لفظ کسی چیز کو بہتر سمجھنے پر بولا جاتا ہے اگرچہ وہ نفس الامر میں بہتر نہ ہو ،

بَلٰٓؤٌ : فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ، اسمیں کھلا ہوا انعام تھا ، بلٰوءٌ کے دو معنی آتے ہیں ۔ نمبر ۱ ۔ انعام ، نمبر ۲ دوسرے آزمائش ، یہاں دونوں بلا تکلف ممکن ہیں ۔ ظاہر ہے کہ یہاں بلاءٌ سے مراد نعمِ دنیا ہیں ۔ نِعْمَةٌ ظاهِرَةٌ (قرطبی)

تُبَّعٍ : اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ، کیا یہ لوگ شان و شوکت کے اعتبار سے بڑھے ہوئے ہیں یا تبع کی قوم ۔ قرآن کریم میں قوم تبع کا ذکر صرف دو مقامات پر آیا ہے ، ایک یہاں اور دوسرا سورۂ قٓ میں لیکن دونوں مقامات پر اسکا صرف نام ہی ہے کوئی مفصل واقعہ مذکور نہیں ہوا اسلئے اس بارے میں مفسرین نے طویل بحثیں کی ہیں کہ اس سے کون مراد ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ تبع کسی فرد معین کا نام نہیں بلکہ یہ یمن کے ان حمیری بادشاہوں کا متواتر لقب رہا ہے جنہوں نے ایک عرصہ دراز تک یمن کے مغربی حصہ کو دار السلطنت قرار دیکر عرب ، شام ، عراق اور افریقہ کے بعض حصوں پر حکومت کی ، چنانچہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں لیس المراد بتبع رَجُلًا واحدًا بل المراد به ملوك

اليمن ۔ اسی طرح سہیلی کا قول ہے کہ تبع اسم لکلّ ملك مَلَكَ اليمن والشحر وحضرموت چنانچہ اس کی جمع تَبَابِعَہ آتی ہے اور ان بادشاہوں کو تَبَابِعَہ یمن کہا جاتا ہے ، یہاں ان تَبَابِعَہ میں سے کون سا تبع مراد ہے اس بارہ میں علامہ ابن کثیر کی تحقیق نہایت قرینِ قیاس ہے اور انکی تحقیق راجح ہے ، فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تبع اوسط ہے جسکا نام اسعد ابو کریب بن ملیکیکرب یمانی ہے ، امام قرطبی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے ، یہ بادشاہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور بعثت سے تقریباً سات سو سال پہلے گزرا ہے اور حمیری بادشاہوں میں اسی کی مدت سلطنت زیادہ ہے ، اس نے اپنے دَورِ حکومت میں بہت سے علاقے فتح کئے ۔ یہانتک کہ سمرقند پہنچ گیا ۔ محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ انھیں فتوحات کے دَوران وہ مدینہ منورہ کی بستی سے گزرا اور اُس پر چڑھائی کا ارادہ کر لیا ، لیکن اہلِ مدینہ کے حسنِ خلاق نے اس کو پسپا کر دیا ، وہ دنکو اسکے ساتھ جنگ کرتے اور رات کو اسکی مہمانی کرتے ، اور جب اسکو علماءِ یہود نے یہ بتایا کہ یہ شہر نبی آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم کا مقامِ ہجرت ہے جسکا نام احمد ہو گا تو اُسنے ارادہ ترک کر دیا اور ان علماء کو

ساتھ لیکر یمن چلا گیا اور دینِ موسوی پر ایمان
لے آیا۔ اور اسکی قوم بھی ایمان لے آئی لیکن اسکے
مرنیکے بعد وہ لوگ پھر گمراہ ہوگئے اور بت پرستی شروع
کردی جس کی وجہ سے انکو عذاب میں مبتلا کیا گیا
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لَا
تَسُبُّوْا تُبَّعًا فَاِنَّهٗ قَدْ كَانَ اَسْلَمَ، جن طلباء
کو زیادہ تحقیق مطلوب ہو وہ ارض القرآن کا مطالعہ کریں

مُهْل: کَالْمُهْلِ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ، جیسا
پگھلا ہوا تانبا کھولتا ہے پیٹوں میں (معارف)
مُهل ہر معدنی چیز کو کہا جاتا ہے جیسے تانبا، سونا
چاندی وغیرہ، لوہے کے پگھلے ہوئے پانی کو بھی
مُهل کہتے ہیں یہاں پگھلے ہوئے تانبے کا پانی مراد ہے
وھو النحاس المذاب (قرطبی) یعنی مُهل پگھلا
ہوا تانبا ہے۔

یَغْلِیْ: یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ، ہانڈی کے
جوش اور اُبال کھانے کو غَلْیٌ اور غلیان کہتے ہیں
اور اسی سے بطورِ استعارہ کے یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْن کہ
وہ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹ میں جوش کھائیگا
یہ ضرب سے استعمال ہوتا ہے۔ ایک قرات
تَغْلِی تائے فوقانی کیساتھ ہے اس صورت میں ضمیر
کا مرجع شَجَرَةٌ ہوگا یعنی وہ شجرہ جو گناہ
گاروں کا کھانا ہے پیٹ میں جاکر پگھلے ہوئے
تانبے کی طرح اُبال کھائے گا۔ اور یَغْلِی یائے
تحتانی کے ساتھ اگر پڑھا جائے جیسا کہ مشہور
قرارت ہے اس کی ضمیر طعام کیطرف راجع ہوگی
حاصل دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے مُهل
کیطرف ضمیر کو راجع نہیں کیا جائے گا چونکہ یہ
بطور تشبیہ کے ذکر کیا گیا ہے۔

فَاعْتِلُوْهُ: خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ
الْجَحِيْمِ ۔ اس کو پکڑو پھر گھسیٹتے ہوئے اسکو
دوزخ کے بیچ تک لیجاؤ۔ اِعْتِلُوْهُ، اسکو
دھکیل کر لیجاؤ (ضرب۔ نصر) اِعْتِلُوْا عَتْلٌ
سے جس کے معنی چاروں طرف سے پکڑ کر زبردستی
کھینچنے اور دھکیلنے کے ہیں، والعتل اَنْ
تاخذ بتلابیب الرجل فتعتلہٗ۔
(تلابیب، جمع ہے اس کی واحد تَلْبِیْب ہے
کسی کے سینے پر اس کے کپڑے اکٹھے کرکے
اس کو اپنی طرف کھینچنا) ای تجرہ الیک
لتذھب بہ الی حبس او بلیۃ (قرطبی)

عُتُلّ: سخت مزاج، گردن کش، اُجڈ
بہت کھانے والا، ستمگر، یہ عَتْلٌ سے صفت
کا صیغہ ہے جس کے معنی کسی چیز کو پورے
طور پر پکڑ کر سختی اور زبردستی کھینچنے کے ہیں
قاضی شوکانیؒ نے عتل کی تفسیر میں لکھا ہے
کہ ھو الشدید الخلق: الفاحش
الخلق۔ عتل وہ ہے جو جسم کا مضبوط ہو

اور اخلاق کا خراب (فتح القدیر صفحہ ۲۶۹ ج ۵ طبع بیروت) فتح الباری میں ایک روایت بھی نقل کی گئی ہے عبدالرحمٰن ابن غنم سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے عتل کی تفسیر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ هو الشدید الخلق المصحح الاکول الشروب: الواجد للطعام والشراب الظلوم للناس الرحیب الجوف، یعنی عتل جو جسم کا مضبوط ہو صحت مند ہو، بڑا کھانے والا، پینے والا، جسے کھانے پینے کو ملتا ہے لوگوں پر ظلم کرتا ہو، تو ند اُس کی بڑی ہو، والعُتُلُّ الشدید (لسان)

صُبُّوْا: ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَأْسِهٖ، پھر ڈالو اس کے سر پر، صَبَّ الماءَ کے معنی اوپر سے پانی گرانا کے ہیں۔ محاورہ ہے صَبَبْتُ الماءَ فَانْصَبَّ، یعنی اس نے اوپر سے پانی گرایا، چنانچہ پانی گر گیا، اور صُبُّوْا۔ صَبٌّ سے امر کا صیغہ ہے اور صَبَّ الی کذا صَبَابَۃً کے معنے ہیں عاشق ہونا اور صیغہ صفت کا اس سے فَعِلٌ کے وزن پر صَبٌّ آتا ہے۔ فلانٌ صَبٌّ بکذا۔ فلاں اس پر فریفتہ ہے محاورہ ہے صَبَبْتُ لفلانٍ مَاءً فی القَدَحِ لیشربَہٗ۔ میں نے اس کے لئے پیالہ میں پانی ڈالا کہ وہ پیئے (راغب، لسان)

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الجاثیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَفَّاكٍ : وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ (آیت نمبر ۷) خرابی ہے ہر جھوٹے گنہگار کے لئے اَفَّاكٌ بہت جھوٹا، کاذب، یہ اِفْكٌ سے مبالغہ کا صیغہ ہے کسی شے کا اس کی اصلی جانب سے منہ پھیرنے کا نام افک ہے۔ تو جو بات اپنی اصلی صورت سے پھر گئی اس کو افک کہیں گے، جھوٹ اور بہتان میں چونکہ یہ صفت بدرجہ اتم موجود ہے اسلئے اس کو افک کہا گیا ہے، والافاكُ: الكذّابُ والافكُ : الكذبُ (قرطبی)

اَثِيْمٍ : ای مرتکبُ الاثم (قرطبی) گناہ کا ارتکاب کرنے والا۔ یہ فعیل بمعنی فاعل ہے اِثمٌ گناہ جمع آثام۔

يُصِرُّ : ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا : پھر ضد کرتا ہے غرور سے۔ یُصِرُّ اِصْرَارٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنی اصرار کرنے، ضد کرنے اور کسی بات پر جم جانے کے ہیں۔ وقیل : اصله من اصرار الحمار علی العانة، وھوان ینخس علیھا صَاتًّا اُذُنَيْهِ (قرطبی)

اَيَّامَ اللّٰهِ : اللہ کے معاملات، اللہ کے دن ایام، یوم کی جمع ہے، اللہ کے دنوں سے مراد اکثر اہل تفسیر کے نزدیک وہ دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے مجرموں، سرکشوں کو انکی بدکرداری کی سزا دی اور اپنے نیک بندوں کو اپنے انعام واکرام سے نوازا۔ ابن السکیت نے تصریح کی ہے۔ عرب ایام کو وقائع کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے فلانٌ عَالِمٌ بِاَيَّامِ الْعَرَبِ : یعنی وہ عرب کے واقعات و حالات کا عالم ہے۔ علامہ قرطبی نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ الایامُ يُعَبَّرُ بِهَا عَنِ الْوَقَائِعِ (قرطبی) ایک روایت میں جس کو ابن جریر اور نسائی نے ذکر کیا ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایام اللہ کی تفسیر اللہ کی نعمتوں اور اسکے احسانات سے فرمائی ہے۔ اصل میں ایام اللہ میں دونوں چیزیں شامل ہیں۔ انتقام بھی اور انعام و احسان بھی۔ چونکہ ایک قوم کی انہی دنوں میں گرفت ہوتی ہے تو دوسری قوم پر انعام واکرام کیا جاتا ہے جیسا کہ قوم نوحؑ اور عاد و ثمود اور موسیٰ علیہ السلام کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے

شَرِيْعَةٍ : ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ، (آیت نمبر ۱۸) پھر تجھ کو رکھا ہمنے ایک رستہ پر دین کے کام کے۔ شَرِیْعَۃٌ طریقہ واضح اور کھلا راستہ۔ دین۔ بعض علمار کا قول ہے کہ "شریعۃ" کا لفظ شَرِیْعَۃُ الماء سے ماخوذ ہے جسکے معنی پانی کے گھاٹ کے ہیں، اور شریعت کو شریعت اسلئے کہاجاتاہے کہ اسکی صحیح حقیقت پر مطلع ہونے سے سیرابی اور طہارت حاصل ہوجاتی ہے، سیرابی سے مراد تو معرفتِ الٰہی کا حصول ہے جیساکہ بعض حکمار کا قول ہے کہ میں پیتا رہا لیکن سیر نہ ہوا۔ پھر جب اللہ کی معرفت حاصل ہوگی تو بغیر پیئے سیری حاصل ہوجائے گی۔ اور طہارت سے مراد وہ طہارت ہے جسکا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (راغب) علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ شریعۃ لغت میں مذہب اور ملت کو کہتے ہیں اور پانی کے گھاٹ کو بھی شریعۃ الماء کہتے ہیں اور کھلے راستہ کو بھی شارعٌ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ انسان کو اپنے مقصد تک پہنچانے کے لئے ممد ومعاون ہوتا ہے تو شریعۃ دراصل اُس طریقہ کو کہا جائے گا جو انسان کو اُس کے مقصد تخلیق تک پہنچنے کی طرف راہنمائی کرے جسکا ذکر قرآن پاک نے آیت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ میں فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے شریعت کی تفسیر ہدایت سے کی ہے۔ اور مفسّر قتادہ تابعیؒ نے شریعۃ سے امر، نہی، حدود اور فرائض ذکر کئے ہیں۔ مقاتل نے شریعۃ سے مراد دلائل واضحہ لئے ہیں کیونکہ یہ حق کے راستہ کی طرف انسان کی راہنمائی کرتے ہیں حاصل سب کا ایک ہی ہے کہ شریعت اس راستہ کا نام ہے جس پر چلکر انسان کو معرفت الٰہی حاصل ہوجائے اور مقصد حیات کو پا جائے، قال فی المغرب: الشِّرْعَۃُ والشَّرِیْعَۃُ : الطریقۃ الظاهرۃ فی الدین والشرع : ما اظهرہُ اللہ لعبادہٖ من الدین وحاصلہ الطریقۃ المعهودۃ الثابتۃ من النبی صلے اللہ علیہ وسلم (مجموعہ قواعد فقہ ص۳۲۶)

اِجْتَرَحُوْا : اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ : جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں؟ اجْتَرَحُوْا باب افتعال کے مصدر اجتراح سے ماضی کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں جرائم کا ارتکاب کرنا۔ اصل میں یہ جراحۃٌ سے ہے، جیساکہ اقترافٌ کا لفظ قَرَفَ القَرحَۃَ سے مشتق ہے جسکے معنی زخم کو چھیلنے کے ہیں۔ جَرَحَہٗ جَرْحًا (ف) زخمی کرنا۔ صفت مفعولی جریحٌ اور مَجْرُوْحٌ آتی ہے اصل میں اجتراحٌ کمانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے

جیسا کہ قرطبی میں وضاحت ہے کہ الاجتراح : الاکتساب، لیکن اسکا استعمال اکتساب جرائم کے لئے اُسوقت ہوگا جب اسکی نسبت سیئات کی طرف ہو جیسا کہ اجترحوا السیّئات، جَرَحَ الشیءَ وَاجْتَرَحَهُ : کمانا، قرآن پاک کی آیت ہے وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ وہ جانتا ہے جو کچھ تم دن میں کماتے ہو۔ اسی سے جَوَارِح ہے ان گھوڑیوں اور باندیوں کو کہا جاتا ہے جن سے بچے پیدا ہوں اور مالک کے لئے ذریعہ کمائی بنیں۔ شکاری جانوروں باز اور کتوں وغیرہ کو بھی جوارح کہتے ہیں کیونکہ یہ شکار کماتے ہیں۔ بدن انسانی کے اعضاء کو بھی جوارح کہتے ہیں کیونکہ انسان نیکی اور بدی کا اکتساب انہی کے ذریعہ کرتا ہے (مزید تفصیل لسان العرب میں ملاحظہ ہو)

مَحْيَا : مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ، ان کی زندگی اور انکی موت، حَيِيَ يَحْيٰى سے اسم ہے بمعنی زندگی۔ حیات

مَمَاتُ : مرنا، موت، زمانۂ موت، یہ محیا اور حیات کی ضد ہے۔ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ۔

الدَّهْرُ : وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ اور ہمکو صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے، الدَّهر: الامد الممدود : یعنی دَهر طویل مدت کو کہا جاتا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک ہزار سال کی مدت کو دَهر کہا جاتا ہے (لسان) علامہ راغب نے مفردات القرآن میں لکھا ہے کہ الدهر فی الاصل اسم لمدّة العالم من مبدا وجوده الی انقضائه : اصل میں دھر مدت عالم کو کہتے ہیں ابتدائے آفرینش سے لیکر آخر تک کا پورا زمانہ دہر ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ میں دہر سے مراد یہی ہے پھر مجازاً ہر طویل مدت کو دہر کہدیتے ہیں۔ دَهرُ فلانٍ کے معنی مدت حیات کے ہیں اور اس دائمی عادت کو بھی دہر کہدیتے ہیں جو زندگی بھر قائم رہے محاورہ ہے مَادَهْرِی بکذا، میری یہ عادت نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے لا تسبوا الدّهر فانّ الله هو الدهر، دھر کو گالی نہ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دہر اور زمانہ ہے یعنی انقلاب زمانہ اور اسمیں واقع ہونیوالے حوادث کا اصل فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور گردش لیل ونہار کی اصل علت بھی وہی ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ دھر اصل میں اس تمام مدت کے مجموعہ کا نام ہے جو اس عالم کی ابتدا سے انتہا تک ہے اور کبھی بڑی مدت کو بھی دہر کہدیا جاتا ہے (معارف) دھر کا لفظ حدیث میں جونکہ اللہ کی ذات پر بولا گیا ہے اسلئے بعض

اہلِ تفسیر نے اس کو اسمائے حسنیٰ میں شمار کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ نام اسماءِ حسنیٰ میں سے نہیں ہے بلکہ مجازاً اسکا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کیا گیا ہے، کیونکہ زمانہ اور اس کی تمام تر نیرنگیاں اللہ تعالیٰ ہی کے فضل و کرم سے قائم ہیں۔

جَاثِیَۃٌ : وَتَرٰی کُلَّ اُمَّۃٍ جَاثِیَۃً : اور تو دیکھے ہر فرقہ کو بیٹھتے ہیں گھٹنوں کے بل۔ جَاثِیَۃٌ جُثُوٌّ سے مشتق ہے جسکے معنی گھٹنوں کے بل بیٹھنے کے ہیں، علامہ قرطبی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ جاثیۃ بمعنی مُسْتَوْفِزَۃٌ ہے، اور سفیانؒ نے اسکی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا، مُسْتَوْفِزٌ اس حالتِ جلوس کو کہتے ہیں کہ زمین پر صرف پاؤں کے تلوے اور گھٹنے لگیں ضحاک کے قول کیمطابق یہ صورت حال حشر میں حساب شروع ہوتے وقت ہوگی۔ ابن عباسؓ سے جاثیہ کے معنی مجتمعۃً نقل کئے گئے ہیں یعنی تمام اہلِ ملل حشر میں جمع ہونگے حضرت عکرمہ سے جاثیہ کے معنی مُتَمَیِّزَۃٌ منقول ہیں، یعنی ہر ہر اُمت الگ الگ جمع ہوگی۔ لغت قریش میں جاثیہ بمعنی خاضِعَۃً بھی استعمال ہوا ہے جیساکہ مؤرخ لغوی کا قول ہے۔ ایک معنی جاثیہ کے گھٹنوں کے بل بیٹھنے کے آتے ہیں جیساکہ نماز میں بیٹھا جاتا ہے یہ ادب و احترام کا بیٹھنا ہے۔

اَلْجُثُوُّ : الجلوس علی الرکب (قرطبی)

جَثَا یَجْثُوْ جُثُوًّا وجِثِیًّا، گھٹنوں کے بل بیٹھنا۔ جاثٍ۔ فاعل اور جُثِیٌّ جمع آتی ہے اور آیت کریمہ وَنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّا میں لفظ جِثِیًّا جاثٍ کی جمع بھی ہوسکتی ہے اور مصدر بھی بمعنی اسم فاعل (راغب)

الجَثْوَۃُ (بفتح الجیم) ہر چیز کی جماعت اور گروہ کو کہا جاتا ہے جیساکہ طرفہ نے کہا ہے ؎

تریٰ جَثْوَتَیْنِ مِنْ تُرَابٍ عَلَیْهِمَا
صفائحُ صُمٌّ من صفیحٍ مُنَضَّدِ

ترجمہ: تم دیکھو کہ فاسق و بخیل دونوں کی قبریں مٹی کے دو ڈھیر ہیں جن پر مضبوط اور تہ بر تہ پتھر کی سلیں جوڑ دی گئی ہیں۔ یہاں شاعر نے جُثْوَۃٌ سے مراد پتھر کا ایک ڈھیر لیا ہے۔ واصل الجَثْوَۃ الجَمَاعَۃ مِنْ کُلِّ شیْئٍ (قرطبی) التراب المجمع (لسان) جُثْوَۃٌ : وہ قبر جس پر مٹی جمع کرکے بلند کیا گیا ہو۔

نَسْتَنْسِخُ : اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (آیت ۲۹) تم جو کچھ بھی کرتے رہتے تھے ہم سب کو لکھواتے رہتے تھے۔ نَسْتَنْسِخُ باب استفعل کے مصدر اِسْتِنْسَاخٌ سے جمع متکلم مضارع کا صیغہ ہے۔ ایک تحریر سے دوسری تحریر نقل کرنا، لکھنا، زائل کردینا، آیت میں استنساخ سے مراد فرشتوں کو اعمال لکھنے اور ثابت و محفوظ رکھنے کا حکم دینا ہے، اصل مادہ نَسْخٌ ہے۔ امام راغب نے لکھا ہے کہ حقیقت میں

مفہوم نسخ کے دو جز ہیں نمبر۱: چیز کو زائل کرنا، نمبر۲: اور اسکی جگہ دوسری چیز کو لانا خواہ حکم سابق کو حکم لاحق سے زائل کیا جائے یا ایک صورت کو بدلکر دوسری صورت لائی جائے، لیکن کبھی صرف جزو ثانی پر ہی نسخ کا اطلاق ہوتا ہے یعنی دوسری چیز لائی جاتی ہے اور پہلی چیز اس کی جگہ باقی رہتی ہے جیسے نسخ کتاب کہ اول تحریر اپنی جگہ باقی رہتی ہے، اور دوسری تحریر میں اسکی نقل ہوجاتی ہے کبھی باوجود اصل چیز کے زائل ہوجانیکے دوسری چیز محفوظ رہنے کو نسخ کہتے ہیں۔ اول چیز کے زوال سے اسکا کوئی تعلق نہیں ہوتا جیسے اعمال انسانی کا اعمال ناموں میں اندراج اور بقاء۔ آیت میں استنساخ سے یہی نسخ مراد ہے کہ اعمال انسانی باوجود فنا ہوجانے کے اعمالناموں میں باقی رہتے ہیں۔
الاستنساخ ۔ کَتْبُ کتابٍ من کتابٍ ....
والنسخ: ابطال الشیٔ واقامۃ آخر مقامہٗ (لسان)

کِبْرِیَاۤءُ : وَلَهُ الْكِبْرِيَاۤءُ، بڑائی اسی کی ہے۔ اسم مصدر ہے، ہر ایک کی اطاعت سے بالاتر ہونا، سب پر فوقیت اور بزرگی رکھنا اطاعت کرنیکے درجہ سے اپنے کو بلند سمجھنے کا نام کبریاء ہے اور یہ استحقاق صرف ذات باری ہی کو ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ اَلْكِبْرِيَاۤءُ رِدَائِیْ وَالْعَظْمَةُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا قَصَمْتُهٗ : کبریاء میری رداء ہے اور عظمت میری ازار ہے جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک میں میرے ساتھ مزاحم ہوگا تو میں اسکی گردن توڑ ڈالوں گا۔ الکبریاء عظمۃ اللہ جاءت علی فِعْلِیَاء ..... والکبریاء العظمۃ والملك، وقیل وهی عبارۃ عن کمال الذات وکمال الوجود ولا یوصف بها الا اللہ تعالیٰ (لسان) ای العظمۃ والجلال والبقاءُ والسلطان والقدرۃ والکمال (قرطبی)

شرح الفاظ القرآن من سورة الاحقاف

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شِرۡكٌ : اَمۡ لَهُمۡ شِرۡكٌ فِى السَّمٰوٰتِ (آیت نمبر ۴) یا یہ کہ انکا ساجھا ہے آسمان میں۔ شِرۡكٌ : ساجھی بنانا، شریک ٹھہرانا شِرۡكَةٌ اور اشرَاكٌ سے اسم ہے اصل میں الشِّرۡكَةُ والمشارَكَةُ کے معنی دو ملکیتوں کو باہم ملا دینے کے ہیں اسی طرح دو یا دو سے زیادہ آدمیوں کے کسی چیز کے شریک ہونے پر بھی شرک کا لفظ بولا جاتا ہے۔

شرک کیا ہے؟ اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تفسیری حواشی میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے ہم یہاں صرف اسکے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اس سے شرک کی پوری حقیقت واضح ہو جائے گی۔ شاہ صاحب آیت کریمہ ولا تَنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكٰتِ کے تحت فرماتے ہیں: شرک یہ کہ اللہ کی صفت کسی اور میں جانے، مثلاً کسی کو سمجھے کہ اسکو ہر بات معلوم ہے یا وہ جو چاہے کر سکتا ہے یا ہمارا بھلا برا کرنا اسکے اختیار میں ہے اور یہ کہ اللہ کی تعظیم کسی اور پر خرچ کرے مثلاً کسی چیز کو سجدہ کرے اور اس سے حاجت مانگے اسکو مختار جان کر۔

شاہ صاحب سورۃ النساء میں آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ کے تحت رقمطراز ہیں: اُوپر سے ذکر تھا، جو پیغمبر کے حکم پر راضی نہ ہو اور جُدی راہ پر چلے، یہ آیت فرمائی کہ اللہ شرک نہیں بخشتا، تو شرک فرمایا حکم میں شریک کرنے کو، یعنی سوائے دین اسلام کے اور دین پسند رکھے اور اس پر چلے، پس جو دین ہے سوائے اسلام کے سب شرک ہے، اگرچہ پوجنے میں شرک نہ کرتے ہوں اور آیت کریمہ وَاِنۡ اَطَعۡتُمُوۡهُمۡ اِنَّكُمۡ لَمُشۡرِكُوۡنَ کے تحت ارشاد فرماتے ہیں کہ شرک فقط یہی نہیں کہ کسی کو سوائے خدا کے پوجے، بلکہ شرک کے حکم میں ہے اور کا مطیع ہو جائے۔

ان مذکورہ حوالوں سے شرک کی حقیقت کافی حد تک واضح ہو جاتی ہے، مزید تحقیق کے لئے شاہ اسمٰعیل شہید کی کتاب تقویۃ الایمان قابل قدر ہے اس کا مطالعہ کیا جائے۔

وَاَشۡرَكَ بِاللّٰهِ : جَعَلَ لَهٗ شَرِيۡكًا فِى

ملکه، تعالی اللّٰہ عن ذالک .... والشرک ان یجعل للّٰہ شریکا فی ربوبیتہ، تعالی اللّٰہ عن الشرکاء والانداد (لسان)

اَثَارَۃٍ : اَوْ اَثَارَۃٍ مِّنْ عِلْمٍ : یا کوئی مضمون منقول اَثَرَۃٌ وہ روایت یا تحریر جسکا اثر باقی رہ گیا ہو۔ اَثَرْتُ العِلْمَ اَثُرُہٗ اَثْرًا واَثَارَۃٌ کے معنی ہیں علم کو روایت کرنا، اصل میں اسکے معنی نشاناتِ علم تلاش کرنے کے ہیں آیتِ کریمہ میں لفظ اَثَارَۃٍ مِّنْ عِلْمٍ سے مراد وہ علم ہے جسکے آثار روایت یا تحریر کے ذریعہ باقی ہوں وقال الهروی : والاَثَارَۃُ والاَثَرُ: البقیۃ یقال ما ثمّ عین ولا اَثَرٌ یعنی اثارۃٌ اور اَثَرٌ دونوں کے معنی بقیہ نشانات کے ہیں، محاورہ ہے، مَا ثَمَّ عَیْنٌ وَلَا اَثَرٌ نہ وہاں اصل ہے اور نہ اسکا نشان (قرطبی) واصل الکلمۃ من الاثر۔ وهی الروایۃ (قرطبی)

بِدْعًا : قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (آیت نمبر ۹) آپ کہہ دیجئے کہ میں رسولوں میں انوکھا تو نہیں ہوں (ماجدی) بِدْعًا : نیا، یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے جو فاعل اور مفعول دونوں کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اہلِ تفسیر نے یہاں دونوں معنی بیان کئے ہیں۔ چنانچہ بعض نے بِدْعًا بمعنی مُبْدِعٌ اسم فاعل لیا ہے، یعنی میں کوئی نئی بات کہنے والا نہیں ہوں، اور بِدْعًا بمعنی اسم مفعول بھی ہو سکتا ہے یعنی مُبْدَعًا کے معنی میں، تو اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ میں کوئی پہلا پیغمبر نہیں ہوں بلکہ مجھ سے پہلے ہزاروں رسول اللہ کیطرف سے آئے ہیں۔ اصل میں بِدْعٌ کے معنی اوّل اور ابتدار کے ہیں۔ ابدع الشاعر: شاعر کا تیاری کے بغیر فی الفور اشعار کہنا۔

البِدْعُ : انوکھا، ناتجربہ کار، کسی کام کو پہلی بار شروع کرنے والا۔ کہا جاتا ہے، فلانٌ بِدْعٌ فی هٰذا الامر: فلاں نے اس کام کو پہلی بار کیا۔ جمع اَبْدَاعٌ آتی ہے۔ قومٌ اَبداعٌ : نئی قوم کسی کام کو پہلی بار شروع کرنے والے لوگ، البِدْعُ الاوّلُ (قرطبی) والبِدْعُ : الشیئ الذی یکونُ اوّلاً (لسان) بَدِیْعٌ : مُوجِد، نیا نکالنے والا، پیدا کرنے والا، بَدِیْعٌ فَعِیْلٌ کے وزن پر بمعنی مُبْدِعٌ ہے یعنی ایسا پیدا کرنے والا کہ سابق میں اس کی کوئی مثال نہ ہو بغیر کسی کی پیروی کے صنعت نکال لینے والا۔ اِبْتَدَعُوْهَا: انھوں نے اس کو خود گھڑ لیا۔ بِدْعَۃٌ : دین میں نئی بات نکالنا، والبِدْعَۃُ : فی الاصل احداثُ اَمْرٍ لَمْ یکن فی زمنِ رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم (عمدۃ القاری صـ ۳۵۶ ج ۲)

هُوْنٍ : هَانَ یَهُوْنُ هُوْنًا: ذلیل ہونا

هَانَ هَوْنًا : سہل اور آسان ہونا۔
عَذَابَ الْهُوْنِ : ذلت کی سزا، هُوْنٌ اسم ہے
بمعنی ذلت اور رسوائی، اور هَوْن بفتح الہاء
کے معنی نرم چال چلنے کے ہیں
وَصَّيْنَا : وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ
احسانًا۔ لفظ وصیت تاکیدی حکم کے معنی
میں آتا ہے اور احسان بمعنی حسن سلوک کے ہیں
كُرْهًا : حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا : لفظ كُرْهًا
بضم الکاف اس مشقت کو کہتے ہیں جو انسان
کو کسی وجہ سے برداشت کرنا پڑے اور كَرْهًا
(بفتح الکاف) اس محنت و مشقت کا نام ہے
جس پر اسکو کوئی دوسرا آدمی مجبور کرے اسی سے
اکراہٌ مشتق ہے کسی کو مجبور کرنا۔
اَحْقَافٌ : اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ
جب ڈرایا اپنی قوم کو احقاف میں، احقاف کے
لفظی معنی ریگ کے مستطیل تودوں کے ہیں تحفہ
عرب قدیم کے اس طویل علاقہ کا نام ہے جو شرقاً غرباً
عمان سے یمن تک اور شمالاً جنوباً نجد سے حضرموت
تک تین لاکھ مربع میل کے رقبہ میں پھیلا ہوا ہے
اس وسیع خطہ کے مغربی حصہ کی زمین سرخ رنگ
کی ریگ ہے اور یہی علاقہ احقاف ہے (ماجدی)
احقاف، حِقْفٌ کی جمع ہے۔ حِقْفٌ ریت کے
اُس ٹیلہ کو کہتے ہیں جو مستطیل ہو اور مرتفع لیکن
قدرے منحنی ہو (لغات القرآن نعمانی) والاحقاف
جمع حِقْفٍ، وهو ما استطال من الرمل
العظيم واعوج ولم يبلغ ان يكون جبلاً
(قرطبی) احقاف، قوم عاد کے مساکن ہیں اس
قوم کو خدا نے نافرمانیوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا
تھا اسکی اصل تحقیق کے لئے ارض القرآن سید
سلیمان ندوی کی دیکھی جائے۔
لِتَاْفِكَنَا : یہ لفظ افکٌ سے ماخوذ ہے جسکے
معنی جھوٹ بولنے کے ہیں اور عن کے صلہ
سے اسکے معنی پھیرنے اور برگشتہ کرنیکے ہیں۔
اَوْدِيَةٌ : اَوْدِيَه جمع ہے اسکی واحد وادی
ہے۔ وادی کے لفظی معنی اس نشیب کے ہیں جسمیں
پانی جمع ہو جائے (ماجدی) اور بطریق استعارہ
ہر راستہ کو بھی وادی کہا جاتا ہے (لغات القرآن)
عَارِضٌ : قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا :
عارضٌ وہ چیز جو سامنے آئے، پیش آجائے اور
بادل کو عارض کہتے ہیں کیونکہ وہ اُفق پر پھیل کر
سامنے آتا ہے۔ والعارض: البادی عرضُهٗ
فتارةً يُخْتَصُّ بِالسَّحَابِ (راغب) والعارض
السحاب: يعترض في الافق (قرطبی)
مُمْطِرٌ : اسم فاعل اِمْطَارٌ مصدر، اصل مادہ
مَطَرٌ ہے۔ بارش کرنیوالا، مینہ برسانے والا،
برسنے والا۔ قرآن پاک میں اَمْطَرَ باب افعال

جہاں بھی واقع ہوا ہے اس سے مراد عذاب کی بارش لی گئی ہے جس سے بعض اہلِ لغت نے یہ کہا ہے کہ امطار عذاب کی بارش کے لئے خاص ہے لیکن بعض اہلِ تفسیر نے اس قول کو رَدّ کیا ہے اور کہا ہے کہ قرآن پاک میں اسکا استعمال عذاب کی بارش کے لئے اتفاقی ہے نہ کہ وضعی اعتبار سے اسکا استعمال ہر طرح کی بارش کے لئے ہوتا ہے اور اصحاب احقاف بھی بادلوں کو دُور سے دیکھ کر یہی کہتے ہیں کہ ھٰذا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا، کہ بادل ہے جو ہم پر پانی برسائے گا تو انکی مراد امن اور سلامتی کے بادل سے ہے، اور جب قریب آیا اور اسکی ہولناکیوں کو دیکھا تو کہتے ہیں کہ یہ وہ عذاب کا بادل ہے جسکی تم لوگ جلدی مچاتے تھے۔

تُدَمِّرُ : تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ، ہر چیز کو ہلاک کر دیگی، تَدْمِیْرٌ کے معنی ہلاکت کے ہیں لفظ دَمَارٌ بھی انہی معنی کے لئے آتا ہے دَمَّرَ اللهُ عَلَيْهِمْ خدا نے ان پر تباہی ڈالدی، یہاں تُدَمِّرُ کو تَدْمُرُ كُلُّ شَيْءٍ بھی پڑھا گیا ہے یعنی ہر چیز تباہ ہو جائیگی۔ دَمَرَ يَدْمُرُ دَمَارًا ہلاک ہونا اور دَمَرَ عَلَيْهِمْ دُمُوْرًا بغیر اجازت کسی کے گھر گھس جانا، بڑے ارادے سے اچانک جانا، التَّدْمِيْرُ : الهلاك وكذلك الدَّمَارُ (قرطبی) اور علاقہ شام میں ایک شہر کا نام بھی تَدْمُرُ ہے۔

أَصْبَحُوْا : فَأَصْبَحُوْا لَا يُرٰى إِلَّا مَسٰكِنُهُمْ، چنانچہ وہ ایسے ہو گئے بجز انکے مکانات کو کچھ دیکھنے کو نہیں رہا، أَصْبَحُوْا وہ ہو گئے۔ انھوں نے صبح کی۔ أَصْبَحَ، فعل ناقص کی جمع ہے إِصْبَاحٌ صبح کرنا،

قُرْبَانًا : (آیت نمبر ۲۸) یہ لفظ یہاں قربانُ الملک کے محاورہ سے ماخوذ ہے جسکے معنی بادشاہ کا ہمنشین اور ندیم خاص کے ہیں۔ یہ لفظ واحد اور جمع دونوں کے لئے بولا جاتا ہے یہاں جمع کے معنی میں ہے، اسلئے کہ اسکی صفت آٰلِهَةً جمع لائی گئی ہے، قربان ہر وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ کی قرب جوئی کیجائے اسکی جمع قرابین آتی ہے جیسے رُهْبَانٌ کی جمع رَهَابِين - والقُرْبَان: كلّ ما يتقرب به الى الله تعالى من طاعة ونَسِيكَة (قرطبی)

يَعْيَ : وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ، اور انکے پیدا کرنے سے ذرا بھی نہ تھکا، الاعیاء اس تھکان کو کہتے ہیں جو چلنے سے پیدا ہو جاتی ہے، اور عِيٌّ بکسر العین کے معنی ہیں کسی کام کی بات کو نہ کر سکنا۔ قرآن پاک میں ہے أَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ، کیا ہم پہلی تخلیق کرنے سے تھک گئے ہیں۔ عَيَّ فِيْ مَنْطِقِهِ، بات نہ کر سکنا، سخن گوئی سے عاجز ہونا۔ دَاءٌ عَيَاءٌ : لاعلاج مرض۔ عَيَّ اور عَيِيَ ماضی ہے اور يَعْيٰ (س) مضارع ہے اَلعَيُّ : تھکا ہوا،

شرح الفاظ القرآن من سورۃ محمدؐ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُحَمَّدٌ : وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ

اور اس سب پر ایمان لائے جو محمدؐ پر نازل کیا گیا۔ محمدؐ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک ہے۔ تحمیدؐ (تفعیل) سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں بار بار تعریف کرنا۔ محمدؐ مفعول کا صیغہ ہے۔ وہ ذات جس کی صفات محمودہ کی کثرت کی وجہ سے بار بار تعریف کیجائے، یہ آپؐ کا پیدائشی نام ہے جو دادا کی طرف سے ہے، اور ننہیال کیطرف سے آپ کا اسم مبارک احمد ہے جس کو جناب مسیح علیہ السلام نے اسمہٗ احمد میں ذکر کیا ہے۔ صاحب مفردات لکھتے ہیں کہ ومحمدٌ : اذا کثرت خصاله المحمودة محمدؐ وہ ہے جس میں عادات محمود بکثرت جمع ہوں اور صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ محمد الذی یُحمد مرۃ بعد مَرَّۃٍ۔ یعنی محمد وہ ہے جس کی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم ہی نہ ہو۔ تعریف کے بعد تعریف اور توصیف کے بعد توصیف ہوتی رہے صاحب لسان العرب لکھتے ہیں کہ والتَّحْمِیْدُ حمدك الله عزّ وجلّ مرّة بعد مَرَّةٍ ..... ومحمد هذا الاسم منه كانه حُمِدَ مَرَّةً بعد مرّة اخرٰى، والمحمد الذی كثرت خصاله المحمودة (لسان) وتقول العربُ: رجل محمودٌ ومحمدٌ اذا كثرت خِصَالُهُ المحمودة (قرطبی)

بَالٌ : وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ (آیت نمبر ۲)

اور ان کی حالت کو درست رکھے گا۔ لفظ بال کبھی شان اور حال کے معنی میں آتا ہے اور کبھی قلب کے معنی میں آتا ہے یہاں دونوں معنی لئے جا سکتے ہیں، پہلے معنی لئے جائیں تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انکے حال کو درست کر دیا یعنی دُنیا اور آخرت کے کاموں کو بنا دیا، اور دوسری صورت میں معنی یہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ نے انکے قلوب کو درست کر دیا حاصل اسکا بھی وہی ہوگا کہ تمام کام درست کر دیئے کیونکہ کاموں کی درستی قلب کی درستی کے ساتھ لازم وملزوم ہے (معارف)

البال، اصل میں اُس حالت کو کہتے ہیں جس کی پرواہ وفکر کیجائے اور یہ مَا بَالَیْتُ بِکَذَا کے

محاورہ سے ماخوذ ہے جسکے معنی ہیں پرواہ نہ کرنا، لفظ بال ایک جامع لفظ ہے یہ ظاہر و باطن دونوں قسم کے احوال پر حاوی ہوتا ہے اس وجہ سے اسکے معنی ہونگے کہ اللہ تعالیٰ انکے ظاہر و باطن اور دنیا و آخرت دونوں کے تمام احوال کو درست کردیگا (تدبّر) والبالُ : الحالُ، یُقالُ مَا بالُكَ (قرطبی) آپ کا کیا حال ہے۔

الرِّقَابِ : فَضَرْبَ الرِّقَابِ (آیت نمبر۴) توانکی گردنوں پر مارو۔ رِقَابٌ، رقبةٌ کی جمع ہے بمعنی گردنیں، اصل میں رقبۃٌ گردن ہی کو کہتے ہیں۔ کبھی وسعت دیکر جملہ بدن انسانی کو بھی رقبہ کہدیا جاتا ہے، اور عرف میں رقبۃ کا لفظ غلام پر بولا جانے لگا ہے۔ تحقیق گزر چکی ہے:

اَثْخَنْتُمُوا : حَتّٰی اِذَا اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الوَثَاقَ ، (آیت نمبر۴) یہانتک کہ جب خوب قتل کرچکو ان کو تو مضبوط باندھ لو قید (معارف) اثخان کے معنی ہیں خوب خونریزی کرنا۔ جہاد کو نتیجہ خیز بنا دینا، دشمن کو خوب اچھی طرح قتل کرنا، ای اکثرتم القتل (قرطبی)

وَثَاقَ : فَشُدُّوا الوَثَاقَ ، وَثَاقٌ : بند وَثَاق اور وِثَاق، اس رسی یا زنجیر کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو باندھ دیا جائے وَلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗ اَحَدٌ ، اور نہ کوئی ایسا جکڑنا جکڑیگا علامہ قرطبیؒ نے امام قشیریؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وَثَاقٌ یہاں ایثاقٌ سے اسم ہے، اور کبھی یہ ایثاقٌ سے مصدر بھی استعمال ہوتا ہے، کہا جاتا ہے اَوْثَقْتُهٗ، ایثاقًا و وثاقًا، لیکن وِثاق بکسر الواؤ اس چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے جس سے کوئی چیز باندھی جائے جیسے رسّی وغیرہ۔ اَوْثَقَهٗ فِی الوَثَاقِ کسی کو رسّی میں مضبوط باندھنا، جمع وُثُقٌ آتی ہے، جیسے رِبَاطٌ کی جمع رُبُطٌ ہے (لسان)

فِدَاءً : وَاِمَّا فِدَاءً ، فِدَاءً وہ چیز جو جان کے بدلہ میں دی جاتی ہے اسی کو فدیٰ بھی کہتے ہیں۔ فَدٰی یَفْدِی ضرب سے آتا ہے فَدَیْتُهٗ بِمَالٍ کسی کو مال کے بدلہ میں چھڑا لینا فَدَیْتُهٗ بِنَفْسِی : میں نے اسکو اپنی جان کے بدلہ میں چھڑا لیا۔

الحَرْبُ : حَتّٰی تَضَعَ الحَرْبُ اَوْزَارَهَا تاآنکہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے، حَرْبٌ : جنگ، لڑائی، اور حَرَبٌ بفتح الحا لڑائی میں کسی کا مال چھیننا۔

اَوْزَارَ : اَوْزَارَهَا، اسکے ہتھیار، اس کے بوجھ۔ یہاں اَوْزَارٌ سے مراد ہتھیار ہیں، جنگی اسلحہ وغیرہ۔ مجازاً گناہ پر بھی یہ لفظ بولا

جاتا ہے، وِزْرَۃ واحد ہے بمعنی گناہ، بوجھ، ثقل اور اَوزارُ الحرب کی واحد وِزْرٌ ہے اور وَزَرٌ پہاڑ میں جائے پناہ،

تَعْسًا : فَتَعْسًا لَّهُمْ، ان کے لئے بربادی ہو فَتَعْسًا لَّهُمْ، یہ لعنت اور پھٹکار کا جملہ ہے اور اسکا استعمال اسی طرح معروف ہے، اصل میں تَعْسٌ کے معنی ہیں لغزش کھاکر گرنا اور پھر اُٹھ نہ سکنا اور پستی میں گر کر کسی چیز کا ٹوٹ جانا علامہ قرطبیؒ نے ابن السکیت کا قول نقل کیا ہے کہ تعسًا کے اصل معنی ہیں منہ کے بل گرنا اور نکسٌ کے معنی ہیں سر کے بل گرنا، یہ ایک بد دعائیہ جملہ ہے جو ہلاکت و بربادی کے لئے آتا ہے، تَعْسًا لفلانٍ، اللہ اس کو ہلاک کرے، اس کا نصب مصدر ہونے کی وجہ سے ہے، تَعَسَ (ف)، يَتْعَسُ تَعْسًا - وَاَتْعَسَهُ اللهُ، اللہ اس کو ہلاک کرے، اور کبھی سمع سے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے تَعِسَ عبدُ الدینار والدّرہم، درہم و دنانیر کا پجاری ہلاک ہوا تَعِسَ مِسْطَحٌ، مسطح منہ کے بل گرا، یہ ان کی ماں نے ان کو بطور بد دعا کے کہا تھا کیونکہ صدیقہؓ پر تہمت میں ملوث ہوگئے تھے، ومعنی التعس فی کلامہم: الشرُّ (لسان)

اٰسِنٍ : فِيْهَا اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ : اس میں نہریں ہیں پانی کی جو بُو نہیں کریگا (معارف) آسِنٌ، صفت کے طور پر اُس پانی کے لئے آتا ہے جبکا رنگ اور ذائقہ تبدیل ہوچکا ہو۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ فاسد پانی سے جو فساد جسم میں پیدا ہوتا ہے اسکا کوئی علاج کسی طبیب کے پاس نہیں ہے (تدبر) اَسِنَ المَاءُ : پانی سخت بُودار ہوگیا، فالماءُ اٰسِنٌ - متغیر اور بدبودار پانی، اَسِنَ الرَّجُلُ پانی کی بدبو سے بیمار ہوگیا۔ اٰسِنٌ اور اٰجِنٌ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ وَقَدْ اَسَنَ المَاءُ يَأْسُنُ (ن)، و يَأْسِنُ (ض)، اَسْنًا واُسُوْنًا اذا تغیرت رائحتهُ، وکذالک اَجَنَ المَاءُ المَاءُ يَأْجُنُ و يَأْجِنُ اَجْنًا (قرطبی)

عَسَلٌ : وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى اور نہریں شہد صاف کی ہونگی (ماجدی) عَسَلٌ: شہد کو کہتے ہیں، العسلُ: مَا يَسِيْلُ مِنْ لُعَابِ النحل (قرطبی)

مُصَفًّى : تَصْفِيَةٌ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اصل مادہ صَفْوٌ ہے بمعنی صاف کیا ہوا، اصل الصَّفا: الخُلُوْصُ مِنَ الشرب (معجم الفاظ القرآن)

اَمْعَاءَ : فَقَطَّعَ اَمْعَاءَهُمْ: (آیت ۱۵) ان کی انتڑیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیگا، یہ مَعًى کی جمع ہے جسکے معنی آنت کے ہیں۔

اٰنِفًا: مَاذَا قَالَ اٰنِفًا، ابھی انھوں نے کیا کہا تھا، آنِفًا، یہ اَنفٌ سے مشتق ہے جس کے معنی سرے کے ہیں چونکہ اس سرے سے شئ کی ابتداء ہوتی ہے اس لحاظ سے آنِفًا کے معنی اول وقت کے ہوتے ہیں۔ یہ اِسْتَاْنَفْتُ الشئ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کسی شے کے سرے اور مبداء کو پکڑنا اور اسکا آغاز کرنے کے ہیں۔ وَاٰنِفًا یُرَادُ بِهٖ اَقْرَبُ الاوقات الیك من قولك اِسْتَاْنفتُ الشئَ اذ ابتدأتَ به ...... والف کل شئ اوّلهٗ (قرطبی) اور کَاْسٌ اُنفٌ کے معنی ہیں بالکل نیا پیالہ جسکو پہلی بار استعمال کیا جا رہا ہو۔

اَشْرَاطُ: فَقَدْ جَاءَ اَشْرَاطُهَا: سو اس کے آثار تو پیدا ہو چکے ہیں۔ (ماجدی)

اشراط کے معنی علامات کے ہیں (معارف)

یہ شَرَطٌ کی جمع ہے جس کے معنی نشانی اور علامت کے ہیں۔ وَوَاحِدِ الاشراط شَرَطٌ (بفتح الواء) قرطبی

وہ معیّن حکم جسکا وقوع کسی دوسرے امر پر معلق ہو اسے شرط کہتے ہیں۔ وہ دوسرا امر اسکے لئے بمنزلہ علامت کے ہوتا ہے اور شریطٌ بمعنی شَرْطٌ آتا ہے اس کی جمع شرائط آتی ہے، اسی سے شَرَطٌ بمعنی علامت آتا ہے ـــــ اِشْتَرَطْتُ بِكَذَا، کوئی شرط لگانا، پولیس کو شُرَطٌ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے اوپر ایسی علامت لگا لیتے ہیں جس سے انکی پہچان ہو سکتی ہے۔ اور ایک قول اسمیں یہ ہے کہ شرائطِ الاِبل سے ماخوذ ہے جسکے معنی رذیل اونٹوں کے ہیں، تو چونکہ پولیس میں ایسے افراد کو نمایاں حیثیت حاصل ہوتی اسلئے انکو شُرَطٌ کہا جاتا ہے، اس محکمہ کے عام حالات کے پیش نظر یہ آخری توجیہ زیادہ لگتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

مُتَقَلَّبَ: يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ (آیت نمبر ۱۹) خوب خبر رکھتا ہے تم سب کے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی مُتَقَلَّبٌ کے لفظی معنی لوٹ پوٹ ہونے یا اُلٹ پلٹ ہونے کے ہیں (معارف)

مُتَقَلَّبٌ یہاں ظرفِ مکان ہے، الٹ پلٹ ہونے کی جگہ، اور تَقَلُّبٌ (تفعّل) مصدر سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں گھومنا پھرنا، اُلٹ پلٹ ہونا، اگر اس کے بعد نفی آئے تو اس کے معنی دخل دینے اور تصرف کرنے کے ہوتے ہیں، تَقَلَّبَ فِی الشَّئِ فلاں چیز میں دخل دیا۔ تصرف کیا، اسمیں ہاتھ ڈالدیا، لیکن قرآن پاک نے تَقَلُّبَ

بمعنی تصرف کہیں استعمال نہیں کیا (لغات القرآن)
مَثْوٰی کے معنی جائے قرار کے ہیں (معارف)
یہ بھی ظرفِ مکان ہے اسکی جمع مثاوِی آتی ہے
مُدت دراز تک ٹھہرنے کا مقام، ابوالمثوٰی:
میزبان اور مہمان دونوں کو کہا جاتا ہے، اور
اُمُّ المثوٰی مہمان نواز عورت، یہ ثَوٰی یَثْوِیْ
(ضرب یضرب) ثَوَاءٌ سے آتا ہے، اَثْوٰی
بالمکان: کسی جگہ بہت مُدت ٹھہرنا، اَثْوَیْتُہٗ
میں نے اسکی مہمانی کی اسکو ٹھہرایا۔

مُتَقَلَّبٌ اور مثوٰی چونکہ دونوں ظرفِ مکان
ہیں اسلئے اہلِ تفسیر میں یہ اختلاف ہوا ہے
کہ ان سے مراد کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ
متقلّب سے مراد انسان کا دن میں اعمال کرنا
اور ان کے لئے محنت و مشقت کرنا ہے اور
مثوٰی سے مراد رات کو آرام کرنا ہے۔ اور
ایک دوسرا قول یہ ہے کہ مُتَقَلَّبٌ سے مراد دُنیا
کا پورا زمانہ ہے۔ اور مثوٰی سے مراد آخرت
کا دَور ہے۔ یہ ابن عباسؓ کا قول ہے اور ایک
قول یہ ہے کہ متقلّب سے اصلاب، آبار بطنِ
امہات اور پھر پوری زندگی جو دنیا میں گزرتی
ہے مراد ہے اور مثوٰی سے مراد قبر کا زمانہ ہے
جسکا طول زندہ ہونے تک کا ہے یعنی الیٰ
بعث بعد الموت، بہرحال آیت کا مطلب
اللہ تعالیٰ کے احاطہ علم کو ظاہر کرنا ہے جو ان
تمام احوال پر حاوی ہے اس لئے یہ تمام
اقوال درست ہیں۔ مثوٰیکُمْ یعنی مَاْوَاکُمْ
(قاموس القرآن للدامغانی)

مُحْکَمَۃٌ: سُوْرَۃٌ مُّحْکَمَۃٌ: مُحکمۃ
کے لفظی معنی مضبوط اور مستحکم کے ہیں، اس
لُغوی معنی کے اعتبار سے تو قرآن کی ہر سورت
محکمہ ہے لیکن اصطلاح شرع میں محکم بمقابلہ منسوخ
استعمال ہوتا ہے، اٰیاتٌ محکماتٌ وہ آیات
جن کا حکم واضح اور غیر منسوخ ہو۔

مَغْشِیّ: نَظَرَ الْمَغْشِیِّ، یہ اسم مفعول کا
صیغہ ہے جو اصل میں مفعولٌ کے وزن پر تھا واؤ
کو یاء بنا کر یاء کو یاء میں ادغام کر دیا گیا ہے اصل
مادہ مجرد غَشْیٌ ہے اور یہ سمع سے آتا ہے مَغْشِیٌّ
بیہوش، جس پر غشی طاری ہو۔

اَوْلٰی: فَاَوْلٰی لَہُمْ، اَوْلٰی زیادہ لائق
زیادہ مستحق، زیادہ قریب، وَلْیٌ سے جس کے
معنے پے در پے اور مسلسل واقع ہونیکے ہیں،
اور اسی لحاظ سے قریب ہونیکے معنی میں اسکا
استعمال ہوتا ہے۔ اَفْعَلُ التفضیل کا صیغہ ہے۔
اس کا صلہ جب لام آتا ہے تو ڈانٹ اور دھمکی
کے معنی دیتا ہے اس صورت میں خرابی اور
بُرائی کے زیادہ قریب ہونیکے معنی میں ہوتا ہے

چنانچہ آیت شریفہ فَاَوْلٰی لَهُمْ میں یہی معنی مراد ہیں اور اسی طرح آیت اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی میں بھی بمعنی ہلاکت اور خرابی کے زیادہ قریب ہونے کے ہیں (لغات القرآن)، فَاَوْلٰی لَهُمْ لعنت اور اظہار نفرت کا کلمہ ہے (تدبر)

تَوَلَّيْتُمْ: فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ (آیت ۲۲) پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو مُلک میں اور قطع کرو اپنی قرابتیں، لفظ تَوَلّٰی کے لغت کے اعتبار سے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک اعراض کرنا، دوسرے کسی قوم و جماعت پر اقتدار و حکومت، اس آیت میں بعض حضرات مفسرین نے پہلے معنے مراد لئے ہیں، ابو حیان نے بحر محیط میں اسی کو ترجیح دی ہے، ومعناه ان اعرضتم عن الاسلام (بحر محیط) اس معنے کے اعتبار سے مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر تم نے احکام شرعیہ الٰہیہ کی روگردانی کی جنہیں حکم جہاد بھی شامل ہے تو اسکا اثر یہ ہوگا کہ تم جاہلیت کے قدیم طریقوں پر جاؤ گے جسکا لازمی نتیجہ زمین میں فساد اور قطع ارحام ہے جیسا کہ جاہلیت کے ہر کام میں اسکا مشاہدہ ہوتا تھا کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کا دشمن اور قاتل اور بنات کو زندہ دفن کرنا وغیرہ جرائم اسلام سے پہلے ان میں موجود تھے تو اسلام سے انحراف دوبارہ انہی افعالِ قبیحہ کو پیدا کر کے زمین میں فساد کا ذریعہ بن جائے گا، روح المعانی اور قرطبی وغیرہ نے تولّی کے معنی اس جگہ حکومت اور اقتدار کے لئے ہیں، تو مطلب یہ ہوگا تمہارے حالات جن کا ذکر اوپر آچکا ہے ان کا تقاضا یہ ہے کہ اگر تمہاری مراد پوری ہو یعنی اس حالت میں تمہیں ملک و قوم کی ولایت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو نتیجہ اس کے سوا نہیں ہوگا کہ تم زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور رشتوں قرابتوں کو توڑ ڈالو گے (معارف)

اَرْحَامُ: رحم کی جمع ہے جو ماں کے پیٹ میں انسان کی تخلیق کا مقام ہے چونکہ تمام رشتوں قرابتوں کی بنیاد وہیں سے چلتی ہے، اس لئے محاورات میں رحم بمعنی قرابت اور رشتہ کے استعمال ہوتا ہے۔

اَقْفَالُ: اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (آیت نمبر ۲۴) یا دلوں پر قفل رہے ہیں، اَقْفَال، قفل کی جمع ہے جس کے معنی تالے کے ہیں۔ اقفال سے مراد وہ چیزیں ہیں جو دلوں کو روگ یا زنگ کی طرح لگتی ہیں جن

سے قبولِ حق کی صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں، جیسے موت کا ڈر۔ بخل - بزدلی۔ کینہ اور حسد وغیرہ، اور نفاق ان سب سے بدترین قلبی بیماری ہے - اصل میں قُفْل کے معنی کسی چیز کے سوکھنے اور سخت ہونے کے ہیں، درخت کی اس شاخ کو بھی قفل کہتے ہیں جو سوکھ جاتی ہے۔ اور خشک گھاس وغیرہ کو قَفِيْلٌ کہتے ہیں، اَقْفَلَهُ الصَّوْمُ : اُس کو روزے نے دُبلا کر دیا، واصلُ القفلِ، اَلْيُبْسُ والصَّلَابَةُ، ويقال لِمَا يَبِس مِن الشَّجَرِ القَفْلُ (قرطبی)

اَضْغَانَ : لَنْ يُخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ (آیت ۲۹) اَضْغَانٌ ۔ ضِغْنٌ کی جمع ہے جس کے معنے مخفی عداوت اور حسد و کینہ کے ہیں، الاضغانُ مَا يُضْمَرُ مِنَ المكروهِ (قرطبی)

لَحْنَ : لَحْنَ الْقَوْلِ (آیت نمبر ۳۰) لفظ لَحْن توریہ کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی آدمی بات اس طرح کرے کہ اپنے دل میں تو اس کا مفہوم کچھ اور رکھے لیکن دوسرے کو اس کا کچھ مفہوم سمجھانے کی کوشش کرے نفاق زدہ لوگوں میں یہ بطور شعار کے پایا جاتا ہے لَحْن، اسم مفرد ہے - لہجہ، انداز، آواز اور خوش آوازی کو لحن کہا جاتا ہے اسکی جمع لحان آتی ہے اور لُحُوْنٌ آتی ہے، ایک حدیث میں ہے، اقرأ القُرْاٰنِ بِلُحُوْنِ العرب، یعنی قرآن کو عرب کے لہجہ میں پڑھو - لَحَنَ : لغت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی ایک حدیث ہے، تَعَلَّمُوا السُّنَّةَ وَالْفَرَائِضَ واللَّحْنَ كَمَا تَعَلَّمُوْنَ الْقُرْاٰنَ ،

اور لحن، کا لفظ پڑھنے میں غلطی کرنے پر بھی بولا جاتا ہے - لَحَنَ فِيْ كَلَامِهٖ، اعراب میں غلطی کرنا، گا کر پڑھنا، اَلْحَنُ النَّاسِ، گانے یا پڑھنے میں سب پر فوقیت رکھنے والا - اَلْحَنُ کے معنے دانا اور زیادہ واقف کے بھی آتے ہیں - لَحْنُ کے معنی صحیح سمت اور راہِ اعتدال سے ایک جانب کو مڑ جانے کے ہیں - یہاں لَحْنَ القول سے مراد منافقین کا وہ طریقۂ بیان ہے جو وہ مجلس نبوی میں اختیار کرتے تھے جس سے اصل مراد انکی طعن ہوتا تھا مگر چونکہ ایک مفہوم اسمیں صحیح بھی محتمل تھا اسلئے گرفت سے محفوظ رہتے تھے - ہمارے دَور کے دانشور لحن باز کہتے : اَرے لعنت بَرسہ، مخاطب کو خیال ہوتا کہ وہ لعنت بَرسے کہہ رہا ہے، حالانکہ منافق

بڑ سمجھ کہا ہے جس سے مراد ملّتِ اسلامیہ کے تین بڑے ستون ہوتے ہیں، یعنی تین بڑے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، یہ انداز کلام ان کی آبائی وراثت ہے۔

لَا تُبْطِلُوْا : لَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ (آیت نمبر ۳۳) اپنے اعمال کو رائیگاں نہ کرو بَطَلَ بُطُوْلٌ، کسی چیز کا یونہی رائیگاں چلے جانا، باطِلٌ، یہ حق کا مقابل ہے۔ تحقیق و جستجو کے بعد جس چیز میں ثبات اور پائیداری نظر نہ آئے وہ باطل ہے اور ابطال قول و فعل دونوں میں ہوتا ہے، ابطال عمل کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، ابطال اعمال کی ایک صورت تو کفر کی وجہ سے ہوتی ہے کیونکہ کافر اصلی کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا اور جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا تو زمانۂ اسلام کے اعمال اگرچہ لائق قبول تھے مگر اسکے کفر و ارتداد نے ان اعمال کو اکارت کر دیا دوسری صورت ابطال اعمال کی یہ ہے کہ بعض اعمال صالحہ کے لئے دوسرے اعمال صالحہ شرط ہیں تو جس شخص نے اس شرط کو ضائع کر دیا تو اس کا یہ عمل صالح بھی ضائع ہو گیا جو اس شرط کے ساتھ مشروط تھا جیسا کہ تمام اعمال صالحہ کی قبولیت کا مدار صحت نیت پر ہے: اگر نیت میں سُمعہ اور ریا جیسا فتور پیدا ہو گیا تو عمل قبول نہیں ہوگا ایک تیسری صورت عمل کو باطل کرنے کی یہ ہوتی ہے کہ کوئی نیک عمل کر کے اسکو قصداً باطل کر دے۔ مثلاً نفل نماز یا روزہ وغیرہ شروع کر کے توڑ دے، یہ آیت مذکورہ کے ذریعہ ناجائز قرار پایا ہے۔

يَتِرَ : وَلَنْ يَتِرَكُمْ (آیت نمبر ۳۵) وَتْرٌ وِتْرٌ اور تِرَةٌ کے معنی کینہ کے آتے ہیں، اسی سے وَتَرْتُهُ ہے جسکے معنی ہیں کسی کو تکلیف پہنچانا، حق کو کم کرنا، وَتَرَهٗ حَقَّهٗ کے معنی ہونگے اس نے اسکے حق میں خیانت کی اس کا حق اس کو کم دیا۔ لَنْ يَتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ کے معنی ہونگے کہ اللہ سے یہ اندیشہ نہ رکھو کہ وہ تمہارے اعمال کے صلہ میں تمہارے ساتھ ناانصافی یا کوئی بیوفائی کرے گا۔

يُحْفِ : فَيُحْفِكُمْ : يُحْفِ اِحْفَاءٌ سے مضارع کا صیغہ واحد مذکر ہے۔ احفاءٌ کے معنی کسی چیز کو سمیٹ کر پوری کی پوری لے لینے یا کسی شے کا الحاح و اصرار کے ساتھ مطالبہ کرنے کے ہیں، اَحْفَيْتُ السُّؤَالَ سوال کرنے میں اصرار کرنا، اسی سے حَفِيٌّ ہے

مہربان کسی چیز کو اچھی طرح جاننے والا۔

اَضْغَانَ : وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ، اور ظاہر کر دے تمہارے دل کی خفگیاں، اوپر گزر چکا ہے کہ اَضْغان جمع ہے اور اسکی واحد ضِغْنٌ آتی ہے، اس کینہ اور کراہت کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز کے متعلق انسان کے دل میں مخفی اور پوشیدہ طور پر پایا جائے۔

یہاں لفظ اضغان کو مرفوع بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں یہ يَخْرُجُ کا فاعل ہوگا اور يَخْرُجُ خرج مجرد کا مضارع ہوگا اور يُخْرِجْ (افعال) کی صورتمیں اضغان منصوب ہوگا، چونکہ اس صورت میں یہ فعل کی ضمیر فاعل سے مفعول ہوتا ہے، مرفوع کی صورتمیں ترجمہ یہ ہوگا، اور ظاہر ہو جائیں تمہارے دلوں کی خفگیاں،

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الفتح

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَتْحًا مُّبِيْنًا : اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ، بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی۔ فَتْحًا مُّبِيْنًا سے مراد صلح حدیبیہ ہے جس کے بعد اہل عرب کثرت سے جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے یہ صلح رجب سنہ ۶ھ مطابق سنہ ۶۲۸ء مکہ مکرمہ کے قریب بمقام حدیبیہ میں ہوئی۔ چونکہ یہ صلح آئندہ کی فتوحات کا پیش خیمہ اور دین کی نشر و اشاعت کا سبب تھی اس لئے اس کو فتح مبین فرمایا گیا ہے، فتح مکہ بھی فتح حدیبیہ کا نتیجہ تھی، اور فَتْحًا قَرِيْبًا سے مراد فتح خیبر ہے جو فتح مکہ سے تقریباً چھ ماہ بعد ہوا۔ فَتْحًا مُّبِيْنًا : هو فتح الحديبية (قرطبی)

ذَنْبٌ : مِنْ ذَنْبِكَ ، یہاں ذنب سے مراد کوئی جرم اثم یا معاصی نہیں بلکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وہ افعال و اعمال ہیں جو آپ کی کریم النفسی کی وجہ سے صادر ہوئے مگر منشاء قدرت کچھ اور تھا جیسا کہ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑ دینا اور اسی طرح جہاد سے جی چرانے والے منافقین کو اُن کے بہانوں پر اجازت دیدینا، ورنہ یہ بات تو خود قرآنی نصوص سے ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے معاصی کا ارتکاب نہیں ہوتا۔

ذَنْبٌ کے اصلی معنیٰ کسی چیز کی دُم پکڑنے کے ہیں اور دُم کے اعتبار سے ہر اُس فعل کو جسکا انجام بُرا ہو ذنبٌ کہدیتے ہیں ذَنَبْتُهٗ مَیں نے اُس کی دُم پر مارا،

نَصْرًا عَزِيْزًا : وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ، اور اللہ آپ کو باعزت غلبہ دے یہاں نَصْرٌ عَزِيْزٌ سے مراد کفر کے مقابلہ میں ایسی فتح و نصرت ہے جس کو چیلنج نہ کیا جاسکے۔ عزیزٌ کے معنیٰ غالب، مقتدر اور منیع کے ہیں۔

اَلسَّكِيْنَةَ : هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ (آیت نمبر ۴) اور اللہ وہی تو ہے جس نے اہل ایمان کے دلوں میں تحمل پیدا کیا۔ السَّكِيْنَةَ کے معنیٰ یہاں تسلّی اطمینان قلب کے ہیں اور یہی شیٔ استقامت

اور صبر و ثبات کی بنیاد ہے، اور سکینہ اھلِ لغت کی تحقیق میں نور اور قوت اور رُوح کا جامع ہے۔ السَّكِيْنَةُ: السُّكُوْنُ وَ الطُّمَانِيَةُ (کشاف) فسروها بالشیئ يَجْمَعُ نورًا وقوتًا وروحًا بحيث يسكن اليه ويتسلّى به الحزين (روح)

السَّكِينَةُ: السكون والطمانية وقال بن عباس - كل سكينة فى القرآن هى الطمانية الا التى فى البقرة (قرطبی)

وهى الطمانينةُ والسكون (بحر)

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ سکینہ وہ فرشتے ہیں جو مومنین کے دلوں کو تسکین دیتے ہیں (رغ)

ظَآنِّيْنَ: الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ (آیت نمبر ۶) ظَآنِّيْنَ: گمان کرنے والے اٹکل چلانے والے۔ ظَنٌّ سے اسم فاعل ہے اور ظَانٌّ کی جمع ہے، لفظ ظن کی تحقیق پہلے گزر چکی۔

دَآئِرَةٌ: عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ان پر بُرا وقت آنے والا ہے، دَائِرَةٌ اصل میں خط محیط کو کہا جاتا ہے اور یہ دَارَ يَدُوْرُ دَوْرَانًا سے ماخوذ ہے جسکے معنی ہیں چکر لگانا گھومنا، پھر مصیبت گردش زمانہ کو دائرۃ کہدیا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے زمانہ کو دوّاری کہتے ہیں۔ ایک شاعر کا قول ہے کہ الدَّهْرُ بالانسان دَوّارِيٌّ، یعنی زمانہ انسان کو گھماتا رہتا ہے، اور الدَّائِرَہ کا لفظ ایسے امور و حوادث کے لئے استعمال ہوتا ہے جو طبعی طور پر انسان کو ناپسند ہوں جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے نَخْشٰی اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم پر زمانہ کی گردش نہ آجائے۔

تُعَزِّرُوْا: (آیت نمبر ۹) تُعَزِّرُوْهُ: اور اس کی مدد کرو، تُعَزِّرُوْا تَعْزِيْرٌ سے مشتق ہے جس کے معنی مدد کرنے کے ہیں اور سزا کو جو تعزیر کہا جاتا ہے وہ بھی اس لئے کہ مجرم کی مدد حقیقی اس میں ہے کہ اس پر سزا جاری کرکے گناہ سے بچالیا جائے اور مجرم پر حد جاری کرنے میں پوری قوم کی بھی مدد ہے کہ حد کے ذریعہ انکے جان و مال کی حفاظت ہوگی وقال قتادة تَنْصُرُوْهُ وتَمْنَعُوْا منه:

ومنه التعزير فى الحد لانّه مانع (قرطبی)

تُوَقِّرُوْهُ: (آیت نمبر ۹) وتُوَقِّرُوْهُ اور اس کی عظمت رکھو۔ تُوَقِّرُوا: تَوْقِيْرٌ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں تعظیم تُعَزِّرُوْهُ اور تُوَقِّرُوْهُ کی دونوں جگہ ضمیر کا مرجع ذات نبوت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

عـزت وعظمت کا حکم دیا جار ہا ہے ، اور تُوَقِّرُوْهُ پر وقف تام ہے، وتُسَبِّحُوْهُ سے بکلام نیا شروع ہو رہا ہے اور تُسَبِّحُوْهُ میں ضمیرہ کا مرجع ذات باری ہے ۔ ھکذا ذکرہٗ اکثر اھل التفاسیر ۔

عَلَيْهُ : وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ (آیت نمبر ۱۰) اور جو کوئی اس چیز کو پورا کرے گا جس کا اُس نے اللہ سے عہد کیا ہے ۔ اس آیت میں عَلَیْہُ اللہ کی ضمیر پر جو ضمہ ہے اس کی بنا پر بعض مستشرقین اور اہل زیغ و الحاد نے یہ اعتراض کر دیا ہے کہ یہ قاعدہ کے خلاف ہے لہٰذا یہ قرآن میں معاذ اللہ غلطی کی گئی ہے اس لئے یہاں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ قرآن پاک کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے نحو کی کتب معیار نہیں بلکہ قرآن پاک خود معیار ہے تمام کتب نحو کے لئے سیبویہ نحو کا بہت بڑا امام مانا گیا ہے لیکن قـرآن پاک کو سیبویہ کے اصول و قواعد پر نہیں بلکہ سیبویہ کے قواعد و اصول کو قرآن کے استعمالات پر پرکھا جائے گا، اگر کوئی قاعدہ قرآن پاک کے استعمالات کا ساتھ نہیں دیتا تو یہ اہل نحو کے تتبع کے نقص پر محمول ہوگا ۔

قرآن پاک عرب کے فصیح ترین لغت قریش کے مطابق ہے اگر یہ استعمال ضمیر کا خلاف قاعدہ ہوتا تو خود اہل عرب اور خاصکر قریش اس پر اعتراض کرتے جبکہ ایسا کوئی واقعہ منقول نہیں ہے ۔

مُخَلَّفُوْنَ : سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ (آیت نمبر ۱۱) اب کہیں گے تجھ کو پیچھے رہ جانے والے ۔ مُخَلَّفُوْنَ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو پیچھے کر دیا گیا، درانحالیکہ وہ خود پیچھے رہ جانے والے تھے، تَخْلِيْفٌ (تفعیل) کسی کو پیچھے کر دینا، پیچھے چھوڑ دینا، خَلَّفْتُهٗ، میں نے اُس کو اپنے پیچھے کر دیا، یہاں مراد وہ لوگ ہیں جو مدینہ منورہ کے آس پاس رہتے تھے، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو فتح مکہ کے سال ساتھ چلنے کو فرمایا تھا مگر یہ لوگ قریش کے ڈر سے آپؐ کے ہمراہ نہیں گئے تھے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو پیچھے کر دیا تھا، ابن عباس کے قول کے مطابق یہ لوگ قبیلہ غفّار، مزینۃ اور قبیلہ جہینہ وغیرہا تھے ھم اعراب الذین کانوا حول المدینۃ تخلفوا عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حین اراد السَّفَرَ الی مکۃ عام الفتح بعد اَنْ کَانَ اسْتَنْفَرَهُمْ لیخرجوا معہ حذرًا من

قریش (قرطبی)

شَغَلَتْ : شَغَلَتْنَا اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا :
ہم کو ہمارے اموال اور ہمارے عیال نے
فرصت نہ دی ، شُغْلٌ ایسی مصروفیت
جس کی وجہ سے انسان دوسرے کاموں کی
طرف توجہ نہ دے سکے ۔ شُغُلٌ شَاغِلٌ
مصروف رکھنے والا کام ،

بُوْرًا : وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا (آیت ۱۲)
تم برباد ہونے والے لوگ ہو گئے بُوْرٌ جمع ہے
اس کی واحد بَائِرٌ آتی ہے جس کے معنی ہلاک
ہونے والے ۔ جو شخص حیران و پریشان ہو
کہ نہ کسی کا کہنا سُنے اور نہ کسی طرف متوجہ ہو
ایسے شخص کے لئے عرب کہتے ہیں رَجُلٌ حَائِرٌ
بَائِرٌ : اور ایسی قوم کے لئے بولتے ہیں قَوْمٌ
حُوْرٌ بُوْرٌ ۔

بَائِرٌ کی جمع بُوْرٌ آتی ہے ۔ بعض علماء کا
خیال ہے کہ بُوْرٌ مصدر ہے جو واحد اور
جمع دونوں کی یکساں صفت بنتا ہے اسی طرح
مذکر و مؤنث میں بھی برابر استعمال ہوتا ہے ،
رَجُلٌ بُوْرٌ ایسے شرّی کو کہا جاتا ہے جس
میں کوئی خیر نہ ہو ۔ ایسے ہی اِمْرَاَةٌ بُوْرٌ
بے خیری عورت ۔ بَارَ فُلَانٌ : فلاں ہلاک
ہو گیا ۔ اَبَارَهُ اللّٰهُ : اللہ اسکو تباہ کرے

علامہ قرطبیؒ نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے ۔
فرماتے ہیں بُوْرًا جمع ہے بَائِرٌ کی ، جیسے
حُوْلٌ جمع ہے حَائِلٌ کی ۔

بِبَطْنِ مَكَّةَ : بِبَطْنِ مَكَّةَ ، اس
لفظ کے اصلی معنی مکہ کے ہیں مگر یہاں مراد
مقام حدیبیہ ہے ، اس کو مکہ مکرمہ سے
بہت متصل ہونے کی وجہ سے مکہ سے تعبیر
کر دیا گیا ہے اسی سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے
کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم میں داخل ہے ۔

مَعَرَّةٌ : لفظ مَعَرَّةٌ کے معنی بعض
حضرات نے گناہ کے کئے ہیں اور بعض حضرات
نے مطلق مضرت کے اور بعض نے عیب کے
بیان کئے ہیں ۔ اس مقام پر ظاہر یہ ہے کہ
یہی آخری معنی ہیں کہ اگر جنگ چھڑ جاتی اور
بے خبری کی حالت میں مسلمانوں کے ہاتھوں
سے مکہ میں محبوس مسلمان قتل ہو جاتے تو یہ
ایک عیب کی بات تھی کہ کفار ان کو عار
دلاتے کہ دیکھو انھوں نے اپنے بھائیوں کو
بھی قتل کر ڈالا اور مضرت بھی تھی کہ قاتل کو
جب مسلمان کے مارے جانے کی خبر ہوتی تو
ندامت ہوتی ۔

مَعَرَّةٌ مَفْعَلَةٌ کے وزن پر اسم ہے
اَلْمَعَرَّةُ : العيب وهي مَفْعَلَةٌ مِنَ العَرّ

وَهُوَ الْجَرَبُ (قرطبی)

جَرَبٌ کے معنی عیب کے ہیں

تَزَيَّلُوْا : لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ، یعنی مسلمان اگر مکہ سے باہر چلے گئے ہوتے تو ہم کفار مکہ کو خطرناک سزا قرار دیتے ، تَزَيُّلٌ کے معنی اصل میں تفرق کے ہیں ، مطلب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں محبوس مسلمان اگر کفار سے الگ اور ممتاز ہوتے کہ مسلمان ان کو پہچان کر تکلیف سے بچا لیتے تو کفار کے حالات کا تقاضا یہی تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں ان کو اسی وقت سزا دی جاتی ۔

تَزَيُّلٌ : متفرق اور پراگندہ ہونا ، باب تفعّل

صَدَقَ : لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ (آیت نمبر ۲۷) اللہ نے سچ دکھلایا اپنے رسول کو خواب تحقیقی ، لفظ صدق بمقابلہ کذب کے اقوال میں استعمال ہوتا ہے ، جو قول واقعہ کے مطابق ہو ، اس کو صدق اور جو مطابق نہ ہو اس کو کذب کہا جاتا ہے ، اور بعض اوقات یہ لفظ افعال کے لئے بھی بولا جاتا ہے تو اس وقت اس کے معنی کسی فعل کو محقق اور ثابت کرنے کے ہوتے ہیں ، جیساکہ قرآن مجید میں ہے رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ : یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے معاہدہ کو پورا کر دکھایا اس وقت لفظ صدق کے دو مفعول ہوتے ہیں جیساکہ اس آیت میں لفظ صدق کا پہلا مفعول رسولہ اور دوسرا رؤیا ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں اللہ نے اپنے رسول کو اپنے خواب میں سچا کر دکھایا ۔

رَأْسٌ : سر ، جمع رُءُوْسٌ ، ہر چیز کا اعلیٰ حصہ ، سردار قوم ، رأس المال ، اصل مال ، الرَّائِسُ : والی ، حاکم ، المَرْءُوْسُ رعیت (تاج)

رَأَسَ الْقَوْمَ رِئَاسَةً : وہ لوگوں کا سردار بن گیا ۔ رأس الكفر من قبل المشرق : کفر کی چوٹی پورب کی طرف سے نمودار ہوگی ، رأس الشهر : مہینہ کا پہلا دن ، رأس الجبل : پہاڑ کی چوٹی ۔

أَرْسَلَ : هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهُ (آیت نمبر ۲۸) اُس نے بھیجا ، رِسَالَةٌ : پیغام ارسالٌ سے جس کے معنی بھیجنے کے ہیں ، اسم ہے اس کے معنی پیغام اور خط کے آتے ہیں جمع رسائل اور رسالات آتی ہے ۔

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَأَنْصَحُ لَكُمْ (اعراف) رسالت کی شرعی تعریف علامہ سعد الدین تفتازانی نے ان الفاظ میں کی ہے ، ھی سفارۃ العبد

بین اللہ و بین ذوی الالباب من
خلیقتہ لیزیح بھا عللھم فیما قصرت
عنہ عقولنا من مصالح الدنیا و
الاخرۃ : وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے ہوشمند
مخلوق کے مابین بندہ کی سفارت ہے، تاکہ
اس کے ذریعہ ان کی بیماریوں کو زائل کر دیا جائے
کہ جن میں اُن کی عقلیں دنیا و آخرت کی مصلحتوں
سے عاجز ہو چکی ہے (شرح عقائد)
اور رسول شریعت میں اس انسان کو کہا
جاتا ہے جس کو اللہ تعالے اپنے احکام پہنچانے
کے لئے مخلوق کی طرف مبعوث کرتا ہے۔
وفی المجموعۃ الرسول فی الشرع
انسان بعثہ اللہ تعالیٰ الی الخلق
لتبلیغ الاحکام والنبی اعم منہ و
قد ختم بخاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم
(مجموعہ قواعد الفقہ ص۳۰)

اَشِدَّآءُ : اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ
(آیت نمبر ۲۹) وہ تیز ہیں کافروں کے مقابلہ
میں (ماجدی)
اَشِدَّآءُ جمع ہے شَدِیْدٌ کی جس کے معنی
ہیں سخت، قوی اور زور آور، ھُوَ عَلَیَّ شَدِیْدٌ
یہ ایک محاورہ ہے جسکا معنی ہیں وہ چیز مجھ
پر بھاری ہے اور مشکل ہے اس کو رام کرنا،
اور قابو میں کرنا دشوار ہے، ایک شاعر
نے کہا ہے ؎

اذا المرء اعیتہ المروۃ ناشئاً
فمطلبھا کھلاً علیہ شدید

اگر اُٹھتی جوانی میں اُولوالعزمی پیدا کرنے
سے آدمی قاصر رہ جاتا ہے تو ادھیڑ عمر میں
اس کا حاصل کرنا نہایت دشوار ہوتا ہے۔

شَطْأَہٗ : اَخْرَجَ شَطْأَہٗ (آیت ۲۹)
اس نے اپنی سوئی نکالی۔ شَطْأٌ کے معنی ہیں
پودے کی سوئی جو اس کے دونوں جانب پھوٹ
کر نکلتی ہے۔ اس کی جمع شُطُوْءٌ اور اَشْطَاءٌ
آتی ہے۔

اٰزَرَ : فَاٰزَرَہٗ، پھر اس نے اپنی
سوئی کو قوی کیا، اصل میں اَزْرٌ کے
معنی قوتِ شدیدہ کے ہیں جیسا کہ قرآن پاک
میں گزر چکا ہے، اُشْدُدْ بِہٖ اَزْرِیْ یعنی
اس سے میری قوت مضبوط کریں۔ آزَرَہٗ:
اعانت کرنا، قوت دینا، اسنے اسکو مضبوط کیا،

اِسْتَغْلَظَ : فَاسْتَغْلَظَ، پھر وہ سوئی
اور موٹی ہوئی۔ اِسْتِغْلَاظٌ سے ماضی کا صیغہ
ہے اسکے معنے ہیں موٹا ہونیکے لئے تیار ہونا

سُوْقٌ : فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ، پھر
اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہو گئی، سُوْقٌ:

پنڈلیاں، کھیتی کی نالیں، اسکی جڑیں، اسکی واحد سَاقٌ آتی ہے اور سُوْقٌ فُعُلٌ کے وزن پر جمع ہے۔

زُرَّاعٌ : يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ، کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی۔ زُرَّاعٌ : کاشتکار کھیتی والے۔ یہ زارِعٌ کی جمع ہے بمعنی کھیتی سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جسکے معنی کسان اور کاشتکار کے ہیں۔

تَحْتَ : یہ لفظ فَوْقَ کی ضد ہے۔ نیچے نچلا، اسم ظرف ہے۔ تحت اور اسفل میں فرق یہ ہے کہ تحت کا استعمال منفصل ہوتا ہے اور اَسْفَل کا استعمال متصل میں ہوتا ہے۔ چنانچہ بولتے ہیں، المال تَحْتَہٗ : مال اسکے تحت یعنی نیچے ہے اور اسفله اَغْلَظُ من اعلاہ اسکا اسفل اسکے اعلیٰ سے سخت ہے اور اَلتَّحُوْتُ، اَرَاذِلُ پست لوگ، حدیث میں ہے، لا تقوم السّاعۃ حَتّٰی یَظْهَرَ التَّحُوْتُ، مضاف نہ ہو تو مبنی بر ضمہ ہوتا ہے، مثلاً جَاءَ مِنْ تحتُ جمع تُحوتٌ۔

شرح الفاظ القرآن من سورة الحجرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِمْتَحَنَ : اِمْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى (آیت نمبر ۳) اللہ نے انکے قلوب کو تقوے کے لئے خالص کر دیا، اِمْتَحَنَ : اس نے جانچا، اس نے آزمایا، یہ باب افتعال سے ماضی کا صیغہ ہے۔ امتحان کے معنی ہیں جانچنا اور آزمانا، جائزہ لینا، لفظ امتحان یہاں اصطفیٰ یا اس کے ہم معنے کسی لفظ پر متضمن ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ تعالے کے ہاں ہر دل تقوی کی تخم ریزی کے لئے موزوں نہیں ہوتا بلکہ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ امتحان کر کے دلوں کا انتخاب کرتا ہے اور اس امتحان میں اصل چیز جو ترجیح دینے والی بنتی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی کے اندر اللہ اور رسول کے لئے انقیاد و اطاعت کا سچا جذبہ اور ان کے آگے فروتنی کا صحیح شعور ہے یا نہیں، یہ چیزیں جس کے اندر جتنی زیادہ ہونگی اس کو اتنی ہی تقوے کی نعمت زیادہ عطا ہوتی ہے، اور جو لوگ اس درجہ سے جتنے کم اور نازل ہوتے ہیں اور انقیاد و اطاعت سے عاری ہوتے ہیں وہ اتنے ہی تقویٰ کی اس عظیم نعمت سے بعید ہوتے ہیں۔

المحن اور الامتحان دونوں کے معنی ایک ہی ہیں اِمْتَحِنُوْهُنَّ ، ان عورتونکو آزما لیا کرو کہ واقعی مسلمان ہیں یا کسی دنیاوی اور سیاسی غرض سے مکہ کو چھوڑ کر آگئی ہیں۔

امتحان اور ابتلاءٌ تقریباً قریب المعنے ہیں جیسا کہ ایک مقام پر ارشاد ہے لِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ بَلَاءً حَسَنًا، کہ اس سے یہ غرض تھی کہ مؤمنوں کو اچھی طرح آزمالے۔

وَرَاءَ : مِنْ وَّرَاءِ الْحُجُرٰتِ، حجروں کے باہر سے، وَارَيْتُ كذا کے معنی ہیں کسی چیز کو چھپانا۔ وَرَاءٌ کے معنی خلف یعنی پچھلی جانب کے ہیں، مثلاً جو زید کے پیچھے یا بعد میں آئے اس کو وراء زید کہا جاتا ہے، قرآن پاک میں ہے، من وَّرَاءِ اسحٰق يعقوب، اور اسحاق کے بعد یعقوب پیدا ہونگے، لیکن لفظ وراء پیچھے یا بعد کے مفہوم کے لئے خاص نہیں ہے۔ عربی میں جب

فَادَانِیْ مِنْ وَّرَاءِ الدَّارِ کہاجاتا ہے تو اسکا
مفہوم صرف یہ ہوتا ہے کہ اُسنے مکان کے باہر
سے پکارا یا آواز دی ۔ اور من وراء الحجرات کا
معنی یہ ہوگا کہ وہ حجروں کے باہر ہی سے آوازیں
دینی شروع کردیتے ہیں جو آپ کے لئے باعث
ایذا ہوتا تھا، اور کبھی لفظ وراءُ بمعنی قدّامُ
بھی آتا ہے جیساکہ ارشاد ہے وَکَانَ وَرَاءَهُمْ
مَّلِكٌ یَّاْخُذُ کُلَّ سَفِیْنَةٍ غَصْبًا یعنی
انکے آگے ایک بادشاہ تھا کہ ہر کشتی کو جو نئی
ہوتی غصب کرلیتا تھا۔

حُجُرَاتٍ : یہ حُجْرَةٌ کی جمع ہے اصل
لغت میں حجرہ ایک چار دیواری سے گھرے
ہوئے مکان کو کہتے ہیں جس میں کچھ صحن ہو،
کچھ مسقف عمارت ہو۔ یہ فُعْلَةٌ بمعنی مفعُولَةٌ
ہے۔ والحجرۃُ ۔ اَلرُّقْعَةُ من الارض
المحجورةُ بحائطٍ یحوط علیہا (قرطبی)

عَنِتُّمْ : لَعَنِتُّمْ (آیت نمبر ۷) توتم بڑی
مصیبت میں اور مشکل میں پھنس جاتے، تم
مشقت میں پڑجاتے، عَنِتَ فُلَانٌ یَعْنَتُ
اسوقت کہتے ہیں جب کوئی آدمی ایسے معاملہ
میں پھنس جائے جس میں تکلیف ہو اور تلف
ہوجانے کا اندیشہ ہو اور اَعْنَتَهٗ کے معنے کسی
کو تکلیف میں مبتلا کرنے کے ہیں جیساکہ ارشاد ہے
وَلَوْشَاءَ اللّٰہُ لَاَعْنَتَکُمْ : اور اگر خدا چاہتا
توتم کو تکلیف میں ڈالدیتا، عنتٌ کا لفظ
فسق و فجور اور گناہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے
جیساکہ سورۃ النساء میں ہے، ذٰلِكَ لِمَنْ
خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْکُمْ، لیکن عَنَتٌ بمعنی
مشکل کام میں پڑجانے کے ہیں، مقصد یہ ہے
کہ اگر پیغمبر تمہاری اطاعت کرنے لگے تو تم یقیناً
بہت مشکلات میں پھنس جاؤ گے اور آیت
کریمہ وَعَنَتِ الوجوہ للحیّ القیّوم
میں عنت سے مراد ذلیل اور عاجز ہوجانا ہے
اور یہ عَنْوٌ سے ماخوذ ہے جو ناقص واوی ہے
یہ لفظ سورۃ طٰہٰ میں گزر چکا ہے۔

حَبَّبَ : وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ
الْاِیْمَانَ، لیکن خدا نے تم کو ایمان عزیز
بنادیا (فتح) اس نے محبت ڈالی، اسے پیارا
کردیا، اس نے محبوب بنادیا، تحبیبٌ سے
ماضی کا صیغہ ہے، دوست اور محبوب بنادیا
المَحَبَّةُ کے معنی کسی چیز کو اچھا سمجھ کر اسکا
ارادہ کرنے اور چاہنے کے ہیں۔ حَبَّہٗ : اسکو
چاہا۔ یَتَحَبَّبُ : وہ اسکو چاہتا ہے۔ هُوَ
یَتَحَبَّبُ الی الناس : وہ لوگوں میں محبوب
ہے۔ فلانٌ یُحَابُّ فُلَانًا : فلاں فلاں کو
چاہتا ہے، اَصَابَتْ فلانةٌ حَبَّةَ قَلْبِهٖ

وہ عورت اس کے سویدائے قلب میں سما گئی

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ

اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے فرمادیں کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کریگا،

اللہ سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ احکام خداوندی کی خلوص اور استقامت کے ساتھ اطاعت کرنا اور پوری زندگی اتباعِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں گزارنا - طریقہ نبوی سے انحراف اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرکے کوئی شخص نہ تو خدا سے محبت پیدا کر سکتا ہے اور نہ ہی خود اللہ تعالیٰ ایسے متمدن انسان سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالےٰ کسی انسان سے اُس کی روشن خیالی کی وجہ سے محبت نہیں کرتا بلکہ اتباعِ دین کی وجہ سے کرتا ہے۔

تَفِيْئَ : حَتّٰى تَفِيْئَ اِلٰى اَمْرِ اللّٰهِ: یہاں تک کہ وہ رجوع کرے اللہ کے حکم کی طرف - یہ فَيْءٌ سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے، جس کے معنی ہیں اچھی حالت کی طرف رجوع کرنا و پھر آنا، فَاءَ يَفِيْئُ فَيْءٌ لفیف کی اقسام میں سے لفیف مقرون ہے

يَسْخَرْ : لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ (آیت نمبر ۱۱) کوئی مرد کسی مرد کا تمسخر نہ اُڑائے، تمسخر، وہ ہنسی ہے جو دوسرے کی تحقیر کیلئے کیجاتی ہے یہ حرام اور ممنوع ہے اور ایسی ہنسی جس سے دوسرے کا دل خوش ہو وہ مزاح اور خوش طبعی کہلاتی ہے یہ جائز ہے - علامہ قرطبی فرماتے ہیں، کہ کسی شخص کی تحقیر و توہین کے لئے اسکے کسی عیب کو اس طرح ذکر کرنا کہ دوسرے لوگ اسپر ہنسنے لگیں تو اسکو سخریہ تمسخر اور استہزاء کہا جاتا ہے اور یہ جیسے زبان سے ہوتا ہے ایسے ہی ہاتھ پاؤں وغیرہ سے نقل اُتارنے سے بھی ہوتا ہے - یہ سب چیزیں حرام اور ممنوع ہیں والسُّخْرِيَّةُ الاستھزاءُ (قرطبی)

تَلْمِزُوْا : لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ : اور عیب نہ لگاؤ ایک دوسرے کو اور نام نہ ڈالو چڑانے کو ایک دوسرے کے، لَمْزٌ کے معنی عیب نکالنے اور عیب ظاہر کرنے یا عیب پر طعنہ زنی کرنے کے ہیں، آنکھوں سے اشارہ کرتے ہوئے کسی پر کوئی جملہ چست کر دینا جو طنز آمیز ہو وہ بھی لمز میں شامل ہے، جیسا کہ سورۂ توبہ میں آیت سے اسکی طرف اشارہ ہے، وَالَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی جب غریب مسلمان اپنی گاڑھی کمائی میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو

منافقین ان پر طنز کرتے ہیں۔ **اللَّمزُ** : العیب
وقال الطبری۔ اللّمزُ بالید والعین
واللسان والاشارۃ (قرطبی۔ طبری)

تَنَابَزُوْا : وَلَاتَنَابَزُوْا، یہ فعل نہی ہے تم
چڑ مقرر نہ کرو، تم برے نام نہ نکالو۔ تم برے ناموں
سے دوسرے کو مت پکارو نَبَزٌ (بفتح الباء) کے
معنے لقب کے ہیں اسکی جمع انبازٌ آتی ہے۔ اور
نَبْزٌ (بسکون الباء) مصدر ہے، نَبَزَہٗ یَنْبِزُہٗ
(ض) نَبْزًا، کسی کا لقب ڈالنا، فَلَانٌ یُنَبِّزُ
بالصِّبْیَانِ : بچوں کے نام ڈالنا، نَبْزٌ عام
طور پر برے القاب کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے
اور یہاں یہی مراد ہے، اور نَزَبٌ کے معنی
بھی یہی ہیں، تَنَابَزُوْا بالالقابِ، ایکدوسرے
کے برے نام ڈالنا۔ یہاں یہ امر ملحوظ رہے
کہ آیت میں ان القاب سے روکا گیا ہے جن سے
انسان کی تحقیر و تذلیل ہو، باقی ایسے القاب
جو انسان کی عزّت وعظمت کے مظہر ہوں وہ
بالکل جائز ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
خود اچھے القاب سے موسوم کیا ہے جیسے حضرت
ابوبکرؓ کو صدیق اور عمرؓ بن خطابؓ کو فاروق
اور عثمانؓ بن عفانؓ کو ذی النورین کا لقب
عطا کیا۔

اَلْقَابٌ : اَلْقَابٌ یہ لَقَبٌ کی جمع ہے
بمعنی خطاب، لَقَبٌ: انسان کا اصلی نام کے
علاوہ جو دوسرا نام ہوتا ہے اسکو لقب کہتے
ہیں، اصلی نام عَلَم کہلاتا ہے، علم اور لقب میں فرق
یہ ہوتا ہے کہ علم میں معنی کا لحاظ نہیں کیا جاتا اور
لقب میں معنی کا لحاظ ہوتا ہے یہاں لقب سے مراد
برا نام ہے یعنی کسی شخص کو ایسے نام سے پکارنا
جو اسکو ناگوار ہو، واللقب ھٰھُنَا اسم مکروہ
عند السّامع (ابن العربی)

لَاتَجَسَّسُوْا : وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ
بَعْضُکُمْ بَعْضًا : اور ٹوہ میں مت لگو اور
کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے۔ یہاں دو قراتیں
ہیں۔ ایک لَاتَجَسَّسُوْا جیم کیساتھ اور دوسری لَاتَحَسَّسُوْا
حا کیساتھ ہے، دونوں لفظ قریب المعنی ہیں صحیحین کی
روایت میں دونوں لفظ وارد ہوئے ہیں، آپؐ نے
ارشاد فرمایا، لَاتَجَسَّسُوْا وَلَاتَحَسَّسُوْا، نحو ولغت
کے امام اخفشؒ نے ان دونوں میں فرق بیان
کیا ہے کہ تَجَسُّسٌ بالجیم کسی ایسے امر کی جستجو اور
تلاش کو کہا جاتا ہے جس کو لوگوں نے آپ سے چھپایا
ہو۔ اور تَحَسُّسٌ بالحاء مطلق تلاش وجستجو کے معنی
میں آتا ہے، سورۃ یوسف میں تَحَسَّسُوْا مِنْ
یُوْسُفَ وَاَخِیْہِ اسی معنی کیلئے آتا ہے،

یَغْتَبْ : لَایَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا،
تم میں سے کوئی ایکدوسرے کی غیبت نہ کرے

غیبت کہتے ہیں کوئی کسی کی پیٹھ پیچھے اُسکی بُرائی
بیان کرے اور جسکی بُرائی بیان کیجاتی ہے اسکو
اس برائی بیان کرنے کا علم نہ ہو ۔ لَا یَغْتَبْ :
اِغْتِیَابٌ (افتعال) سے نہی کا صیغہ ہے ۔
اِغْتَابَہٗ یَغْتَابُہٗ اِغْتِیَابًا، کسی کے عیب نکالنا
غِیْبَۃٌ اسی سے اسم ہے۔ اہلِ علم نے غیبت کی
تین اقسام بیان کی ہیں ۔ ایک تو غیبت یہ ہے
کہ کسی میں کوئی عیب یا کوئی نقص موجود ہے جس
کے ظاہر کرنے کو وہ ناپسند کرتا ہے، ایسے عیب
کو اسکی عدم موجودگی میں بیان کرنیکا نام تو غیبت ہے
دوسری غیبت کی قسم اِفک ہے ۔ وہ یہ ہے کہ کسی
پر ایسا الزام لگانا جسکی خبر آپکو ملی ہو مگر نفس الامر
میں یہ خبر ہی غلط ہو جس پر الزام کی بنیاد ہو جیسا
کہ افک عائشہ رضی اللہ عنہا، تیسری قسم غیبت
کی بہتان ہے وہ یہ کہ کسی پر ایسا الزام لگانا جس سے
وہ بَری ہو اور الزام لگانے والا بھی جانتا ہو کہ وہ
غلط گو ہے (قرطبی)

شُعُوْبًا : وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ :
(آیت نمبر۱۳) اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنایا
شُعُوْبٌ، شعب کی جمع ہے، بہت بڑی جماعت کو
شعب کہتے ہیں جو کسی ایک اصل پر مجتمع ہو پھر
انہیں سے مختلف قبائل اور خاندان ہوتے ہیں،
پھر خاندانوں میں بھی بڑے خاندان اور اس کے
مختلف حصوں کے نام عربی زبان میں الگ الگ ہیں
سب سے بڑا حصہ شعب اور سب سے چھوٹا حصہ عُشیرہ
کہلاتا ہے، اور ابو رواق کا قول ہے کہ شعب اور شعوب
عجمی قوموں کیلئے بولا جاتا ہے جن کے انساب اب موجود
نہیں اور قبائل عرب کے لوگوں کیلئے جنکے انساب
محفوظ ہیں اور اسباط بنی اسرائیل کے لئے ۔
شَعْبٌ اضداد میں سے ہے شَعَبْتُہٗ کے معنیٰ ہیں
میں نے جمع کر دیا اور شَعَبْتُہٗ اسوقت بھی بولا جاتا ہے
جب کسی چیز کو متفرق کیا جاتا ہو (قرطبی) اور الشَّعْبُ
مِنَ الوادی : وادی کا وہ مقام جہاں اسکا ایک کنارہ
ملتا اور دوسرا جدا ہوتا ہے، جب تم دیکھو جہاں
اسکا کنارہ جدا ہو رہا ہے تو ایسا معلوم ہوگا کہ ایک چیز
کے ٹکڑے ہو رہے ہیں اور جب اس سرے کو
دیکھو جہاں دوسرا سرا اس سے ملتا ہے تو ایسا
محسوس ہوکر دونوں سرے ایکدوسرے سے مل
رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ شعب اضداد میں سے
شمار کیا ہے اور اسکے معنے جمع کرنا اور متفرق کرنا
دونوں آتے ہیں شَعْبٌ کی جمع شِعَابٌ آتی ہے
مِشْعَبٌ : برما، سوراخ کرنے کا آلہ، مَشْعَبٌ: راستہ
ھٰذَا مَشْعَبُ الحق، یہ حق کا راستہ ہے اسکی جمع
مشاعب، شُعَبُ الدھر: حالات زمانہ، شَعَبَ
الشیئَ : جمع کرنا، متفرق کرنا۔ شَعَبَ القومُ :
لوگوں کا جدا اور متفرق ہونا۔ شَعَبَتْہُ المَنِیَّۃُ :

موت کا اچانک آن لینا، موت کو بھی شُعُوب
کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی جُدا کرنیوالی ہے۔ شُعُوبِيَّةٌ
ایک فرقہ ہے جو عرب کو عجم پر فضیلت نہیں دیتا،

قَبَائِلَ : قبائل جمع قَبِيلَةٌ کی۔ ایک خاندان
ایک برادری، ایک کنبہ، وہ جماعت جو ایک
دوسرے پر متوجہ ہوں۔ قَبِيلٌ بھی قَبِيلَةٌ کی
جمع ہے جیساکہ قرآن پاک میں ہے وَالْمَلٰٓئِكَةُ
قَبِيلًا۔ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لاؤ۔
بعض حضرات کے نزدیک قبیل بمعنی کفیل ہے
یعنی ضامن کے ہے اور یہ قَبِلْتُ فُلَانًا وَ
تَقَبَّلْتُ بِہٖ کے محاورے سے ماخوذ ہے جس کے
معنی ضامن بننے کے ہیں۔

يَلِتْكُمْ : لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا
وہ تمہارے اعمال میں سے ذرا بھی کم نہ کریگا،
لَاتَہٗ عَنْ (ض) کذا لَيْتًا کے معنے ہیں اسکو کسی
چیز سے پھیر دینا اور ہٹا دینا، اور لاتہٗ وَالَاتَہٗ
(افعال) کسی کا حق کم کرنا، پورا نہ دینا۔ لَيْتَ
یہ حرف طمع اور تمنی ہے یعنی گزشتہ کوتاہی پر
اظہار تأسف کے لئے آتا ہے، جیساکہ یَا لَيْتَنِي
كُنْتُ تُرَابًا۔
بعض قراء حضرات نے اسکو لَا يَأْلِتْكُمْ بھی
پڑھا ہے۔ یعنی أَلَتَ يَأْلِتُ (ض) مہموز
الفاء ان قراء نے اس کو دوسرے مقام
پر قیاس کیا ہے جہاں یہ باب واقع ہوا
ہے چنانچہ ارشاد ہے وَمَا أَلَتْنٰهُمْ مِنْ
عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ (سورطور آیت ۲۱)
دونوں ابواب سے معنی ایک ہی ہیں۔
وَقَرَأَ ابو عمرو "لَا يَأْلِتْكُمْ" بالهمزة
مِنْ أَلَتَ يَأْلِتُ أَلْتًا وَهُوَ اختيار
ابی حاتم اعتبارًا بقوله تعالىٰ وَمَا
أَلَتْنٰهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ (قرطبی)
والأَلْتُ : النقص (لسان) أَلَتْنَا
میں یہ بھی جائز ہے کہ باب افعال کے مصدر
الِاَلَاتَۃُ سے جمع متکلم کا صیغہ ہو، اَلَتْنَا اور
اِيْلَاتٌ دونوں کے معنی کم کرنے کے ہیں ۔
أَلَتَ إِيْلَاتٌ و الِاَلَاتَۃُ : حق کم کرنا، نہ دینا
حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت میں آلَتْنَاهُمْ
بمد الهمزه آیا ہے۔ علامہ قرطبی نے ابن
الاعرابی کا قول نقل کیا ہے کہ أَلَتَ يَأْلِتُ
أَلْتًا اور آلَتَ يُؤْلِتُ ايلاتًا اور لَاتَ
يَلِيْتُ لَيْتًا سب کے معنی کم کرنے کے ہیں،
لیکن اس مقام پر لَا يَلِتْ باب ضرب سے ہے
افعال سے نہیں ہے اس کی ماضی لَاتَ اور
مضارع يَلِيْتُ ہے۔

شرح الفاظ القرآن من سورۃ قٓ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَجِیْدٌ : وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ۔ قسم ہے قرآن بزرگ کی ۔ مجیدٌ کے معنی بزرگ و برتر اور باعظمت کے ہیں، یہ مَجْدٌ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے، اصل لغت میں مجدٌ کے معنی کثرت کے ہیں، محاورہ ہے مَجَدَتِ الابل اونٹ وسیع سبزہ زار میں پہنچ گئے عرب کہتے ہیں، فی کُلِّ شجر نارٌ واستمجد المرخ والعفارُ : ہر درخت میں آگ ہے لیکن مرخ اور عفار سب سے بڑھ چڑھ کر ہیں، مرخ اور عفار دونوں درختوں کے نام ہیں۔ عرفِ عام میں اسکا معنی وسعتِ کرم اور رفعت شان کا ہوگیا ہے، مجید صفت باری بھی ہے کیونکہ وہ وسیع الفضل اور کثیر الخیر ہے، اور کلام اللہ کی صفت بھی ہے کیونکہ تمام مکارم دُنیویہ اور اخرویہ پر حاوی ہے اور بیان میں یگانہ، اور اچھوتے اسلوب کا حامل ہے، مَجْدٌ : قدر و منزلت کی کثرت کے لئے بھی آتا ہے، اور عدد کی کثرت کیلئے بھی آتا ہے لیکن یہاں مجید اس مجد سے ماخوذ ہے جو قدر و منزلت کی کثرت ظاہر کرتا ہے اسلئے مجیدٌ بمعنی بزرگ برتر کے لیا گیا ہے، ماخوذ من کثرۃ القدر والمنزلۃ لا من کثرۃ العدد، (قرطبی)

عَجِیْبٌ : هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ : یہ تو بڑی عجیب بات ہے ۔ عجیبٌ : انوکھی بات انوکھی چیز جس کو دیکھ کر تعجب کیا جائے جس کو دیکھ کر حیرت میں پڑ جائے، عجیبٌ اور عُجَابٌ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں، البتہ عُجَّابٌ بالتشدید اور اُعْجُوبَۃٌ میں تعجب کی زیادتی پائی جاتی ہے ۔ العجیب: الامر الذی یُتَعَجَّبُ منہ (قرطبی، جمل)

مَرِیْجٌ : فَهُمْ فِیْ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ، غرض وہ ایک متزلزل حالت میں ہیں، یعنی جیسے ان کو نبوت اور رسالت پر اعتماد نہیں اسی طرح یہ اپنی کافرانہ روش سے بھی مطمئن نہیں ہیں یہ ہر طرف سے غیر یقینی صورت حال کے شکار ہیں ۔ مَرِیْجٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے ۔ اُلجھی ہوئی بات، مَرِجَ اَمْرُهُمْ ان کا معاملہ گڑبڑ ہوگیا،

غُصنٌ مَرِیجٌ: گتھی ہوئی پیچیدہ زولیدہ شاخیں۔ اَمرٌ مَرِیجٌ: غیر یقینی معاملہ، متزلزل صورتِ حال۔ لفظ مریج کے معنی لغت میں مختلط کے ہیں جس میں مختلف چیزوں کا اختلاط و التباس ہو ایسی چیز عموماً فاسد ہوتی ہے، اس لئے حضرت ابوہریرہؓ نے مریج کے معنی فاسد کے کئے ہیں اور ضحاک، حسن، قتادہ وغیرہ اکابر نے مختلط اور ملتبس کئے ہیں، معنی سب کے ایک ہی ہوتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ یہ کفار و مشرکین قریش وغیرہ اپنے انکار پر مطمئن نہیں ہیں، کبھی آپ کو جادوگر کہتے ہیں اور کبھی شاعر کہتے ہیں۔ جب اس پر بھی یقین نہیں ہوتا تو کاہن اور نجومی کہنے لگتے ہیں۔ ان کا کلام خود ملتبس اور فاسد ہے جواب کس کا دیا جائے تو اَمرٌ مریج ایسے معاملہ اور ایسی صورت حال پر بولا جاتا ہے جس میں واضح تناقض اور تضاد ہو، علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ مَرِیجٌ کے اصل معنی قلق و اضطراب کے ہیں۔ واصل المرج الاضطرابُ والقلقُ (قرطبی)

فُرُوجٌ: وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ: اور اس میں کوئی رخنہ نہیں۔ فروج، اسم فعل ہے بمعنی شگاف کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سماوات اور دوسرے بڑے بڑے سیارات کو پیدا فرمایا ہے برس ہا برس گزرنے کے بعد بھی ان میں پھٹن، اور شگاف نہیں ہوا اور نہ ہی ان کے حسن و جمال میں فرق آیا۔

رَوَاسِیَ: وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ: اور ہم نے اس میں پہاڑوں کو جما دیا۔ رواسی یہ راسیۃٌ کی جمع ہے رَسَا الشَّیُٔ کے معنی کسی چیز کے کسی جگہ پر ٹھہر جانے کے ہیں۔ پہاڑوں کو ایک جگہ پر جماؤ اور ٹھہراؤ کی مناسبت سے رواسی کہا جاتا ہے، اور اَرْسٰی، افعال سے ٹھہرانا، استوار کرنا، وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا: اور پہاڑوں کو جما دیا یہ لفظ پہلے گزر چکا ہے۔

بَهِیْجٌ: مِنْ کُلِّ زَوْجٍ بَهِیْجٍ: ہر قسم کی خوشنما چیزیں۔ بَهِیْجٌ: وہ چیز جس کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو جائے، دیکھنے والے خوشی کریں۔ بَهِیْجٌ اَیْ حَسَنٌ یَسُرُّ النَّاظِرِیْنَ (قرطبی) یہ لفظ سورۂ حج میں بھی گزر چکا ہے بَهِیْجٌ۔ ای یُسَرُّ من نَظَرَ اِلَیْهِ (بحر)

الْحَصِیْدُ: حَبَّ الْحَصِیْدِ: کھیتی کا غلّہ، حَبَّ الْحَصِیْد سے وہ اجناس مراد ہیں

جنکا ورد عمل میں آتا ہے اور جو ذخیرہ کی جاتی ہیں، مثلاً گندم اور جو وغیرہ، اصل میں یہ الحب الحصید ہے۔ الف لام کو حذف کرکے موصوف کو صفت کی طرف سے مضاف کر دیا گیا ہے، الحَصَدُ والحِصَادُ کے معنی کھیتی کاٹنے کے ہیں۔ وَآتُوا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ جس دن پھل کاٹو اُسی دن اس میں سے خدا کا حق ادا کرو۔ یہ حَصِيدٌ بمعنی مَحْصُودٌ ہے حَصَادٌ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے فعیل بمعنی مفعول ہے۔

بٰسِقٰتٍ: وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ۔ اور لمبی لمبی کھجور کے درخت جنکے گچھے خوب گندھے ہوئے رہتے ہیں (ماجدی) البَاسِقُ کے معنی ہیں بلندی میں لمبا چلے جانے والا۔ محاورہ ہے، بَسَقَ فلانٌ علیٰ اصحابہ: وہ اپنے ساتھیوں پر فضیلت میں بازی لے گیا۔ بَسَقَ النَّخْلُ بُسُوْقًا: کھجور لمبی چلی گئی۔ وَالبَاسِقَاتُ الطِّوَالُ، وقال قتادہ وعبد اللہ ابن شداد: بُسُوْقُها، استقامتُها فی الطول (قرطبی) بَاسِقَاتٍ ای طِوالاً فی العُلُوِّ (مجرمخہ) بَاسِقَةٌ واحدٌ اور بُسُوْقٌ مصدر ہے

طَلْعٌ: طلعُ النَّخْلِ۔ کھجور کا گابھا وہ غلاف جس میں اسکا خوشہ ہوتا ہے، اصل میں طلعٌ کھجور کے پھل میں سے بالکل ابتدا میں ظاہر ہونے والے حصہ کو کہا جاتا ہے علامہ قرطبی فرماتے ہیں، الطلع: ھو اوّل مَا يَخْرُجُ مِنْ ثَمَرِ النَّخْلِ۔ طلعٌ کا ترجمہ شگوفہ سے بھی کیا گیا ہے۔

نَضِيْدٌ: تہ بہ تہ، گوندھے ہوئے، یہ بھی فعیلٌ بمعنی مفعول ہے۔ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ نَضِيدٌ۔ ای متراکبٌ قد نُضِدَ بَعْضُهٗ علیٰ بعضٍ (قرطبی) نَضَدْتُ المَتَاعَ بعضہٗ علیٰ بَعْضٍ کے معنی ہیں سامان کو ایک دوسرے کے اوپر نہایت قرینہ سے رکھ دینا اور قرینہ سے رکھے ہوئے سامان کو نَضِيدٌ اور منضودٌ کہتے ہیں، اَنْضَادُ القَوْمِ کے معنی لوگوں کی مختلف جماعتوں کے ہیں اور نَضَدُ الرَّجُل کے معنی آدمی کے اعمال اور احوال کے ہیں جن کی مدد سے وہ مضبوط ہوتا ہے (راغب) تنضّدت الاسنانُ: دانتوں کا بالترتیب ہونا اور مِنْضَدَةٌ وہ ٹیبل اور میز جس پر گھر کا سامان رکھا جائے

الرَّسِّ: اَصْحٰبُ الرَّسِّ: رَسٌّ، کچا کنواں، جو اینٹے، پتھر وغیرہ سے پختہ نہ کیا گیا ہو۔ اصحابُ الرّسِّ سے مراد قوم ثمود

کے باقی ماندہ لوگ ہیں جو عذاب کے بعد
باقی رہے۔

ثمود: حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا
نام ہے، لفظ "ثمود" کو بعض عجمی بتاتے ہیں، اور
بعض عربی، اور چونکہ یہ قبیلہ کا نام ہے اسلئے
غیر منصرف پڑھتے ہیں، عربی ہونیکی صورت میں
یہ ثَمَدٌ سے مشتق ہے بروزن فعولٌ ثمدٌ بارش
کے اس تھوڑے پانی کو کہتے ہیں جو گڑھے میں جمع
ہوجاتا ہے، سردی میں باقی رہتا ہے اور گرمی
میں سوکھ جاتا ہے، ابو عمرو بن العلاء نے
جو لغت و عربیت کے امام ہیں تصریح کی ہے
سمیت ثمود لقلة مائها والثمد الماء
القليل وكانت مساكنهم الحجر بين
الحجاز والشام الى وادى القرىٰ: چونکہ
اس قوم میں پانی کی کمی تھی اسلئے وہ ثمود کے
نام سے موسوم ہوئی، ثمد تھوڑے پانی کو
کہتے ہیں، ان کی آبادیاں حجر میں حجاز و شام
کے درمیان وادی القریٰ تک واقع تھیں،
قاضی بیضاوی ثمود کی وجہ تسمیہ یہ بیان
کرتے ہیں، سموا باسم ابيهم الاكبر ثمود
بن غامر بن ارم بن سام بن نوح (انوار
التنزیل ج ۱ ص ۲۵۰ طبع مصر سنہ ۱۳۲۰ھ)
مولانا سید سلیمان ندوی کی تحقیق اس بارے
میں جداگانہ ہے وہ فرماتے ہیں، ثمود کی لفظی
تحقیق شاید عربی میں صحیح نہ مل سکے، ثمد
عربی زبان میں آب قلیل کو کہتے ہیں لیکن
اس سے کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی
عربی میں ایک لفظ تامید ہے جسکے معنی
دائمٌ اور خالدٌ کے ہیں، عربی کی ثٓ
اور عبری کی تٓ ایک چیز ہے۔ عبری میں
ثاَ نہیں ہے اسلئے اکثر وہ الفاظ جو عربی
میں ثا سے ہیں عبری میں تا ہیں اسلئے
ثمود کے معنی عام سامی زبان میں وہی
ہونگے جو عربی میں خالد کے معنی ہیں، اور
بہت سے قبائل عرب کے نام ہیں قوم ثمود
سامی اقوام ہی کی ایک شاخ ہے، سامی
اقوام کو عرب مورخین "اُمَم بائدہ" (ہلاک
شدہ قومیں) کہتے ہیں کیونکہ وہ انقلابات
وحوادثات کی نذر ہوکر فنا ہوگئیں، اور
عرب عاربہ بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ عرب
کے خالص النسل باشندے تھے جن میں غیر
قوموں کا پیوند نہیں لگا تھا اور یہود کی
غلط اتباع میں ان کو عمالیق بھی کہتے ہیں، ان
اُمَم بائدہ یا عرب عاربہ کا سلسلہ سب مورخین
کے بیان کے مطابق ارم بن سام بن نوحؑ
پر منتہی ہوتا ہے، تحقیقات جدیدہ یعنی

اکتشافاتِ عصریہ اور قدیم تاریخ دونوں کا
متفقہ فیصلہ ہے کہ عرب کے قدیم باشندے
یعنی اُمم سامیہ بڑی پُرشکوہ اور باعظمت
قومیں تھیں جنھوں نے بابل و اسیریا مصر و
شام اور قرطاجنہ میں بڑی بڑی متمدن سلطنتیں
قائم کیں اور مدت دراز تک ان ممالک کو اپنے
زیرِ نگیں رکھا، عرب مؤرخین انہی اُمم سامیہ
کو عرب بائدہ یا عرب عاربہ اور انکے مختلف
قبیلوں کو عاد و ثمود اور طسم و جدیس کہتے ہیں
اندرون عرب میں حضرموت سے سواحل
خلیج فارس کے طول میں عراق تک عاد حجاز
سے حدود سینا تک ثمود یمامہ میں طسم و
جدیس، اور یمن میں اہلِ معین حکمراں تھے
ثمود کا دَور ترقی ہلاکت عاد اُولیٰ کے بعد
سے شروع ہوتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام
کے عہد سے پہلے پہلے ختم ہوجاتا ہے، ثمود
شمالی عرب کی ایک زبردست اور پرشوکت
قوم تھی، عاد کی طرح فن تعمیر میں اسے
بھی یدِطولیٰ حاصل تھا، پہاڑوں کو تراش کر
سربفلک عمارتیں اور بلند و رفیع مقبرے
تیار کرنا ان کا بھی دستور تھا انکی یادگاریں
اب تک موجود ہیں۔ بُت پرستی انکا مذہب
تھا، اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت
سے منہ موڑ کر ستاروں کے ہیکلوں کے
پرستار بن گئے تھے، چنانچہ سُنّتِ الٰہیہ کے
مطابق حضرت صالح علیہ السلام انکی طرف
مبعوث ہوئے اور انھوں نے ان کو دینِ حق
کی دعوت دی لیکن بدبخت قوم نے قبول
نہ کیا اور معجزہ کی طالب ہوئی، آخر ناقۃ
اللہ معجزہ کی شکل میں ظاہر ہوئی اور حضرت
صالح علیہ السلام نے صاف صاف اعلان
کر دیا کہ اب تمہارا مطالبہ پورا ہوچکا، یہ
اونٹنی اللہ کی ایک آیت اور نشانی ہے اسے
نہ چھیڑو اور زمین پر چرنے دو چشمہ کا پانی
ایک دن تم پینا اور ایک دن یہ پئے گی، اگر
اس اُونٹنی کو کسی طرح کا گزند پہنچا تو پھر
خیر نہیں عذابِ الٰہی کا آنا حتمی اور یقینی ہے
لیکن بدنصیب قوم نے آپکے فرمان پر دھیان
نہ دیا، قوم میں ایک مختصر سی محدود اور
کمزور جماعت آپ پر ایمان لاچکی تھی اس
نے آپ کی دعوت کو لبیک کہا، لیکن کافروں
میں نو اشخاص نے جو قوم میں سربرآوردہ
اور بڑے مفسد تھے یہ سازش کی کہ حضرت
صالح علیہ السلام پر شبخون مارا جائے،
انھوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں،
آخر عذابِ الٰہی نے ایک ہولناک زلزلہ

کی صورت میں ظاہر ہوکر باستثنار صالح اور مؤمنین صالح تمام قوم کو فنا کے گھاٹ آتار دیا۔ قرآن مجید میں حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ اور ثمود کی سرکشی و عدوان اور بالآخر عبرتناک طور پر عذابِ الٰہی سے ان کی ہلاکت کا بیان نہایت تفصیل سے مذکور ہوا ہے یہ واضح رہے کہ انکے طریق ہلاکت کو قرآن مجید نے کہیں رجفہ (زلزلہ) کہیں صاعقہ (کڑک) کہیں صیحہ (چیخ) سے تعبیر کیا ہے اور کہیں صرف عذاب بتایا ہے، یہ ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیرات ہیں۔ ایک کوندتی اور گرجتی ہوئی بجلی جب پوری قوت کے ساتھ لرزہ فگن انداز میں کسی مقام پر گرے تو بیک وقت زلزلہ، کڑک اور چیخ سب کچھ ہے۔ بعض مفسرین نے یہاں زلزلہ مراد لیا ہے اس لئے قرین قیاس ہے کہ آتش فشاں زلزلہ ہو۔ کیونکہ جغرافیہ دانانِ قدیم و جدید کا اس پر اتفاق ہے کہ ارضِ ثمود آتش فشاں مادہ سے بھری ہوئی ہے

اِخْوَانُ لُوْطٍ : اِخْوانُ لُوطٍ سے مراد اُمّتِ لوطؑ ہے، ان کی قوم کو اخلاقی جرائم کی پاداش میں ہلاک کیا گیا تھا۔

اَصْحٰبُ الْاَیْکَةِ : گھنے جنگل اور بن کو کہتے ہیں، یہ لوگ ایسے مقام پر آباد تھے جہاں کثرت سے جنگل تھے ان کی اصلاح کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث کئے گئے انکار کرنے پر یہ لوگ ہلاک کردیئے گئے

قَوْمُ تُبَّعٍ : یہ یمن کے ایک بادشاہ کا لقب ہے اس کی جمع تَبَابِعَہ آتی ہے، تحقیق سورۂ دُخان میں دیکھی جائے۔

عَیِیْنَا : اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ : اب کیا تھک گئے پہلی بار بنا کر،

الاِعْیَاءُ کے معنی درماندگی اور تکان کے ہیں جو چلنے اور مسلسل کام کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ جو تکان کام کرنے یا بولتے رہنے کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے اس کو عِیٌّ کہتے ہیں۔ عَیِیَ بِالْاَمْرِ کے معنی کی وضاحت اہلِ لغت نے اِذَا لَمْ یَھْتَدِ لِوَجْہِ عَمَلِہٖ کے الفاظ سے کی ہے یعنی کوئی شخص ایک کام کرنے سے عاجز رہ جائے اُس کی سمجھ میں نہ آئے کہ یہ کس طرح انجام دیا جائے، عُیِیْتُ بِالْاَمْرِ اِذَا لَمْ تَعْرِفْ وَجْھَہٗ (قرطبی) عَیِیَ بِالْاَمْرِ۔ عَجَزَ عَنْہُ وَلَمْ یُطِقْ اِحْکَامَہٗ (لسان) لفیف مقرون ہے باب سمع سے ہے۔

حَبْلِ الْوَرِيْدِ : نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ، ہم تو اسکی رگ گردن سے بڑھ کر اسکے قریب ہیں۔
حَبْلٌ ، اصل میں رسّی کہتے ہیں۔ مگر مجازاً عہد و پیمان پر بھی بولا جاتا ہے، اور حَبْلُ الوَرِيد : رگِ جان، شہ رگ، دھڑکتی رگ، گردن کی رگ مراد ہے جس میں جان پھرتی ہے یہ قلب سے دماغ تک چلی جاتی ہے اس رگ کے کٹنے سے موت واقع ہوجاتی ہے چونکہ رگ بھی ہیئت میں رسی کی طرح ہوتی ہے اسلئے شہ رگ کو حبل الورید کہتے ہیں، الورید وہ رگ ہے جس کا تعلق جگر کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور دل کے ساتھ بھی، اور خون و روح دونوں کا مجریٰ بنتی ہے۔
حضرت مفتی صاحبؒ نے لکھا ہے کہ ہر جاندار کی دو رگیں ہوتی ہیں جن سے خون کا سیلان تمام بدن میں ہوتا ہے۔ طبی اصطلاح میں یہ دو قسم کی رگیں ہیں۔ ایک وہ جو جگر سے نکلتی ہیں اور خالص خون سارے جسم میں پہنچاتی ہیں طبی اصطلاح میں صرف انھیں رگوں کو وَرِيدٌ اور جمع کو اَوْرِدَةٌ کہا جاتا ہے، دوسری قسم کی رگیں جو حیوان کے قلب سے نکلتی ہیں اور خون کی وہ لطیف بھاپ جسکو طبی اصطلاح میں روح کہا جاتا ہے وہ اسی طرح تمام بدن میں خون پھیلاتی اور پہنچاتی ہیں ان کو شریان اور شرائین کہا جاتا ہے پہلی قسم کی رگیں موٹی اور دوسری قسم کی باریک ہوتی ہیں آیتِ مذکورہ میں ضروری نہیں ہے کہ وَرِيد کا لفظ طبی اصطلاح کے مطابق اس رگ کے لئے لیا جائے جو جگر سے نکلتی ہے بلکہ قلب سے نکلنے والی رگ کو بھی لغت کے اعتبار سے ورید کہا جاسکتا ہے کیونکہ اسمیں بھی ایک قسم کا خون ہی دَوران کرتا ہے اور اس جگہ چونکہ مقصود آیت کا انکے قلبی خیالات اور احوال سے مطلع ہونا ہے اسلئے وہ زیادہ انسب ہے (معارف)
هو حبل العاتق وهو ممتدٌ من ناحية حلقه الى عاتقه، وهما وريدان يمين و شمال - وقال الحسن - الوريد الوتين وهو عرق مُعَلَّقٌ بالقلب (قرطبی)
الوريدُ عرق يخالط القلبَ قاله مقاتل (قرطبی)

قَعِيْدٌ : بیٹھے رہنے والے، یہاں قَعِيْدٌ بمعنی قاعد ہوسکتا ہے جیسے سمیع، شہید اور علیم و قدیر ہیں۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ قعید بمعنی مقاعد ہو، جیسا کہ اَكِيْلٌ اور نَدِيمٌ بمعنی مُوَاكل اور مُنَادِم ہیں۔
علامہ جوہری نحوی کا قول ہے کہ فَعِيْلٌ اور فَعُوْلٌ دونوں واحد تثنیہ اور جمع میں برابر ہیں۔

فعُول کی مثال جیساکہ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، اور فعیل کی مثال جیساکہ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ، یہاں قعید، القائم کی ضد نہیں بلکہ اس سے مراد ملازم اور ثابت ہے۔ یعنی وہ ملکہ انسان کے اعمال کے احاطہ کامل کے لئے ہمہ وقت حاضر و موجود رہتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے لکھا ہے کہ اگرچہ قعیدٌ بمعنی قاعدٌ جیسے جلیس بمعنی جَالِسٌ آتا ہے مگر ان دونوں میں ایک فرق ہے کہ قاعد اور جالس تو صرف بیٹھنے کی حالت پر بولا جاتا ہے، اور قعیدٌ اور جلیسٌ عام ہے جو کسی کے ساتھ ہو خواہ بیٹھے یا کھڑے ہوئے یا چلتے پھرتے انکو قعیدٌ جلیس کہیں گے۔ (معارف)

یَلْفِظُ : مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ : لَفَظَ الشَّیْءَ مِنْ فَمِهٖ : منہ سے پھینکنا۔ اَللَّفْظُ : منہ سے بولے جانے والے کلمات، جمع الفاظ۔ صفت مفعولی لفیظٌ اور ملفوظٌ ہے۔ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ : وہ لفظ منہ سے نہیں نکال پاتا مگر یہ کہ اس کے آس پاس ہی ایک تاک لگے رہنے والا تیار رہے۔ حدیث میں ہے، من اکل فما تخلل فَلْیَلْفِظْ، یعنی کھانے کے بعد خلال کے ساتھ جو ذرات دانتوں سے نکلیں ان کو پھینکدینا چاہیئے (النہایہ)

لَدَیْ : ظرفِ مکان غیر متمکن بمعنی پاس، طرف۔ یہ ضمائر کی طرف اسی طرح مضاف ہوتا ہے جیسے حرف عَلٰی۔ مثلاً: لَدَیْنَا عَلَیْنَا لَدَیْهِ، عَلَیْهِ، لَدَیْکَ، عَلَیْکَ، لَدَیَّ عَلَیَّ وغیرہ اور ظرف زمان میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے جِئْتُکَ لدی طلوع الشمس : میں تیرے پاس طلوع شمس کے وقت آیا، اور یہ اسم جامد ہے اس کی نہ تو تعریف ہوتی ہے اور نہ اسکا اشتقاق ہے (معجم الوسیط)

لَدُنْ : عِنْدَ کی طرح اسم غیر متمکن ہے ظرف زمان اور ظرفِ مکان دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن عِنْدَ، سے خاص ہے، لدُنْ قبیلہ ربیعہ کے نزدیک ظرف زمان جو نہایت وقت کی ابتدا بیان کرتا ہے جیسے اَقَمْتُ عِنْدَہٗ من لدن طلوع الشَّمْسِ الٰی غُرُوْبِھَا، یعنی میں اسکے پاس ابتدائے طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک رہا، اور ظرفِ مکان کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، جسکا معنی ہوتا ہے طرف پاس، قرآن پاک میں اکثر استعمال اسی کا ہے جیسے قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا۔ لدُنْ جب یائے متکلم کی طرف مضاف ہوتا ہے تو اسکے ساتھ نون وقایہ

آتا ہے، جیسے آیتِ مذکورہ میں ہے قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا (کہف) لَدُن، دوسری ضمائر کی طرف بھی مضاف ہوتا ہے۔ مخاطب کی طرف جیسے هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً (آلِ عمران ۸) ضمیر متکلم جمع کی طرف جیسے وَاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا (نساء - ۶۷) ضمیر مفرد غائب کی طرف، وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ (النساء - ۴۰) لَدُن حرف مِنْ کے ساتھ مجرور استعمال ہوتا ہے، قرآن پاک میں لَدُن مِنْ کے ساتھ ہی ہر جگہ استعمال ہوا ہے۔

لَبِثَ : لَبِثَ يَلْبَثُ لَبْثًا و لُبْثًا : کسی جگہ پر ٹھہرنا، قیام کرنا۔ لَبِثَ بِالْمَكَانِ کسی مقام پر جم کر ٹھہرنا، لَبِثَ فِيْ اَهْلِهٖ وہ اپنے اہل میں رہا۔ البتہ تھوڑا قیام کیا مَا لَبِثَ اَنْ فَعَلَ كَذَا : اس نے اسکے کرنے میں دیر نہیں کی۔ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ (ھود آیت ۶۹) یعنی جناب ابراہیم علیہ السلام نے بلا تاخیر مہمان نوازی کی اور بھنا ہوا بچھڑا لے آئے، فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ، تو وہ ان میں ایک ہزار برس رہے (عنکبوت) لَابِثٌ، اسم فاعل، لَابِثِيْنَ جمع۔

لَبَنٌ : دودھ، وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ (محمّد) اور اس جنت میں دودھ کی نہریں ہیں۔ اَللَّبَن : وہ سائل غذا ہے جو انسان (عورت) اور دیگر مادہ حیوانات کے تھنوں سے ولادت کے بعد پیدا ہوتی ہیں قدرت نے اس کو بچّے کے لئے نہایت خوشگوار اور صاف ستھرا بنایا ہے لَبَنًا خَالِصًا (النحل ۶۶) اس کی جمع اَلْبَانٌ آتی ہے۔

لَبِنٌ : بکسر الباء، کچّی اینٹ، حدیث میں ہے، اَنَا مَوْضِعُ تِلْكَ اللَّبِنَةِ یعنی میں قصرِ نبوّت کی آخری اینٹ ہوں۔

لَحْمٌ : گوشت۔ جمع لُحُوْمٌ و لِحَامٌ اور لُحْمَانٌ آتی ہے۔ لَحِيْمٌ : موٹا، مجمع البحار کی ایک حدیث میں ہے اِنَّ اللّٰهَ يَبْغَضُ قَوْمًا لَحِمِيْنَ : اللہ تعالےٰ زیادہ گوشت خوروں کو ناپسند کرتا ہے۔

عَتِيْدٌ : رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ، اَلْعَتَادُ: ضرورت کی چیزوں کو پہلے سے ذخیرہ کرلینا اِعْدَادٌ کے معنی بھی یہی ہیں، اور عَتِيْدٌ فعیل بمعنی فاعل تیار کرنے والا، اور بمعنی مفعول تیار کی ہوئی چیز۔ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ سے مراد وہ فرشتہ ہے جو لوگوں کے اعمال لکھنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے، فَرَسٌ عَتِيْدٌ:

وہ گھوڑا جو ہر وقت دوڑ کے لئے تیار ہو عَتِدٌ کے بھی یہی معنٰی ہیں (راغب)
هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ : یہ اسکا اعمالنامہ میرے پاس حاضر ہے ۔ قرطبی میں ہے کہ عَتِيدٌ وہ ہے جو ہر وقت حاضر ہو کسی وقت غائب نہ ہو ۔ اور ایسا نگراں جو ہر وقت حفاظت یا شہادت کے لئے تیار ہو ۔ قال و فی العَتِيدُ وَجْهَان احدهما انّہ الحاضر الذی لا یغیب ؛ والثانی: انّہ الحافظ المعَدّ اما للحفظ واما للشہادۃ وقال الجوھری : العتید الشئ الحاضر المُهَيَّأُ ۔ مادہ عَتَدٌ میں حاضری کا مفہوم غالب ہے ۔ ایک شاعر کا قول ہے ؎

لَئِنْ كُنْتَ مِنِّى فِى العِيَانِ مُغَيَّبًا
فَذِكْرُكَ عِنْدِى فِى الفُؤَادِ عَتِيدُ[1]

اگرچہ تو مجھ سے جسمانی طور پر غائب ہے لیکن تیری یاد تو میرے دل میں موجود ہے ۔ شعر میں عَتِيدٌ حاضر اور موجود کے معنی میں ہے ۔

سَكْرَةٌ : وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ
اور آپہنچی موت کی بیہوشی سچائی کے ساتھ یہ وہ حقیقت ہے جس سے تو بدکتا رہتا تھا

سَكْرَةُ الْمَوْتِ کے معنی ہیں موت کی شدّت اور جو غشی موت کے وقت طاری ہوتی ہے ۔ اصل میں سُکْرٌ اس حالت کو کہتے ہیں جو انسان اور اس کی عقل کے درمیان حائل ہو جاتی ہے اس کا عام استعمال شراب پینے کے بعد کی حالت پر ہوتا ہے اور موت سے قبل انسان کی عملی قوّت کام کرنے سے رُک جاتی ہے اور انسان مدہوش سا ہو جاتا ہے اس کیفیت کے اعتبار سے موت کی ابتدائی حالت کو سکرۃ الموت سے تعبیر کیا جاتا ہے سَكْرَةٌ واحد ہے ، اس کی جمع سَكَرَاتٌ آتی ہے ۔ اَلسُّكْرُ حالة تعترض بين المَرْأ وعقله (راغب)

والسَّكرة واحدة السُّكْر (قرطبی)
السَّكْرَانُ : مدہوش ، جمع سَكْرٰى ۔ سَكَارٰى اور سُكَارٰى ۔ مؤنث سَكْرٰى ، بنی اسد کے لوگ سَكْرَانَةٌ استعمال کرتے ہیں ۔
أَسْكَرَهُ الشَّرَابُ : اُسے شراب نے مدہوش کر دیا ۔ سَكْرَةُ الْمَوْتِ : موت کی شدت (الصحاح)

تَحِيدُ : یہ حَيْدٌ سے مشتق ہے جس کے معنی مائل ہونے ، جگہ سے ہٹ جانے اور اقرار کرنے کے ہیں ۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ موت وہ چیز ہے جس سے بدکتا اور

[1] القرطبی وصحاح

بھاگتا تھا۔

حَادَ عن الشیٔ یَحِیْدُ حُیُوْدًا و حَیْدَۃً وحَیْدُوْدَۃً : مَالَ عنہ وعدل (قرطبی)

حِدْتُّ عن الشیٔ۔ اَحِیْدُ حَیْدًا و مَحِیْدًا : اِذَا مِلْتَ عنہ (قرطبی)

حِدْتُّ عن الشیٔ کے معنی پہلوتہی کرنے کے ہیں۔ طرفہ شاعر کہتا ہے ؎

اَبَا مُنْذِرٍ رُمْتَ الوَفَاءَ فَھِبْتَہٗ
وَحِدْتَّ کَمَا حَادَ البعیر عَنِ الدَّحَضِ

سَائِقٌ : مَعَھَا سَائِقٌ وَّشَھِیْدٌ۔ اس کے ساتھ ہمراہ لانے والا ہوگا، اور ایک فرشتہ گواہ ہوگا۔ سائق کہتے ہیں ایسے شخص کو جو جانوروں کے یا کسی جماعت کے پیچھے رہ کر اس کو کسی خاص جگہ پر پہنچانا چاہتا ہو، اور شہید کہتے ہیں گواہ کو (معارف) اس مقام پر سائق سے مراد فرشتہ ہے۔

شَھِیْدٌ : شہید کے بارے میں اہل تفسیر کے اقوال مختلف ہیں۔ ایک تو یہ کہ شہید بھی ایک فرشتہ ہی ہے اسکا کام یہ ہوگا کہ قیامت میں جب اعمالنامہ پیش ہو تو وہ اس پر گواہی دے۔ بعض کا قول یہ بھی ہے کہ شہید انسان کا عمل ہوگا اور بعض نے خود انسان ہی کو شہید فرمایا ہے۔

ابن عباسؓ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ سائق تو فرشتہ ہے اور شہید انسان کے اپنے ہاتھ پاؤں ہیں۔ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ شہید انسان کا عمل ہے حضرت عثمانؓ کی ایک تقریر جو اُنھوں نے منبر پر کی معلوم ہوتا ہے کہ سائق اور شہید دونوں ملائکہ ہیں۔ ابن جریر نے اسی کو ترجیح دی ہے اور حافظ ابن کثیر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

غَفْلَۃٍ : لَقَدْ کُنْتَ فِیْ غَفْلَۃٍ مِّنْ ھٰذَا۔ تو اس دن سے بے خبر تھا غفلۃ اس سہو کو کہا جاتا ہے جو انسان سے قلت تحفظ اور عدم احتیاط کی بنا پر صادر ہوتا ہے اور ایسے انسان کو غافل کہا جاتا ہے۔

کَشَفْنَا : فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَآءَکَ فَبَصَرُکَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ : ہم نے تجھ سے تیرے اندھے پن کو دُور کر دیا سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے۔ کَشَفْتُ الثَّوْبَ عَنِ الوجہ چہرے سے پردہ ہٹا دینا۔ مجازی طور پر غم و اندوہ کے دُور کرنے پر بھی بولا جاتا ہے۔ فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْہِ : تم جس دُکھ کے لئے اُسے پکارتے ہو وہ اسکو دُور کر دیتا ہے۔

غِطَآءَ : غِطَآءٌ اصل معنی غِطَاءٌ کے

طِبَاق وغیرہ کی قسم کی چیز کے ہیں جو کسی
چیز پر بطور سرپوش وغیرہ کے رکھدی جائے
جیسا کہ غِشَاءٌ لباس وغیرہ کی قسم کی چیز
کو کہتے ہیں جسے کسی دوسری چیز پر ڈالا جائے
اور بطور استعارہ کے پردۂ جہالت وغیرہ
کے لئے بولا جاتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے
انسان کی عقل وفکر کا اندھاپن وہاں دُور
کردیا جائیگا۔ غِطَاءَكَ : ای عماک (قرطبی)

حَدِيْدٌ : تیز، حَدَدْتُ السِّكِّيْنَ: میں
نے چھری کی دھار تیز کی، ھو حدید النظر :
وہ تیز نظر ہے۔ حدید الفہم: تیز فہم، بات
کو جلد سمجھ جانے والا۔ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ
آج تیری نگاہ خوب تیز ہے دنیا میں تو
حق کو نہ دیکھ سکا۔

قَرِيْنُهٗ : وَقَالَ قَرِيْنُهٗ : اس کا
ساتھی کہے گا۔ لفظ قرین کے اصل معنی پاس
رہنے والے اور ملے ہوئے کے ہیں، مراد
قرین سے نگراں فرشتہ ہے۔

اَلْقِيَا : اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ : تم دونوں
دوزخ میں ڈالدو۔ القیا، مثنّیٰ کا صیغہ ہے
اس کے بارے میں زمخشریؒ نے مشہور
ادیب مُبَرِّد کا قول نقل کیا ہے کہ فصحائے
عرب تثنیہ کا صیغہ بعض اوقات مجرد
تکرار فعل کے مفہوم کے لئے بھی استعمال
کرتے ہیں، جیسا کہ امرأ القیس کے قصیدے
کا ایک مطلع ہے۔ ع
"قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَىٰ حبیب ومنزل"
مبرد کے قول کے مطابق اسکا ترجمہ ہوا ٹھہرو،
ٹھہرو۔ اس میں قفا کے دو مخاطب کرنا
ضروری نہیں، اور اسکے مطابق آیت میں
القیا کا مفہوم ڈالدو، ڈالدو ہوگا، مقصود
اس سے اظہارِ غضب اور تاکیدِ حکم ہے۔
بعض حضرات نے القیا کے مخاطب دو فرشتے
سائق اور شہید لئے ہیں، اس صورت میں
القیا کے مخاطب یہ دونوں فرشتے ہونگے
معنی یہ ہونگے کہ تم دونوں ان مجرموں کو
جہنم میں ڈالدو۔ یجوز ان یکون خطابًا
للواحد علی وجھین: اَحَدُھُمَا اِنَّ
تثنیۃ الفاعل نزلت منزلۃ تثنیۃ الفعل
لاتحادھما کانہ قیل اَلْقِ اَلْقِ (کشاف)
القیا مترادف ہے اَلْقِ اَلْقِ کا،

عَنِيْدٌ : حق سے ایسی ضد رکھنے والا
کہ اس کے باربار وضوح کے باوجود بھی
اس کا اقرار نہ کرے۔ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ: معاند
کافر، اصل میں العنید کے معنی المعجب
بِمَا عِنْدَہٗ کے ہیں، یعنی جو کچھ اس کے

پاس ہے اس پر اترانے والا، اور معاند اس کو کہتے ہیں جو کچھ اسکے پاس ہے اس پر فخر کرنے والا ہو (راغب)

اِنَّہٗ کَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا: یہی ہماری آیات کا دشمن رہا ہے۔ بعض کے نزدیک العَنُوْدُ کے بھی یہی معنی ہیں، ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ عنید اسے کہتے ہیں جو حق سے عناد رکھے اور اس کی مخالفت کرے، اور عَنُوْدٌ وہ ہے جو صحیح راہ سے ہٹ جائے۔ بَعِیْرٌ عَنُوْدٌ: وہ اونٹ جو صحیح راہ سے ہٹ جائے، بَعِیْرٌ عَنِیْدٌ نہیں بولا جاتا۔ عَنَدَ عَنِ الطَّرِیْقِ: اسنے راستہ سے عدول کیا۔ العَنِیْدُ: المحروض عن الحق، یقالُ عَنَدَ یَعْنِدُ (ض) عنودًا اِی خَالَفَ وَرَدَّ الحَقَّ وھو یَعْرِفُہٗ فھو عَنِیْدٌ وعَانِدٌ: یعنی عنید وہ ہے جو حق کو جانتے ہوئے اس سے اعراض کرے۔ عنید کی جمع عُنُدٌ آتی ہے جیسے رَغِیْفٌ کی جمع رُغُفٌ (قرطبی)

مَنَّاعٍ: مَنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ مُّرِیْبٍ نیک کام سے روکنے والا۔ حد سے نکلنے والا، شک رکھنے والا۔ مَنَّاعٌ فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے، اسمیں رُکنے اور روکنے دونوں کا مفہوم پایا جاتا ہے، چونکہ بخیل جیسے خود اُمورِ خیر سے رُکتا ہے دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ کرتا ہے،

رَجُلٌ مَانِعٌ وَمَنَّاعٌ: بخیل آدمی مَنَّاعٌ لِّلْخَیْرِ: مال میں بخل کرنے والا۔ مَکَانٌ مَنِیْعٌ: محفوظ مکان۔ اور مَنَاعِ، نون کی تخفیف کے ساتھ اسم فعل ہے بمعنی اِمْنَعْ جیسے نَزَالِ بمعنی اِنْزِلْ

مُعْتَدٍ: یعنی حدود عبدیت سے باہر نکل جانے والا، انسانی اقدار وحقوق کو پامال کرنے والا، باغی، حق وانصاف کا دشمن، حدود شریعت کو توڑنے والا، یہ اعتداء سے اسم فاعل ہے جس کے معنی ہیں حق سے تجاوز کرنا، اصل مادہ عدوٌ ہے جسکے معنی حد سے بڑھنے اور باہم ہم آہنگی نہ ہونے کے ہیں۔

مُرِیْبٌ: یہ اَرَابَ یُرِیْبُ سے اسم فاعل ہے۔ شک ڈالنے والا، شک میں مبتلا شکی۔ رابَنِیْ کذا و اَرَابَنِیْ کے معنی ہیں فلاں معاملہ نے مجھے شک میں مبتلا کر دیا شَکٌّ مُّرِیْبٌ: ایسا شک جو آدمی کو حیران کر دے۔ نَفِیْ شَکٍّ مِّنْہُ مُرِیْبٍ وہ قرآن پاک کے بارے میں ایسے شک

میں ہیں جس نے انھیں حیران کر دیا،
اَطْغَيْتُ : رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ،
ہمارے پروردگار! میں نے اس کو نہیں بھٹکایا تھا۔ اَطْغَيْتُهٗ : میں نے اسکو بہکایا مَآ اَطْغَيْتُهٗ : میں نے اسکو نہیں بہکایا، میں نے اسکو مبتلائے طغیان نہیں کیا، شیطان یہاں گمراہی کی دعوت دینے سے انکار نہیں کر رہا بلکہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ گمراہی میں خود ہی اتنی دُور نکل چکا تھا کہ حق کی طرف بازگشت اس کے لئے ناممکن ہو چکی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو نیکی کی راہ سے دُور کر لیتے ہیں اُسکا آخری نتیجہ ہدایت کی توفیق کا سلب ہونا ہوتا ہے۔

اِمْتَلَاْتِ : هَلِ امْتَلَاْتِ ؟ تو بھر بھی گئی (ماجدی)
اِمْتَلَاءٌ واحد مؤنث حاضر ہے معنی پُر ہونا، بھر جانا۔ مَلَاَ الشَّیْءَ یَمْلَاُ مَلْاً کسی چیز کو بھر دینا۔ فَامْتَلَاَ : پس وہ چیز بھر گئی۔

اُزْلِفَتْ : وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ :
اور جنت قریب لائی جائے گی یہ اِزْلَافٌ سے واحد مؤنث غائب ہے۔ ازلافٌ : قریب لانا۔ اَزْلَفْنَا : ہم نے قریب کر دیا پاس پہنچا دیا۔ اُزْلِفَتْ اَیْ قُرِّبَتْ، (قرطبی)

اَوَّابٌ : اَوَّابٍ حَفِيظٍ : اَوَّابٌ،
اللہ اور اس کے احکام کی طرف تہہ دل سے رجوع ہونے والا، یہ آبَ یَئُوْبُ اَوْبٌ سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ فَعَّالٌ کے وزن پر۔ یہاں اپنے تمام اقوال و افعال اور حرکات و سکنات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا مراد ہے، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، شعبیؒ اور مجاہدؒ نے فرمایا کہ اَوَّابٌ وہ شخص ہے جو خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کرے اور ان سے استغفار کرے اور حضرت عبید بن عمیرؓ نے فرمایا کہ اَوَّاب وہ شخص ہے جو اپنی ہر مجلس اور نشست میں اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگے (معارف قرطبی۔ لغات القرآن)

مُنِيبٌ : وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ،
اور دل رجوع ہونے والا، قلب منیب سے مراد وہ دل ہے جو رنج و راحت اور اُمید و بیم ہر حال میں اپنے رب ہی کی طرف متوجہ رہا، کسی حال میں بھی اپنے

رب سے منہ موڑ کر کسی اور سے اس نے لو نہیں لگائی (تدبر)

ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منیب کی علامت یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ جل شانہٗ کے آداب کو ہر وقت مستحضر رکھے اور اس کے سامنے تواضع اور عاجزی سے رہے اور اپنے نفس کی خواہشات کو چھوڑ دے (معارف)

المنوبۃ۔ کسی چیز کا بار بار لوٹ کر آنا، شہد کی مکھی کو نوبٌ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے مکان کی طرف بار بار آتی جاتی ہے۔ اور نائبۃٌ ایسی مصیبت کو کہتے ہیں جس کے زائل ہونے کے بعد دوبارہ آنے کا خطرہ ہو۔

الانابۃُ الی اللّٰہ کے معنی ہیں توبہ اور اخلاص کے ساتھ اللہ کیطرف لوٹنا۔ فلانٌ ینتابُ فلاناً: وہ فلاں کے پاس آتا جاتا ہے، منیبٌ اسی انابۃٌ سے اسم فاعل ہے۔

علامۃ المنیب ان یکون عارفاً لحرمتہ و موالیاً لہٗ، متواضعاً لجلالہٖ تارکاً لھوی نفسہٖ (قرطبی عن ابی الوراق)

نَقَّبُوْا : فَنَقَّبُوْا فِی الْبِلَادِ: اور تمام شہروں کو چھانتے پھرتے تھے۔ نَقَبَ فِی الْاَرْضِ کے معنی ہیں سار فیھا طلبًا لِلْمَھْرَبِ: اور وہ زمین میں کسی جائے پناہ کی تلاش میں چل کھڑا ہوا، یہ جملہ قوموں کی تباہی اور بربادی کا دردناک نقشہ پیش کر رہا ہے۔

جب کسی قوم پر تباہی آتی ہے تو اسکا حال یہ ہوتا ہے کہ قوم کے کارفرما عناصر جو سارے فساد کے ذمہ دار ہوتے ہیں وہ تو تباہ ہوجاتے ہیں جو عوام میں سے بچ جاتے ہیں وہ قومی جمعیت کے پارہ پارہ ہونے کے بعد پراگندہ جہاں جسکو پناہ ملنے کی توقع ہوتی ہے وہ اسی طرف رُخ کرلیتا ہے۔

قرآنِ پاک میں جن قوموں کے حالات بیان ہوئے ہیں ان میں سے بعض تو پوری تباہ اور برباد ہوگئیں۔ مثلاً قوم نوح، اور عاد و ثمود وغیرہ اقوام بالکلیہ مٹادی گئیں، اور بعض قوموں کا یہ حال معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مترفین کو اور لیڈروں کو تو دستِ اجل نے مٹادیا البتہ ان کے اتباع کی بڑی تعداد بعد میں بچ گئی تو وہ ادھر اُدھر پراگندہ ہوگئے۔

فرعون اور اس کی قوم کی بربادی کی یہی صورت ہوئی، وہ خود تو اپنے اعیان اور

امراء کے ساتھ غرقِ دریا کر دیا گیا، جو لوگ باقی رہ گئے تھے وہ حکومت کی تباہی اور اپنے حریفوں کے خوف سے پناہ کی تلاش میں تتر بتر ہو گئے، ملک سبا کے حالات بھی کچھ ان سے ملتے جلتے ہیں بیشتر افراد تو سیلاب کی نذر ہو گئے اور جو لوگ بچ گئے وہ زمینوں کے بنجر اور معاشی حالات نہایت خراب ہو جانے کی وجہ سے دور دراز علاقوں کی طرف نکل گئے۔ ہماری اپنی تاریخ میں بھی اس کی نہایت عبرت انگیز مثالیں موجود ہیں۔ بغداد پر قرطبہ اور دلّی پر جو تباہیاں آئیں وہ نہایت عبرتناک ہیں، آج افغانستان ان ہولناکیوں کی زد میں پوری طرح آچکا ہے اور روسی درندوں نے وہاں کے مسلمانوں پر ظلم ڈھا رکھا ہے ایران کا تختہ اُلٹ چکا ہے اور شاہِ ایران جس کو تین لاکھ فوج پر ناز تھا وہ آج ملک بدر ہو چکا ہے اور کہیں اس کو جائے پناہ نہیں مل رہی۔

ان تاریخی حقائق میں قرآن کی اس آیت کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا یہ مختصر سا جملہ کس قدر حقائق صادقہ کا مخبر ہے، جب خدائی گرفت ہوتی ہے تو کوئی راہِ نجات نہیں ملتی۔

بعض حضرات نے نَقَّبُوْا فِی الْبِلَادِ کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ انھوں نے اپنے دورِ عروج میں اپنی فاتحانہ ترک تازیوں سے دنیا کا کونہ کونہ چھان مارا لیکن لفظ تنقیب عربی میں فاتحانہ جولانیوں کے لئے زیادہ مستعمل نہیں ہے۔ بلکہ تنقیب کے معنی ڈر اور خوف سے جائے پناہ کی تلاش میں نقب لگانے کے لئے آتا ہے، اہلِ لغت نے اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

تَنْقِيْبٌ کے معنی سوراخ کرنے اور پھاڑنے کے ہیں۔ محاورات میں زمین میں دُور دراز ملکوں تک پھرنے چلنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قاموس نے ذکر کیا ہے۔

اَلتَّنْقِيْبُ : التنفير والمبحث نَقَّبُوْا فِي البلاد من حذر الموتِ وجالوا فِي الارض كل مجال (حاشیۃ البحر المحیط)

اى ساروا فيها طلبًا للمهرب (قرطبی)

والنَّقْبُ : هو الخرق والدّخولُ في الشئِ (قرطبی)

پہاڑ کے تنگ راستوں کو بھی نقب کہتے ہیں

ثم قيل طافوا في اقاصي البلاد طلبا للتجارات ۔یعنی نَقَّبُوْا فِي البلاد کے

یہ معنی بھی کئے گئے ہیں وہ طلب تجارت میں
ملک و ملک پھرتے تھے (قرطبی)
ابن فارس نے لکھا ہے کہ نَقَّبَ، نُقُوْبٌ
کے معنی میں ہے جس کے معنی ہیں پہاڑوں کے
تنگ راستوں یا دَرّوں میں چلنا (مقائیس)

مَحِيْصٌ : محیصٌ کے معنی جائے پناہ
کے ہیں۔ ماعنہ محیصٌ : اس سے بھاگنا
مشکل ہے۔ یہ حَاصَ يَحِيْصُ حَيْصًا و
مَحِيْصًا سے مصدر ہے بمعنی جائے پناہ۔
مہرب، محاورہ ہے من حَاصَ عَنِ الشَّرِّ سَلِمَ
جو شر سے بھاگا محفوظ ہوگیا، بچ گیا، حَاصَ
عَنِ الحق : حق سے بھاگ کر مکروہ کی طرف
جانا۔

لُغُوْبٌ : وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ
اور ہم کو تکان نے چھویا تک نہیں، لغوبٌ
کے معنی بہت زیادہ تھک جانے کے ہیں،
اللُّغُوْبُ۔ التَّعَبُ والإعْيَاءُ (قرطبی)
لَغَبَ يَلْغُبُ (ن) لُغُوْبًا : تھک جانا۔
محاورہ ہے أَتَانَا سَاغِبًا لَاغِبًا : وہ ہمارے
پاس بھوکا اور تھکا ہارا ہو کر آیا، ایک
اعرابی کا قول ہے فُلَانٌ لَغُوْبٌ أَحْمَقُ
جَاءَتْہُ كِتَابِي فَاحْتَقَرَہٗ۔ فلاں بڑا بیوقوف ہے
اس نے میرے خط کو حقیر جانا، اس اعرابی
سے کسی نے سوال کیا یہ کتاب تو مذکر ہے
اور اس کے لئے تم نے فعل جَاءَتْہُ مؤنث
کیوں کہا ہے، تو اس نے کہا کہ أَلَيْسَ الْكِتَابُ
بِصَحِيْفَةٍ یعنی کیا کتاب ایک صحیفہ نہیں ہے
اور صحیفہ مؤنث ہے (قرطبی)

مُنَادِ : يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ، جس دن
پکارنے والا پکارے گا۔ المنادُ، باب
مفاعلۃ کے مصدر مُنَادَاۃٌ سے اسم فاعل
کا صیغہ ہے، اصل میں یہ منادی تھا یا ر
کو بحالت رفع ساقط کردیا، اصل مادہ
مجرد نَدْوٌ ہے۔ نَدَا يَنْدُوْا باب نَصَرَ
مجلس میں جمع ہونا۔

سِرَاعًا : يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ
عَنْهُمْ سِرَاعًا : جس دن زمین پھٹ
کر نکل پڑیں وہ سب دوڑتے ہوئے،
سِرَاعًا عنہم کی ضمیر مجرور سے حال ہے،
سِرَاعًا : دوڑتے ہوئے، جلدی کرتے ہوئے
یہ سَرِيْعٌ کی جمع ہے۔ جیسے کرام، کریمٌ کی
جمع ہے۔ اصل مادہ سُرْعَۃٌ ہے، جلدی کرنا
السَّرْعُ والسَّرَعُ والسُّرْعَۃُ : جلدی کرنا،
یہ بُطْءٌ کی ضد ہے جس کے معنی ہیں دیر کرنا،
سَرُعَ (ک) يَسْرُعُ فَهُوَ سَرِيْعٌ وأَسْرَعَ
(افعال) فَهُوَ مُسْرِعٌ : اسنے جلدی کی،

اور اَسْرَعُوْا کے معنی ہیں اُن کے اونٹ تیز رفتاری سے چلے گئے۔ السّرعان من الابل: وہ اونٹ جو دوسروں سے آگے نکل جائے۔ سَارَعُوْا وتَسَارَعُوْا، ایک دوسرے سے سبقت کرنا۔ سَرِیْعٌ۔ فَعِیْلٌ بمعنی فاعل۔ صاحبِ قاموس فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت کے سریع الحساب ہونیکا مطلب یہ ہے کہ اس کا حساب لامحالہ ہو کر رہے گا، یا یہ کہ اُسے ایک حساب دوسرے حساب سے اور ایک شئ دوسری شئ سے ہٹا کر اپنی طرف مشغول نہیں کر سکتی یا اس کے افعال جلد ظہور میں آتے ہیں اور جو وہ ارادہ فرماتے ہیں اس میں کسی بات کی دیر نہیں لگتی، کیونکہ اس کا ہر فعل بغیر کسی چیز کے ارتکاب اور کوشش کے واقع ہوتا ہے لہٰذا وہ قیامت میں تمام مخلوق کا حساب ایک ہی لحظہ میں لیگا۔ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحَاسِبِيْنَ وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

۱۸ر جنوری ۱۹۸۰ء بروز جمعۃ المبارک سورۃ قٓ وَالْقُرْآنِ مجید مکمل ہوئی،
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
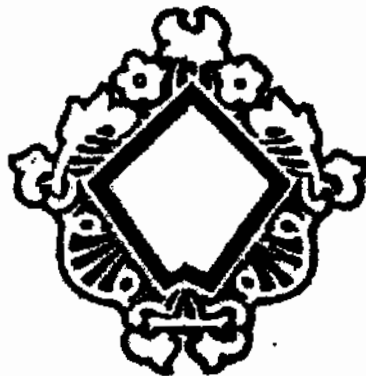
شرح الفاظ القرآن من سورۃ الذّٰریٰت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذاریٰت : الذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا، قسم ہے ان ہواؤں کی جو بکھیرتی ہیں۔ ذاریات، غبار اُڑانے والی ہواؤں کو کہتے ہیں، یہ لفظ ہواؤں کی صفت کے طور پر آتا ہے۔ ذَرْوًا اس کی تاکید ہے، جیساکہ ضَرَبَ ضَرْبًا میں ضَرْبًا تاکید ہے۔ ذَارِیَاتٌ: بکھیرنے والیاں پراگندہ کرنے والیاں۔ ذَرْوٌ سے اسم فاعل ہے ذَرَتْہُ الرِّیْحُ تَذْرُوْہُ: ہواؤں کا کسی چیز کو بکھیر دینا، تَذْرُوْہُ الرِّیَاحُ: ہوائیں اسے اُڑاتی پھرتی ہیں۔

علامہ قرطبیؒ نے ایک قول بعض حضرات کا نقل کیا ہے کہ ذاریات سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اولاد کو بکھیرتی ہیں یہ قول بھی دل کو لگتا ہے کیونکہ یہ اشرف المخلوقات کے پھیلنے کا ظاہری سبب ہیں اور انہی سے بڑی بڑی ہستیاں پیدا ہوتی ہیں۔ انبیاء، اتقیاء اور صلحاء ان ہی کے ثمرات ہیں۔ وقیل ان الذّاریات النّساء الولوداتُ لانّ فی ذرایتہنّ ذرو الخلق (قرطبی) تقدیر کلام یوں ہے الرِّیاح الذّٰرِیَات۔ یا النّساء الذّٰریٰت علی الاحتمالین۔

حاملات : فالحٰمِلٰتِ وِقْرًا: پھر بوجھ اٹھانے والے بادلوں کی (قسم) حامِلٰتِ وِقْرًا سے مراد وہ بادل لئے گئے ہیں جو بارش سے لدے رہتے ہیں، حاملات جمع ہے حاملۃٌ کی، یہاں بھی مراد وہ عورتیں لی گئی ہیں جو حاملہ ہوتی ہیں چونکہ انکے حمل بھی مظاہر قدرت میں سے ہے، گویا یہ اس اعتبار سے مقدسات ہیں کہ یہ دستِ قدرت کی صنعت وحرفت کا محل ہیں۔ فالحامِلاتُ وِقْرًا: السّحاب وقیل: الحامِلات من النّساء اذا ثقُلْنَ بالحمل (قرطبی)

وِقْرًا : بوجھ، ثقل، حمل۔ لفظ وقر کا استعمال ہر ثقل اور بوجھ کے لئے ہوتا ہے، چاہے کمر پر یا پیٹ میں مگر اسکا معروف استعمال بادلوں کے لئے ہوتا ہے، جاءَ یَحْمِلُ وِقْرَہٗ: وہ اپنا بوجھ اٹھاتے ہوئے آیا، اَوْقَرَ بعیرَہٗ: اونٹ پر بار لادنا — اور

اِمْرَاَۃٌ مُوْقَرَۃٌ (بفتح القاف) حاملہ
عورت، جو آخری ایام میں ہو۔ اَوْقَرَتِ
النَّخْلَۃُ: کھجور کے درختوں پر بہت پھل
لگنا۔ وِقْرٌ بکسر الواؤ کا زیادہ استعمال،
خچر اور گدھی کے حمل پر ہوتا ہے اور اونٹنی
کے حمل کے لئے لفظ وسقٌ استعمال ہوتاہے
اور اَوْقَرْتُہٗ کے معنی بوجھ لادنے کے ہیں۔
اور وَقْرٌ بفتح الواؤ، کانوں کے بوجھ، اور
بھاری پن کے لئے آتا ہے، وَقَرَتْ اُذُنُہٗ
اس کے کان بہرے ہوگئے۔ فَاَمَّا الْوَقْرُ
بالفتح فھو ثقل الاذن (قرطبی) دیکھئے احزاب
لفظ وَقَرْنَ۔

الْجٰرِیٰت : فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا، پھر
نرمی سے چلنے والی کشتیوں کی قسم ہے، مراد
وہ کشتیاں لی گئی ہیں جو پانی میں آسانی سے
چلتی ہیں۔ تقدیر کلام السُّفُنِ الْجَارِیَاتُ ہے
جَارِیَۃٌ کی جمع ہے۔

مُقَسِّمٰتِ : فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا، پھر
چیزیں تقسیم کرنے والے فرشتوں کی قسم ہے۔
قَسَّمَ الْاَمْرَ کے معنی ہیں، امر کے مختلف
پہلوؤں کو الگ الگ کر دیا، یہی معنی قَسَمَ الامر
(مخفف) کے ہیں، لیکن قَسَّمَ میں مبالغہ زیادہ ہے
الْقَسَّام : جو بہت سے حصہ داروں کی
زمین کو اور مکانوں کو اُن کے حصوں کے مطابق
تقسیم کرے اور اس کو بھی قسّام کہتے ہیں،
جو مختلف چیزیں لوگوں کے درمیان تقسیم
کرے، جیسا کہ لبید کا ایک شعر ہے ؎

فَارْضَوْا بِمَا قَسَمَ الْمَلِیْکُ فَاِنَّمَا
قَسَمَ الْمَعِیْشَۃَ بَیْنَنَا قَسَّامُھَا

پس اے حسد کرنے والے! بادشاہِ حقیقی اللہ پاک
نے جو تقسیم کیا ہے تم اُس پر راضی ہو جاؤ،
کیونکہ اسبابِ معیشت کو خود اُس کے
مالک نے تقسیم ہے، لسان العرب میں یہ
شعر یوں ہی ہے لیکن سبعہ معلقہ کی جو روایت
ہے اس میں شعر یوں ہے ؎

فاقنع بِمَا قَسَمَ الْمَلِیْکُ فَاِنَّمَا
قَسَمَ الْخَلَائِقَ بَیْنَنَا عَلَّامُھَا

حاصل دونوں روایتوں کا ایک ہی ہے،
شاعر قوم کے لئے صفات محمودہ کا اہل ہونا
ثابت کرتا ہے اور مخالف پر تعریض کرتا ہے
مُقَسِّمٰت، مُقَسِّمَۃٌ کی جمع ہے باب تفعیل
مادہ تقسیم سے ماخوذ ہے، مجرد باب ضَرَبَ ہے

تُوْعَدُوْنَ : اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ
لَصَادِقٌ : بیشک جو وعدہ کیا ہے تم سے
سو سچ ہے، یہاں لفظ توعدون کے
اشتقاق میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ یہ

وَعْدٌ سے ماخوذ ہو۔ اس کے تحت وہ
تمام چیزیں داخل ہونگی جو انبیاء کے ذریعہ
ذکر کی گئی ہیں یعنی حشر و نشر، جزا و سزا
رحمت و نعمت وغیرہ، اور اِنَّ الدِّین
لَوَاقِع عطف الخاص علی العام ہوگا
دوسرا احتمال یہ ہے کہ توعَدُوْن وعیدٌ سے
ماخوذ ہو، اس صورت میں مراد وہ عذاب
ہوگا جو انبیاء کی تکذیب اور انکار توحید
کی پاداش میں قوموں پر آیا ہے۔

اَلدِّیْنَ : اِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ،
جزا ضرور واقع ہونے والی ہے، یہاں
الدِّین سے مراد وہ بدلہ اور صلہ ہے جو
انسان کو اعمالِ دُنیا کے عوض میں
آخرت میں ملے گا۔ الدِّین یعنی الجزاء (قرطبی)

اَلْحُبُكِ : وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ
قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں،
حُبُكٌ، یا تو حَبِيكَةٌ کی جمع ہے جیسے طَرِيقَةٌ
کی جمع طُرُقٌ۔ یا حِبَاكٌ کی جمع ہے جیسے
مِثَال کی مُثُلٌ۔ حِبَاكٌ اور حبیکۃٌ دونوں
کے معنی ایک ہیں۔ تفسیر قرطبی میں ہے
کہ حُبُک حِبَاکٌ کی جمع ہے اور حَبِیکۃٌ
کی جمع حَبَائِک آتی ہے۔ وجمع الحباک
حُبُکٌ وجمع الحبیکۃ حبائک، کپڑے کی
بناوٹ میں جو دھاریاں ہوجاتی ہیں انکو
حُبُکٌ کہا جاتا ہے، وہ چونکہ راستہ
اور سڑک کے مشابہ ہوتی ہیں اس لئے
راستوں کو بھی حُبُک کہا جاتا ہے، اکثر
اہلِ تفسیر نے یہاں حُبُک سے مراد راستے
ہی لئے ہیں اور معنی یہ کئے ہیں، قسم ہے
آسمان کی جو راستوں والا ہے اور چونکہ
یہ بناوٹ کی دھاریاں کپڑے کی زینت
اور حُسن بھی ہوتی ہیں اسلئے بعض حضرات
نے یہاں حُبُک کے معنی زینت اور حُسن کے
لئے ہیں اور ترجمہ یوں بیان کیا ہے، قسم ہے
آسمان کی جو زینت اور حُسن والا ہے۔
حَبَكَ الثَّوْبَ يَحْبِكُهُ، حَبْكًا۔ نساج کا
کپڑے کی بنت کو مضبوط بنانا۔
مولانا حمید الدین صاحب فراہی نے تفسیر
سورۂ ذاریات کے ذیل میں لکھا ہے کہ
حُبُک کے معنی باندھنے اور گرہ لگانے کے
ہیں۔ یہیں سے یہ اس مضبوطی اور استواری
کے لئے استعمال ہوا جو کسی چیز کی بناوٹ
میں پیدا کی جائے۔ اسی سے حِبَاکٌ ہے
جس کی جمع حُبُک ہے۔ حِبَاکٌ ان دھاریوں
شکنوں اور لہروں کو کہتے ہیں جو کسی کشش
اور مضبوط بناوٹ کے کپڑے میں کی گئی ہوں

زہیر ابن ابی سلمیٰ اپنے ایک شعر میں ایک چشمہ کا ذکر کرتا ہے جس پر ہوا نے گزر کر اس میں لہریں پیدا کر دی ہیں مُکَلَّلٌ بِاُصولِ النَّبتِ تَنسِجُہٗ ریحٌ خَرِیقٌ لِضاحِی مائِہٖ حُبُکٌ نباتات اس کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ تیز و تند ہوا اس پر سے گزرتی ہے تو اس کی کھلی ہوئی سطح پر لہریں نمودار ہو جاتی ہیں۔

علم لغت کا امام فراء ذات الحبک کی تفسیر میں لکھتا ہے کہ حبک سے مراد وہ لہریں اور شکنیں ہیں جو ریت یا ساکن پانی میں جبکہ اس پر ہوا چل گئی ہو پیدا ہو جاتی ہیں۔ دجّال والی حدیث میں ہے، اَنَّ شَعْرَہٗ حُبُکٌ : اس کے بال شکن در شکن ہونگے یہیں سے یہ بادلوں کی تعریف کیلئے استعمال ہونے لگا، کیونکہ بادلوں کے ٹکڑے بھی آسمان میں تہ بہ تہہ موجوں اور تو بر تو روئی کے گالوں کی طرح نظر آتے ہیں۔

اُفِكَ : يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ

اس سے پھرتا وہی ہے جسے پھرنا ہی ہوتا ہے۔ اِفک کے معنی ہیں کسی شئے کو اُلٹ دینا، اسی سے افک ہے جس کے معنی جھوٹ اور دروغ کے ہیں۔ مَاْفُوْکٌ کے معنی محروم بصیرت کے ہیں۔

لیث کا ایک مصرع ہے، مَالِیْ اَرَاکَ عَاجِزًا اَفِيْكًا ـ کیا بات ہے میں تم کو ایک عاجز محروم بصیرت دیکھتا ہوں۔ اَفَکَہٗ یَاْفِکُہٗ اَفْکًا ای قَلَبَہٗ وَ صَرَفَہٗ عَنِ الشَّیْءِ (قرطبی)، ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اپنے صحیح رُخ سے پھیر دی گئی ہو، اَجِئْتَنَا لِتَاْفِکَنَا عَنْ اٰلِھَتِنَا : کیا تم ہمارے پاس اسلئے آئے ہو کہ تو ہمیں ہمارے ہمارے خداؤں سے پھیر دو۔ جھوٹ اور بہتان کو بھی اِفکٌ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ حقیقت اور اصلیت سے پھرا ہوا ہوتا ہے اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے (دیکھیے سورۂ نور)

اَلْخَرّٰصُوْنَ : قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ، مارے گئے اٹکل دوڑانے والے۔ خَرّاصٌ کے لفظی معنی اندازہ لگانے والے اور ظن و تخمینہ سے بات کرنے والے کے ہیں، مراد اس سے وہ قولٌ مختلفٌ والے کفار و منکرین ہیں جو بغیر کسی دلیل کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں متضاد باتیں کہتے ہیں اسلئے یہاں خرّاصُون کا ترجمہ کذّابون سے بھی کر دیا جائے تو بعید نہیں (معارف القرآن)

خَرَصَ النخلَ وَالکرمَ کے معنے کھجور کے درخت

یا انگور کی بیل میں جو پھل ہیں ان کا تخمینہ کیا خَرَصَ فِی الحدیث کے معنی ہیں ایک بات بے جانے بوجھے یونہی اُڑا دی (فراہی) خرّاصُوْن ، یہ خرّاصٌ کی جمع ہے جو خَرْصٌ سے اسم مبالغہ ہے، بڑا اٹکلی ۔ والخرصُ الکذب والخرّاصُ الکذّابُ وقد خَرَصَ یَخْرُصُ خَرْصًا ای کَذَبَ (قرطبی)

غَمْرَةٌ : اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ : جو بے خبری میں بھولے ہوئے ہیں ۔ غَمْرَةٌ وہ چیز جو دوسری چیز کو چھپالے اور ڈھانپ دے ۔ نَهْرٌ غَمْرٌ : وہ نہر جو اپنے اندر داخل ہونے والے کو چھپالے اسی سے غَمَرَاتُ الموت ہے ۔ غَمْرَةٌ ، اس کثیر پانی کو کہتے ہیں جس کی تھاہ نظر نہ آئے اور یہ اس جہالت کے لئے بطور ضرب المثل کے ہے، جو آدمی پر چھا جاتی ہے، اور نا تجربہ کار آدمی کو بھی غُمْرٌ کہا جاتا ہے، اس کی جمع اغمارٌ آتی ہے ۔ الغَمْرَةُ مَا سَتَرَ الشئَ وغطّاهُ (قرطبی)

یُفْتَنُوْنَ : يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ : یہ دن وہ ہوگا جب وہ لوگ آگ پر تپائے جائیں گے ۔ فَتَنَہٗ کے معنے ہیں اس کو پرکھا، جانچا، اسکا امتحان لیا یہیں سے فتنہ ہر اُس رنج و راحت کو کہنے لگے جس سے انسان کی عقل ادراک کی عظمت کا امتحان ہو سکے ، فَتَنَتْهُ المرأۃُ کے معنی ہیں عورت نے اسکو فریفتہ کر لیا، فَتَنَهُ الشيطانُ : شیطان نے اسکو ورغلایا فَتَنْتُ الذَّهَبَ : سونے کو آگ میں ڈالکر اسکے کھرے کھوٹے کو پرکھ لیا ۔ فَتِيْنٌ : اُس پتھریلی زمین کو کہتے ہیں جسکے پتھر جلے ہوئے ہوتے ہیں ۔ یہاں یُفْتَنُوْنَ کے لفظ سے دو معانی کی طرف اشارہ ہو گیا ہے ایک تو جلانے کے معنے کی طرف، دوسرے اس بات کی طرف کہ جس آگ سے جلائے جائیں گے وہ ان شہوات اور زخارف کی آگ ہوگی جس سے وہ آزمائے گئے تھے،

مُتَّقِيْنَ : اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ : مُتَّقِيْنَ جمع ہے مُتَّقِیْ کی، یہ ایک جامع صفت ہے جو قرآن پاک میں ان لوگوں کے لئے استعمال ہوئی ہے جو خدا کی مقرر کردہ حدود و قیود کے اندر زندگی گزارنے والے ہیں ۔ یہ تقویٰ سے ماخوذ ہے جسکے معنے ہیں نفس کو ہر اُس چیز سے بچانا جس سے گزند اور ضرر کا اندیشہ ہو اسکا مادہ وقیٌ ہے یہ لفیف مفروق ہے

اللَّيْل : لیل ولَیْلَۃٌ : رات جمع لَیَالِی ولَیَائِلُ ولیلات آتی ہے، اور لَیْلٌ اَلْیَلُ ولَیْلَۃٌ لَیْلَاءُ : نہایت تاریک رات، بعض نے لیلۃ کی اصل لَیْلَاۃٌ قرار دی ہے اس لئے کہ اس کی تصغیر لُیَیْلَۃٌ آتی ہے۔ راغب

يَهْجَعُونَ : كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ : رات کو بہت کم سوتے تھے (ماجدی) یَہْجَعُوْنَ، ہُجُوْعٌ سے مشتق ہے جس کے معنی رات کو سونے کے آتے ہیں اسمیں مؤمنین متقین کی یہ صفت بیان فرمائی ہے وہ رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے ہیں سوتے کم ہیں جاگتے زیادہ ہیں اور اپنا وقت نماز وعبادت میں گزارتے ہیں، یہ تفسیر ابن جریر نے اختیار کی ہے، حضرت ابن عباس اور قتادہ مجاہد وغیرہ ائمہ نے اسکی تفسیر میں حرف مَا کو نفی کا قرار دیا ہے اور معنی یہ قرار دیتے ہیں کہ رات کو تھوڑا سا حصہ ان پر ایسا بھی آتا ہے کہ اسمیں یہ لوگ سوتے نہیں بلکہ عبادت و نماز وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں، اس مفہوم کے اعتبار سے وہ سب لوگ اسمیں داخل ہو جاتے ہیں، اور اسکا مصداق بنجاتے ہیں جو رات کے کسی بھی حصہ میں عبادت کرلیں خواہ شروع میں یا آخر میں یا درمیان میں، اسلئے حضرت انس اور ابو العالیہ نے اسکا مصداق ان لوگوں کو قرار دیا ہے جو مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں۔

ہَجَعَ یَہْجَعُ ہُجُوْعًا : رات کو سونا، التَّہْجَاعُ : ہلکی سی نیند۔ بین النوم و الیقظۃ کی حالت (قرطبی، معارف)

رَاغَ : فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ، یہ لفظ سورۃ صافات آیت ۹۳ میں گزر چکا ہے

سَمِيْنٌ : فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۔ پھر آپ اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک فربہ بچھڑا لے آئے سِمَنٌ موٹاپے کے ہیں اور سمین صیغہ صفت کا ہے جمع سِمَانٌ ہے ۔ گھی چونکہ فربہ پن پیدا کرتا ہے اسلئے اسکو سمنٌ کہا جاتا ہے، سورۂ یوسف میں اسکی مزید تفصیل دیکھئے۔

فَاَوْجَسَ : فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً الوَجْسُ کے معنی صوت خفی کے ہیں اور تَوَجُّسٌ (تَفَعُّلٌ) آواز سننے کی کوشش کرنا۔ اور اِیْجَاسٌ : افعال سے جب آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں دل میں کوئی بات محسوس کرنا، کھٹکا محسوس کرنا۔ وَجْسٌ اس حالت کو کہتے ہیں جو خوف کے بعد دل میں پیدا ہوتی ہے

اور جو چیز مبدا بنتی ہے اسکو باجس اور اس کے بعد کی حالت کو واجس کہا جاتا ہے۔ راغب

صَرَّةٍ : فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا - پھر سامنے آئی اس کی بیوی بولتی ہوئی پھر پیٹا اپنا ماتھا - فِیْ صَرَّةٍ یعنی وہ تعجب اور حیرانی کی حالت میں لپکیں، عربی میں محاورہ ہے - صَرَّ الفرسُ اذنیہ : گھوڑے نے اپنی کنوتیاں کھڑی کیں، اسی سے فی صَرَّةٍ کا محاورہ نکلا ہے جو تعجب اور حیرانی کی حالت کیلئے آتا ہے (تدبر) الصَّرَّةُ : اس آواز کو کہا جاتا ہے جس میں چیخ ہو۔ اور لفظ صَرَّةٌ اس جماعت پر بولا جاتا ہے جس کے افراد ایک دوسرے سے مربوط ہوں - قال الجوهری الصَّرَّةُ الضَّجَّةُ والصَّيْحَةُ والصَّرَّةُ : الجماعة (قرطبی) سبعہ معلقہ کے شاعر امرالقیس نے لفظ صَرَّة جماعت کے معنی میں استعمال کیا ہے سہ

فَاَلْحَقَنَا بِالْهَادِيَاتِ وَدُوْنَهُ
جواهرها فی صَرَّةٍ لَمْ تَزَيَّلِ

پس اس گھوڑے نے ہم کو آگے جانیوالی گایوں سے اسقدر جلد ملا دیا کہ پچھلی گائیں ایسے گلہ میں تھیں کہ منتشر نہ ہو سکا تھا،

صَكَّتْ : فَصَكَّتْ وَجْهَهَا ، اسنے اپنا چہرہ پیٹ لیا - یہ صَكٌّ سے ہے جس کے معنے کوٹنے اور پیٹنے کے ہیں - واحد مؤنث غائب ماضی کا صیغہ ہے واصلُ الصَّكِّ : الضرب ، صَكَّهُ ای ضَرَبَهُ (قرطبی)

خَطْبٌ : فَمَا خَطْبُكُمْ : تمہیں کیا بڑی مہم در پیش ہے - خَطْبٌ : اس اہم مقصد کو کہتے ہیں جس میں تخاطب کی ضرورت کثرت سے ہوتی ہے، الخَطْبُ الامر العظیم الذی یکثر فیہ التخاطب، راغب مَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِیُّ : تیرا معاملہ کیا ہے اے سامری!

رُكْنٌ : فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ - اس نے اپنی قوت کے زعم میں سرتابی کی - رُکن کے معنے قوت کے ہیں - حضرت لوطؑ کا کلام ہے - اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُكْنٍ شَدِيْدٍ مراد اس سے افواج، قبائل اور برادری کے وہ افراد ہوتے ہیں جن کے ذریعہ آدمی کو مخالف پر قوت حاصل ہوتی ہے رُكْنُ الشئ : کسی چیز کا طاقتور حصہ قرطبی جب رکن کے معنی فوج یا قوم کے ہونگے

تو اس پر حرف (ب) مصاحبت کا ہوگا، اور ترجمہ یہ ہوگا برکنہ مع اپنی قوم کے،

مُلِيْمٌ : وَهُوَ مُلِيْمٌ، اور وہ تھا قابلِ ملامت، مُلِيْمٌ ۔ اَلَامَ (افعال) سے اسم فاعل بمعنی مَلُوْمٌ اسم مفعول ہے ملامت کیا ہوا جس کو ملامت کی گئی ۔ اَلَامَ ۔ اِسْتَحَقَّ اللَّوم (راغب)

هُوَ مُلِيْمٌ ای مَلُوْمٌ (ابن کثیر) اصل مادہ لَوْمٌ ہے، لامَ يَلُوْمُ : ملامت کرنا

رَمِيْمٌ : جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ۔ اس کو ایسا کر دیا جیسے کوئی چیز گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہوگئی ۔ رمیمٌ : رسی ۔ لکڑی اور ہڈی وغیرہ کے بوسیدہ ٹکڑوں کو کہتے ہیں سرد ہوا اپنی ٹھنڈک اور خشکی کے باعث چیزوں کی قوت اور تازگی کو ختم کر دیتی ہے ۔ اس صفت کے پیشِ نظر سرد تند ہوا کو رمیمٌ کہا جاتا ہے، رِمَّةٌ بوسیدہ ہڈی کو کہا جاتا ہے جیسا کہ آیتِ کریمہ میں ہے، مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۔ اَلرُّمَّةُ (بالضم) بوسیدہ رسی کو کہتے ہیں اور الرِّمُّ : لکڑی کا بھوسہ چورہ وغیرہ ۔ ایک مشہور محاورہ ہے اِدْفَعْهُ اِلَيْهِ بِرُمَّتِهِ : اسے کلیۃً اس کے سپرد کر دیجئے ۔ اَرَمَّتْ عِظَامُهٗ : اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہوگئیں، اسقدر ریزہ ریزہ ہوگئیں کہ پھونک مارنے سے اُڑ جائیں اسی سے راکھ کو بھی رمیمٌ کہتے ہیں اور راستے کی اس گھاس کو بھی رمیم کہتے ہیں جسکو جانور روندتے ہوئے چلے جاتے ہیں، واصل الكلمة : من رمّ العظيمُ اذا بلى ۔ والرِّمَّةُ، بالكسر العظام البالية والجمع رِمَمٌ وَ رِمَامٌ (قرطبی ۔ راغب)

اَيْدٍ : وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۔ اور ہم نے آسمان کو اپنی قدرت سے بنایا ۔ لفظ یدٌ قوت کے معنی میں آتا ہے اور قرآن پاک میں قدرت کے مفہوم میں کثرت سے استعمال ہوا ہے ۔ مثلاً اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۔ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ — ابن عباس، مجاہد، قتادہ وغیرہ نے یہاں بایدی کے معنی بِقُوَّةٍ کے لئے ہیں ۔ بايدى ای بقُوَّةٍ (روح)

والاَيْدُ : القُوَّةُ هٰذا هو المشهور (كبير) ای بقُوَّةٍ ۔ قاله ابن عباس و مجاهد و قتادة والثوری (ابن کثیر)

اَیۡیۡدٍ کے معنی ہیں کسی کو قوت پہنچانا آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آسمان خدا کی عظیم قدرت و قوت اور اس کی حکمت کا شاندار مظہر ہے۔

لَمُوۡسِعُوۡنَ : اَوۡسَعَ (افعال) سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اس میں اشارہ خدا کے وسیع اقتدار کی طرف ہے، اس کے اقتدار کے احاطہ سے کوئی چیز خارج نہیں ہے۔ وَسِعَ یَسَعُ : حاوی ہونا قدرت رکھنا۔ طاقت رکھنا۔ مَا اَسَعُ ذَالِكَ : میں اس کی قدرت نہیں رکھتا یہ میرے بس میں نہیں۔ الوَاسِعُ : فراخ کشادہ،

مَلُوۡمٌ : فَمَآ اَنۡتَ بِمَلُوۡمٍ، آپ پر کوئی الزام نہیں ہے، یہ اسم مفعول ہے لام یلوم سے مشتق ہے۔ اسم فاعل لائِمٌ آتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے، وَلَا یَخَافُوۡنَ لَوۡمَةَ لَائِمٍ۔ اور الام (افعال) کے معنی مستحق ملامت ہونے کے ہیں۔ اسی سے اس میں سے اسم فاعل مُلِیۡمٌ بمعنی اسم مفعول مَلُوۡمٌ کے آتا ہے لَوۡمَة کے معنے ملامت کے ہیں اور لائمۃ اس فعل کو کہتے ہیں جس کا مرتکب انسان قابل ملامت ہو (راغب)

ذَنُوۡبٌ : فَاِنَّ لِلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ذَنُوۡبًا مِّثۡلَ ذَنُوۡبِ اَصۡحٰبِهِمۡ۔ لفظ ذَنُوۡبٌ بفتح الذال اصل میں بڑے ڈول کو کہتے ہیں جو پانی سے بھرا ہو خالی ڈول کو ذنوب نہیں کہیں گے بستی کے کنوؤں پر پانی بھرنے والوں کی بھرنے کے لئے باری مقرر کرلی جاتی ہے، یہیں سے یہ لفظ باری کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ ابو ذویب کہتا ہے ۔

لَعَمۡرُكَ والمنايا غالبات
لکلّ بنی أبٍ منها ذَنُوۡبٌ

ترجمہ : تیری جان کی قسم موت سے مفر نہیں اور ہر باپ کے بیٹوں کے لئے اسمیں سے حصّہ ہے۔ آیت میں ذنوب سے مراد زندگی کی وہ محدود مدّت ہے جو ان کفار کے حصّہ میں آتی ہے چاہیں تو اپنے اس حصّہ کو ایمان کی دولت سے سرفراز کریں اور چاہیں تو کفر و انکار سے سبزہ زارِ حیات کو جلا ڈالیں، واصل الذنوب فی اللغة الدلو العظیم (قرطبی)

لَعَلَّ : حروف مشبہ بالفعل میں سے ہے اسم کو نصب دیتا ہے اور خبر کو رفع کرتا ہے جیسے وَمَا يُدۡرِيۡكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيۡبٌ (الشوریٰ آیت ۱۷) یہاں السَّاعَةَ منصوب

لَعَلَّ کا اسم ہے اور قریبٌ مرفوع خبر ہے لَعَلَّ: توقع اور خوف کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کیطرف سے ہو تو واجب کے معنی میں ہوتا ہے، اور کبھی اسکو لام سے مجرد کرکے عَلَّ بھی استعمال کرتے ہیں، اور اس پر مَا کافہ بھی داخل ہوتا ہے جیسے لَعَلَّمَا اسکے معنی بھی شاید ہوسکتا ہے۔

علامہ جوہری نے لکھا ہے کہ لَعَلَّ شک کا کلمہ ہے، اصل اسکی عَلَّ ہے، پہلا لام اسکا زائد ہے۔

شعرائے عرب نے عَلَّ کا استعمال اپنے کلام میں کثرت سے کیا ہے، مجنون بنی عامر کہتا ہے؎

یَقُوْلُ اُنَاسٌ ؛ عَلَّ مَجْنُوْنَ عَامِرٍ
یَرُوم سُلُوًّا؛ قلتُ اِنِّیْ لِمَا بِیَا (لِسان)

علامہ ابن اثیر نے نہایہ میں لکھا ہے کہ لَعَلَّ: وھی کلمۃ رجَاءٍ وطمع وشَکٍّ: عرب لَعَلَّ کو شک اور ترجی وغیرہ سے خالی کرکے بمعنی لام کئی استعمال کرتے ہیں۔ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ کا مطلب یہ ہوگا کہ لِتَتَّقُوْا، ایک شاعر کہتا ہے؎

وقُلْتُمْ لَنَا کُفُّوْا الحروبَ لَعَلَّنَا
نَکُفُّ وَوَثَّقْتُمْ لَنَا کُلَّ مَوْثِقِ (القرطبی)

ای کفوا الحروبَ لِنَکُفَّ یعنی لَعَلَّنَا نَکُفُّ بمعنی لِنَکُفَّ ہے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ لَعَلَّ اسم اور خبر دونوں کو نصب کرتا ہے، جیسے لَعَلَّ اَبَاکَ مُنْطَلِقًا۔ اَبَاکَ اسم ہے اور مُنْطَلِقًا خبر دونوں منصوب ہیں لیکن استعمال کا یہ طریقہ ایک خاص قبیلہ تک محدود ہے، قرآنِ پاک کا استعمال یہ ہے کہ اسم منصوب اور خبر مرفوع۔

لَعَلَّ میں ترجی اور امید کا جو معنی پایا جاتا ہے اس کی مختلف صورتیں ہیں، ایک یہ کہ امید کا رجوع متکلم کیطرف ہوتا ہے جیسے لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَۃَ: اُمید ہے کہ ہم جادوگروں کے پیچھے چلیں گے۔ کبھی مخاطب کو اُمید دلانے کے لئے آتا ہے، اس صورت میں اسکا رجوع مخاطب کیطرف ہوتا ہے لَعَلَّهٗ یَتَذَکَّرُ اَوْ یَخْشٰی: یعنی فرعون کے پاس جاؤ یہ اُمید رکھتے ہوئے کہ شاید وہ مان جائے یعنی اس کے ماننے کا یقین نہیں رکھنا کہ عدم ایمان کی صورت میں آپ کو صدمہ اور قلق ہو۔ اور کبھی اسکا تعلق نہ مخاطب سے ہوتا ہے نہ متکلم سے بلکہ اسکا رجوع ایک تیسرے شخص کیطرف ہوتا ہے جیسے آیت ہے فَلَعَلَّکَ تَارِکٌۢ بَعْضَ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْکَ یعنی یہ لوگ اُمید رکھتے ہیں کہ آپ وحی کچھ ترک کردیں گے یہاں لَعَلَّ کا رجوع اللہ کیطرف تو اس لئے جائز نہیں کہ وہ جانتا ہے کہ پیغمبر سے ترک

وحی کا امکان نہیں اور مخاطب کی طرف
اسلئے نہیں ہوسکتا کہ یہ عصمت نبوت کے
منافی ہے لہٰذا اسکا رجوع ایک تیسرے
گروہ کی طرف ہے، اور مطلب یہ ہے کہ کفار آپ سے
توقع رکھتے ہیں کہ آپ وحی کا کچھ حصہ شاید موقوف
کردیں گے۔ لَعَلَّ کا استعمال ایسی چیز کی امید
اور توقع کرنے پر ہوتا ہے جسکا مستقبل میں
حصول ممکن ہو۔ لہٰذا لَعَلَّ الشَّبَابَ يَعُودُ
کہنا اسلئے غلط ہے کہ جوانی کا بڑھاپے کے بعد
دوبارہ عود کرنا ناممکن ہے لیکن فرعون کے
کلام لَعَلِّيْ أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ کہنا اسکی حماقت ہے
وہ محض لوگوں کو فریب دینا چاہتا تھا ورنہ
ظاہر ہے کہ وہ ضرور جانتا ہوگا کہ خدا تک رسائی
ان اسباب کے ذریعہ نہیں ہوتی۔

اُدَبار کوفہ کے نزدیک لعل استفہام کیلئے بھی استعمال
ہوتا ہے، جیسے لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ
ذَالِكَ، تم کو نہیں معلوم کہ کیا اس کے بعد اللہ
کوئی اور امر پیدا کردے گا؟

اللہ کے فضل سے سورۃ الذاریات آج مورخہ ۸ر فروری ۱۹۸۵ء
بروز جمعۃ المبارک پایۂ تکمیل کو پہنچی،
والحمد للہ علیٰ ذالک

****

شرح الفاظ القرآن من سورة الطّور

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الطُّور : وَالطُّوْرِ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ وَالْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ

الطور، عربی زبان میں پہاڑ کو کہا جاتا ہے جس پر درخت وغیرہ بھی اُگتے ہوں۔ یہاں طور سے مراد وہ پہاڑ ہے جو ارضِ مدین میں واقع ہے جس پر حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف ہمکلامی سے سرفراز فرمایا۔ اسکا دوسرا نام زبیر بھی ہے، جوہری لغوی نے اسکی وضاحت کی ہے، زبیر وہی پہاڑ ہے جس پر موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ سے ہمکلامی نصیب ہوئی، اسی کو طور سینین اور طور سیناء بھی کہا گیا ہے، بعض روایات میں اس پہاڑ کو جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کہا گیا ہے (قرطبی) الطور : یرید طور سینین وھو جبل بمدین سمع فیہ موسیٰ علیہ السلام کلام اللہ تعالیٰ (بیضاوی)

مَسْطُوْر : لکھا ہوا، اسم مفعول سَطَرَ، ترتیب سے لکھے ہوئے حروف کی ایک لائن، درختوں کی لائن کو بھی سطر کہتے ہیں جو ترتیب سے لگائے گئے ہوں۔

رَقّ : لفظ رَقّ دراصل پتلی کھال کے لئے بولا جاتا ہے جو لکھنے کے واسطے کاغذ کی جگہ بنائی جاتی ہے اس لئے اس کا ترجمہ کاغذ سے کردیا جاتا ہے، مراد اس سے وہ چیزیں ہیں جن پر لکھا جاتا ہے۔ قال المبرد : الرَّقّ مارقّق من الجلد لیکتب فیہ وکذا قال الجوھری، قال والرَّقّ بالفتح ما یکتب فیہ وھو جلد رقیق (قرطبی)

اور رِقّ بالکسر مِلک کے معنی میں آتا ہے عَبْدٌ مرقوقٌ : مملوک غلام، اس کی جمع رُقُوْقٌ آتی ہے۔

مَعْمُوْر : وَالْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ، یہ عبادت گاہ ہے ملائکۃ اللہ کی جو آسمان پر واقع ہے۔ یہ بیت اللہ کے بالکل فوق میں ہے، اگر وہ آسمان سے سیدھا زمین پر اُتریں تو بیت اللہ پر اُتریں۔ اس بیتِ معمور کا روزانہ ستر ہزار فرشتے طواف کرتے ہیں علامہ قرطبی نے ربیع بن انس کی ایک روایت نقل کی ہے کہ بیت معمور حضرت آدمؑ کے زمانے سے لیکر حضرت نوحؑ کے زمانہ تک زمین پر

بیت اللہ کی جگہ پر واقع تھا، جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کو اسکا طواف کرنے کے لئے فرمایا تو قوم نے کفر و فسق کی وجہ سے اس کا طواف کرنے سے انکار کردیا پھر جب طوفان آیا اور زمین ساری پانی سے بھر گئی تو اللہ رب العزت نے اس عبادتگاہ کو رفع کا شرف بخشا اور اس کو آسمانوں پر اٹھا لیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بیت اللہ کی تعمیر اسی مقام پر کروائی گئی جہاں بیت معمور تھا، اور آیت کریمہ وَاِذْ بَوَّأْنَا اِبْرَاهِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ میں اسی طرف اشارہ ہے، حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو دیکھا حضرت ابراہیم علیہ السلام البیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے ہیں چونکہ دنیا میں آپ بیت اللہ کے بانی تھے اس کا اثر یہ تھا کہ آسمان میں ان کو شرف عطا کیا گیا کہ بیت معمور کا قرب عنایت فرمایا گیا۔

بیت معمور کے آسمان پر ہونے میں تو تمام اہل تفسیر کا اتفاق ہے لیکن اختلاف اسمیں واقع ہوا ہے کہ یہ کونسے آسمان پر واقع ہوا ہے؟ ایک قول آسمان دنیا کا ہے، ایک آسمان رابع کا ہے اور چھٹے آسمان کا ایک قول بھی ہے، عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ یہ ساتویں آسمان پر عرش عظیم کے نیچے واقع ہے

مَسْجُوْر : وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ، بحر سے مراد سمندر ہے اور مسجور سَجْرٌ سے مشتق ہے جو چند معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے ایک معنی آگ کے بھڑکانے کے آتے ہیں۔ اکثر مفسرین نے اس کے یہی معنی مراد لئے ہیں، یعنی قسم ہے سمندر کی جو آگ بنا دیا جائیگا جیسا کہ دوسری طرف ارشاد ہے، وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ: یعنی چاروں طرف سمندر آگ بنا دیئے جائیں گے۔

ایک یہودی نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے سوال کیا کہ جہنم کہاں ہے؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا سمندر میں، تو تورات کے عالم نے اس کی تصدیق کی۔ حضرت قتادہ وغیرہ سے مسجور کے معنی مَمْلُوْءٌ منقول ہیں یعنی پانی سے بھرا ہوا، ابن جریر نے اسی قول کو اختیار کیا ہے (معارف) یہ بھی ہو سکتا ہے بھرے ہوئے سے مراد آگ سے بھرا ہوا ہو۔ السَّجْرُ اصل میں اسکے معنی زور سے آگ بھڑکانے کے ہیں سَجَرْتُ التَّنُّوْرَ کے معنی ہیں میں نے تنور کو خوب گرم کیا۔ سَجَرَتِ النَّاقَةُ: اونٹنی دوڑ میں بھڑک اٹھی یعنی بہت دوڑی، بعض نے

مسجور کے معنی خشک اور سوکھے کے گئے ہیں، یعنی خشک سمندر، تو سمندروں کو سکھا دینا بھی آگ ہی کے لئے ہوگا، مصدر سَجْرٌ ہے، گرم کرنا تنور گرم کرنا، سَجَرٌ اور سُجْرَۃٌ سرخی آمیز سفیدی کو کہتے ہیں۔

تَمُوْرُ : تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا۔ مَارَ یَمُوْرُ (ن) مَوْرًا کے معنی تیز رفتاری کے ہیں مَارَ الدَّمُ عَلٰی وَجْهِهٖ کے معنی ہیں چہرے پر تیزی سے خون جاری ہونا، اور مُوْرٌ غبار کو بھی کہتے ہیں جو ادھر ادھر اڑتا پھرتا ہے۔ لغت میں مضطربانہ حرکت کو مَوْرٌ کہا جاتا ہے یہ آسمان کی اس اضطرابی حرکت کی طرف اشارہ ہے جو قیامت کے روز فنا کے وقت ہوگی، قال اهل اللغة۔ مَارَ الشیئُ یمُوْرُ مَوْرًا ای تحرك وجاء وذهب (قرطبی) مورٌ طریق اور راستہ کو بھی کہتے ہیں، طرفہ کا ایک شعر ہے ؎

تُبَارِیْ عِتَاقًا نَاجِیَاتٍ وَاَتْبَعَتْ
وَظِیْفًا وَظِیْفًا فَوْقَ مَوْرٍ مُعَبَّدٍ

ترجمہ: وہ تیز رفتار اونٹوں کا مقابلہ کرتی ہے اور ہموار زمین پر قدم پر قدم اٹھائے چلی جاتی ہے (لسان)

خَوْضٍ : فِیْ خَوْضٍ یَّلْعَبُوْنَ، خوضٌ باطل میں تردد۔ بیہودہ گوئی، باتیں بنانا، گھسنا۔ اصل میں خَاضَ یَخُوْضُ کے معنی ہیں پانی میں گھسنا اور بطور استعارہ سب کاموں میں گھسنے کیلئے اسکا استعمال ہونے لگا ہے۔

یُدَعُّوْنَ : یَوْمَ یُدَعُّوْنَ : جسدن انکو دھکے دیکر ہنکایا جائے گا۔ دَعٌّ سے جمع مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔

الدَّعُّ کے معنی سختی کے ساتھ دھکا دینے کے ہیں اصل میں یہ کلمہ زجر ہے فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ : یہ وہی (بدبخت) ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے دَعَعْتُهٗ اَدُعُّهٗ دَعًّا ای دَفَعْتُهٗ

اِصْلَوْا : اِصْلَوْهَا، گھس جاؤ اس (آگ) میں۔ اِصْلَوْا، صَلْیٌ سے امر کا صیغہ ہے جس کے معنی آگ میں جلنے اور اسمیں جا پڑنے کے ہیں، باب سَمِعَ سے آتا ہے۔

اَلَتْنَا : وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ۔ اور ہم انکے عمل میں کچھ کم نہ ہونے دینگے۔ اَلْتٌ اور اِیْلَاتٌ کے لفظی معنی ہیں کم کرنا (معارف) اَلَتَهٗ یَأْلِتُهٗ اَلْتًا (ض) وَاَلَتَهٗ یُؤْلِتُهٗ اِیْلَاتًا (افعال) وَلَاتَهٗ یَلِیْتُهٗ لَیْتًا، کُلُّهَا اِذَا نَقَصَهٗ (قرطبی)

مَنُوْنِ : نَتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ۔ ہم تو انکے بارے میں موت کے حادثے کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہاں ریب کے معنی حادثہ اور

گردش کے ہیں اور منُون کے معنی ہیں موت یا دہر و زمانہ، ابن عباس کا قول ہے کہ منون سے مراد موت ہے کا ابن عباس ہی سے روایت ہے کہ لفظ ریب قرآن پاک میں جہاں بھی آیا ہے وہاں شک کے معنی کے لئے آیا ہے، صرف سورۂ طور کی آیت رَيْبَ الْمَنُوْنِ میں لفظ ریب حوادث کے معنی میں ہے مجاہد سے مَنُوْنٌ کے معنی دہر کے منقول ہیں رَيْبَ المنون کا معنی ہوگا حوادث الدہر۔ عربی زبان کے مشہور ادیب اصمعی کا قول ہے کہ مَنُوْن سے مراد لیل و نہار ہیں۔

چونکہ دن رات بھی موت کی طرح انسانی حیات کو کم کرتے اور منقطع کرتے ہیں اسلئے ان کو بھی منُون کہا جاتا ہے۔ منون واحد ہے اسکی جمع نہیں آتی اور مذکر و مؤنث دونوں کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے، حَبْلٌ مَنِيْنٌ: کمزور رسّی اور کمزور غبار کو بھی مَنِيْن کہتے ہیں (قرطبی)

طَاغُوْنَ : اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ، یا یہ لوگ ہیں ہی شریر۔ طاغون، طَاغِیٌ کی جمع ہے بمعنی متمرد، سرکش، شریر، نافرمان طُغیان سے اسم فاعل ہے۔

تَقَوَّلَ : اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ـ ہاں یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے قرآن گھڑ لیا ہے تَقَوَّلَ کے معنی ہیں بناوٹ اور تکلف سے بات بنانے کے ہیں، اسکا اکثر استعمال کذب و افترا پر ہوتا ہے، کہا جاتا ہے تَقَوَّلْتَنِيْ مَالَمْ اَقُلْ: یعنی تو نے مجھ پر ایسی بات لگا دی جو میں نے نہیں کہی اور یہی معنی اَقْوَلْتَنِيْ مَالَمْ اَقُلْ کے ہیں تَقَوَّلَ عَلَيْهِ کے معنی ہیں کَذَبَ عَلَيْهِ: کسی پر افترا باندھنا اور اِخْتَالَ قَوْلًا، ایسی بات کہنا جو ضرر اور نقصان کا باعث ہو، والتَّقَوُّلُ ـ تَكَلُّفُ الْقَوْلِ وانّما يستعمل فِي الكذب فِي غالب الامر (قرطبی)، قَوَّالٌ: بکبکی، بکواسی (منجد)

مُصَيْطِرُوْنَ : اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ یا یہ لوگ حاکم (مجاز) ہیں۔ امام راغب نے لکھا ہے کہ سَطَرَ اور صَطَرَ۔ سَ اور صَ دونوں کے ایک ہی معنیٰ ہیں، یعنی سیدھی لائنوں میں لکھنا۔ یہاں مُصَيْطِرُوْنَ سَطْرٌ سے مُفَيْعِلٌ کے وزن پر اسم فاعل ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ کیا تخلیق سے قبل یہ اپنے نوشتۂ تقدیر کے لکھنے پر مقرر تھے، اور لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ کے معنی ہیں تم ان پر داروغہ نہیں ہو۔ یعنی تم ان پر لکھنے کے لئے مقرر نہیں ہو اور نہ اس چیز کو ثابت کرنے کے ذمہ دار ہو جسکے یہ

متولی بنتے ہیں۔ مُسَیْطِرٌ عَلَیْہِ: کسی پر حفاظت کے لئے سطر کی طرح سیدھا کھڑا رہنا۔ سین اور صاد دونوں سے ایک ہی معنی آتے ہیں۔

سُلَّمٌ : اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ: کیا انکے پاس کوئی سیڑھی ہے۔ سُلَّمٌ: زینہ، سیڑھی سیڑھی کے ذریعہ چونکہ آدمی سلامتی کے ساتھ اوپر پہنچ جاتا ہے اس لئے اسکا نام سُلَّم ہوا۔ اس کی جمع سَلَالِمُ اور سَلَالِیْمُ آتی ہے والسُّلَّمُ مَا یُتَوَصَّلُ بِهٖ اِلَی الْاَمْکِنَةِ الْعَالِیَةِ فَیُرْجٰی بِهِ السَّلَامَةُ (راغب) والسُّلَّمُ ؛ واحد السلالم الَّتِیْ یُرْتَقٰی علیها (قرطبی) زہیر کا ایک شعر ہے ؎

وَمَنْ هَابَ اَسْبَابَ المنایا ینلنه
وان یَرْقَ اَسْبَابَ السَّمَاءِ بِسُلَّم

اور جو موتوں کے ذرائع اور اسباب سے ڈرتا ہے، موتیں اسکو ضرور پکڑ لیتی ہیں، اگرچہ وہ سیڑھی لگا کر آسمانوں کے کناروں کی طرف چڑھ جائے۔

مَغْرَمٍ : فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُوْنَ مَغْرَمٌ، تاوان کو کہا جاتا ہے یہ اسم مصدر ہے، اس مادہ کی تحقیق گزر چکی ہے،

مَكِيْدُوْنَ : هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ، وہ قید اور گرفتار ہونیوالے ہیں، مَکِیْدُوْنَ جمع ہے، واحد مَکِیْدٌ آتی ہے۔ اسم مفعول، مادہ کَیْدٌ ہے مغلوب اور ہلاک ہونیوالے (محلی) حضرت تھانوی نے اسکا ترجمہ کیا ہے مکر کی سزا میں گرفتار، داؤں میں پھنسنے والے۔

مَرْكُوْمٌ : سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ۔ تہ بہ تہ جما ہوا بادل، رُکَمٌ: جما ہوا بادل، اور رُکَامٌ ریت کا ڈھیر ارتکام: نزدیک ہونا، جم کر بیٹھنا، تراکم: تہ بہ تہ ہونا

شرح الفاظ القرآن من سورۃ النجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلنَّجْمِ: وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی قسم ہے ستارے کی جب وہ ڈوبنے لگے، لفظ نجم ستارے کے معنی میں آتا ہے اور ہر ستارے کو نجم کہا جاتا ہے۔ اور ثریا ستارہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو در اصل چند ستاروں کا مجموعہ ہے۔ نجم کی جمع نجوم آتی ہے، یہاں بعض حضرات نے نجم سے مراد مطلق ستارہ لیا ہے، اور بعض حضرات نے ثریا کو اس کا مصداق قرار دیا ہے، اور مفسر مجاہد نے اسکا مصداق قرآن قرار دیا ہے، اور ھویٰ بمعنی نَزَلَ کے لیا ہے یعنی وَالقرآن اذا نَزَلَ چونکہ قرآن نجماً نجماً اترا ہے، اور ایک قول ابن عباس اور مجاہد کا یہ ہے کہ نجم سے مراد ثریا ستاروں کی جماعت ہے، چونکہ عرب لوگ ثریا پر نجم کا لفظ کثرت سے بولتے تھے ایک شاعر نے کہا ہے ؎

احسنَ النَّجمِ فِی السَّمَاءِ الثُّرَیَّا
وَالثُّرَیَّا فِی الارض زینُ النِّسَاءِ

اور بعض حضرات نے شہاب ثاقب کو اسکا مصداق قرار دیا ہے۔

نَجَمَ (ن)، نجوماً کے معنی اصل میں طلوع ہونے کے ہیں۔ نجم کا لفظ کبھی بطور اسم کے استعمال ہوتا ہے اور کبھی مصدر، اسی طرح نجوم کا لفظ کبھی تو قلوب اور جیوب کی طرح جمع ہوتا ہے اور کبھی طلوع اور غروب کی طرح مصدر (راغب قرطبی)

هَوٰی: لفظ ھویٰ ساقط ہونے اور گرنے کے معنی میں آتا ہے (معارف)

وَالْهَوِیُّ: النُّزُوْلُ وَالسُّقُوْطُ (قرطبی) هَوٰی۔ یَهْوِیْ۔ هُوِیًّا، مثل مَضٰی یَمْضِیْ مُضِیًّا، اوپر سے نیچے کی طرف گرنا، اور هَوِیَ یَهْوٰی سَمِعَ سے محبت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

مِرَّةٍ: ذُوْ مِرَّةٍ: پیدائشی طاقتور ذو مرّۃ کے ایک معنی حسین اور پاکیزہ رُو کے بھی کئے گئے ہیں، یعنی ذو منظر حَسَن، حُسن و جمال کے مظہر اتم، ایک معنی ذو مرّۃ کے یہ بھی کئے گئے ہیں کہ عقل و

نظر کے لحاظ سے کامل جس طرح شدید القویٰ کے معنی کئے ہیں قوت جسمانی کے لحاظ سے کامل حضرت مفتی صاحبؒ نے لکھا ہے کہ مِرّۃٌ کے معنی قوت کے ہیں (معارف)

فلانٌ ذُوْ مِرّۃٍ : فلاں طاقتور ہے، یہ ایک محاورہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے لَا تَحِلُّ الصَّدَقَۃُ لِغَنِیٍّ وَلَا لِذِی مِرَّۃٍ سَوِیٍّ : یعنی صدقہ نہ کسی غنی مالدار کے لئے حلال ہے اور نہ ہی طاقتور آدمی کیلئے جو سالم الاعضاء ہو

دَنَا : ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی : پھر قریب اور آگے بڑھے۔ الدُّنُوُّ کے معنی قریب ہونے کے ہیں اور قرب ذاتی اور حکمی کے لئے بھی آتا ہے اور مکانی و زمانی اور قرب بلحاظ مرتبہ کے بھی۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی میں قرب حکمی مراد ہے، اور اسی سے لفظ ادنیٰ ہے جو کبھی بمعنی اصغر کے ہوتا ہے اسوقت یہ اکبر کے مقابل ہوتا ہے جیسے قرمایا وَلَا اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ، اور نہ کم اس سے نہ زیادہ (راغب)

تَدَلّٰی : فَتَدَلّٰی کے لفظی معنی ہیں لٹک گیا۔ مراد جھک کر قریب ہوجانا ہے (معارف) دَلَوْتُ الدَّلْوَ کے معنی ہیں کنویں میں ڈول ڈالنا، اور اَدْلَيْتُهَا کے معنی ڈول بھر کر نکالنے کے بھی آتے ہیں اور ڈول کو کنویں میں لٹکانے اور ڈالنے کے بھی آتے ہیں، جیسا کہ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ پھر یہیں سے استعارہ کے طور پر کسی چیز تک پہنچنے کے لئے ذریعہ بنانا بھی آجاتے ہیں جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے ؎

وَلَيْسَ الرِّزْقُ عَنْ طَلَبٍ حَثِيْثٍ
وَلٰكِنْ اَلْقِ دَلْوَكَ فِي الدِّلَاءِ

رزق جہد و مشقت سے حاصل نہیں ہوتا، ہاں تمہیں اس کے لئے وسائل تلاش کرنے چاہئیں اور یہی مادہ جب باب تفعل میں جاتا ہے تو معنی کسی چیز کی طرف اُترنے اور قریب ہونے کے دیتا ہے، وَاَصْلُ التَّدَلِّیْ النُّزُوْلُ اِلَی الشَّیْءِ حَتّٰی یَقْرُبَ مِنْهُ (قرطبی)

قَابَ : فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ قَابَ : کمان کی لکڑی جہاں دستہ پکڑنے کا ہوتا ہے اور اسکے مقابل کمان کی ڈور (تانت) ہوتی ہے۔ ان دونوں کے درمیانی فاصلہ کو قابؔ کہا جاتا ہے جسکا اندازہ تقریباً ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہے، قَابَ قَوْسَيْنِ، یعنی دو کمانوں کی قاب فرمانے کی وجہ عرب کی ایک خاص عادت ہے، کہ دو آدمی اگر آپس میں معاہدہ صلح اور

دوستی کا کرنا چاہیئے تو جیسی ایک علامت ہاتھ پر ہاتھ مارنے کی معروف و مشہور ہے، اسی طرح دوسری علامت جس سے دوستی کا مظاہرہ کیا جاتا تھا یہ تھی کہ دونوں شخص اپنی اپنی کمانوں کی لکڑی تو اپنی طرف کر لیتے اور کمان کی ڈور دوسرے کی طرف، اس طرح دونوں کمانوں کی ڈوریں آپس میں مل جائیں تو باہمی قرب و مودّت کا اعلان سمجھا جاتا تھا، اس قرب کے وقت دونوں شخصوں کے درمیان دونوں کمانوں کے قاب کا فاصلہ رہتا تھا یعنی تقریباً دو ہاتھ اس کے بعد ادنیٰ کہہ کر یہ بتایا کہ قرب و اتصال عام رسمی اتصال کی طرح نہ تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ تھا (معارف)

والقاب: مابین المقبض والسِّیَۃ (قرطبی)

تُمٰرُوْنَہٗ: اَفَتُمٰرُوْنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰی

تو کیا ان (پیغمبر) سے ان چیزوں میں نزاع کرتے ہو جو ان کی دیکھی ہوئی ہیں۔ تُمٰرُوْنَ مُمَارَاۃٌ سے مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے، تُمٰرُوْنَہٗ تم اس سے جھگڑتے ہو، تم اسکے متعلق شک کرتے ہو۔

سِدْرَۃٌ: عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَہٰی،

سدرۃ المنتہیٰ کے قریب، سدرۃ کے لغطی معنی بیری کے درخت کے ہیں اور سدرۃ المنتہیٰ اصطلاح میں وہ بیری کا درخت ہے جو چھٹے یا ساتویں آسمان پر ہے یا ان دونوں پر ہے۔ چھٹے پر اس کی جڑ ہو اور ساتویں پر شاخیں۔ گویا اس عالم اور اس عالم کے درمیان نقطہ اتصال ہے، عالم بالا سے جتنے احکام صادر ہوتے ہیں وہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہلے آتے ہیں اور پھر ملائکہ وہاں سے زمین پر لاتے ہیں۔ اس طرح جو اعمال یہاں سے اوپر کی طرف صعود کرتے ہیں پہلے سدرۃ المنتہیٰ تک جاتے ہیں پھر وہاں سے اوپر اُٹھا لئے جاتے ہیں (ماجدی)

سَدِرَ: وہ متحیر ہوا، سخت گرمی کی وجہ سے اُسے کچھ دکھائی نہ دیا۔ السَّادِرُ: وہ جو شدتِ گرمی کی وجہ سے پریشان ہو۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس مادے میں حیرت و اضطراب کا مفہوم بنیادی ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟ انسانی فہم وادراک کی آخیر حد۔ یہ وہ مقام ہے جہاں نبی آخر الزماں صلے اللہ علیہ سلم کو ذاتِ باری نے شرفِ ہمکلامی اور نعمائے صمدانی سے مخصوص فرمایا گیا۔

زَاغَ: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی:

نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی۔

زَاغَ، زَیْغٌ سے مشتق ہے جسکے معنی ٹیڑھا پن

یا بے راہ ہوجانا، اور طغی طغیان سے مشتق ہے جس کے معنی حد سے تجاوز کر جانے کے ہیں، مراد ان دونوں لفظوں سے یہ بیان کرنا ہے کہ بعض اوقات انسان کی نظر بھی خطا کر جاتی ہے خصوصاً جبکہ وہ کوئی عجیب غیر معمولی واقعہ دیکھ رہا ہو، اس شبہ کے جواب میں قرآن نے دو لفظ استعمال فرمائے ہیں کیونکہ نظر کی غلطی دو وجہ سے ہوسکتی ہے، ایک یہ کہ جس چیز کو دیکھنا چاہتا تھا نظر اس سے ہٹ کر دوسری طرف چلی گئی - لفظ ما زاغ سے اس قسم کی غلطی کی نفی کی گئی ہے - دوسری وجہ نظر کی غلطی کی یہ ہوسکتی ہے کہ پڑی تو اسی چیز پر جسکو دیکھنا مقصود تھا، مگر اسکے ساتھ وہ ادھر اُدھر کی دوسری چیزوں کو بھی دیکھتی رہی، اس میں بھی بعض اوقات التباس ہوجانے کا خطرہ ہوجاتا ہے، اس قسم کی غلطی کے لئے مَا طَغٰی فرمایا (معارف)

قال ابن عباس : مَا عَدَلَ یَمِیْنًا وَّلَا شِمَالًا وَلَا تجاوز الحدّ الذی رأی (قرطبی)

اَللّٰتَ : اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی، دورِ جاہلیت میں قبیلہ ثقیف یا بقول ابن اسحاق بنی مغیث کا ایک چوکوشہ پتھر طائف میں جو معبود سمجھا جاتا تھا اس کے نام کا مندر بھی قائم تھا، قریش اور دوسرے قبائل عرب اس کی پوجا کرتے تھے وجہ تسمیہ کے متعلق ابن عربی نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ایک عجیب روایت بیان کی ہے، کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ گذشتہ زمانے میں ایک آدمی قبیلہ بنی ثقیف کے محلہ میں کسی پتھر پر بیٹھ کر حاجیوں کے ہاتھ گھی بیچا کرتا تھا - حاجی ستوؤں میں گھی ملا کر کھاتے تھے لغت میں لَتٌّ کے معنی ہیں ملانا، آمیز کرنا، اور لَتٌّ سے لاتٌّ اسم فاعل کا صیغہ ہے، یعنی ستوؤں میں گھی ملانے والا - کچھ مدت کے بعد یہ آدمی مرگیا، جب چند روز لوگوں نے اس کو پتھر پر نہ دیکھا تو ایک دوسرے سے معلوم کیا - عمرو بن لحی بولا کہ وہ تو تمہارا رب تھا یعنی پالنے والا، وہ مرا نہیں وہ اس کے نیچے غائب ہوگیا ہے - یہ سُنکر لوگوں نے اس پتھر کی پوجا شروع کردی اور اس کا نام لات رکھدیا - الف لام داخل کرنے کے بعد لات، اَللّٰتّ ہوگیا اور کثرت استعمال کی وجہ سے حرف تا کی تشدید ساقط ہوگئی اور اللّٰت بن گیا -

اسلامی دَور میں جب بُت پرستی کی ممانعت ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان

اور مغیرہ بن شعبہ کو حضرت خالد بن ولید کی
زیر قیادت لات کو توڑنے اور اسکے دربار
کو منہدم کرنے کے لئے بھیجا ۔ حضرت خالدؓ
نے جاکر بُت کو توڑا اور مندر کو گراکر آگ
لگادی، اس مندر سے کچھ سونا چاندی وغیرہ
بھی نکلا جو انھوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ
کی خدمت میں پیش کر دیا اور حضورؐ نے اُسی
روز مسلمانوں میں تقسیم فرمادیا ،
جب قبیلہ بنی ثقیف کی عورتوں کو معلوم
ہوگیا کہ ان کا قدیم خدا اور اسکا دربار توحید
کی آگ میں جل کر راکھ ہوگیا تو روتی پیٹتی
سروں پر خاک ڈالتی ہوئی باہر نکلیں تو شداد
بن عارض جشمی شاعر نے قبیلہ ثقیف کو اسکی
دوبارہ بندگی کرنے سے روکتے ہوئے کہا سه

لَا تَنصُرُوا اللَّاتَ اِنَّ اللهَ مُهْلِكُهَا
وَكَيْفَ نَصْرُكُمْ مَن لَيْسَ يَنْتَصِرُ
اِنَّ الَّتِي حُرِّقَتْ بِالنَّارِ فَاشْتَعَلَتْ
وَلَمْ تُقَاتِلْ لَدَى اَحْجَارِهَا هَدَرٌ

لات کی حمایت نہ کرو، حقیقت میں اللہ تعالے
اسکو ہلاک کرنے والا ہے، جو خود اپنی حمایت
نہیں کرسکتا وہ تمہاری مدد کیسے کرسکتا ہے،
جس (بُت) کو آگ میں جلا دیا گیا، اور وہ
بھڑک اٹھا، اپنے پتھروں کے پاس نہ ٹھہر سکا
اس کی بربادی ناقابلِ معاوضہ ہے، لات کا
یہ پتھر اس مقام پر تھا جہاں اب مسجد طائف
ہے، اسکے بائیں منارہ پر یہ نصب تھا، (قرطبی)
امام ابن جریر طبری کی تحقیق یہ ہے کہ یہ اللہ
کی تانیث ہے یعنی اصل میں یہ اَللّٰهَةٌ تھا
جو اللات بن گیا ۔ امام کے الفاظ یہ ہیں ۔
وَهِيَ مِنَ اللهِ، اُلْحِقَتْ فِيهِ التَّاءُ فَاُنِّثَتْ
یعنی لات، اللہ سے ماخوذ ہے۔ آخر میں تائے
تانیث لاحق کرکے مؤنث بنایا گیا ہے، اور
یہ ایسا ہی ہے جیساکہ عَمْرٌو مذکر کے لئے اور
عمرة مؤنث کے لئے، (ابن جریر)
علامہ زمخشری کے نزدیک لَوی، یلوِیْ سے
فَعْلَةٌ کے وزن پر ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ
لوی یلوی کے معنی ہیں مڑنا اور کسی کی طرف
رجوع کرنا۔ چونکہ مشرکین عبادت کے لئے
اس کی طرف رجوع کرتے تھے اور اسکا طواف
کرتے تھے اس لئے اس کو لات کہا جانے
لگا، وَهِيَ فَعْلَةٌ مِنْ لَوَى - لِاَنَّهُمْ كَانُوا
يَلْوُوْنَ عَلَيْهَا وَ يَعْكِفُوْنَ لِلْعِبَادَةِ (کشاف)
وَفِي الصِّحَاحِ - اللَّاتُ اِسْمُ صَنَمٍ كَانَ
لِثَقِيْفٍ وَكَانَ بِالطَّائِفِ (قرطبی)
وقال ابن منظور صاحب لسان العرب
واللاتُ، فيما زعم قوم من اهل اللغة

میں نے دیکھ لیا ہے کہ اللہ نے تجھے ذلیل کر دیا
امام نسائیؒ حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ
سے روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن
ولیدؓ کو نخلہ کی جانب روانہ فرمایا، عزیٰ
دیبی وہیں تھیں، چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ
وہاں پہنچے تو اس مقام پر ببول کے تین درخت
تھے آپ نے ان سب کو کاٹ ڈالا اور اس
مٹھ کو گرا دیا جو اس پر بنا تھا، پھر حضور
اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر
ہو کر اس کی اطلاع دی تو آپؐ نے فرمایا
واپس جاؤ تم نے تو کچھ نہیں کیا۔ حضرت
خالدؓ واپس لوٹے تو پجاریوں نے انکو آتے
دیکھ کر عزیٰ کی جے پکاری اور پہاڑ کے اندر
جا گھسے۔ اب حضرت خالد نے یہاں ایک عجیب
منظر دیکھا کہ ایک سیاہ فام عورت بالکل برہنہ
بال بکھرے ہوئے اور سر پر خاک اڑا رہی ہے
آپؓ نے تلوار اس کے جسم میں اتار دی اور اسکو
قتل کر دیا۔ اب واپسی پر جب حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آپؐ نے فرمایا کہ عزیٰ
یہی تھی (لغات القرآن، ابن کثیر، قرطبی وغیرہ)

مَنٰوۃَ : وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى :
مولانا عبد الماجد دریا بادی فرماتے ہیں کہ
لات مناۃ عزیٰ، یہ تینوں مشرکین عرب
کے مشہور بت تھے۔ اللات عرب کی مشہور
قدیم دیوی تھی۔ نباطی کتبات تک میں اسکا
نام موجود ہے۔ یہ سورج دیوتا کی مظہر تھی
اور قبیلہ ثقیف کی دیوی تھی۔ اسکا بت
طائف میں نصب تھا۔ اور حال میں اسکو
سیاحوں نے دیکھا ہے۔ العزیٰ، یہ طاقت
و قوت کی دیوی تھی جیسے ہندوستان میں
درگا دیوی اور روما اور یونان کی زہرہ دیوی
کی قائم مقام ظہور اسلام سے قبل عربوں میں
اسکا سب سے زیادہ شہرہ تھا، اسکا بت
مقام نخلہ میں نصب تھا اور یہ دیوی قبیلہ
غطفان کی تھی۔
منات : یہ دیوی تقدیر کی حکمراں تھی،
اسکا بت قدید میں نصب تھا، مدینہ کے
اوس و خزرج والے اسکے زیادہ معتقد تھے
عجب نہیں کہ تحقیقات کے بعد اسکا تعلق
ہندوستان کے مشہور سومنات مندر سے
بھی ثابت ہو جائے (ماجدی)
مقام قدید میں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان
ہے نصب تھا۔ قبیلہ خزاع کا بت تھا جو
ایک عورت کی شکل پر تھا، بعض کا قول ہے
کہ لات، عزیٰ اور مناۃ یہ تینوں خانہ کعبہ

میں نصب تھے۔ علامہ بغوی نے یہ اقوال نقل کئے ہیں۔

ضِیْزٰی : تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰی

یہ بڑی بے ڈھنگی تقسیم ہے۔ ضِیْزٰی، ضَوْزٌ سے مشتق ہے جس کے معنی ظلم کرنے اور حق تلفی کرنے کے ہیں، اسی لئے ابن عباس نے اس کے معنی ظالمانہ تقسیم کے کئے ہیں۔ ضِیْزٰی بہت بھونڈی، بہت ناقص۔ شیخ سلیمان جمل نے علامہ سمین کا قول نقل کیا ہے کہ اسمیں ایک احتمال تو یہ ہوسکتا ہے کہ ضیزیٰ مشتق ہو ضَازَ یَضِیْزُ سے، جسکا استعمال بیدار کرنے اور ستم ڈھانے میں ہوتا ہے۔ تو ضِیْزٰی کے معنی ہوئے ظالمانہ نامنصفانہ اس صورت میں دو وجہوں کا احتمال ہے ایک یہ کہ یہ صفت ہو بروزن فُعْلٰی بالضم۔ اور حرف فار کو کسرہ اس لئے دیا گیا کہ حرف یار سلامت رہے، جیسا کہ بِیضٌ میں ہوا ہے کہ بِیضٌ اصل میں اَبْیَضُ کی جمع ہے۔ جیسا کہ سُوْدٌ اَسْوَدُ کی جمع ہے اس کی یار پر اصل میں ضمہ تھا مگر یار کے سلامت رکھنے کے لئے ضمہ کو کسرہ سے تبدیل کر دیا گیا۔ فار کلمہ پر ضمہ مقدر ماننے کی ضرورت اسلئے پیش آتی ہے کہ سیبویہ جیسے نحاۃ کا قول ہے کہ کلام عرب میں فِعْلٰی (بکسر الفار) صفت کا صیغہ نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ضِیْزٰی مصدر ہو۔ چنانچہ کسائی کا قول ہے کہ ذَكَرَ یَذْكُرُ ذِكْرٰی کی طرح ضَازَ یَضِیْزُ ضِیْزٰی بھی بولا جاتا ہے۔ دوسرا ایک احتمال یہ ہے کہ ضِیزٰی اصل میں ضَأَزَ، یعنی مہموز العین ہو اور اسکے ہمزہ میں تخفیف کر دی گئی ہو۔ ضَازَ یَضِیْزُ اجوف ہے اور ضَأَزَ مہموز ہے۔ اجوف ضرب سے ہے اور مہموز فتح سے معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔

ضَازَ فِی الحکم ای جَارَ۔ وضَازَ حَقَّهٗ یضِیزہ۔ ضیزًا ای نَقَصَهٗ وبَخَسَهٗ (قرطبی جمل)

الظَّنَّ : اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ

لفظ ظن عربی زبان میں مختلف معانی کے لئے بولا جاتا ہے۔ ایک معنی یہ بھی ہیں کہ بے بنیاد خیالات کو ظن کہا جاتا ہے، آیت میں یہی مراد ہے اور یہی مشرکین مکہ کی بت پرستی کا سبب تھا، اسی کے ازالہ کے لئے یہ فرمایا گیا ہے، دوسرے معنی ظن کے

وہ ہیں جو یقین کے بالمقابل آتے ہیں۔ یقین کہا جاتا ہے اس علمِ قطعی مطابق للواقع کو جس میں کسی شک و شبہ کی راہ نہ ہو، جیسے قرآنِ کریم اور احادیث متواترہ سے حاصل شدہ علم۔ اس کے مقابل ظن اس علم کو کہا جاتا ہے جو بے بنیاد خیالات تو نہیں دلیل کی بنیاد پر قائم ہیں مگر دلیل اس درجہ قطعی نہیں جس میں کوئی دوسرا احتمال ہی نہ رہے جیسے عام روایات حدیث سے ثابت ہونے والے احکام، اسی لئے قسم اول کے احکام کو قطعیات اور یقینیات کہا جاتا ہے، اور دوسری قسم کو ظنیات، اور یہ ظن میں معتبر ہے، قرآن و حدیث میں اس کے معتبر ہونے کے شواہد موجود ہیں اور تمام اُمت کے نزدیک واجب العمل ہے۔ آیت کریمہ میں ظن کو جو ناقابل اعتبار قرار دیا گیا ہے اس سے مراد ظن بمعنی بے بنیاد اور بے دلیل خیالات ہیں۔ (معارف)

اَللَّمَمُ : اِلَّا اللَّمَمَ : لَمَمٌ اور اِلْمَامٌ وہ معصیت ہے جو کبھی کبھی اتفاقاً سرزد ہو جائے۔ یقالُ فلانٌ یفعَلُ کذا لمَّا ای حِیناً بعد حینٍ (راغب) لَمَمٌ کی تفسیر میں صحابہ اور تابعین سے دو قول منقول ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں جنکو سورۂ نساء میں سیئات فرمایا ہے۔ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ یہ قول ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ کا ہے۔ جن کو ابن کثیر نے نقل کیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ گناہ ہے جو انسان سے اتفاقی طور پر سرزد ہو جائے اور پھر اس سے توبہ کرلے اور توبہ کے بعد اس کا ارتکاب نہ کرے یہ قول حافظ ابن کثیر نے ابن جریرؒ سے نقل کیا ہے۔

اَجِنَّةٌ : یہ جَنِیْنٌ کی جمع ہے، بچّہ جب تک ماں کے پیٹ میں رہتا ہے اسکو جنین کہا جاتا ہے۔ یہ اصل مادہ جَنٌّ سے ہے جس کے معنی میں اخفاء اور پوشیدگی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس غیر مولود بچے کو جنین اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ ماں کے پیٹ میں مخفی ہوتا ہے۔ جمع جنین وھو وَلَدٌ مَا دَامَ فِی البطن، سُمّیَ جَنِیْناً لِاجْتِنَانِهٖ واسْتِتَارِهٖ (قرطبی)

اَكْدٰى : كُدْيَةٌ سے ماخوذ ہے، كُدْيَةٌ، اُس پتھر کو کہا جاتا ہے جو کوئی کنواں یا بنیاد کھودتے وقت زمین سے

نکل آئے اور کھدائی کے لئے رکاوٹ بنجائے
اس لئے اَکْدٰی کے معنی یہ ہونگے کہ کچھ دیا
پھر دینے سے رُک گیا (معارف)
واصل اَکْدٰی مِنَ الْکُدْیَۃِ یُقَالُ لِمَنْ
حَفَرَ بِئْرًا ثُمَّ بَلَغَ اِلَی حَجَرٍ لَا یَتَھَیَّأُ لَہٗ
فِیْہِ حَفْرٌ: قَدْ اَکْدٰی (قرطبی)

لَیْسَ : یہ افعال ناقصہ میں سے ہے
فعل ماضی کا معنی دیتا ہے اور گردان بھی
صرف ماضی تک محدود ہے ۔ دوسرے
افعال کا اشتقاق اس سے نہیں ہوتا مثلاً
مضارع ، امر ، نہی ، فاعل ، مفعول وغیرہ
اس سے نہیں آتے اس لئے غیر منصرف کہلاتا
ہے اس کی اصل لَیِسَ بکسر الیاء ہے ۔
تخفیفاً حرف یاء کو ساکن کر لیا گیا ہے ۔
لَیْسَ عدمی معنی دیتا ہے یعنی چیز کی نفی
کرتا ہے ۔ محدثین کہتے ہیں ، لَیْسَ بِذَالِكَ
یہ راوی قوی نہیں ہے ۔ اور جب اس سے
قبل ہمزہ داخل ہو یعنی اَلَیْسَ پڑھا جائے
تو معنی وجود شئی کے دیتا ہے جیسے اَلَیْسَ
اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ : یعنی اللہ تعالیٰ
سب سے بڑا حاکم ہے ۔ بعض حضرات نے
اس کی اصل لَا اَیْسَ قرار دی ہے ۔ ہمزہ
کو ثقل کی وجہ سے گرا دیا ہے ۔ پھر لَا کے
الف کو التقائے ساکنین کی وجہ سے گرا کر
لَامْ کو یاء کے ساتھ ملا کر لکھا گیا ہے ،
عرب کا محاورہ ہے ، جِئْ بِہٖ مِنْ حَیْثُ
اَیْسَ وَلَیْسَ : یعنی ہو یا نہ ہو مجھے لا کے
دے ۔ یہ کَانَ کی طرح اسم کو رفع اور
خبر کو نصب کرتا ہے جیسے لَیْسَ زَیْدٌ قَائِمًا
لیکن دوسرے افعال ناقصہ کی خبر کو اسم
پر مقدم کر سکتے ہیں جبکہ لَیْسَ میں ایسا
کرنا درست نہیں ۔

یہ جملہ فعلیہ پر بھی داخل ہوتا ہے ، جیسے
لَیْسَ یَقُوْمُ زَیْدٌ ، اور مبتدا ، خبر یعنی
جملہ اسمیہ پر بھی داخل ہوتا ہے ، جیسے
لَیْسَ زَیْدٌ قَائِمًا ۔ خبر میں تاکید نفی
کے لئے حرف باء بھی داخل کرتے ہیں
جیسے لَیْسَ اللّٰہُ بِظَالِمٍ : اللہ بالکل
ظالم نہیں ہے ۔

لَیْسَ کو معنی اِلَّا حرف استثناء کے استعمال
کرتے ہیں ۔ جیسے اَتَانِی الْقَوْمُ لَیْسَ
زَیْدًا : اس صورت میں اسکا اسم اسی
میں مضمر ہوتا ہے ۔ حدیث میں ہے کُلُّ
مَا اَنْھَرَ الدَّمَ وَذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ
عَلَیْہِ فَکُلْ لَیْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ
ای اِلَّا السِّنَّ وَالظُّفُرَ ، بخاری نے

اس کو کتاب الذبائح کے تحت ذکر کیا ہے۔
ایک حدیث میں ہے ماوصف لی اَحَدٌ فِی الجاھلیۃِ فَرَأیتُہٗ فِی الاسلام اِلاَّ رَأیتُہٗ دُوْنَ الصِّفَۃِ لَیْسَکَ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید خیل کو فرمایا کہ میرے سامنے زمانۂ جاہلیت میں جن لوگوں کی خوبیاں بیان کی جاتی تھیں اسلام کے بعد سوائے تیرے سب سب کو بیان کردہ صفتوں سے کم پایا، اس روایت میں غرابت ہے اور وہ یہ کہ لَیْسَ کے ساتھ لاحق ہونے والی ضمائر منفصل ہوتی ہیں جیسا کہ لَیْسَ اِیَّایَ وَاِیَّاکَ، لیکن لَیْسَکَ میں کاف ضمیر متصل ہے۔

اَلْکَیِّسُ: شجاع، بہادر، اپنی جگہ سے نہ ہٹنے والا (لسان، نہایہ، معجم وبسط)

سَوْفَ (حرف تسویف) یہ حرف ہے جو معنی مضارع کو معنی حال سے مجرد کر کے معنیٰ استقبال کے لئے خاص کر دیتا ہے۔ (اسی لئے اسے حرف استقبال بھی کہتے ہیں) چنانچہ قرآن میں ہے، سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَکُمْ رَبِّیْ (۲-۹۸) میں اپنے پروردگار سے تمہارے لئے بخشش مانگوں گا اور آیت فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (۶-۳۶) عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا میں متنبہ کیا ہے کہ جس بات کا وہ مطالبہ کرتے ہیں اگرچہ فی الحال وہ حاصل نہیں ہے لیکن وہ لامحالہ ہو کر رہے گی اور اس میں مُمَاطلۃ (ٹال مٹول) اور تاخیر کے معنی پائے جاتے ہیں، اور چونکہ وعدہ کرنیوالا سَوْفَ اَفْعَلُ کذا کا محاورہ استعمال کرتا ہے اسلئے التسویف (تفعیل) کے معنی ٹال مٹول کرنا بھی آ جاتے ہیں۔

اَلسَّوْفُ (ن) کے معنی مٹی یا بول کی بو سونگھنے کے ہیں۔ پھر اس سے اس ریگستان کو جس میں راستہ کے نشانات مٹے ہوئے ہوں اور قافلہ کا رہنما اس کی مٹی سونگھ کر راہ دریافت کرے اسے مَسَافَۃٌ کہا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے (رجز) اذا الدلیل استاف اخلاق الطُّرق (جب رہنما بے نشان راستوں پر سونگھ سونگھ کر چلے) السُّوَافُ، اونٹوں کے ایک مرض کا نام جس کی وجہ سے وہ مرنے کے قریب ہو جاتے ہیں اور اس مرض کو سُوَافٌ یا تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اس سے موت کی بو سونگھ لیتے ہیں یا موت ان کو سونگھ لیتی ہے اور یا اس لئے کہ اس سے جلد ہی ان کو موت آ جاتی ہے (مفردات)

تُمْنٰی: مِنْ نُّطْفَۃٍ اِذَا تُمْنٰی، تُمْنٰی مَنِیٌّ سے ماخوذ ہے جسکے معنی مقدر کرنے

ٹپکانے آزمانے اور منی کے باہر آجانیکے ہیں
مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے۔

نَشْأَة : وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى
اور یہ کہ اس کے ذمہ ہے دوسری دفعہ اُٹھانا
نَشْاَةٌ : اسم بمعنی پیدائش اور نَشَاَة
مصدر بھی ہے بمعنی پیدا ہونا، تَنْشِئَةٌ
(تفعیل) پرورش کرنا، آیت میں نَشْاَة
سے مراد مرنیکے بعد دوبارہ اُٹھانا ہے۔ ای
اعادۃ الارواح فی الاشباح للبعث (قرطبی)

اَغْنٰی : غناءٌ کے مشہور معنی مالداری کے
ہیں اور اِغْنَاءٌ کے معنی ہیں مالدار بنانا، کُلّی
طور پر غنا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے،
جیسا کہ ارشاد ہے وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ

اَقْنٰی : یہ قِنْيَةٌ سے مشتق ہے جسکے معنی
محفوظ اور ریزرو سرمایہ کے ہیں۔ مراد آیت
کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو مالدار اور
غنی بناتا ہے، وہی جسکو چاہتا ہے اتنا سرمایہ
دیتا ہے کہ اسکو محفوظ رکھ سکے (معارف)
اَقْنٰی بمعنی اَرْضٰی کے بھی آتا ہے، یعنی کسی
کو راضی کر دینا۔ قَنِيَ الرجل يَقْنٰى قِنًى
غَنِيَ يَغْنٰى غِنًى کی طرح (س) سے آتا ہے
اَقْنَاهُ اللّٰه : اللہ نے اسکو راضی کر دیا، اور
اَلْقِنٰى : الرضا کے معنی میں آتا ہے اس کی
مزید تشریح سورۂ انعام کی آیت ۹۹ لفظ قنوانٌ
کے تحت دیکھیں۔

اَلشِّعْرٰى : اِنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى :
اور یہ کہ وہی پروردگار ہے شعریٰ کا بھی۔
شعریٰ سے مراد مطلق ستارہ بھی ہو سکتا ہے
لیکن شعریٰ یہاں شعرائے یمانی نام تارہ جوزا
کا ہے علماءِ ہیئت کی تحقیق میں یہ آسمان کا
روشن ترین ستارہ ہے، اس کی پرستش نہ
صرف عربوں میں بلکہ متعدد قدیم مشرک
جاہل قوموں مصریوں، یونانیوں، رمیوں وغیرہ
میں کثرت و شدت سے ہوتی رہی ہے (ماجدی)
ذوالشعریٰ کی مورتی ایک چوکور سیاہ پتھر کی تھی
اور زمین سے چار فٹ بلند اور ۲ فٹ چوڑی
زمین پر نصب تھی۔ مغربی محققین کا بیان ہے
کہ الحجر کے نباطی عہد کے کتبوں میں اس دیوی کا
نام منات دیوی کیساتھ ملتا ہے (ماجدی)

مُؤْتَفِكَة : وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۔
مؤتفکۃٌ کے معنی مؤتلفۃٌ کے ہیں یہ چند
بستیاں اور شہر متصل تھے، حضرت لوطؑ
انکی طرف مبعوث ہوئے نافرمانی کی سزا میں الٹ
دی گئیں۔
مُؤْتَفِكَةٌ اِئْتِفَاكٌ (افتعال) سے اسم فاعل
مؤنث کا صیغہ ہے، اصل مادہ اِفْك ہے۔

تَتَمَارٰی : تماری کے معنی جھگڑا نے اور مخالفت کرنیکے ہیں یہ باب تفاعل کے مصدر تمارِیٌ سے واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے۔

اَزِفَتْ : اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ، اَزِفَ بمعنی قُرْب کے آتا ہے (معارف)

سٰمِدُوْنَ : وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ سمود کے لغوی معنی غفلت اور بے فکری کے ہیں۔ سامِدُوْن بمعنی غافلوں کے ہے اور ایک معنی سمود کے گانے بجانے کے بھی آتے ہیں وہ اس جگہ مراد ہوسکتے ہیں (معارف) سُمود کے معنی کھیلنے اور حیرت میں کھڑے رہ جانے کے بھی آتے ہیں۔

ابن درید نے تصریح کی ہے کہ یہ یمانی لغت ہے اور عبدالرزاق بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسکے معنی گانے کے نقل کرتے ہیں۔ عکرمہ کا بیان ہے کہ اہل یمن کی زبان میں بمعنی تغن (تو گا) کہنا چاہیگا تو اس کیلئے وہ اُسمد بولیگا اور امام بخاری اپنی صحیح میں عکرمہ سے ناقل ہیں کہ سامدون کے معنی حمیری زبانمیں گانے والوں کے لئے ہیں نیز عبدالرزاق نے ایک اور طریق سے عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسکے معنی کھیل کرنے والوں کے اور بروایت معمر قتادہ سے غافل ہونے والوں کے روایت کئے ہیں اور بعض حضرات نے اسکے معنی رو گردانی کرنیوالوں کے بھی کئے ہیں، علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں کئی اقوال اور بھی نقل کئے ہیں یَسْمُدُ سَمَدَ سُمُوْدًا : تکبر سے سر اُٹھائے رکھنا۔ سَمَدَتِ الابلُ فی سیرھا : اونٹ تیز چلتے ہوئے گردنیں اُٹھا کے آگے نکل گئے السَّامِد : غافل، متکبر، کھلنڈرا، بے خبر

شرح الفاظ القرآن من سورۃ القمر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُسْتَمِرٌّ : مستمر کے مشہور و معروف معنی جو فارسی اُردو میں بھی استعمال ہوتے ہیں وہ دیر تک اور دائم رہنے کے ہیں مگر عربی زبان میں یہ لفظ مَرَّ اور اِسْتَمَرَّ کبھی گزر جانے اور ختم ہو جانے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ائمہ تفسیر میں سے مجاہد اور قتادہ نے اس جگہ یہی معنی بیان کئے ہیں، اس پر مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ یہ جادو کا اثر ہے جو دیر تک نہیں چلا کرتا خود ہی گزر جائیگا اور ختم ہو جائے گا، اور ایک معنی مستمر کے قوی اور شدید کے بھی آتے ہیں۔ ابوالعالیہ اور ضحاکؒ نے اس آیت میں مستمر کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ مراد یہ ہوگی کہ یہ بڑا قوی جادو ہے جو سر چڑھ کے بولتا ہے۔ مَرَّ الشَّیْءُ واِسْتَمَرَّ کے معنی ہیں چیز گزر گئی۔ اور ابوالعالیہ اور ضحاک نے جو قوت و شدّت کے معنی بیان کئے ہیں تو انکے نزدیک یہ مِرَّۃٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنی قوت اور شدّت کے ہیں۔ جیسا کہ ذو مِرَّۃٍ کے تحت اسکی وضاحت ہو چکی ہے (قرطبی) اخفش کا قول ہے کہ یہ اِمرار الحبل سے ماخوذ ہے جس کے معنی رسّی کو مضبوط بانٹنے کے ہیں۔ اَمْرَرْتُ الحبلَ : میں نے رسّی کو مضبوط بانٹا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مُسْتَمِرٌّ، مَرَارَۃٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنی تلخی کے ہیں۔ محاورہ ہے فلانٌ مَا یُمِرُّ وَمَا یُحْلِیْ : یعنی فلاں نہ تو میٹھا ہے اور نہ ہی کڑوا نہ اس سے کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی نقصان ہے، مطلب یہ ہوگا کہ یہ جادو تو بڑا تلخ ہے جو اپنا اثر رکھتا ہے۔

سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ : ای شدید قویٌّ۔ وھو مِنَ الْمِرَّۃِ مَاْخوذ۔ والمِرَّۃُ: القُوَّۃُ یقال: اِسْتَمَرَّتْ مَرِیْرَتُہٗ ویقال ھو مِنَ المَرَارَۃِ یقالُ اَمَرَّ الشَّیْءُ وَ اسْتَمَرَّ : اذا صار مُرًّا۔ غریب القرآن ابن قتیبۃ: الطبری ۵۲ ج ۲۷ والنھایۃ ۸۹ ج ۴

مُسْتَقِرٌّ : وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ اور ہر کام ٹھہرا رکھا ہے وقت پر، استقرار

کے لغوی معنی قرار پکڑنے کے ہیں۔ مفہوم آیت کا یہ ہے کہ ہر کام اور ہر چیز اپنی غایت پر پہنچ کر آخر کار صاف ہو جاتی ہے۔ کسی جعل سازی سے جو پردہ حقیقت پر ڈالا جاتا ہے وہ انجام کار کھل کر رہتا ہے، اور حق کا حق اور باطل کا باطل واضح ہو جاتا ہے۔

نُكُرٍ : شَیْءٍ نُّكُرٍ : ناگوار چیز، نامرغوب، انجان چیز۔ نُكُرٌ، اسم ہے بمعنی منکر کے مراد حساب ہے جنکی سختی اور ہول کی وجہ سے لوگ اس کو نامرغوب جانیں گے۔ ابن کثیر نے نُكْرٍ کبسکون الکاف پڑھا ہے اور باقی تمام قرار نے کاف کو پیش ہی دیا ہے۔ یہ دونوں لغات صحیح ہیں، جیسے عُسُرٌ اور عُسْرٌ اور شُغُلٌ اور شُغْلٌ ومعناہ الامر الفظیع العظیم وھو یوم القیمۃ (قرطبی) شَیْءٍ نُّكُرٍ : ای مُنْكَرٍ (ابن قتیبہ)

خُشَّعًا : خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ۔ خُشَّعًا عاجزی کرنے والے، خشوع کرنے والے، خاشِعٌ کی جمع ہے جو خشوعٌ سے اسم فاعل ہے خَشَعَ واِخْتَشَعَ۔ ذلّ دونوں کے معنی اظہارِ ذلت کے ہیں۔

اَجْدَاث : يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ وہ قبروں سے نکلیں گے۔ اجداث جمع ہے اس کی واحد جَدَثٌ آتی ہے بمعنی قبور، ای القبور واحدها جَدَثٌ (قرطبی) قبر کو جَدَفٌ بھی کہتے ہیں غَیَّبُوْهُ فِی الْجَدَثِ اس کو انھوں نے قبر میں دفن کر دیا۔

جَرَادٌ : كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ : گویا وہ ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئی۔

اَلْجَرَادُ : ٹڈی کو کہتے ہیں اس کی واحد جرادۃٌ ہے۔ جَرَدَ الارض : ٹڈی زمین پر سے گھاس چٹ کر گئی، اصل میں جَرْدٌ کے معنی ننگا کرنے کے ہیں۔ ٹڈی چونکہ زمین کو ننگا کر دیتی ہے یعنی اس کی روئیدگی اور سبزہ کو صاف کر دیتی ہے اسلئے اسکو جراد کہا گیا ہے۔ چنانچہ اَرْضٌ مَّجْرُوْدَةٌ اس زمین کو کہا جاتا ہے جسکے گھاس اور سبزے کو ٹڈی چٹ کر گئی ہو۔

مُهْطِعِيْنَ : اس کے لفظی معنی ہیں سر اُٹھائے ہوئے۔ هَطَعَ الرَّجُلُ بِبَصَرِهٖ : نظر جما کر دیکھنا، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا گردن اُٹھا کر چلنے والے اونٹ کو بَعِیْرٌ مُّهْطِعٌ کہا جاتا ہے۔

عَسِرٌ : هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ : یہ دن بڑا سخت ہے۔ عَسِرٌ عُسْرٌ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ دشوار، مشکل۔ يَوْمٌ عَسِيْرٌ وزن فعیل

اور یَوۡمٌ عَسِرٌ (فَعِلٌ)، دونوں کے ایک ہی
معنی ہیں۔

اُزۡدُجِرَ: وَقَالُوۡا مَجۡنُوۡنٌ وَّازۡدُجِرَ
اور انھوں نے (حضرت نوح کو) کہا کہ یہ
مجنون ہے اور انھیں دھمکی بھی دی گئی،
اُزۡدُجِرَ کے اصل معنی آواز کے ساتھ دھتکارنے
کے ہیں۔ زَجَرۡتُہٗ میں نے اسے جھڑکا، روکا
اور اِزۡدَجَرَ جھڑکنے پر کسی کام سے رُک جانا
یہ زجر کا مطاوع بنکر استعمال ہوتا ہے۔

مُنۡهَمِرٌ: بِمَآءٍ مُّنۡهَمِرٍ، علامہ راغب
نے لکھا ہے کہ اَلۡهَمۡرُ کے معنی آنسو یا
پانی بہانے کے ہیں جیسے هَمَرَہٗ۔
فَانۡهَمَرَ۔ اس نے پانی بہایا چنانچہ
وہ بہہ پڑا۔ هَمَرَ مَا فِي الضَّرۡعِ تھنوں
سے تمام دودھ لینا۔ هَمَرَ الرَّجُلُ
فِي الۡكَلَامِ۔ باتوں میں بہہ جانا، گھٹیا
اختیار کرنا، اترانا۔ هَمَرَ الۡمَاءَ، پانی
گرانا (راغب، قرطبی)
مُنۡهَمِرٌ (انفعال) کے مصدر اِنۡهِمَارٌ
سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اِنۡهِمَارٌ:
شکستہ اور ویران ہونا۔ گرنا۔ پانی اور
آنسو کا گرنا، بہنا، اِنۡهَمَرَ الشَّجَرَۃُ:
درخت کا جھڑے ہوئے پتوں والا ہونا،

هَمِيۡرَةٌ: بہت بوڑھی عورت،

دُسُرٍ: ذَاتِ اَلۡوَاحٍ وَّدُسُرٍ:
تختوں اور میخوں والی کشتی۔ الواح، لَوۡحٌ
کی جمع ہے بمعنی تختی، اور دُسُرٌ دِسَارٌ کی
جمع ہے جسکے معنی میخ اور مسمار کے بھی آتے
ہیں، اور اس ڈورے یا تار کو بھی کہا
جاتا ہے جس سے کشتی کے تختے جوڑے
جاتے ہیں۔ وَحَمَلۡنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلۡوَاحٍ
وَّدُسُرٍ، اور ہم نے نوح کو ایک کشتی
پر جو تختوں اور میخوں سے تیار کی گئی تھی
سوار کر لیا۔ دَسۡرٌ کے معنی کسی چیز کو
زور سے مار کر ہٹا دینے کے آتے ہیں،
کہا جاتا ہے دَسَرَہٗ بالرُّمۡحِ: اُسے نیزہ
مار کر پیچھے ہٹا دیا۔ رَجُلٌ مِدۡسَرٌ:
بہت بڑا نیزہ باز۔ ایک حدیث میں ہے
لَيۡسَ فِي الۡعَنۡبَرِ زَكٰوةٌ اِنَّمَا هُوَ شَيۡءٌ
دَسَرَهُ الۡبَحۡرُ: عنبر میں زکوٰۃ نہیں ہے
کیونکہ وہ ایک چیز ہے جو سمندر نے کنارہ
پر پھینکدی ہے۔

مُّدَّكِرٍ: فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ: ہے
کوئی نصیحت حاصل کرنے والا، مُدَّكِرٌ اسم
فاعل ہے باب افتعال کے مصدر اِدِّكَارٌ
سے ماخوذ ہے۔ نصیحت قبول کرنے یاد

رکھنے والا، یہ لفظ اصل میں مُذْتَکِرٌ تھا افتعال کی تار کو دال سے بدل کر دال کو دال میں ادغام کر دیا گیا۔ قبائل ربیعۃ والے ذکر کو دکر بولتے ہیں، باب افتعال میں پہنچ کر اِذْتِکَارٌ کا اِدِّکَارٌ بنا، اور اسکا اسم فاعل مُدَّکِرٌ بنا، پھر مُذْتَکِرٌ کی تار کو دال بنا کر ادغام کر دیا گیا۔ واصلہ مذتکر مُفْتَعِلٌ مِنَ الذِّکر فَثَقُلَتْ علی الالسنۃ فقُلِبَتِ التاء دالًا لتوافق الذال فی الجہر واُدغمت الذال فیہا (قرطبی)

مُنْقَعِرٍ : اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ: اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے قَعْرُ الشَّیٔ کے معنی کسی چیز کی گہرائی کی انتہا کے ہیں اور آیت کریمہ کَاَنَّھُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ میں نخل مُنْقَعِرٍ سے کھجور کے وہ درخت مراد ہیں جن کی جڑیں زمین کی گہرائی تک چلی گئی ہوں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ۔ اِنْقَعَرَتِ الشَّجَرَۃُ کے معنی درخت کے زمین کی گہرائی تک چلے جانے کے ہیں اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح زمین کی گہرائی تک چلے جانے والے نخلہ کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے تو اسکا کوئی نشان باقی نہیں رہتا، قَعَرَ النَّخْلَۃَ یَقْعَرُھَا قَعْرًا (المعجم) کھجور کو جڑ سے اکھاڑ دینا۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے کہ ان کا کوئی نام و نشان باقی نہیں رہے گا (راغب)

قَعَرْتُ الشَّجَرَۃَ : میں نے درخت کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ والمُنْقَعِرُ المُنْقَلِعُ من اصلہ (قرطبی)

سُعُرٍ : لَفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ۔ لفظ سُعُر مذکورہ آیت میں دو مرتبہ آیا ہے اوّل قوم ثمود کے ذکر میں ان کا اپنا قول ہے اس میں سُعُر کا لفظ جنون کے معنی میں آیا ہے دوسری جگہ یہی لفظ آگے آنے والی آیت میں حق تعالیٰ کی طرف سے عذابِ مجرمین کے ذکر میں آیا ہے، فِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ، یہاں سُعُر کے معنی جہنم کی آگ کے ہیں حسب تصریح اہلِ لغت لفظ ان دونوں معنی میں مستعمل ہے (معارف)

نَاقَۃٌ مَسْعُوْرَۃٌ : شدّتِ نشاۃ سے مجنون اونٹنی۔

اَشِرٌ : بَلْ ھُوَ کَذَّابٌ اَشِرٌ: بلکہ یہ بڑا جھوٹا شیخی باز ہے۔ الاَشَرُ کے معنی بہت زیادہ اترانے اور شیخی مارنے کے ہیں۔ یہ اَشِرَ یَاشَرُ اَشَرًا، سَمِعَ

سے آتا ہے۔ اَشِرٌ بہت زیادہ اترانے والا، خود پسند۔ اَشَرٌ اور بَطَرٌ دونوں قریب المعنی ہیں، البتہ اَشَرٌ بَطَرٌ سے زیادہ ابلغ ہے۔ بَطَرٌ میں فَرَحٌ سے زیادہ مبالغہ ہے۔ فَرَحٌ اگرچہ عام حالات میں مذموم ہوتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ لیکن ایسے موقع پر جہاں خوشی کا اظہار ضروری ہو تو فرح ممدوح ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔ کیونکہ کبھی سرور کی وجہ سے فرحت کا حصول تقاضائے عقل کے مطابق ہوتا ہے، مگر اَشَرٌ ہمیشہ اس فرحت کو کہا جاتا ہے جو ہوائے نفس پر مبنی ہو۔ والاشر: المرح والتجبر والنشاط (قرطبی، راغب)

تَعَاطٰى : فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ : تَعَاطٰى تَعَاطِیٌ سے ماضی واحد مذکر کا صیغہ ہے۔ تعاطٰی: اس نے دست درازی کی، اس نے ہاتھ پکڑا، ہاتھ چلایا۔ تَعَاطِیٌ کے معنی کسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھانے اور پکڑنے کے ہیں۔ اصل مادہ عَطْوٌ ہے جس کے معنی کسی چیز کو لینے اور پکڑنے کے ہیں اور مُعَاطَاۃٌ: باہم لینا دینا۔

عَقَرَ : عَقَرَ يَعْقِرُ (ض) عَقْرٌ زخمی کرنا، ذبح کرنا۔ عَقَرَ الابلَ: کونچیں کاٹ دینا۔ عَقَرَبِهٖ: چلنے سے روک دینا۔ اِمْرَاَةٌ عَاقِرَةٌ: بانجھ عورت گویا وہ مرد کے نطفہ کو کاٹ دیتی ہے۔

هَشِيْمٌ : فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ سو وہ ہو گئے جیسے کانٹوں کی باڑ لگانے والوں کا چورا۔ هَشْمٌ کے معنی اصل میں سوکھی یا نرم چیز کو توڑنے کے ہیں۔ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ پھر وہ چورا چورا ہو گئی کہ ہوائیں اسے اڑائے پھرتی ہیں۔

بکریوں اور اونٹوں کا باڑہ بناتے ہوئے جو کانٹے اور پتے وغیرہ گرتے ہیں اور جانور ان کو روند دیتے ہیں اسی کوڑا کرکٹ کو هَشِيْمٌ کہتے ہیں۔ ابن زید کہتے ہیں کہ عرب ہر اس چیز کو هشیم کہتے ہیں جو پہلے سبز ہو اور پھر سوکھ جائے (قرطبی)

الْمُحْتَظِرُ : یہ باب افتعال کے مصدر اِحْتِظَارٌ سے اسم فاعل ہے اصل مادہ حَظْرٌ ہے۔ باڑ بنانا، حَظِيْرَةٌ: لکڑیوں وغیرہ سے بنا ہوا باڑہ، بعض

حضراتؒ نے مثلاً حسن قتادہ اور ابو العالیہ وغیرہ
نے مُحْتَظَر بفتح الظار پڑھا ہے جس
سے مراد حظیرۃ ہے۔

حِظِیرۃ : آڑ : اور روک وغیرہ جمع
حَظَائِر، اور باقی حضرات نے مُحْتَظِر
اسم فاعل کے وزن پر پڑھا ہے باڑ لگانے
والا ۔ اِحْتَظَرَ علی ابلہ اونٹوں کے
لئے باڑھ بنانا ، مُحْتَظَرٌ (بفتح الظار)
اس درخت کو بھی کہتے ہیں جسکی لکڑیوں
سے باڑہ بنایا جاتا ہے۔ اور مُحْتَظِرٌ
باڑہ بنانے والا ، محظورٌ بمعنی مَمْنُوعٌ
ہے۔ محاورہ ہے جَاءَ فلانٌ بالحظر
الرطب : اس نے بہت قبیح جھوٹ بولا
عرب لوگ قلیل الخیر آدمی کو کہتے ہیں۔
اِنَّهٗ لنکِدُ الحظیرۃ ۔ وَقَعَ فِی
الحَظِرِ الرطب ۔ وہ ناقابلِ برداشت
کام میں پھنس گیا ہے ۔ حَظَرَ الشَّیْءَ :
یا حَظَرَ بالشَّیْءِ کسی چیز کی روک کردینا

رَاوَدُوْا : وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ :
مراودت کے معنی کسی کو اپنی نفسانی شہوت
پورا کرنے کے لئے بہلانا ، پھسلانا ، سورۂ
یوسف میں اسکی تحقیق گزر چکی ہے ۔
(دیکھئے رَاوَدَتْ)

اَدْهٰی : وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ۔
اَدْهٰى ، دَاهِيَةٌ کا افعل التفضیل ہے
کوئی بڑا امر جو پیش آ گیا ہو دَهَاهُ اَمْرٌ
کذا : اس کو کسی بڑی مصیبت نے آن
گھیرا ہے وَاَدْهٰى مِنَ الدَّاهِيَةِ ۔
وَهِيَ الاَمْرُ العَظِيْمُ (قرطبی)

اَمَرُّ : یہ مَرَارَةٌ سے افعل التفضیل
کا صیغہ ہے بہت تلخ ، بہت کڑوا ، بہت
ناگوار ۔

سَقَرَ : سَقَرَ اسمائے جہنم میں سے
ایک اسم ہے اور غیر منصرف ہے ، اسم
من اسمائے جھنّم لا یتصرف لانّہٗ
اسم مؤنث معرفۃٌ (قرطبی)
عطا کا قول ہے کہ سقر جہنم کا چھٹا طبقہ
ہے ۔ سَقَرَتْهُ الشَّمْسُ : اس کو
دھوپ نے جھلس دیا ۔

قَدَرٌ : اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ
ہم نے ہر چیز کو ایک انداز سے پیدا کیا
ہے قَدَرٌ کے لغوی معنی اندازہ کرنے
اور کسی چیز کو حکمت و مصلحت کے مطابق
اندازہ سے بنانے کے ہیں ، اس کے لغوی
معنی بھی مراد ہوسکتے ہیں کہ حق تعالیٰ جلّ
شانہٗ نے عالم کی تمام مخلوقات کو اور

اس کی ہر نوع اور صنف کو ایک حکیمانہ اندازہ سے بڑا چھوٹا اور مختلف ہیئت وصورت میں بنایا ہے پھر ہر نوع اور صنف کے ہر فرد کی تخلیق میں بھی حکیمانہ انداز بڑی حکمت کے ساتھ رکھا ہے انگلیاں سب یکساں نہیں بنائیں طول میں فرق رکھا ہاتھوں پاؤں کے طول وعرض اور ان کے کھلنے بند ہونے، سمٹنے اور پھیلنے کے لئے اسپرنگ لگائے، ایک ایک عضو کو، ایک ایک جزء کو دیکھو تو قدرت و حکمتِ خداوندی کے عجیب وغریب دروازے کھلتے نظر آنے لگیں اور اصطلاحِ شرع میں لفظ قدر بمعنی تقدیر الٰہی بھی استعمال ہوتا ہے اور اکثر ائمہ تفسیر نے بعض روایاتِ حدیث کی بنا پر قدر سے تقدیر الٰہی مراد لی ہے۔

اس صورت میں آیت میں لفظ قدر کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہم نے تمام عالم کی ایک ایک چیز کو اپنی تقدیر ازلی کے مطابق بنایا ہے یعنی ازل میں پیدا ہونے والی چیز اور اس کی مقدار، زمان و مکان اور بڑھنے گھٹنے کا پیمانہ عالم کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لکھدیا گیا تھا جو کچھ عالم میں پیدا ہوتا ہے وہ اسی تقدیر ازلی کے مطابق ہوتا ہے (معارف)

اس کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ تقدیر کا یہ مسئلہ اسلام کا قطعی عقیدہ ہے، اس کا منکر کافر اور جو فرقے بتاویل انکار کرتے ہیں وہ فاسق ہیں (معارف)

اَلْقَدْرُ وَالْقَدَرُ اَلْقَضَاءُ وَالْحُكْمُ (لسان) ایک قول اہلِ لغت کا یہ ہے کہ قَدَرٌ بفتح الدال اسم ہے اور قَدْرٌ بسکون الدّال مصدر ہے، ذَكَرَهٗ صاحب اللسان عن اللّحيانی۔

لَمْحٌ : كَلَمْحِ الْبَصَرِ : جیسے آنکھ کا جھپکنا۔ لَمْحٌ کے معنی بجلی کی چمک کے ہیں۔ ایک محاورہ ہے، رَاَيْتُهٗ لَمْحَةَ الْبَصَرِ : میں نے اسے بجلی کی چمک کی طرح ایک نظر دیکھا۔ لَاُرِيَنَّكَ لَمْحًا بَاصِرًا میں تمہیں صاف طور پر دکھیونگا (راغب)

واللمحُ : النَّظْرُ بِالْعَجَلَةِ يقال، لَمَحَ الْبَرْقُ بِبَصَرِهٖ، وَفِي الصِّحَاحِ : لَمَحَهٗ وَاَلْمَحَهٗ اِذَا اَبْصَرَهٗ بِنَظَرٍ خَفِيْفٍ (قرطبی)

اَشْيَاعٌ : اَشْيَاعَكُمْ، یہ شِيْعَةٌ کی جمع ہے جسکے معنی متبع اور پیروکار کے ہیں مراد وہ لوگ ہیں جو عمل میں انکے متبع یا

مثل ہیں، مطلب یہ ہے کہ جس طرح کی بداعمالیاں تم لوگ کر رہے ہو اسی طرح کی بدعملیاں کرنیوالی پہلی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں۔

مَقْعَدِ : مَقْعَدِ صِدْقٍ، حق مجلس مقعد کے معنی ہیں مجلس اور مقام اور صِدْق بمعنی حق ہے مَقْعَدِ صِدْقٍ ایسی مجلس جو لغویات سے پاک ہو۔ قَعَدَ يَقْعُدُ قُعُوْدًا، کھڑے ہونے کی حالت سے بیٹھنا۔ قُعُودٌ کھڑا ہونا، یہ اضداد میں سے ہے

مَلِيْكٍ : عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ نزدیک ایک بادشاہ کے جس کا سب پر قبضہ ہے۔ مَلِيْكٍ صیغہ صفت ہے جو مبالغہ کے معنی دیتا ہے۔ بادشاہ جس کا سب پر قبضہ ہو۔

مُّقْتَدِرٍ : مُقْتَدِرٌ باب افتعال کے مصدر اقتدارٌ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ با اقتدار۔ ہر طرح کی قدرت والا۔ مُقْتَدِرٌ میں بہ نسبت قادر اور قدیر کے زیادہ مبالغہ ہے۔

الحمد للہ

سورۃ القمر آج مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۸۰ء بروز بدھ

پایۂ تکمیل کو پہنچی

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الرحمٰن: اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ رحمٰن نے سکھلایا قرآن، لفظ رحمٰن کے سلسلہ میں یہ تو ظاہر ہے کہ یہ صفاتِ باری میں سے ہے، اختلاف اس میں ہے کہ یہ عربی ہے یا عجمی۔ ایک جماعت اہلِ لغت کی اس طرف گئی ہے کہ یہ لفظ رحمٰن عبرانی زبان کا ہے، جس کے معنی مہربان کے ہیں۔ مبرّد اور ثعلب جو لغت عربی کے مُسَلَّم امام ہیں ان کا نظریہ یہی ہے، اس اعتبار سے یہ لفظ غیر مشتق ہوگا۔ ان حضرات کا خیال ہے کہ اگر رحمٰن عربی زبان کا لفظ ہوتا تو اس کے نزول پر عرب کے لوگ یہ نہ کہتے وَمَا الرَّحْمٰنُ، رحمٰن کیا ہے؟ اور صلح حدیبیہ میں جب حضرت علیؓ نے صلحنامہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تو انھوں نے انکار کیا کہ ہم تو رحمٰن کو نہیں جانتے لیکن جمہور اہلِ تفسیر اور اہلِ لغت اس طرف گئے ہیں کہ یہ عربی ہے، اور رحمۃؐ سے مشتق اور مبالغہ پر مبنی ہے، لغت عرب میں فعلان کا وزن مبالغہ کا وزن ہے، جیسے شَبْعَانُ: خوب پیٹ بھرا ہوا آدمی، اور یہ لفظ اہلِ علم کے حلقوں میں اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر بولا جاتا تھا اور عام لوگ اس سے واقف نہ تھے، چنانچہ اس کا انکار ان مشرکین نے کیا تھا جن کو علم و فضل سے کوئی سروکار نہیں تھا، چنانچہ نجد کے آخری کتبات میں رحمٰن ہی کا نام ملتا ہے۔ سدِ عرم کے عیسائی کتبہ کا آغاز بنعمۃ الرحمٰن الرحیم سے ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ کتاب کے ہاں لفظ رحمٰن مستعمل تھا (ارض القرآن)

البیان: عَلَّمَهُ الْبَيَانَ، اس کو گویائی سکھلائی، بیان مصدر ہے بولنا کسی چیز کے متعلق کھولنے اور واضح کرنے کا نام بیان ہے۔ پس بیان نطق سے عام ہے اور نطق خاص ہے۔ اور کبھی جس چیز کے ذریعہ بیان کیا جاتا ہے اُسے بیان کہتے ہیں، چنانچہ کلام اول معنی کے اعتبار سے بیان کہلاتا ہے، کیونکہ وہ معنی مقصود کو کھولتا اور ظاہر کرتا ہے، اور مجمل اور مبہم کلام کی

شرح کو دوسرے معنی کے اعتبار سے بیان کیا جاتا ہے۔ آیت کریمہ ھٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ (یہ لوگوں کے لئے بیان ہے) اوّل معنی کی مثال ہے اور آیت کریمہ ثُمَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ دوسرے معنی کی مثال ہے۔ اور عَلَّمَہُ الْبَیَانَ دونوں کی مثال بن سکتا ہے۔

بعض اہلِ تفسیر نے فرمایا ہے کہ بیان کے معنی اظہار مافی الضمیر کے ہیں یعنی بولنا اور اپنا مطلب و مُدّعا بیان کرنا، اور دوسرے معنی فرق و امتیاز کے ہیں یعنی دو چیزوں کے درمیان جو فرق و امتیاز ہے وَعَلَّمَہُ الْبَیَانَ، اور اللہ نے انسان کو قوتِ بیان سکھلائی، اسے اظہار مافی الضمیر کی قدرت عطا کی، اور علم کے معنی کسی چیز کی حقیقت کو پا لینے کے ہیں وَالعِلْمُ: اِدْرَاکُ الشَّیْ بِحَقِیْقَتِہٖ (حاشیہ مقامات) اسکی وضاحت کرنا، جس سے مراد یہاں خیر و شر اور بھلائی اور بُرائی اور حلال و حرام کے درمیان فرق و امتیاز ہے۔ وسُمّی الکلام بیانا لکشفہ عن المعنی المقصود واظھارہٖ (مقامات حاشیہ مولانا ادریس کاندھلویؒ)

حُسْبَانٍ: حِساب و شمار کرنا حَسَبَ یَحْسُبُ کا مصدر ہے جیسے غفرانٌ، کفرانٌ رجحانٌ اور جمع کے لئے بھی آتا ہے جیسے شہابٌ کی جمع شُہبانٌ، اسی طرح حِسابٌ کی جمع حُسْبانٌ، اور لفظ حُسْبان عذاب کے لئے بھی آتا ہے۔

النَّجْمُ: لفظ نجم کے معروف اور متبادر معنی تو تارے کے ہیں لیکن لغت عرب میں یہ لفظ ایسے پودوں پر بولا جاتا ہے جنکا تنا نہیں ہوتا، مثلاً کدو، خربوزہ اور تربوز وغیرہ کی بیلیں۔ عبداللہ ابن عباسؓ کے نزدیک یہاں بے تنے کے پودے اور بیلیں مراد ہیں اور حسن اور مجاہد وغیرہ کے نزدیک اس سے مراد آسمان کے ستارے ہیں۔ اگرچہ احتمال دونوں کا ہے اور کسی ایک کو غلط نہیں کہا جا سکتا لیکن عام اہلِ تفسیر نے مراد اس سے نجوم السماء ہی لئے ہیں۔ اصل میں نجم الشئُ ینجم نجوما سے مشتق ہے جسکے معنی ظاہر ہونے اور طلوع ہونیکے ہیں۔

الْاَنَامِ: وَضَعَھَا لِلْاَنَامِ۔ اَنَامٌ خلقٌ، جن و انس جو کچھ زمین میں ہے، کُلُّ مَا دَبَّ عَلٰی وجہ الارض (قرطبی) ابن عباسؓ نے ارشاد فرمایا، کُلُّ شیٍٔ فیہ الرُّوح۔ انام میں ہر وہ چیز شامل ہے جس میں روح ہے۔ مقصد آیت کا

یہ ہے کہ زمین کو اس طرح بنایا کہ وہ تمام
زندہ مخلوق کے رہنے بسنے کے قابل ہو گئی۔
الانامُ : کُلُّ مَا ظَهَرَ علی الارض
من جمیع الخلق (لسان)
اَنَامٌ و اُنَامٌ (بالمد) وَاَنِيمٌ تینوں
کا ایک ہی مفہوم ہے اور یہ تینوں اسم
جمع ہیں ان کی کوئی واحد استعمال نہیں ہوتی
و ایں ہر سہ اسم جمع است نہ جمع مثل
قَوْمٌ و رَهْطٌ (غیاث اللغات)
اَكْمَامٌ : والنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ
اور کھجوریں جن کے میوہ پر غلاف ہے۔
اَكْمَامٌ كِمٌّ بکسر الکاف کی جمع ہے جس
کے معنی اس غلاف کے ہیں جو کھجور وغیرہ
کے پھلوں پر ابتداءً چڑھا ہوا ہوتا ہے
اس کی جمع كِمَامٌ ۔ اَكِمَّةٌ اور اکاميم بھی
آتی ہے۔ (قرطبی)
عَصْفٌ : وَالحَبُّ ذُوالْعَصْفِ وَ
الرَّيْحَانُ : حَبٌّ بفتح الحاء وتشدید الباء
دانے یعنی غلّہ کو کہا جاتا ہے، جیسے گندم
چنا، چاول، ماش، مسور وغیرہ اور عَصْفٌ
اس بھوسے کو کہتے جس کے اندر پیک کیا
ہوا دانہ بقدرتِ خداوندی و حکمت بالغہ
پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ عَصْفِی غلاف دانہ کو
مکھی مچھر وغیرہ کے اثر سے محفوظ رکھتا ہے
اور دانہ دیگر کثافتوں سے بھی پاک رہتا ہے
پھر یہی عصف جانوروں کے لئے بھوسہ
اور چوکر بنتا ہے۔
الرَّيْحَان : ریحان کے مشہور معنی
خوشبو کے ہیں، اور ابن زید نے یہی معنی
آیت میں مراد لئے ہیں اس لئے زمین سے
پیدا ہونے والے درختوں سے طرح طرح
کی خوشبوئیں اور خوشبودار پھول پیدا فرمائے ہیں
اور کبھی لفظ ریحان بمعنی سبزہ اور رزق بھی
استعمال ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ خَرَجْتُ
اَطْلُبُ رَيْحَانَ اللّٰهِ، یعنی میں اللہ کا رزق
تلاش کرنے نکلا۔ ابن عباس نے یہاں ریحان
کی تفسیر رزق سے کی ہے۔ صحاح میں ہے کہ
ریحان ایک گھاس کو بھی کہا جاتا ہے اور
رزق پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے، ایک
حدیث میں ہے، الولد من ريحان الله
لڑکا اللہ کا رزق ہے اور ان سبزیوں کو
ریحان کہا جاتا ہے جو خوشبودار ہوتی ہیں،
اٰلَاءِ : فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ:
لفظ اٰلَاءِ کے معنی اکثر اہلِ تفسیر نے نعمتوں
کے ذکر کئے ہیں اور اکثر مترجمین نے اسکا
ترجمہ نعمتوں سے ہی کیا ہے، پھر کیا تم اپنے

رب کی نعمتیں جھٹلاؤ گے (معارف)
سو تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے (ماجدی)

حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کی تلاوت کی تو فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کے جواب میں جنات یہ جواب دیتے تھے کہ لَا بِشَیْءٍ مِّنْ نِّعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ ، دوسرے ایک معنی لفظ اٰلَآءِ کے قدرت اور عجائب قدرت بھی کئے گئے ہیں ، ابن جریر طبری نے ابن زید کا قول نقل کیا ہے کہ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا کی تقدیر کلام فَبِاَیِّ قُدْرَۃِ اللّٰہِ ہے ۔ اور ابن جریر نے خود بھی ان آیات کو قدرت کے معنی میں لیا ہے ۔ امام رازی نے بھی آیت ۱۴، ۱۵، ۱۶ میں لکھا ہے کہ یہ آیات بیان قدرت کے لئے ہیں ۔

لفظ اٰلَآءِ کے ایک تیسرے معنی بھی لغت میں مشہور ہیں اور شعراء کا کلام اس پر شاہد ہے وہ معنی ہیں خوبیاں اور اوصاف حمیدہ اور کمالات و فضائل ، عرب کا مشہور شاعر نابغہ کہتا ہے ؂

ھُمُ الْمُلُوْکُ وَاَبْنَاءُ الْمُلُوْکِ لَھُمْ
فَضْلٌ عَلَی النَّاسِ فِی الْاٰلَآءِ وَالنِّعَمِ

وہ بادشاہ اور شاہزادے ہیں انکو لوگوں پر اپنی خوبیوں میں اور نعمتوں میں فضیلت حاصل ہے ۔

اسی طرح ایک دوسرا شاعر مہلہل کہتا ہے ؂

الحزم والعزم کانا من طبائعہٖ
مَا کُلَّ اٰلَآئِہٖ یَا قَوْمُ اُحْصِیْھَا

حزم اور عزم اس کے اوصاف میں سے تھے ، لوگو ! میں اس کی ساری خوبیاں بیان نہیں کر رہا ہوں ۔ یہ مہلہل نے اپنے بھائی کلیب کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے ۔

حاصل یہ کہ لفظ آلاء تین معنوں میں آتا ہے جو اوپر بیان ہوئے ، نعمتیں ، قدرت اور عجائب قدرت ، اوصاف حمیدہ اور کمالات و خوبیاں ۔

یہ لفظ اسم جمع ہے اس کی واحد میں چار لغت ہیں ۔ اِلًی وَاَلًی جیسے کہ مِعًی اور عَصًا ۔ اِلْیٌ وَاَلْیٌ (باسکان اللام) ۔ قرطبی

صَلْصَالٍ : مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ جو ٹھیکری کی طرح بجتی تھی ۔ صَلْصَال : پانی ملی ہوئی مٹی جبکہ وہ خشک ہو جائے (معارف) اصل میں صلصال کے معنی کسی خشک چیز سے آواز آنا کے ہیں ۔ صَلَّ الْمِسْمَارُ کے معنی ہیں میخ کو ٹھونکنے

سے آواز پیدا ہونا، اور سڑی ہوئی مٹی کو بھی صَلْصَال کہا جاتا ہے۔ اصل میں صَلْصَال، صَلَّالٌ ہے ایک لام کو صاد سے بدل دیا گیا ہے (راغب)
الصلصالُ۔ الطین الیابسُ الَّذِی یسمَعُ له صَلْصَلَةٌ (قرطبی)

فَخَّارُ: كَالْفَخَّارِ۔ فَخَّار وہ پانی میں ملائی ہوئی مٹی جس کو آگ پر پکا لیا جائے (معارف) الفخّار: الَّذِی طُبِخَ (قرطبی) اس کا اصل مادہ فَخْرٌ ہے اور فخر کے معنی ان چیزوں پر اترانے کے ہیں جو انسان کے ذاتی جوہر سے خارج ہوں

مَارِجٍ: وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ۔ اور جنات کو پیدا کیا خاص آگ سے۔ جَانّ بتشدید نون جنس جنّات کو کہا جاتا ہے اور مَارِجٍ آگ سے اُٹھنے والا شعلہ ہے (معارف)
المارج: اَللَّهَبُ: قاله ابن عباس قال اللیث: المارج: الشعلةُ السَّاطعة ذات لهب شدید۔ وعن ابن عباس ایضًا انّه اللهب الذی یعلو النَّارَ فَیَخْتَلِطُ بَعْضُهٗ بِبَعْضٍ احمر واصفر واخضر واصلهٗ من مَرَجَ اذا اضْطَرَبَ وَاخْتَلَطَ (قرطبی)
المرج کے معنی خلط ملط کرنے کے ہیں اور المروج کے معنی اختلاط اور ملجانے کے ہیں مَرَجَ اَمْرُهُمْ ان کا معاملہ ملتبس ہو گیا مارج فاعل بمعنی مفعول ہے جیسا کہ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ اور عِيشَةٍ الرَّاضِيَةٍ میں دَافِقٍ اور راضية بمعنی مفعول ہیں۔
مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ اس نے دو دریاؤں کو ملا دیا۔ لغوی اعتبار سے مَرَج کے معنی آزاد اور بے قید چھوڑ دینے کے ہیں۔
قالَ المبرد المارج: النار المُرْسَلَةُ التی لَا تمنع (قرطبی)
مقصد یہ ہے کہ پانی باوجود رقیق اور لطیف ہونے کے قدرت خداوندی سے دُور تک ساتھ ساتھ چلتے ہیں مگر ایک کا پانی دوسرے کے ساتھ خلط ملط نہیں ہوتا۔ واصل المرج: الإِهْمَال كَمَا تُمْرَجُ الدَّابَّةُ فی المرعیٰ (قرطبی)

بَرْزَخٌ: بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ ان دونوں کے درمیان حدِ فاصل اور روک ہے، برزخ کے معنی دو چیزوں کے درمیان حد فاصل اور روک کے ہیں، اور برزخ اس رکاوٹ کو بھی کہا گیا ہے جو آخرت

میں انسان اور اس کے منازلِ رفیعہ تک پہنچنے میں حائل ہوگی جیسا کہ ارشاد ہے، مِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ اور آیت کریمہ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ میں لفظ عقبۃ سے بھی وہی روک اور گھاٹی مراد لی ہے جس کو سر کئے بغیر انسان درجاتِ عالیہ کو نہیں پاسکتا، عقبہ اصل میں وہ موانع ہیں جو نیکی اور احکامِ الٰہی کی راہ میں حائل ہوکر انسان کو آخرت کے اعتبار سے خائب وخاسر بنا دیتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ برزخ سے مراد وہ مدت ہے جو دنیا و آخرت کے درمیان حائل ہے۔

اَللُّؤْلُؤُ : يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۔ لُؤْلُؤ کے معنی موتی کے ہیں۔ اس کی جمع لَآلِیْ آتی ہے كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ جیسا کہ چھپائے ہوئے موتی لَأْلَأَ الشَّيْءُ کے معنی کسی چیز کے موتی کی طرح چمکنے کے ہیں۔ ایک مشہور محاورہ ہے لَا اَفْعَلُ ذَالِكَ مَا لَألَأَتِ الظِّبَاءُ بِاَذْنَابِهَا یعنی میں یہ کام اس وقت تک نہیں کروں گا جبتک کہ آہو اپنی دُم ہلاتے رہیں گے، مقصد یہ کہ میں یہ کام کبھی نہیں کروں گا۔

مَرْجَانٌ : مرجان کے معنی ہیں مونگا، یہ بھی قیمتی جواہرات میں سے ہے، اسمیں درخت کے مشابہ شاخیں ہوتی ہیں۔

مُنْشَئٰتُ : اَلْمُنْشَئٰتُ ۔ یہ نَشَأَ سے مشتق ہے جسکے معنی اُبھرنے اور بلند ہونے کے ہیں۔ مراد کشتیوں کے بادبان ہیں جو جھنڈوں کی طرح اونچے اور بلند بنائے جاتے ہیں۔ مُنْشَآتٌ اسم مفعول جمع ہے، اس کی واحد باب افعال کے مصدر اِنْشَاءٌ سے ماخوذ ہے واحد مُنْشَاۃٌ ہے۔ نَشَأٌ اونچا ابر۔ سب سے پہلے نمودار ہونے والا بادل۔ نَشْاَۃٌ (بسکون الشین) اور نَشَاَۃٌ پیدائش۔ نَشِيْئَةٌ اور نَاشِئَةٌ : سونے کے بعد اٹھنا، نَاشِئٌ وہ بچہ جو بچپن کی حد سے گزر چکا ہو، نَشَأٌ نَشَاَۃٌ نُشُوْءٌ نَشَاءٌ سب مصادر ہیں فتح اور کرم دونوں سے مستعمل ہے۔

اَعْلَامٌ : كَالْاَعْلَامِ : اصل میں عَلَمٌ ایسا نشان ہے جس سے کوئی چیز پہچانی جاسکے۔ چنانچہ عَلَمُ الطَّرِيْقِ اس نشان کو کہتے ہیں جو راستہ کی پہچان کے لئے اسمیں کھڑا کیا جاتا ہے، اسی سے فوج کے جھنڈے کو بھی عَلَمُ الْجَيْشِ کہتے ہیں، پھر

یہیں سے اسکا اطلاق پہاڑوں پر ہونے لگا اور یہاں آیت میں اَعْلام سے مراد پہاڑ ہی ہیں اور عَلَمٌ کی جمع ہے، اور اَعْلَمْتُ کذا کے معنی کسی چیز پر نِشان لگانے کے ہیں، والعَلَمَ الجبل الطویل (قرطبی)

فَانٍ : کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ : ہر چیز جو اس زمین پر ہے فانی ہونے والی ہے۔ فانٍ اصل میں فَانِیٌ تھا۔ فَنِیَ یَفْنٰی سے اسم فاعل ہے۔ بعض نے فانٍ کا ترجمہ ھَالِک سے کیا ہے۔ علامہ تفتازانی نے عقائد نفسی کی شرح میں جنت و نار کی بحث میں ذکر کیا ہے کہ ھالک اور فانی میں فرق ہے۔ ھالک وہ ہے جس کے اجزائے ترکیبی زائل ہو جائیں خواہ اجزاء الگ الگ باقی رہیں، اور کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ کا مطلب یہی ہے، اور فانی وہ ہے جو بالکل معدوم ہو جائے،

شَأْنٌ : کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَأْنٍ : وہ ہر روز کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے (ماجدی) شَأْنٌ کے معنی حالت اور کسی اتفاقی معاملہ کے ہیں جو کسی کے مناسب حال ہو، اسکا اطلاق صرف اہم امور اور حالات پر ہوتا ہے، اسکی جمع شئونٌ آتی ہے وَالشَّانُ فِی اللُّغَۃِ - الخطب العظیم والجمع الشُّئُونُ، وَالمراد بالشَّأن ھٰهُنَا الجمع (قرطبی)

نَفْرُغُ : سَنَفْرُغُ لَکُمْ اَیُّهَ الثَّقَلَانِ نَفْرُغُ، فَرَاغٌ سے مشتق ہے جس کے معنی کسی شغل سے فارغ اور خالی ہونے کے ہیں فراغ کا مقابل لغت میں شغل ہے اور لفظ دو چیزوں کی خبر دیتا ہے۔ اوّل یہ کہ کسی شغل میں مشغول تھا، دوسرے یہ کہ اب اس شغل کو ختم کر کے فارغ ہو گیا۔ یہ دونوں باتیں مخلوق میں تو معروف و مشہور ہیں انسان کبھی ایک شغل میں لگا ہوا ہوتا ہے پھر اس سے فارغ ہو جاتا ہے مگر حق تعالیٰ جلّ شانہٗ ان دونوں سے بری ہیں، نہ انکو ایک شغل دوسرے شغل سے مانع ہوتا ہے نہ وہ کبھی اس طرح فارغ ہوتے ہیں جس طرح انسان فارغ ہوا کرتا ہے۔

آیت میں سَنَفْرُغُ کا لفظ ایک تشبیہ و استعارہ کے طور پر لایا گیا ہے جو عام انسانوں میں رائج ہے کہ کسی کام کی اہمیت بتلانے کے لئے کہا جاتا ہے کہ ہم اس کام کے لئے فارغ ہو گئے یعنی اب پوری توجہ اسی کام پر ہے اور جو آدمی کسی کام پر اپنی پوری توجہ خرچ کرتا ہے اس کے لئے محاورہ میں کہا

جاتا ہے کہ اس کو تو اسکے سوا کوئی کام نہیں (معارف) فَرَغَ بمعنی قَصَدَ بھی کثرت سے استعمال ہوتا ہے اور فَرَغَ کا صلہ جب حرف الیٰ آتا ہے تو اس کے معنی قصد کرنے کے ہی ہوتے ہیں ایک شاعر کہتا ہے؎

الآ وقد فَرَغْتُ اِلیٰ نَمِيْرٍ

فہٰذا حین کنتُ لها عذابا

عبداللہ بن اُبَیّ کی قرارت میں سَنَفْرُغُ اَلَيْكُمْ ہے جسکے معنی سَنَقْصُدُ اِلَيْكُمْ ہیں،

ثَقَلٰنِ : یہ ثَقَلٌ کا تثنیہ ہے جس کے معنی وزن اور بوجھ کے ہیں۔ ثَقَلٰن : دو بوجھ مراد اس سے انسان اور جنات ہیں، لفظ ثقل عربی زبان میں ہر ایسی چیز پہ بولا جاتا ہے جسکا وزن اور قدر و قیمت معروف ہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ : میں تم میں دو قابلِ قدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں۔ وہ دو چیزیں جو قابلِ قدر آپ نے چھوڑیں ان کے بارے میں ایک حدیث کتابُ اللهِ وعِتْرَتِيْ ہے اور ایک روایت میں کِتَابَ اللهِ وَسُنَّتِيْ ہے۔ گویا یہ حدیث پہلی حدیث کا بیان ہے جس میں لفظ عِتْرَتِيْ کی وضاحت کی گئی ہے کہ اس سے مراد سنت کا اتباع ہے

بہرحال حدیث میں ثقلین سے مراد دو وزن دار قابل قدر چیزیں ہیں۔ آیت مذکورہ میں جن وانس کو ثقلٰن اسی مفہوم کے اعتبار سے کہا گیا ہے کہ زمین پر بسنے والی سب سے زیادہ قابلِ قدر یہی دونوں انواع مخلوق ہیں کیونکہ احکام الٰہی کی مخاطب یہی دو انواع ہیں۔

لفظ ثقل اصل وضع کے اعتبار سے تو اجساد پہ بولا جاتا ہے۔ معانی پر اسکا استعمال مجازاً ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے اَثْقَلَهُ الْغُرْمُ اَوِالْوِزْرُ : اُسے تاوان یا گناہ کے بوجھ نے دبالیا۔ اور ہر وہ چیز جو وزن یا اندازہ میں دوسری پر بھاری ہو اسکو ثقیل کہا جاتا ہے۔ الثقلان : الانس والجن لانهما فُضِّلا بالتمييز الذی فيهما علی سائر الحيوان (تاج) سُمِّيا ثقلين کتفضيل الله تعالیٰ اِيّاهما علی سائر الحيوان المخلوق فی الارض بالتمييز والعقل الذی خُصّا به (لسان)

تَنْفُذُوْا : اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ ۔ تَنْفُذُوْا : تم نکل بھاگو، تم باہر چلے جاؤ۔ نُفُوْذٌ سے مضارع کا صیغہ ہے اور اَنْ کی وجہ سے نون اعرابی گر گیا ہے

نَفَذَ السَّهْمُ فِي الرَّمِيَّةِ ۔ نُفُوْذًا و نَفَاذًا کے معنی ہیں تیر کا نشان سے پار ہو جانا۔ اور اَنْفَذْتُهٗ کے معنی پار کرنے کے ہیں ۔ نَفَذْتُ الْاَمْرَ تَنْفِيْذًا ۔ حکم نافذ کرنا ۔ الْمَنْفَذُ باہر نکلنے کا راستہ، حدیث میں ہے ۔ نَفِّذُوا جَيْشَ اُسَامَةَ جیش اسامہ کو روانہ کرو ۔ الطَّرِيْقُ النَّافِذُ: چالو راستہ ، نَافِذَة : روشندان ،

اَقْطَارِ : کنارے، اطراف و جوانب یہ قُطْرٌ کی جمع ہے جس کے معنی طرف اور جانب کے ہیں ۔ اَقْطَارِ السَّمٰوٰت: آسمان کے کنارے ۔

شُوَاظٌ : شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ، شُوَاظٌ بضم الشین ۔ آگ کے اس شعلہ کو شُوَاظ کہا جاتا ہے جسمیں دھواں نہ ہو (معارف)

نُحَاسٌ : اس دھوئیں کو کہا جاتا ہے جس میں آگ کی روشنی نہ ہو (معارف) شُوَاظٌ اور نُحَاسٌ کی یہ تعریف ابن عباسؓ کی ہے ۔ مجاہد کا قول ہے کہ شواظ اس شعلہ کو کہا جاتا ہے جو سبز رنگ کا ہوتا ہے اور آگ سے کٹا ہوا ہوتا ہے اور ضحاک کا قول علامہ قرطبی نے یہ نقل کیا ہے کہ شواظٌ وہ دھواں ہے جو آگ کے شعلوں سے نکلتا ہے نہ کہ لکڑی کا دھواں، سعید بن جبیرؒ کا قول بھی یہی ہے ۔ بعض نے کہا کہ شواظ آگ اور دھوئیں دونوں پر بولا جاتا ہے ۔

والشواظ فی قول ابن عباس وغیرہ: اللھب الذی لا دخان لہٗ ۔ والنُّحاس الدخان الذی لا لھب فیہ (قرطبی)

الشواظ اللھب الذی لا دخان فیہ (راغب)

فالنُّحاس : اللھیبُ بلا دُخان (راغب)

نحاس بغیر دھوئیں کے آگ کی لپیٹ ،

وَرْدَةً : فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ

الوَرْدُ : اصل میں سرخ پھول کو کہتے ہیں کہ یہ وَارِدَةٌ سے ہے، جسکے معنی قافلے سے پہلے پانی پر آنیوالے کے ہیں ۔ مشہور ہے کہ گلاب کا پھول تمام پھولوں سے پہلے ظاہر ہوتا ہے اسلئے اسے وَرْدٌ کہنے لگے پھر مجازاً ہر درخت کے پھول کو وَرْدٌ کہا جاتا ہے ، چنانچہ درخت کے پھول دار ہونے پر کہتے ہیں ۔ وَرَّدَ الشَّجَرُ ۔ پھر گھوڑے کے رنگ کو گُلِ سرخ کے ساتھ تشبیہ کے طور پر فَرَسٌ وَرْدٌ کہا جاتا ہے آثارِ قیامت کے وقت آسمان سرخ ہوگا اس لئے قرآن پاک سے وَرْدَةٌ کہا ہے

فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ : تو (آسمان) تلچھٹ کی طرح گلابی ہو جائیگا، متقدمین کا خیال ہے کہ آسمان کا اصل رنگ گلابی ہے، اور جو نیلگوں آتا ہے، یہ درمیان میں کثرت حوائل اور بعد مسافت کی وجہ سے ہے، قیامت میں یہ تمام حوائل اور پردے چونکہ ہٹا دیئے جائینگے اسلئے آسمان اپنی اصلی صورت میں نظر آئے گا (قرطبی)

الدِّهَانِ : دِهَان کے معنی تلچھٹ کے کئے گئے ہیں جو گلابی رنگ کی ہوتی ہو اس تیل کو دِهَان کہتے ہیں جسکی مالش کی جائے۔ جمع اَدْهِنَۃ اور دُهْنٌ آتی ہے اور بعض کا خیال ہے کہ دِهَان جمع ہے اس کی واحد دُهْنٌ ہے بمعنی تیل مُدْهُنٌ تیل ڈالنے کا برتن، یہ منجملہ اسم آلہ کے اوزان کے ہے جو بطور شواذ کے مُفْعُلٌ کے وزن پر آتے ہیں محاورہ ہے، اَدْهَنَ الْمَطَرُ الْاَرْضَ : بارش نے زمین کی پاش کی، یعنی تھوڑی سی بارش ہوئی۔

سِيمَا : يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيمٰهُمْ : مجرمین اپنے حلیہ سے پہچانے جائیں گے۔ سِیمَا کے معنی علامت کے ہیں (معارف)

یہ اصل میں وَسْمٰی تھا جسکے معنی نشانی اور علامت کے ہیں۔ واؤ کو فا کلمہ کے بجائے عین کلمہ کے جگہ پر رکھا گیا، جس طرح مَا اَطْيَبَهٗ اور مَا اَيْطَبَهٗ بولتے ہیں تو سِوْمٰی ہوگیا پھر واؤ کے ساکن اور ما قبل سین مکسور ہونے کی وجہ سے واؤ کو یاء سے تبدیل کر لیا گیا تو سِیمٰی ہوگیا، (معارف) سِمَۃٌ : نشان، اثر، وَسَمْتُ الشَّیْءَ وَسْمًا : کسی چیز پر نشان لگانا، ذَاغَنَا سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ - ہم عنقریب اس کے ناک کو داغیں گے اس پر ایسا نشان لگائیں گے جس سے اسکا مجرم ہونے کا پتہ چلے گا۔

نَوَاصِی : فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْاَقْدَامِ نَوَاصِیَ۔ ناصیہ کی جمع ہے، پیشانی کے بالوں کو کہا جاتا ہے (معارف)

وَالنَّوَاصِي جمع نَاصِيَةٍ (قرطبی)

(لفظ ناصیہ کی تحقیق گزر چکی ہے)

اٰنٍ : حَمِيمٍ اٰنٍ : گرم کھولتا پانی۔ آنٍ : کھولتا ہوا پانی۔ اِنٰی سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اِنٰی کے معنی سخت کھولنے اور پکنے کے ہیں۔ اصل میں اَنَی الشَّیْءُ

کے معنی ہیں اسکا وقت قریب آگیا وہ اپنی انتہائی اور پختگی کے وقت کو پہنچ گئی قرآن میں ہے اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا؛ کیا ابھی مؤمنوں کے لئے وقت نہیں آیا اسلئے حَمِیْمٍ اٰنٍ کے معنی ہونگے انتہائی گرم کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا قول ہے کہ اٰنٍ جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی کا نام ہے جہاں دوزخیوں کی پیپ اور لہو جمع ہوگا اور جب دوزخی فریاد کریں گے تو ان کو اس غلیظ اور گندے لہو اور پیپ میں ڈبکیاں دیجائیں گی (اعاذنا اللہ من ذالک)

اَفْنَانٍ : ذَوَاتَا اَفْنَانٍ : خوب خوشبو والے، اَفْنَانٍ : شاخیں رنگا رنگ، علامہ محمود آلوسی بغدادیؒ نے سورۂ رحمٰن کی تفسیر میں اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ افنان یا فنٌّ کی جمع ہے جسکے معنی نوع اور قسم کے ہیں اور اسی بنا پر عرف میں اسکا استعمال بمعنی علم کے ہوتا ہے اور معنی کے اعتبار سے افنان کے معنی ہونگے مختلف انواع اور اقسام کے درختوں اور پھلوں والے یہ معنی حضرت ابن عباس اور ابن جُبیر اور ضحاکؒ وغیرہ بزرگوں سے منقول ہیں، اس معنی کے اعتبار سے شاعر کا ایک قول ہے

ومن کلّ افنان اللذّاذۃ والصبا لھوتُ بہٖ والعیش اَخْضَرُ نَاضِرُ

اور ہر طرح لذت اور شوق میں محو رہا، جبکہ زندگی خوش و خرّم تھی۔

یا پھر افنان فَنَنٌ کی جمع ہے، فَنَنٌ کے معنی پتلی اور نرم و نازک شاخ کے ہیں جیسا کہ ابن الجوزی کا قول ہے اور کبھی محض شاخ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، عبد ابن حمید نے ابن عباسؓ اور علامہ قرطبی نے مجاہد کا قول بھی یہی نقل کیا ہے کہ الافنان الاغصانُ واحدہا فَنَنٌ (قرطبی)

قاضی شوکانی نے عکرمہ اور عطیہؒ کا قول بھی یہی نقل کیا ہے، امام رازی اور ابو حیان نے تصریح کی ہے کہ یہی معنی زیادہ اَوْلیٰ ہیں کیونکہ افعالٌ کے وزن پر فِعْلٌ (بسکون العین) کی فَعَلٌ (بفتح العین) کی جمع زیادہ ہے، اور فنٌّ بتشدید نون کی جمع فُنُوْنٌ آتی ہے

وھو اَوْلیٰ لانّ افعالاً فی فَعَلٍ اکثر منہ فی فعْلٍ بسکون العین وَفَنٌّ یُجْمَعُ علیٰ فُنُوْنٍ (بحر محیط)

فَنَنٌ کی منتہی الجموع اَفَانِیْنُ آتی ہے والفَنَنُ جمعہ اُفْنَانٌ ثُمَّ الافانینُ (قرطبی)

ایک حدیث میں ہے، اَنَّ اَھْلَ الْجَنَّۃِ

مُرْدٌ مُکَحَّلُوْنَ اولُوْا اَفَانِیْنَ: بہشتی لوگ، ان کے بدن پر بال نہ ہونگے بے ریش ہونگے۔ شرمیلی آنکھیں، سر پہ چوٹیاں، یعنی بالوں کے پٹے ہونگے۔ علّامہ قرطبی نے مجاہد اور عکرمہ کا قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ افنان سے مراد جنتی درختوں کی ٹہنیوں کے سائے ہیں جو جنت کے درو دیوار پر پڑتے ہونگے۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلے اللہ علیہ سلم کا ارشاد ہے یَسِیْرُ الرَّاکِبُ فِیْ ظِلِّ الْفَنَنِ منھا مائۃَ سَنَۃٍ: بہشت میں اتنے بڑے بڑے درخت ہوں گے کہ ایک سوار ایک شاخ کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے۔

بَطَائِنُ: بَطَائِنُھَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ، بَطَائِنُ جمع ہے بِطَانَۃٌ کی معنی استر، اندرونی حصہ، بطانۃ دلی دوست جسکو دل کی بات بتائی جاتی۔ بطانۃ الثوب: کپڑے کا استر۔ جمعُ بِطَانَۃٍ وھِیَ التی تحت الظھارۃ (قرطبی)

اِسْتَبْرَقٍ: ریشم کا موٹا کپڑا، وَالْاِسْتَبْرَق مَاغلظ من الدِّیْبَاج و خَشُنَ (قرطبی)

جَنَا: وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ، اور دونوں باغوں کے میوے قریب ہیں، جَنَیْتُ الثَّمَرَۃَ کے معنی ہیں میں نے درخت سے پھل توڑا۔ جَنَا اسم ہے بمعنی میوہ۔ جو عمدہ چیز پھل یا سونا یا شہد وغیرہ حاصل کیا جائے جَنَا کہلاتا ہے، یہاں مراد میوہ ہے اسکی جمع اجْنَاءٌ آتی ہے، ایک جمع اس کی اَجْنٍ بھی آتی ہے، ایک محاورہ ہے، اَتَانَا بِجَنَاۃٍ طَیِّبَۃٍ وہ ہمارے پاس تازہ پھل لے کر آیا۔ المجنیٰ مصدر میمی ہے وہ جگہ جہاں سے پھل چُنا جائے اور وہ درخت جس سے پھل توڑا جائے۔ جمع مَجَانٍ، جَنِیٌّ (فعیل) تازہ توڑا ہوا پھل۔

دَانٍ: قریب (قرطبی) جھکنے والا، نزدیک دُنُوٌّ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور دُنُوٌّ عام ہے قرب ذاتی اور قرب حکمی دونوں کے لئے بولا جاتا ہے۔

---

[1] المائۃ: سَو کا عدد۔ یہ اصول اعداد میں تیسری اکائی ہے کیونکہ اصول اعداد چار ہیں آحاد۔ عشرات۔ مئات اور الوف، قرآن پاک میں ہے، فَاِنْ یَکُنْ مِنکُمْ مِائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ (انفال ٦٦)

قٰصِرٰتُ : قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ ۔ قاصرات جمع ہے، قَاصِرَۃٌ کی نظر کو روکنے والیاں پاکدامن عورتیں وہ عورتیں جن کی نگاہ اپنے شوہر کے علاوہ کسی غیر پر نہ پڑے ۔ قَصَرَ الْبَصَرَ کے معنی ہیں نظر کو روکا، بچایا، اِمرَاۃٌ قَاصِرَۃُ الطَّرْفِ وہ عورت جو ناجائز نظر اُٹھا کر نہ دیکھے مقصد ان کی عفت کو ظاہر کرنا ہے ۔

الطَّرْفِ : طرفٌ کے اصل معنی تو کسی چیز کا کنارہ اور سرا کے ہیں جیسا کہ اطراف النہار دن کے کنارہ اور طرف العین کے معنی آنکھ کی پلک کے ہیں، اور طرف پلک جھپکنے کے معنی میں بھی آتا ہے، پھر چونکہ پلک جھپکنے کو دیکھنا لازم ہے تو اس لئے طرف کے معنی دیکھنا بھی آنے لگے ہیں اور خود آنکھ پر بھی طرف کا لفظ بولا جانے لگا ہے اور یہاں آیت کریمہ میں یہی مراد ہے (راغب، قرطبی)

یَطْمِثْ : لَمْ یَطْمِثْهُنَّ ۔ طَمْثٌ کے ایک معنی تو دم حیض کے آتے ہیں، حیض والی عورت کو طَامِثٌ کہا جاتا ہے، دوسرے معنی کنواری عورت کے ساتھ مباشرت کرنے اور بکارت زائل کرنے کے ہیں ۔ طمث المرأۃ کے معنی ہیں اس نے عورت کی بکارت زائل کر دی اور بطور استعارہ کے کہا جاتا ہے، مَا طَمِثَ هٰذِہِ الرَّوْضَۃَ قَبْلَنَا اس سبزہ زار میں ہم سے پہلے کوئی وارد نہیں ہوا، اور آیت لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ کے معنی یہ ہونگے کہ ان جنتی عورتوں کو جنت میں ان جنتی لوگوں کے سوا کسی اور نے ہاتھ تک نہیں لگایا ہوگا طَمْثٌ کے معنی مَسٌّ یعنی چھونے کے بھی آتے ہیں، جیسا کہ امام قرطبی نے ابو عمر کا قول نقل کیا ہے، اور طَمْثٌ تذلیلٌ کے معنی میں بھی آتا ہے اور جماع کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے (قرطبی)۔

اقتضاضٌ ، اِفْتِضَاضٌ دونوں کے معنی ازالۂ بکارت کے آتے ہیں ۔

الیَاقُوْتُ : كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ : یاقوت اسم جنس ہے ۔ یَاقُوْتَۃٌ واحد ہے اسکی جمع یَوَاقِیْتُ آتی ہے یہ ایک معدنی ہیرہ ہے ۔ کہتے ہیں کہ اس پر آگ کا کوئی اثر نہیں ہوتا ۔

مُدْهَآمَّتَانِ : دونوں گہرے سبز رنگ کے (ماجدی) گہری سبزی کی وجہ سے جو سیاہی جھلکنے لگتی ہے اس کو اِدْهَامٌ کہا جاتا ہے (معارف)

اِدْهَامَّتٰنِ: مصدر سے اسم فاعل تثنیہ مؤنث ہے اسکی واحد مُدْهَامَّةٌ ہے۔ گہرا سبز کا ہی ہونا، حَدِیْقَةٌ دُهْمَاءُ انتہائی سرسبز باغ، دُهْمَةٌ سیاہی اور ہر مہینے کی آخری تین راتوں کو دُهَمٌ کہا جاتا ہے، اور دُهَیْمَةٌ: کالی مصیبت، سخت مصیبت، والدُّهْمَةُ: فِی اللغةِ السَّوَادُ (قرطبی) اسم فاعل مذکر مُدْهَامٌّ مُفْعَالٌّ کے وزن پر آتا ہے۔

نَضَّاخَتٰنِ: فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ان میں دو چشمے ہیں اُبلتے ہوئے (معارف) نَضَّاخَتٰنِ کے معنی ہیں اُبلنے والے دو چشمے، یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ واحد مؤنث نَضَّاخَةٌ ہے اور مذکر کا صیغہ نَضَّاخٌ ہے۔ نَضْخٌ مصدر ہے۔ جسکے معنی ہیں پانی چھڑکنا بہت جوش زن ہونا حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ اہل جنت پر خیر وبرکت برسانے والے حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ اولیاء اللہ پر مشک کافور اُبلتا ہوا چھڑکاؤ کرنے والے، اور حضرت مالک بن انس کا ارشاد ہے کہ مشک اور عنبر کا اُبلتا ہوا چھڑکاؤ کرنے والے جیساکہ بارش کا چھینٹا۔ نَضَّاخٌ مبالغہ، جوش زن، اُبلنے والا۔ نَضْخٌ خوشبو کا وہ نشان جو کپڑے پر رہ جاتا ہے۔

رُمَّانٌ: انار، سورۂ انعام میں گزر چکا ہے،

خَیْرٰتٌ: خَیْرٰتٌ حِسَانٌ، اچھی سیرت والیاں، اچھی صورت والیاں (ماجدی) خیرات سے مراد سیرت وکردار کی خوبی ہے اور حسان سے مراد شکل وصورت کی خوبی ہے (معارف) وقال الزهری وقتادہ، خیرات الاخلاق وحسان الوجوه (قرطبی) خیرات جمع ہے خَیْرَةٌ کی بمعنی ذوات خَیْرٍ (قرطبی)

حِسَانٌ: یہ جمع ہے اسکی واحد حَسَنَةٌ، حَسْنَاءُ اور حَسَنٌ آتی ہے، خوبصورت

حُوْرٌ: حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ: گورے رنگ والیاں خیموں میں محفوظ ہونگی، حُوْرٌ یہ جمع ہے اس کی واحد حوراءُ ہے۔ نہایت گورے رنگ کی عورت کو حوراء کہا جاتا ہے، امام بغوی لکھتے ہیں، حور وہ عورتیں ہیں جن کی سفیدی نکھری ہوئی ہو، مجاہد کا قول ہے کہ گورے پن اور رنگ کی صفائی کے سبب ان پر نگاہ نہ ٹک سکے، حور جمع حوراء (قرطبی)

الخیام: جمع ہے اسکی واحد خیمةٌ ہے، ڈیرے، خیمے۔

رَفْرَفٍ: رَفْرَفٍ خُضْرٍ، قاموس میں ہے کہ رَفْرَف سبز رنگ کا ریشمی کپڑا ہے، جسکے فرش اور تکیے اور دوسرا زینت کا سامان

بنتا ہے، اور صحاح میں ہے کہ اس پر نقش و نگار
درختوں اور پھولوں کے ہوتے ہیں جنکو اُردو
میں شجر کہا جاتا ہے (معارف)
اسکا اشتقاق رَفَّ یَرُفُّ رفیفًا سے ہے۔
رفیف الشجر کے معنی ہیں درخت کی شاخوں کا،
ہوا سے لہلہانا اور منتشر ہونا۔ رَفَّ الطَّیرُ جَنَاحَیہِ
پرندے کا اپنے بچے کی حفاظت کے لئے بازو
پھیلانا۔ پھر استعارہ کے طور پر کسی چیز کی دیکھ
بھال کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ محاورہ ہے،
مَالِفُلَانٍ حَافٌّ ولا رافٌّ : اسکا کوئی پرسانِ
حال نہیں ہے۔ ایک مثل ہے، مَنْ حَفَّنَا او
رَفَّنَا فَلْیَقْتَصِدْ : جو ہم پر شفقت کرے اسکو
چاہیئے کہ اعتدال سے کام لے، اور رَفْرَفَ
الطَّائِرُ : پرندہ کا ہوا میں بلند ہونے کے لئے
بازو پھیلانا۔
علامہ زمخشری نے الفائق میں لکھا ہے کہ،
الرفرف مَاكَانَ مِنَ الدِّيبَاجِ وغيرهِ رقيقًا
حَسَنَ الصِّبْغَةِ۔ رفرف دیباج وغیرہ کا
باریک خوش رنگ کپڑا ہے، علامہ موصوف نے
اس کی جامع تفسیر کی ہے، اور چونکہ اس کپڑے
کے گدّے، تکیئے، چاندنیاں، خیمے اور فرش و
فروش تیار ہوتے ہیں اسلئے ان معانی میں اسکا
استعمال ہوتا ہے، چنانچہ امام بغوی نے
معالم التنزیل میں اور علامہ قرطبی نے اپنی
تفسیر میں اس پر مختلف اقوال نقل کئے ہیں،
سعد بن جبیر کا قول ہے کہ رَفْرَفٌ جنت کے
ہرے بھرے باغیچے ہیں۔ یہی قول ابن عباس
کا ہے اسکا واحد رَفْرَفَۃٌ ہے اور جمع الجمع
رَفَارِف ہے، علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسکو علیٰ رفارف
جمع غیر منصرف پڑھتے تھے اور بعض گدّے اور
فرش کو رفوف بتاتے ہیں۔ رَفْرَفٌ ان
جھالروں پر بولا گیا ہے جو چادروں کے اطراف
کا لٹکا ہوا حصہ ہوتا ہے اور تخت پر بچھا
کے بعد وہ حصہ نیچے لٹکا رہتا ہے، علماء نے بھی
تصریح کی ہے کہ عرب کے نزدیک ہر بڑے عرض
کا کپڑا رَفْرَف ہے (قرطبی، معالم التنزیل)
عَبْقَرِيٍّ : ہر عمدہ اور خوبصورت کپڑے
کو کہا جاتا ہے (معارف)
قیمتی، نادر، عجیب، خوبصورت بچھونے
(لغات القرآن) امام محمد بن عزیز سجستانی
نزہۃ القلوب میں جو لغت قرآن پر ان کی
مشہور ترین کتاب ہے رقمطراز ہیں کہ عبقری
موٹے فرش کو کہتے ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا ہے
کہ عرب ہر بچھونے اور فرش کو عبقری کہتے ہیں۔
بیان کیا جاتا ہے، عَبْقَر ایک خطہ ہے جہاں

منقش کپڑا تیار ہوتا ہے۔ اور عرب لوگوں کی عادت ہے کہ جب کسی چیز کی تعریف میں مبالغہ کرنا مقصود ہو تو اس چیز کو اسی مقام کی طرف منسوب کر دیتے ہیں جہاں وہ بنتی ہو۔ چنانچہ خوبصورت منقش کپڑے کو عبقری کہنے لگے۔ پھر ہر عمدہ اور اچھی چیز کو عبقری کہتے ہیں اس میں توسیع کر کے قابلِ تعریف جوان مرد اور خوبصورت بچھونے کو بھی عبقری کہا جاتا ہے۔

عَبْقَرِيُّ الْقَوْمِ: قوم کا بہادر آدمی، یا قابلِ تعریف و اعتماد رہنما۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمر بن خطاب کے بارے میں ارشاد نقل کیا گیا ہے۔ فَلَمْ اَرَ عَبْقَرِيًّا يَفْرِيْ فَرِيَّهٗ۔ پھر میں نے ایسا عجیب و غریب کسی کو نہ دیکھا کہ جوان کی طرح کام کرنے والا ہو۔

امام راغب لکھتے ہیں کہ بیان کیا جاتا ہے کہ عبقری ایسی بستی ہے جہاں جنّی آباد ہیں جس کی طرف ہر نادر چیز کو منسوب کیا جاتا ہے گویا اس کی مثال لانا مشکل ہے گویا یہ چیز پرستان کی چیز ہے جس کا مقابلہ اس دنیا کی عام چیزیں نہیں کر سکتیں۔ علاّمہ سیّد مرتضیٰ زبیدی نے تاج العروس من جواہر القاموس میں لکھا ہے کہ (عَبْقَر) بر وزن جعفر (ایک موضع ہے) بادیہ میں (جہاں جنّات بہت ہیں) مثل چلی آتی ہے كَاَنَّهُمْ جِنُّ عَبْقَرَ: گویا مقام عبقر کے جنّات ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ یمن میں ایک جگہ ہے۔ اور صحاح میں ہے کہ عرب یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ جنّات کی سرزمین ہے چنانچہ لبید کا ایک شعر ہے ؎

وَمَنْ فَادَ مِنْ اِخْوَانِهِمْ وَبَنِيْهِمْ
كُهُوْلٌ وَشُبَّانٌ كَجِنَّةِ عَبْقَرَ

تقریباً تمام ہی اہلِ تفسیر اور اصحابِ لغت نے لکھا ہے کہ عربوں کے نزدیک عبقر جنّات کے مقام کا نام تھا۔ ابوعبیدؒ کہتے ہیں کہ ہمیں کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو بتاتا کہ یہ مقام صحیح معنوں میں کہاں ہے اور کب تھا۔ یہ ایک خیال ہے کہ جیسا کہ ہمارے بلاد میں بھی پرستان کا خیال پایا جاتا ہے جس کا حقیقۃً کوئی وجود نہیں ہے۔ صاحبِ قاموس نے عبقری کے چند معانی لکھے ہیں:

نمبر۱ ۔ ہر وہ چیز جس میں کمال ہو۔
نمبر۲ ۔ سردار

نمبر۳۔ وہ جو سب سے فوقیت لیجائے۔
نمبر۴۔ مضبوط اور قوی
نمبر۵۔ خاص قسم کے فرش اور بچھونے عبقری واحد اور جمع دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے اور بعض نے اس کا واحد عَبْقَرِيَّةٌ بتایا ہے۔
عَبْقَرَةٌ : خوبصورت عورت۔ گویا یہ حسن و جمال کی پری ہے جو پرستان سے پرواز کر آئی ہے حاصل یہ ہے کہ ہر عمدہ اور نادر چیز کو عَبْقَری کہا جاتا ہے حضرت عمرؓ کے بارہ میں ہے، کَانَ يَسْجُدُ عَلٰى عبقرىٍ۔ ریشمی فرش یا دھاری دار بچھونے یا حاشیہ دار فرش پر سجدہ کرتے تھے۔
عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ : عجیب خوبصورت کپڑوں کے فرش (ماجدی)

آج
مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۸۰ء کو سورۃ رحمٰن
اختتام کو پہنچی —— الحمد للہ رب العٰلمین

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الواقعۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كَاذِبَةٌ : یہ مصدر ہے جیسے عَافِيَةٌ اور عَاقِبَةٌ اور معنی یہ ہیں کہ اسکے وقوع میں کوئی کذب نہیں ہو سکتا، اور بعض حضرات نے کَاذِبَةٌ کو بمعنی تکذیب قرار دیا ہے یعنی اس کی تکذیب نہیں اسکو جھٹلایا نہیں جا سکتا، والکاذِبۃ مصدر بمعنی الکذب (قرطبی) اہل عرب اسم فاعل اور مفعول کا صیغہ بمعنی مصدر استعمال کرلیتے ہیں جیسے آیت کریمہ لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً ہے یہاں لَاغِيَةٌ بمعنی لغو ہے تقدیر یہ ہوگی، لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَغْوًا ایک محاورہ ہے عَائِذًا بِاللهِ یعنی مَعَاذَ اللهِ،

خَافِضَةٌ : خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ، کسی کو پست کرے کسی کو بلند۔ الخفض، یہ رفعٌ کی ضد ہے اور خفضٌ کے معنی نرم رفتاری اور سکون و راحت کے بھی آتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ قیامت زیر و زبر کرنے والی چیز ہے، کسی کو عزت ملے گی کسی کی رسوائی ہوگی۔ لَا شَكَّ فِي وُقُوعِهَا وَأَنَّهَا تَرْفَعُ أَقْوَامًا وَتَضَعُ آخَرِينَ (قرطبی)

رُجَّتْ : إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا، جبکہ زمین کو سخت زلزلہ آئے گا، رَجَّ يَرُجُّ رَجًّا، کپکپانا، لرزانا، ہلانا، جنبش دینا۔ رُجَّتْ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے، وہ ہلائی، وہ کپکپائی، نَاقَةٌ رَجَّاءُ بڑی اور اونچی کوہان والی اونٹنی، چلتے ہوئے جس کی کوہان لہراتی اور حرکت کرتی ہو۔ حدیث میں ہے، مَنْ رَكِبَ الْبَحْرَ حِينَ يَرْتَجُّ فَلَا ذِمَّةَ لَهُ جو شخص موج مارتے ہوئے سمندر میں سوار ہوا، اُس کی حفاظت کا ذمہ جاتا رہا کیونکہ اس نے دانستہ ایک خوفناک کام کیا ہے، فَرَجَّ الْبَابَ رَجًّا شَدِيدًا : اس نے دروازے کو خوب زور سے کھٹکھٹایا، دستک دی۔ اسکا مطاوع اِرْتَجَّ (افتعال) آتا ہے، جیسے رَجَّهُ فَارْتَجَّ اسنے اسے ہلایا تو وہ ہلنے لگا، الرَّجْرَجَةُ

اضطرابٌ، جَارِیَۃٌ رَجْرَجَۃٌ : تھرتھرا کر
چلنے والی چھوکری ۔
ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ الرَّجَّۃُ حرکتِ
شدید کو کہا جاتا ہے جس کی حرکت سے آواز
پیدا ہو۔ الرَّجَّۃُ : الحرکۃ الشدیدۃ یسمع
لہا صوت (قرطبی، راغب)
بُسَّتْ : وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا اور
پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہوجائیں گے (ماجدی)
بَسَّ یَبُسُّ بَسًّا : اجزاء کا باہم دیگر
ملا دینا ۔ بعض نے اس کے معنی آہستہ
آہستہ ہانکنے اور چلانے کے لئے ہیں ۔
قرآن پاک میں دونوں کی تائید ہے عرب
لوگوں کی عادت ہے کہ جب اونٹ یا بکری
کا ریوڑ ہانکتے ہیں تو ہانکتے وقت بس بس
یا بُسّ بُسّ کہتے ہیں، چنانچہ اس طرح ہانکنا
اور جانوروں کو آہستہ آہستہ چلانا بَسٌّ
کہلاتا ہے ۔ حدیث میں ہے جَاءَکُمْ اھل
الیمن یَبُسُّوْنَ عِیَالَھُمْ : اہلِ یمن
اپنے بچوں کو آہستہ آہستہ چلاتے تمہارے
پاس آپہنچے ہیں ۔ بَسَسْتُ السَّوِیْقَ
بِالْمَاءِ ، ستوں کو پانی میں گھول دینا،
دونوں کو خلط ملط کر دینا ۔ پہلے معنی کی تائید
قرآن پاک کی اس آیت سے ہوتی ہے ، وَ
تَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِھْنِ الْمَنْفُوْشِ
اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی طرح ہوجائینگے
اور دوسرے معنی کی تائید و تفسیر اس آیت
سے ہوتی ہے ۔ وَیَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ
اور جس دن ہم پہاڑوں کو آہستہ آہستہ
چلائیں گے ۔ بُسَّتْ واحد مؤنث ماضی
مجہول کا صیغہ ہے ۔ عربی کا قاعدہ ہے
کہ جب فاعل اسم ظاہر ہوتا ہے تو فعل کو
واحد لاتے ہیں اور جمع مکسر کا حکم مؤنث
غیر حقیقی کا حکم ہے کہ اسکے لئے مذکر کا صیغہ
بھی لایا جاسکتا ہے اور مؤنث کا بھی،
چنانچہ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا میں چونکہ جبال
جمع مکسر ہے اس لئے اسکے لئے واحد مؤنث
کا صیغہ بُسَّتْ لایا گیا ہے لہٰذا یہاں بُسَّتْ
کے ترجمہ میں صیغہ جمع کے معنی کا مفہوم
لینا چاہیئے اور ترجمہ جمع سے کیا جانا چاہیئے
یعنی وہ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے ۔
آہستہ آہستہ چلائے جائیں گے ۔ بَسَّ الْمَالَ
فِی الْبِلَادِ ۔ مال کو شہروں میں پھیلا دینا
اور بَسَّ بَیْنَ النَّاسِ بَسًّا وَبَسِیْسَۃً لوگوں
میں فساد ڈلوا دیا، چغلی کھائی (لغات القرآن،
قرطبی، لغات الحدیث وحید الزماں، مفردات)
ھَبَاءً : فَکَانَتْ ھَبَاءً مُّنْبَثًّا : پھر

وہ پراگندہ غبارہ بن جائیں گے۔
هَبَا الغُبَارُ کے معنی ہیں غبار کے اُڑنے اور فضا میں پھیل جانے کے، هَبَآءٌ ان باریک ذرات کو کہا جاتا ہے جو اندر روشندان سے دھوپ کی کرنیں اندر پڑنے سے اُڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مُنْبَثًّا: اصل میں بَثٌّ کے معنی کسی چیز کو متفرق اور پراگندہ کرنے کے ہیں۔
بَثَّ الرِّيحُ التُّرَابَ: ہوا نے خاک اُڑائی
بَثَثْتُهُ فَانْبَثَّ: میں نے اسکو پراگندہ کیا چنانچہ وہ پراگندہ ہوگیا، اور فَكَانَتْ هَبَآءً مُنْبَثًّا اسی سے ہے۔

مَيْمَنَةٌ: فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ، دائیں جانب والے، باسعادت لوگ مَيْمَنَةٌ: سیدھا ہاتھ، دائیں سمت، اصحابُ المَیْمَنَۃِ سے مراد دائیں سمت والے باسعادت لوگ ہیں عرب اُلٹے ہاتھ کو شومی یعنی منحوس اور سیدھے ہاتھ کو یُمْنٰی مبارک قرار دیتے ہیں اسلئے دائیں سمت والوں سے مراد ہونگے اہلِ سعادت اور نیک بخت لوگ۔ اہلِ عرب کو جسکا احترام مقصود ہوتا تھا اسکو مجلس میں سیدھے ہاتھ بٹھاتے تھے فلانٌ مِنّی بِالیَمِین وہ تو میرے سیدھے ہاتھ کی طرف ہے۔ یعنی وہ میرا دست راست ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ میدانِ قیامت میں دوزخ بائیں جانب واقع ہوگی، اور جنت دائیں طرف کو۔ تو اصحابُ المشئمۃ سے مراد دوزخی، اور اصحابُ المیمنۃ سے مراد جنتی لوگ ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت ہے کہ نسل آدم کو جب اللہ تعالیٰ نے اُس کی پشت سے نکالا تو کچھ لوگ حضرت آدم کی دائیں طرف اور کچھ بائیں طرف ہوئے۔ دائیں طرف والوں کو جنتی اور بائیں طرف والوں کو دوزخی قرار دیا دیا، اور اصحاب المیمنۃ اور اصحاب المشئمۃ سے وہی لوگ مراد ہیں۔ ضحاک کا قول یہ ہے کہ اصحابُ المیمنۃ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اعمالنامے سیدھے ہاتھ میں دیئے جائیں گے، اور اصحابُ المشئمۃ وہ لوگ ہیں جن کو اعمال نامے اُلٹے ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ اصحاب المیمنۃ اور اصحاب المشئمۃ کی توجیہہ میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن تمام مختلف اقوال کا حاصل ایک ہی ہے کہ اصحاب المیمنۃ سے مراد اہلِ سعادت اور اصحاب المشئمۃ سے مراد اہلِ شقاوت ہیں۔
یَمِینٌ، کا اصل معنی سیدھا ہاتھ ہے اسکے

بعد سیدھے رُخ کو یمین کہنے لگے ہیں، پھر ہر خیر و سعادت اس سے مراد لینے لگے، پھر وسیلہ سعادت پر بھی اسکا اطلاق ہونے لگا، حدیث میں ہے، الحجر الاسود یمین اللہ حجر اسود اللہ کا قرب حاصل کرنیکا ذریعہ ہے اور حصول سعادت وسیلہ ہے۔

چونکہ معاہدہ عموماً سیدھے ہاتھ پر سیدھا ہاتھ مار کر کیا جاتا ہے اور قول و قرار کا یہی طریقہ بکثرت اقوام عالم میں جاری ہے، اسلئے یمین کا معنی قسم اور حلف ہو گیا اور مَوْلی الیمین مُعاہد کو کہنے لگے تَیَمُّنٌ : برکت ڈھونڈنا، برکت طلب کرنا۔

(لغات القرآن، احکام القرآن)

مَشْئَمَةٌ : اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ : بائیں جانب والے، اَلْمَشْئَمَةُ : اسم بائیں جانب، شُومیٰ : بائیں طرف، شَامُ : ملک شام چونکہ کعبہ سے بائیں جانب ہے اسلئے شام کہلایا۔ شِیْمَةٌ : عادت، طبیعت، شُئُوْمٌ : بدشگونی، مَشْئَمَۃٌ : شئوم سے مشتق ہے جسکے معنی بدفالی بدبختی، وغیرہ کے کئے گئے ہیں اسی سے اُردو کا محاورہ ہے، شومئ قسمت بدنصیبی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، فلانٌ مِنّی بالشِّمَالِ : اس کی میرے ہاں کوئی قدر نہیں وہ میرے بائیں جانب ہے، اُردو والے کہتے ہیں یہ تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے یعنی یہ کام تو بہت ہلکا ہے۔

ثُلَّةٌ : ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ انبوہ ہے پہلوؤں میں سے۔ لفظ ثُلَّةٌ (بضم الثاء) جماعت کو کہتے ہیں۔ زمخشری نے لکھا ہے کہ بڑی جماعت کو کہتے ہیں، ای جَمَاعَة مِنَ الْاُمَمِ الْمَاضِیَة (قرطبی)

الجماعة غیر محصورة العدد : یعنی اتنی بڑی جماعت کہ گننے میں نہ آئے (معالم)

سُرُرٍ : عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ : یہ مقربین سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر ہونگے۔ سُرُرٌ جمع سَرِیْرٌ کی چارپائی۔ بیٹھنے کی جگہ، ای مجالسهم علٰی سُرُرٍ جمع سَرِیْرٌ (قرطبی)

مَوْضُوْنَةٌ : وَضْنٌ مصدر سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، سونے کے پتروں اور تاروں سے بنے ہوئے جڑاؤ، زرہ کی طرح بنے ہوتے ہیں (البغوی)

سونے کے تاروں سے گھنی بناوٹ والے جواہرات سے جڑے ہوئے (معالم)

عام اہل تفسیر نے اسکے معنی قطار در قطار

کئے ہیں۔

اصل میں وضنٌ زرہ کی بناوٹ کو کہتے ہیں اور پھر مجازاً ہر مضبوط چیز پر جسکی بناوٹ مضبوط ہو وضن کہدیا جاتا ہے مَضْنَةٌ کھجور کے پتوں سے بنائی ہوئی چٹائی۔

وَضِينُ النَّاقَةِ : پالان کسنے کی رسّی،

سُرُرٌ مَّوْضُونَةٌ : جواہرات سے مرصّع پلنگ،

اَكْوَاب : بِاَكْوَابٍ وَاَبَارِيقَ:

اَكْوَابٌ جمع ہے اس کی واحد کوبٌ ہے پانی وغیرہ پینے کا برتن، جیسے گلاس، لیکن کوب خاص شراب پینے کے برتنوں کو کہا جاتا ہے ان کا کوئی دستہ اور کُنڈہ نہیں ہوتا جیسا کہ سورۂ زخرف میں گزرچکا کہ اکوابٌ جمع کوبٌ ۔ وھی الاٰنیۃ التی لاعری لھا ولاخراطیم (قرطبی)

اَبَارِيق : ٹونٹی والے لوٹے جنکو پکڑنے کا دستہ لگا ہوتا ہے یہ ابریقٌ کی جمع ہے والاباریق التی لھا عری وخراطیم واحدھا ابریق ۔ سُمّی بذالک لانہ یبرق لونہ بصفائہ (قرطبی)

صاف وشفاف ہونے کی وجہ سے اسکا رنگ چمکتا ہے اسی لئے اس برتن کو ابریق کہا جاتا ہے۔

يُصَدَّعُونَ : لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا

یہ صُدَاعٌ سے مشتق ہے جسکے معنی دردِ سر کے ہیں۔ لَا يُصَدَّعُونَ: شراب جنت کی تعریف ہے۔ وہ ایسی شراب ہے جسکے پینے سے نہ دردِ سر ہوگا نہ عقل کا فتور، یہ شراب جنت ان تمام قباحتوں سے پاک ہوگی جو شراب دنیا میں پائی جاتی ہے۔ حضرت مجاہد اور قتادہ وغیرہ نے يَصَّدَّعُونَ پڑھا ہے۔ (البحر)

يُنْزِفُونَ : نَزْفٌ کے معنی اصل میں کنویں کا تمام پانی کھینچ لینے کے ہیں یہاں مراد عقل سے خالی ہونا ہے (دیکھئے صٰفّٰت لفظ يُنْزِفُونَ)

الْمَكْنُونِ : اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ:

پوشیدہ رکھا ہوا موتی، مَكْنُونٌ چھپا ہوا۔ یہ كَنٌّ سے اسم مفعول ہے كُنُونٌ مصدر ہے باب نَصَرَ سے آیا ہے اِكْنَانٌ (افعال) اور تَكْنِينٌ تفعیل سے، کسی چیز کو چھپانا، محفوظ کرنا، دھوپ کی تیزی سے بچانا۔ اِسْتِكْنَانٌ، استفعال چھپ جانا، پردہ میں چلے جانا۔

اصل میں كِنٌّ ہر اُس چیز کو کہا جاتا ہے

جس میں کسی چیز کو محفوظ رکھا جائے۔
کَنَنْتُ الشَّیْءَ کَنًّا: کسی چیز کو کنّ میں محفوظ کرنا، اور جو چیز اسمیں محفوظ کی جاتی ہے اس کو مکنون کہا جاتا ہے، کِنٌ کی جمع اکنانٌ آتی ہے۔
تَاْثِیْمًا: گناہ کی باتیں، گناہ میں ڈالنا گنہگاری۔ اصل میں گناہ کو کہتے ہیں، تَاْثِیْمٌ، باب تفعیل کا مصدر ہے، اَثَّمْتُہٗ کے معنی ہیں میں نے اسکو گناہ کی طرف منسوب کیا، اس کو گنہگار کیا، قرطبی میں ہے، والتَّاْثِیْمُ، مصدر اَثَّمْتُہٗ۔ ای قُلْتُ لَہٗ اَثِمْتَ۔
سِدْرٍ: فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ: بے خار بیریاں، سِدْرٌ۔ بیری کا درخت، کما مرّ،
مَخْضُوْدٍ: کانٹوں سے صاف کیا ہوا درخت، حضرت ابن عباسؓ کا اور عکرمہ کا قول ہے۔ مخضود وہ درخت ہے جس کو کانٹوں سے صاف کر دیا ہو تاکہ ہاتھوں کو زخمی نہ کرے خَضَدْتُّہٗ فَانْخَضَدَ میں نے درخت کے پتے توڑے چنانچہ وہ ٹوٹ گئے۔ خَضِیْدًا اور مَخْضُوْدٌ وہ درخت جس کے پتے توڑ دیئے گئے ہوں۔ امیہ بن الصلت جنت کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

اِنَّ الْحَدَائِقَ فِی الْجِنَانِ ظَلِیْلَۃٌ
فِیْھَا الْکَوَاعِبُ سِدْرُھَا مَخْضُوْدٌ

طَلْحٍ: وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ۔ طلح کیلے کا درخت۔ یہ جمع ہے اسکی واحد طَلْحَۃٌ۔ طَلْحٌ، تھک جانے اور تھکا دینے کے معنی میں بھی آتا ہے جیساکہ فَمَا یَبْرَحُ یُقَاتِلُھُمْ۔ حَتّٰی طَلَحَ، پھر ان سے برابر لڑتے رہے یہانتک کہ تھک گئے، اور طالح، یہ صالح کے مقابلے میں ہے۔ حدیث میں ہے لَوْلَا الصَّالِحُوْنَ لَھَلَکَ الطَّالِحُوْنَ: اگر نیک لوگ نہ ہوئے تو بدبخت لوگ ہلاک ہو جاتے،

ع بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم
نیکوں کی برکت سے بُرے بھی بخشد یئے جاتے ہیں۔

طَلْحٌ: ایسے درخت کو بھی کہتے ہیں جو کانٹے دار اور بڑا درخت ہوتا ہے، جیساکہ ببول وغیرہ کا درخت، حسنؒ کا قول ہے کہ طلح کیلا نہیں ہے بلکہ یہ ایک درخت ہے جسکا سایہ گھنا اور ٹھنڈا ہوتا ہے لیکن اکثر اہل تفسیر کے نزدیک طلح سے مراد کیلہ ہے۔

الطلح شجر الموز واحدہ طلحۃٌ قالہ اکثر المفسرین ... وقال الفراء وابو عبیدہ : شجر عظام لہ شوکٌ (قرطبی)

مَنْضُوْدٌ : نَضَدَ سے اسم مفعول مذکر ہے مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکا ترجمہ تہ بر تہ کیا ہے۔ نضد مصدر۔ طے کیا ہوا سامان۔ نَضَدٌ مصدر تہ بر تہ کرنا نَضَدَ مَتَاعَہٗ یَنْضِدُ : اپنے سامان کو اوپر تلے رکھنا۔ نَضِیْدٌ اور منضود، وہ سامان جو ترتیب سے رکھا ہو۔

مَسْکُوْبٌ : وَمَآءٍ مَّسْکُوْبٍ : اور پانی بہتا ہوا (بیان القرآن) جاری پانی جو سطح زمین پر بہتا ہو (معارف) سَکْبٌ ، سُکُوْبٌ ، تَسْکَابٌ (نَصَرَ) پانی کا بہنا، بڑی بڑی بوندوں کے ساتھ مسلسل بارش برسنا، مؤذن کا اذان دینا۔ واَصْلُ السَّکْبِ : الصّبُّ (قرطبی)

مَقْطُوْعَۃٌ : مَقْطُوْعَۃٍ یہ قَطْعٌ سے اسم مفعول مؤنث ہے، قطع کردہ کاٹ دیا گیا ختم کر دیا گیا، لا مقطوعۃ کے معنی ہونگے نہ ختم ہونے والے، مقطوعۃ سے مراد جو فصل موسم کے ختم ہونے پر ختم ہو جائے، جیسا کہ دنیا میں عام پھلوں کا یہی حال ہے، لا مقطوعۃ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جنت کے تمام ثمرات موسم کے تابع نہیں بلکہ سدا رہیں گے۔

مَمْنُوْعَۃٌ : وَلَا مَمْنُوْعَۃٌ ، اور نہ ان کو روک ٹوک ہوگی (بیان القرآن) دنیا میں جس طرح درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کے نگراں ان کو توڑ دینے سے منع کر دیتے ہیں جنت کے پھل اس سے آزاد ہونگے، ان کو توڑنے میں کوئی کاوش نہ ہوگی (معارف)

مَمْنُوْعَۃٌ : باب فتح کے مصدر مَنْعٌ سے اسم مفعول مؤنث ہے۔ علاقہ ممنوعہ جہاں جانے کی عام اجازت نہ ہو۔ سرکاری علاقہ جہاں غیر سرکاری داخلہ منع ہو۔

فُرُشٌ : وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَۃٍ ، فُرُش، فراش کی جمع ہے بمعنی بستر۔ فرش۔

اِنْشَآءٌ : اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ہم نے وہاں کی عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے۔ اِنْشَآءٌ کے معنی پیدا کرنے کے ہیں۔ معنی آیت کے یہ ہیں ہم نے

جنت کی عورتوں کی پیدائش و تخلیق ایک خاص انداز سے بنائی ہے۔

اَبْکَارًا: یہ بِکْرٌ کی جمع ہے، کنواری لڑکی کو کہا جاتا ہے، مراد یہ ہے کہ ان کی تخلیق اس شان سے ہوئی ہے کہ وہ ہر تعلق کے بعد کنواری جیسی ہو جائیں گی۔

عُرُبًا: عُرُبًا اَتْرَابًا: عُرُبٌ بضم عین، عُرُوْبَۃٌ کی جمع ہے اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے شوہر کی عاشق ہو، اور خاوند کی من پسند ہو (معارف)

و نقل القرطبی رحمہ اللہ علیہ عُرُبًا جمع عَرُوْبٌ (بفتح العین) قال ابن عباس ومجاھد وغیرھما: اَلْعُرُبُ العَوَاشِقُ لأزواجھن (قرطبی)

قال الشاعر:

وفی الخِبَاءِ عَرُوْبٌ غَیْرُ فَاحِشَۃٍ
رَیَّا الرَّوَادِفِ یَعْشٰی دُوْنَھَا البَصَرُ

(قرطبی)

العَرِبَۃُ اور اَلْعَرُوْبُ خوش مزاج عورت، ہنس کر بات کرنیوالی۔

عَرِبَۃ: وہ جاریہ اور لڑکی جسکو کھیلنے کا بہت شوق ہو۔ فَاَمَّا الْعُرُبُ: فجمع عَرُوْبٍ وھی المرأۃ الحسناءُ المتحببۃ الیٰ زوجھا۔ صاحب لسان العرب نے عُرُبٌ کے ایک دوسرے معنی بھی ذکر کئے ہیں کہ عَرُوْبٌ ایسی عورت کو بھی کہتے ہیں جو اپنے زوج کی نافرمانی اور اسکے حقِّ زوجیت میں خیانت کرنیوالی ہو اور مفسد مزاج ہو۔ والعَرُوْبُ اَیْضًا - العَاصِیَۃُ لزوجھا، الخَائِنَۃُ بفرجھا، الفاسدۃ فی نفسھا (لسان) یہ ان عورتوں کی حالت ہے جو وافر حسن وجمال کی وجہ سے دُنیا میں بے راہ روی کا شکار ہو جاتی ہے شریف معاشرہ انکی متاع مشترک سے نہایت نفرت کرتا ہے۔ دُنیا کے تمام قحبہ خانے اور فلم اسٹوڈیو انہی کی بدبو سے متعفن ہیں، یہ دُنیا کے بدترین ادارے ہیں جو انسان کے اخلاق و کردار کے قاتل ہیں۔ صاحب لسان نے لکھا ہے کہ عَرِبَۃٌ کی جمع عَرِبَاتٌ اور عَرُوْبٌ (بفتح العین) کی جمع عُرُبٌ ہے، قرآن پاک میں ان سے مراد شریف اور اخلاق و کردار کی بلند عفت و عصمت کی پاکیزہ جنتی خواتین ہیں

اَتْرَابًا: ہم عمر (ماجدی) اَتْرَابٌ، تِرْبٌ کی جمع ہے بکسر تا جسکے معنی ہم عمر کے ہیں جو مٹی میں ساتھ کھیلا ہو۔ ترابٌ

مٹی کو کہتے ہیں اسی سے اتراب ان لوگوں کے لئے بولا جانے لگا ہے جو بچپن میں مٹی میں ایک ساتھ کھیل چکے ہوں ۔ اور اکٹھی تربیت پائی ہو۔ گویا وہ عورتیں اپنے خاوندوں کے اس طرح مساوی اور مماثل یعنی ہم مزاج ہیں جیسے سینوں کی ہڈیوں میں یکسانیت پائی جاتی ہے اور یا اس لئے کہ گویا وہ زمین پر بیک وقت واقع ہوئی ہیں ۔

اترابٌ عورتوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اور مردوں کے لئے اَقرانٌ کا لفظ بولا جاتا ہے یُقَالُ فِی النِّسَاءِ اترابٌ وفی الرجال اقرانٌ (قرطبی)

سَمُوْمٍ : فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ، اصل سَمٌّ زہر قاتل کو کہا جاتا ہے جو انسان کے بدن کو فاسد کر دیتا ہے، پھر اسی سے گرم لُو کو سَمُوْمٌ کہنے لگے جو انسان کے بدن میں زہر کی طرح سرائیت کر جاتی ہے، فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ دوزخ کی لپیٹ اور کھولتے چشمے میں ہونگے والسَّمُوْمُ : الریح الحارۃ التی تدخل فی مسام البدن (قرطبی)

یَحْمُوْمٍ : مِنْ یَّحْمُوْمٍ ، لَّا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیْمٍ - یحموم ، یَفْعُوْلٌ کے وزن پر اسم ہے - سیاہ دھواں - یہ حَمٌّ سے ماخوذ ہے، اور حَمٌّ اس چربی کو کہا جاتا ہے جو آگ سے جلنے کی وجہ سے سیاہ ہو چکی ہو، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ حَمَمٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنی کوئلے کے ہیں، ابن زید لغوی کا قول ہے کہ یحموم دوزخ میں ایک سیاہ پہاڑ ہے جسکے سائے میں دوزخی لوگ پناہ لینا چاہیں گے (قرطبی)

حَمَمٌ سے مختلف مشتقات مستعمل ہوتے ہیں اور اکثر الفاظ کے مفہوم میں سیاہی، گرمی یا دونوں میں سے ایک مفہوم کا ہونا ضروری ہے حَمُّ الظَّهِيْرَةِ : دوپہر کی گرمی، حُمَّۃُ الحَرِّ گرمی کی شدت ، سیاہی کے لئے حَمَمٌ کا لفظ بولا جاتا ہے - حَمَّامٌ : گرمابہ -
شَفَةٌ حَمَّاءُ : سیاہ رنگ کے ہونٹ
اَرْضٌ مَحَمَّۃٌ : بخار پیدا کرنے والی زمین
حَمِیْمٌ : گہرا دوست ، گویا اس کے دل میں محبت کی گرمی ہے -

یُصِرُّوْنَ : وَكَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَی الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ : اور بڑے بھاری گناہ پر اصرار کرتے رہتے تھے - الاصرار کسی گناہ پر سختی سے جم جانا اور اس سے باز نہ آنا - وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا ، اور وہ اپنی غلطی پر اصرار نہیں کرتے، الاصرارُ پختہ عزم اور مضبوط ارادہ کو بھی کہا جاتا ہے

محاورہ ہے ھٰذا امنی صِرّی : یہ میرا پختہ ارادہ ہے۔

الحِنْثُ : الحِنْثِ العَظِیْم : بھاری گناہ، بڑی نافرمانی، قسم کے توڑنے پر حِنْث کا لفظ بولا جاتا ہے اسلئے کہ اسمیں بھی گناہ ہے۔ حَنِثَ فِی یَمِیْنِہٖ : اسنے اپنی قسم توڑ دی، سن بلوغ پر بھی حنث کا اطلاق اسلئے ہوتا ہے کہ بلوغ کے بعد انسان جو گناہ کریگا اس پر مواخذہ ہوتا ہے، بَلَغَ فلانٌ الحِنْثَ : فلاں بالغ ہوگیا۔ مُتَحَنِّثٌ وہ آدمی جو اپنے گناہ دُور کرنے کے لئے عبادت میں لگ جائے (راغب)

مِیْقَات : وقتٌ سے ظرفِ زمان ہے مقرر کیا ہوا وقت، متعین وقت، میقات: مکہ مکرمہ کی وہ حدود جن سے بغیر احرام کے اندر جانا ممنوع ہے۔ جمع مَوَاقِیْت،

مَالِئُوْنَ : فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا البُطُوْنَ یہ مَلْأٌ سے اسم فاعل جمع مذکر ہے اسکی واحد مَالِئٌ ہے۔ مَلْأَةٌ پیٹ بھر جانا، اس مادہ کی وضاحت گزر چکی ہے۔

شُرْبَ : شُرْبَ الهِیْم : پیاس کے مارے ہوئے، اونٹ کا سا پینا — شَرِبَ یَشْرَبُ شُرْبًا وشَرْبًا وشِرْبًا وَشُرُبًا (بضمتین) چاروں مصدر آتے ہیں۔ پانی یا کسی مائی چیز کو پینا، لیکن ثلاثی مجرد کے ابواب میں مصدر کا اصل قانون فَعْلٌ ہے یعنی بفتح الفاء او سکون العین۔ شَرَابٌ : ہر وہ چیز جسکو پیا جائے پینے کی تمام اشیاء پر شراب کا لفظ بولا جاتا ہے اس کی جمع اَشْرِبَةٌ ہے، اور شِرْبٌ (شین کے کسرہ سے) پانی کی باری، پانی کا الگ مخصوص حصہ۔ کُلُّ شِرْبٍ مُحْتَضَرٌ : ہر باری والے کو اپنی باری پر آنا۔ شِرْبٌ (بالکسر) مشروب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے کہ طِحْنٌ مَطْحُوْنٌ کے لئے آتا ہے۔ شِرْبٌ کی جمع اَشْرَابٌ آتی ہے۔ الشُّرْب بالضم مصدر۔ وقیل اسم لما یُشْرَبُ (روح)

هِیْمٌ : شُرْبَ الهِیْم : مارے ہوئے پیاس کے اونٹ کی طرح پینا۔ هِیْمٌ جمع ہے هَائِمٌ کی۔ رَجُلٌ هَیْمَانٌ وهَائِمٌ: سخت پیاسا آدمی۔ علامہ راغبؒ نے لکھا ہے کہ هُیَامٌ اونٹ کی ایک بیماری ہے جس سے اونٹ کو اتنی پیاس لگتی ہے کہ وہ سیر نہیں ہوتا۔ والهِیْمُ الابلُ العِطَاشُ التی لا تَرْوِیْ لِدَاءٍ یُصِیْبُهَا (قرطبی)

ھِیْمٌ: وہ اونٹ ہیں جو بیماری کی وجہ سے سیر نہیں ہو سکتے۔ ھِیْمٌ کی واحد بعض اہل لغت نے اَھْیَمُ نقل کی ہے اور مونث ھَیْمَاءُ۔ واحدھا اَھْیَمُ والانثی ھَیْمَاءُ (قرطبی) ھَیْمُ اللہِ بمعنی اَیْمُ اللہِ، یعنی اللہ کی قسم۔ ھُیَامٌ: شوریدگی، عشق، شیفتگی وارفتگی، مُسْتَھَامٌ: عشق کی وجہ سے حیران و سرگرداں، بیمارِ عشق، اُسْتُھِیْمَ فُؤَادُہٗ: شدّتِ محبت کی وجہ سے اسکا دماغ خراب ہو گیا۔ محبت کی بنا پر عقل جاتی رہی۔ ھَیَّمَہُ الْحُبُّ: محبت نے اسکو دیوانہ کر دیا ھَامَ، یَھِیْمُ، ھَیْمًا، وھِیَمَانًا، ھَامَ بکذا: محبت کرنا، ھَامَ عَلٰی وَجْھِہٖ: آوارہ پھرنا۔

نُزُلٌ: ھٰذَا نُزُلُھُمْ: یہ ہوگی ان کی دعوت (ترجمہ ماجدی) نُزُلٌ: مہمانی کا کھانا۔ طعامِ ضیافت، ای رِزْقُھُمْ الذی یُعَدّ لَھُمْ کَالنُّزُلِ الَّذِیْ یُعَدُّ لِلْاَضْیَافِ (قرطبی)

تُمْنُوْنَ: اَفَرَءَیْتُمْ مَا تُمْنُوْنَ: اچھا یہ تو بتاؤ کہ جو تم منی پہنچاتے ہو۔ تُمْنُوْنَ: تم منی ٹپکاتے ہو، اِمْنَاءٌ سے جس کے معنی منی ٹپکانے اور ڈالنے کے ہیں جمع مذکر مضارع کا صیغہ ہے، اصل مادہ مجرد باب ضَرَبَ سے مَنْیٌ ہے، مَنْیٌ کے معنی مقدر کرنے، آزمانے اور منی باہر آنے کے ہیں۔ علّامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ منی کو منی کہنے کی دو وجہ ہیں۔ ایک یہ کہ اِمْنَاء کے معنی ڈالنے اور انڈیلنے کے آتے ہیں۔ چونکہ منی بھی ڈالی اور ٹپکائی جاتی ہے اسی مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس مادہ کو منی کہا گیا ہے۔

دوسرے معنی مَنْیٌ کے اندازہ اور مقدر کرنے کے ہیں۔ محاورہ ہے مَنٰی لَکَ الْمَانِیْ اندازہ کرنے والے نے تیرے لئے اندازہ کیا اسی سے نطفہ کو منی کہا گیا ہے اس سے حیوانات کی ساخت مقرر کیجاتی ہے اسی سے وزن کی مقدار کرنیوالے باٹ کو مَنٌّ کہا جاتا ہے۔

بعض قرار نے تُمْنُوْنَ کو افعال کے بجائے مجرد سے تَمْنُوْنَ بفتح التاء پڑھا ہے، معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔ اَمْنٰی اور مَنٰی ڈالنا مقدر کرنا۔

مَنٰی یمنی مَنْیًا (ض) مَنَی اللہُ الْخَیْرَ لفلانٍ، اللہ نے فلاں کے لئے خیر مقدر کر دی۔ مَنًا، یَمْنُوْ مَنْوًا: آزمانا

تَزْرَعُوْنَ : ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ : تم بوؤگے، تم کاشت کروگے، تم کھیتی کروگے۔ زَرْعٌ سے مضارع کا صیغہ ہے جسکے معنی کرنے کے ہیں۔ زَارِعٌ فاعل ہے اسی کی جمع زَارِعُوْن ہے۔

حُطَامًا : لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا ، حُطَامٌ : ریزہ ریزہ۔ چورا۔ روندن، جو چیز چورا ہوکر ریزہ ریزہ ہو جائے اور روندی جائے حُطَامٌ کہلاتی ہے حَطْمٌ مصدر سے مشتق ہے جسکے معنی توڑنے کے ہیں۔ والحُطَام الهَشِيْمُ الهَالِكُ الَّذِیْ یُنْتَفَعُ بِهٖ فِیْ مَطْعَمٍ وَلَا غَذَاءٍ (قرطبی)

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا : اگر ہم چاہیں تو ہم پیداوار کو چورا چورا کردیں۔ تَفَكَّهُوْنَ : فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ : پھر تم حیرت کرنے لگے (ماجدی) ای تَعْجَبُوْنَ بِذَهَابِهَا وَتَنْدَمُوْنَ مِمَّا حَلَّ بِكُمْ (قرطبی) یہ تفکّہ سے جمع مذکر مضارع کا صیغہ ہے، اصل میں تَتَفَكَّهُوْنَ ہے، ایک تار کو حذف کردیا گیا ہے۔ تفکّہ کے معنی تعجب کرنے پشیمان اور نادم ہونے کے آتے ہیں اور باتیں بنانے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ اَلتَّفَكُّهُ اَلتَّنَقُّلُ بِصُنُوْفِ الفَاكِهَةِ وَقَدْ اُسْتُعِيْرَ لِلتَّنَقُّلِ بِالحَدِيْثِ، یعنی تفکّہ کے معنی طرح طرح کے میووں سے نقل کرنے کے ہیں اور بطور استعارہ نقلِ حدیث کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ کسائی جو لغت و عربیت کے امام ہیں تصریح کرتے ہیں کہ تفکّہ مافات پر تأسف کرنے کو کہتے ہیں، یہ لغت اضداد میں سے ہے، اہلِ عرب تفکّہ کا استعمال تَنَعُّمٌ اور عیش کوشی کے لئے بھی کرتے ہیں اور غم اور تأسف کے لئے بھی، تَفَكَّهْتُ بِالشَّیْءِ: کسی چیز سے متمتع ہونا، نفع اٹھانا اور تَفَكُّهَةٌ : بے فائدہ باتیں بنانا، ایسا کلام کرنا جسکا کوئی خاص مقصد نہو (قرطبی) فُكَاهَةٌ بضمِّ الکاف، اسم ہے وہ مزاح جو خوش طبعی کے طور پر کیا جائے، اور فَكَا مصدر ہے مزاح کرنا، فَكِهَ الرَّجُلُ : آدمی کا مزاح کرنا، فَكِهٌ صفت فاعلی ہے پاکیزہ مزاح کرنے والا، حافظ ابن حجر نے تصریح کی ہے کہ تَفَكُّهٌ کا وزن تَفَعُّلٌ ہے، یہ تَأَثُّمٌ کی طرح ہے جسکے معنی ہیں اِثْمٌ کو دُور کرنا، یعنی گناہ سے علیحدہ ہونا تو اس طرح تَفَكُّهٌ کے معنی ہوئے اس نے فاکہہ کو دُور کردیا، یعنی میووں کے

مزہ سے جدا ہوگیا، اور جو شخص کہ نادم اور غمگین ہوتا ہے اسکا یہی حال ہوتا ہے کہ مزوں سے دور رہتا ہے۔

مُغْرَمُوْنَ : اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ، ہم پر تاوان پڑ گیا (ماجدی) یہ غُرْمٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں مفت تاوان یا جرمانہ، وہ مالی نقصان جو کسی قسم کی خیانت یا جنایت کا ارتکاب کئے بغیر انسان کو اٹھانا پڑے۔ اُغْرِمَ فُلَانٌ غرامۃً : فلاں پر تاوان پڑ گیا (راغب) بعض اہل تفسیر نے اس کو غَرَامٌ سے ماخوذ مانا ہے جس کے معنی عذاب اور ہلاکت کے ہیں، اس صورت میں مُغْرَمُوْنَ بمعنی مُہْلَكُوْنَ ہوگا۔ ماخوذٌ مِنَ الغَرَامِ وَہُوَ الہلاک (قرطبی)

مُزْنِ : ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ـــــ الْمُزْنُ سے مراد بادل ہیں اس کی واحد مُزْنَۃٌ ہے۔ مُزْنٌ کا لفظ آسمان کیلئے بھی بولا جاتا ہے۔ ابوزید کا قول ہے کہ مُزْن سفید بادلوں کو کہا جاتا ہے، اور مُزْنَۃٌ بادل جو برسنے والی ہو (قرطبی)

اِبْنُ مُزْنَۃٍ، نئے ماہ کا چاند جو بادلوں سے نمودار ہو، اور فلانٌ یَتَمَزَّنُ کے معنی ہیں وہ بارش کی طرح سخاوت کرتا ہے یعنی بے تکلف سخاوت کرتا ہے، اور شاعر کا قول ہے ؎

فَنَحْنُ کَمَاءِ الْمُزْنِ مَا فِی نِصَابِنَا
کَھَامٌ وَلَا فِیْنَا یُعَدُّ بَخِیْلُ

ہم بادل کی طرح سخی ہیں، ہماری اصل میں نقل بھی نہیں ہے اور کوئی آدمی بخیل بھی شمار نہیں ہوتا۔

مُقْوِیْن : وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ، اور مسافروں کے لئے نفع کی چیز۔ مُقْوِیْن جمع ہے اس کی واحد مُقْوِیٌ آتی ہے، غریب الدیار مسافر، اقوارٌ (افعال) مصدر ہے، قوار یا قُوَّۃٌ، مأخذ (مجرد)

اس لفظ کے ترجمہ میں اہل تفسیر کا اختلاف ہے صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ قیٌّ اور قوارٌ ویران اور غیر آباد زمین کو کہتے ہیں جس میں کوئی رہنے والا نہ ہو ومَنْزِلٌ قَوَاءٌ: لا انیس فیہ جس میں کوئی رہنے والا نہو اَقْوَتِ الدَّارُ: مکان غیر آباد ہوگیا اسمیں کوئی بسنے والا نہ رہا۔ قَوِیَتِ الدَّارُ بھی اسی معنی میں آتا ہے سبعہ معلقہ کا شاعر عنترہ کہتا ہے ؎

حُیِّیْتَ مِنْ طَلَلٍ تَقَادَمَ عَھْدُہٗ
اَقْوٰی وَاَقْفَرَ بَعْدَ اُمِّ الْھَیْثَمِ

اے عبلہ کے ٹیلو! جو اس کے چلے جانے کے
بعد مدت ہوئی ۔ ویران ہو خدا تمہیں اپنی
دنیا تک قائم رکھے ۔

یا دارَ مَیَّةَ بِالعُلْیَا فَالسَّنَدِ
اَقْوَتْ وَطَالَ عَلَیْهَا سَالِفُ الْاَمَدِ

ان معنی کے اعتبار سے مقوین کے معنی
ہوئے مسافرین ۔ مسافر اور صحرا نشین
لوگوں کو آگ سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے
رات کو آگ جلاتے ہیں تو درندے دیکھ کر
بھاگ جاتے ہیں اور مسافروں کو راستہ
مل جاتا ہے ۔ قرطبی میں ثعلبی کے حوالہ سے
اس قول کو اکثر اہل تفسیر کا قول قرار دیا ہے
مجاہد اور عکرمہ کا قول ہے کہ مقوین سے مراد
عام لوگ ہیں، چاہے مسافر ہوں یا غیر مسافر
مراد یہ ہے کہ یہ تمام لوگوں کے لئے نفع کی
چیز ہے ۔ روٹی، سالن وغیرہ پکانے اور
جلانے میں سب کے کام آتی ہے' ابن زید
نے مقوین سے مراد، بھوکے لئے ہیں، عرب
کہتے ہیں، اَقْوَیْتُ مُنْذُ یَوْمَیْنِ : میں
دو دن سے بھوکا ہوں ۔ بَاتَ فُلَانٌ
القَوَاءَ : اس نے رات بھوک سے بسر
کی ۔ عرب کا شاعر حاتم طئی کہتا ہے ؎

وانّی لاختار القَوٰی طاوی الحشیٰ
مُحَافَظَةً مِنْ اَنْ یُّقَالَ لَئِیْمُ

قطرب کہتے ہیں کہ مقوی اضداد میں سے
ہے ۔ فقیر کو بھی کہتے ہیں کہ وہ مال سے
خالی ہوتا ہے ۔ اور غنی کو بھی کہتے ہیں کہ وہ
صاحب قرب ہوتا ہے، اپنے ہر مقصود
کو حاصل کرنے کی اس میں قوت ہوتی ہے
اَقْوَی الرَّجُلُ : اس کے مویشی قوی
ہوگئے ۔ مال بہت ہوگیا اور قوت دار ہوگیا
دراصل مقوی کے معنی کا اختلاف اسکے
ماخذ کے اختلاف سے ہے، اور قطرب کا
مدعا بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر مقوی کا
ماخذ قواء قرار دیا جائے تو مقوی کے معنی
فقیر ہوگا کیونکہ قواء خالی مکان اور بیابان
کو کہتے ہیں ۔ فقیر کا پیٹ بھی خالی جیب
بھی خالی اور گھر بھی خالی، اور اگر مقوی کا
ماخذ قوت قرار دیا جائے تو مقوی کا معنی
ہوگا صاحب طاقت اور غنی صاحب
قوت ہوتا ہے اس کو مالی قوت حاصل ہوتی ہے
علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ آیت میں تمام معنوں
کی گنجائش ہے ۔

لَآ اُقْسِمُ : لَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ
لفظ لا اقسم کے شروع میں ایک عام محاورہ ہے
جیسے لا واللہ اور جاہلیت کی قسموں میں لا

وَاَبِیۡكَ مشہور ہے بعض حضرات نے لا کو زائد قرار دیا ہے، اور بعض نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس موقع پر حرف لا، مخاطب کے گمان کی نفی کے لئے آتا ہے، یعنی لَیْسَ كَمَا تَقُوْلُ: تم جیسا کہ کہتے اور سمجھتے ہو ایسا نہیں بلکہ حقیقت وہی ہے جو قسم کے بعد واقع ہے (معارف)

اور لا حرف زائد تاکید کے لئے ہوتا ہے، لَا مَزِیْدَۃٌ لِلتَّاکِیْدِ (قالہ البیضاوی)

مَوَاقِع: مَوَاقِعِ النُّجُوْمِ، ستاروں کے غروب ہونے کی جگہ۔ یہ موقع کی جمع ہے ستاروں کے غروب ہونے کی جگہ یا وقت مواقع النجوم مَسَاقِطُهَا ومغارِبُهَا (قرطبی)

مُدْهِنُوْن: اَفَبِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ، تو کیا تم اس کلام کو سرسری سمجھتے ہو۔ مُدْهِنُوْن، یہ ادھانٌ سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی تیل کی مالش کرنے کے ہیں۔ اور چونکہ تیل مالش سے اعضاء نرم ہو جاتے ہیں اس لئے نرم کرنے اور ناجائز مواقع میں نرمی برتنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (معارف)

مُدْهِنٌ: وہ شخص جس کا ظاہر باطن کے خلاف ہو۔ وَالْمُدْهِنُ الَّذِیْ ظَاهِرُہٗ خِلَافُ بَاطِنِهٖ (قرطبی)

حُلْقُوْم: حلق، گلا، جمع حَلَاقِیْمُ، حَلْقُ الرَّأْسِ: سر کے بال مونڈے، مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ: سر منڈاتے ہوئے اور بال کتراتے ہوئے۔ الحَلْقَةُ: گول شئ كُنْتُ فِيْ حَلْقَةِ الْقَوْمِ: میں قوم کے حلقہ میں تھا۔

مَدِیْنِیْن: غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ: یہ اسم مفعول ہے اور دَانَ یَدِیْنُ دِیْنًا سے ماخوذ ہے۔ مَدِیْنٌ واحد ہے جس کو بدلا دیا جائے مسخر، محکوم، زیر حکم، غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ، غیر محکوم، غیر مُسَخَّر۔ دانَ السلطانُ رعیَّتَہٗ۔ بادشاہ نے رعایا کو بدلہ دیا، مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر تم کسی کے زیر حکم نہیں ہو تو اپنی ارواح کو ابدان میں واپس کیوں نہیں کر لیتے۔

رَوْحٌ: فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ، رَوح کے معنی رحمت اور رَیْحَانٌ کے معنی خوشبو کے بھی ہیں اور دوسرے معنی مغفرت و استراحت اور دوزخ سے نکال کر جنت میں دخول کے بھی کئے گئے ہیں۔ قالہ قتادہ الروح الرحمۃ وقیل ھو الرحمۃ وھو قول مجاھد و قال سعید بن جبیر وغیرہ وقال الضحاک

مَغْفِرَةٌ وَرَحْمَةٌ (معالم) ایک بڑی جماعت نے لفظ رَوْحٌ کو رُوْحٌ (بضم الراء) پڑھا ہے قال الحسن الرُّوحُ الرحمةُ لانّها كالحياة للمرحوم (قرطبی)

حضرت عائشہ رض کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسکو رُوْحٌ بضم الراء تلاوت فرمایا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ مقربین کے لئے جنت میں بقاء اور حیات ہے جو کبھی نہ ختم ہو گی، ومعناهٗ فبقاءٌ لَهٗ وَحَيَاةٌ فِي الجَنَّةِ۔

رَيْحَانٌ : خوشبو، اِسْتِرَاحَةٌ۔ ابوالعباس بن عطاء کا قول ہے کہ روح سے مراد دیدار الٰہی ہے، اور ریحان سے مراد اللہ تعالیٰ کے کلام سے محظوظ اور لطف اندوز ہونا ہے (قرطبی)

سورۂ رحمٰن میں اس پر کلام گزر چکا ہے،

جَحِيْمٌ : وَتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ، جحیم تیز دہکتی ہوئی آگ جہنم، یہ دوزخ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ جَحُمَتِ النَّارُ جُحُوْمًا، آگ کا بھڑک اٹھنا۔

❋ ❋ ❋ ❋

شرح الفاظ القرآن من سورة الحديد

بسم الله الرحمٰن الرحیم

اَوَّلُ : هُوَ الاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ : اوّل یعنی وجود کے اعتبار سے تمام موجودات وکائنات سے مقدم اور پہلا ہے کیونکہ ساری موجودات اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اس لئے وہ سب سے اوّل ہے۔ آخِرُ، بفتح الخار: دوسرا یہ اَلْاٰخَرُ سے معدول ہے اور اس بارے میں یہ اپنی نظیر آپ ہے۔ ورنہ عام قاعدہ کے مطابق جو صیغہ بھی افعل کے وزن پر آتا ہے، یا اس کے بعد مِنْ لفظاً یا تقدیراً مذکور ہوتا ہے، اور اس صورت میں نہ تو اس کی جمع آتی ہے نہ تثنیہ نہ تانیث یا مِنْ مذکور نہیں ہوتا تو پھر اس پر الف لام داخل ہو کر اسکی جمع بھی آتی ہے اور تثنیہ بھی، البتہ یہ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہے اور اسکی جمع بغیر الف لام کے آتی ہے جیسے آخَرُوْنَ ۔

آخَرُ : پچھلا، جہاں یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے وہاں تمام مخلوقات کے فنا ہونے کے بعد باقی رہنے والی ذات مراد ہے، اُخْرٰی مؤنث جمع اُخَرُ، اَخَّرَ، اس نے پیچھے چھوڑا، تاخیر سے ماضی کا صیغہ ہے ——— (لغات القرآن) الآخِرَةُ : دَارُ الْبَقَار نشاۃ ثانیہ، حیات انسانی کا دوسرا موڑ جس میں ہر شخص فنا اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ آخرت پر ایمان لانا فرض اور اسکا انکار کرنا کفر ہے

اَلْاٰخِرُ : بعض اہلِ تفسیر نے اسکے معنی یہ کئے ہیں کہ تمام موجودات کے فنا ہونے کے بعد بھی وہ باقی رہے گا جیسا کہ آیت کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

اَلظَّاهِرُ : اس سے مراد وہ ذات ہے جو اپنے ظہور میں ساری مخلوقات پر فائق اور مقدم ہو، اس کا ظہور بھی سب پر مقدم ہے، ظہور چونکہ وجود کی فرع ہے، تو جب حق تعالیٰ کا وجود تمام مخلوقات پر فائق اور مقدم ہے اسکا ظہور بھی سب پر مقدم ہے اس سے زیادہ دُنیا میں کوئی چیز ظاہر

نہیں، اس کی قدرت کے مظاہر کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں نمایاں ہیں۔

البَاطِنُ : اپنی ذات اور کنہ کے اعتبار سے مخفی، کہ اس کی حقیقت تک کسی عقل و خیال کی رسائی ہو ہی نہیں سکتی ان جملوں کی تفسیر خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دُعا میں فرمائی ہے، علامہ قرطبیؒ نے حضرت ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے، اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الاوّل فلیس قبلك شیٔ : اے اللہ تو سب سے پہلے ہے تیرے پہلے کوئی نہیں، وانت الاٰخر فلیس فوقك شیٔ تو آخر ہے تیرے بعد کچھ نہیں، وانت الظاھر فلیس فوقك شیٔ، تو ہی ظاہر ہے کوئی تجھ سے اوپر نہیں۔ وانت الباطن فلیس دونك شیٔ، تو ہی باطن ہے کوئی شے تجھ سے مخفی نہیں، دُعا کے آخری کلمات یہ ہیں، اَقْضِ عنّا الدَّین واَغْنِنَا مِنَ الفقر: ہم پر سے قرض کو اُتار دو فقر سے بے فکر کر دُعا میں ظاہر سے مراد غالب اور باطن سے عالم لیا گیا ہے، یعنی وہ غالب ہے اس پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا۔

ھو الاوّل قبل کلّ شیٔ بلا ابتداء بل کان ھو ولم یکن شیٔ مَوْجُوْدًا (معالم)

الاٰخِرُ - ای الاٰخرُ بعد فناء کلّ شیٔ بلا انتھاءٍ تفنی الاشیاءُ و یَبْقٰی ھو (معالم) الظّاھر - ای الظاھِرُ بوجودہٖ (روح المعانی)

یَأْنِ : اَلَمْ یَأْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنٰی یَأْنِیْ اِنًی و اِنًی، اَنَی الشَّیْءُ اس کا وقت قریب آگیا، وہ اپنی انتہا اور پختگی کے وقت کو پہنچ گئی۔ اَلَمْ یَأْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا : کیا ایمان والوں کے لئے وقت نہیں آیا یَأْنِ کی اصل یَاْنِیْ ہے۔ لَمْ کی وجہ سے حرف علّت گر گیا ہے۔ اَنَی الرَّحِیْلُ : کوچ کا وقت قریب آگیا، اَنَی الحَمِیْمُ : پانی اپنی آخری حد حرارت کو پہنچ گیا، جب یہ مادہ مَعَ سے آتا ہے تو بُردباری اور تحمل کے معنی دیتا ہے۔ اَنِیَ الرَّجُلُ : آدمی بُردبار ہوگیا۔ اسم فاعل آنٍ آتا ہے۔ تَاَنَّیْتُكَ حَتّٰی لَا اَنَاۃَ بِیْ : میں نے تیرا انتظار کیا یہانتک کہ مجھ میں تحمّل نہ رہا

تَفَاخُرٌ : تَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وتَکَاثُرٌ۔ تَفَاخُرٌ : خودستائی، فخر کرنا، بڑائی مارنا، اترانا، یہ تفاعل کے وزن پر مصدر ہے

تَکَاثُرٌ : یہ بھی باب تفاعل کا مصدر ہے

بہتات، زیادہ طلبی، دولت و جاہ عزت و مرتبہ مال اور اولاد کی کثرت کیلئے باہم جھگڑنا ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرنا،

نَبَاتٌ: اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ: اسکی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے، نباتٌ: سبزہ، گھاس، نَبْتَةٌ: شاخ، جمع نبائتُ، نَابِتَةٌ: اُگنے والی، مَنْبُوتٌ: اُگی ہوئی تَنْبِيتٌ: درخت لگانا،

يَهِيجُ: ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا، هَاجَ يَهِيجُ، هَيْجًا: خشک ہوجانا، سوکھ جانا، يَوْمُ هَيْجٍ: لڑائی وغیرہ کا دن، هَيْجَا، ہلڑائی هَيْجٌ، هَيَجَانٌ، هِيَاجٌ مصادر برانگیختہ ہونا، برانگیختہ کرنا، ثُمَّ يَهِيجُ: پھر وہ سوکھ جاتی ہے يَهِيجُ اَيْ يَجِفُّ (قرطبی)

مُصْفَرًّا: اى مُتَغَيِّرًا عَمَّا كَانَ عَلَيْهِ مِنَ النَّضَارَةِ (قرطبی)

نَبْرَءَ: مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا: قبل اسکے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں۔ یہ بَرْءٌ مصدر سے جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ بَرْءٌ: پیدا کرنا، بُرْءٌ۔ بَرَاءَةٌ، تَبَرِّىْ: کسی مکروہ اور ناپسندیدہ چیز سے چھٹکارا پانا۔ بَرِاْتُ مِنْ زَيْدٍ: میں نے زید سے جان چھڑائی، اس سے بیزار ہوگیا،

بَرَاَ: بَرْءًا وبُرْءًا، عدم سے وجود میں لانا جامہ خلقت پہنانا (منجد) الْبَارِئُ: اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے، مخلوقات کو بغیر کسی سابقہ مثال کے پیدا کرنے والا، البادی: هوالذى خلق الخلق لاعن مثال (لسان)

الْحَدِيْدَ: وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ: اور ہم نے لوہے کو نازل کیا، الحدید، یہی لوہا ہے جسے ہم جانتے پہچانتے ہیں (ماجدی)

اَلْمَنَافِعُ: وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ منافع اسم جمع منتہی الجموع، اسکی واحد مَنْفَعَةٌ ہے، فائدے مَنْفَعَةٌ نَفِيْعَةٌ نَفَاعٌ فائدہ، نَفْعٌ: فائدہ دینا، نَفُوْعٌ اور نَفَّاعٌ اسم مبالغہ، بہت فائدہ بخش، نَفْعَةٌ: لاٹھی، اِنْفَاعٌ: لاٹھیوں کی تجارت کرنا، اِنْتِفَاعٌ (باب افتعال) فائدہ حاصل کرنا

الْغَيْبِ: بِالْغَيْبِ، علامہ قرطبی نے یہاں غیب کے ایک معنی الاخلاص بھی ذکر کئے ہیں یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ یہ جان لے کہ اس کے انبیاء کی پورے اخلاص کے ساتھ مدد کون کرتا ہے وقیل (بالغیب) بالاخلاص (قرطبی)

عِيْسٰى: انبیاء بنی اسرائیل کے آخری رسول ہیں عجائبات قدرت کے عظیم مظہر ہیں آپکی ولادت محض حکم خداوندی سے وجود میں آئی تھی، آپکے بعد سلسلہ نبوت کو بنی اسمٰعیل کے سپرد فرماکر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا،

تقریباً ۳۳ سال کی عمر میں آپکو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمان پر اُٹھالیا گیا۔

مَرْيَمُ : مریم بنت عمران بن ماشان معزز خاندان کی نہایت پاکیزہ سیرت و کردار کی مالکہ جناب مسیح کی والدہ ماجدہ ہیں

الرَّهْبَانِيَّةَ : یہ رُھبانٌ کی طرف منسوب ہے رَاهِبٌ اور رُهْبَانٌ کے معنی ہیں ڈرانے والا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل میں فسق وفجور عام ہوگیا خصوصًا ملوک اور رؤسا رنے احکامِ انجیل سے کھُلی بغاوت شروع کردی اُن میں جو کچھ علماء وصلحاء تھے انھوں نے اس بدعملی سے روکا تو ان کو قتل کردیا گیا، جو کچھ بچ رہے، انھوں نے دیکھا کہ اب منع کرنا، مقابلہ کرنا ہماری طاقت میں نہیں رہا تو اگر ہم ان میں مِل جُلکر رہے تو ہمارا دین برباد ہوجائے گا اسلئے ان لوگوں نے اپنے اوپر یہ بات لازم کرلی کہ اب دُنیا کی سب لذتیں اور آرام بھی چھوڑدیں نکاح نہ کریں، کھانے پینے کا سامان جمع کرنے کی فکر نہ کریں، رہنے سہنے کے لئے مکان اور گھر کا انتظام نہ کریں، لوگوں سے دُور کسی جنگل پہاڑ میں بسر کریں تاکہ دین کے احکام پر آزادی سے عمل کرسکیں، ان کا یہ عمل چونکہ خدا کے خوف سے تھا اس لئے ایسے لوگوں کو راھِبْ یا رُھْبَان کہا جانے لگا، انکی طرف نسبت کرکے ان کے طریقے کو رُہبانیت سے تعبیر کرنے لگے (معارف ملخصًا)

وَالرَّهْبَانِيَّةُ : رفض الدنيا وشهواتها من النساء وغيرهن (بحر)

رَعَوْا : فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا سو انھوں نے اس کی رعایت پوری پوری نہ کی۔ رَعَوْا : رِعَايَةٌ سے جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔

الحمد للہ

جمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ کو سورہ حدید مکمل ہوئی

شرح الفاظ القرآن من سورة المجادلة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تجادل : قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ،
تُجَادِلُكَ : وہ تجھ سے جھگڑتی ہے، تجادل مجادلۃٌ سے جس کے معنی باہم جھگڑنے کے ہیں مضارع کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے، اصل مادہ جَدْلٌ ہے۔ جَدَلَ الرجلُ: آدمی کا سخت جھگڑالو ہونا۔ جِدَالٌ: ایسی گفتگو کرنا جس میں فریقین ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

تشتکی : تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ : خدا سے شکایت کرتی ہے، باب افتعال سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ شِکَایَۃٌ اور شکوٰی کے معنی اظہارِ غم کے ہیں۔ شکوتُ (مجرد) اور اشتکیتُ (افتعال) دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

تحاور : وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا : اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا،
تحاورکما : تم دونوں کا سوال وجواب، تم دونوں کی گفتگو۔ تحاورٌ تفاعلٌ کے وزن پر مصدر ہے، باہم سوال وجواب کرنا، الحَوْرُ کے معنی اصل میں پلٹنے کے ہیں، خواہ بلحاظ ذات کے ہو یا بلحاظ فکر اور محاورۃٌ اور حِوارٌ ایک دوسرے کی طرف کلام کو لوٹانا اسی سے تحاورٌ ہے، تبادلہ گفتگو (راغب)

یظاھرون : اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ تم میں سے جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں۔ یُظَاھِرُوْنَ ظِہارٌ بکسر ظاء سے مشتق ہے جو بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کی ایک خاص صورت کے لئے بولا جاتا ہے اور زمانہ اسلام سے پہلے ہی عرب میں رائج اور معروف ہے وہ صورت یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو یہ کہدے اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ، یعنی تو مجھ پر ایسی حرام ہے جیسی میری ماں کی پشت۔ اس موقع پر پشت کا لفظ کنایہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے ورنہ اصل مراد تو بطن ہے ذکر پشت کا کردیا گیا ہے، اصطلاح شرع میں ظہار کی تعریف یہ ہے

کہ اپنی بیوی کو محرمات ابدیہ، ماں، بہن بیٹی وغیرہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کو دیکھنا اس کے لئے جائز نہیں، ماں کی پشت بھی اس کی ایک مثال ہے، زمانۂ جاہلیت میں یہ لفظ دائمی حرمت کے لئے بولا جاتا تھا اور طلاق کے لفظ سے بھی زیادہ شدید سمجھا جاتا تھا کیونکہ طلاق کے بعد تو رجعت یا نکاح جدید ہو کر پھر بیوی بن سکتی ہے مگر ظہار کی صورت میں رسم جاہلیت کے مطابق ان کے آپس میں میاں بیوی ہو کر اپنے رہنے کی قطعی کوئی صورت نہ تھی آیاتِ مذکورہ کے ذریعہ شریعتِ اسلامیہ نے اس رسم کی اصلاح دو طرح سے کی، اول خود اس رسم کو یعنی ظہار کو ناجائز اور گناہ قرار دیا کہ جس کو بیوی سے علیحدگی اختیار کرنا ہے اسکا طریقہ طلاق ہے اس کو اختیار کرے، ظہار ایک لغو اور جھوٹا کلام ہے کہ بیوی کو ماں کہہ دیا۔

دوسری اصلاح یہ فرمائی کہ اگر کوئی ناواقف جاہل یا احکام دین سے غافل ایسا کر ہی بیٹھے تو اس لفظ سے حرمتِ ابدی شریعتِ اسلامیہ میں نہیں ہوئی مگر ایسا کرنے والے کو بھی کھلی چھٹی نہیں دی گئی کہ ظہار کرنیکے بعد بھی پہلے کی طرح بیوی سے انتفاع کرتا رہے۔ بلکہ اس پر ایک جرمانہ کفارہ کی صورت میں عائد کیا گیا ہے کہ کفارہ ادا کر کے اپنے گناہ کی تلافی کر لے، بغیر کفارہ ادا کئے بیوی حلال نہ ہوگی (معارف القرآن)

حقیقۃ الظہار تشبیہ ظَهْرٍ بظَهْرٍ والموجب للحکم منہ تشبیہ ظہرٍ مُحَلَّلٍ بِظَهْرٍ مُحَرَّمٍ: ظہار کی حقیقت ایک پشت کو دوسری پشت کے ساتھ تشبیہ دینے کے ہیں اور حرمت کو ثابت کرنیکا موجب حلال پشت کو حرام پشت سے تشبیہ دینا ہے اور اصل ظہار یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی سے یوں کہے کہ انتِ عَلَیَّ کظھرِ اُمّی (قرطبی)

يَعُودُونَ: ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا، پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہوں حضرت ابن عباسؓ سے يَعُودُونَ کے معنی يَنْدَمُونَ سے منقول ہے جسکا مطلب یہ ہوگا یہ قول کہنے کے بعد وہ اپنے قول پر نادم ہو جائیں اور پھر بیوی سے اختلاط کرنا چاہے تو وہ ان کفاروں میں سے کوئی کفارہ ادا کرے،

يَتَمَاسَّا: باب تفاعل کے مصدر تَمَاسٌّ سے تثنیہ مضارع کا صیغہ ہے، اصل مادہ مَسٌّ ہے، مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا دونوں

کے چھونے سے قبل، دونوں کے ملنے سے پہلے
امام شافعی کے نزدیک یہ جماع سے کنایہ ہے
اور امام اعظم کے نزدیک ہر طرح کا مس مراد ہے
جماع ہو یا مجرد ہاتھ لگانا یا بشہوت شرمگاہ
کو دیکھنا، مسّ المرأۃ ومَاسَّ ھا: ای جَامعھا

يُحَادُّوْنَ : يُحَادُّوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ
كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یہ مُحَادَّةٌ
سے جمع مذکر غائب مضارع کا صیغہ ہے مخالفت
کرنا، محادَدَۃٌ، مُفاعلہ: مخالفت کرنا،
حَدٌّ: ہر چیز کی انتہا اور حد فاصل، حد کا
لفظ گناہ اور گناہ کی سزا پر بھی بولا جاتا ہے
حدیث میں ہے، اِنِّیْ اَصَبْتُ الحَدَّ
فَاَقِمْهُ عَلَيَّ : میں نے حد کو پالیا ہے اسکو
مجھ پر قائم کیجئے، یعنی میں نے گناہ کیا ہے اس
کی مجھ پر حد جاری کیجئے۔ دَعْوَۃٌ حَدٌّ۔ دَعْوَتِ
باطلہ۔ مُحَادَدَۃٌ: مخالفت کرنا، غصہ کرنا
کسی سے لڑائی کرنا۔ اَمْرٌ حَدٌّ امر حرام،
حِدَادٌ: سوگ کے سیاہ کپڑے۔

كُبِتُوْا : قال ابو عبیدۃ والاخفش،
اُهْلِكُوْا : وقال قتادۃ۔ اُخْزُوْا كَمَا اُخْزِيَ
الَّذِيْنَ مِنْ قبلھم وقال ابن زید عُذِّبُوْا
وقال السُّدِّیُّ لُعِنُوْا، تمام معانی کا حاصل
ایک ہی ہے کہ ان کو ذلیل و رسوا کیا گیا،
مراد یہ ہے کہ اس کو شکست ہوگی اور ذلیل و
رسوا ہونگے اور آخرت میں ملعون معذّب ہونگے
کَبْتٌ : رسوا کرنا، ہلاک کرنا، تذلیل کرنا
دھکے دیکر نکال دینا، قرآن پاک کا مدعا
یہ ہے کہ خدا کے خلاف بغاوت کرنے اور
اس کی قائم کردہ حدود کو توڑنے والونکو ماضی
سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے کہ دیکھیں خدا
کے مقابلہ میں نئی حدیں اور قانون بنانے
والوں کا انجام کیا ہوا، ابن جریر طبری نے
اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ ای يُخَالِفُوْنَ
فی حدودہ وفرائضہ فَيَجْعَلُوْنَ حُدُوْدًا
غَيْرَ حُدُوْدِهٖ، یعنی وہ لوگ جو اللہ کے
فرائض کے معاملے میں اسکی مخالفت کرتے ہیں
وہ اسکی مقرر کی ہوئی حدود کی جگہ دوسری
حدیں تجویز کر لیتے ہیں (طبری۔ قرطبی)

والمحادّۃ: والمعاداۃ والمخالفۃ فی
الحدود واصلھا الممانعۃ ومنہ
الحدید ومنہ الحدّاد للبوّاب (قرطبی)
وبمثلہ ذکر صاحب البحر المحیط

اَلنَّجْوٰى : سرگوشی کرنا، کان میں بات کرنا
کانا پھوسی کرنا۔

سَادِسُهُمْ : وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ
سَادِسُهُمْ۔ سَادِسُهُمْ : ان کا چھٹا

کسی چیز کا چھٹا، سُدُسٌ : چھٹا حصہ، یہ اسم عدد ہے، اسکی جمع اسداسٌ آتی ہے۔

تَفَسَّحُوْا : تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجَالِسِ :
الفَسْحُ اور الفُسِیْحُ کے معنی ہیں وسیع جگہ اور تَفَسَّحَ (تفعل) کے معنی وسیع ہونے کے ہیں۔ محاورہ ہے فَسَحْتُ مَجْلِسَہٗ : میں نے اس کے لئے مجلس میں جگہ کر دی تو وہ اس میں کھل کر بیٹھ گیا تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجَالِسِ : محافل میں کھل کر بیٹھو۔ هُوَ فِیْ فَسْحَةٍ من هٰذَا الامر : وہ اسمیں آزاد ہے (راغب)
فَسَحَ فلانٌ لِاَخِیْهِ فی مجلسه : اسکو جگہ کر دی
مکانٌ فَسِیْحٌ : کشادہ مکان، کھلی جگہ،
وَلَکَ فی کذا فُسْحَةٌ : تمہیں اس معاملہ میں کھل ہے۔

اُنْشُزُوْا : واذا قیلَ انْشُزُوْا فانْشُزُوْا
اور جب کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ تو اُٹھ کھڑے ہوا کرو، اصل میں نَشْزٌ کے معنی ہیں بلند زمین اونچی جگہ، نَشَزَ فلانٌ : بلند زمین کا قصد کرنا۔ اس سے محاورہ ہے نَشَزَ فلانٌ عن مقرہٖ، جسکے معنی ہیں وہ اپنے مقام سے اوپر کو اُبھرا۔ آیت کریمہ اسی سے ہے، واذا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا، اور جب کہا جائے کہ اُٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہوا کرو۔ پھر نَشْزٌ اور اِنْشَازٌ کے معنی زندہ کرنے کے بھی آتے ہیں، قرآن پاک میں وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ کَیْفَ نُنْشِزُهَا
خاوند کی نافرمان عورت کو بھی نَاشِزَةٌ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ اطاعت خاوند سے ابھر کر نافرمانی پر اُتر آتی ہے۔
قرآن پاک میں ہے والّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ، یہاں نُشُوْز سے مراد عورت کی سرکشی ہے۔
وَالنَّشْزُ : الارتفاعُ ماخوذ من نَشْزِ الارضِ وهو ارتفاعُها (قرطبی، راغب)
نَشَزَ : وہ بلند جگہ پر چڑھ گیا، نَشَزَ الرجُلُ آدمی اپنے مقام سے اُٹھ گیا، عورت کے حق میں نُشوز یہ ہے کہ عورت کو حقیر سمجھ کر اسکے بستر کو الگ کر دے، اور آیت کریمہ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ من بَعْلِهَا نُشُوْزًا سے یہی مراد ہے۔

اِسْتَحْوَذَ : اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطَانُ
ان پر شیطان چھا گیا ہے، الحَوْذُ کے معنی ہیں ہانکنے والا جو اونٹ کے پیچھے اسکی رانوں کے عین بیچ میں چل کر وہاں سے سختی سے اسکو ہانکتا ہے، حَاذَ الابلَ اونٹ کو سختی سے ہانکنا تو اِسْتَحْوَذَ علیهمُ الشیطانُ کے معنی ہوں گے شیطان نے اُن پر قابو پا لیا

ان پر مسلّط ہو کر ان کو اونٹ کی طرح ہانکا، ایک قرأت اسمیں اِسْتَحَاذَ کی ہے جو مطابق قیاس ہے۔

صرفی قاعدہ ہے کہ واؤ متحرک ماقبل حرف صحیح ساکن ہو تو اس کی حرکت ماقبل کو دیدیتے ہیں۔ واؤ کی حرکت حاء کو دی تو اب واؤ ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے واؤ الف سے تبدیل ہوگئی لہٰذا اِسْتَحْوَذَ سے اِسْتَحَاذَ بن گیا۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ۔ اى غَلَبَ وَاسْتَعْلٰى (قرطبی۔ راغب)

حِزْبٌ: اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (مجادلہ) الحِزْبُ: گروہ جتھا، پارٹی، جن خیالات و افکار میں ہم آہنگی پائی جائے۔ الحِزْب: ورد، قرآن پاک کا ایک حصّہ، کہا جاتا ہے، کَمْ حِزْبُكَ: تمہاری یومیہ منزل کتنی ہے یعنی روزانہ کتنا قرآن پڑھتے ہو، حَزَبَهُ الْغَمُّ: اُسے غم پہنچا، حَزَّبَ الْقَوْمَ: اُسنے قوم کو فرقوں اور جماعتوں میں تقسیم کردیا، حَازَبَ: مدد کرنا، کہا جاتا ہے، فلاں يحازِبُ فلانًا: فلاں شخص نے فلاں کی مدد کی، حِزْبٌ کی جمع اَحزابٌ آتی ہے۔

رجب المرجب ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۴ ؍ جون ۱۹۸۰ء
سورۃ مجادلہ کے الفاظ کی شرح مکمل ہوئی، وَلِلّٰهِ الْحَمْد

شرح الفاظ القرآن من سُورۃ الحشر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حُصُوۡن : وَظَنُّوۡۤا اَنَّہُمۡ مَّانِعَتُہُمۡ حُصُوۡنُہُمۡ
حُصُوۡنٌ جمع ہے اس کی واحد حِصۡنٌ آتی ہے بمعنی قلعہ۔ مطلب یہ ہے کہ ان یہودیوں نے یہ گمان کیا کہ ان کے قلعے ان کو خدا کے عذاب سے بچا لیں گے (دیکھئے محصنات)

الرُّعۡب : وَقَذَفَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الرُّعۡبَ
اور اللہ نے ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رُعب کے اصل معنی خوف سے بھر کر کٹ جانے کے ہیں، کہا جاتا ہے رَعَبۡتُہٗ فَرَعَبَ رُعۡبًا میں نے اس کو خوف زدہ کیا تو وہ خوف زدہ ہو گیا۔

رَعِبٌ : خوف زدہ شخص کو کہا جاتا ہے یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے وَقَذَفَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الرُّعۡبَ : خدا نے اُن کے دلوں میں ہیبت بٹھا دی۔

یُخۡرِبُوۡنَ : یُخۡرِبُوۡنَ بُیُوۡتَہُمۡ بِاَیۡدِیۡہِمۡ : وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں برباد کر رہے تھے۔ یُخۡرِبُوۡنَ، اَخۡرَبَ (افعال) سے جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے اصل میں یہ خَرِبَ المکانُ خَرَابًا (س) سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کسی جگہ کا اُجاڑ اور ویران ہو جانا۔ یہ عِمَارَۃٌ کی ضد ہے سورۃ البقرہ میں ہے، وَسَعٰی فِیۡ خَرَابِہَا، اور ان کی ویرانی میں کوشاں ہیں، یہ یہودی تھے جو اپنے مکانات اور قلعوں کو اسلئے برباد کرتے تھے کہ بعد میں مسلمانوں کے کام نہ آئیں

الجلاء : وَلَوۡلَاۤ اَنۡ کَتَبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمُ الۡجَلَآءَ لَعَذَّبَہُمۡ فِی الدُّنۡیَا
اور اگر نہ ہوتی یہ بات کہ لکھ دیا تھا اللہ نے اُن پر جلا وطن ہونا تو اُن کو عذاب دیتا دُنیا میں۔ الجَلْوُ کے اصل معنی کسی چیز کے نمایاں طور پر ظاہر ہو جانے کے ہیں ۔ چنانچہ محاورہ ہے کہ اَجۡلَیۡتُ الۡقَوۡمَ عَنۡ مَنَازِلِہِمۡ فَجَلَوۡا عَنۡہَا : یعنی میں نے انھیں جلا وطن کیا تو وہ چلے گئے۔ خَبَرٌ جَلِیٌّ واضح خبر۔ قِیَاسٌ جَلِیٌّ واضح قیاس۔ یہ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال

ہوتا ہے، اَجْلٰی عَنْ بَلَدِہٖ اپنے شہر سے نکلنا جلا بِنَفْسِہٖ جلاءٌ وطن سے نکالنا۔ جلاءٌ اور اخراجٌ میں اگرچہ نتیجہ کے اعتبار سے تو کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ دونوں کے معنی وطن سے دوری اور جدائی کے ہیں لیکن دو طرح سے ان میں فرق کیا گیا ہے، ایک یہ کہ جلاءٌ مع اہل وعیال کے ہوتا ہے اور اخراج بغیر اہلِ خانہ کے بھی ہو سکتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جلاء جماعت کا ہوتا ہے یعنی ایک بڑی جماعت کے ملک بدر کرنے پر بولا جاتا ہے اور اخراج ایک فرد کا بھی ہوتا ہے اور جلاء کی تعریف علامہ قرطبی نے ترکِ وطن سے کی ہے ۔ وَالْجَلَاءُ مُفَارَقَۃُ الْوَطَنِ (قرطبی)

لِیْنَۃٍ : مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَۃٍ : لِیْنَۃٌ ، کھجور کے سرسبز وشاداب درخت لِیْنَۃٌ، کس قسم کی کھجور کو کہا جاتا ہے اس میں اہلِ تفسیر نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔ علامہ راغب لکھتے ہیں لِیْنَۃٌ نرم تر وتازہ کھجور کو کہا جاتا ہے اور یہ کسی خاص نوع کے لئے مخصوص نہیں۔ قرطبی نے علامہ زہری، مالک اور سعید بن جبیر وغیرہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ عَجْوَۃٌ کھجور کے علاوہ ہر طرح کی کھجور کے لئے لِیْنَۃٌ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ ابن عباسؓ، مجاہدؒ حسن کا قول ہے کہ اَنَّھَا النَّخْلُ کُلُّہٗ کہ ہر طرح کی کھجور پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ عجوہ اور غیر عجوہ سب اس میں شامل ہیں۔ اور جعفر بن محمد کا قول ہے لِیْنَۃٌ صرف عجوۃ کھجور ہی کو کہا جاتا ہے۔ ابن عربی نے زہری اور مالکؒ کے قول کو راجح قرار دیا ہے، لِیْنَۃٌ فِعْلَۃٌ کے وزن پر ہے اس کی جمع لِیْنٌ اور لِیَانٌ آتی ہے (راغب، قرطبی)

اَفَاءَ : وَمَا اَفَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ۔ لفظ اَفَاءَ فَیْئٌ سے مشتق ہے جس کے معنی لوٹنے کے ہیں اسی لئے دوپہر کے بعد جن چیزوں کا سایہ مشرق کی طرف لوٹتا ہے ان کو بھی فَیْئٌ کہا جاتا ہے، اموال غنیمت جو کفار سے حاصل ہوتے ہیں انکی اصل حقیقت یہ ہے کہ انکے باغی ہو جانے کی وجہ سے ان کے اموال بحقِ سرکار ضبط ہو جاتے ہیں اور ان کی ملکیت سے نکل کر پھر مالکِ حقیقی حق تعالیٰ کی طرف لوٹ جاتے ہیں، اس لئے ان کے حاصل ہونے کو افاءَ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اسکا تقاضا تو یہ

تھا کہ کفار سے حاصل ہونے والے تمام اموال کو فیئی کہا جاتا ہے مگر اصطلاحاً ان حاصل ہونے والے اموال میں لفظی فرق کیا گیا ہے جو اموال بغیر جنگ و قتال حاصل ہو جائیں ان کو فیئی کہا جاتا ہے۔ یہ مال مجاہدین و غانمین میں مال غنیمت کی طرح تقسیم نہیں ہوتا بلکہ انہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کُلّی اختیار ہے کہ جس طرح چاہیں اپنی صواب دید کے مطابق تقسیم فرمائیں۔

اور جو مال جہاد و قتال کے ذریعہ اسکو غنیمت کہا جاتا ہے، اس کی تقسیم کا باقاعدہ قانون ہے جسکے تحت یہ مال مجاہدین میں تقسیم ہوتا ہے تفصیل کے لئے معارف القرآن میں سورۃ الحشر اور سورۃ الانفال کا مطالعہ کیا جائے،

اَوْجَفْتُمْ: فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ۔ سو تم نے نہ اسکے لئے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ۔

اَلْوَجِيْفُ کے معنی تیز رفتاری کے ہیں اَوْجَفْتُ الْبَعِيْرَ میں نے اونٹ کو تیز دوڑایا۔ وَجَفَ الشَّيْئُ: کسی چیز کا مضطرب ہونا۔ قَلْبٌ وَّاجِفٌ مضطرب دل۔ وَجَفَ الْفَرَسُ: گھوڑا تیز دوڑا، وَالْاِيْجَافُ: الْاِيْضَاعُ فِي السَّيْرِ وَهُوَ الْاِسْرَاعُ (قرطبی۔ راغب)

دُوْلَةٌ: كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ: تاکہ وہ مال (فیئی) تمہارے تونگروں ہی کے قبضہ میں نہ چلا جائے، دُوْلَةٌ (بضم الدّال) کے لفظی معنی دست بدست پھرنے کے ہیں۔ فقہاء نے یہاں یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ بیت المال سے مدد اسی حد تک جائز ہے کہ نوبت تونگری کی نہ آئے۔ محققین اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ اس آیت سے یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ اسلام سرمایہ داری یا اجتماع سرمایہ کے حق میں نہیں ہے۔ (ماجدی، معارف القرآن)

وبالضّمّ اسم الشئی الذی یتداول من الاموال۔ وکذا قال ابوعبیدۃ الدُّوْلَةُ اسم الشئی الذی یتداول (قرطبی)

یعنی دُوْلَةٌ، اس مال کو کہا جاتا ہے جس سے آپس میں لین دین کیا جاتا ہے۔

بَيْنَ: درمیان اور بیچ کو بتانے کیلئے اس کی اصل وضع عمل میں آئی ہے ارشاد ہے، وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا: اور ہم نے رکھی دونوں کے بیچ میں کھیتی، عرب والے بولتے ہیں، بَانَ كَذَا یعنی وہ چیز جدا ہوگئی اور جو کچھ اسمیں پوشیدہ تھا ظاہر

ہوگیا، بَیْن اسی بَانَ کا مصدر ہے اور چونکہ اسمیں ظہور اور انفصال کے معنی معتبر ہیں اسلئے یہ انہیں سے ہر ایک کیلئے بھی علیحدٰہ علیحدہ مستعمل ہوتا ہے، لَقَدْ تَقَطَّعَ بَیْنَکُمْ : (تم ٹوٹ گئے آپس میں یا تمہارا ملاپ ختم ہوگیا) بَیْن بمعنی وصل، ملاپ اور علاقہ کے ہے جس کی طرف آیت کے ابتدائی حصہ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی الخ میں اشارہ کیا گیا ہے، واضح رہے کہ بَیْن کا استعمال کبھی اسم ہوکر اور کبھی ظرف ہوکر ہوتا ہے، چنانچہ آیت مذکورہ میں دونوں قرأتیں ہیں بعض نے بَیْنُکُمْ پڑھا ہے، پیش کے ساتھ اور بین کو اسم قرار دیا ہے اور بعض نے بَیْنَکُمْ پڑھا ہے، نون کے زبر کیساتھ اور اسکو ظرف غیر متمکن بتایا ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ بَیْن کا استعمال یا تو وہاں ہوتا ہے جہاں مسافت پائی جائے جیسے بَیْنَ الْبَلَدَیْنِ (دو شہروں کے درمیان) یا جہاں دو یا دو سے زیادہ کا عدد موجود ہو، جیسے بَیْنَ الرَّجُلَیْنِ (دو شخصوں کے درمیان) یا بَیْنَ الْقَوْمِ (قوم کے درمیان) یا جہاں دو یا دو سے زیادہ کا عدد موجود ہو، وہاں بَیْن کی اضافت ہو تو تکرار ضروری ہے جیسے وَمِنْ بَیْنِنَا وَبَیْنِكَ حِجَابٌ (اور درمیان ہمارے اور درمیان تیرے پردہ ہے) اور فَاجْعَلْ بَیْنَنَا وَبَیْنَكَ مَوْعِدًا، پس ہمارے اور اپنے درمیان وعدہ ٹھہرالے۔ جب بَیْن کی اضافت اَیْدِیْ ہاتھوں کی طرف ہو تو اس کے معنی قریب کے ہوتے ہیں جیسے ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ (پھر میں آؤنگا ان کے سامنے سے) وغیرہ

اٰتٰکُمْ : مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ جو چیز پیغمبر تمکو دیں وہ لے لو۔ اٰتٰی اِیْتَاءٌ سے فعل ماضی ہے اور کُمْ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ کی ہے۔ اَتٰی یَاْتِیْ اِتْیَانًا اور اَتْیًا۔ آنا، اور اَتٰی بِهٖ لانا۔ اَتٰی اِلَیْهِ کسی کے پاس جانا۔ اَتٰی عَلَیْهِ ہلاک کرنا، اَتٰی عَلَیْهِ الدَّهْرُ اسے زمانے کے حوادث نے ہلاک کردیا۔ اصل میں اِتْیَانٌ کے معنی کسی چیز کے سہولت کے ساتھ آنیکے ہیں اسی سے سیلاب کو اَتِیٌّ کہتے ہیں اور بطور تشبیہ کے اَتَاوِیّ بھی کہتے ہیں اور آیت کریمہ اَتٰی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (النحل ۱) اَتٰی بمعنی قَرُبَ اور اَدْنٰی ہے، یعنی اللہ کا فیصلہ قریب آچکا ہے اور اسی سورت کی آیت ۲۶ فَاَتَی اللّٰهُ بُنْیَانَهُمْ مِنَ

الفَوَاعِلِ میں اِتْیَان میں اِتْیَانِ بنیان ھدم سے کنایہ ہے یعنی اللہ نے انکی بنیادیں اکھاڑدیں، انکی قوتِ دفاع کو توڑدیا، اور آیتِ کریمہ وَلَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ (طٰہٰ - ۶۹) کا مطلب یہ ہے کہ جادوگر جو چاہے کرلے کامیاب نہ ہوگا۔ امر کا صیغہ اِئْتِ آتا ہے، فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (البقرہ ۲۵۸) بیشک میرا خدا تو سورج مشرق سے طلوع کرتا رہتا ہے تو اس کو مغرب سے طلوع کرکے دکھا، تثنیہ ائْتِيَا آتا ہے، فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ (طٰہٰ - ۴۷) جمع کا صیغہ اِئْتُوا آتا ہے۔ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ، اسم فاعل آتٍ آتا ہے إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَآتٍ (عنکبوت -) مفعول کا صیغہ مَأْتِيًّا آتا ہے۔ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا (مریم - ۶۱)

الْإِيتَاءُ: عطا کرنا، بخشنا، قرآن پاک میں ایتاء افعال سے صدقات کے دینے پر استعمال ہوتا ہے۔ اِيتَاءِ الزَّكٰوةِ، زکوٰۃ دینا، زکوٰۃ ادا کرنا۔ مستحق کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنادینا۔

يُؤْثِرُونَ : وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ، اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ۔ ایثارٌ کے معنی دوسروں کی خواہش اور حاجت اپنی خواہش اور حاجت پر مقدم رکھنے کے ہیں۔ الإِيثَارُ هو تقديم الغير على النفس وحُظُوظِهَا الدُّنْيَاوِيَة (قرطبی) یہ ملکہ ایثار کا انسان میں محبت اور یقین سے پیدا ہوتا ہے اور محنت و مشقت پر صبر کا جذبہ اسکو مزید قوت دیتا ہے۔

خَصَاصَةٌ کے معنی فقر و فاقہ کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ خدا کے محبوب بندے دوسرے مسلمان بھائی کی حاجت کو ترجیح دیتے ہیں چاہے خود فقر و فاقہ ہی میں وقت گزار دیں۔ الخَصَاصَةُ: الحَاجَةُ التي تَخْتَلُّ بِهَا الحَالُ، واصلها من الاختصاص و هو انفراد بالامر فالخصاصة الانفرادُ بالحَاجة (قرطبی) اصل میں التَّخْصِيصُ اور الْاِخْتِصَاصُ کے معنی ہیں کسی چیز کے بعض افراد کو دوسروں سے الگ کرکے انکے ساتھ خصوصی برتاؤ کرنا۔ خُصَّانُ الرجل: کسی آدمی کے وہ ساتھی جنکے ساتھ وہ خصوصی برتاؤ کرتا ہو۔ اور خِصَاصُ البیتِ: مکان میں

شگاف کو کہتے ہیں، خَصَاصَۃٌ اسی سے ماخوذ ہے گویا اسنے ایثار کرکے اپنی معاش میں ایک شگاف ڈالدیا ہے (راغب) خَصَاصَۃٌ: بھوک، احتیاج تنگی، فاقہ خَصَّ یَخُصُّ کا مصدر ہے (لغات القرآن نعمانی)

یُوْقَ : وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ : اور جو اپنی طبیعت کے بخل سے بچالیا جائے، یُوْقَ وِقَایَۃٌ سے واحد مذکر غائب مجہول کا صیغہ ہے اصل میں یُوْقٰی تھا حرف علت مَنْ کی وجہ سے گر گیا ہے۔

شُحَّ : وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ : شُحٌّ خود غرض۔ کنجوس۔ بخل۔ حرص۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ شُحٌّ اس بخل کو کہا جاتا ہے جس میں حرص ہو اور عادت بن گیا ہو، یہ مصدر ہے یہ عَلِمَ (س) ضَرَبَ اور نَصَرَ تینوں ابواب سے آتا ہے اسکا مصدر شُحَاحَۃٌ بھی آتا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ شُحٌّ اور بخل دونوں برابر ہیں۔ اور بعض اہل لغت نے شح کا مرتبہ بخل سے زیادہ قرار دیا ہے صحاح میں ہے کہ شح اس بخل کو کہا جاتا ہے جسمیں حرص پائی جائے، جیساکہ امام راغب کے قول سے نقل کیا گیا ہے۔ صفت مشبہ کا صیغہ اسمیں سے شَحِیْحٌ آتا ہے۔ رَجُلٌ شَحِیْحٌ مرد بخیل و حریص، اسکی جمع شِحَاحٌ (افعال کے وزن پر) اور اَشِحَّۃٌ: اَفْعِلَۃٌ کے وزن پر آتی ہے، قوم شِحَاحٌ واَشِحَّۃٌ بخیل لوگ، حضرت ابن مسعود کے پاس ایک آدمی آئے اور کہنے لگے میں تو ہلاک ہوگیا، ابن مسعود نے پوچھا کیا بات ہوئی تو اس بزرگ نے کہا کہ قرآن پاک میں ہے وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَاَنَا رَجُلٌ شَحِیْحٌ لَا اَکَادُ اَنْ اُخْرِجَ مِنْ یَدِیْ شَیْئًا، یعنی قرآن پاک میں ہے کہ جو انسان شُحِّ نفس سے بچالیا گیا ہو وہ کامیاب ہوگیا اور میں تو ایسا آدمی ہوں کہ اپنے ہاتھ سے کوئی چیز آسانی سے نکالتا ہی نہیں تو اس پر ابن مسعود نے فرمایا کہ یہ شح نہیں بلکہ شحّ یہ ہے کہ اپنے بھائی کا مال نا انصافی سے کھاؤ، تو گویا ابن مسعودؓ کے نزدیک بھی شحّ اور بخل میں فرق ہے۔ طاؤس کہتے ہیں کہ بخل یہ ہے کہ اپنے مال میں کنجوسی کرے اور شُحٌّ یہ ہے کہ دوسرے کے مال میں بخل کرے اور خواہش کرے کہ یہ مال میرے پاس آجائے (قرطبی)

غِلًّا : وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا۔ اور ہمارے دلوں میں کینہ نہ ہونے دے غِلًّا یہ غَلَّ یَغِلُّ سے اسم فعل ہے بمعنی

کینہ، کدورت، دل میں چھپی ہوئی دشمنی،
جب اسکا مصدر غُلول آئے تو اسکے معنی
مالِ غنیمت میں خیانت کرنے کے آتے ہیں،
ابوعبیدہ لغوی کے قول کے مطابق غلول صرف
مال غنیمت ہی میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں
(دیکھئے آلِ عمران لفظ غل)

رَهْبَةً : ہیبت، دہشت۔ رَهْبَةٌ اس
خوف کو کہتے ہیں جس میں احتیاط اور اضطراب
بھی شامل ہوں۔ رَهِبَ يَرْهَبُ رَهْبَةً :
ایسا خوف جس میں بچاؤ کا خیال اور اضطراب
موجود ہو۔ رُهْبَان : زاہدان اہلِ کتاب ۔
درویش صوفی ۔

جُدُرٌ : اَوْ مِنْ وَّرَاءِ جُدُرٍ یا دیواروں
کی آڑ میں (ماجدی)، جُدُرٌ جمع ہے اسکی واحد
جِدَارٌ آتی ہے بمعنی دیوار۔ جُدُرٌ کے معنی
میں ارتفاع اور بلندی کا مفہوم پایا جاتا ہے
دیوار چونکہ زمین سے بلند ہوتی ہے اس
اعتبار سے اسکو جِدَارٌ کہا جاتا ہے اور چونکہ
مکان کا احاطہ کئے ہوتی ہے اس اعتبار
سے اسکو حائط کہتے ہیں۔

شَتّٰى : قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى، انکے قلب
غیر متعلق ہیں۔ شَتٌّ کے معنی قبیلہ کو متفرق
کرنے کے ہیں۔ شَتّٰى جَمْعُهُمْ شَتًّا،
اُن کی جمعیت متفرق ہوگئی، ان کا اتحاد
ٹوٹ گیا۔ جَاءُوْا اَشْتَاتًا : وہ پراگندہ
حالت میں آئے۔ بعض کے نزدیک یہ لفظ
مفرد ہے اور بعض نے اسکو شَتِیْتٌ کی جمع
بیان کیا ہے، شَتٌّ بمعنی پراگندگی آتا ہے،
اس کی جمع اشتاتٌ آتی ہے، یہاں لفظ
شَتّٰى اصل میں واحد مؤنث ہے اور علامت
تانیث الف ہے۔ قُلُوْبُهُمْ میں قلوب
جمع مکسر ہے جو ترکیب اضافی مبتدأ ہے
اور شَتّٰى خبر ہے۔ جملہ اسمیہ خبریہ بنتا ہے
وقرءَ الجمهور شتّٰى بالف التّانيث
(بحر) یعنی جمہور نے لفظ شتّٰی کو الف تانیث
کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَبَالَ : ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ، انھوں
نے اپنے کردار کا مزہ چکھ لیا۔ وَبَالٌ
کَرُمَ سے اسم ہے بمعنی سختی، ناگواری،
ثقل شدت، مراد یہاں بداعمالی کی سخت
سزا ہے۔ اصل میں وَبْلٌ اور وَابِلٌ کے
معنی بڑی اور بھاری بوندوں والی بارش
کے ہیں۔ پھر معنی ثقل کے لحاظ سے ہر اس
چیز کو وبال کہا جاتا ہے جس سے ضرر
پہنچنے کا اندیشہ ہو فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّ
بِیْلًا، تو ہم نے انکو بڑے وبال میں پکڑ لیا

مُتَصَدِّعًا : مُتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ، صدع کے معنی ٹھوس اجسام میں شگاف ڈالنے کے ہیں، اسی سے استعارہ کے طور پر صَدَعَ الاَمْرُ کا محاورہ ہے جسکے معنی امر کے ظاہر اور واضح ہوجانے کے ہیں جب اسکا استعمال حرف باء کے ساتھ ہو تو اسکے معنی میں واضح اور کھول کر بیان کرنے کا مفہوم پیدا ہوتا ہے جیسا کہ آیت ہے، فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ، کھول کر بیان کر جو آپکو حکم دیا گیا ہے۔ مُتَصَدِّعًا، باب تَفَعُّلٌ کے مصدر تَصَدُّعٌ سے اسم فاعل ہے،

تَصَدُّعٌ: ٹکڑے ٹکڑے، شگافتہ، گھاس وغیرہ کو بھی صدع کہتے ہیں چونکہ وہ زمین سے شگاف ڈال کر نکلتا ہے صَدَعَ بِالْحَقِّ اس نے حق کو ظاہر کردیا، اور عَنْ اعراض پر دلالت کرتا ہے، صَدَعَ عَنْهُ اس نے اس سے رُخ موڑ لیا، اور اِلیٰ رغبت کو ظاہر کرتا ہے صَدَعَ اِلَيْهِ اس کی طرف رغبت کی۔

المَلِكُ : المَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ : مَلِكٌ، بادشاہ، بااقتدار مالكٌ کا لفظ مطلقاً استعمال کرنے سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ سارے جہان کا بادشاہ ہے اسکے اقتدار کا تعلق کسی علاقے اور مخصوص مملکت سے نہیں ہے مَلِكٌ وَاحِدٌ جمع مُلُوْكٌ، مِلْكٌ وہ چیز جس پر آپ کو تصرف کا پورا اختیار ہو اُس کی جمع اَمْلَاكٌ آتی ہے۔

القُدُّوْسُ : وہ ذات جو ہر عیب سے پاک، ہر نقص سے بالاتر اور ہر لغزش سے منزہ ہو۔ المنزہ عن کلّ نقص والطاهر عن کلّ عیب (القرطبی)

یہ مبالغہ کا صیغہ ہے بہت پاک بہت برکت والا۔ یہ فُعُّوْلٌ کے وزن پر ہے۔ ثعلب کہتے ہیں کہ ہر اسم جو فُعُّوْلٌ کے وزن پر آتا ہے وہ مفتوح الاوّل ہوتا ہے یعنی فا کلمہ پر فتحہ ہوتا ہے جیسے سَفُّوْدٌ كَلُّوْبٌ تَنُّوْرٌ سوائے ان چند کلمات کے یہ مضموم الاوّل استعمال ہوتے ہیں، جیسے سُبُّوْحٌ، قُدُّوْسٌ وذُرُّوْحٌ اور فُرُّوْجٌ لیکن ان کو بھی بفتح الفاء پڑھنا جائز ہے جیسا کہ سیبویہ کا قول ہے کہ وہ قَدُّوْسٌ سَبُّوْحٌ پڑھا کرتے تھے، ابوحاتم نے یعقوب سے نقل کیا ہے کہ اس نے ایک فصیح اعرابی سے سنا جو کہ مشہور نحوی اور لغوی امام

کسائی کے پاس تھا جس کی کنیت یعقوب نے ابوالدینار بیان کی ہے، اس اعرابی نے القَدُّوس بفتح القاف پڑھا ہے۔
القَادُوس، ایک برتن کا نام ہے جس کے ذریعہ کوئیں وغیرہ سے پانی نکالا جاتا ہے (قرطبی)
اَلسَّلٰامُ : اس کے معنی سلامتی کے ہیں کسی کو سَلِیم یا سالم کہنے کے بجائے سلامتی کہنے سے مبالغہ کا معنی پیدا ہوتا ہے، جیسا کہ حَسِین کہنے کے بجائے حُسْنٌ کہدیا جائے تو معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ سراپا حُسن و جمال ہے اسی طرح اللہ تعالےٰ کو سلام کہنے کا حاصل یہ ہوگا کہ وہ سراسر سلامتی ہے اسکی ذات اس سے بالاتر ہے کہ اسکے کمال پر کوئی زوال آجائے۔ علماء کے نزدیک السّلام کی تقدیر عبارت ذوالسّلام، سلامتی والا ہے۔
اَلَّذِیْ سَلِمَ مِنْ کُلِّ عَیْبٍ وَ بَرِءَ مِن کُلِّ نَقْصٍ (قرطبی)
اَلْمُؤْمِنُ : امن دینے والا، امانٌ سے ماخوذ ہے جو کہ خوف کی ضد ہے جیسا کہ آیت کریمہ وَاٰمَنَھُمْ مِنْ خَوْفٍ اس پر دلالت کرتی ہے۔ المؤمن کے مختلف معنی اہلِ تفسیر نے ذکر کئے ہیں، ایک یہ کہ اپنے انبیاء کی معجزات کے ذریعہ تصدیق کرنیوالا، دوسرے یہ کہ مومن وہ ہے جو کہ اپنے دوستوں کو عذابِ دوزخ سے مأمون کردے، مجاہد کا قول یہ ہے کہ مؤمن وہ ہے جسنے اپنے آپ کو یکتا قرار دیا ہو جیسا کہ آیتِ کریمہ میں شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (قرطبی)
مُھَیْمِنٌ : ھَیْمَنَۃٌ مصدر سے اسم فاعل ہے نگراں، مشاہد۔ سورۃ المائدہ میں اسکی وضاحت ہوچکی ہے۔ ھَمَنَ یَھْمِنُ کے معنی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے آتے ہیں۔ اسکے ایک معنی القَائِمُ بِاُمُورِ الخلق بھی نقل کئے گئے ہیں یعنی وہ ذات جس نے لوگوں کی ضروریات وحوائج کو پُورا کرنے کا ذِمّہ اُٹھا رکھا ہو حاصل اسکا بھی نگہبان اور محافظ ہی ہے
جَبَّارٌ : الجَبَّار، یعنی ہر قسم کی اصلاح کرنیوالا ہے۔ مُجَبِّرٌ اُسے کہتے ہیں جو ٹوٹی یا اکھڑی ہوئی ہڈی پھر سے بٹھا دے (ماجدی) اصل مادہ جَبْرٌ ہے جسکے معنی زبردستی اور دباؤ سے کسی چیز کی اصلاح کرنے کے ہیں (راغب) دیکھئے سورۂ مائدہ و مریم۔
مُتَکَبِّرٌ : المُتَکَبِّرُ۔ یعنی وہ ذات جس کے آگے مخلوق کی ساری عظمتیں ہیچ ہیں اور جس کی تحقیر یا تصغیر کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا (ماجدی)

اصل مادہ تَکَبَّرٌ (تَفَعُّلٌ) جس کے معنی ہیں سربلندی اور عظمت کی آخری حد کو پہنچا ہوا (مدارک)

تکبر دو طرح کا ہوتا ہے :

نمبر۱ : ایک فی نفسہ کسی میں خوبیاں اور صفات حسنہ سب سے زائد ہوں،

نمبر۲ : یہ کہ واقع میں تو صفات حسنہ سے عاری اور خالی ہو، اور مدعی ہو کمال صفات کا اوّل محمود ہے اور دوسرا مذموم ہے، اس لئے اول معنی کا لحاظ کرتے ہوئے مُتَکَبِّرٌ اللہ کی صفت ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے کافر یا مغرور انسان پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو مذموم اور قبیح ہے ۔ علامہ راغبؒ فرماتے ہیں کہ تکبر کی بدترین قسم یہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی عبادت و طاعت سے سرکشی کرے ۔

اَلْبَارِئُ : هُوَاللّٰهُ الْخَالِقُ

البَارِئُ الْمُصَوِّرُ : وہی اللہ تو پیدا کرنے والا ہے ۔ ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے، صورت بنانے والا ہے (ماجدی)

والبَارِئُ : الْمُنْشِئُ الْمُخْتَرِعُ (قرطبی)

بَارِئٌ بَرْءٌ سے جس کے معنی بنانے کے ہیں ۔ اسم فاعل کا صیغہ ہے ۔ یہ باری تعالیٰ کی خاص صفت ہے ۔ بَرَءَ يَبْرَءُ کا استعمال پیدا کرنے کے معنی میں ہوتا ہے، اس اعتبار سے بَارِئ خَالِقٌ کے ہم معنی ہوگا، مگر مذکورہ آیت شریفہ هُوَاللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ سے پتہ چلتا ہے ۔ الخالق اور البارى دو علیحدہ علیحدہ صفتیں ہیں اور دونوں میں باہم فرق ہے، البتہ ہم معنی ماننے کی صورت میں البارى کو الخالق کی تاکید سمجھا جاسکتا ہے علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تین الفاظ میں یوں فرق ذکر کیا ہے کہ تصویر کسی چیز کی بالکل آخری اور نقل شدہ شکل کو کہا جاتا ہے اور تقدیر ابتدائی مرحلہ اور اندازہ کو کہتے ہیں اور برائیؒ ان دونوں کے درمیان کی حالت ہے ۔

علامہ محمود آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ باری وہ ہے جس نے مخلوق کو تفاوت اور اجزاء و اعضاء کے عدم تناسب سے بری پیدا کیا، یعنی یہ نہیں ہوا کہ ایک ہاتھ تو بہت چھوٹا اور دوسرا بہت موٹا، اسی طرح حاجتوں اور شکلوں نیز خوبی اور بُرائی میں ایک

دوسرے سے ممتاز فرمایا، پس اس اعتبار سے باری خاص ہے اور خالق عام ہے، یعنی خالق کے معنی ہیں صرف پیدا کرنے والا اور باری کے معنی ہیں مخصوص صفت پر پیدا کرنے والا۔

امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں لکھا ہے کہ حلیمی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ باری کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک تو اپنے علم سے طرح طرح کی مخلوقات ایجاد کرنے والا۔ آیت کریمہ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا (کوئی مصیبت نہیں پڑتی زمین میں نہ خود تمہاری جانوں میں مگر وہ اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں کتاب میں موجود ہے) میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں، کہ جناب باری عزّ اسمہ کے متعلق جو ابداع کا ثبوت و اعتراف کیا جاتا ہے وہ اس اعتبار سے نہیں کیا جاتا کہ اس نے ایک دم بغیر علم سابق کے چیز کا ابداع فرمایا۔ وہ ابداع سے پہلے اللہ کے علم میں موجود تھی پس جس طرح کسی

شئی کی ابداع و ایجاد کی بناء پر بدیع کا اسم اللہ کے لئے ضروری ہے اسی طرح اسم باری بھی ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ بَارِئٌ سے قلب حقیقت اور تبدیل ماہیت کرنیوالا مراد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے پانی مٹی آگ اور ہوا کو تو اپنی صفت ابداع سے بغیر کسی چیز کے پیدا کیا ہے اور پھر ان چاروں سے اجسام مختلفہ کو بنایا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے پیدا کیا ہے، اسی طرح اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ، اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تمکو مٹی سے پیدا کیا، اس طرح کی آیات کثرت سے موجود ہیں، اس صورت میں لفظ باری بَرَءَ الْقَوَّاسُ الْقَوْسَ، کمان گر نے کمان بنائی سے ماخوذ ہوگا، یعنی جس چیز سے کمان بنتی ہے اس سے کمان بنائی اور وہ چیز ہیئت بدلکر دوسری چیز بن گئی، غرض اللہ تعالیٰ کے متعلق صفت ابداع کا اعتراف کرنا صفت بَارِئٌ کے اعتراف کا مقتضی ہے کیونکہ معترف خوب جانتا ہے کہ وہ خود ایک حال سے دوسرے حال میں برابر بدلتا

رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اس قابل ہوا کہ اعتقاد و اعتراف کرنے لگے (لغات القرآن)

وقال صاحب بحر المحیط الباری الممیز بعضہ من بعض الاشکال المختلفۃ (بحر محیط)

لسان العرب میں ہے البَارِیْ: ھو الذی خلق الخلق لاعن مثال (لسان)

بَارِیْ وہ ہے جس نے مخلوق کو بغیر کسی سابقہ نمونے اور مثال کے محض اپنے علم و قدرت کے پیدا کیا۔

مُصَوِّرُ: ہر چیز کو ٹھیک ٹھیک آئین حکمت کے مطابق بنانیوالا۔ صورت بنانیوالا مراد یہ ہے کہ تمام مخلوقات کو حق تعالیٰ نے شکل و صورت عطا فرمائی ہے جسکی وجہ سے وہ دوسری چیزوں سے ممتاز ہوئی اور پہچانی جاتی ہے (ماجدی۔ معارف)

الحمد للّٰہ العظیم کہ آج مورخہ ۲ر شوال المکرم ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۴ر اگست ۱۹۸۰ء

بروز جمعرات بعد نماز صبح سورۃ الحشر پایۂ تکمیل کو پہنچی

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الممتحنۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تُلْقُوْنَ : تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ تم ان سے محبت کا اظہار کرتے ہو، تُلْقُوْنَ : اِلْقَاءٌ سے جمع مذکر مضارع معروف کا صیغہ ہے تم ڈالتے ہو۔

اَلْمَوَدَّۃَ : محبت، دوستی، یہ وَدَّ یَوَدُّ وَدًّا و مَوَدَّۃً سے مصدر ہے۔ محبت کرنا دوستی لگانا، محاورہ ہے وَدِدْتُ لَوْ کَانَ کذا۔ وَدِدْتُ لَوْ اَنَّکَ فَعَلْتَ کذا، میری تمنا ہے کہ ایسا ہوتا، میری تمنا ہے کہ تم ایسا کرتے۔ وَدٌّ۔ وَدِیْدٌ۔ وَدُوْدٌ دوست بہت محبت کرنے والا۔ وَدٌّ کی جمع اَوِدَّاءُ آتی ہے۔ وَدٌّ قوم نوح کا ایک بُت بھی ہے۔ الوَدُوْدُ محبت کرنے والا صیغہ مبالغہ ہے مراد ہے ثواب دینے والا۔

مَرْضَاتِیْ : میری رضامندی، میری خوشنودی۔ مَرْضَاۃٌ مصدر میمی اور اسم مصدر پسند کرنا، رضامند ہونا، پسندیدگی، خوشنودی، رضامندی باب سَمِعَ سے رضا مصدر۔ رضوۃٌ اسم مصدر ہے خوشنودی

رِضْوَانٌ : خوب رضامندی، بڑی رضامندی رَضِیَ یَرْضٰی رِضًا و رِضْوَانًا و مَرْضَاۃً رضیَ عنہ وعلیہ : کسی سے راضی ہونا خوش ہونا۔ صفت راضٍ جمع راضون۔

یَثْقَفُوْا : اِنْ یَّثْقَفُوْکُمْ : اگر انھیں تم پر دسترس ہوجائے (ماجدی)
ثَقْفٌ کے معنی کسی چیز کے پا لینے یا کسی کام کے کرنے میں حذاقت اور مہارت سے کام لینا ہیں، اسی سے اَلْمُثَاقَفَۃ کا لفظ مستعار ہے جس کے معنی ہیں ہتھیاروں کے ساتھ باہم کھیلنا۔ رُمْحٌ مُثَقَّفٌ سیدھا نیزہ۔ ثِقَافٌ اُس آلہ کو کہتے ہیں جس سے ٹیڑھے نیزوں کو سیدھا کیا جاتا ہے ثَقِفْتُ کذا کے اصل معنی ہیں مہارت نظر سے کسی چیز کو پالینا اور اسکا ادراک کرلینا پھر مجازاً محض کسی چیز کو پا لینے کے لئے اسکا استعمال ہونے لگا ہے سورۃ البقرہ میں یہ لفظ گزر چکا ہے۔

بُرَءٰٓؤُا : اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْکُمْ : ہم تم سے بیزار ہیں، اصل میں اَلْبُرْءُ وَالْبُرَاءُ کے

معنی ہیں کسی ناپسندیدہ کام سے نجات
حاصل کرنا۔ بَرَأْتُ مِنْ فُلَانٍ: میں
فلاں سے بیزار ہوں۔ صیغہ صفت کا اس
میں سے بَرِيْءٌ آتا ہے، رَجُلٌ بَرِيْءٌ
بے گناہ آدمی، اس کی جمع بُرَآءُ اور بَرِيْئُوْنَ
آتی ہے اور بَرَاءٌ (بفتح الباء) مصدر ہے
جو بطور صفت کے استعمال ہوتا ہے۔
جناب ابراہیم علیہ السلام کا ہی ارشاد ہے
إِنَّنِيْ بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ کہ جن
چیزوں کو تم پوجتے ہو میں اُن سے بیزار
ہوں۔ وبُرَآءُ جمع بَرِيْءٍ مثلُ
شَرِيْكٍ وشُرَكَاءُ (قرطبی)

أَنَبْنَا: وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا: اور تیری
طرف رجوع کرتے۔ أَنَبْنَا، ہم رجوع ہوئے
ہم متوجہ ہوئے، یہ اِنَابَةٌ سے ماضی کا
صیغہ جمع متکلم ہے۔ أَنَابَ إِلَيَّ: وہ
میری طرف جھکا۔ إِنَابَتْ إِلَى اللهِ:
کے معنی اخلاص اور دل سے اللہ کی طرف
رجوع ہونے کے ہیں۔

بِعِصَمِ: وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ
اور تم کافر عورتوں کے تعلقات کو مت
باقی رکھو۔ عِصَمٌ۔ عِصْمَةٌ کی جمع ہے
جس کے اصلی معنی حفاظت اور استحکام
کے ہیں مراد اس سے وہ عقد نکاح وغیرہ
ہیں جن کی حفاظت کی جاتی ہے (معارف)
والعِصَمُ جمع العِصْمَة: وَهُوَ مَا
اُعْتُصِمَ بِهٖ: والمراد بالعصمة
هنا النكاح (قرطبی)
آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو عورتیں مسلمان
نہیں ہونا چاہتیں اُنھیں مت روکو، بلکہ
عقد نکاح سے آزاد کردو۔

اَلْعِصْمَةُ: وہ ملکہ ہے کہ جس سے
انسان گناہ کے ارتکاب سے محفوظ رہتا ہے
مَلَكَةُ اجْتِنَابِ المعاصي مع التمكن
منها (تعریفات)

كَوَافِرِ: جمع ہے اس کی واحد کافِرَةٌ
ہے۔ مراد اس سے بُت پرست مشرکہ عورتیں
ہیں کیونکہ کافرہ کتابیہ عورت سے نکاح
قرآن پاک میں منصوص ہے، مراد
آیت کی یہ ہے کہ اب تک جو مسلمانوں اور
مشرکوں کے درمیان مناکحت کی اجازت
تھی وہ ختم کردی گئی اب کسی مسلمان کا
نکاح مشرک عورت سے جائز نہیں ہے اور
جو نکاح پہلے ہو چکے ہیں اب کسی مشرک عورت
کو اپنے نکاح میں روکنا حلال نہیں ہے (معارف)

عَاقَبْتُمْ: یہ مُعَاقَبَةٌ سے مشتق ہے

جس کے ایک معنی انتقام اور بدلہ لینے کے بھی ہیں۔ یہاں یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں اس صورت میں مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ مسلمانوں کی کچھ عورتیں اگر کفار کے قبضہ میں آجائیں تو شرطِ صلح کے ماتحت اُوروں پر لازم تھا کہ ان کے مسلمان شوہروں کو ان کا دیا ہوا مہر وغیرہ واپس کریں جیسا کہ مسلمانوں کی طرف مہاجرات کے کافر شوہروں کو ان کا دیا ہوا مہر واپس کیا گیا لیکن جب کفار نے ایسا نہ کیا اور مسلمان عورتوں کے مہر ان کو ادا نہ کئے تو ان کے اس عمل کا اگر تم انتقام اور بدلہ لیلو اس طرح کہ کفارِ مکہ کو جو رقم مہاجرات کے مہر کی ادا کرنا تھی تم بھی وہ اپنے حق کے مطابق روک لو تو اس کا یہ حکم ہے کہ: فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا، یعنی تم اس رقم میں سے جو مہاجرات کے مہر کی روک لی گئی ہے ان مسلمان شوہروں کے خرچ کئے ہوئے مہر وغیرہ ادا کردو جن کی عورتیں کفارِ مکہ کے قبضہ میں ہیں۔

دوسرے معنی عَاقَبْتُمْ۔ عَقَّبْتُمْ۔ اَعْقَبْتُمْ کے جنگ میں مالِ غنیمت حاصل کرنے کے بھی ہیں اور اس آیت میں لفظ عَاقَبْتُمْ کی تینوں قراءتیں منقول ہیں اور حضرت قتادہ، مجاہد سے تینوں لفظوں کے معنی غنیمت کے بھی منقول ہیں اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ جن مسلمان شوہروں کی عورتیں کفار کے قبضہ میں چلی گئی ہیں اور شرط صلح کے مطابق کفار نے ان کے مہر مسلمان شوہروں کو ادا نہیں کئے پھر مسلمانوں کو مالِ غنیمت حاصل ہو تو ان شوہروں کا حق مالِ غنیمت سے اُن کو ادا کردیا جائے (معارف، قرطبی)

يُبَايِعْنَكَ : مُبَايَعَةٌ سے جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ وہ عورتیں عہد و پیمان کریں۔ بیعت کریں۔

بَايِعْ : بَايِعْهُنَّ، آپ ان عورتوں کو بیعت کرلیں۔ بَايِعْ مُبَايَعَةٌ سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے۔

يَئِسَ : يَئِسَ الْكُفَّارُ : کافر بے آس ہوگئے۔ يَئِسَ يَيْئَسُ: مایوس ہونا۔ سَمِعَ سے ماضی کا صیغہ ہے، اليَأْس : ناامید ہونا، مایوس ہونا۔ يَئُوْسٌ : صیغہ صفت مایوس ہونے والا

سورۂ یوسف میں ارشاد ہے لَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ : اللہ کی رحمتوں سے مایوس نہ ہو۔ چونکہ مایوسی کافر قوم کو ہوتی ہے مسلمان قوم کو یہ بہت اہم تعلیم ہے مایوس ہونے والی قومیں ذلّت و رُسوائی کو اپنے اوپر مسلط کر لیتی ہیں۔ سربلند وہی قومیں ہوتی ہیں جن کے عزم مصمم اور حوصلے بلند ہوتے ہیں اور یہ خاصہ ہے اُمّتِ مسلمہ کا کہ بڑے بڑے مصائب میں گھر کر بھی فاتح ہوتی ہے، اس مادہ میں علم کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے، دیکھئے سورۃ الرعد لفظ یَیْئَسُ۔

الحمدُ للہ

مورخہ ۱۹ اگست ۱۹۸۰ء کو سورۂ ممتحنہ تمام ہوئی

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الصّف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَقْتًا : كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ : اللہ کے نزدیک یہ بات بہت بُری ہے۔
المَقْتُ کے معنی کسی شخص کے فعل قبیح کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھ کر اس سے بہت بغض رکھنے کے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں اپنے باپ کی بیوہ سے نکاح کرنے کو مقت کہتے تھے۔ رَجُلٌ مَقِيْتٌ : ناپسندیدہ آدمی، جس کو لوگ محبوب نہ رکھیں رَجُلٌ مقیتٌ اِذَا لَمْ يُحِبَّهُ النَّاسُ (قرطبی)

بُنْيَانٌ : بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ : سیسہ پلائی ہوئی عمارت (ماجدی) بُنْيَانٌ بمعنی عمارت ہے یہ اصل میں واحد ہے جیسا کہ آیت کریمہ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۔ یہ عمارت جو انھوں نے بنائی ہے ہمیشہ انکے دلونکے خلجان کا موجب بنی رہے گی اور آیت کریمہ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا : وہ کہنے لگے کہ اسکے لئے عمارت بناؤ، سے معلوم ہوتا ہے اور بعض نے اسکو بُنْيَانَةٌ کی جمع قرار دیا ہے۔ گویا بیان الفاظ کے قبیل سے جن کی جمع اور واحد میں ۃ کے ساتھ فرق کیا جاتا ہے جیسے تَمْرٌ اور تَمْرَةٌ اور شَعِيْرٌ اور شَعِيْرَةٌ (راغب) بنیان عمارت کو کہتے ہیں مگر یہاں اس سے مراد دیوار ہے (تدبر)

مَرْصُوْصٌ : یہ رَصٌّ سے اسم مفعول ہے، رَصٌّ کے معنی ہیں دو چیزوں کو ملا کر جوڑ دینا چمٹا دینا، رَصَاصٌ، رانگ، سیسہ اَرَصٌّ باہم جُڑے ہوئے، پیوستہ دانت، تَرَاصُّوْا نمازیوں کا صف میں باہم پیوستہ ہونا، ملکر کھڑے ہونا (راغب) مُبَرِّد کا قول ہے کہ یہ رَصَصْتَ الْبِنَاءَ سے ماخوذ ہے، جسکے معنی عمارت کو ایک دوسرے کیساتھ ایسا مربوط کرنا ہے کہ وہ یک جان اور شئی واحد کیطرح ہو جائے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ رَصِيْصٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنی ہیں دانتوں کا ایک دوسرے میں گھس جانا (قرطبی) بہر حال آیت کے معنی یہ ہیں کہ خدا ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو جہاد کو محبوب رکھتے ہیں، اور لڑنے میں ثابت قدم رہتے ہیں۔

تُؤْذُوْنَنِيْ : لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ : تم مجھے کیوں ایذاء پہنچاتے ہو (ماجدی)، تم مجھے کیوں ستاتے ہو۔ تُؤْذُوْنَنِيْ : تم مجھے ایذا دیتے ہو، مجھے ستاتے ہو، یہ ایذاءٌ سے جمع مذکر مضارع کا صیغہ ہے۔ ن وقایہ، ی ضمیر واحد متکلم کی ہے

زَاغُوْا : فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ پھر جب اِن لوگوں نے کجی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے انکے دلوں کو کج کردیا (ماجدی)، زَيْغٌ کے معنی ہیں حالتِ استقامت سے ایک جانب کو مائل۔ آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ فَلَمَّا زَاغُوْا یعنی جب از خود صحیح راہ سے ہٹ گئے تو اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ، تو اللہ نے بھی انکے دلوں کو اسی طرف جھکادیا، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ضابطۂ تکوینی کا ذکر اس کی اہمیت کی مناسبت سے باربا اور مختلف طریقوں سے کرتا ہے کہ انسان جب اپنے ارادہ و اختیار سے غلط کام لیکر غلط راستہ پر چلنے لگتا ہے تو ارادۂ الٰہی کا نتیجہ بھی اسی ارادۂ انسانی پر مرتب کرتا ہے۔

اَحْمَدُ : اِسْمُهٗ اَحْمَدُ ان کا نام احمد ہوگا۔ یہ لفظ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کی طرف اشارہ ہے اور اس پر تنبیہ ہے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد ہوگا اسی طرح وہ اپنے اخلاقِ حمیدہ اور اطوارِ عالیہ کے اعتبار سے بھی محمد ہونگے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا اپنی بشارت میں لفظ احمد بصیغۂ اسم تفضیل بولنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ حضرت مسیح علیہ السلام اور دیگر ان سے پہلے انبیاء سے افضل ہیں۔ احمد افعل تفضیل کا صیغہ کر مبالغہ فاعل بھی ہوسکتا ہے یعنی دوسروں سے بہت زیادہ اللہ عزوجل کی حمد بیان کرنیوالے، اور مبالغہ مفعول بھی ہوسکتا ہے یعنی اپنے اوصاف حمیدہ کے باعث دوسروں سے زیادہ آپ کی مدح کی گئی (مفردات القرآن لغات القرآن) دیکھئے لفظ محمد۔

لِيُطْفِئُوْا : يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ : یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو بجھادیں۔ طَفِئَتِ النَّارُ : آگ بجھ گئی، اَطْفَاْتُ النَّارَ : میں نے آگ کو پھونک سے بجھادیا۔ دوسرا لفظ اِخْمَادٌ بھی بجھانے کے معنی میں آتا ہے، خَمَدَتِ النَّارُ (نصر) آگ کے شعلے ساکن ہوگئے جبکہ انگارہ بجھا نہ ہو علامہ قرطبیؒ نے اخمادٌ اور اطفاءٌ میں من وجہ فرق بیان کیا ہے کہ اِطْفَاءٌ عام ہے قلیل و کثیر دونوں میں برابر استعمال ہوتا ہے اور اخمادٌ کا استعمال صرف کثیر میں ہوتا ہے

چنانچہ اطفأت السراج تو کہا جا سکتا ہے مگر اَخمدتُ السراج استعمال نہیں ہوتا، کنایۃً خُمُودٌ کا اطلاق موت پر بھی ہوتا ہے کہ اس سے انسان کا چراغِ حیات بالکلیہ بُجھ جاتا ہے۔ الإطفاءُ: هوالاخمادُ (قرطبی)

اَدُلُّ: هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ: کیا میں تمہیں ایسی سوداگری نہ بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے چھڑائے۔ اَدُلُّ صیغہ واحد متکلم ہے اور کُمْ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ کی ہے، اَدُلُّكُمْ، میں تمہیں بتاؤں میں تمہاری راہنمائی کروں۔

دَلَّهٗ علی الشئ والیه یَدُلُّه دَلَالَةً: راہ بتانا، رہنمائی کرنا۔ دلیل، وہ شئ جس سے مقصود کا پتہ چل سکے، جمع اَدِلَّةٌ و دَلَائِلُ دَلِیَ عَلٰی هٰذا دلائل: میرے پاس اس کے دلائل ہیں۔ اَدِلّة السّمع: روایتی دلائل اور اَدِلّة العقل: عقلی دلائل۔

حَوَارِيِّيْنَ: كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّيْنَ: حَوَارِیٌّ کی جمع ہے جس کے معنی مخلص دوست کے ہیں جو ہر عیب سے پاک ہو (معارف) یہ بارہ افراد تھے جو حضرت عیسیٰؑ پر سب سے پہلے ایمان لائے (قرطبی عن ابن عباس)

شرح الفاظ القرآن من سورة الجمعة

بسم الله الرحمن الرحيم

الْقُدُّوْسُ : القدّوس کے معنی ہر نقص اور عیب سے پاک کے ہیں (تدبر) یہ فُعُّوْلٌ (بضم فاء) کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے، بہت پاک، بڑی برکت والا، کلام عرب میں اس وزن پر صرف چار لفظ آئے ہیں قُدُّوْسٌ (۲) سُبُّوْحٌ (۳) ذُرُّوْحٌ (۴) فُرُّوْجٌ باقی اس وزن پر جتنے الفاظ ہیں سب بفتح الفاء ہیں اور ان چار صیغوں میں بھی فتح پڑھنا جائز ہے چنانچہ ابوالدینار اور زید بن علی نے یہاں لفظ قدّوس قاف کے زبر سے پڑھا ہے یعنی القَدُّوْسُ (بحر المحیط)

يَلْحَقُوْا : لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ۔ يَلْحَقُوْا لَحِقَ يَلْحَقُ (س) جمع مذکر مضارع کا صیغہ ہے، لَمَّا کی وجہ سے نون اعرابی گر گیا ہے جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے اور اَلْحَقْتُ بِهٖ كذا کے معنی ہیں میں نے اس کو اس سے ملا دیا، قرآن پاک میں ہے اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ : ان کی اولاد کو بھی ہم ان سے ملا دیں گے۔

اَسْفَارًا : يَحْمِلُ اَسْفَارًا، کتابیں لادے ہوئے (ماجدی) اَسْفَارٌ، سِفْرٌ بکسر السین کی جمع ہے بڑی کتاب کو کہا جاتا ہے (معارف) هي جمع سِفْرٍ وهو الكتاب الكبير (قرطبی) اصل میں سَفَرٌ بالفتح کے معنی پردہ اٹھانے کے ہیں سَفَرَ عَنِ الْوَجْهِ اس نے چہرہ کھولا۔ کتاب کو سِفْرٌ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ پڑھنے والے پر حقائق سے پردہ اٹھاتی ہے، لِاَنَّهٗ يَسْفِرُ عَنِ المعنى اذا قُرِئَ (قرطبی) اور سَفَرٌ بمعنی قطع مسافت کی جمع بھی اَسْفَارٌ آتی ہے، قرآن پاک میں ہے رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا : خدایا ہمارے سفر میں دوری پیدا کریں۔

والسَّفَرُ لُغَةً : قطع المسافة، وشرعًا هو الخروج من عمارة موضع الاقامة على قصد المسيرة ثلاثة ايام فما فوقها بالسير المتوسط مع الاستراحات المعتادة (مجموعۂ قواعد الفقہ)

تَفِرُّوْنَ : قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ : آپ کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ ضرور تمہیں آ پکڑے گی (ماجدی)

تَفِرُّوْنَ: تم بھاگتے ہو، تم فرار ہوتے ہو، یہ فرارٌ سے مضارع کا جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔

الفِرَارُ۔ مصدر ہے جسکے معنی ہیں خوف سے بھاگنا فرارٌ، فعل لازم ہے مگر کبھی متعدی بھی استعمال ہوتا ہے۔ فَرَّ الدَّابَّۃَ: کسی جانور کی عمر معلوم کرنے کے لئے اسکے دانت دیکھنا۔ مثل مشہور ہے الجوادُ عَیْنُہٗ فَرَارُہٗ: گھوڑے کی آنکھ ہی عمر بتا دیتی ہے اس معنی کیلئے نَصَرَ اور ضَرَبَ دونوں بابوں سے آتا ہے۔ فَرَّ اِلَی الشَّیْءِ: کسی چیز کی طرف جانا، اور فَرَّ عَنِ الامر: کسی معاملہ میں کھود کرید کرنا۔ حدیث میں ہے، مَا یُفِرُّکَ اِلَّا اَنْ یُّقَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تجھ کو کوئی بھگانے والا نہیں مگر لا الٰہ الا اللہ کہنا، یعنی جب کوئی کلمۂ توحید کہدے تو اسکو نہ مار۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

اَفَرَّ صِیَاحُ الْقَوْمِ عَزْمَ قُلُوْبِھِمْ
فَھُنَّ ھَوَاءٌ وَالْحُلُوْمُ عَوَازِبُ

لوگوں کی آواز چیخ و پکار نے انکے دلوں کی ہمت کو بھگا دیا۔ وہ ہوا ہو گئی اور عقلیں غائب و غلط ہوئیں۔

فَرٌّ مصدر ہے اسکا تثنیہ جمع نہیں بنتا بلکہ واحد ہی استعمال ہوتا ہے حدیث میں ہے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں سراقہ ابن مالک نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کو دیکھا تو کہنے لگا، ھٰذَانِ فَرُّ قُرَیْشٍ اَفَلَا اَرُدُّ عَلٰی قُرَیْشٍ فَرَّھَا۔ یہاں ھٰذَانِ کا مشارٌ الیہ فَرٌّ واحد استعمال ہوا ہے جو معنی میں تثنیہ کے ہے (اللسان)

مُلٰقِیْکُمْ: اصل میں مُلَاقِیٌ ہے، باب مفاعلۃ سے اسم فاعل مذکر ہے اور کُمْ ضمیر مفعول ہے مُلَاقِیْ پالینے والا، ملنے والا، تعلیل سے حرف یا گر جاتا ہے اصل مادہ لَقِیَ ہے۔

تُرَدُّوْنَ: ثُمَّ تُرَدُّوْنَ پھر تم لائے جاؤ گے تم پھیرے جاؤ گے تم لوٹائے جاؤ گے، رَدٌّ سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ جمع مذکر حاضر۔

اَلْجُمُعَۃِ: اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ: جب جمعہ کے دن اذان کہی جائے نماز کے لئے جمعہ ایام سبعہ میں سے بہت باعظمت دن ہے اس دن کو یوم الجمعہ اسلئے کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے اجتماع کا دن ہے اور بعض دوسری فضیلتیں بھی اس دن میں جمع ہیں آسمان زمین اور تمام کائنات کی تخلیق جو حق تعالیٰ نے چھ دن میں فرمائی ہے ان چھ میں سے آخری جمعہ ہے جسمیں تخلیق کی تکمیل ہوئی، حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش بھی اسی دن ہوئی اور قیامت بھی اسی روز قائم ہوگی اس دن کا نام اسلام سے قبل یوم العروبۃ تھا اسکا نام جمعہ کیسے ہوا اسمیں بہیں دو روایات ملتی ہیں ایک یہ

کہ کعب بن لوئیؔ یا قصی بن کلاب نے اسکا نام
جمعہ رکھا کیونکہ یہ سرداران قوم اس دن
قریش کو ضیافت پر جمع کرتے تھے پھر اسی
ضیافتی اجتماع کی مناسبت سے اسکا نام
جمعہ پڑ گیا لیکن اکثر اہل عرب اس کو عروبہ ہی
کہتے تھے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ
میں جمعہ کی نماز کا حکم آچکا تھا مگر مکی زندگی میں
کفار کی طرف سے پیش آنے والی مشکلات کے
باعث کوئی اجتماعی عبادت ممکن نہ تھی اس لئے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ابتدائی
مہاجرین کے سردار حضرت مصعب بن عمیر کے
نام یہ لکھ کر بھیجا کہ وہ مدینہ منورہ میں جمعہ قائم
کریں، چنانچہ انھوں نے پہلا جمعہ بارہ آدمیوں
کے ساتھ پڑھا اور امامت جمعہ کا فریضہ اسد
بن زرارۃ نے انجام دیا۔

علامہ قرطبی نے ابن سیرین کی ایک روایت یہ
نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت
سے قبل انصار صحابہ نے جمعہ کا اہتمام از خود کیا
کیونکہ مدینہ میں یہود و نصاریٰ ہفتہ اور اتوار
عبادت کے لئے مخصوص کئے ہوئے تھے،
اس وجہ سے مدنی صحابہ کو اپنی اجتماعیت
کا سخت احساس ہوا اور انھوں نے جمعہ کا
دن اجتماعی عبادت کے لئے مخصوص کیا اور
اسکا نام بھی جمعہ تجویز کیا، پھر اسکے بعد اسکا
نام پورے طور پر جمعہ پڑ گیا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ
پاک تشریف لائے تو مقام قبا میں ہی عمر بن
عوف کے ہاں قیام فرمایا اور یہ پیر کا دن تھا
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز کے لئے
مسجد قباء کی بنیاد رکھی، پھر جمعہ کے دن قبا
سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ
ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ اور ضحیٰ کا وقت تھا،
پھر اسی سال سے اسلامی تاریخ کا آغاز کیا۔
جانے لگا، تو جب آپؐ بنی سالم بن عوف کی
وادی میں پہنچے تو انھوں نے ایک مسجد پہلے
ہی نماز کے لئے قائم کی ہوئی تھی۔ حضورؐ نے
زوال کے بعد جمعہ کی نماز وہیں پڑھائی اور
جمعہ کا خطبہ دیا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
پہلا خطبہ اور پہلا جمعہ ہے جو مدینہ منورہ میں دیا گیا

لفظ جمعہ میں کئی لغات ہیں۔ عبد اللہ بن زبیر
اور اعمش نے جمعہ حرف میم کے سکون سے تلاوت
کیا ہے، اور دوسرے قراء حضرات نے حرف
میم کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اسکی جمع جُمَع
اور جُمُعات آتی ہے، ابو عبیدہ اور فراء کے
نزدیک میم کی تخفیف کے ساتھ زیادہ حسن ہے

فَاسْعَوْا : فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ (جب جمعہ کی آذان ہوجائے) تو چل پڑا کرو اللہ کی یاد کی طرف اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو (ماجدی)

سَعْیٌ کے معنی دوڑنے کے بھی آتے ہیں، اور کسی کام کو اہتمام کے ساتھ کرنے کے بھی، اس جگہ یہی دوسرے معنی مراد ہیں کیونکہ نماز کے لئے دوڑتے ہوئے آنے کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ جب نماز کے لئے آؤ تو سکینت کیساتھ آؤ، آیت کے معنی یہ ہیں کہ جب جمعہ کے دن جمعہ کی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو یعنی نماز وخطبہ کے لئے مسجد کیطرف چلنے کا اہتمام کرو۔ (معارف) قرآن پاک میں اکثر سَعْیٌ کا لفظ کوشش اور جد وجہد کے معنی میں استعمال ہوا ہے مثلاً، لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ ۔ اکثر اہل تفسیر نے یہاں سعی سے مراد اہتمام ہی لیا ہے السَّعْيُ يُسْتَعْمَلُ لِلْجِدِّ فِي الْاَمْرِ (راغب) ۔ (المراد من السعی القصد دُوْنَ الْعَدْوِ (کشاف) ولیس المراد بالسعی ھٰھُنَا المشیُ السَّرِیعُ وانّما ھوالاھتمام بِهَا (ابن کثیر)

ذِكْرِ اللّٰهِ : یہاں ذکر اللہ سے مراد نماز جمعہ اور خطبہ جمعہ دونوں ہوسکتے ہیں۔ جمعہ کا خطبہ درصل نماز ہی کا ایک حصہ ہے، جمعہ کی نماز ظہر کی نماز کے قائم مقام ہے جسکی رکعتیں جمعہ کے دن تخفیف ہوکر دو رہ جاتی ہیں اور انکی جگہ خطبہ کی شکل میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے

اَلْبَيْعُ : وَذَرُوا الْبَيْعَ : خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ باعَ یبیعُ سے مصدر ہے معنی فروخت کرنا، اور مراد خرید و فروخت دونوں ہیں صرف بیع پر اکتفا اسلئے کیا گیا ہے کہ جب کوئی فروخت نہیں کریگا تو خریدنے کا راستہ خود بند ہوجائے گا۔ البَیْعُ فِی اللغۃ مطلق المبادلۃ وفی الشرع مبادلۃ المال بالمتقوّم تملیکًا وتملّکًا (مجموعہ)

قُضِيَتْ : فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ : پھر جب نماز پوری ہوچکے، جب نماز پوری کردی جائے یہ قضاءٌ مصدر سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ : تو جب تمام کرچکے تم اپنے مناسک کو قَضٰى حَاجَتَهٗ : اُسنے اپنی حاجت پوری کی

فَانْتَشِرُوْا : فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ تم الگ الگ ہوکر زمین پر پھیل جاؤ۔

اِنْتَشِرُوْا : اِنْتِشَارٌ سے جمع مذکر حاضر ہے عربی میں لوگوں کے انتشار کا مطلب ان کا پھیل کر اپنے اپنے کاموں میں لگ جانا ہے (لغات القرآن نعمانی)
نَشْرٌ کے معنی کسی چیز کو پھیلانے کے ہیں یہ کپڑے اور صحیفے کے پھیلانے بارش اور نعمت کے عام کرنے پر بولا جاتا ہے (راغب) اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے)

اِنْفَضُّوْا : اِنْفَضُّوْا اِلَیْھَا : اسکی طرف دوڑتے ہوئے بکھر گئے۔ اِنْفِضَاض (انفعال) سے جمع مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے، پھیل جانا، بکھر جانا۔ اِنْفَضٌّ کے معنی کسی کو توڑنے اور ریزہ ریزہ کرنے کے ہیں جیسے فَضَّ خَتْمَ الْکِتَابِ : خط کی مہر کو توڑنا، اسی سے محاورہ مستعار ہے جس کے معنی متفرق اور منتشر ہو جانے کے ہیں، کہتے ہیں اِنْفَضَّ الْقَوْمُ لوگ متفرق اور منتشر ہو گئے

اللَّھْوِ : ہر اس چیز کو لَھْوٌ کہتے ہیں جو انسان کو اہم کاموں سے ہٹا دے اور باز رکھے، اِنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَھْوٌ۔

شرح الفاظ القرآن من سورۃ المنٰفقون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جُنَّۃٌ: اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَھُمْ جُنَّۃً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللہِ: اُنھوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے، پھر یہ لوگ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ جُنَّۃ: سپر، ڈھال، آڑ، پردہ، جمع جُنَنٌ آتی ہے، یہ جَنٌّ سے مشتق ہے۔ اس مادہ میں خِفاء کے معنی پائے جاتے ہیں ڈھال سے چونکہ بدن کو چھپایا جاتا ہے اس لئے اس کو جُنَّۃٌ کہا جاتا ہے۔

صَدُّوْا: اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ مصدر صُدُوْدٌ سے مشتق ہوں جس کے معنی اعراض اور کسی کام سے پہلوتہی کرنے کے ہیں۔ صَدَّ عَنْہُ صُدُوْدًا: اعراض کرنا، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنایا اور خدا کے دین سے اعراض کیا یعنی اسکی طرف سے منہ موڑا۔

دوسرا احتمال یہ کہ صَدٌّ مصدر سے ماخوذ ہو جسکے معنی دوسروں کو روکنے اور منع کرنے کے ہیں۔ صَدَّہٗ عَنْ کذا: ہٹانا منع کرنا، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اُنھوں نے قسموں کو ڈھال بنایا اور دوسرے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا (قرطبی)

طُبِعَ: طُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ: انکے دلوں پر مہر کردی گئی۔ طَبْعٌ کے معنی کسی چیز کو ڈھال کر کوئی نئی شکل دینا کے ہیں، مثلاً طَبَعُ السِّکَّۃِ وطَبَعُ الدَّرَاھِمِ: یعنی سکہ یا دراہم کو ڈھالنا، یہ خَتْمٌ سے عام اور نَقْشٌ سے خاص ہے، اور وہ آلہ جس سے مہر لگائی جاتی ہے اسکو طَابَعٌ وخَاتَمٌ (بفتح العین) اور مہر لگانے والے کو طَابِعٌ وخَاتِمٌ کہا جاتا ہے (بکسر العین) مگر طَابَعٌ اور خَاتَمٌ بمعنی فاعل بھی آجاتے ہیں یہ نِسْبَۃُ الفعل الی الآلہ کے قبیل سے ہے، جیسے سَیْفٌ قَاطِعٌ ہے۔ قَدْ مَرَّ تَحْقِیْقُہٗ مِنْ قَبْلُ (دیکھئے احزاب)

خُشُبٌ: خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ، سہارا لگائی لکڑیاں، اَلْخَشَبُ اصل میں موٹی لکڑی کو کہا جاتا ہے اس کی جمع خُشُبٌ آتی ہے۔

كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ میں منافقین
کے باطن پر عکس ڈالا گیا ہے اور انھیں نکما
ہونے میں لکڑیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے
گویا یہ لکڑی کے کھوکھلے کُندے ہیں جنھیں لباس
پہنا کر دیواروں سے ٹیک لگا کر رکھ دیا گیا ہے
مُسَنَّدَةٌ : خُشُبٌ مُّسَنَّدَة، دیوار سے
ٹیک لگا کر کھڑی ہوئی لکڑیاں، یہ باب تفعیل
کے مصدر تَسْنِیْد سے اسم مفعول مؤنث کا صیغہ ہے
تَسْنِیْدٌ : دیوار کے سہارے لگائی ہوئی یعنی جس سے
پشت کا سہارا لگایا جائے۔ سَنَدَ یَسْنُدُ سُنُوْدًا
وَاِسْتَنَدَ وتَسَانَدَ الیہ: اعتماد رکھنا، بھروسہ کرنا
سہارا لینا۔ اَسْنَدَہٗ اِلَی الشَّیْءِ: سہارا دینا،
اَسْنَدَ الحدیثَ الٰی فلانٍ: کسی کی طرف حدیث
منسوب کرنا۔ المُسْنَدُ مِنَ الحدیث: جسکی سند
اسکے قائل تک پہنچائی جائے۔ جمع مَسَانِد
و مَسَانِیْدُ۔ المُسْتَنَدُ: جس پر اعتماد اور بھروسہ کیا جائے
السَّنَدُ : وہ چیز جس کے ساتھ کوئی آدمی سہارا
لے۔ سَنَدَ الیہ یَسْنُدُ (مجرد) ٹیک لگائی، سہارا
لیا۔ سَنَّدَ الشَّیْءَ (تفعیل) کسی چیز کو سہارا
دیکر کھڑا کر دینا۔ السَّنَدُ: بلند پہاڑ، قرآن کریم
میں منافقین کو خُشُبٌ مُّسَنَّدَة سے تشبیہ دی
گئی ہے جسکا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ایسی
لکڑیاں جو دیوار کے سہارے کھڑی کر دی گئی
ہوں اور یہ بھی کہ وہ انسان نہیں لکڑیاں ہیں
جنھیں کپڑے پہنا دیئے گئے ہوں اس تشبیہ کا
حاصل یہ ہے کہ منافق بے ضمیر ہونیکے علاوہ
خود اعتماد بھی نہیں ہوتا، اپنی بقا کے لئے
سہارے اور آسرے تلاش کرتا رہتا ہے جیساکہ
پاکستان کے عجمی اسرائیل تقسیم سے قبل برطانیہ
کے سہارے رہے اور اب اسرائیل کا سہارا
لیا ہوا ہے (دیکھئے شورش کاشمیری کی کتاب
عجمی اسرائیل)

صَیْحَةً یَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَیْحَةٍ عَلَیْهِمْ
صَیْحَةٌ کے لغوی معنی تو چیخ کے ہیں، لیکن یہ
خطرے کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہاں
اسی معنی میں ہے (تدبر)
دراصل صَیْحٌ کے معنی آواز پھاڑنا کے ہیں
اور یہ اِنْصِیَاحُ الثَّوبِ اَوِ الخَشَبِ کے محاورہ
سے ماخوذ ہے جسکے معنی کپڑا یا لکڑی کے پھٹ
جانیکے ہیں، کپڑا جب پھٹتا ہے تو اس سے
جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ صَیْحَةٌ کہلاتی ہے
پھر یہ صیحۃ اور چیخ کبھی گھبراہٹ کا باعث
ہوتی ہے لہٰذا صَیْحَةٌ کے معنی فَزَعٌ یعنی
چنگھاڑ کے بھی آتے ہیں۔ صَیْحَةٌ، فَعْلَةٌ کے
وزن پر صِیَاحٌ کے ایک دفعہ وقوع میں آنے
کو بتاتا ہے۔ صَاحَ یَصِیْحُ صَیْحًا: زور سے

چینخنا (جمل)

لَوَّوْا : لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں۔ لَوٰی یَدَہٗ : اسکے ہاتھ کو موڑا لَوٰی رَأْسَہٗ وَ بِرَأْسِہٖ : اسنے اپنا سر پھیر لیا، یعنی اعراض کیا، لَوٰی لِسَانَہٗ بکذا، یہ کنایہ ہوتا ہے، جھوٹ بولنے اور اٹکل پچو باتیں بنانے سے قرآن پاک میں ہے، یَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ : کتاب کو زبان موڑ کر پڑھتے ہیں اللِّوَاءُ : جھنڈے کو کہتے ہیں کیونکہ وہ ہوا میں لہراتا رہتا ہے اور وہ کھانا جو توشہ کے طور پر لپیٹ کر رکھ لیا جائے اسکو لَوِیَّۃٌ کہتے ہیں (راغب)

قَاتَلَ : قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ، اللہ ان کو غارت کرے، یہ پورا جملہ ایک بد دعائیہ جملہ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اُردو میں کہا جاتا ہے ستیاناس ہو اسکا کیسا خبیث آدمی ہے، عربی محاورہ میں یہ الفاظ لعنت اور پھٹکار کے لئے بولتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ الفاظ بطور محاورہ کے استعمال نہ ہوں بلکہ اللہ کی طرف سے اس بات کا اعلان ہو کہ وہ خدا کی مار کے مستحق ہو چکے ہیں ان پر اس کی مار پڑ کر رہے گی۔ یہ کلمہ زجر و توبیخ کے موقع پر بولا جاتا ہے، وَهِيَ كَلِمَةُ ذَمٍّ وَّ تَوْبِيْخٍ (قرطبی)

خَزَائِنُ : وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، حالانکہ زمین و آسمان کے خزانے اللہ ہی کی ملک ہیں۔

الخَزْنُ کے اصل معنی کسی چیز کو خزانے میں محفوظ کرنے کے ہیں، پھر ہر چیز کی حفاظت کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا ہر جیسے بھید وغیرہ کی حفاظت کرنا، خَزَائِنُ جمع ہے اس کی واحد خِزَانَۃٌ اور خَزِیْنَۃٌ ہے خَزَنَ الْمَالَ : مال جمع کرنا، اسکی حفاظت و نگرانی کرنا۔ خَزَنْتُ السِّرَّ : میں نے راز دل میں محفوظ رکھا۔ اُخْزُنْ لِسَانَكَ : اپنی زبان کو محفوظ رکھ۔ اَلْمَخْزَنُ : ذخیرہ کرنے کی جگہ، اسٹور اور بنک وغیرہ۔

خَزَنَ الشَّیْءَ یَخْزُنُہٗ : حَفِظَہٗ وَاَحْرَزَہٗ فِی الْخِزَانَۃِ (معجم الفاظ القرآن)

خَازِنُ الدَّارِ : گھر کا محافظ، چوکیدار

اَنّٰی : اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ (آیت ۴) کہا پھرے چلے جاتے ہیں (ماجدی) علامہ قرطبیؒ نے ذکر کیا ہے کہ اَنّٰی بمعنی کیف ہے، و اَنّٰی بمعنی کیف (قرطبی)

یہ اسم ظرف ہے زمان و مکان کے لئے آتا ہر ظرف زمان ہو تو بمعنی متٰی (جب جس وقت)

کے اور ظرف مکان ہو تو بمعنی اَیْنَ (جہاں، کہاں)
اور استفہامیہ ہو تو بمعنی کَیْفَ ہوتا ہے۔

یُؤْفَکُوْنَ : یہ اِفْکٌ سے مشتق ہے۔
کسی چیز کا اس کی اصلی حالت سے منہ پھیرنے
کا نام افک ہے پھر اسکا اطلاق اس کلام
پر ہونے لگا ہے جو صداقت سے پھر گئی ہو
وھو من الافک وھو من الصرف (قرطبی)

اَلْمَدِیْنَۃِ : یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَی
الْمَدِیْنَۃِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْھَا الْاَذَلَّ،
کہتے ہیں کہ اگر ہم اب مدینہ میں لوٹ جائیں
گے تو غلبہ والا وہاں سے مغلوبوں کو نکال
باہر کریگا، یہاں المدینہ سے مراد مدینہ منورہ
ہے جہاں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے
ہجرت کر کے قیام فرمایا۔ مدینہ عام شہروں کو
بھی کہا جاتا ہے، اس شہر کا قدیم نام یثرب ہے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے
بعد اس کا نام مدینۃ النبی ہو گیا۔

الْاَعَزُّ : یہ عِزٌّ سے جسکے معنی عزت کے ہیں
افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ زیادہ زوروالا
زیادہ عزت والا۔ عزت اس حالت کو کہا جاتا ہے
جو انسان کو مغلوب ہونے سے محفوظ رکھے اور
آدمی کو سربلند رکھے۔

الْاَذَلُّ : یہ اَعَزُّ کی ضد ہے، اور ذَلَّ
یَذِلُّ سے اسم تفضیل ہے بغیر تا، ذُلٌّ بضم الذال
اور تاء کے ساتھ ذِلَّۃٌ بکسر الذال استعمال ہوتا ہے
ذُلٌّ زور اور قہر کی وجہ سے جھکنے کو کہتے ہیں۔

تُلْهِهِمْ : لَا تُلْهِكُمْ، تمھیں غافل نہ کریں
اَلْهٰى يُلْهِىْ اِلْهَاءٌ (افعال) اَلْهَاهُ كَذَا اسے
فلاں چیز نے اہم کام میں مشغول کر دیا، اَلْهٰكُمُ
التَّكَاثُرُ: تمھیں مال و جاہ کی کثرت نے آخرت
سے غافل کر دیا ہے۔ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ: انکے
دل غفلت میں پڑے ہوئے ہیں یعنی انکے دل
دین سے غافل ہو کر بیکار کاموں میں مشغول ہیں،

لَا تُلْهِ : صیغہ واحد مؤنث غائب نہی ہے
اور کُمْ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ کی ہے۔

اَصَّدَّقَ : فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ
الصّٰلِحِيْنَ ، کہ میں خیر خیرات کر لیتا اور
نیکو کاروں میں شامل ہو جاتا (ماجدی)

اَصَّدَّقَ : یہ تَصَدُّقٌ سے واحد متکلم
کا صیغہ ہے اس کے معنی صدقہ، خیر خیرات
کرنے کے ہیں، یہ اصل میں اَتَصَدَّقُ ہے
حرف تاء کو صاد بنایا گیا ہے، اور صاد کو
صاد میں ادغام کر دیا گیا ہے۔ بِاِدْغَامِ
التَّاءِ فِى الْاَصْلِ فِى الصَّادِ (جلالین)

شرح الفاظ القرآن من سورۃ التغابن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور جو کچھ کہ زمین میں ہے۔ يُسَبِّحُ، باب تفعیل سے واحد مذکر مضارع غائب کا صیغہ ہے۔ اللہ کی پاکی اور تنزیہ بیان کرنا، اس کا اصل مادہ سَبْحٌ ہے۔ سَبَحَ يَسْبَحُ (ف) سُبْحًا وَسَبَاحَةً کے معنی ہیں پانی یا ہوا میں تیز رفتاری سے گزر جانا۔ پھر استعارةً یہ لفظ فلک میں نجوم کی گردش اور تیز رفتاری کے لئے بولا جاتا ہے، جیسا کہ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ تمام اپنے اپنے دوائر میں تیزی سے چل رہے ہیں، التَّسْبِيحُ کے معنی ہوئے عبادت الٰہی میں تیزی کرنا۔

السَّبْحُ۔ والسَّبَاحَةُ: العَوْمُ۔ عَوْمٌ: تیرنا۔ عَامَ فِي الْمَاءِ کے معنی ہیں پانی میں تیرنا۔ سَبَحَ بِالنَّهْرِ وَفِيهِ (لسان) سَبْحٌ اور سَبَاحَةٌ کے معنی تیرنے کے ہیں اور سَبَحَ بِالنَّهْرِ اور سَبَحَ فِي النَّهْرِ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ نہر میں تیرنا (دیکھئے لفظ سبحان سورۃ اسرائیل)

صَوَّرَ: وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ

صَوَّرَكُمْ: اور تمہارا نقشہ بنایا سو تمہارا (کیسا) اچھا نقشہ بنایا۔ صَوَّرَكُمْ اس نے تمہاری صورت کھینچی، اس نے تمہاری شکل بنائی، صَوَّرَ۔ تَصْوِيرٌ۔ تفعیلٌ ماضی کا صیغہ ہے جسکے معنی صورت گری کے ہیں، اور صورت ایسی شکل وہیبت کو کہا جاتا ہے جس کا ادراک بصر اور بصیرت دونوں سے ہوسکتا ہے۔ علامہ راغب علیہ رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ صورت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو صورت محسوسہ ہے جسکا ادراک ہر خاص وعام کرسکتا ہے بلکہ جانوروں کو بھی اسکا ادراک ہوتا ہے جیسے انسان گھوڑے گدھے کی صورت ہے جو کہ معائنہ میں آتی ہے (۲) دوسری وہ صورت ہے جس کو صورت معقولہ کہا جاتا ہے اسکا ادراک صرف خاص خاص لوگ کرسکتے ہیں عام اسکے ادراک پر قادر نہیں جیسے انسانی عقل وفکر کی وہ صورت جو انسان ہی کیساتھ

مخصوص ہے ۔ نیز وہ معانی کہ جن سے کوئی شے
کسی خاص شئی کیساتھ مختص ہے، صَوَّرَكُمْ
میں دونوں طرح کی صورتوں کی طرف اشارہ ہے
چونکہ انسان دونوں طرح کی صورتوں سے مزین ہے
مادہ، روح، ہیولیٰ اور صورت اسی نے پیدا کئے
ہیں ۔ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ انکی تخلیق میں بہترین
آئین حکمت سے ترکیب دی ۔ صُوَرٌ جمع ہے صُوْرَۃٌ کی،

مَصِيْرٌ: صَارَ يَصِيْرُ صَيْرًا ومَصِيْرًا :
ایک حالت سے دوسری حالت کیطرف لوٹنا، مائل
ہونا، جمع ہونا، مَصِيْرًا اسم ظرف مکان ہے ۔ اور
مصدر بھی استعمال ہوتا ہے، قرارگاہ لوٹنے کی جگہ
ٹھکانہ ۔ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ : اي المرجع (قرطبی)

وَبَالَ : فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۔ سو انھوں
نے اپنے کرتوت کا وبال چکھا، اصل میں الوَبْلُ اور
اَلْوَابِلُ کے معنی بڑی اور بھاری بوندوں والی بارش کے ہیں
جیسا کہ سورۃ البقرہ میں گزرا ہے فَاَصَابَهٗ
وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا، پھر معنی ثقل کے لحاظ سے
ہر اس چیز کو وبال کہا جاتا ہے جس سے ضرر پہنچنے
کا اندیشہ ہو، اسی سے اس کھانے کو وبِيْلٌ کہتے
ہیں جو ضرر پہنچانے والا ہو یا اس سے بدہضمی کا
اندیشہ ہو ۔ الوَبْلُ وَالْوَابِلُ : المطر الشديد
الضخم القطر (تاج)
وَبَلَ يَبِلُ وَبْلًا (ض) وَبَلَ بِالْعَصَا: لاٹھی
سے لگاتار مارنا ۔ وَبَلَ الصَّيْدَ : شکار کا تعاقب
کرنا ۔ وَبَلَتِ السَّمَاءُ : آسمان کا بہت بارش
برسانا ۔ وَابَلَهٗ مُوَابَلَةً : ہمیشگی کرنا ۔

تَغَابُنْ : ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ : نقصان
(اور نفع) کا دن یہی ہے ۔ تَغَابُنٌ، غبن دینا، غبن
ظاہر کرنا، ہار جیت، ایک دوسرے کیساتھ غبن کرنا
بروزن تفاعل مصدر ہے (لغات القرآن)
تَغَابُنٌ : غَبْنٌ سے مشتق ہے جسکے معنے خسارے
اور نقصان کے ہیں ۔ مالی نقصان اور خسارے
کو بھی غبن کہا جاتا ہے اور رائے اور عقل کے
نقصان کو بھی ۔ امام راغب اصفہانیؒ نے مفردات القرآن
میں فرمایا کہ مالی خسارے کے لئے یہ لفظ بصیغہ مجہول
غُبِنَ فلانٌ فَهُوَ مَغْبُوْنٌ بولا جاتا ہے، اور عقل
اور رائے کے نقصان کیلئے باب سَمِعَ سے معروف
صیغہ غَبِنَ استعمال کیا جاتا ہے ۔
لفظ تغابن اصل کے اعتبار سے دو طرفہ کام
کے لئے بولا جاتا ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو
اور دوسرا اس کو نقصان پہنچائے یا اس کے
نقصان اور خسارے کو ظاہر کرے، یہاں مراد
یک طرفہ اظہار غبن ہے جیسا کہ یک طرفہ استعمال
بھی اس لفظ کا معروف و مشہور ہے، قیامت
کو یوم التغابن کہنے کی وجہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ
میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لئے

آخرت میں دو گھر پیدا کئے ہیں ایک جہنم میں، دوسرا جنت میں، اہلِ جنت کو جنت میں داخل کرنے سے پہلے ان کا وہ مقام بھی دکھلایا جائیگا جو ایمان اور عمل نہ ہونیکی صورت میں اس کے لئے مقرر تھا تاکہ اس کو دیکھنے کے بعد جنت کے مقام کی اور زیادہ قدر اسکے دل میں پیدا ہو اور اللہ کا مزید شکر گزار ہو، اسی طرح اہلِ جہنم کو جہنم میں داخل کرنے سے پہلے ان کا جنت کا وہ مقام دکھلایا جائے گا جو ایمان اور عمل صالح کی صورتمیں ان کے لئے مقرر تھا تاکہ ان کو اور زیادہ حسرت ہو۔ ان روایات میں یہ بھی ہے کہ پھر جنت میں جو مقامات اہلِ جہنم کے لئے تھے وہ اہلِ جنت کو مل جائیں گے، اور جہنم میں جو مقامات اہلِ جنت کے لئے تھے وہ بھی اہلِ جہنم کے حصّہ میں آجائیں گے، یہ روایات حدیث صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں مختلف الفاظ سے مفصّل آئی ہیں۔ اس وقت جبکہ کفّار و فجّار اور اشقیاء کے جنتی مقامات بھی اہلِ جنت کے قبضہ میں آئیں گے تو انکو غبن اور خسارے کا احساس ہوگا کہ کیا چھوڑا اور کیا پایا (معارف القرآن - قرطبی)

شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے یَوْمُ التَّغَابُن کا ترجمہ ہار جیت کا دن، کیا ہے، یہ ترجمہ لفظ کی روح اور اُس کی معنویت کو خوب کھولتا ہے، غَبْنٌ (بالتّسکین) زیادہ تر خرید فروخت اور لین کے معاملہ میں بولا جاتا ہے اور غَبَنٌ (بالتحریك) **عقل و رائے** کے معاملہ میں استعمال ہوتا ہے۔

الغَبْن - بالتّسْكِيْن، فِي البيع، والغَبَنُ بِالتحريكِ، فى الرّائ (لسان) لیکن کبھی کبھی اس کے خلاف بھی استعمال ہوتاہے لغت میں اس کے متعدد معنی بیان کئے گئے ہیں غَبَنُوْا خَبَرَا النَّاقَة : ان لوگوں کو پتہ نہ لگا کہ اونٹنی کہاں چلی گئی، یعنی اونٹنی کا پتہ لگانے میں خسارے میں رہے، غَبَنَ فلانًا فِي البَيْع : اس نے فلاں شخص کو بیع میں دھوکہ دیدیا۔ غَبِنْتُ مِنْ حَقِّيْ عِنْدَ فلانٍ : فلاں شخص سے حق وصول کرنے میں مجھ سے بھول ہوگئی، اور وہ شخص جس میں ذہانت کی کمی اور رائے کی کمزوری ہو اس کو غَبِيْنٌ کہتے ہیں اور جو شخص دھوکہ کھا جاتا ہو اسکو مغبون کہا جاتا ہے

الغَبْنُ : الغَفْلَةُ وَالنِّسيَان، فَوْتُ الحَظِّ، اَنْ يَبْخَسَ صَاحِبُكَ فِيْ معاملة بينك وبينه بضرب مِّنَ الاخفاء : غبن کے معنی ہیں غفلت بھول اپنے حصّہ سے محروم رہ جانا۔ ایک شخص کا

کسی غیر محسوس طریقہ سے کاروبار یا باہمی معاملہ میں دوسرے کو نقصان دینا۔ یہ تمام معانی لسان العرب اور تاج العروس وغیرہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ امام حسن بصریؒ نے دیکھا کہ ایک دوسرے کو بیع میں دھوکا دے رہا ہے تو فرمایا کہ ھٰذَا یَغْبَنُ عَقْلَكَ : یہ تجھے بیوقوف بنا رہا ہے۔

تَغَابَنَ الْقَوْمُ: ایک دوسرے کے ساتھ غبن کا معاملہ کرنا۔ غَبْنٌ کے مادہ میں اخفار اور پوشیدگی کے معنی لازمی طور پر پائے جاتے ہیں۔ غبن جہاں بھی ہوتا ہے چوری اور دھوکا سے ہوتا ہے۔

الشُّحَّ : وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ: جو کوئی محفوظ رہا حرص نفسانی سے (ماجدی) شُحٌّ کے معنی بخل اور حرص کے آتے ہیں شُحٌّ اور بخل دونوں کے معنی ایک ہی ہیں، البتہ بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ شُحّ وہ بخل ہے جس میں حرص بھی ہو۔ اور بخل میں حرص نہیں ہوتی۔ اس لفظ کی مزید وضاحت سورۃ الحشر میں دیکھیں۔ الشُّحُّ۔ البخل مع حرص (قرطبی) ص $\frac{۳۹}{۱۲۳}$ سورۃ الحشر

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الطلاق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

النَّبِیُّ : یَاَیُّھَا النَّبِیُّ : نَبِیٌّ صفت مشبہ کا صیغہ ہے، اصل میں نَبِیْئٌ تھا، فَعِیْلٌ کے وزن پر ہمزہ کو یار سے بدلکر یار میں ادغام کردیا گیا ہے اسکا اصل مادہ مجرد نَبَأٌ ہے، مہموز اللام نَبَاءٌ اور نُبُوْءَۃٌ : بلند ہونا، ظاہر ہونا، آواز دینا، خبر دینا، (باب فتح) اور اِنْبَاءٌ (افعال) سے خبر دینا، آگاہ کرنا۔

الطلاق : طلاق کے اصل معنی بندھن کھول کر چیز کو آزاد کردینا ہے، اَطْلَقْتُ البَعِیْرَ مِنْ عِقَالِہٖ وطَلَّقْتُہٗ، کے معنی ہیں اونٹ کا پائے بند کھول دیا اور شرع میں طلاق نام ہے ملکِ نکاح کو زائل کرنے کا۔ وھو فی الشرع ازالۃ ملک النکاح (تعریفات) طَلَّقْتُ المرأۃ : عورت کو نکاح کی پابندیوں سے آزاد کردینا، نَعْجَۃٌ طالق وناقۃٌ طالق : بغیر نگراں کے آزاد چھوڑی ہوئی دنبی یا اونٹنی، جمع اطلاقٌ۔ اسی سے مطلقہ عورت کو مُطَلَّقَۃ کہا جاتا ہے کہ اب وہ نکاح کی پابندیوں سے آزاد ہے۔ والطلاق : حَلُّ عقدِ النکاح (قرطبی) اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ : جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو، اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ : طلاق صرف دو مرتبہ ہے۔ مطلق: وہ حکم ہے جس سے کوئی جزئی مخصوص نہ کی گئی ہو، اور حلال چیز کو طلقٌ کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے کھانے پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ طلقُ الوجہِ اور طلیقُ الوجہِ: خندہ رو، خوش باش، لَیْلَۃٌ طَلْقَۃٌ : وہ رات جس میں اونٹوں کو چرنے کے لئے آزاد چھوڑا جائے۔

النِّسَاءَ : نِسْوَۃٌ، نِسَاءٌ یہ اِمْرَأَۃٌ کی غیر لفظی جمع ہیں، اپنے لفظ سے اسکی واحد نہیں آتی، اور امرأۃٌ کی اپنے لفظ سے جمع مستعمل نہیں۔ النِّسَاءُ : عورتیں، بیویاں، مرأۃٌ کی جمع بھی نساءٌ وغیرہ آتی ہے۔

اَحْصُوْا : وَاَحْصُوا الْعِدَّۃَ ۔ اور عدت کو خیال میں رکھو، اِحْصَاءٌ سے جس کے معنی شمار کرنے کے ہیں۔ امر کا صیغہ ہے

اِحْصَاءٌ کا اشتقاق حَصًا سے ہے جس کے معنی کنکری کے ہیں۔ چونکہ عرب شمار کرنے کے لئے کنکریاں استعمال کرتے تھے اسلئے شمار کرنے اور محفوظ کرنے کے لئے اِحْصَاءٌ کا لفظ بولا جانے لگا
وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ : معناہ احفظوھا (قرطبی)

اَلْعِدَّۃَ : گنتی شمار۔ عدت۔ یہاں عدت سے مراد عورت کی عدت ہے یعنی وہ ایام جن کے گزر جانے پر اس سے نکاح کرنا حلال ہو جاتا ہے، امام فخر الدین رازیؒ نے لکھا ہے کہ عِدَّۃٌ عَدٌّ سے بروزن فِعْلَۃٌ ہے اور بمعنی مَعْدُوْدٌ ہے جیسے کہ طِحْنٌ بمعنی مَطْحُوْنٌ ہے، اور اسی بناء پر انسانوں کی گنی ہوئی جماعت کو عِدَّۃٌ کہتے ہیں اور عورت کی عدت بھی اسی معنی میں ہے۔ اس کے گنے ہوئے دن۔

حُدُوْدُ : حُدُوْدُ اللّٰہِ۔ حُدُوْدٌ حَدٌّ کی جمع ہے۔ حَدٌّ اس آڑ اور روک کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کو آپس میں ملنے سے روک دے۔ اور حدود اللہ سے مراد احکام الٰہی ہیں۔ ای ھٰذہ الاحکام التی بیّنھا احکام اللہ علی العباد (قرطبی)
الحدّ الفصل بین الشیئین لئلا یختلطا احدھما بالاٰخر اولئلا یتعدّی احدھما علی الاٰخر۔ ۔ ۔ وحدّ اللہ تعالیٰ الاشیاء التی بیّن تحریمھا و تحلیلھا (لسان العرب) اَلْحَدُّ : الحاجز بین شیئین (تاج) حاصل یہ ہے کہ حد اس چیز کو کہیں گے جو دو چیزوں میں فصل اور جدائی کر دے۔ احکامِ الٰہی نے چونکہ حلال و حرام اور حق و باطل میں فصل اور جدائی پیدا کر دی ہے اسلئے ان کو حدود اللہ کہا جاتا ہے، حدود اللہ سے مراد شریعت کے مقرر کردہ قوانین ہیں (معارف)

فَارِقُوْا : اَوْ فَارِقُوْھُنَّ، فَارِقُوْا، جمع مذکر امر حاضر کا صیغہ ہے، مُفَارَقَۃٌ مصدر ہے اور باب مُفَاعَلَۃٌ، اصل مادہ فرق ہے چھوڑ دو الگ کر دو کہ انکی عدت کا زمانہ ختم ہو جائے۔

اَجَلٌ : فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ: آیت کریمہ میں لفظ اَجَلٌ بمعنی عدّت کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب عدّت ختم ہونے کے قریب ہو۔

مَخْرَجًا : وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا : اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے کشائش پیدا کر دیتا ہے۔
مَخْرَجٌ : اسم ظرف مفرد ہے نکلنے کی جگہ، جمع مخارج مصدر خُرُوْجٌ، باب نَصَرَ

یَتَّقِ : یَتَّقِ اللّٰہَ : اللہ سے ڈرے لفظ تقویٰ کے اصلی اور لغوی معنی بچنے کے ہیں، شرعی اصطلاح میں گناہوں سے بچنے کے لئے یہ

لفظ بولا جاتا ہے ، اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت اور نسبت ہوتی ہے تو ترجمہ اللہ سے ڈرنے کا کر دیا جاتا ہے اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی معصیت اور نافرمانی سے ڈرے اور بچے ۔
يَتَّقِ باب افتعال کے مصدر اِتِّقَاءٌ سے واحد مذکر کا صیغہ ہے، یہ اصل میں يَتَّقِي تھا یٔ آخر سے گر گیا ہے، چونکہ مَنْ کی جزا ہونے کی وجہ سے ساکن ہے اور ناقص یائی کا سکون حرف علت کا سقوط ہے ۔

يَئِسْنَ : وَالّٰئِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ : اور وہ مطلقہ عورتیں جو حیض آنے سے مایوس ہو چکی ہوں يَئِسْنَ ، یہ جمع مونث غائب کا صیغہ ہے ، اصل مصدر يَأْسٌ ہے ۔

مَحِيْضٌ : مَحِيْضٌ ، ظرف زمان بمعنی حیض کا وقت اور ظرف مکان بمعنی مقام حیض مصدر میمی، بمعنی حیض آنا ۔ حیض وہ فاسد خون ہے جو مخصوص زمانہ میں مخصوص حالت میں تندرست جوان غیر حاملہ عورت کے رحم سے نکلتا ہے ۔ اجوف وادی اور یائی کے ابواب سے مصدر میمی عام طور پر مَفْعَلٌ کے وزن پر آتا ہے جیسے کہ عَاشَ عَيْشًا سے معاش ہے ۔ عَادَ عَوْدًا سے معادٌ ہے، اسلئے قیاساً یہاں بھی مصدر میمی محاضٌ ہونا چاہئیے، لیکن یہاں خلافِ قیاس محیض مصدر میمی ہے ایک محاورہ ہے مَا فِي بُرِّكَ مَكِيْلٌ وَمَكَالٌ ، اس مثال میں كَالَ يَكِيْلُ سے مَكِيْلٌ اور مَكَالٌ دونوں طرح مصدر میمی آتا ہے ۔

وُجْدِ : مِنْ وُجْدِكُمْ ، لفظ وُجْدٌ بمعنی طاقت اور وسعت کے ہے مِنْ وُجْدِكُمْ تمہاری وسعت اور طاقت سے، وُجُوْدٌ کے معنی یافت کے ہیں (تدبر)
کہا جاتا ہے وَجَدْتُ فِي الْمَالِ وُجْدًا : میں نے مال میں کشائش پائی، وَالْوُجْدُ : الغنی والمقدرۃ (قرطبی) وَجْدٌ وِجْدٌ وُجْدٌ بحرکات ثلثہ، ایک معنی میں ہیں ۔

ائْتَمِرُوْا : وَأْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِالْمَعْرُوْفِ
اِئْتِمَارٌ کے معنی باہم مشورہ اور ایک دوسرے کی بات کو قبول کرنے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ مطلقہ عورت کے ساتھ اُجرت رضاعت کا معاملہ انصاف سے طے کیا جائے، طرفین سے کوئی زیادتی نہ کرے، اِئْتِمَارٌ باب افتعال بمعنی تفاعل ہے باہم مشورہ کرنا ۔

تَعَاسَرْتُمْ : وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ ۔ تَعَاسُرٌ سے جسکے معنی آپس کے معاملے میں دشواری اور باہم ایک دوسرے کو تنگ کرنیکے ہیں، جمع مذکر حاضر ہے باب تفاعل ہے ۔

كَأَيِّنْ : یا كَأَيٍّ یہ اسم کاف تشبیہ اور اَیٌّ سے مرکب ہے کم خبریہ کی طرح عام طور پر کثرت اور بہت کے معنو میں آتا ہے، جیسے كَأَيٍّ مِنْ رَجُلٍ یا كَأَيٍّ رَجُلًا رَأَيْتُ: میں نے بہت سے آدمی دیکھے، یہ لفظ بہت کم استفہام کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے حضرت ابن ابی کعب سے حضرت مسعود نے پوچھا تھا، كَأَيٍّ تَقْرَأُ سورة الاحزاب آيَةً: تم سورۂ احزاب کی کتنی آیات پڑھتے ہو انھوں نے جواب دیا، ثلاثا وسبعين یعنی تہتر آیات پڑھتا ہوں۔

عَتَتْ : عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا : انھوں نے خدا کے حکم کی نافرمانی کی۔ مولانا اصلاحی صاحب لکھتے ہیں کہ عَنْ اس امر کا قرینہ ہے کہ عَتَتْ یہاں اعرضت کے مفہوم پر متضمن ہے، یعنی سرکشی کے سبب انھوں نے اپنے رب کے حکم سے اعراض کیا (تدبر)
عَتَتْ ای عَصَتْ (قرطبی) عَتَا۔ یَعْتُوْا عُتُوًّا و عِتِيًّا حکم عدولی کرنا، فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ : انھوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی۔

نُكْرًا : عَذَابًا نُكْرًا، یہاں نُكْرًا بمعنی مُنْكَرٌ کے ہے، وَالنُّكْرُ الْمُنْكَرُ (قرطبی)
اَلنُّكْرُ : مکاری یا مشکل امر جو سمجھ میں نہ آسکے۔ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ : جس دن بلانے والا ایک ناخوش چیز کی طرف بُلائے گا، اور مُنْكَرٌ اس امر کو کہا جاتا ہے جسکو عقل سلیمہ قبیح خیال کرے یا عقل کو اس کے حُسن و قبح میں تردد ہو لیکن شریعت نے اس کے قُبح کا حکم لگایا ہو۔

شرح الفاظ القرآن من سورة التحریم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لِمَ : لِمَ تُحَرِّمُ ، آپ کیوں حرام کرتے ہیں، لِمَ حرف استفہام ہے اسکا استعمال عام طور پر علی وجہ الانکار ہوتا ہے قرآن پاک کی سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۴۳ میں ہے عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ، لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ : اللہ آپکو معاف کرے آپ نے اجازت کیوں دی اُن کو ؟

اصل میں یہ مَا ہے جو استفہام کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس کے ساتھ حرف لِ مکسور داخل کرتے ہیں جس سے مقصود فعل کی وجہ دریافت کرنا ہوتا ہے اور پھر مَا کا الف گرا دیا جاتا ہے تاکہ ما استفہامیہ اور مَا خبریہ میں فرق ہو جائے لِمَ ذَهَبْتَ : تو کیوں گیا، کیا مقصد تھا جانے کا ؟ ولِمَ ، بالکسر حرفٌ يُسْتَفْهَمُ بِهٖ تقول لِمَ ذَهَبْتَ ، واصل لِمَ لِمَا ، حُذِفَتِ الالفُ تخفيفًا وتُرِكَتِ الميمُ مَفْتُوحَةً لِتَدُلَّ الفَتْحَةُ على الالفِ المحذُوفَةِ (تاج العروس)

قال صاحبُ النظمِ ، لِمَ تُحَرِّمُ استفهامٌ بمعنی الانکار (کبیر۔ سورۃ التحریم)

تحرّم : تو حرام کرتا ہے ، تحریمٌ سے فعل مضارع مخاطب ہے ، حَرَّمَ اس نے حرام کیا۔ حَرِمَ ۔ حرامًا ۔ روکنا ۔ منع کرنا ۔

حَرَّمَ : اس نے حرام کیا ، اس نے منع کیا ، حَرِمَ ۔ حَرَمًا و حَرَامًا : روکنا منع کرنا ، محروم کر دینا ، حَرَّمَ الشَّیْئَ : حرام ٹھہرایا ممنوع قرار دیا ۔ حَرَّمَ الصَّلٰوۃَ : نماز کی تحریمہ باندھی ۔

حَرَامٌ : حرام ، حرمت والا ، ممنوع ، جمع حُرُمٌ ۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ جس چیز سے منع کر دیا وہ حرام ہے خواہ بہ تسخیر الٰہی ممنوع ہو یا بہ منع قہری یا عقل کی رو سے یا شرع کی طرف سے یا اس شخص کی وجہ سے جس کا حکم مانا جاتا ہے ۔ تسخیرِ الٰہی سے حرام ہونے کی مثال ۔ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ : کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تسخیر سے حضرت موسیٰؑ کو دائیوں کا دودھ پینے سے روک دیا ۔ اور منع قہری سے حرمت کی مثال ۔ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (اعراف ۔ ۵۰)

بے شک اللہ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام قرار دیا ہے یعنی بزور قوت کافروں کو اس سے محروم کر دیا ہے۔
اشہر حرام کو بھی حرام اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے ان وقتوں میں بعض ان چیزوں کو حرام کر دیا ہے جو دوسرے اوقات میں حرام نہیں، لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ (مائدہ-۱) حُرُمٌ : احرام باندھنے والے یہ حرام کی جمع ہے۔
أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا (القصص ۵۷)
حَرَمٌ : پناہ کی جگہ، ادب کا مقام، مکہ معظمہ کا ایک مخصوص حصہ۔
الْبَيْتَ الْحَرَامَ : حرمت والا گھر، البیت موصوف اور الحرام صفت، کعبۃ اللہ کو البیت الحرام بھی اسی سے فرمایا گیا ہے کہ اسمیں بہت سی چیزیں منع اور حرام ہیں، لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ، جو چیز خدا نے آپ کے لئے حلال قرار دی آپ نے اسے حرام کیوں کیا (تحریم) معلوم ہوا کہ حرام و حلال کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔
مَرْضَاتَ : یہ مصدر میمی ہے، بمعنی رضامندی، خوشنودی، پسندیدگی۔
رَضِيَ (س) رِضًا، مصدر، رضوۃٌ اسم مصدر ہے، اسی سے رضوانٌ آتا ہے بمعنی بڑی رضامندی۔ رَضِيٌّ۔ صفت مشبہ اور راضٍ اسم فاعل۔ مرضیٌّ اسم مفعول ہے، ارضاءٌ باب افعال سے کسی کو راضی کرنا، خوش کرنے کے لئے کچھ دینا۔
تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ اپنی بیبیوں کی خوشی حاصل کرنے کے لئے۔
فَرَضَ : فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ اللہ نے تمہارے لئے قسموں کا کھولنا مقرر کر دیا ہے، لغت میں فرض کے معنی ہیں کسی حجم والی چیز کو کاٹنا جس میں صلاحیت ہو۔ قرآن پاک کی اصطلاح میں اس کے کئی معنی آتے ہیں۔ (۱) مقرر اور معیّن کرنا (۲) عزم کرنا اپنے اوپر لازم کر لینا (۳) واجب کرنا، اگر مفعول دوئم پر علیٰ آئے (۴) اجازت دینا، یعنی روک اور بندش کو ختم کر دینا بشرطیکہ اس کے بعد لام آئے، لہذا فَرَضَ کا ترجمہ ہوگا اس نے واجب کر دیا مقرر کر دیا، اسنے اجازت دیدی، عزم کر لیا (لغات القرآن)
تَحِلَّةَ : کھولنا، حلال کرنا، یہ حَلَّلَ کا مصدر ہے۔ تَفْعِلَةٌ کے وزن پر اصل میں تَحْلِلَةٌ ہے ایک جنس کے دو حروف جمع ہونے کی وجہ سے ادغام کر دیا گیا ہے۔ دأصلہٗ

تَحِلَّةٌ كَتَكْرِمَةٍ فَادْغِمَتْ (جمل)
صَغَتْ : فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا
تمہارے دل اسی طرف مائل ہوئے ہیں (ماجدؒ)
صَغَتْ : وہ جھک پڑی، وہ مائل ہوگئی
صَغْوٌ اور صَغْیٌ سے ماضی کا واحد مؤنث
غائب، یہاں قلوب کے فاعل ہونیکی بنا پر
معنی ہونگے یعنی جھک پڑے، مائل ہوگئے ۔
(لغات القرآن) ہر آئینہ کج شدہ است دل
شما (ترجمہ شاہ ولی اللہ) کج ہو گئے دل تمہارے
(ترجمہ شاہ رفیع الدین) جھک پڑے ہیں دل
تمہارے (معارف) تمہارے دل تو خدا کی
طرف مائل ہی ہیں (تدبر) ای زاغت ومالت
عن الحق (کبیر) یعنی حق سے ہٹ گئے
علامہ آلوسی بغدادیؒ کی تشریح یہ ہے،
مالت عن الواجب من مُوَافقته
صلی اللہ علیہ وسلم بحبِّ مَا یُحِبُّہٗ
وکَرَاھَۃ مَا یَکْرَھُہٗ الی مُخَالِفَتِہٖ
(روح المعانی) یعنی تم پر واجب تو یہ ہے
کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جو کچھ پسند کریں
اسے پسند کریں اور جو کچھ آپ ناپسند کریں
اسے ناپسند کرنے میں آپ کی موافقت کرو،
مگر تمہارے دل اس معاملہ میں آپکی موافقت
سے ہٹ کر آپکی مخالفت کیطرف مڑ گئے ہیں ۔

ان تمام تراجم کے پیشِ نظر حاصل یہی نکلتا ہے
کہ صغت کے معنی (اعراض عن الحق کے ہیں، اور
دونوں سیّدات حق سے ہٹ گئی تھیں لیکن ان
تمام اہلِ تفسیر کے بالکل خلاف اور لغت عربی
کے لحاظ سے بالکل صحیح راستہ مولانا حمید الدین
فراہی رحمۃ اللہ نے اختیار کیا ہے ۔ اور مذکورہ
تراجم کو رواۃ حدیث کی تحریف کا اثر قرار
دیتے ہیں ۔ ذیل میں ہم مولانا کی تحقیق کو اہلِ علم
کے سامنے بعینہٖ پیش کردیتے ہیں ۔ فرماتے ہیں
دنیا کی تمام زبانوں میں عموماً اور عربی زبان میں
خصوصًا خاص خاص الفاظ خاص خاص
معانی کے لئے آتے ہیں اور اسکے ساتھ ہی وہ
ایک کُلّی معنی کے تحت بھی ہوتے ہیں جو لوگ
زبان کی ان خصوصیات سے ناواقف ہیں
وہ زبان کے فہم سے محروم رہتے ہیں ۔ مثلاً
مَیْلٌ (جھکنا ۔ ہٹنا) ایک کُلّی مفہوم ہے
اس کے تحت عربی میں بہت سے الفاظ ہیں
مثلاً زَیْغٌ ۔ جَوْرٌ ۔ اِزْوِرَاء ۔ انحراف
وغیرہ، لیکن سب مَیْل عَنِ الشَّیْ یعنی
کسی چیز سے ہٹنے اور پھرنے کے لئے آتے
ہیں ۔ پھر اسی کے تحت فَیْئٌ ۔ تَوْبَۃٌ
التِفَاتٌ اور صَغْوٌ وغیرہ الفاظ ہیں، جو
سب کے سب مَیْل اِلَی الشَّیْ، یعنی

کسی چیز کی طرف مائل ہونے اور جھکنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں، جو لوگ اس قسم کے باریک فرقوں سے ناواقف ہیں وہ زبان کے سمجھنے میں خود بھی غلطیاں کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی غلطیوں میں ڈالتے ہیں۔

اس نقطہ کے واضح ہوجانے کے بعد عربی زبان کے ایک عالم سے یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا کے معنی اَنَابَتْ قُلُوْبُكُمَا وَمَالَتْ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (یعنی تم دونوں کے دل اللہ اور اس کے رسول کی طرف جھک چکے ہیں) کے ہوں گے کیونکہ صِغْوٌ کا لفظ کسی شئی کیطرف جھکنے کے لئے آتا ہے کسی شئے سے مڑنے اور ہٹنے کے لئے نہیں آتا۔ لفظ کی یہ حقیقت اس کے تمام مشتقات میں موجود ہے مثلاً صَاغِيَةُ الرَّجُلِ، کسی شخص کے اُتباع کو کہتے ہیں۔ صِغْوُهٗ مَعَكَ کے معنی ہیں اسکا میلان تمہاری طرف ہے۔ اَصْغَيْتَ اِلٰى فُلَانٍ، اس کی طرف تو نے کان لگایا،

حدیث شریف میں ہے، يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَلَا يَسْمَعُهٗ اَحَدٌ اِلَّا اَصْغٰى اِلَيْهِ: صُور پھونکا جائے گا تو کوئی سُننے والا نہ ہوگا جو اسکی طرف اپنی گردن نہ موڑے اسی طرح محاورہ ہے، اَلصَّبِيُّ اَعْلَمُ بِمُصْغٰى خَدِّهٖ، بچہ اپنی آغوشِ مہر و محبت کو خوب پہچانتا ہے صَغَتِ الشَّمْسُ وَالنُّجُوْمُ سورج اور ستارے زمین کی طرف جھک گئے۔ ہِرّۃ والی حدیث میں ہے کَانَ يُصْغِيْ لَهَا الْاِنَاءَ: اس کے لئے برتن کو جھکا دیتے تھے تاکہ وہ آسانی سے پانی پی سکے، برتن کے جَوْفٌ کو صَغْوٌ کہا جاتا ہے کیونکہ چیز اسمیں مجتمع ہوجاتی ہے۔ ابن بری نے اِصْغَا رسمع (کسی طرف کان لگانا) کے ثبوت میں کسی شاعر کا مندرجہ ذیل شعر پیش کیا ہے ؎

تَرَى السَّفِيْهَ بِهٖ عَنْ كُلِّ مَكْرُمَةٍ
زَيْغٌ وَفِيْهِ لِلتَّسْفِيْهِ اِصْغَاء

بیوقوف آدمی کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ عزت و شرف کی ہر بات سے منہ موڑتا ہے اور سفاہت کی باتوں کی طرف کان لگاتا ہے ذوالرمہ اپنی ناقہ کی تعریف میں کہتا ہے ؎

تُصْغِيْ اِذَا شَدَّهَا بِالْكُوْرِ جَانِحَةً
حَتّٰى اِذَا مَا اسْتَوٰى فِيْ غَرْزِهَا تَثِبُ

جب وہ اس پر کجاوہ کستا ہے تو وہ گردن موڑ کر کان لگاتی ہے یہانتک کہ جب وہ اسکے رکاب میں پاؤں رکھتا ہے تو وہ جھپٹ پڑتی ہے۔

اعشیٰ اپنے کتے کی آنکھ کا ذکر کرتا ہے ؎

تَرٰی عَیْنَہَا صَغْوَاءَ فِیْ جنب مُوْقِہَا
تُرَاقِبُ کَفِیْ والقطیع المحرما

اس کی آنکھ گوشۂ چشم کی طرف جھکی ہوئی ہوتی ہے، اور میری ہتھیلی اور سخت کوڑے کو دیکھتا ہے
نمر بن تولب، اِصْغَارِ اِنَاء کا محاورہ اُنڈیل دینے کے معنی میں استعمال کرتا ہے ؎

وَاِنَّ بن اُخْتِ القوم مُصْغًی اِنَاءُہٗ
اِذَا لَمْ یُزَاحِمْ خَالَہٗ بِاَبٍ جَلْدٍ

اور قوم کے بھانجے کی حق تلفی کی جاتی ہے، اگر وہ اپنے ماموؤں کی بہادر باپ سے مزاحمت نہ کرے۔

مولانا فراہی رحمہ اللہ ان شواہد و اشعار کو لسان العرب سے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کو حق کی تلاش ہے ان کے لئے یہ شواہد بس کرتے ہیں وہ ان کو پاکر پوری طرح مطمئن ہو جائیں گے اور گھڑنے والوں نے روایات و آثار میں جو زہر ملا دیا ہے اُس سے ہلاک نہ ہونگے۔ گھڑنے والوں نے جب کتاب الٰہی میں لفظی تحریف کی راہیں بند دیکھیں تو معنوی تحریف ہی کے لئے انھوں نے کچھ دروازے کھول لئے۔

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی تدبر قرآن نے بھی اپنی تفسیر میں وہی راہ اختیار کی ہے جو اُن کے اُستاد رحمہ اللہ نے کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ لفظ صَغْوٌ عربی زبان میں کسی شے سے انحراف کے معنی میں نہیں بلکہ کسی شے کی طرف جھکنے اور مائل ہونے کے معنی میں آتا ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قول بلفظِ قیل ذکر کیا ہے جس سے مولانا فراہی مرحوم کی تفسیر کی تائید ہوتی ہے۔ وقیل، فقد مَالت قلوبکما الی التوبۃ (قرطبی ص ۱۸۸/۱۸)

تَظَاهَرَ : وَاِنْ تَظَاهَرَا عَلَیْہِ اور اگر تم پیغمبر کے مقابلہ میں کارروائیاں کرتی رہیں، (ماجدی) تَظَاهَرَا۔ تم دونوں آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو گی، یہ صیغہ تثنیہ مؤنث حاضر ہے جو اصل میں تَتَظَاہَرَ تھا ایک تا رحذف ہوگئی، اور نون اعرابی ان شرطیہ کی وجہ سے گر گیا ہے، اور سورۂ قصص کی آیت۔ ۴۸ میں قَالُوْا سِحْرَانِ تَظَاهَرَا میں تَظَاہَرَا تثنیہ کا صیغہ مذکر غائب ہے اور یہ اپنی اصلی حالت پر ہے۔

جِبْرِیْلُ : جبریل اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے ہیں جو انبیاء علیہ السلام پر وحی لاتے تھے (تعلیم الاسلام) ایمان بالملائکۃ اسلامی عقائد کی اساس ہے اور جبریلؑ وہ فرشتہ ہے جسکی

وساطت سے وحی و تنزیل کے انوار قلب نبوت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوتے رہے، اس کا ذکر قرآن پاک نے جس انداز سے کیا ہے اس سے اسکی طاقت وعظمت کا پتہ چلتا ہے، عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى (النجم) وَاَيَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (البقرہ) اور اس کو روح الامین بھی کہا گیا ہے۔ ملائکۃ اللہ کا انکار اور باطل تاویلات کے ذریعہ محکم آیات میں تحریف کرنا۔ علم وعقل کے دیوالیہ پن کا ثمرہ ہے، علامہ ابوحیان فرماتے ہیں کہ جبرائیل عجمی لفظ ہے جو علمیت اور عجمی کی بنا پر غیر منصرف ہے، مفسرین نے جبرائیل کے تلفظ میں مختلف قرائتیں ذکر کی ہیں مثلاً جبریل، جَبْرِيل، جَبْرَئِيل، جَبْرَائِل، جَبْرَال وغیرہ۔

صَالِحُ : صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ، علامہ ابن جریر طبری نے نقل کیا ہے کہ لفظ صَالِح یہاں اسم جنس ہے جیسا کہ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ، اس لئے لفظ کا مصداق پوری جماعت ہے کوئی ایک فرد نہیں، اہل علم کا ایک قول اس میں یہ بھی ہے کہ لفظ صالح اصل میں جمع ہے اسکی اصل درحقیقت صَالِحُوْنَ ہے۔ نون اعرابی المومنین کی طرف اضافت کی وجہ سے گر گیا ہے اور پھر واؤ کو حذف کر کے صیغہ اپنی اصل پر لکھا گیا ہے کیونکہ صالح اسم جنس ہونے کی وجہ سے واحد جمع میں برابر ہے (قرطبی)

ثَيِّبٰتٍ : ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا: شوہر دیدہ اور کنواریاں۔ ثَيِّبَاتٌ یہ ثَيِّبٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں شادی شدہ عورت اور مطلقہ اور بیوہ کو بھی ثَيِّبَةٌ کہا جاتا ہے یہ اصل میں ثَوْبٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنی کسی چیز کے اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹنے کے ہیں۔ ثَابَ فُلَانٌ اِلٰى دَارِهٖ: فلاں اپنے گھر کی طرف لوٹ آیا۔

بیوہ یا مطلقہ عورت کو ثَيِّبٌ کہنے کی وجہ یہی ہے کہ وہ طلاق یا وفات زوج کے بعد اپنے اصلی گھر یعنی والدین کی طرف رجوع کرتی ہے۔

النَّاس : اس لفظ کے بارے میں نحاۃ کا اختلاف ہے کہ اس کی اصل کیا ہے؟ ایک تو یہ کہا گیا ہے کہ هو اِسْمٌ مِنْ اَسْمَاءِ الجموع، جمع اِنْسَانٍ اِنْسَانَةٍ علیٰ غیر اللفظ (قرطبی)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ النّاس کی اصل اُنَاس ہے۔ ہمزہ کو حذف کر کے اس کے عوض الف لام لایا گیا ہے اسلئے اَلْاُنَاس

نہیں کہا جاتا، چونکہ عوض اور معوض جمع نہیں ہوتے (بیضاوی)

بعض کا خیال ہے کہ یہ نَوْسٌ سے ماخوذ ہے، جن کے معنی حرکت کرنے اور مضطرب ہونے کے ہیں۔ نَاسَ یَنُوْسُ نَوْسًا: ای تَحَرَّكَ وَاضْطَرَبَ، اسی سے حدیث اُمِّ زَرْعٍ ہے: اَنَاسَ مِنْ حُلِیٍّ اُذُنَیَّ: اس نے زیورات سے میرے کان جھکا دیئے، بعض نے کہا ہے کہ اصل اس کی نَسِیٌّ ہے اسمیں قلب کرکے نَیْسٌ، یعنی سین اور یاء کو بدلا گیا ہے پھر یاء کا ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف سے تبدیل کرکے نَاسٌ بنایا گیا ہے۔ اس صورت میں اس کی تصغیر نُوَیْسٌ ہوگی۔ پھر ناس پر الف لام داخل کرکے النَّاس کیا گیا ہے۔

النَّاس کے مختلف ماخذ پر غور کرنے سے تین معنی معلوم ہوتے ہیں۔ (۱) بھولنا، حضرت عبداللہ ابن عباس ارشاد فرماتے ہیں کہ: نَسِیَ اٰدم عَهْدَ اللّٰهِ فَسُمِّیَ اِنْسَانًا، یعنی آدم اللہ کے عہد کو بھول گئے اس لئے انسان کہلائے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

فَاِنْ نَسِیْتَ عُهُوْدًا مِنْكَ سَالِفَةً
فَاغْفِرْ فَاَوَّلُ نَاسٍ اَوَّلُ النَّاسِ

(۲) دوسرے معنی اس مادے میں انس و محبت کے پائے جاتے ہیں، ایک شاعر کہتا ہے ؎

وَمَا سُمِّیَ الانسانُ اِلَّا لِاُنْسِهٖ
وَلَا القلبُ الّا اَنَّهٗ یَتَقَلَّبُ

(۳) تیسرا مفہوم اس کے اندر حرکت و اضطراب کا ہے، اب ان میں انسان کی وجہ تسمیہ کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ انسان ان تینوں معانی کا جامع ہے، یہ بھول بھی جاتا ہے اور اس کے عشق و انس کی کہانیاں تو سارے جگ میں پھیلی ہوتی ہیں، اور اس کے اعلیٰ حضرتوں کی حرکتوں سے تو بحر و بر بھی لرزاں ہیں (دیکھئے اُناس اور لفظ انسیا)

اَبْكَارًا: کنواریاں، یہ بِكْرٌ کی جمع، کنواری لڑکیاں۔ واَمّا البِكْرُ فهِیَ عَذْرَاءُ سُمِّیَتْ بِكْرًا لانها علیٰ اوّل حالتها التی خُلِقَتْ بِهَا (قرطبی)

غِلَاظٌ: غِلَاظٌ شِدَادٌ، تُند خُو، بڑے مضبوط۔ غِلاظٌ جمع ہے اس کی واحد غلیظ ہے، سخت دل، بے رحم۔

شِدَادٌ: یہ شَدِیْدٌ کی جمع ہے سخت مضبوط۔ زبردست، ای شداد الابدان (قرطبی) یقال فلانٌ شَدِیْدٌ علیٰ فلانٍ

ای قوی علیہ (قرطبی)

نصوحا : توبوا الی اللہ توبۃ

نصوحا : اللہ کے آگے سچی توبہ کرو (ماجدی)

فقیہ اُمت حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ نصوح کو اگر مصدر نصح اور نصیحت سے لیا جائے تو اس کے معنی خالص کرنیکے ہیں، اور مصدر نصاحۃ سے مشتق قرار دیں، تو اس کے معنی کپڑے کو سینے اور جوڑ لگانے کے ہیں، پہلے معنی کے اعتبار سے نصوح کے معنی یہ ہونگے کہ وہ ریاء اور نمود سے خالی ہو محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوف عذاب سے گناہ پر نادم ہو کر چھوڑ دے، اور دوسرے معنی کے اعتبار سے نصوح اس مطلب کے لئے ہوگا کہ اعمال صالحہ کا لباس جو گناہ کی وجہ سے پھٹ گیا ہے تو یہ اسکے خرق یعنی پھٹن کو جوڑنے والی ہے (معارف القرآن)

واصل التوبۃ النصوح من الخلوص، یقال ھذا عسل ناصح اذا خلص من الشمع وقیل ھی ماخوذۃ من النصاحۃ وھی الخیاطۃ (ذکرہ قرطبی)

المنافقین : جاھد الکفار والمنافقین

منافق، واحد کی جمع ہے اور جاھد، فعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصبی میں ہے اصل مادہ نفق ہے جو چند معانی کیلئے استعمال ہوتا ہے (۱) زکوٰۃ کے معنی میں جیسے سورۃ البقرہ میں ہے وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ، یعنی یُزَکُّوْنَ، اگرچہ صدقات نافلہ بھی یہاں بعض حضرات نے مراد لئے ہیں۔ (۲) صدقہ کے معنی میں سورۂ آل عمران میں ہے اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ : بِمَا یُنْفِقُوْن بمعنی یَتَصَدَّقُوْنَ کے ہے (۳) نَفَقَۃٌ : دین کے لئے خرچ کرنا، سورۂ بقرہ میں ہے وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یعنی فِیْ طاعۃِ اللہ، اسی طرح سورۃ الحدید کی آیت لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الفتح : ای من بذل فی نُصْرَۃِ الدِّیْنِ فِی الغَزْوِ (۴) الاِنْفَاق : فقر اور تنگدستی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے اِذًا لَّاَمْسَکْتُمْ خَشْیَۃَ الْاِنْفَاقِ (قاموس القرآن للدامغانی)

نَافِقَاءُ اور نُفَقَۃٌ۔ نون کے پیش کے ساتھ گوہ کے بل اور بھٹ کو کہتے ہیں جس کے کئی سوراخ ہوتے ہیں۔ اگر شکاری ایک طرف سے پکڑنے کی کوشش کرے تو وہ دوسری طرف سے نکل جاتی ہے۔ صاحب صحاح علامہ جوہری

فرماتے ہیں کہ ومنہ اشتقاق المنافق فی الدّین (الصحاح) یعنی دینی اعتبار سے جسکو منافق کہا جاتا ہے وہ بھی اسی سے مأخوذ ہے وہ دین میں ایک راستہ سے داخل ہوتا ہے تو دوسرے راستے سے نکل جاتا ہے، منافق تقیّانہ مزاج ہوتا ہے، زبان سے اسلام ظاہر کرتا ہے لیکن باطن میں بندگی کفر کی کرتا ہے ان کے ناپاک دل حرم نبوی اور حرم کعبہ دونوں کی عظمتوں سے خالی رہتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں فاتحہ کے بعد سب سے پہلے عالم انسانی کے تین طبقات کا ذکر کیا ہے ایک پکے مؤمن، ان کا ذکر کل پانچ آیات میں فرمایا دوسرے پکے کافر، ان کا ذکر صرف دو آیات میں فرمایا، اور تیسرا طبقہ بدترین خلائق انہی منافقین کا ہے جن کا ذکر دو رکوعوں میں کیا گیا ہے، یہ دین کے ساتھ وابستہ رہ کر مسلمانوں کو دغا دیتے ہیں، انکار حدیث، اجرائے نبوت کا دعویٰ، ختم نبوت کا انکار قرآن پاک کی محفوظیت کا انکار وغیرہ نفاق ہی کی مختلف شکلیں ہیں جسکا واحد مقصد اتحاد مسلم کو پارہ پارہ کرنا ہوتا ہے۔

اَلنِّفَاقُ : اظھار الایمان باللّسان وکتمان الکفر بالقلب، والمنافق ھوالذی یظھر الایمان قولا ویُضمِرُ الکُفرَ اعتقادًا (تعریفات للجرجانی)

شرح الفاظ القرآن من سورة الملك

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبَارَكَ : تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (آیت نمبر ۱)

تَبَارَكَ : برکت سے مشتق ہے جس کے لفظی معنی بڑھنے اور زیادہ ہونے کے ہیں، یہ لفظ جب اللہ کی شان میں بولا جاتا ہے تو سب سے بالا و برتر ہونے کے معنے میں آتا ہے جیسے اللہ اکبر (معارف القرآن)

تَبَارَكَ : تَفَاعُلٌ مِنَ الْبَرَكَةِ ، وقال الحسن : تَقَدَّسَ وَقِيْلَ دَامَ فَهُوَ الدَّوَامُ الَّذِي لَا اَوَّلَ لِوُجُوْدِهٖ وَلَا اٰخِرَ لِدَوَامِهٖ (قرطبی)

الْبَرَكَةُ : النَّمَاءُ وَالزِّيَادَةُ .... وَسُئِلَ ابو العباس عن تفسیر تبارك الله قال ارتفع والمتبارك المرتفع (لسان)

تَبَارَكَ ، کے اندر عظمت اور برکت دونوں کے مفہوم پائے جاتے ہیں اور ساتھ ہی یہ صیغہ مبالغہ کا بھی ہے اسوجہ سے تبارك الذی بیدہ الملك کے معنی ہونگے کہ بڑا ہی باعظمت اور بافیض ہے (وہ صاحب اقتدار) جسکے قبضۂ قدرت میں اس کائنات کی باگ ہے، (دیکھئے الفرقان لفظ تبارک)

طِبَاقًا : اَلَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (آیت نمبر ۳) جسنے سات آسمان تہ بر تہ پیدا کر دیئے ۔ طِبَاقًا : اوپر تلے، تہ بر تہ ، یہ باب مفاعلۃ کا مصدر ہے، فعل طَابَقَ يُطَابِقُ سے آتا ہے ۔ علامہ راغب نے لکھا ہے کہ مطابقت اسماء متضائفہ میں سے ہے اس کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسری چیز کے اوپر اسکے اندازے کیمطابق رکھدینا، طَابَقْتُ النَّعْلَ ، میں نے ایک جوتے کو دوسرے کے مطابق کر دیا، اور کسی کے نقش قدم پر چلنے کے لئے بطور محاورہ کے استعمال ہوتا ہے، طباق کا استعمال کبھی تو اس شے کے لئے ہوتا ہے جو دوسری کے اوپر ہو اور کبھی اس شے کے لئے جو شئے کے موافق ہو جیسا کہ تمام ان الفاظ کا حال ہے جو دو معنوں کے لئے وضع کئے گئے ہوں اور پھر کسی ایک معنی میں استعمال ہونے لگے ہوں اور آیت کریمہ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ

کے معنی ہونگے کہ تم ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف بلند ہوتے جاؤگے۔ اور یہ ان احوال و مراتب کی طرف بلند ہوتے جاؤ گے، اور یہ ان احوال و مراتب کیطرف اشارہ ہے جن پر سے انسان گزر کر ترقی کے منازل طے کرتا ہے۔

طِبَاقًا - ای بعضہا فوق بعض، والملتزق منہا اطرافہا - کذا روی عن ابن عباس وطِبَاقًا نَعْتُ لِسَبْعَ، فہو وصف بالمصدر وقیلَ مصدرٌ بمعنی المطابقۃِ ای خَلَقَ سَبْعَ سمٰوٰتٍ وطَبَّقَہَا تطبیقًا - او مطابقۃً اوعلیٰ طوبقت طباقًا - وقال سیبویہ نَصْبَ طباقًا لانّہٗ مفعول ثانٍ - قلتُ فیکون - خلق بمعنی صَیَّرَ وجَعَلَ وطِبَاقٌ جمع طَبَقٍ مثل جَمَلٍ جِمالٍ وقیلَ جمع طبقۃٍ وقال ابانُ بن تغلبُ سمعتُ بعضَ الاعراب یذمُّ رجلاً فقالَ شرُّہٗ طباقٍ وخیرُہٗ غیرُ باقٍ (قرطبی) واصل الطبق : الشیٔ علیٰ مقدار الشیٔ مطابقًا لہٗ من جمیع جوانبہٖ کالغطاءِ لہ (جمل)

تَفَاوُتٌ : مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰاوُتٍ ، کیا تو دیکھتا ہے رحمٰن کے بنانے میں کچھ فرق - تَفَوُّتٌ : بے ضابطگی، چوک فرق، یہ تفاعل کے وزن پر مصدر ہے، فَوتٌ سے مشتق ہے، اختلافِ اوصاف کے معنی دیتا ہے۔ گویا ایک وصف دوسرے سے فوت ہوگیا یا دونوں میں سے ہر ایک سے دوسرے کا وصف جاتا رہے (لغات القرآن)

فَوْتٌ کے معنی علامہ راغب نے یہ لکھیں ہیں کہ کسی چیز کا انسان کے اتنا دُور ہونا کہ اسکا حاصل کرنا اسکے لئے دشوار ہو اور تفاوت کے معنی ہیں دو چیزوں کے اوصاف کا مختلف ہوجانا۔ اس لفظ میں دو قرأتیں ہیں ایک قرارت بغیر الف کے، مِنْ تَفَوُّتٍ ہے کسائی اور حمزہ نے اسکو اختیار کیا ہے اور ابن مسعود کی قرارت بھی یہی منقول ہے لیکن باقی تمام حضرات نے تفاوت الف کیساتھ ہی پڑھا ہے - ابوعبید نحوی لغوی نے تَفَوُّتٍ بغیر الفُ الی قرارت کو اختیار کیا ہے اور اس پر عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی حدیث کو بطور سند کے پیش کیا ہے - أَمِثْلِیْ یُتَفَوَّتُ علیہ فی بناتہٖ ، کیا میں ایسا ہوں کہ میری بیٹیوں میں کوئی مجھ سے پوچھے بغیر تصرف کرے لیکن قرآن پاک میں یہ قرارت درست نہیں کیونکہ تَفَوُّتٌ کے معنے ہوتے ہیں بغیر کسی کی اجازت کے کوئی کام کرنا، عرب کہتے ہیں ، تَفَوَّتَ

فُلَانٌ علیٰ فلانٍ فی کذا، کہ فلاں نے فلاں کی اجازت کے بغیر خود رائی سے کام کیا، حدیث میں ہے اَنَّ رَجُلًا تَفَوَّتَ علیٰ اَبِیْہِ فی مَالِہٖ، کہ ایک آدمی اپنے باپ کے مال میں سے بغیر باپ کی اجازت کے تصرف کیا، جبکہ قرآن پاک میں جو مسئلہ ارشاد ہورہا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے جو تخلیقات فرمائی ہیں انمیں کوئی تضاد و اختلاف اور کوئی بے ضابطگی نہیں ہے اس لئے مضمون آیات کے لحاظ سے تفاوت زیادہ بہتر ہے، تَفَاوَتَ الامُرُ: اذا تَبَایَنَ وَتَبَاعَدَ - ای فَاتَ بَعْضُھَا بَعْضًا (قرطبی)

فُطُوْرٌ : ھَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ :

(آیت نمبر۳) بھلا تجھ کو کوئی شگاف نظر آتا ہے، اَلْفَطْرُ: پھٹن جمع فُطُوْرٌ -

فُطُوْرٌ کے معنی یہاں خَلَلٌ اور شگاف کے ہیں - فَطْرٌ کسی چیز کو طول میں پھاڑنا - والفطورُ: الشُّقُوْقُ واصلہ من التَّفَطُّرِ وَالِانْفِطَارِ وَھُوَ الانشقاقُ (قرطبی) اس مادہ کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے

کَرَّتَیْنِ : ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ

(آیت نمبر۴) کَرَّتَیْنِ - فی مَوْضِعِ المصدر لانّ معناہُ رَجْعَتَیْنِ ای مَرَّۃً بَعْدَ اُخْرٰی (قرطبی) کَرَّتَیْنِ تثنیہ ہے، کَرَّۃٌ کا بمعنی دو مرتبہ، لیکن مراد اس سے تکثیر ہے اور تثنیہ کلام عرب میں تکثیر کے لئے عام استعمال ہوتا ہے - مقصد یہ ہے کہ تم باربار آسمان کی طرف نگاہ اٹھاکر دیکھو کہ کیا تمکو کوئی نقص نظر آتا ہے -

خَاسِئًا : یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ

خَاسِئًا وَّھُوَ حَسِیْرٌ : ذلیل اور درماندہ ہوکر تیری طرف لوٹ آئیگی (ماجدی) خَاسِئًا ای خَاشِعًا صَاغِرًا متباعدًا عن ان یری شیئًا من ذالك (قرطبی) خَسَئْتُ الکَلْبَ کے معنی ہیں میں نے کتے کو دھتکار دیا - یہ لازم بھی استعمال ہوتا ہے خَسَئَا الکَلْبُ بِنَفْسِہٖ: کتا خود ہی چلا گیا - کسی چیز کو دھتکارنے کے لئے لفظ اِخْسَئًا آتا ہے - قرآن پاک میں کفار کے متعلق ارشاد ہے، اِخْسَئُوْا فِیْھَا وَلَا تُکَلِّمُوْنَ اس میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو - وقال ابن عباس الخَاسِئُ الّذی لَمْ یَرَ مَا ھوی (قرطبی) خاسِئ: وہ شخص ہے جو اپنی خواہش میں ناکام ہو جائے

حَسِیْرٌ : وَھُوَ حَسِیْرٌ، حَسِیْرٌ: تھکا ہوا، درماندہ، حَسْرٌ جسکے معنے تھکنے

اور عاجز ہونے کے ہیں۔ یہ فعیل کے وزن پر بمعنی فاعل بھی ہوسکتا ہے یعنی تھکنے والا اور عاجز، اور بمعنی مفعول بھی یعنی تھکا ہوا درماندہ۔ اسمیں مبالغہ کا مفہوم بھی شامل ہے۔ وقال القرطبی، ای قد بَلَغَ الغایۃَ فی الاعیاء فھو بمعنی فاعل من الحسور الذی ھو الاِعْیَا۔ ویجوزُ ان یکونَ مفعولًا من حَسَرَہٗ بُعْدُ الشئُ (قرطبی)

رُجُوْمًا : وَجَعَلْنٰھَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ (آیت نمبر ۵) اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ رُجُوْمٌ : آلات سنگساری، رجم کی جمع، رجم اصل میں مصدر ہے اور جس چیز کے ذریعہ سنگسار کیا جائے اس کے لئے بطور اسم مستعمل ہے (لغات القرآن) والرُّجُوْمُ جمع رَجْمٍ وھو مصدر سُمِّیَ بہٖ ما یُرْجَمُ بہٖ (قرطبی)

جَمْعُ رَجْمٍ وھُوَ مصدرٌ والمُرَادُ بِہٖ المفعول اَیْ مَا یُرْجَمُ بہٖ (جمل)

شَہِیْقٌ : سَمِعُوْا لَھَا شَہِیْقًا وَّھِیَ تَفُوْرُ : شَہِیْقٌ : دہاڑنا، چلاّنا، سائیں سائیں کرنا، گدھے کا آواز کرنا، یہ مصدر ہے، اسکا فعل باب ضَرَبَ، سَمِعَ اور فَتَحَ تینوں سے استعمال ہوتا ہے۔

علامہ قرطبیؒ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ شہیق جہنم کی وہ آواز ہے جو وہ دوزخیوں کے ڈالنے کے وقت نکالے گی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شہیق خود دوزخیوں کی وہ آواز ہے جو وہ دوزخ میں گرائے جانے کے وقت کریں گے (اعاذنا اللہ منہا)

تَفُوْرُ : وَھِیَ تَفُوْرُ (آیت نمبر ۷) وہ جوش مارتی ہے، وہ اچھلتی ہے، فَوْرٌ سے جسکے معنی سخت جوش مارنے کے ہیں واحد مونث غائب کا صیغہ ہے۔ فَوْرٌ کا استعمال آگ کے، ہنڈیا کے اور غصہ کے جوش مارنے اور ابلنے پر ہوتا ہے۔

حسان بن ثابت کا ایک قول ہے کہ ؎

تَرَکْتُمْ قِدْرَکُمْ لَا شَیْئَ فِیْھَا
وَقِدْرَ الْقَوْمِ حَامِیَۃٌ تَفُوْرُ

(ماخوذ از قرطبی)

تَکَادُ : تَکَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الْغَیْظِ : (آیت نمبر ۸) غصہ سے پھٹنے کو کہتے ہیں، تَکَادُ: قریب ہے، نزدیک ہے، کَادَ فعل مقارب سے فعل مضارع مونث کا صیغہ ہے۔ کاد کسی فعل کے قریب الوقوع ہونے کو بیان کرنے کے لئے آتا ہے، مثلاً کَادَ یفعل : قریب تھا کہ وہ اس کام کو کر گزرتا

یعنی کرنے والا تھا مگر کیا نہیں (راغب)
وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ: وہ نہ کرنیکے قریب تھے
تَمَيَّزُ: اصل تَتَمَيَّزُ تھا، ایک تا کو حذف کر دیا گیا ہے۔ تَمَيَّزُ کے معنی ہیں ایک دوسرے سے جدا ہو جانا، پھٹ جانا یعنی تَتَقَطَّعُ وَيَنْفَصِلُ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ قَالَ سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ وقال ابن عباس رض والضحاك وابن زيد تَتَفَرَّقُ۔ واصل تَمَيَّزُ تَتَمَيَّزُ (قرطبی)
بَلٰى: بَلٰی حرف ایجاب ہے، اس کے الف کے بارے میں اختلاف ہے کہ اصلی ہے یا زائد ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ الف اسمیں اصلی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ زائد ہے اور ایک رائے یہ ہے کہ الف تانیث کا ہے کیونکہ اس کا اِمالہ ہوتا ہے۔ بلٰی کا استعمال دو جگہ پر ہوتا ہے۔ ایک نفی ماقبل کی تردید کے لئے جیسے کہ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا، قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ۔ دوسرے یہ کہ اس استفہام کے جواب میں آئے جونفی پر واقع ہے خواہ استفہام حقیقی ہو، جیسے اَلَيْسَ زَيْدٌ بِقَائِمٍ (کیا زید کھڑا نہیں) اور جواب میں کہا جائے، بَلٰی، یا استفہام توبیخی جیسے اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ بَلٰى قَادِرِيْنَ عَلٰى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ، کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم ہرگز اسکی ہڈیاں جمع نہیں کرینگے، کیوں نہیں بلکہ ہم قدرت رکھتے ہیں کہ اسکی پوری پوری کو درست کر دیں، یا استفہام تقریری ہو جیسے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى۔ نَعَمْ اور بَلٰی میں فرق یہ ہے کہ نعم استفہام مجرد کے جواب میں آتا ہے اور بلٰی بالاتفاق جواب ایجاب کے جواب میں نہیں آتا بلکہ اس استفہام کے جواب میں آتا ہے جو مقترن بنفی ہو۔ نیز بلٰی ابطال نفی کیلئے آتا ہے اور نعم تصدیق ماقبل کے لئے، جن حضرات کے نزدیک بلٰی کا الف زائد ہے انکے نزدیک بلٰی بمعنی بَلْ ہوگا۔ وبلٰی: جوابٌ للتحقیق توجب ما یقال لك، لانها تركٌ للنفي وهي حرف لانها نقيضة لا۔ قال سيبويه: ليس بلٰى ونعم اسمين (صحاح)
سُحْقًا: فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (آیت ۱۱)
سُحْقًا: دفع کرنا، دُور کرنا، دفع ہونا، یہ مصدر ہے اور اسکا فعل ثلاثی ہے جو سمع اور کرم دونوں سے آتا ہے یعنی سَحِقَ يَسْحَقُ وَسَحُقَ يَسْحُقُ۔ زجاج نے اسکو باب افعال کا مصدر قرار دیا ہے قال الزجاج وهو منصوب على المصدر، اى اسحقهم الله سحقا اى باعدهم بُعْدًا۔ ابو علی کہتے ہیں قیاس یہ تھا کہ مصدر اسحاقاً ہوتا، مصدر بحذف زوائد آیا ہے

جیسا کہ کہا گیا ہے کہ وَان اھلك فذالك كان قدری ۔ کہ اگر میں ہلاک ہوا تو یہی میری تقدیر تھا۔ یہاں قدری بمعنی تقدیری کے ہے بحذف زوائد قدری آیا ہے (قرطبی) لیکن علامہ اُندلسی نے اپنی تفسیر میں اس قول کو رَدّ کیا ہے فرماتے ہیں ولایحتاج الی ادعا الحذف فی المصدر لان فعله قد جاء ثلاثیاً، یعنی مصدر میں حذف زواید کے دعوی کی حاجت نہیں کیونکہ سحق فعل ثلاثی بھی آتا ہے جیسا کہ امراء القیس کا قول ہے

یجول باطراف البلاد مُغَرِّبًا
وتَسحقُه ریح الصبا کُلَّ مَسْحَقٍ (بحر)

امام راغب فرماتے ہیں کہ سَحْقٌ کے اصل معنی ہیں کسی چیز کو ریزہ ریزہ کر دینا اور اسکا استعمال زیادہ تر دوا کے پیسنے پر ہوتا ہے ۔ سَحَقْتُهٗ فَانْسَحَقَ میں نے دوا کو پیسا چنانچہ وہ پس گئی (راغب)

ذَلُوْلًا : هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا (آیت نمبر ۱۵) وہ وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے مسخر کر دیا سو تم اسکے راستوں میں چلو پھرو (ماجدی)

ذَلُوْلٌ کے معنی منقاد و مطیع کے ہیں اُس جانور کو کہا جاتا ہے جو سواری دینے میں شوخی نکرے (معارف القرآن)

والذَّلُوْلُ المنقاد الذی یذلُّ لکَ وَ المصدر۔ الذُّلُّ (بضم الذال) وهو اللّینُ والانقیاد (قرطبی)

والذّلول فعول للمبالغة من ذالك تقول دابّةٌ ذلول بیّنة الذّلُوْلُ ورجل ذلیل بیّنُ الذُّلِّ (بحر محیط)

ابن عطیہ نے ذَلُوْلٌ کو فعول بمعنی مفعول قرار دیا ہے لیکن علامہ ابوحیان نے اس کی تردید کی ہے ۔ وہ فرماتے ہیں کہ اسکا فعل لازم ہے یہ ہمزہ کے ساتھ متعدی ہوتا ہے ۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ، یا پھر باب تفعیل میں جاکر یہ مادہ متعدی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ ۔

مَنَاكِبُ : مَنَاكِبُ، مَنْكَبٌ کی جمع ہے، مونڈھے کو کہتے ہیں ۔ کسی بھی جانور کا مونڈھا، سواری کی جگہ نہیں ہوتی بلکہ اسکی کمر ہوتی ہے جو جانور سواری کرنے والوں سے اپنے مونڈھوں تک بھی پیش کر دے وہ نہایت منقاد اور مطیع جانور ہوتا ہے اس لئے فرمایا کہ زمین کو ہم نے تمہارے لئے نہایت منقاد بنایا ہے کہ مونڈھوں پر چڑھتے پھرو (معارف)

اصل میں مَنْكِبٌ کے معنی جانب کے ہیں، مونڈھوں کو بھی منکبین اس لئے کہتے ہیں کہ

وہ آدمی کے دونوں جانبوں پر ہوتے ہیں۔
الرِّیحُ النَّکْبَاءُ: ٹیڑھی چلنے والی ہوا، اور
تَنَکَّبَ فلانٌ عن فلانٍ: فلاں نے فلاں
سے کنارہ کشی کرلی، اس سے ہٹ گیا، وَاَصْل
المَنْکِبِ: الجانب ومنه منکب الرجل
(قرطبی)

تَمُوْرُ: فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ (آیت ۱۶)
مَارَ یَمُوْرُ مَوْرًا، تیزی سے چلنا۔
مضطربانہ انداز میں جلدی سے اِدھر اُدھر
آنا جانا، کانپنا، لرزنا، جُنبش کرنا، مَوْرًا
اس غبار پر بھی بولا جاتا ہے جو ہوا میں اُدھر
اُدھر اُڑتا پھرتا ہے۔ نَاقَةٌ مَوَّارَةٌ: تیز
رفتار اونٹنی۔ وَالْمَوْرُ: الاضطراب
بالذهاب والمجیٔ (قرطبی)
وَاِذَا خُسِفَ بِاِنْسَانٍ دَارَتْ بِهِ الْاَرْضُ
فَهُوَ الْمَوْرُ (قرطبی)
مَارَ الشَّیْئُ: تیزی سے آگے پیچھے حرکت کرنا۔

حَاصِبًا: اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا
(آیت نمبر ۱۷) وہ تمہارے اوپر ہوائے تند
بھیج دے۔ حَاصِبًا: بادِ سنگسار، پتھروں
کا مینھ، ہواؤں کا پتھراؤ، سخت آندھی
نیز وہ پتھراؤ جو تند ہوا میں ہو حاصب
کہلاتا ہے۔ یہ حصباءٌ سے مشتق ہے حصباءٌ
کنکریوں کو کہتے ہیں (لغات القرآن)
حاصبٌ: کنکر پتھر برسا دینے والی طوفانی
ہوا کو کہتے ہیں (تدبر)
وَالْحَاصِبُ: رِیْحٌ شَدِیْدَةٌ۔ تَحْمِلُ
التُّرَابَ وَالْحَصْبَاءَ (لسان العرب)

نَذِیْرِ: نَذِیْرٌ، یہاں مصدر ہے بمعنی انذار
فَسَتَعْلَمُوْنَ کَیْفَ نَذِیْرِ: سو عنقریب
تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا
(ماجدی۔ تدبر) اَیْ اِنْذَارِیْ (قرطبی)

نَکِیْرِ: فَکَیْفَ کَانَ نَکِیْرِ: سو میرا
عذاب کیسا واقع ہوا۔ نکیر: مصدر بمعنی
انکار ہے، اصل میں نکیری تھا، انکار سے
مراد یہاں زبانی یا دلی انکار نہیں بلکہ انکی
حالت کو برعکس اور مخالف حالت سے بدل
ڈالنا مراد ہے یعنی تغییر الضّدّ بالضّدّ
مثلاً زندگی کو موت سے، آبادی کو ویرانی
سے بدل ڈالنا۔ نذیر اور نکیر دونوں سے
حرف یٰ حذف ہے۔ ورش کے نزدیک
حالتِ وصل میں نذیر اور نکیر دونوں میں
حرف ی کو برقرار رکھا جاتا ہے اور یعقوب
وصل اور فصل دونوں حالتوں میں یٰ کو
برقرار رکھتے ہیں جبکہ جمہور قراء اتباعًا للقرآن
وصل اور فصل دونوں حالتوں میں حذف کرتے ہیں

يَقْبِضْنَ : وَيَقْبِضْنَ ، قَبْضٌ مصدر سے جمع مؤنث غائب ہے، وہ سمیٹتے ہیں، وہ بند کرتے ہیں ۔ القَبْضُ کے معنی ہیں کسی چیز کو پورے پنجے کے ساتھ پکڑنا، پرندے کی پرواز میں دو حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک بازو پھیلا لے اور دوسری بند کرنے کی۔ جب وہ بازو پھیلاتا ہے تو باسِطٌ ہے اور جب بند کرتا ہے تو قابِضٌ ہے (قرطبی)

مطلب یہ ہے کہ منکرین قدرت اپنے سروں پر اڑنے والے پرندوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ پروں کو پھیلاتے ہوئے بھی اڑتے ہیں، اور پروں کو سمیٹ بھی لیتے ہیں ان دونوں حالتوں میں خدائے رحمٰن ہی انکو تھامنے والا ہے۔

عُتُوٍّ : بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ : عَتَا يَعْتُوْ عُتُوًّا : حکم عدولی کرنا، سرکشی کرنا۔ آیت کا ترجمہ ہوگا، اصل یہ ہے کہ یہ لوگ جمع ہوتے ہیں سرکشی اور نفرت میں ۔

مُكِبًّا : اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖ : سو کیا جو شخص اپنے منہ کے بل گرتا ہوا چل رہا ہو۔ کَبٌّ ، مجرد نَصَرَ سے متعدی ہے۔ کسی کو منہ کے بل گرانا جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ : تو ایسے لوگ جو اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔ اور اَكَبَّ باب افعال سے لازم ہے زَيْدٌ اَكَبَّ ، زید سرنگوں گر پڑا۔ باب افعال کا ہمزہ اس جگہ سلب ماخذ کے لئے ہوگا، اور یہ خلاف قاعدہ ہے چونکہ اصل تو یہ ہے کہ جب فعل لازم پر ہمزہ داخل کیا جائے تو وہ متعدی بن جاتا ہے مگر یہاں فعل متعدی پر ہمزہ داخل کرکے لازم بنا دیا گیا ہے۔ یہ کَبَّ کا مطاوع ہے، کہا جاتا ہے۔ کَبَّهُ اللّٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فِي النَّارِ فَاَكَبَّ : اللہ تعالیٰ نے اس کو اوندھے منہ دوزخ میں گرایا چنانچہ وہ گر پڑا (صاوی، جمل) لیکن صاحب قاموس نے اَكَبَّ (افعال) کو لازم اور متعدی دونوں طرح نقل کیا ہے
اَكَبَّ الرَّجُلُ عَلٰى وَجْهِهٖ فِيْمَا لَا يَتَعَدّٰى بالألف فاذا تعدى قيل كَبَّهُ اللّٰهُ عَلٰى وجهه بغير الف (قرطبی)

اور قرآن پاک میں لفظ مذکور لازم ہی ہے، منہ کے بل گرنے والا۔ علامہ ابوحیان اندلسی فرماتے ہیں کہ مُكِبًّا اَكَبَّ سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے (بحر)

اَهْدٰى : یہ هُدٰى سے افعل التفضیل ہے مطلب یہ ہے کہ کیا وہ شخص جو قیامت میں اوندھا ہو کر چلے گا بہتر ہے یا وہ شخص جو

قیامت میں اوندھا ہو کر چلے گا بہتر ہے یا وہ شخص بہتر ہے جو طریقہ فطرت کے مطابق سیدھا چلے گا۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے، العَسَلُ اَهْدٰى اَمِ الْخَلُّ: شہد زیادہ میٹھا ہے یا سرکہ۔ گویا ایک فعل جس طرح محاورہ سے حذف کر دیا جاتا ہے اسی طرح آیتِ مبارکہ میں حذف ہے، اصل عبارت ہے، اَفَمَنْ يَّمْشِىْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖ اَهْدٰى اَمَّنْ يَّمْشِىْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اهدٰى: محاورہ کے مطابق آخری اھدٰی کو حذف کیا گیا ہے۔

ذَرَءَ : ذَرَاَكُمْ فِى الْاَرْضِ (آیت ۲۴) اس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا، اى خَلَقَكُمْ فِى الْاَرْضِ۔ قاله ابن عباس، وقيل نَشَرَكُمْ فِيْهَا و فَرَّقَكُمْ عَلٰى ظهرها (قرطبی) علامہ راغب فرماتے ہیں کہ ذَرَاَ اللّٰهُ الْخَلْقَ اللہ نے مخلوق کے اشخاص کو موجود کر دیا۔ تحقیق گزر چکی ہے۔

زُلْفَةً : فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً، پھر جب اسکو (قیامت) کو قریب آتے دیکھ لینگے (ماجدی) زُلْفَةً مصدر ہے بمعنی مُزْدَلَفًا کے جسکے معنی قریب کے ہیں (قرطبی) لفظ زُلْفَةً مرتبہ کے معنی میں بھی آتا ہے اسلئے بعض حضرات نے لکھا ہے کہ جب وہ کفار مؤمنین کے مرتبہ کو دیکھیں گے اور خود وہ اس سے محروم ہونگے تو انکے چہرے بگڑ جائیں گے اور لفظ زُلْفٰى قرب اور مرتبہ کے معنی میں بولا جاتا ہے لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى: کہ خدا کے ہمکو قریب کریں

تَدَّعُوْنَ : كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ: جسے تم طلب کیا کرتے تھے۔ تَدَّعُوْنَ: یہ باب افتعال کے مصدر اِدِّعَاءٌ سے جمع مذکر حاضر ہے جسکے معنی ہیں تمنّی کرنا، خواہش کرنا، اسکا اصل وزن تَفْتَعِلُوْنَ ہے، اور اسکا اصل مادہ دُعَاءٌ ہے۔ تَدَّعُوْنَ تَفْتَعِلُوْنَ من الدُّعاء و هو قول اكثر العلماء اى تَتَمَنَّوْنَ وتَسْاَلُوْنَ (قرطبی) قتادہ، ابن اسحاق، ضحاک اور یعقوب وغیرہ علماء نحو نے اسکو تَدْعُوْنَ مخفف پڑھا ہے اس صورت میں دعوٰی سے ماخوذ ہوگا۔ بہرحال مجرد ہو یا مزید فیہ دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہیں البتہ اتنا فرق ہے کہ افتعال میں معنی کی زیادتی ملحوظ ہے جبکہ مجرد میں زیادتی کا پایا جانا ضروری نہیں ہے اگرچہ فَعَلَ کا وقوع قلیل و کثیر دونوں پر ہوتا ہے۔ قال النحاس: تَدْعُوْنَ وتَدَّعُوْنَ بمعنى واحد كما يُقَالُ قَدَرَ واقْتَدَرَ، وَعَدَا

واعتلی، الا اِنَّ فِیْ اِفْتَعَلَ معنی شئی بعد شئی وفَعَلَ، یَقَعُ علی القلیل والکثیر

مُجِیْرٌ: فَمَنْ یُّجِیْرُ الْکَافِرِیْنَ : تو کافروں کو کون بچائے گا۔ اَجَارَ یُجِیْرُ: پناہ دینا اَجَارَہٗ اِجَارَۃً مِنَ الْعَذَابِ : عذاب سے چھٹکارا دلانا، بچانا۔ اَجَارَہٗ عَنْ کَذَا : ہٹانا،

غَوْرًا: اِنْ اَصْبَحَ مَاؤُکُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْکُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ، الغَوْرُ کے معنی نشیبی زمین کے ہیں۔ غَارَ الرَّجُلُ وَاَغَارَ : آدمی کا نشیبی زمین میں چلا جانا۔ غَارَ المَاءُ یَغُوْرُ غَوْرًا : پانی کا زمین کی نچلی سطح میں اُتر جانا، جذب ہو جانا۔ پانی کے نیچے اُتر جانے کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ پانی کی سطح ہی اتنی نیچی ہو جائے کہ زمین سے پانی حاصل کرنا بہت دشوار ہو جائے، کتنے ہی علاقے ایسے ہیں جہاں پانی کی سطح اسقدر نیچی ہے کہ کنویں تو درکنار ٹیوب ویل سے بھی پانی حاصل کرنا ایک کارِ عظیم ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بارش نہونے کیوجہ سے یا کم ہونیکی وجہ سے نہروں، ندیوں اور چشموں کا پانی کم اور گدلا ہو جائے جو قابلِ استعمال ہی نہ رہے

غَوْرًا : مصدر بمعنی اسم فاعل ہے مبالغہ کیلئے فاعل کے مقام پر مصدر کا استعمال کیا جاتا ہے جیسے رَجُلٌ عَدْلٌ اَیْ غَائِرًا ذَاھِبًا فِی الارض۔ لاتنالہ الدِّلاءُ ..... وَالْغَوْرُ: الغَائِرُ وصف بالمصدر للمبالغۃ (قرطبی)

مَعِیْنٍ: فَمَنْ یَّاْتِیْکُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ صاف شفاف خالص اور بے آمیز پانی (تدبر) علامہ بغوی اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک معین میں میم زائد ہے۔ عَیْنٌ کا معنے ہے ظہور۔ وہ جاری پانی جسکو سامنے ہونیکی وجہ سے ہر کوئی دیکھ لے۔ جنت کی شراب بھی بالکل ظاہر اور سامنے نہر دنیں بہتی ہوگی، اس لئے اسکو بھی مَعِین کہا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ مؤمنون کی آیت ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیْنٍ (آیت ۵) کی تفسیر میں علامہ بغویؒ نے لکھا ہے کہ الماء الجاری الظاھر الذی تراہُ العُیُوْنُ مفعول من عَانَہٗ یَعِیْنُہٗ اذا ادرکہُ البَصَرُ، یعنی معین سے مراد ہے وہ جاری پانی جو ظاہر ہو اسکو آنکھیں دیکھ رہی ہوں معین کا وزن مفعول ہے۔ (اصل میں معیون ہے) اور عَانَہٗ یَعِیْنُہٗ سے مشتق ہے۔ عَانَہٗ کے معنی ہیں اسکو آنکھوں سے دیکھ لیا، نظر نے اسکو جان لیا اور زیر بحث آیت کے تحت علامہ مذکور تحریر فرماتے ہیں، ظَاھِرٍ تراہُ العُیُوْنُ وتناولہ الاَیْدِیْ والدِّلاءُ یعنی بالکل سامنے جسکو آنکھیں دیکھ لیں، ہاتھوں اور ڈولوں سے اسکو لیا جا سکے، اور

پارہ نمبر ۲۳ کی آیت ۴۵ بِكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ کی تفسیر کے تحت لکھا ہے خمورٌ جارِیۃ فِی الانھار ظاھرۃٌ تَرَاھَا العُیُوْنُ، یعنی جنّت میں بہنے والی نہروں کی شراب جو آنکھوں کے سامنے ہوگی۔ اور سورۂ واقعہ کی آیت ۱۸ وَاَبَارِيْقَ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ، کے تحت فرماتے ہیں خمورٌ جارِیَۃٌ علامہ قرطبی نے تحریر فرمایا، بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ اَیْ ظَاهِرٍ تَرَاهُ العُیُوْنُ فھو مفعول وقیل ھو من مَعَنَ المَاءُ اذا کَثُرَ فھو علیٰ ھٰذا فعیل (قرطبی) صاحب جمل نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ معین سے مراد وہ چشمہ ہے جو بالکل ظاہر ہو، آنکھوں سے دیکھا جائے اس صورتیں اسکی اصل مَعْيُوْنٌ ہوگی جیسے مَبِيْعٌ کہ اس کی اصل مَبْيُوْعٌ ہے یاء کا ضمہ عین کو دیا گیا اب یاء اور واؤ کے درمیان التقائے ساکنین ہوا تو واؤ کو حذف کرکے عین کو کسرہ دیا گیا تاکہ حرف یَ کے مناسب حال ہو جائے اور اگر لفظ مَعِیْنٌ مَعَنَ المَاءُ سے مشتق ہو جس کے معنی ہیں پانی کا کثیر ہونا، زیادہ ہونا، تو اس صورت میں معین کا وزن مفعول نہیں بلکہ فعیل ہوگا اور اس کا میم بھی اصلی ہوگا جبکہ پہلی صورتیں زائد ہے ؛

شرح الفاظ القرآن من سورة القلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نٓ : وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ (آیت ۱)

نٓ : یہ منجملہ حروف تہجی کے ایک حرف ہے جس کا تلفظ مفرد اور بسیط ہے، ایسے مفردات کو حروف مقطعات کہا جاتا ہے۔ بعض اس کا تلفظ مرکب بھی کرتے ہیں یعنی نونٌ، اس صورت میں یہ حرف بھی ہے اور اس کو اسم بھی کہا جاتا ہے۔ اسمیت کی صورت میں اس کے کئی معانی آتے ہیں۔ مثلاً نعمت، مچھلی، دوات اور تلوار وغیرہ لیکن یہاں کسی ایک معنی کا تعین کرنا مشکل ہے۔ چونکہ روایات اس بارے میں بالکل خاموش ہیں اسلئے ان تمام حروف مقطعات کی اہل تحقیق کوئی تعیین کرنے سے ہمیشہ گریز کرتے چلے آئے ہیں اور اللہُ اعلم بمرادہٖ کہہ کر گزر جاتے ہیں۔ بعض اہلِ تفسیر نے نون سے مراد مچھلی لی ہے اور تقدیر عبارت یوں مانی ہے یعنی ذوالنّون اور مراد جناب یونس علیہ علیہ السلام کو لیا ہے اس لئے کہ صاحبُ الحُوت کا لفظ اس صورت کے آخر میں حضرت یونسؑ کے لئے استعمال ہوا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ ایک قیاس محض ہے جو دلیل سے خالی ہے۔

اَلْقَلَمِ : قَلَمٌ، لکھنے کا آلہ۔ فال نکالنے کا تیر۔ جمع اَقْلَامٌ، قَلَمَ يَقْلِمُ قَلْمًا کے معنی ہیں کسی سخت چیز کو تراشنا اور تراشیدہ چیز کو قِلَمٌ (بکسر القاف) کہا جاتا ہے، اور قَلَمٌ بمعنی مقلومٌ ہے، جیسے نَقِصٌ بمعنی منقُوضٌ ہے۔ عرف عام میں لکھنے کے آلہ کو قَلَمٌ کہا جاتا ہے، یہاں وہی لکھنے کا آلہ مراد ہے۔ یہاں قلم کے بارے میں اہلِ تفسیر کے دو قول منقول ہیں ایک تو یہ کہ قلم سے مراد عام قلم ہے جس میں قلمِ تقدیر اور تمام انسانوں کے قلم شامل ہیں لیکن ایک قول یہ ہے کہ یہاں قلم سے مراد خاص قلم ہے اور وہ قلمِ تقدیر ہے۔ قلم آلہ علم ہے اور انسان کی عزت و عظمت میں اس کو بڑا دخل ہے اسکی اسی اہمیت کے پیشِ نظر قسم کھائی گئی ہے، یہ لفظ ایک تعبیر ہے تعلیماتِ الٰہیہ کے اس سارے مُدوّن سرمایہ کے لئے جو قلم کے ذریعے سے محفوظ ہوا۔ یعنی لوحِ محفوظ، تورات،

زبور، انجیل، القرآن الکریم اور روایات رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو قلم سے مراد عام ہے، قلم تقدیر بھی اسمیں داخل ہے اور قلم مخلوق بھی اس میں شامل ہے۔ علامہ قرطبیؒ نے قلم کو عام ہی مراد لیا ہے۔ فرماتے ہیں، وھو واقع علی کلّ قلم مما یکتب بہ من فی السماء ومن فی الارض (قرطبی)، یعنی قلم عام ہے، اور ہر اُس قلم پر واقع ہے جس کے ذریعہ سے زمین و آسمان والے لوگ لکھتے ہیں،

نِعْمَةِ : بِنِعْمَةِ رَبِّكَ، نعمۃ سے مراد یہاں رحمت ہے، والنعمۃ ھٰھنا الرحمۃ (قرطبی)

مَجْنُوْنٌ : مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ (آیت نمبر۲) آپؐ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔ یہ اسم مفعول ہے۔ دیوانہ، جن رسیدہ، اور اُس شخص کو بھی مجنون کہا جاتا ہے جسکو جنات نے تعلیم دی ہو، وہ شخص جسکے حواس پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ، تو اپنے رب کی رحمت سے مجنون نہیں ہے۔

مَمْنُوْنٍ : وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ، (آیت نمبر۳) اور بیشک آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو ختم ہونیوالا نہیں، غَيْرَ مَمْنُوْنٍ کے معنی یہاں غیر منقطع کے ہیں (تدبر) ای غیر مقطوع ولا منقوص (قرطبی) یہ مَنَنْتُ الحَبْل سے ماخوذ ہے جسکے معنی ہیں مَیں نے رسّی کو کاٹ دیا۔ حَبْلٌ مَنِيْنٌ وہ رسّی جو بوسیدگی کی وجہ سے ٹوٹ گئی ہو (قرطبی)

مَنَّهٗ يَمُنُّهٗ مَنًّا : قطعَهٗ (لسان)

سبعہ معلقہ کا مشہور شاعر لبید کا ایک شعر ہے [۵]

لمعفّرٍ قهدٍ تنازعَ شِلْوَهٗ
غُبْسٌ كواسِبُ لا يُمَنُّ طعامُهَا

ترجمہ: اس گائے کا پھرنا گرے ہوئے مٹیالے بچے کے لئے تھا جسکے اعضار بھیڑیوں نے نوچ لئے جن کا کھانا بند نہیں کیا جاتا یعنی وہ اپنی بہادری اور درندگی کی وجہ سے شکار کرتے ہیں اور بھوکے نہیں رہتے۔ لبید نے اپنے اس شعر میں فعل لَا يُمَنُّ سے لَا يُقْطَعُ مراد لیا ہے، مَنٌّ اُس آلہ اور باٹ کو بھی کہا جاتا ہے جسکے ذریعہ کسی چیز کا وزن کیا جاتا ہے۔ تو اس سے مشتق مان کر بعض حضرات نے اسکا ترجمہ بغیر حساب کیا ہے یعنی آپ کو جو اجر اور صلہ دیا گیا ہے وہ تول کر نہیں بلکہ کھلا دیا گیا ہے جسکا کوئی شمار نہیں ہے بعض نے ممنونٌ کو مِنّۃٌ سے ماخوذ قرار دیا ہے جسکے معنی احسان کے ہیں اس صورت میں اس کا معنی ہوگا کہ آپ کو ایسا اجر دیا جائیگا جس پر کوئی احسان نہیں جتلایا جائے گا جیسا کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔

خُلُق : وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (آیت نمبر۴) اور بیشک آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں۔ خُلُق : عادت، خصلت، خو۔ خُلُق واحد جمع اخلاق۔ اصل میں خَلَقَ يَخْلُقُ خلقاً کے معنی تقدیرِ مستقیم اور کسی چیز کا صحیح اندازہ ٹھہرانے کے ہیں اور پھر اسکا استعمال کسی چیز کے بغیر نمونے کے بنانے اور ایجاد کرنے پر بھی ہوتا ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ یہاں خلق کا استعمال بمعنی ابداع یعنی بغیر نمونہ اور مثال کے پیدا کرنے پر ہوا ہے۔ اور خَلْقٌ کا لفظ مخلوق پر بھی بولا جاتا ہے۔ علامہ راغب رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ خلقٌ اور خُلُقٌ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں البتہ ان میں اتنا فرق ہے کہ خَلْق (بفتح الخاء) بمعنی خِلقت یعنی اس شکل وصورت پر جسکا تعلق ادراک بصر سے ہی ہوتا ہے اور خلق کا لفظ قوائے باطنہ اور عادات وخصائل کے معنی میں جسکا تعلق بصیرت سے ہے (راغب) لسان العرب میں ہے کہ وَالْخُلُقُ : اَلْخَلِيْقَةُ اعنی الطَّبِيْعَة : یعنی خلق کے معنی عادت اور خصلت کے ہیں۔ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ خُلُقٌ سے مراد وہ عادات وخصائل ہیں جو انسان اپنی ذات کے لئے علم وادب سے پیدا کرتا ہے۔ قال : وَحَقِيْقَةُ الْخُلُقِ فِى اللُّغَةِ هو ما يأخذ به الانسانُ نفسَهٗ مِنَ الادب يُسَمّىٰ خُلُقًا لانه يصير كالخِلْقَةِ فيه (قرطبی) خُلُقٌ بضمّ اللام، اور خُلْقٌ بسکون اللام دونوں کے معنی ایک ہیں اسکا اطلاق اوصاف وخصائل اور دین پر ہوتا ہے بعض اہلِ تفسیر نے یہاں خُلُق سے مراد دین لیا ہے اور آیت اِنَّكَ عَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کے معنی اِنَّكَ عَلٰى دِيْنٍ عَظِيْمٍ کے ہیں

مَفْتُوْن : بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ : تم میں سے کس کو جنون تھا (ماجدی) مفتونٌ وہ شخص جو دنیا اور شیطان کے جال میں پھنسا ہوا ہو (تدبر) والمفتون المجنون الذی فتنه الشيطانُ (قرطبی) مَفْتُوْن وہ ہے جس کو شیطان نے مبتلائے جنون کر دیا ہو۔

تُدْهِنُ : وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ (آیت نمبر۹) یہ لوگ تو یہی چاہتے ہیں کہ آپ ڈھیلے پڑ جائیں تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں (ماجدی) تُدْهِنُ : تو ڈھیلا ہو تو نرمی کرے یہ اِدْهَانٌ سے واحد مذکر کا صیغہ ہے۔ تَدْهِيْنٌ کے اصل معنی ہیں چکنا کرنا، تیل لگانا مگر اس سے مراد مداوات اور ملائمت لیجاتی ہے۔ فَاِنَّ الْاِدْهَانَ اللِّيْنُ والمصانعة (قرطبی) اِدْهَان کے معنی خیانت کے بھی آتے ہیں۔ اَدْهَنَ فِى دِيْنِهٖ وَدَاهَنَ

فِیْ اَمْرِہٖ: اُسنے خیانت کی اور ایسی بات ظاہر کی جو اسکے ضمیر کے خلاف ہے۔ مُداہنت توریہ کرنے کے معنی میں بھی آیا ہے دَاھَنْتُ اَیْ وَارَیْتُ (قرطبی) اور اَدْھَنْتُ بمعنی غَشَشْتُ کے بھی آتا ہے جسکے معنی کسی چیز کو ڈھانپنے اور چھپانے کے ہیں۔ لفظ اِدھَان، جھوٹ بولنے کے معنے میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اَفَبِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَنْتُمْ مُدْھِنُوْنَ، کیا تم بھی اس کتاب سے انکار کرتے ہو، یہاں بعض اہل تفسیر نے یوں ہی نقل کیا ہے کہ وَدُّوْا لَوْ تَکْفُرُوْنَ فَیَکْفُرُوْنَ۔ علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ اِدْھَانٌ: ایسے شخص کے لئے نرمی کرنا جسکے لئے نرمی درست نہیں ہے والاِدّھَان: التَّلْیِیْن لمن لا ینبغی له التَّلْیِیْنُ (قرطبی)

حَلَّافٍ: حَلَّافٍ مَّھِیْنٍ: (آیت نمبر ۱۰) بڑا قسمیں کھانیوالا، ذلیل حَلَّافٌ، حَلْفٌ سے مبالغہ کا صیغہ ہے جسکے معنی ہیں بہت زیادہ قسمیں کھانیوالا۔ لفظ حَلَّافٌ اول تو اچھے معنی میں آتا نہیں ہے پھر اسکے ساتھ مَھِیْنٌ کے لفظ نے آکر واضح کر دیا کہ یہ قسم باز خود بھی ذلیل وخوار ہے ظاہر ہے کہ زیادہ قسمیں وہی شخص کھائیگا جسکو اپنی عزت کا خیال نہیں ہوگا جو لوگ کردار کے اعتبار سے پست یا مطعون ہوتے ہیں وہ ہمیشہ احساس کمتری کے سبب سے شک میں مبتلا رہتے ہیں کہ مخاطب انکی بات کا اعتبار اسوقت تک نہیں کریگا جبتک وہ قسم کھاکے اطمینان نہ دلائیں گے (تدبر)

والحَلَّافُ الکثیر الحَلِفُ

مَھِیْنٌ: یہ ذلیل وخوار اور گھٹیا آدمی کے لئے بولا جاتا ہے۔ یہ حَلَّافٌ یعنی بہت قسمیں کھانے والے کی لازمی صفت ہے چونکہ وہ زیادہ قسمیں کھاتا ہی اسی لئے ہے کہ وہ اپنی اس کمزوری پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔ مَھِیْنٌ اصل میں مَھْیُوْنٌ ہے مفعول کے وزن پر۔ مصدر ھُوْنٌ۔ اس لفظ کی تحقیق گزر چکی ہے۔ خالق اور مخلوق دونوں کی نظر میں بے اعتبار (ماجدی)

ھَمَّازٍ: ھَمَّازٍ مَّشَّاءٍ (آیت نمبر ۱۱) ھَمَّازٌ۔ ھمز سے مبالغہ ہے جسکے معنی اشارہ باز کے ہیں۔ اشارہ بازی اور پھبتی اس قسم کے لوگوں کا خاص شیوہ ہوتا ہے، جو کسی کو دوسروں کی نگاہوں سے گرانے کے درپے ہوں (تدبر)

هَمَّازٍ: بطور طعن آنکھ سے اشارہ کرنا (لغات القرآن) هَمْزٌ کے معنی اصل میں کسی چیز کو دباکر نچوڑنے کے ہیں۔ محاورہ ہے، هَمَزْتُ الشَّئَ فِی کفّی: میں نے فلاں چیز کو اپنی ہتھیلی میں دباکر نچوڑا۔ هَمْزٌ: غیبت کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ الهَمْزُ: کالعصر (راغب) علامہ أندلسیؒ نے لکھا ہے کہ هَمْز کے اصل لغوی معنی ہاتھ یا کسی ڈنڈی وغیرہ سے بطور طعنہ کے مارنے کے ہیں اور پھر استعارةً زبان سے طعنہ دینے پر بولا جانے لگا ہے۔ الهمز اصله فی اللغة الضرب بالید او بالعصاء ونحوها ثمّ اُستعیر للذی ینال بلسانه (بحر) الهمّازُ الذی یهمزُ النّاس بیدِهٖ یَضرِبُهُمْ (قرطبی) هَمَّازٌ: ایسا شخص جو طنز وتعریض سے دل دکھاتا رہتا ہو (ماجدی)

مَشَّاءٍ: مَشَّاءٍ، مَشْیٌ سے اسم مبالغہ ہے بہت زیادہ چلنے والا، خوب چالو، بڑا چغلخور، ادھر کی اُدھر اور اُدھر کی ادھر لگانے والا، مَشْیٌ اور تمشاءٌ پیادہ چلنا۔

نَمِیْمٍ: مَشَّاءٍ بِنَمِیْمٍ: چغلی چک چغلی کو ساتھ لئے پھرنے والا نَمَّ یَنِمُّ نَمًّا ونَمِیْمًا ونَمِیْمَةً: فساد پیدا کرنے کی غرض سے کسی بات کو پھیلانا، بات میں جھوٹ ملانا۔ نَمِیْمٌ مصدر بھی ہے بمعنی چغلی کرنا۔ اور اسم بھی بمعنی چغلی، اصل میں نَمِیْمَةٌ کے معنی ہیں پاؤں کی آہٹ اور حرکتِ خفیفہ۔ محاورہ ہے اَسْکَتَ اللّٰہُ نَأْمَتَهٗ: اللہ اس کی حرکت کو بند کردے یعنی وہ مرجائے، چغلی چونکہ آہستہ سے اور مخفی طور پر کیجاتی ہے اسلئے اسکو نمیمةٌ کہا جاتا ہے اسمیں اشارہ دراصل ان مفسدین کے جوڑ توڑ کی طرف ہے جو رات رات بھر مخفی طور پر اسلام کے خلاف سازش کرتے ہیں۔ صیغہ صفت کا نَمَّامٌ آتا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّام، اور بعض نے کہا ہے کہ نمیمٌ جمع ہے نمیمةٌ کی (قرطبی)

وَقال ابو حیّان اندلسیؒ: النَّمِیْمُ وَالنَّمِیْمَةُ مصدران لِنَمّ وهو نقلُ ما یسمع ممّا یسوءُ ویحرش النفوسَ وقیل النَّمِیْمُ جمع نمیمةٍ یریدون به اسم الجنس (البحر)

اَلنَّمُّ: التّوریش والاغراء ورفعُ الحدیث علی وجه الاشاعة والافساد (لسان)

مَنَّاعٍ : مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ : عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ :
(آیت نمبر ۱۲) نیک کام سے روکنے والا حد سے گزرنے والا ہے، سخت گنہگار ہے اس کے علاوہ بد نسب بھی ہے (ماجدی)
مَنَّاعٌ اسم مبالغہ ہے، بڑا روکنے والا، مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ : نیکی سے روکنے والا، مال روک کر رکھنے والا، بخیل

مُعْتَدٍ : مُتَجَاوِزٌ لِلْحَدِّ، صَاحِبُ بَاطِلٍ (قرطبی) مُعْتَدٍ اصل میں مُعْتَدِيٌ تھا، باب افتعال کے مصدر اعْتِدَاءٌ سے اسم فاعل ہے جسکے معنی ہیں حدودِ حق سے ہٹ جانا، تجاوز کرنا، اصل مادّہ عَدْوٌ ہے جسکے مفہوم میں ہٹ جانا، تجاوز کرنا پایا جاتا ہے۔ عُدْوَانٌ : دل سے ایک دوسرے سے ہٹ جانا۔
تعدّی : دوسرے کی طرف تجاوز کرنا،

اَثِيْمٌ : گنہگار، یہ اَثِيْمٌ سے فعیل بمعنی فاعل ہے۔ اِثْمٌ : گناہ کرنا، آثِمٌ اسم فاعل ہے (لغات القرآن) اَثِيْمٌ : فسق پیشہ ہے (ماجدی)، وھو مبالغۃ فی الاثم (کبیر) اَثِيْمٌ : اَیْ ذِیْ اِثْمٍ وَ مَعْنَاہُ اَثُوْمٌ فھو فعیل بمعنی فعُوْلٌ (قرطبی) اَثِيْمٌ بمعنی ذی اثیم کے ہے یعنی گناہوں کا بڑا سرمایہ دار اور یہ اَثُوْمٌ کے معنی میں ہے جو فعُوْلٌ کے وزن پر اسم مبالغہ ہے۔

عُتُلٍّ : عُتُلٍّ : سخت اور بے مروت سنگدل (تدبر)
مُلّا عبد الرشید ٹھٹوی نے منتخب اللغات میں اس کے حسب ذیل معنی لکھے ہیں،
۱ بسیار خور ۲ درشت ۳ ستمگار ۴ سخت گوئے۔ مطلب یہ کہ عُتُل ایسا شخص ہے جو ہٹا کٹا اور بہت کھانیوالا ہو، اور اسکے ساتھ نہایت بدخلق جھگڑالو اور سفّاک ہو۔ یہ عَتْلٌ سے صفت کا صیغہ ہے جس کے معنی کسی چیز کو پورے طور پر پکڑ کر سختی اور زبردستی کے ساتھ کھینچنے کے ہیں۔ امام ابو بکر محمد بن عزیز نزہۃ القلوب میں لکھتے ہیں کہ عُتُل سے مراد یہاں تندخو اور سخت مزاج کافر ہے عُتُلٌّ ہر سخت چیز کو کہتے ہیں اور اس شخص کو بھی عُتُل کہتے ہیں جو کسی نصیحت کو قبول نہ کرے۔ حاصل یہ ہے کہ افعال قبیحہ کے مجموعہ کا نام عُتُل ہے۔ اہل تفسیر نے اس بارے میں بہت سارے اقوال نقل

کئے ہیں جن کا حاصل صفاتِ ذمیمہ کا حامل ہونا ہے۔ قاضی شوکانی نے ان اقوال کا خلاصہ ان دو الفاظ میں بیان کیا ہے، هُوَ الشديد الخَلق، الفاحش الخُلقِ، یعنی عُتل وہ ہے جو جسم کا مضبوط اور اخلاق کا خراب ہو، علامہ قرطبی نے لکھا ہے، اَلعُتُلُّ الجَافِي الشدِيد في كُفرِهِ: یعنی عتل وہ ہے جو اپنے کفر میں سخت ہو، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہٗ کا قول ہے کہ العُتل الفاحش السئی الخلق، یعنی عُتل وہ ہے جو بے حیا اور بُرے اخلاق والا ہو (قرطبی)

ابن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَا یَدخُل الجنة جوّاظٌ ولا جعظرِيٌّ ولا العتل الزنِيمُ، کہ جنت میں نہ کوئی جَوّاظ داخل ہوگا اور نہ ہی جَعظری اور نہ عُتُلٌّ زنیمٌ۔ ایک آدمی نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! ان سے مراد آپ کی کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جوّاظ تو وہ ہے جو مال کو جمع کرتا ہے اور خرچ کرنے سے اس کو روکتا ہے یعنی مال کو جوڑ کر رکھتا ہے اور خرچ نہیں کرتا۔ اور جعظری وہ ہے جو موٹا کھاؤ ہو۔ اور العُتُلُّ الزنیم وہ ہے جو جسم کا مضبوط پیٹ کا کشادہ یعنی پیٹو خوب کھانے والا، ہٹا کٹا لوگوں پر زیادتی کرنے والا۔

زَنِيمٌ: زَنِیۡمٌ کی وضاحت اہلِ لغت نے یوں کی ہے، الملحق بِقَومٍ ليسَ مِنهُم وَلَايحتاجُونَ اليه: وہ شخص جو کسی کے نسب میں شریک بن بیٹھے درانحالیکہ نہ وہ ان میں سے ہو اور نہ ہی قوم کو کوئی اس کی ضرورت ہو، یہ لفظ زَنَمَةٌ سے نکلا ہے۔ زَنَمَةٌ اس غدود کو کہتے ہیں جو بعض بکریوں کی گردنوں میں لٹک آتا ہے جسکی حیثیت جسم میں بالکل فالتو عضو کی ہوتی ہے (تدبر)

زنیم کے معنے ہیں وہ شخص جسکا نسب کسی باپ سے ثابت نہ ہو (معارف)

زنیم ایسا شخص جو کسی قوم یا قبیلہ سے نہو مگر اس کی جانب منسوب کر دیا گیا ہو۔ (ماجدی) انّما الزّنیم فی لغت العرب هوالدّعيّ فی القوم قاله ابن جریر وغیرواحد من الائمة (ابن کثیر)

زنیم ۱؎ بدنام، جو کسی بُری علامت سے مشہور ہو۔ ۲؎ وہ شخص جو کسی قوم میں اپنے کو ملائے، لیکن انکے ساتھ نہ ہو اور نہ اُن میں سے ہو، ابن درید نے جو عربیت کے

امام ہیں جمہرۃ اللغۃ میں یہی دو قول نقل کئے ہیں۔ شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے موضح القرآن میں پہلے معنی اختیار فرمائے ہیں چنانچہ زنیم کا ترجمہ فرماتے ہیں بدنام یعنی بدی کرنے میں مشہور۔

اور شیخ نور الحق صاحب محدث دہلوی نے دوسرے معنی کو اختیار کیا ہے۔ امام فخر الدینؒ رازیؒ اپنی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ اسمیں متعدد اقوال ہیں:

۱۔ قرار کا بیان ہے کہ زنیم وہ ہے جسکے نسب میں تہمت ہو۔ قوم میں ملحق ہو اور انمیں سے نہ ہو۔ حضرت حسان کہتے ہیں وَاَنْتَ زَنِیْمٌ نِیْطَ فِی اٰلِ ھاشم کما نیط خلف الراکب القدحُ الفردُ اور تو حرام زادہ ہے آل ہاشم کے ساتھ لٹکایا ہوا جس طرح کہ سوار کے پیچھے اکیلا تیر لٹکایا گیا ہو۔ امام قرطبیؒ نے ایک شعر نقل کیا ہے ؎

زَنِیْمٌ لَیْسَ یعرف من ابوہٗ
بغیّ الاُمِّ ذُوْ حَسَبٍ لَئِیْمٍ

حرامی ہے معلوم نہیں اسکا باپ کون ہے، زانیہ ماں والا، کمینے حسب والا۔

نَسِمُہٗ : سَنَسِمُہٗ عَلَی الْخُرْطُوْمِ (آیت نمبر ۱۶) ہم عنقریب اسکی ناک پر داغ لگائیں گے۔ وَسَمَ یَسِمُ وَسْمًا وَسِمَۃً، داغ دینا، نشان دار بنانا، سِمَۃٌ، نشان کو کہتے ہیں۔ تَوَسُّمٌ فراست سے کسی چیز کو پہچاننا، وَسِیْمٌ: خوبصورت، وَسَامَۃٌ: حُسن، یُقَالُ وَسَمْتُہٗ وَسْمًا وَسِمَۃً اذا اَثَّرْتَ فِیْہِ بِسِمَۃٍ وَکَیٍّ (قرطبی)

اَلْخُرْطُوْمِ : الْخُرْطُوْمِ، اصل میں خُرْطُوْمٌ، ہاتھی کی سونڈ کو کہتے ہیں، یہاں یہ متکبرین کی ناک کے لئے بطریق استعارہ استعمال ہوا ہے (تدبر)

خرطوم کی جمع خراطیمُ آتی ہے، خراطیمُ القومِ قوم کے سردار۔ والخُرْطُوْمُ۔ الانفُ مِنَ الْاِنْسَانِ وخراطیمُ الْقَوْمِ سَادَاتُھُمْ (قرطبی)

بَلَوْنَا : اِنَّا بَلَوْنٰھُمْ: ہم نے انکو آزمائش میں ڈال دیا ہے، بَلَاءٌ سے جمع متکلم ہے۔ بَلَاءٌ اور بَلْوٌ: آزمائش کرنا، الابتلاءُ: الاختیارُ (قرطبی)

یَسْتَثْنُوْنَ : وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ، اس کے معنی ہیں استثناء نہ کرنا اور مراد اس استثناء سے اِنْ شاء اللہ کہنا ہے مطلب یہ ہے کہ یہ امیر لوگ باغ والے قسمیں کھاتے ہوئے انشاء اللہ بھی نہیں کہہ رہے تھے۔

اور بعض حضرات مفسرین نے استثناء سے مراد یہ لی ہے کہ ہم پورا پورا غلہ اور پھل کاٹ کر لے آویں گے۔ غرباء اور مساکین کے لئے کچھ نہ چھوڑیں گے۔ وَلَا يَسْتَثْنُونَ : ای ولم يَقُولُوا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ .... وقیل معنی ولا یستثنون ای لا یستثنون حق المساکین (قرطبی)

ولا يَسْتَثْنُونَ عَنْ مَا عَزَمُوا علیہ من منع المساکین (بحر محیط)

طَافَ : فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ :

طَافَ : پھر گیا، پھیرا گیا۔ طاف يطوف طوفًا، کسی چیز کے گرد پھرنا، چکر لگانا، طَائِفٌ طَوفٌ سے اسم فاعل ہے پھیرا کرنے والا۔ اس چوکیدار کو بھی طائف کہتے ہیں جو حفاظت کے لئے لوگوں کے گھروں کے گرد چکر لگائے۔ دل میں آنے والے وسوسوں اور خیالات کو بھی طائف کہا جاتا ہے۔ قدرتی حوادث کو جو آناً فاناً تباہی مچا دیتے ہیں، طائف کہتے ہیں۔ یہاں طائف سے مراد کوئی ایسی آفت ہے جس نے ان باغات کو ملیا میٹ کر دیا۔ فراء نحوی کا قول یہ ہے کہ طائف اس عذاب کو کہا جاتا ہے جو دن کو آئے (بحر) علامہ اندلسیؒ نے اس قول کو رد کیا ہے، لیکن اس مقام میں اس کا احتمال ہے کہ طائف سے مراد رات کو آنے والی آفت ہوا اسلئے کہ انکے باغ پر جو تباہی آئی وہ رات ہی کو آئی تھی جیسا کہ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ سے معلوم ہوتا ہے۔

صَرِيْمِ : فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ

(آیت نمبر ۲۰) تو وہ باغ ایسا ہو گیا جیسے کٹا ہوا کھیت۔ صَرْمٌ کے معنی پھل وغیرہ کاٹنے کے ہیں۔ صَرِيْمٌ بمعنی مصروم ومقطوع ہے مطلب یہ ہے کہ آگ نے اس کھیتی کو ایسا اُجاڑ دیا جیسے کھیتی کاٹ لینے کے بعد صاف زمین رہ جاتی ہے اور صریم بمعنی رات کے بھی آتے ہیں اس معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ جیسے رات تاریک سیاہ ہوتی ہے یہ کھیتی بھی خاک سیاہ ہو گئی (معارف)

واضح رہے کہ صریم کے اصل معنی تو ہیں کٹا ہوا، جُدا کیا ہوا، اسکے علاوہ تمام معانی مجازی ہونگے۔ لسان العرب میں ہے۔ الصَّرْمُ القَطْعُ البَائِنُ، اب رات چونکہ صبح سے الگ اور کٹی ہوئی ہوتی ہے اس لئے اسکو بھی صریم کہدیا گیا، اور صبح کے وقت پر بھی اسکا اطلاق ہوتا ہے چونکہ یہ رات سے کٹی ہوئی ہوتی ہے اس طرح ذرہ ریگ (ریت) کو صریم کہا

جاتا ہے جو تودہ ریگ سے جدا ہو گیا ہو۔ صریم سے مراد دن بھی لیا گیا ہے اس لئے کہ یہ رات سے کٹا ہوا ہوتا ہے علامہ قرطبیؒ نے ان اقوال کو نقل کیا ہے اور ابن عباسؓ کا ایک قول یہ بھی ذکر کیا ہے کہ صریم لغت بنی خزیمہ میں سیاہ راکھ کو کہتے ہیں،
الصریم الرماد الاسود بلغة خزیمة (قرطبی)

حَرْثٌ : حَرْثٌ کا لفظ عام طور پر تو کھیتی پر بولا جاتا ہے لیکن یہاں اس سے مراد باغ ہے جو تباہ کر دیا گیا۔

یَتَخَافَتُوْنَ : وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ (آیت نمبر ۲۳) اور وہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے نکلے۔ یہ باب تفاعل کے مصدر تَخَافُتٌ سے جمع مذکر غائب ہے۔ خَفَتَ، يَخْفِتُ خَفْتًا وخُفَاتًا : خفیہ بات کرنا،
قال القرطبی : يَتَخَافَتُوْنَ ای يَتَسَارُّوْنَ ای يخفون کلامهم و يُسِرُّوْنَهٗ لئلا يَعْلَمَ بِهِمْ اَحَدٌ، قاله عطاء وقتادہ وهو من خَفَتَ يَخْفِتُ اذا سكن ولم يُبَيِّنْ (قرطبی)۔

حَرْدٍ : وَغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ (آیت نمبر ۲۵) اور اپنے کو اس نہ دینے پر قادر سمجھے (ماجدی)

حَرْدٍ کے معنی منع کرنے، غیظ و غضب کھانے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے خیال میں یہ سمجھ کر چلے کہ ہمیں اس پر قدرت ہے کہ ہم کسی فقیر و مسکین کو کچھ نہ دیں کوئی آ بھی جائے تو اسکو دفع کر دیں (معارف)

لفظ حَرْدٍ کے اندر تیز گامی، جوش، اُمنگ اور نشاط کا مفہوم پایا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ غریبوں اور مسکینوں کے تعاقب سے بچنے کا پورا پورا سامان کر کے وہ بڑے حوصلہ اور پورے اعتماد کے ساتھ باغ کی طرف چلے (تدبر)

الحرد : (ض) تیزی اور غصہ کے ساتھ کسی چیز کو روکنا (راغب) وَغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ کا مطلب یہ ہوگا کہ جب وہ صبح کو باغ کیطرف چلے تو قدموں میں تیزی، مزاج میں غصہ اور دل میں غرور و نشاط تھا،
هو حريد المحل : وہ آدمی جو الگ تھلگ رہتا ہو اور بارش نہ ہو تو عرب کہتے ہیں۔ حَارَدَتِ السَّنَةُ : امسال بارش نہیں ہوئی۔ مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی لکھتے ہیں کہ حرد کے معنی لغت میں قصد کرنے، روکنے اور غصہ ہونے کے ہیں، حسنؒ

قتادہ اور ابو العالیہ نے سعی اور کوشش سے تفسیر کی ہے ۔ قرطبی ، مجاہد اور عکرمہ نے اسے طے شدہ معاملہ بتایا ہے جس کی باہم قرار داد کرلی ہو ۔ یہ دونوں تفسیریں قصد کے معنی پر مبنی ہے کیونکہ جس کسی چیز کا ارادہ رکھتا ہے وہ کوشش سے کام لیتا اور معاملہ کے متعلق طے کرلیتا ہے (لغات القرآن) علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ والحرد : القصد حَرَدَ يَحْرِدُ حرداً ۔ قَصَدَ یعنی حرد کے معنی قصد کرنے کے ہیں اور باب ضَرَبَ کے وزن پر آتا ہے ۔ حَرَدَ يَحْرِدُ کے معنی قصد کرنے کے ہیں ۔ حَرَدْتُ حَرْدَکَ کے معنی ہیں، میں نے تمہارا قصد کیا ۔

حَرُوْدٌ : وہ اونٹنی جسکا دودھ کم ہوگیا ہو
کَوْکَبٌ حَرِیْدٌ : وہ ستارہ جو دیگر کواکب سے جدا ہوگیا ہو ۔ اَسَدٌ حَارِدٌ وَلُيُوْثٌ حَوَارِدُ غصیلہ شیر ۔ الحردُ : الجدُّ والقصدُ ۔ حَرَدَ يَحْرِدُ (ض)، حَرْدًا قَصَدَ (لسان العرب)

يَتَلَاوَمُوْنَ : يَتَلَاوَمُوْنَ ، وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے ، اور بقول حضرت تھانویؒ کے الزام دینے لگے یہ تَلَاوُمٌ (تفاعل) سے ماخوذ ہے ۔ علامہ قرطبیؒ نے دوسرے معنی کو اختیار کیا کر

اى يَوْمُ هذا ۔ هذا في القسم و مَنْعَ المساكين ، ويقول بل انت اَشْرَتَ علينا بهذا (قرطبی)

طَاغِيْنَ : اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ : ہم ہی سرکشی کرنے والے تھے ۔ طَاغِيْنَ : نافرمان سرکش، حد سے گزرنے والے ۔ اس کی واحد طَاغِيٌ ہے ۔ طَاغُوتٌ ، شیطان، حق سے روکنے والا بت ، معبود باطل ، طَغٰی ، يَطْغُوا طُغْيَانًا : حد سے نکل جانا ، سرکشی سے سر اٹھانا ۔ اسکا فعل اگر واوی ہو تو باب نَصَرَ سے آتا ہے ۔ اور اگر یائی ہو تو فتح اور سمع سے آتا ہے ۔ قرآن مجید میں یہ باب فتح سے ہی آیا ہے ۔ طُغْيَانٌ : نافرمانی اور معصیت کوشی میں حد سے بڑھ جانا ۔

يُبْدِلَنَا : يُبْدِلَنَا ، ہمیں بدلہ میں دے ۔ اَبْدَلَ يُبْدِلُ اِبْدَالًا : ایک چیز کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسری چیز کو رکھ دینا بعض حضرات نے يُبَدِّلَنَا ، دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے ، بَدَّلَ يُبَدِّلُ تَبْدِيْلًا کے معنی ہیں کسی چیز میں کچھ تبدیلی کرنا اس طرح کہ اصل شئے باقی رہے ۔ علامہ قرطبیؒ نے ابدال اور تبدیل میں یوں فرق بیان کیا ہے ۔ وقيل التبديل تغييرُ

الشئ او تغییر حاله، و عین الشئ قائمٌ۔ والابدالُ رفع الشئ ووضع اٰخر مکانہ (قرطبی)

تَدْرُسُوْنَ : اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ (آیت ۳۷) کیا تمہارے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے، اسمیں پڑھتے ہو (ماجدی)

درس الدّارُ کے اصل میں معنی ہیں گھر کے نشان باقی رہ گئے اور نشان کا باقی رہنا چونکہ شئے کے فی ذاتہٖ مٹنے کو چاہتا ہے اس لئے دُرُوْسٌ کے معنی انمحار یعنی مٹ جانا کر لئے جاتے ہیں۔ اسی طرح درستُ الکتابَ وَالعلمَ کے اصل معنی کتاب کا یا علم کا حفظ کر کے اس کا اثر لینے کے ہیں۔ اور اسکا اثر حاصل ہونا، مسلسل قرأت کے بغیر ممکن نہیں ہے اسلئے دَرَسْتُ الکتابَ کے معنی مسلسل پڑھنا کے آتے ہیں (راغب) تَدْرُسُوْنَ: تم پڑھتے ہو تم پڑھوگے۔

بَالِغَةٌ : اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ کیا ہمارے ذمہ کچھ تمہارے حق میں کھائی قسمیں ہیں (ماجدی) یہاں بَالِغَةٌ بمعنی مؤکدہ کے ہیں ایمان سے مراد عہد ہے۔ البالِغَۃُ المؤکدۃُ باللہ تعالیٰ (قرطبی)

مطلب یہ ہے کہ کیا خدا کے ساتھ تمہارا کوئی ایسا معاہدہ ہو گیا ہے جو قسمیں کھا کر مؤکد کیا گیا ہے۔

زَعِيْمٌ : زَعِيْمٌ، ذمہ دار جمع زُعَمَاءُ سورۂ یوسف میں اس لفظ کی تحقیق گزر چکی ہے۔ الزَّعِیْمُ، الکفیلُ وَالضَّمِیْنُ (قرطبی)

سَاقٍ : يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ : وہ دن یاد رکھنے کے قابل ہے جب ساق کی تجلی فرمائی جائے گی۔ ساق کا لفظی معنی تو ہے پنڈلی۔ اور کَشَفَ یَکْشِفُ : کھولنا، واضح کرنا۔ یہاں کشف ساق بطور محاورہ کے شدّتِ امر کی تعبیر کے لئے استعمال ہوا ہے اور کشف ساق کا محاورہ شدّتِ امر کے لئے معروف ہے۔ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ ای عن شدّۃٍ (قاموس) یکشف عن ساقٍ : ای عن شِدَّۃِ اَمْرٍ کما یُقَالُ قامت الحربُ علیٰ ساقِھا (تاج) یعنی کشفِ ساق سے مراد شدتِ امر کا ظاہر کرنا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے قامتِ الحرب علیٰ ساقِھا، یعنی لڑائی اپنے شباب پر ہے۔ السَّاقُ فِی اللُّغَۃِ : امرالشدید وکشفہٗ مَثَلٌ فی شدۃ الامر (لسان)

قیل۔ اصلہ من قامتِ الحربُ ای ظَھَرتِ الشِّدَّۃُ (راغب)

اسی طرح ائمہ تفسیر اور صحابہ و تابعین سے بھی یہ معنی منقول ہیں۔ علامہ ابن جریر لکھتے ہیں، و قال جماعۃ من الصحابۃ والتابعین من اھل التاویل یبدو عن امر شدید اور صاحب مدارک فرماتے ہیں والجمھور علی ان الکشف عن الساق عبارۃ عن شدۃ الامر وصعوبۃ الخطب فمعنی یوم یشتد الامر ویصعب ولا کشف ولا ساق (مدارک) وقال ابوعبیدۃ اذا اشتد الحرب والامر قیل: کشف الامر عن ساقہ (قرطبی)

کشف ساق کے اس محاورہ کو شعرائے جاہلیت نے بھی استعمال کیا ہے، حاتم طائی کا ایک شعر ہے

فتی الحرب اِنْ عضّت بہ الحرب عضّھا
وان شمّرت عن ساقھا الحرب شمّرا

ممدوح جنگ کا مرد میدان ہے اگر جنگ اس پر حملہ آور ہوتی ہے تو وہ بھی اس سے نبرد آزما ہوتا ہے اور اگر گھمسان کا رن پڑتا ہے تو وہ بھی اس میں بے خطر کود پڑتا ہے، اس شعر میں گھمسان کے رن کے لئے شمّرت عن ساقھا الحرب کا محاورہ استعمال ہوا ہے۔ شدتِ امر کی تعبیر کے لئے اس محاورہ کے وجود میں آنے کی وجہ یہ ہوئی کہ جب کوئی بڑی ہلچل ہوتی ہے تو اس وقت کنواریاں اور شریف زادیاں بھی اپنے پائنچے اٹھا کر بھاگنے پر مجبور ہوتی ہیں جس سے انکی پنڈلیاں اور ان کے پاؤں کے زیورات کھل جاتے ہیں، ایک شاعر کہتا ہے ؎

تذھل الشیخ عن بنیہ
تبدی عن خدام العقیلۃ

العذراء۔ ایسی ہلچل جو بوڑھوں کو اپنی اولاد سے غافل کر دیگی اور کنواریوں کی پنڈلیوں اور ان کی پازیبوں کو بے نقاب کر دیگی (تدبر)

جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے کہ ساق کے لفظی معنی پنڈلی کے ہیں۔ ما بین الکعب والرکبۃ (قاموس) یعنی ساق کعب اور رکبہ کے درمیان کا حصہ ہے اس لئے بعض کا قول ہے کہ کشف ساق سے مراد صفات باری میں سے کسی صفت کا ظہور ہے۔ بعض حضرات نے کشفِ ساق سے مراد کشف حقائق لیا ہے یعنی جس روز تمام حقیقتیں بے نقاب ہوجائیں گی اور لوگوں کے اعمال کھل کر سامنے آجائیں گے والاصل فیہ ان من وقع فی شئی یحتاج الی الجد شمّر عن ساقہ، فاستعیر الساق والکشف عنھا فی موضع الشدۃ (قرطبی)

تَرْهَقُ : ترھقھم ذلۃ ، رَهِقَ يَرْهَقُ رَهْقًا ، کسی چیز کا دوسری چیز پر چھا جانا اور اسکو پا لینا ، رَهِقَهُ الْاَمْرُ : معاملہ نے اس کو بزور دبالیا ، اَرْهَقْتُ الصَّلٰوۃَ نماز کو آخر وقت تک مؤخر کرنا ۔

رَهَقٌ : بیوقوفی ، حماقت ، بدخلقی اور شر وغیرہ کا ارتکاب ۔ ابن فارس فرماتے ہیں کہ اس مادے میں دھاندلی ، جلد بازی اور ظلم وغیرہ کا مفہوم پایا جاتا ہے ۔ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا سو انھوں نے انھیں جہالت اور سرکشی میں اور زیادہ کر دیا ۔

نَسْتَدْرِجُ : سَنَسْتَدْرِجُهُمْ : اِسْتِدْرَاج کا معنی ہے مخفی طریقے سے آہستہ آہستہ کسی چیز کی طرف چلنا (معالم) ، والاستدراج ترك المعاجلہ ۔ واصلہ النقل من حال الی حال کالتدرج (قرطبی)

اس جگہ مرادی معنی مختلف بیان کئے گئے ہیں مطلب اس کا ایک یہ ہے کہ ہم ان کو بتدریج جہنم کی طرف لے جا رہے ہیں ۔ بعض نے کہا ہے کہ دَرْجٌ لپیٹے ہوئے کپڑے یا پیچیدہ کاغذ کو کہتے ہیں اس لیے سَنَسْتَدْرِجُهُمْ کا معنی ہوا ہم انکو خط کی طرح لپیٹ دیتے ہیں ۔

دَرَجَةٌ : زینہ کی سیڑھیاں ، تَدَرُّجٌ ۔ تفعّل درجہ بدرجہ چڑھنا ۔ اِسْتَدْرَجَ فُلَانٌ فُلَانًا اَیْ اِسْتَخْرَجَ مَا عِنْدَهٗ قَلِيْلًا (قرطبی) یعنی جو چیز اس کے پاس تھی اسکو تھوڑا تھوڑا کر کے نکالا ۔

مَتِيْنٌ : اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (آیت ۴۵) بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے ، مَتِيْنٌ : مضبوط ، قوی ۔ اَلْمَتَانِ : ریڑھ کی ہڈی کے اردگرد تدبیر والے دونوں حصے ۔ تشبیہ کے طور پر سخت زمین کو بھی متین کہتے ہیں ۔

حَبْلٌ مَتِيْنٌ : مضبوط رسی اور مَتْنُ الطَّرِيْقِ : وسط راہ (منتہی الارب ، راغب)

اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۔ اَیْ اِنَّ عَذَابِیْ لَقَوِیٌّ شَدِيْدٌ (قرطبی)

مَغْرَمٍ : مِنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ : (آیت نمبر ۴۶) تاوان سے دبے جاتے ہیں

مَغْرَم : اسم مصدر بمعنی تاوان ، مالی چندہ ٹیکس ۔ غَارِمٌ : قرضدار ، مُغْرَمٌ (مفعول) قرض میں ڈوبا ہوا ۔

مُثْقَلُوْنَ : مُثْقَلُوْنَ ، یہ مُثْقَلٌ کی جمع ہے ، وہ لوگ جن پر کوئی بوجھ لادا گیا ہو یا خود ان کو کسی پر بطور بوجھ کے لاد دیا گیا ہو ۔ اَثْقَلَ (افعال) کے دونوں معنی آتے ہیں ۔ کسی پر بوجھ لاد دینا یا کسی کو بوجھ

کی طرح لاد دیا۔ آیت میں پہلے معنی مراد ہیں،
اَلْغَیْبُ : اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ :
(آیت نمبر ۴۷) کیا ان کے پاس غیب ہے،
یہاں الغیب سے مراد لوح محفوظ ہے۔
وعن ابن عباس، الغیبُ هنا اللوح المحفوظ (قرطبی)
صَاحِبِ الْحُوْتِ : وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ
الْحُوْتِ (آیت نمبر ۴۸) صاحب، ساتھی،
رفیق۔ صُحْبَةٌ سے اسم فاعل ہے۔ جمع اصحابٌ
اور صَحَابَةٌ آتی ہے۔ حُوْتٌ : مچھلی جمع حیتان
صاحب الحُوت : مچھلی والا، مچھلی کا ساتھی
مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں۔
مَكْظُوْمٌ : اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ
(آیت نمبر ۴۸) مَكْظُوْم، كَظْمٌ سے اسم
مفعول ہے۔ غمگین، غم کی وجہ سے دم گھٹا ہوا،
ابن عباس اور مجاہد نے مَكْظُوْمٌ کے معنی کئے ہیں
غم سے بھرا ہوا۔ اور عطاء نے اسکے معنی کرب سے
بھرا ہوا کئے ہیں۔ کرب اور غم دونوں ایک
ہی مفہوم رکھتے ہیں۔ ماوردی نے ان دونوں
میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ غم کا تعلق قلب سے ہوتا
ہے اور کرب کا انفاس سے، یعنی کرب وہ غم ہے
جس میں انسان کا دم گھٹنے لگے (قرطبی)
تَدَارَكَ : تَدَارَكَ يَتَدَارَكُ،
تَدَارُكًا، تَدَارُكٌ کے معنی ہیں پالینا،
یہ زیادہ تر نعمت اور فریاد رسی کے لئے استعمال ہوتا ہے
تَدَارَكَ فعل ماضی ہے جو معنی نعمت پر محمول ہے
اسلئے کہ نِعْمَةٌ مونث غیر حقیقی ہے۔ تَدَارَكَهُ فعلٌ
مَاضٍ مُذَكَّرٌ حُمِلَ عَلٰى معنى النّعمة (قرطبی)
بعض نے اسکو تَدَّارَكَهُ (دال کی تشدید) کیساتھ
پڑھا ہے، اس صورت میں یہ فعل مضارع ہوگا۔
ایک تا کو حرف دال میں ادغام کر دیا گیا ہے
تَدَّارَكَ مشدد کی اصل تتدارک ہے۔
نُبِذَ : نُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ
(آیت نمبر ۴۹) نُبِذَ پھینک دیا جاتا۔ نَبْذٌ
اور نَبْذَةٌ۔ گوشہ، کنارہ، نَبِيْذٌ : پھینکا ہوا
نچوڑا ہوا عرق۔ اَنْبَاذٌ : بے علم، عام لوگ۔
اَلْعَرَاءِ : وسیع اور کھلا میدان جہاں کوئی
چیز آڑ کے لئے نہ ہو۔ قال الامام القرطبی،
العَرَاءُ : الارض الواسعة الفضاء التی
لیس فیها جبل ولا شجرٌ یَسْتُرُ (قرطبی، راغب)
عَرٰی، اسم مقصورہ ہے بمعنی کنارہ۔
مَذْمُوْمٌ : عبداللہ ابن عباسؓ سے مذموم
کے معنی مُلِيْمٌ کے منقول ہیں اور بعض نے مذموم
کے معنی مُبْعَدٌ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ کے کئے ہیں۔ یعنی ہر
خیر سے دور کیا ہوا، آیت کریمہ کا حاصل یہ
ہوا کہ اگر اللہ کے فضل و کرم اور اسکی خصوصی
نعمت نے نہ پالیا ہوتا تو جس ریت پر انکو مچھلی

نے اُگل دیا تھا وہیں بیچارگی کی حالتیں پڑے رہتے، مگر اللہ کی نعمت نے اُن کو سنبھالا دیا، اور صحت و توانائی عطا فرما کر شرفِ نبوت پر سرفراز کیا
اجْتَبَا : فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ : اسکے رب نے اسکو چُن لیا، اس کو پسند کیا۔ اِجْتَبٰی: ماضی (افتعال) مصدر اِجْتِبَاءٌ، اصل مادہ مجرد جَبَايَةٌ ہے۔ جَبَى المَاءَ فِي الحَوضِ پانی کو حوض میں جمع کرنا، اسی سے الاجتِبَاءُ ہے انتخاب کے طور پر کسی چیز کو جمع کرنا اِجْتَبٰهُ ای اصطفاهُ وَاختَارَهٗ (قرطبی)
يُزْلِقُوْنَ : لَيُزْلِقُوْنَكَ ، تجھے وہ پھسلا دیں گے، گرا دینگے، تجھے وہ غضبناک نظروں سے گھور کر دیکھتے ہیں۔ اِزْلَاقٌ : پھسلا دینا۔ زَلْقٌ زَلَقٌ زَلَاقَةٌ : پھسلنے کی جگہ زَلَقَ بِمَكَانِهٖ : دل تنگ ہو کر کسی جگہ کو چھوڑ دینا۔ اِزْلَاقٌ بالبصر : غضبناک نظروں سے گھور کر دیکھنا۔ اَزْلَقَ فُلَانًا بِبَصَرِهٖ، اذا نَظَرَ اليهِ نَظَرُ مُتَسَخِّطٍ (قاموس) زَلَقَ رَاْسَهٗ : اُس نے سر منڈوا دیا۔ زَلَقَهٗ يَزْلِقُهٗ اور اَزْلَقَهٗ (افعال) دونوں کے معنی ایک ہی ہیں، ہٹا دینا، دُور کر دینا (قرطبی)
اَزْلَقَتِ الفَرَسُ وَالنَّاقَةُ : گھوڑی یا اونٹنی وغیرہ کا ناتمام بچہ گرا دینا۔
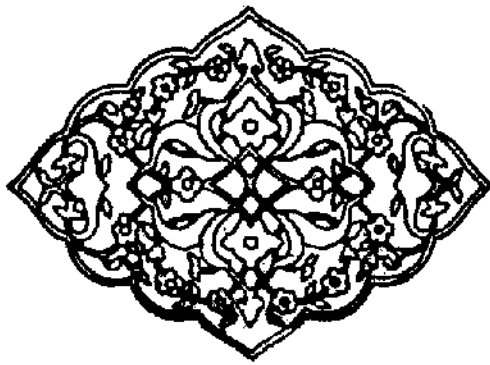
شرح الفاظ القرآن مِن سُورۃ الحاقّۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَاقَّۃُ : اَلۡحَاقَّۃُ مَا الۡحَاقَّۃُ

حَاقَّۃٌ : ثابت ہونے والی، حَقٌّ سے جس کے معنی ثابت ہونے کے ہیں۔ اسم فاعل مؤنث ہے (لغات القرآن) الحَاقَّۃُ کے معنی ہیں وہ بات جو شُدنی ہو، جسکا وقوع عقلاً و اخلاقاً لازم ہو، جو بالکل اٹل اور قطعی ہو (تدبر)

لفظ حَاقَّۃ کے معنی حق اور ثابت کے بھی آتے ہیں اور دوسری چیز کو حق ثابت کرنے والی چیز کو بھی حاقّہ کہتے ہیں۔ قیامت پر یہ لفظ دونوں معنی کے اعتبار سے صادق آتا ہے۔ کیونکہ قیامت خود بھی حق ہے اور اسکا وقوع ثابت اور یقینی ہے اور قیامت مؤمنین کیلئے جنت اور کفار کے لئے جہنم ثابت کرنے والی ہے، یہاں قیامت کے اس نام کے ساتھ سوال کو مکرر کر کے اسکے مافوق القیاس اور حیرت انگیز ہولناک ہونیکی طرف اشارہ ہے (معارف)

(الحَاقَّۃُ) یُرِیۡدُ بِہِ القیامہ، سمیت بذالک لانّ الامور تُحَقُّ فِیۡھَا (قرطبی)

وقال الکسائی والمؤرج : اَلۡحَاقَّۃُ یَوۡمُ الحق (قرطبی)

حَاقَقۡتُہٗ فَحَقَقۡتُہٗ : میں نے حق کے متعلق جھگڑا کیا اور اس پر غالب رہا، یعنی اس سے میں نے اپنا حق منوالیا۔ حَاقَّہٗ : اسنے اس کے ساتھ حق کے متعلق جھگڑا کیا اور دونوں نے حق کا دعویٰ کیا۔ اور جب دونوں میں سے ایک غالب آجائے تو کہا جاتا ہے حَقَّہٗ یعنی حق میں غالب آگیا۔

وَالحَقُّ : ھوالثابت الّذی لایَسُوغ انکارہٗ

اَلۡقَارِعَۃُ : کَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ وَعَادٌۢ بِالۡقَارِعَۃِ ، ثمود اور عاد نے تکذیب کی اس کھڑکھڑا دینے والی کی۔ قَارِعَۃٌ کے لفظی معنی کھڑکھڑانے والی چیز کے ہیں، مراد اس سے قیامت ہے، اور قیامت کے لئے یہ لفظ اس لئے بولا جاتا ہے کہ وہ سب لوگوں کو مضطرب اور بے چین کر دینے والی ہے، اور تمام اجسام سماویہ اور ارضیہ کو منتشر کرنے والی ہے۔ قَوَارِعُ الدَّھۡرِ زمانے کے حوادثات ومشکلات۔ قَوَارِعُ القرآن : قرآن پاک کی

وہ آیات جو مصائب کے وقت پڑھی جاتی ہیں۔
جیسا کہ آیۃ الکرسی اور اِنّا للّٰہ وغیرہ۔
وَالْقَارِعَۃُ : القیامۃُ، سمّیت بذالک
لانّھا تقرَعُ النّاسَ بِاَھوَالھا (قرطبی)

طَاغِیَۃِ : فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُھْلِکُوْا
بِالطَّاغِیَۃِ، طَاغِیَۃٌ طُغْیَانٌ سے مشتق ہے
جسکے معنی حد سے نکل جانے کے ہیں۔ مراد یہی
سخت آواز ہے جو تمام دنیا کی آوازوں کی
حد سے باہر ہے اور زیادہ ہے جسکو انسان
کا قلب و دماغ برداشت نہ کر سکے (معارف)
طَاغِیَۃٌ یا تو مصدر ہے، اس صورت میں
اس کے معنی خدا کی نافرمانی میں حد سے آگے
بڑھ جانے کے ہیں یا صفت ہے یعنی حد سے
بڑھ جانے والی، اس صورت میں طغیانٌ سے
اسم فاعل کا واحد مؤنث ہوگا (لغات القرآن)
طَاغِیَۃ کے معنی ہیں وہ شئے جو اپنے حدود و
قیود سے متجاوز ہو جائے (تدبر)
ای المجاوزۃِ للحدِّ ای لحدِّ الصّیحات
من الھول (قرطبی) والطُّغیانُ
مُجَاوزۃُ الحدِّ (قرطبی)
علامہ قرطبیؒ کی رائے یہ ہے کہ طاغیہ مصدر ہے
جیسا کہ کاذِبَۃٌ عَافیۃٌ اور عَاقِبَۃٌ وغیرہ
مصادر ہیں۔

صَرْصَرٍ : صَرْصَرٍ عَاتِیَۃٍ (آیت نمبر ۶)
رِیْحٌ صَرْصَرٌ، اس سخت ہوا کو کہا جاتا ہے جو
بہت زیادہ سرد بھی ہو (معارف)
لفظ صَرْصَر اصل میں صِرٌّ سے ماخوذ ہے
جس میں دو متضاد معنی پائے جاتے ہیں
۱، ایک یہ جو اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ
صِرٌّ سخت ٹھنڈ اور شدید سردی کو کہا
جاتا ہے۔ یہ قول ابن عباس، قتادہ، سدی
اور ابن زید وغیرہ کا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے
ہیں بریحٍ صَرْصَرٍ۔ ای بَارِدَۃٍ تَحْرِقُ
بِبَرْدِھَا کَاِحرَاقِ النَّارِ ماخوذ من
الصِّرِّ وھوالبردُ (قرطبی)
یعنی صَرصَر سے مراد ایسی ٹھنڈی ہوا ہے جو
آگ کی طرح اپنی برودت سے جلا دے
یہ صِرٌّ سے ماخوذ ہے جسکے معنی ٹھنڈک کے
ہیں انہی معنی کو قاضی بیضاوی نے بھی اختیار
کیا ہے۔
۲ دوسرے معنی بادِ سموم اور گرم لُو کے
کئے گئے ہیں جو اپنی شدتِ حرارت سے ہر چیز
کو جلا دیتی ہے، مجاہد نے اسی کو اختیار کیا ہے
قال مجاھد الشدیدۃ السَّمُوْمُ (قرطبی)

عَاتِیَۃٌ : عَاتِیَۃٌ کے معنی ہیں وہ
ہوا جو سرکش اور بے قابو ہو گئی ہو (تدبر)

عَاتِيَةٌ عُتُوٌّ سے اسم فاعل مؤنث ہے، حد
سے نکل جانیوالی نافرمان۔ علامہ شوکانی نے
فتح القدیر میں اسکو عاتیہ کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے
کہ یہ فرشتگان ہوا کے قابو سے نکل چکی تھی اور
انکی اطاعت نہیں کر رہی تھی، یا یہ قوم عاد کے
اسقدر خلاف چلی کہ وہ قوم اسکو قابو نہ کر سکی
اور ہلاک ہوگئی۔ حافظ ابن جریر نے ابن عباسؓ
کا قول نقل کیا ہے کہ جب کوئی ہوا یا پانی خدا
نے بھیجا ہے تو وہ ایک مقدار سے بھیجا ہے،
بجز قوم نوح اور قوم عاد کے کہ قوم نوح کی ہلاکت
کے وقت پانی قابو سے باہر تھا حتیٰ کہ جہاں کا
جہان اسمیں ڈوب گیا اور بچے وہی جن کو خود
خدا نے بچالیا۔ اور قوم عاد کی ہلاکت کے وقت
ہوا بے قابو تھی یہانتک کہ پوری قوم کو کوڑے
کا ڈھیر بنادیا۔ ثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ: آٹھ دن، ثَامِنٌ
آٹھواں، ثَامِنُهُمْ: ان کا آٹھواں، ثُمُنٌ:
کسی چیز کا آٹھواں حصہ، فَلَهُنَّ الثُّمُنُ:
ان کے لئے آٹھواں حصہ ہے، ثَمَنٌ: قیمت،
معاوضہ، جو بائع مبیع کے عوض میں مشتری
سے وصول کرتا ہے۔

حُسُومًا: فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ
(آیت نمبر ۷) حُسُومًا، حاسِمٌ کی جمع ہے جسکے
معنی قطع کرنے اور استیصال کرنے یعنی
بالکل فنا کردینے والے کے ہیں (معارف)
حَسْمٌ اور حُسُومٌ دونوں کے معنی استیصال
کردینے کے ہیں (تدبر) عرب کے محاورہ
میں جو نحوست قوم کو بیخ و بن سے اکھیڑ
دینے والی ہو اُس کو حُسُوم کہا جاتا ہے۔ یہ
حَسَمَ يَحْسِمُ کا مصدر بھی ہوسکتا ہے جیسا
کہ صاحب تدبر کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے
جسکے معنی ہوتے ہیں جڑ سے کاٹ دینا،
زخم کو مسلسل داغ دینا اور حاسِمٌ اسم
فاعل کی جمع بھی ہوسکتا ہے۔ حضرت
مفتی صاحب نے معارف میں اسی کو اختیار
کیا ہے۔ اس صورت میں اسکے دو ترجمے کئے
گئے ہیں۔ ایک جڑ کاٹنے والے کے دوسرا
لگاتار۔ اس معنی میں یہ داغنے کے تسلسل
کے اعتبار سے استعمال ہوتا ہے۔ علامہ قرطبیؒ
نے اسکے معنی مُتَتَابِعَةً لَا تَفْتُرُ وَلَا
تَنْقَطِعُ کئے ہیں۔

صَرْعَىٰ: صَرْعَىٰ، پچھڑے ہوئے زمین
پر گرے ہوئے۔ یہ صَرِيعٌ کی جمع ہے صَرْعٌ
سے ماخوذ ہے بمعنی زمین پر پچھڑے ہوئے
یہ فَعِيلٌ بمعنی مفعول ہے جمع صَرِيعٌ یعنی
مَوْتَىٰ[1] (قرطبی)

[1] یعنی صَرْعَىٰ صَرِيعٌ کی جمع ہے اور مراد اس سے مُردے ہیں۔

اَعْجَازُ : اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ :
اَعْجَازٌ ، اُصول (قرطبی)
اَعْجَازٌ : جڑ ، تنے ، عَجُزٌ کی جمع ہے جس کے معنی جسم کے پچھلے حصہ کے آتے ہیں اور درخت کا چونکہ پچھلا حصہ جڑ ہی ہے اس اعتبار سے اَعْجَازُ نَخْلٍ کے معنی درختوں کی جڑوں کے ہیں۔ (لغات القرآن) عَجْزٌ کے اصل معنی کسی چیز سے پیچھے رہ جانا یا اس کے ایسے وقت حاصل ہونا کے ہیں کہ اسکا وقت بالکل نکل چکا ہو لیکن عام طور پر یہ لفظ کسی کام کے کرنے سے قاصر رہ جانے پر بولا جاتا ہے۔ اور اَلْقُدْرَةُ اسکی ضد ہے (راغب)

خَاوِيَةٌ : اُفتادہ ، گری ہوئی ، کھوکھلی یہ خَوَاءٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنی گھر کے خالی ہونے گرنے اور ڈھ جانے کے ہیں۔
خوىَ بَطْنُهٗ مِنَ الطَّعَامِ : یعنی اسکا پیٹ طعام سے خالی ہوگیا اور بطور تشبیہ کے اخروٹ کے خالی اور کھوکھلا نکلنے پر عرب کہتے ہیں خَوَتِ الْجَوْزُ : اخروٹ خالی نکلا ، اور دو چیزوں کے درمیان خالی جگہ کو تَخْوِيَةٌ کہتے ہیں۔

بَاقِيَةٌ : فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِنْۢ بَاقِيَةٍ ،
اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ بَاقِيَةٌ ، بَقَاءٌ سے اسم فاعل مؤنث ہے اور یہ صفت ہے محذوف موصوف کی اسکا موصوف بعض نے جماعت کو قرار دیا ہے یعنی جَمَاعَةٌ بَاقِيَةٌ ، یعنی باقی رہنے والی جماعت ، اور بعض نے اسم فاعل کو بمعنی مصدر لیا ہے یعنی بَقَاءٌ کے معنی میں لیا ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ مصدر اسم فاعل کے وزن پر آتا ہے جیسا کہ عَاقِبَةٌ اور عَافِيَةٌ (قرطبی، راغب)

مُؤْتَفِكٰتُ : وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ
مُؤْتَفِكٰت سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کے اُجڑے دیار ہیں جنکو شدید زلزلہ سے اُلٹ دیا گیا تھا۔ مؤتَفِكَةٌ : اُلٹی ہوئی مُؤْتَفِكٰتُ اس کی جمع ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ مُؤْتَفِكٰتُ کے معنی باہم مختلط اور ملے جلے کے ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کو مؤتفکٰت یا تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سب آپس میں ملی جلی بستیاں تھیں ، اور یا اس لئے کہ عذاب آنے کے وقت جب اُن کا تختہ اُلٹا گیا تو سب گڈ مڈ ہوگئیں ، (معارف ، علامہ قرطبی نے بحوالہ تاریخ طبری محمد بن کعب القرظی نقل کیا ہے کہ یہ ہلاک ہونے والی بستیاں پانچ تھیں جن کے یہ نام نقل کئے ہیں۔ صَبْعة ، صعرة ، عمرة دماد اور سدوم۔ دیار لوط کی سب سے بڑی

آبادی سدوم ہی تھی۔

اَلْخَاطِئَةُ : وقال الجرجانیؒ: ای بالخطأ العظیم، فالخاطئۃ مَصْدَرٌ (قرطبی) یہ خَطِئَ یَخْطَأُ سے مصدر بھی ہے اوراسم فاعل مؤنث بھی۔ مصدر کے معنی میں ہو تو اسکا ترجمہ ہوگا گناہ، اور فاعل ہو تو اسکا ترجمہ گناہگار، گناہ کرنے والا ہوگا۔ مصدری معنی زیادہ واضح معلوم ہوتے ہیں، جیساکہ قرطبی کے حوالہ سے علامہ جرجانی کا قول نقل کیا گیا ہے۔

رَسُوْلَ : فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً (آیت نمبر۱۰)

یہاں لفظ رسول کے بارے میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد اللہ کا پیغمبر ہے جس کی نافرمانی ان حضرات نے کی اور ہلاک ہوگئے، بعض نے اس سے مراد حضرت موسیٰ اور لوط علیہما السلام لئے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہاں رسول بمعنی رسالۃٌ کے ہیں یعنی ان کفار نے اپنے رب کے پیغام کی نافرمانی کی اس صورت میں انکی ہلاکت کا باعث خدا کے پیغام کی نافرمانی ہوگا۔ اور رسول کا لفظ رسالۃ کے معنے میں استعمال ہوتا ہے جیساکہ شاعر کا قول

؎ اَلَا اَبْلِغْ اَبَا حَفْصٍ رَسُوْلًا ،

ابو حفص (عمرؓ) کو میرا پیغام پہنچادو، اسکا عام استعمال اس شخص کے لئے ہوتا ہے جو کوئی پیغام لیکر آئے اسلامی اصطلاح میں رسول کا لفظ ان مقدس نفوس کے لئے بولا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو اسکے احکام سناتے ہیں۔ ہم لفظ رسول کی تحقیق پہلے کرچکے ہیں۔

رَابِيَةً : اَخْذَةً رَّابِيَةً مضبوط پکڑنا۔ اس سے مراد وہ پکڑ ہے جس کی مدافعت نہ ہوسکے اور جو انسان کی برداشت سے باہر ہوجائے، رابیہ اصل میں رَبَا سے ماخوذ ہے جسکے معنی بڑھنے اور زائد ہونے کے ہیں ای عَالِيَةً زَائِدَةً عَلَى الاخذات وعلى العذاب الامم (قرطبی)

تَعِيَ : وَ تَعِيَهَا اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ، اور یاد رکھنے والے کان اس کو یاد رکھیں وَاعِيَةٌ بمعنی حَافِظَةٌ کے ہیں یعنی یاد رکھنے والے وَعَيْتُ کذا کے معنی ہیں میں نے اسکو اپنے دل میں یاد کرلیا۔ وَعَيْتُ الْعِلْمَ میں نے علم یاد کرلیا۔ اور وَعَيْتُ مَا قُلْتَ: جو تم نے کہا میں نے اسکو یاد کرلیا ہے۔

علامہ قرطبی نے زجاج کا قول نقل کیا ہے کہ جو چیز اپنے دل میں محفوظ کی جائے اس پر

تو لفظ وَعَيْتُ (مجرد) بولا جاتا ہے جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہے، اور جو چیز دل کے علاوہ کسی دوسری چیز مثلاً برتن وغیرہ میں محفوظ کیجائے تو اس پر باب افعال متعدی اِيْعَاءٌ بولا جاتا ہے کہا جاتا ہے اَوْعَيْتُ الْمَتَاعَ فِي الْوِعَاءِ : میں نے سامان کو برتن میں محفوظ کر دیا (قرطبی)

تَعِيَ ، وَعْيٌ سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے وَعَى يَعِيْ وَعْيًا ضَرَبَ سے استعمال ہوتا ہے اَلْوَعْيُ : حِفظُ القلبِ الشَّئَ (لسان) وَعْيٌ کے معنی ہیں دل کا کسی چیز کو یاد کر لینا۔

وَاعِيَةٌ : یہ وَعْيٌ سے اسم فاعل مؤنث ہے اُذُنٌ وَاعِيَةٌ : یاد کرنیوالے کان، عبرت حاصل کرنے والے۔

دُكَّتَا : فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً : یہ دونوں ایک ہی دفعہ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔ دَكٌّ اسم ہے جس کے معنی نرم اور ہموار زمین کے ہیں وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ، زمین اور پہاڑ دونوں یکبارگی اُٹھالئے جائیں گے اور ایک ہی دفعہ کوٹ کر ہموار کر دیئے جائیں گے

دُكَّتَا : اَيْ فُتِّتَا وَكُسِرَتَا (قرطبی)

دُكَّتَا فعل مجہول ہے اور تثنیہ کی ضمیر اس کے اندر نائب فاعل ہے اور بعد میں آنے والا اسم دَكَّةً منصوب رہے گا، لایجوز فی دَكَّةً الا النصب لارتفاع الضمیر فی دُكَّتَا (قرطبی)

وَاهِيَةٌ : فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ

اور وہ اُس روز بالکل بودا ہوگا (ماجدی)

وَاهِيَةٌ : وَهْيٌ مصدر، باب فتح اور سمع سے اسم فاعل مؤنث ہے کمزور، بوسیدہ پھٹا ہوا۔ فراء کا قول ہے کہ وَهْيُهَا، تَشَقُّقُهَا : آسمان کی بوسیدگی اس کا پھٹنا ہے۔ اس قول کا معنی دو طرح ہو سکتا ہے ایک یہ کہ آسمان کی بوسیدگی سے مراد ہے اسکا پھٹنا جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، دوسرا یہ کہ آسمان بوسیدگی کی وجہ سے ہی پھٹیگا۔ اوّل معنی کو ترجیح حاصل ہے، وَهْيٌ : شگاف وَهْيَةٌ : کپڑے یا چمڑے کی پھٹن، وَهِيَّةٌ (بتشدید الیاء) موتی۔ وَهِيَ (س) اَلشَّئُ : بندش کا ڈھیلا پڑ جانا۔ وَهِيَ السِّقَاءُ (رف) مشک کا پھٹ جانا۔ وَهِيَ الْبِنَاءُ : عمارت یا دیوار وغیرہ کا بوسیدہ ہو جانا۔ کلامٌ واہٍ : بے مقصد کلام۔ وَاهِيَةٌ : ضَعِيْفَةٌ، يُقَالُ وَهَى الْبِنَاءُ يَهِيْ وَهْيًا فَهُوَ وَاهٍ اِذَا

ضَعُفَ جِدًّا (قرطبی)
اَلْوَهْیُ الشَقُّ فِی الشَّیْءِ (لسان)

اَرْجَاءٌ : وَالْمَلَكُ عَلٰی اَرْجَائِهَا، اور فرشتے اس کے کناروں پر ہونگے۔ اَرْجَاءٌ جمع ہے اسکی واحد رَجَا ہے بمعنی کنارا عَلٰی اَرْجَائِهَا : اَیْ عَلٰی اَطْرَافِهَا، یعنی جب آسمان پھٹے گا، تو ملائکہ آسمان کے کونوں میں لگ جائیں گے (قرطبی) معلوم ہوتا ہے کہ آسمان قیامت کے روز پہلے درمیان سے پھٹے گا جیساکہ عموماً بڑے مکانوں کی چھتیں گرتی ہیں۔ رَجَا البِئْر: کنویں کا کنارہ، رَجَا السَّمَاء: آسمان کا کنارہ، جمع اَرْجَاءٌ۔

هَاؤُمُ : هَاؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ، هَاؤُمُ خُذُوْا کے معنی میں ہے جمع کے لئے بولا جاتا ہے (معارف) ابن السکیت اور کسائی کا قول ہے کہ عرب لوگ واحد کیلئے هَاءَ بولتے ہیں، مثلاً هَاءَ يَا رَجُلُ اِقْرَأْ، اور تثنیہ کے لئے هَاؤُمَا يَا رَجُلَانِ اور جمع کے لئے هَاؤُمُ يَا رِجَالُ۔ اور عورت کے لئے ہمزہ کو مکسور کرکے بولتے ہیں یعنی هَاءِ کہا جاتا ہے۔ قتیبی کا کہنا ہے کہ هاؤم اصل میں هَاكُمْ ہے۔ ہمزہ کاف سے تبدیل شدہ ہے۔ بعض اہل لغت کا کہنا ہے کہ هَاؤُمُ کا لفظ خوشی اور فرحت کے ساتھ بلانے والے کے جواب میں بولا جاتا ہے جمع مؤنث کے لئے هَاؤُنَّ بولا جاتا ہے

قُطُوْفٌ : قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ، جنکے میوے جھکے ہوئے ہونگے۔ درخت سے توڑے ہوئے پھل کو قِطْفٌ کہا جاتا ہے اس کی جمع قُطُوْفٌ ہے قَطَفْتُ الثَّمَرَةَ قَطْفًا : پھل توڑنا، قِطَافٌ: پھل توڑنے کا وقت، وَالْقُطُوْفُ جمع قِطْف (بکسر القاف) وَهُوَ مَا يُقْطَفُ مِنَ الثِّمَارِ وَالْقَطْفُ، بالفتح مصدر (قرطبی)

هَنِيْٓـًٔا : كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ : ہر وہ چیز جو بغیر مشقت کے حاصل ہو جائے اور نتائج کے اعتبار سے بھی خوشگوار ہو هَنِيْءٌ کہلاتی ہے هَنِئَ الطَّعَامُ فَهُوَ هَنِيْءٌ کے معنی ہیں طعام خوشگوار ہوا۔ سورۂ نساء میں آیت ۴ کے تحت اس کی مزید وضاحت کی گئی ہے۔

اَسْلَفْتُمْ : اَسْلَفْتُمْ : تم آگے بھیج چکے۔ تم پہلے کر چکے۔ اِسْلَافٌ سے جمع مذکر حاضر ہے۔ اصل مادہ مجرد سَلَفٌ ہے جس کے معنی پہلے گزر جانے والا کے ہیں۔ فَلَهٗ مَا سَلَفَ : جو پہلے گزر گیا وہ اس کا یعنی پہلے گناہ اسلام کی بدولت معاف کر دیئے جائیں گے۔

خَالِيَةٌ : فِی الْاَيَّامِ الْخَالِيَة، گزرے

ہوئے دنوں میں۔ ایام خالیہ سے مراد یہاں دُنیا کے دن ہیں جس میں انسان نے عمل کر کے اخروی سعادتوں کو پالیا۔ خَالِیَۃٌ، خُلُوٌّ سے ماخوذ ہے جس کے معنی گزرنے کے ہیں۔

اُوْتَ : لَمْ اُوْتَ کِتَابِیَہْ : اُوْتَ اصل میں اُوْتِیَ تھا حرف لَمْ کی وجہ سے یَ گر گئی ہے اور کِتَابِیَہْ اصل کِتَابِیَ تھا وقف کی صورت میں آخر میں ھا لگا دیتے ہیں۔ اُوْتَ مجھے دیا گیا جمہور کا قول یہ ہے کہ وصل و وقف دونوں حالتوں میں ھا کو ظاہر کر کے پڑھا جائے گا۔

اَدْرِ : وَلَمْ اَدْرِ مَاحِسَابِیَہْ : اور مجھے خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے۔ یہ بھی اصل میں اَدْرِیْ ہے حرف لَمْ کیوجہ سے حرف علت جو یَ ہے گر گیا ہے اور یہ دِرَایَۃٌ سے واحد متکلم نفی جحد بلم ہے۔ دِرَایَۃٌ کے معنی ہیں کسی چیز کے متعلق جاننا اور معلوم کرنا۔

قَاضِیَۃ : یٰلَیْتَہَا کَانَتِ الْقَاضِیَۃَ : کاش موت ہی خاتمہ کر چکی ہوتی (ماجدی) اَلْقَاضِیَۃَ : اسم فاعل واحد مؤنث اس جگہ عملی قضاء مراد ہے۔ یعنی ختم کر دینے والی، ایسی موت جس کے بعد زندگی نہ ہو کام تمام ہو جائے (لغات القرآن)

غُلُّوْا : خُذُوْہُ فَغُلُّوْہُ : اس کو پکڑو اور اس کی گردن میں طوق ڈالو (تدبر) غَلٌّ، کے معنی ہیں کسی چیز کو اوپر اوڑھنا یا اس کے درمیان میں چلے جانا، اسی سے غَلَلٌ اس پانی کو کہا جاتا ہے جو درمیان سے بہہ رہا ہو اور کبھی ایسے پانی کو غَیْلٌ بھی کہہ دیتے ہیں اور اِنْغَلَّ کے معنی ہیں درختوں کے درمیان میں داخل ہونا۔ لہٰذا غُلٌّ خاصکر اُس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے کسی کے اعضا کو جکڑ کر اسکے وسط میں باندھ دیا جائے۔ اسکی جمع اغلالٌ آتی ہے (مفردات)

صَلُّوْا : ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْہُ : پھر اس کو دوزخ میں داخل کر دو (ماجدی) صَلُّوْا، تَصْلِیَۃٌ مصدر سے جمع مذکر امر حاضر ہے۔ آگ میں داخل کرنا۔ اصل میں صَلْیٌ کے معنی آگ میں جلانے کے آتے ہیں، صَلِیَ بِالنَّارِ: اسنے آگ کی تکلیف برداشت کی یا آگ میں جلا اور صَلِیَ بالنار: اسکو فلاں چیز سے پالا پڑا، یہ ایک محاورہ ہے جو مشکل اور دشوار اُمور میں مبتلا ہونے والے پر بولا جاتا ہے۔ شَاۃٌ مَصْلِیَّۃٌ: بھنی ہوئی بکری۔ صَلّٰی یَدَہٗ: ہاتھ تاپنا۔ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْہُ: ای اجعلوہ یَصْلَی الْجَحِیْمَ (قرطبی) یعنی اسکو دوزخ میں ڈالدو کہ آگ تاپتا رہے،

اُسْلُكُوْا : فَاسْلُكُوْهُ : اسکو جکڑ دو اسکو داخل کردو۔ سُلُوْكٌ سے اَمْرٌ کا صیغہ ہے۔ سُلُوْكٌ کے اصل معنی ہیں راستہ پر چلنا، جیسے کہ سَلَكْتُ الطَّرِيْقَ : یہ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے آیت لِتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا : تاکہ تم زمین کے بڑے بڑے کشادہ راستوں پر چلو لازمی معنی میں ہے اور آیتِ کریمہ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ : تمہیں دوزخ کی راہ پر کس نے ڈالدیا، اسی طرح یہاں صیغہ اُسْلُكُوْا متعدی معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں یہ دوزخ کی راہ پر چلتا رہا ہے اسلئے یہاں بھی اسکو دوزخ ہی کے راستہ پر چلا دو یعنی اسکو دوزخ میں داخل کردو جو دُنیا میں اسکی غلط رَوِش کا نتیجہ ہے۔ سَلَكَ الْمَكَانَ : مکان میں داخل ہونا۔ سَلَكَهُ الْمَكَانَ : مکان میں داخل کرنا۔ اَسْلَكَ الشَّيْءَ فِي الشَّيْءِ : ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنا، اِنْسَلَكَ (انفعال) داخل ہونا

يَحُضُّ : وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ اور نہ یہ غریب آدمی کے کھلانے کی ترغیب دیتا تھا، حَضٌّ : کسی کو کام پر اُبھارنا، برانگیختہ کرنا، ترغیب دینا۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں اَلْحَضُّ : التَّحْرِيْضُ وَالْحَثُّ -

طَعَام : یہاں طعام بمعنی اِطعام کے ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ عطار کا لفظ بمعنی اعطاء کے بولا جاتا ہے۔ ایک شاعر کا قول ہے ؎

اَكُفْرًا بَعْدَ رَدِّ الْمَوْتِ عَنِّيْ
وَبَعْدَ عَطَائِكَ الْمِائَةَ الرِّتَاعَا

یہاں شاعر نے عطار سے اعطاء مراد لیا ہے۔

حَمِيْمٌ : حَمِيْمٌ مخلص اور گہرے دوست کو کہا جاتا ہے (معارف) مقصد یہ ہے کہ ان خدا فراموش لوگوں کا آخرت میں کوئی دوست نہ ہوگا جو ان کو عذاب سے بچالے۔

غِسْلِيْنٌ : غِسْلِيْن ناپاک اور گندی چیزوں کے غُسالہ (دھوون) کو کہتے ہیں (تدبر) غِسْلِيْن بکسر غین وہ پانی ہے جسمیں جہنمیوں کی پیپ وغیرہ دھوئی جاویگی (معارف) ونقل القرطبي عن ابن عباس قال وهو صديد اهل النار السائل من جروحهم وفروجهم غِسْلٌ : اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے سر وغیرہ دھویا جائے جیسا کہ خطمی وغیرہ (قرطبی) قبیلہ بنی اسد کی لغت میں غسلین انتہائی گرم اور اُبلتے ہوئے پانی کو کہتے ہیں (تاج) اور جہنم کے درختوں میں سے ایک درخت کا نام بھی غسلین ہے۔

الْخَاطِئُوْنَ : لَا يَأْكُلُهُ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ جسے کوئی بھی نہ کھائے گا بجز

سخت گنہگاروں کے یہ خَاطِیٌٔ کی جمع ہے، گناہ کا قصد کرنے والا، خَطَأٌ مصدر ہے، گناہ کرنا، خَطِئَ یَخْطَأُ خَطَأً : خطا کرنا، گناہ کرنا

کَاهِنٌ : وَلَا بِقَوْلِ کَاهِنٍ : کاہن وہ شخص ہوتا ہے جو کچھ شیاطین سے خبریں پاکر کچھ نجوم کے اثرات سے معلوم کر کے آنیوالے واقعات میں اٹکل پچو باتیں کرے (معارف) کَاهِنٌ : اسم فاعل واحد مذکر کُہَّانٌ اور کَهَنَةٌ جمع ہے، مصدر کَهَانَةٌ آتا ہے باب فتح اور نصر دونوں سے آتا ہے صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ کہانت فال نکالنا اور کَاهِنٌ فال جاننے والا امام راغبؒ نے مفردات القرآن میں تصریح کی ہے کہ جو شخص اپنے ظن و گمان سے گزری ہوئی باتیں سناتا ہو وہ کاہن ہے، اور جو اپنے ظن سے آئندہ ہونیوالی باتوں کی اطلاع کرے اسکو عرّاف کہتے ہیں، حدیث میں ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مَنْ اَتَی عَرَّافًا اَوْ کَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا قَالَ فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی اَبِی الْقَاسِم : جو شخص عراف اور کاہن کے پاس جاتا اور اسکے قول کو سچ جانتا ہے وہ اس قرآن کا جسکا نزول مجھ پر ہوا انکار کرنے والا ہے، صاحب مجمع البحار نے لکھا ہے کہ کاہن وہ شخص ہے جو معرفت اور اسرار کا مدعی ہو اور آنیوالی باتوں کی اطلاع دے، عرب میں شقّ اور سطیح وغیرہ کاہن تھے جنمیں سے بعض کا دعویٰ تھا کہ کچھ جنات ہمارے تابع ہیں جو ہمکو غیب کی باتیں بتاتے ہیں، بعض لوگ قرائن اور حالات و ماحول کو دیکھ کر رائے قائم کر لیتے تھے اور غیب دانی کے مدعی بن بیٹھتے تھے، کسی کی چوری گمشدہ چیز کا پتہ دیتے تھے ایسے لوگوں کو عراف کہا جاتا ہے (لغات القرآن) الکاهن الذی یتعاطی الخبر عن الکائنات فی مستقبل الزمان ویدّعی معرفة الاسرار (لسان)

تَقَوَّلَ : وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ : حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ تَقَوَّلَ کے معنی بات گھڑنے کے ہیں (معارف) تَقَوَّلَ : اَیْ تَکَلَّفَ وَاَتٰی بِقَوْلٍ مِنْ قِبَلِ نَفْسِهٖ (قرطبی) تَقَوَّلَ : اُسنے بنالیا، اُسنے گڑھ لیا، اُسنے باندھ لیا۔ یہ باب تَفَعُّلٌ کے مصدر تَقَوُّلٌ سے ماضی کا صیغہ ہے۔ تَقَوُّلٌ کے معنی ہیں کسی بات کو دل سے گڑھ کر دوسرے کیطرف سے کہدینا،

اَقَاوِیْلَ : یہ اقوال کی جمع ہے اور اقوالٌ قول کی جمع ہے، اَقَاوِیْل ان اقوال کی جمع آتی ہے جو بے سرو پا ہوں، وَالْاَقْوَالُ الْمُفْتَرَاةُ اقاویل (بیضاوی) تراشیدہ باتیں اقاویل ہیں۔ اَلْاَقَاوِیْلُ : گھڑی ہوئی باتوں کے لئے آتا ہے۔ قول کی جمع اقاویل بروزن اعاجیب

واَضَاحِیْک : اس کی تحقیر اور ذم کے لئے ہے،
قال الرازی سمی الاقوال المُتَقَوّلَۃُ اقاویل تحقیرًا لَهَا کقولك الاعاجیب والاضاحیك (کبیر۔ جمل)

اَلْیَمِیْنُ : لَاَخَذْنَا مِنْہُ بِالْیَمِیْنِ :
یہاں لفظ یمین قوت اور طاقت کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ہماری طرف غلط باتیں منسوب کریں تو ہم ان کو قوی بازو سے پکڑتے،
بالیمین : ای بالقوۃ وَالْقُدْرَۃِ، ای لَاَخَذْنَاہُ بِالْقُوَّۃِ ..... وعُبِّرَ عن اَلْقُوَّۃِ والقُدْرَۃِ بِالْیَمِیْنِ لاَنَّ قُوَّۃَ کُلِّ شَیْءٍ فِی مَیَامِنِہٖ (قرطبی)

اَلْوَتِیْنَ : ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْہُ الْوَتِیْنَ
وَتِیْن قلب سے نکلنے والی وہ رگ ہے جس سے روح جسم انسانی میں پھیلتی ہے اس کے قطع کر دینے سے فوراً موت واقع ہو جاتی ہے (معارف)
وَتِیْن کے معنی شہ رگ، رگِ جان یا رگِ دل کے ہیں (تدبر) وَهُوَ عِرْقٌ یَتَعَلَّقُ بِهٖ القلبُ اِذَا انْقَطَعَ مَاتَ صَاحِبُہٗ (قرطبی)

حَاجِزِیْنَ : فَمَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ عَنْہُ حَاجِزِیْنَ (آیت نمبر ۴۷)
حَجْزٌ کے معنی دو چیزوں کے درمیان حدِ فاصل بنانے کے ہیں۔ محاورہ ہے حَجَزَ بَیْنَهُمَا : ان کے درمیان حدِ فاصل قائم کر دی۔
مذکورہ آیت میں لفظ حَاجِزِیْن جمع اس لئے لایا گیا ہے کہ لفظ اَحَدٌ کی صفت ہے جو معنیٰ جمع ہے جیسا کہ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ میں ہے، والاحَدُ فی معنی الجَمْعِ ۔ فلذالك نَعَتَہٗ بالجمع ای فَمَا منکم قومٌ یَحْجُزُوْنَ عنہ (قرطبی)

شرح الفاظ القرآن من سورۃ المعارج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَعَارِج : مِنَ اللّٰہِ ذِی الْمَعَارِجِ : مَعَارِج کا مفرد مَعْرَجٌ اور معراج ہے جیسے مَفْتَحٌ اور مفتاح ، معراجٌ کی جمع مَعَارِیْجُ آتی ہے جیسے مِفْتَاحٌ کی جمع مَفَاتِیْحُ ۔
اصل میں العُروج کے معنی ہیں اوپر کی جانب چڑھنا ، جیساکہ حدیث میں ہے ثُمَّ عُرِجَ بِیْ پھر مجھے اوپر لیجایا گیا ۔ تَعْرُجُ الْمَلٰئِکَۃُ وَالرُّوحُ الیہ ، جس کی طرف فرشتے اور روح الامین چڑھتے ہیں ۔ مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے معارف میں فرمایا ہے کہ معارج ، معرجٌ کی جمع ہے ۔ عروج سے مشتق ہے جسکے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں ۔ اور مَعْرَج اور معراج اس سیڑھی کو کہا جاتا ہے جسمیں نیچے سے اوپر کے لئے بہت سے درجات ہوتے ہیں ۔ اللہ کی صفت اس آیت میں ذی المعارج اس معنی سے ہے کہ اللہ تعالیٰ درجات عالیہ والا ہے اور یہ درجات اوپر نیچے سات آسمان ہیں ۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ذی المعارج کے معنی ہیں ، ذِی السَّمٰوٰتِ یعنی مالکِ سمٰوٰت

مِقْدَارٌ : مقدارُہٗ ، اس کی مقدار ، اسکا اندازہ ، اسکا حسابی اندازہ ، اسکی جمع مَقَادِیْرُ آتی ہے ۔ مُقَرَّرَہ : اندازہ ، مِقْدَارُ الشَّیْءِ اُس زمانہ یا وقت وغیرہ کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز کے لئے مقرر کیا گیا ہو ۔ اصل مادہ قَدَرٌ اور قَدْرٌ ہے ۔ خُذْ بِقَدْرِ کذا ، اتنی مقدار میں لیلو ۔ قرآن میں ہے وَمَا نُنَزِّلُہٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ، اور ہم ان کو بمقدار مناسب اُتارتے ہیں ،

اَلْمُهْلِ : یَوْمَ تَکُوْنُ السَّمَآءُ کَالْمُهْلِ جس دن کہ آسمان تلچھٹ کیطرح ہوجائیں گے ، لفظ مُهْلٌ ، مختلف معانی میں آتا ہے ، سورۂ کہف میں اس کی وضاحت ہوچکی ہے ، یہاں اس کو عام مفسرین نے تیل اور تیل کی تلچھٹ کے معنی میں لیا ہے ۔ مقصود آسمان کی رنگت کو تیل کی سُرخ سیاہی مائل تلچھٹ سے تشبیہ دینا ہے ۔ والمُهْلُ ۔ دردی الزیت و عَکَرُہٗ فی قول ابن عباس وغیرہ وقال ابن مسعود ما اُذِیْبَ من الرَّصَاصِ

والنحاس والْفِضَّۃِ (قرطبی)

اَلْعِھْنِ : وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِھْنِ: یہاں عِھْنٌ کے معنی اُون کے ہیں اور مراد دُھنی ہوئی اُون ہے جیساکہ سورۃ القارعہ میں ارشاد ہے وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ : پہاڑ دُھنی ہوئی اون کی طرح ہوجائیں گے۔

فَصِيْلَةِ : وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُؤْوِيْهِ : اصل میں فَصْلٌ کے معنی ہیں دو چیزوں میں سے ایک کو دوسری سے اس طرح الگ کر دینا کہ انہیں جدائی ہوجائے اسی سے فَصِيْلَةُ الرَّجُلِ : آدمی کے اقارب اور اعزّہ پر بولا جاتا ہے اور ماں باپ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے چونکہ ان سے بچہ جُدا ہوتا ہے (راغب)

یَوْمُ القیامۃ کو بھی یوم الفصل کہا جاتا ہے کہ اس میں اچھے اور بُرے کے درمیان فیصلہ ہوجائے گا اور حق و باطل جُدا جُدا ہوجائیں گے۔ وفَصِيْلَةُ الرّجل : عشيرة الرّجل ورھطُہُ الاَدنَونَ (لسان)

حضرت عباسؓ کو فصیلۃ النبیؐ کہا جاتا تھا۔

تُؤْوِيْ : تُؤْوِيْ ، یہ باب افعال کے مصدر الایواءُ سے واحد مؤنث غائب ہے جگہ دینا، پناہ دینا، سہارا دینا، آوی الی کذا، کسی کے ساتھ مل جانا اور منضم ہوجانا۔ اٰواہُ ایواءً جگہ دینا۔

لَظٰى : اِنَّهَا لَظٰى ٥ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى : لَظٰی کے معنی شعلہ کے ہیں (تدبر) لظٰی کے معنی خالص شعلہ بغیر آمیزش کے ہیں (معارف)، لَظٰی علم اور اسم مصدر، اور مصدر دوزخ کا نام ہے بغیر دھوئیں کے اُٹھتا ہوا شعلہ، لپٹ، آگ کا بھڑکنا، لَظِيَتِ النَّارُ لظی: آگ مشتعل ہوگئی۔ تَلَظّٰی (تفعّل) اِلْتِظَاءٌ بھی تَلَظّٰی کے معنی میں آتا ہے۔ صاحب جمل نے لکھا ہے کہ لَظٰی کے اصل معنی لَھَبٌ (شعلہ) کے ہیں پھر نقل کرکے اسمائے جہنم میں سے ایک نام بنا دیا گیا ہے اسلئے علمیت اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف رہیگا، اللّظٰی: النّار ولَظٰی ایضًا اسم من اسماء النار معرفۃ لا ینصرف (صحاح)

نَزَّاعَةً : نَزَّاعَۃٌ ، نَزْعٌ سے مبالغہ کا صیغہ ہے سخت کھینچنے والی یعنی اُتارنے والی، اصل مادہ نَزْعٌ ہے کسی چیز کو اسکے اصل مقام سے کھینچ کر الگ کر دینا۔ لفظ نَزَّاعَۃٌ، کو مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھا گیا ہے (قرطبی ص۲۸۶ ج۱۸)

شَوٰى : یہ شَوَاۃٌ کی جمع ہے جیسے نَوٰی نَوَاۃٌ کی جمع ہے جس کے معنی شیر کی کھال کے بھی ہیں۔ اور ہاتھوں پاؤں کی کھال

کے بھی، معنی آیت کے یہ ہیں کہ جہنم کی آگ ایک بھڑکنے والا شعلہ ہوگا جو دماغ کی یا ہاتھ پاؤں کی کھال اُتار دیگا۔
علامہ راغب فرماتے ہیں کہ شَوَاۃ اطراف بدن کو کہا جاتا ہے۔ اور علامہ ابوحیان اُندلسی نے شوٰی کے حسب ذیل معنی نقل کئے ہیں:
شیر کی کھال، انسان کی کھال، حیوان کے پاؤں، ہر عضو کہ جہاں سے قتل نہ کیا جاتا ہو
علامہ قرطبیؒ نے صحاح کے حوالہ سے لکھا ہے کہ والشَّوٰی جمع شَوَاۃٍ وھی جِلْدَۃ الرّاس ۔ والشوی الیدان والرِّجلانِ والرّاس من الادمیّین . کل مالیس مقتلاً (قرطبی)
مطلب یہ کہ شوٰی آدمی کے ان اعضاء پر بھی بولا جاتا ہے کہ جن پر چوٹ وغیرہ لگنے سے آدمی قتل نہیں ہوتا، محاورہ ہے، رَمَاہُ فَاَشْوَاہُ: اس کے تیر مارا تو اسکے اطراف پر لگا یعنی ایسے عضو پر نہیں لگا جس پر لگنے سے آدمی قتل ہو جائے۔ پھر اسی سے غیر اہم معاملہ اور گھٹیا مال اور بے وقعت چیز کو بھی شوٰی کہدیا جاتا ہے۔ والشوی رُذال المال ۔ والشوٰی ۔ ھوالشَّیْءُ الیَسِیْرُ (قرطبی)

ھَلُوْعًا: اِنَّ الانسان خُلِقَ ھَلُوْعًا (آیت نمبر ۱۹) انسان بے ہمت پیدا ہوا ہے۔ اس بدہمتی سے مراد طبعی، جبلّی بدہمتی مراد نہیں بلکہ اسکے اختیاری واکتسابی آثار مادّی مراد ہیں (ماجدی)
ہَلُوْعٌ کے لفظی معنے حریص، بے صبر کم ہمت آدمی کے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا کہ آیت میں ہلوع سے مراد وہ شخص ہے جو مالِ حرام کی حرص میں مبتلا ہو۔ اور حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد بخیل آدمی ہے۔ اور فرمایا کہ تنگ دل بے صبر آدمی مراد ہے اور یہ سب معانی متقارب ہیں (معارف)
وَالھَلَعُ فی اللُّغَۃِ : اَشَدُّ الحِرْصِ وَاَسْوَاُ الجزع واَفْحَشُہٗ (قرطبی)
ھَلِعَ (س) یَھْلَعُ فھوھَلِعٌ وھَلُوْعٌ علی التکثیر، والمعنی انّہ لا یصبر علی خیر ولا شر حتّی یفعل فیھما مالا ینبغی (قرطبی)
ھلوع میں تکثیر کے معنی پائے جاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ خیر اور شر ہر حالت میں واویلا مچاتا رہتا ہے۔ نہ نعمت پر شکر نہ مصیبت پر صبر۔

جَزُوْعًا : اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا: (آیت نمبر ۲۰) یہ جَزَعٌ سے مفعولٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے اسمیں بھی معنی کی کثرت کا مفہوم پایا جاتا ہے مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے حاشیہ تفسیر پر نقل کیا ہے کہ جزع و فزع کرنے میں قدم حدِ اباحت سے آگے بڑھا رہتا ہے۔ گھبراہٹ میں آکر تمام پابندیوں کو توڑ کر واویلا کرنے لگتا ہے۔

اَلْجَزَعُ : بے صبری، غم اندوہ کی وہ حالت جس میں انسان اور سب کام بھول جائے۔ جَزِعَ : وہ گھبرا گیا اُسنے واویلا کیا

مَنُوْعًا : وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا (آیت نمبر ۲۱) امام قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ مَنُوْع وہ ہے کہ جب مال و دولت والا ہو تو اس میں سے اللہ کا حق ادا نہ کرے جو زکوٰۃ وغیرہ مال مخصوص پر واجب ہے۔ مَنُوْعٌ : بڑا روکنے والا، بڑا کنجوس مَنْعٌ مصدر سے مبالغہ ہے۔

اَوْعٰى : وَجَمَعَ فَاَوْعٰى : اور مال کو جمع کیا اور اس کو اُٹھا اٹھا کر دیکھا، اَوْعٰى : اس نے سینت کر رکھا، اُسنے حفاظت سے رکھا۔ اِيْعَاءٌ (افعال) سے ماضی کا صیغہ ہے، اصل مادہ وَعْيٌ ہے۔

مَلُوْمِيْنَ : فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ (آیت نمبر ۳۰) تو ان پر کوئی ملامت نہیں ہے، مَلُوْمِيْنَ : ملامت کئے گئے۔ لَامَ يَلُوْمُ لَوْمًا وَلَوْمَةً سے مفعول ہے۔

رَاعُوْنَ : رَاعُوْنَ، خیال رکھنے والے پاس کرنے والے، نگرانی والے، کئے گئے وعدوں کے پاس بان، نباہنے والے، یہ رِعَايَةٌ سے جسکے معنی نگہداشت رکھنے کے ہیں اسم فاعل ہے اسکا واحد رَاعِيٌ ہے

وَرَآءَ : وَرَاءَ ذَالِكَ، اس کے علاوہ اس کے سوا، اسکے پیچھے، اسکے آگے لفظ وَرَاءَ آگے اور پیچھے دونوں معنوں میں معروف ہے (سورۂ مؤمنون میں اسکی وضاحت کی جاچکی ہے۔

مُهْطِعِيْنَ : اِهْطَاعٌ کے معنی کسی طرف تیزی سے بڑھنے اور لپکنے کے ہیں۔ علامہ قرطبی نے اخفش سے اسکے معنی مُسْرِعِيْن نقل کئے ہیں اور استشہاد میں یہ شعر نقل کیا ہے ؎

بِمَكَّةَ اَهْلُهَا وَلَقَدْ اَرَاهُمْ
اِلَيْهِ مُهْطِعِيْنَ اِلَى السَّمَاعِ

هَطَعَ الرَّجُلُ بِبَصَرِهٖ کے معنی ہیں

اس نے نظر جما کر دیکھا اور بَعِیْرٌ مُهْطِعٌ
وہ اونٹ جو گردن اُٹھا کر چلے۔

عِزِیْنَ: عِزِیْنٌ، یہ عِزَةٌ کی جمع ہے
جس کے معنی جماعت، گروہ اور مَوالی کے
ہیں۔ اس کی جمع حالتِ رفعی میں عِزُوْنَ
اور حالت نصبی اور جری میں عِزِیْنَ آتی ہے
عِزِیْنَ کا لفظ ان جماعتوں پر بولا جاتا ہے
جو متفرق ہوں اور اَلْاِعْتِزَاءُ فِی الْحَرْبِ
کے معنی ہیں حالاتِ جنگ میں اپنا نسب
بیان کرنا، یعنی اَنَا ابْنُ فُلَانٍ اور صاحبُ
فُلَانٍ وغیرہ کہنا۔

بعض اہل لغت کا خیال ہے کہ یہ عَزَا عَزَاءٌ
فَهُوَ عَزٍ سے مشتق ہے جسکے معنی صبر حاصل
کرنے کے ہیں۔ اس اعتبار سے عِزَةٌ اس
جماعت کو کہا جائے گا جس کے افراد ایک
دوسرے سے صبر حاصل کریں۔ اس ہی
سے اہلِ تشیع کی مجالس عزا رہیں۔ گویا
شیعہ لوگ مجلسِ عزا میں قتلِ حسینؓ پر
ایک دوسرے سے صبر حاصل کرتے ہیں
علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ عزین، متفرق
گروہوں اور جماعتوں کو کہتے ہیں، حدیث
میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ
کرام کو الگ الگ حلقوں میں دیکھا اور فرمایا
کہ مَالِیْ اَرَاكُمْ عِزِیْنَ۔ کیا بات ہے کہ میں تمہیں
الگ الگ جماعتوں میں دیکھ رہا ہوں۔

ایک شاعر کا شعر ہے ؎

ترانا عندہٗ واللیلُ داجٍ
علٰی ابوابہٖ حِلَقًا عِزِیْنَا

وواحد عِزِیْنَ: عِزَةٌ، عِزِیْنَ کی واحد
عِزَةٌ ہے (قرطبی) علامہ ابوحیان اندلسیؒ نے
البحر المحیط میں تحریر فرمایا ہے کہ عزین عِزَةٌ کی
جمع ہے اور ابوعبیدہ نے اسکے معنے جماعات
متفرقہ کے کیے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ تین
تین چار چار آدمیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں
کو عِزِیْن کہتے ہیں۔ اصمعی کا قول ہے کہ عرب
کا محاورہ ہے کہ فی الدار عِزُوْنَ اسکے معنی
ہیں، گھر میں مختلف قسم کے لوگ ہیں۔ عِزَةٌ
کا لام کلمہ محذوف ہے لیکن یہ کہ وہ محذوف
کونسا حرف ہے اسمیں اختلاف ہے بعض
نے کہا ہے کہ محذوف واؤ ہے اور اس کی
اصل عِزْوَةٌ ہے، گویا ہر ٹولی اسکی طرف
منسوب ہے۔ عَزَاهُ يَعْزُوْهُ کے معنی ہیں،
ایک چیز کو دوسری طرف منسوب کرنا، فکل
واحد من الجماعات مضافۃ الی الاُخریٰ
والمحذوف منها الواؤ (قرطبی) اور بعض
کہتے ہیں کہ اسکی اصل عِزْهَةٌ ہے واَصْلُهَا

عِزْ هَۃٌ (قرطبی) اور جس طرح سَنَۃٌ ، اور اسکے نظائر کی جمع واؤ نون کے ساتھ آتی ہے اسی طرح عِزَۃٌ کی جمع بھی آتی ہے اور اسمیں تعلیل بھی سَنَۃٌ کی طرح ہوتی ہے، سَنَۃٌ کی اصل سَنْھَۃٌ ہے۔ تو اس اصل کے مطابق عِزَۃ کا لام کلمہ حرف ھا ہو گا۔

اَجۡدَاث : یَوۡمَ یَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ سِرَاعًا (آیت نمبر ۴۳)

اَجۡدَاثٌ جمع ہے اس کی واحد جَدَثٌ آتی ہے بمعنی قبور۔ وَالاجداثُ : القبورُ وَاحِدُھَا جَدَثٌ (قرطبی) سورۂ یٰسٓ میں یہ لفظ گزر چکا ہے۔

نصب : اِلٰی نُصُبٍ یُّوۡفِضُوۡنَ، نُصُبٌ اسم مفرد ہے، اس کی جمع انصابٌ ہے جھنڈا نشان، ابو عمرو نے کہا ہے کہ اس سے مراد شکاری کا جال ہے جس کی طرف شکاری تیزی سے دوڑتا ہے، یہ دوڑ اسوقت ہوتی ہے جب جال میں شکار لگ جائے کہ کہیں پھنسا ہوا شکار نکل نہ جائے۔ مولانا عثمانیؒ نے حاشیہ معارج میں یوں تحریر فرمایا ہے کہ یعنی کسی خاص نشانی اور علامت کی طرف جیسے تیزی سے دوڑتے ہیں اور ایک دوسرے سے پہلے پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، یا انصاب کے بُت مراد ہوں جو کعبہ کے گرد کھڑے کئے ہوئے تھے، انکی طرف بھی بہت عقیدت اور شوق کے ساتھ لپکتے ہوئے جاتے تھے۔

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی فرماتے ہیں کہ نُصُبٌ جمع ہے نَصِیْبٌ کی جسکے ایک معنی گاڑے ہوئے پتھر کے ہیں۔ گاڑے ہوئے پتھر سے مراد وہ پتھر بھی ہو سکتے ہیں جو مشرکین اپنی قربانیاں اور نذریں پیش کرنے کے لئے گاڑتے تھے اور وہ پتھر بھی ہو سکتے ہیں جو دوڑ وغیرہ کے مقابلے کے لئے نشان کے طور پر گاڑ دیتے تھے، ابن عباسؓ مجاہدؒ اور ضحاکؒ اس سے علم مراد لیتے ہیں، جس کو دوڑ لگانے کے لئے ایک نشان کے طور پر گاڑا جائے۔ ابوالعالیہ اور یحییٰ ابن کثیر اس سے غایت (یعنی گول نشان) مراد لیتے ہیں جس کو نشان ٹھہرا کر اسکی طرف مقابلہ کی دوڑ لگائی جائے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک لفظ نُصُب یہاں نشان اور عَلَم ہی کے معنی میں ہے۔ علامہ راغب فرماتے ہیں کہ نَصَبُ الشئِ کے معنی کسی چیز کو کھڑا کرنے یا گاڑ دینے کے ہیں۔ مثلاً نیزے کے گاڑنے اور عمارت یا پتھر کو کھڑا کرنے پر نَصَبٌ کا لفظ بولا جاتا ہے اور نَصِیبٌ اس پتھر کو کہتے ہیں جو کسی مقام پر بطور نشان کے گاڑ دیا جاتا ہے، اس کی جمع نصائب اور نُصُبٌ آتی ہے، جاہلیت

میں عرب جن پتھروں کی پوجا کیا کرتے اور اُن پر بھینٹ چڑھایا کرتے تھے اُنھیں کو نُصُبٌ کہا جاتا تھا۔ چنانچہ آیت کریمہ اِلٰی نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ میں نُصُبٌ سے مراد یہی پتھر ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ سے مراد بھی یہی ہے کہ جو جانور ان تھانوں پر ذبح ہوتے ہیں وہ حرام ہیں۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ وَالنُّصُبُ مَانُصِبَ وعُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔

نُصُبٌ کا لفظ امراض و مشکلات کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ جناب ایوب علیہ السلام کا ارشاد قرآن پاک نے نقل کیا ہے: اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ۔ نحاۃ میں اس کی جمع کے بارے میں اختلاف ہے اخفش اور فرا، کا خیال ہے کہ نُصُبٌ نَصْبٌ کی جمع ہے، جیسے رُهُنٌ جمع ہے رَهْنٌ کی اور انصاب نُصُبٌ کی جمع ہے۔ گویا انصابٌ جمع الجمع ہے۔ اور ایک قول بعض اہل لغت کا یہ ہے کہ نُصُبٌ جمع ہے نِصَابٌ کی اور نصاب وہ پتھر اور بُت ہیں جن پر مشرکین جانور چڑھاتے تھے۔ لسان العرب میں ہے وَالنَّصْبُ وَالنُّصُبُ: کلّ ما عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (لسان و صحاح)

یُوْفِضُوْنَ: اِیْفَاضٌ (افعال) کے معنی اِسْرَاعٌ یعنی تیز چلنے کے ہیں۔ وَالْاِیْفَاضُ: اَلْاِسْرَاعُ (قرطبی) یہ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، آیت میں لازم ہے۔ علامہ راغب فرماتے ہیں کہ اِیْفَاضٌ کی اصل یہ ہے کہ کسی کے وَفْضَةٌ کو اٹھا کر اسقدر تیز چلنا کہ خَشْخَشَۃٌ کی آواز پیدا ہونے لگے اور وَفْضَة کنانۃ یعنی ترکش کو کہتے ہیں اس کی جمع وِفَاضٌ آتی ہے، اور اَوْفَاضٌ اُن جماعتوں کو کہا جاتا ہے جو تیز چلنے والی ہوں۔ چنانچہ ایک محاورہ ہے، لَقِیْتُہٗ عَلٰی اَوْفَاضٍ۔ یعنی میں اسکو جلدی میں ملا۔ اس کی واحد وَفْضٌ آتی ہے، قاموس میں ہے کہ وَفَضَ یَفِضُ (ض)، وَفْضًا بالسکون ف، ووَفَضًا بالتحریک، عَدَا واَسْرَعَ (جمل)

تَرْهَقُ: تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ، رَهَقٌ کے معنی ہیں ایک چیز کا دوسری چیز پر زبردستی چڑھ جانا اور پالینا، چھاجانا۔ اَلرَّهَقُ: الغشیان، ومنہ غلامٌ مُراهِقٌ اذا غشی الاحتلامَ (قرطبی) تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ کا مطلب ہوا کہ ذلت اُن پر زبردستی چھاجائے گی۔

شرح الفاظ القرآن من سورۃ نوح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوح بن لامک نینوی کے رہنے والے ایک قدیم ترین پیغمبر کا نام ہے جن کی عمر ۹۵۰ سال سے زائد ہوتی ہے، یہ سب سے پہلے پیغمبر ہیں جو پوری نسل آدم کے لئے مبعوث ہوئے، اسی لئے جب قوم نے انکار کیا تو طوفان نے پوری زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اوّل رسول اُرْسِلَ نُوح وارسل الی جمیع اھل الارض (قرطبی)

قِلذٰلک لما کفروا اغرق اللہ اھل الارض جمیعًا (قرطبی)

اَجَلٍ : اَجَلٍ مُّسَمًّی : اَجَلٌ مدتِ مقررہ کو کہا جاتا ہے۔موت کا چونکہ وقت مقرر ہوتا ہے اس لئے اس کو اَجَلْ کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع آجالٌ آتی ہے۔عدت کے ایام بھی مقرر اور متعین ہوتے ہیں اس لئے ان پر بھی اجل کا لفظ بولا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے حَتّٰی یَبْلُغَ الْکِتَابُ اَجَلَہٗ وفی اللسان الاَجَلُ غَایَۃُ الوقت فی الموت وحُلُولِ الدَّیْنِ ونحوہ والاجلُ : مدۃُ الشئی،

مُسَمًّی : مُسَمًّی، مقرر کردہ، یہ باب تفعیل کے مصدر تسمیۃٌ سے اسم مفعول ہے اصل مادہ اسمٌ ہے بمعنی نام تسمیۃٌ: نام لینا نام رکھنا۔چونکہ نام رکھنے سے چیز کا تعین ہوتا ہے اس لئے جو وقت فریقین کے درمیان کسی کام کے لئے طے پاجاتا ہے اسکو مُسَمًّی کہتے ہیں۔ یہاں اجلٌ مسمًّی سے مراد وہ وقت ہے جو باری تعالٰے نے بندوں کے خیر و شر کے حق میں طے کردیا ہے، اَیْ معلوم مُعَیَّن عند اللہ لا یزید وَلا یُنْقص (جمل)

فِرَارًا : فِرَارًا، یہ فَرَّ یَفِرُّ کا مصدر ہے بمعنی ڈر کر بھاگنا، ان مشرکین کو جناب نوح علیہ السلام کی دعوت سے خطرہ یہ تھا کہ کہیں اس دعوت و تبلیغ سے ہمارے بتکدے بند نہ ہوجائیں

اَصَابِعَ : اَصَابِعَ جمع ہے اِصْبُعٌ کی بمعنی انگلیاں۔

جِھَارًا : یہ جَاھَرَ یُجَاھِرُ کا مصدر ہے

پکارنا، آواز بلند کرنا، علی الاعلان کھلم کھلا برملا کہنا۔

اَلسَّمَآءُ : یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا، یہاں سماءٌ سے مراد بارش ہے،

مِدْرَارًا : مِدْرَارًا کے معنی کثیرالدر یعنی خوب برسنے والا کے ہیں۔ مِدْرَارٌ مبالغہ کا صیغہ ہے اسکا مصدر دَرٌّ آتا ہے اور دَرٌّ کا لفظ ہر خوبی کے لئے استعمال ہوتا ہے دودھ کی کثرت پر بھی دَرٌّ کا لفظ بولا جاتا ہے دِرَّۃٌ اسم مصدر ہے بمعنی روانی بارش وغیرہ فاعل دَارٌّ آتا ہے۔ دَرَّتِ النَّاقَۃُ اونٹنی نے بہت دودھ دیا۔ یہ مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے وَمِدْرَارٌ ذاغیث کثیر (قرطبی)

تَرْجُوْنَ : مَالَکُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا، تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کے قائل نہیں (ماجدی)

تَرْجُوْنَ کے معنی یہاں منتظر اور متوقع رہنے کے ہیں (تدبر) تَرْجُوْنَ رَجَاءٌ سے مذکر حاضر کا صیغہ ہے، اُمید کرنا، تَرْجُوْن: تم اُمید رکھتے ہو۔ لَا تَرْجُوْنَ: تم اُمید نہیں رکھتے۔ وَقَارٌ: وقار کے معنی عظمت شان اور جلال کے ہیں (تدبر)

وَالْوَقَارُ۔ اَلْعَظَمَۃُ۔ وَالتَّوْقِیْرُ: التَّعْظِیْمُ (قرطبی) ابن عباس، مجاہد، کلبی وغیرہ نے وقار کا ترجمہ اس آیت میں عظمت ہی کیا ہے۔ اور یہ توقیرٌ سے اسم ہے (یعنی) مطلب یہ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ تمکو اللہ تعالے سے عزت کی اُمید نہیں ہے۔ اور ان بُتوں سے مانگتے ہو۔

اَطْوَارًا : طرح طرح، طَوْرٌ کی جمع ہے جسکے معنی ہیں حد اور اندازہ، اطوار کے معنی طرح طرح کی شکل وصورت کے بھی ہوسکتے ہیں اور یہ بھی کہ انسان کے ماں کے پیٹ میں جو طرح طرح کے رنگ بدلے ہیں۔ یعنی نطفہ، علقہ، مضغہ، پھر جیتا جاگتا انسان اور پھر پیدائش سے لے کر موت تک آدمی جتنے ادوار اور اطوار سے گزرتا ہے (لغات القرآن)

وقال القرطبی: اَلطَّوْرُ فِی اللُّغَۃِ: اَلْمَرَّۃُ (قرطبی) یعنی طور کا لفظ لغت میں مرۃ کے معنی میں آتا ہے تو اطوار اسکی جمع ہے بمعنی مِرَارًا یعنی بار بار۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بار بار پیدا کیا، پہلے نطفہ پھر علقہ، پھر مضغہ اور پھر ان اطوار کے بعد جیتا جاگتا انسان بنادیا۔ اور بعض اہل تفسیر

نے اطوار کے معنی انواع کے لئے ہیں، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ خدا نے تمکو مختلف انواع واقسام میں پیدا کیا ہے، صحیحاً، سقیماً، بصیر اور ضریر، اسی طرح امیر اور غریب اور اخلاق وافعال کا اختلاف بھی اس کے تحت داخل ہے۔

طِبَاقًا: سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا، طِبَاقًا یعنی تہ بہ تہ، اس لفظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ کپڑے کی تہوں کی طرح آسمان کی بھی سات تہیں ہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ الگ الگ ایک سے ایک بلند سات عالم ہیں اور ان کے الگ الگ سات آسمان ہیں (تدبر) ومعنی طِبَاقًا بَعْضُهَا فَوْقَ بعضٍ (قرطبی)۔ یہ دراصل باب مفاعلہ کا مصدر ہے اسکا فعل طَابَقَ، یُطَابِقُ آتا ہے، مُطَابَقَۃٌ اسماءِ متضائفہ میں سے ہے، اس کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسری چیز کے اوپر اس کے انداز کے مطابق رکھدینا، کسی کے قدم بہ قدم چلنے کے لئے بولا جاتا ہے، طَابَقْتُ النَّعْلَ: میں نے ایک جوتے کو دوسرے کے مطابق کردیا، پھر اسی محاورہ سے طباق کا استعمال کبھی تو اس شئے کے لئے ہوتا ہے جو دوسرے کے اوپر اور کبھی اس شئے کے لئے جو دوسری شئے کے مطابق اور موافق ہو، امام ابوجعفر بیہقی تاج المصادر میں لکھتے ہیں کہ یہ باب ایک شی کے دوسری شی پر اس طرح پھیلا کر رکھنے پر دلالت کرتا ہے، کہ یہ اس کو ڈھانپ لے۔

بِسَاطًا: فرش، بچھونا، بستر، ہر پھیلی ہوئی چیز کو بساط کہتے ہیں، چنانچہ وسیع زمین کا نام بھی بِسَاط ہے، بِسَاط ہر پھیلی ہوئی چیز کے لئے بطور اسم کے استعمال ہوتا ہے یہ مصدر بمعنی اسم مفعول ہے أَیْ مَبْسُوطَۃٌ (قرطبی)

تَسْلُکُوْا: لِتَسْلُکُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا، تاکہ تم اسکے کھلے راستوں میں چلو (ماجدی) تَسْلُکُوْا، سُلُوْکٌ سے مضارع کا صیغہ جمع مذکر ہے سلوک کے معنی راستے پر چلنے کے ہیں، جیسے سَلَکْتُ الطَّرِیْقَ میں راستہ پر چلا،

سُبُلًا: سُبُلًا، جمع ہے سَبِیْلٌ کی راستہ، السُّبُلُ الطُّرُقُ، (قرطبی)

فِجَاجًا: فجاج اصل میں جمع ہے فَجٌّ کی، دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ راستہ، وَالفِجَاجُ جمع فجٍّ وھو الطریق الواسعہ، قالہ الفراء وقیل الفجُّ: المسلک بین الجبلین (قرطبی) یہ لفظ عام راستوں کے لئے نہیں بلکہ پہاڑی دروں اور راستوں کے لئے آتا ہے (تدبر)

الفَجُّ: الطریق الواسع بین الجبلین (لسان)

کُبَّارًا: وَمَکَرُوْا مَکْرًا کُبَّارًا: اور انہوں نے بڑے بڑے مکر کر ڈالے (ماجدی) کُبَّارٌ مبالغہ ہے

کبیر کا، علامہ قرطبی کا قول ہے کہ کَبِیْرٌ، کُبَارٌ بالتخفیف اور کُبَّار بالتشدید تینوں کے ایک ہی معنی ہیں، جیسے کہ عَجِیْبٌ عُجَابٌ اور عُجَّابٌ، اسی طرح طویلٌ، طُوَالٌ اور طُوَّالٌ ہے لیکن مبرد کا قول ہے کہ کُبَّارٌ مبالغہ کے لئے ہے، آیت میں مبالغہ کے معنی میں ہی استعمال ہوا ہے۔

تحقیق بُتانِ قومِ نوح علیہ السّلام

وَدًّا: (۱) وَدًّا (۲) سُوَاعٌ (۳) یَغُوْثُ (۴) یَعُوْقُ (۵) نَسْرًا،

حضرت آدم علیہ السلام کے ایک عرصہ بعد انکی اولاد میں بت پرستی کا رواج ہوا اور مشرکین نے مختلف اشخاص افراد اور فوت شدہ بندگانِ خدا کی صورتیں بنا کر پوجنا شروع کردیں اور انہی صورتوں اور خود ساختہ بتوں کو مشرکین نے خدا کا اوتار تصور کرلیا اور صفاتِ الٰہیہ کو ان بتوں میں تسلیم کیا، حتیٰ کہ ان بتوں کے مجاوروں نے لوگوں میں یہ پیدا کیا کہ یہ بت ہمارے تمام حالات سے واقف اور آگاہ ہیں اور ہماری مشکل دور کرنے پر پوری طرح قادر ہیں، ان بتوں میں سے مذکورہ پانچ بت زیادہ پُجتے تھے اور مشرکین من حیث المجموع انکی عظمت کے قائل تھے، جناب نوح علیہ السلام کے طوفان میں یہ تمام بت ختم ہوگئے (اور انہیں سے کسی ایک کی بھی مشکل کشائی قوم کے کام نہ آئی، یہ خود غرقِ آب ہوگئے) اور ان کو ماننے والے بھی غرقِ آب ہوئے، کچھ بعید نہیں کہ جو لوگ طوفانِ نوحؑ سے بچ گئے ہوں انکی زبانی اہلِ عرب نے اور بعد کے لوگوں نے ان بتوں کا نام سنا ہو اور دوبارہ انکی تصاویر بناکر رکھ لی ہوں، بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آغازِ اسلام میں جگہ جگہ انکے مندر بنے ہوئے تھے، علامہ قرطبی نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ کچھ بت اور صورتیں تھیں جنکو حضرت نوحؑ کی قوم نے پوجا اور بعد میں اہلِ عرب نے بھی انکی عبادت کی یہ قول جمہور کا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ بت صرف اہلِ عرب میں پوجے گئے ہیں غیر عرب میں انکا رواج نہ تھا اور یہ پانچ بت عرب میں عظیم بتوں میں شمار ہوتے تھے اور انکی عظمتوں کے وہ بیحد قائل تھے۔

وَدًّا: یہ ان پانچوں میں سب سے زیادہ عزیز تھا، محمد بن کعب کا ایک قول علامہ قرطبیؒ نے نقل کیا ہے کہ یہ پانچوں جناب آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے، وَکَانُوْا عُبَّادًا، اور یہ بڑے عابد تھے جب وَدًّا کا انتقال ہوگیا تو انکے چھوٹے بھائیوں کو بڑا صدمہ ہوا، انکی اس اضطراری کیفیت کو دیکھ کر شیطان نے انسانی شکل میں ظاہر ہوکر انکی دلداری کی اور کہا کہ اگر آپ لوگ پسند کریں تو اسکی شبیہہ بنا دیتا ہوں جس کو دیکھ کر آپ اس کی یاد تازہ

کریں، پھر اس کے بعد ہر بھائی کے مرنے پر شیطان نے ایک تصویر بنادی اور ان سب کے فوت ہوجانے کے بعد لوگوں کے دلوں میں یہ تصور قائم کیا کہ تمہارے آباء و اجداد تو ان کی بندگی کرتے تھے اور تم ان کی طرف سے غافل ہو، چنانچہ یہاں سے ان صالحین کے بتوں کو پوجا جانے لگا،

علامہ قرطبی نے نقل کیا ہے کہ طوفان نوحؑ میں یہ بت پانی کی وجہ سے کیچڑ اور مٹی میں دفن ہوگئے تھے، یہانتک کہ ایک عرصہ دراز کے بعد شیطان نے عرب مشرکوں کے لئے دوبارہ ان کو نکالا۔ ماوردی کہتے ہیں کہ وَدٌّ، دنیا میں سب سے پہلا بت ہے جو پوجا گیا، یہ بت دومۃ الجندل میں نصب کیا گیا تھا، اس کے پجاری قبیلہ بنو قضاعۃ کی شاخ بنو کلب بن وَبْرَہ کے لوگ تھے، وَدٌّ کے معنی محبت کے ہیں اس بت کو وَدٌّ ایک تو اسلئے کہا جاتا تھا کہ یہ لوگ اس سے محبت کرتے تھے، کلبی کا بیان ہے کہ اسکا بت نہایت عظیم الجثہ مرد کی شکل میں بنا ہوا تھا اور قریش کے لوگ بھی اسکو معبود تسلیم کرتے تھے، تاریخ میں ایک شخص کا نام بھی اس بت کے نام پر عبدوَدٌّ ملتا ہے، مولانا عبدالحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ بت محبت اور خواہش کا بت تھا، اس معنی کو ظاہر کرنیکے لئے اس کو مرد کی صورت میں ڈھالا تھا، اور تمام کائنات کا باعثِ ایجاد اسی کو جانتے تھے، کہ حق تعالیٰ کو خواہش ہوئی کہ وہ ظاہر ہو اسلئے اُسنے دُنیا بنائی، اور مرد کی صورت اسلئے بنائی کہ مرد کے دل میں عورت کی محبت اور رغبت ہوتی ہے ہندو اس مظہر کو برہما کہتے ہیں (حقانی)

سُوَاعٌ: سُوَاعٌ، یہ قبیلہ ہذیل کا متشکل کشا تھا، اسکا بت عورت کی شکل میں بنایا گیا تھا، ینبوع کے قریب رُہاط کے مقام پر اسکا مندر تھا جو ساحل سمندر پر واقع ہے، سُوَاع کے معنی قائم کرنے اور ٹھہرنے کے ہیں، شرع میں اس صفت کو قیومیت کہتے ہیں، یہی صفت بقائے عالم کا باعث ہے اس معنی کر عورت کی شکل میں متشکل کیا تھا اسلئے کہ خانہ داری اور اُمورِ خانگی میں عورت کی ذات سے وابستہ ہوتا ہے، ہندو اس صفت کو بشن سے تعبیر کرتے ہیں جسکو ایک شکل دے رکھی ہے،

یَغُوْثُ: یَغُوث، یہ قبیلہ طے کی شاخ اَنْعُم اور قبیلہ مَذْحِج کی بعض شاخوں کا بت تھا، مذحج والوں نے یمن اور حجاز کے درمیان جرش کے مقام پر اسکا بت نصب کیا ہوا تھا، مولانا عبدالحق حقانی فرماتے ہیں کہ اسکا بت گھوڑے کی شکل میں متشکل کیا ہوا تھا اسلئے کہ گھوڑا جلد دوڑکر آتا ہے، اس لحاظ سے یہ اپنے پوجنے والوں کی مدد کو جلد دوڑ کر آتا ہے

اہلِ ہند اسکا مظہر اندر دیوتا کو بتاتے ہیں۔

یَعُوْقَ: یعوق، اسکا بُت یمن کے علاقہ ہمدان میں قبیلہ ہمدان کی شاخ خیوان کا معبود تھا، یَعُوْق، عَوْقٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنی روکنے اور دفع کرنے کے ہیں، اس کی شکل شیر کی تھی، یہ دراصل مصائب و اعدار کو دفع کرنے کی صفت کا مظہر بنایا گیا تھا اسلئے اسکو شیر کی شکل میں ڈھالا گیا تھا کہ بت شیر کی طرح اپنے پوجنے والوں پر آنیوالے مصائب اور حملہ آور اعدار کو دبوچ لیتا کر اہلِ ہند اس صفت کا مظہر شیو بتاتے ہیں۔

نَسْرًا: نَسْر، یہ حمیر کے علاقہ میں قبیلہ حمیر کی شاخ آل ذوالکلاع کا معبود تھا اور بلخ کے مقام پر اسکا بُت نصب تھا جسکی شکل گدھ کی تھی، سبا کے قدیم کتبوں میں اس کا نام نسور لکھا ہوا ملتا ہے، اسکے مندر کو بیت نسور اور مجاوروں کو اہلِ نسور کہتے ہیں، قدیم مندروں کے جو آثار عرب اور اسکے متصل علاقوں میں پائے جاتے ہیں ان میں سے بہت سے مندروں کے دروازوں پر گدھ کی تصویریں ہوتی ہیں، یہ بت صفتِ سرمدیت کا مظہر تھا اسکو بشکل گدھ اسلئے بنایا گیا تھا کہ گدھ طویل العمر ہوتی ہے ان بتوں کے علاوہ اہلِ عرب کے اور بھی کچھ بت تھے جن کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا، مثلاً لات، بنی ثقیف اور عُزّٰی بنی سلیم اور بنی غطفان، اور مناۃ اہلِ قدید وغیرہ کا، اسکے علاوہ اساف، نائلہ اور ہُبل اہلِ مکہ کے بت تھے، جنگ کے وقت قریش ہبل کی جے پکارتے تھے جیسا کہ جنگ اُحد میں ابوسفیان نے اُعلُ ہبل کا نعرہ لگایا تھا اور اسکے جواب میں مسلمانوں کی طرف سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اللّٰہ اعلیٰ واَعظم کا نعرہ بلند کیا،

علامہ واقدی نے لکھا ہے کہ کان ودّ علیٰ صورۃ رجل وسواع علیٰ صورۃ امرأۃ ویغوث علیٰ صورۃ اسد و یعوق علیٰ صورۃ فرس ونسر علیٰ صورۃ نسر من الطیر (قرطبی)

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں کہ نسر دُور بینی اور حدتِ نظر کا بت تھا (تفسیر ماجدی)

دَیَّارًا: لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا

دَیَّارٌ: بسنے والا، رہنے والا، دَارٌ سے یا دَوْرٌ سے جسکے معنے گھومنے کے ہیں، فَیْعَالٌ کے وزن پر ہے، فَعَّالٌ کے وزن پر نہیں ورنہ دَوَّارٌ ہوتا جیسے قَوَّالٌ اور جَوَّارٌ ہے اس کی اصل دَیْوَارٌ ہے، فَیْعَالٌ کے وزن پر اور ماضی مضارع دَارَ یَدُوْرُ دَوْرًا ہے، واؤ کو یاء میں تبدیل کرکے ایک کو دوسری میں ادغام کیا گیا ہے۔

قتبیؒ نے اس کی اصل داژٌ قرار دی ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ لَاتَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ، نَازِلَ بِالدَّارِ ایک محاورہ ہے، عرب کہتے ہیں مَا بِالدَّارِ دَيَّارٌ ، یعنی گھر میں کوئی نہیں ہے۔

تَبَارًا: تبارًا، تَبَرٌ کے معنی توڑ دینے اور ہلاک کر دینے کے ہیں، تَبَّرَهٗ و تَبَّرَاهُ اس نے اسے ہلاک کر ڈالا، اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ ۔ وَالتَّبَارُ: الهَلَاكُ (قرطبی) تَبَرَ نَصَرَ ضَرَبَ سَمِعَ تفعیل چاروں ابواب سے آتا ہے، اضافت کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے، جیسے تَبَّرَهٗ: اسنے اسے ہلاک کر دیا، یہ فَعَالٌ کے وزن پر مصدر ہے باب فَعِلَ سے فَعَالٌ ، بالفتح، کے وزن پر مصادر کثرت کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں، تَبِرَ الشَّيْءُ يَتْبَرُ (سمع) تَبَارًا ، کسی چیز کا ہلاک ہونا (لسان)، ابنِ فارس کا کہنا ہے کہ اس مادہ کا اطلاق دو مختلف معنوں میں ہوتا ہے، ایک ہلاکت جیساکہ تَبَّرَ الشَّيْءَ : کسی چیز کو ہلاک کرنا، توڑنا ، المُتَبَّرُ: ہلاک شدہ چیز اور آیتِ کریمہ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ، اسی مفہوم سے ماخوذ ہے۔

دوسرا اطلاق اسکا معدنیات پر ہوتا ہے چنانچہ التِّبْرُ: سونے کے اس ڈلے کو کہتے ہیں جو ابھی تک ڈھالا نہ گیا ہو، اور جب ڈھال کر اسکا سکہ بنالیا جائے تو اسوقت اسکو عین کہا جاتا ہے (صحاح)

شرح الفاظ القرآن من سورة الجن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَفَرٌ : اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ : جنات کی ایک جماعت نے قرآن سُنا، نفر کا لفظ تین سے دس تک کے عدد کے لئے بولا جاتا ہے (معارف) یہ جماعت نو افراد پر مشتمل تھی، اور رہتے نصیبین میں تھے، نَفَرٌ در اصل اسم جمع ہے متعدد افراد پر مشتمل جماعت پر بولا جاتا ہے۔ جنات کی یہ جماعت وہ ہے جس نے اس وقت قرآن پاک سُنا جب طائف سے واپسی پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مقام نخلہ میں صبح کی نماز ادا فرمائی۔

الجِنُّ : جن مخلوقاتِ الٰہیہ میں سے ایک ایسی مخلوق کا نام ہے جو اجسام بھی ہیں، ذی روح بھی اور انسان کی طرح عقل و شعور والے بھی، مگر لوگوں کی نظروں سے مخفی ہیں اسی لئے ان کا نام جن رکھا گیا کہ جنّ کے لفظی معنی مخفی کے ہیں، ان کی تخلیق کا غالب مادہ آگ ہے جیسے انسان کی تخلیق کا غالب مادہ مٹی ہے۔ اس نوع میں انسان کی طرح نر و مادہ یعنی مرد اور عورت ہیں اور انسان ہی کی طرح ان میں توالد و تناسل کا سلسلہ بھی ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ قرآن میں جن کو شیاطین کہا گیا ہے، وہ بھی جنات ہی میں سے شریر لوگوں کا نام ہے، جنات اور فرشتوں کا وجود قرآن و سُنت کے قطعی دلائل سے ثابت ہے جس کا انکار کفر ہے (معارف بحوالہ مظہری) علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ جنّ کی اصل میں اہل علم کا اختلاف ہے، اسمٰعیل نے حسن بصریؒ سے روایت کیا ہے کہ جنّ ابلیس کی اولاد ہیں، اور انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور ان دونوں میں مسلمان بھی ہیں اور کافر بھی ہیں کافر جنات شیاطین اور جو مؤمن ہیں وہ ولی اللہ ہیں، ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اِنَّ الْجِنَّ هُمْ وُلْدُ الْجَانِّ وَلَيْسُوْا بِشَيَاطِيْنَ : کہ جنّ جان کی اولاد ہیں، یہ شیاطین کی اولاد نہیں ہیں، انہیں مؤمن اور کافر دونوں قسموں کے لوگ پائے جاتے ہیں اور شیاطین، ابلیس کی اولاد ہیں اور قرب قیامت میں ابلیس کے ساتھ ہی مریں گے تمام ارباب مذاہب کے نزدیک جو کسی آسمانی مذہب کے

قائل ہیں، جن کا وجود مُسلَّم ہے لیکن بعض دانش
فروشوں نے انکے ماننے سے انکار کر دیا ہے
جبکہ عقلاً اس کا انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے
اور نقل انکے ثبوت میں متواتر ہے، ان منکرین
کے انکار کی وجہ یہ بھی نہیں ہے کہ جنات کے عدم
پر انکے پاس کوئی قطعی عقلی دلائل موجود ہیں،
بلکہ صرف اس لئے کہ ان کو مادی آنکھوں سے
دیکھتے نہیں ہیں، قدیم فلاسفہ اور حکماء نے
جنات کے وجود کا انکار کیا ہے، انکا نظریہ یہ ہے
کہ اللہ تعالیٰ کی جملہ مخلوقات کا کارخانہ محسوسات
میں محصور ہے، کوئی چیز غیر محسوس نہیں ہے،
جس چیز کو حواس خمسہ ادراک نہیں کر سکتے وہ انکے
نزدیک محض خیالی چیز ہے، خارج میں اس کا وجود
نہیں ہے۔

یورپ کے فلاسفہ نے بھی جنات کے وجود کا انکار
کیا ہے، اور ان سے متأثر ہو کر بعض مسلمان بھی
انکار کرنے لگے اور قرآن پاک کی ان آیات کی
نہایت باطل تاویل کرنے لگے جس میں جنات کا
ذکر کیا گیا ہے اس کا نام انھوں نے تفسیر دانی اور
قرآن فہمی رکھا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی
چیز کا انسان کو نظر نہ آنا اور حواس خمسہ کے
ادراک سے بلند تر ہونا اس کی نفی اور عدم وجود
کی دلیل نہیں بن سکتی جبکہ ہزاروں افراد سے
ان کا دیکھنا بھی مذکور ہے، اور قرآن مجید اور
احادیث متواترہ کے نصوص جب صراحت
کے ساتھ جن کے وجود کو ثابت کر رہے ہیں، اور
بہت سی روایات میں جنّات کو دیکھنے کا ذکر
بھی موجود ہے، ان آیاتِ قطعیہ اور احادیث
متواترہ کے پیشِ نظر کسی مسلمان کو مجالِ انکار
نہیں، اس لئے حضرت مفتی صاحب نے
جنّات کے منکرین کو کافر لکھا ہے، حافظ الحدیث
قاضی بدر الدین شبلی حنفی المتوفی ۷۶۹ھ نے
کتاب احکام المرجان فی احکام الجان میں جنات
کے وجود پر تفصیلی بحث کی ہے، اسی طرح شاہ
عبد العزیز صاحب اور مولانا عبد الحق صاحب
حقانی نے اپنی تفاسیر میں اس مقام پر تفصیلاً
بحث فرمائی، اہلِ علم اور اصحابِ تحقیق ان کتب
کی طرف رجوع فرمائیں،

جَدُّ : وَاَنَّهٗ تَعَالٰى جَدُّ رَبِّنَا، اور
ہمارے پروردگار کی شان بڑی ہے (ماجدی)
جَدُّ کے معنی شان کے ہیں، حق تعالیٰ کے لئے
بولا جاتا ہے۔ تعالیٰ جَدُّہٗ یعنی بلند و بالا ہے،
اُس کی شان (معارف)

جَدُّ کے معنی عظمت، شان اور رُتبہ کے ہیں
یعنی اس کی ذات اتنی بلند ہے کہ کوئی چیز
اس کی شریک وسہیم اور اسکے ہم مرتبہ

نہیں ہوسکتی، وہ اپنی ذات میں بالکل بے نیاز اور ہر چیز سے مستغنی ہے، کسی کا یہ درجہ نہیں کہ اسکا کفو اور ہمسر ہو سکے (تدبر)

وَالْجَدُّ فِی اللُّغَۃِ : اَلْعَظَمَۃُ وَالْجَلَالُ ومنہ قول انسؓ، کان رجلٌ اذا حفظ البقرۃ وآل عمران جَدَّ فی عُیُوْنِنَا، ای عظم وجلّ (قرطبی) یعنی جَدّ کے معنی لغت میں عظمت اور جلال کے آتے ہیں، اس معنی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب کوئی آدمی سورۂ بقرہ اور آلِ عمران حفظ کرلیتا تو وہ ہماری نگاہوں میں بڑا باعظمت قرار پاتا، دادا کو بھی جَدٌّ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ باپ کا باپ ہونیکی وجہ سے پوتوں کے لئے باعظمت ہوتا ہے اور عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے قابلِ احترام بھی،

سَفِیْہُ : وَاَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ سَفِیْہُنَا عَلَی اللّٰہِ شَطَطًا : اور ہم میں جو احمق ہوتے ہیں وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے ہیں (ماجدی)

سَفِیْہ کے معنی بیوقوف کے ہیں، یہاں یہ لفظ جنوں نے اپنے سردار کے لئے استعمال کیا ہے اس لئے کہ قرآن سُن لینے کے بعد اپنے سردار کی سفاہت ان پر واضح ہوگئی (تدبر)

سَفِیْہُ کا لفظ ایک فرد کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور ایک جماعت کے لئے بھی، اگر ایک فرد مراد ہو تو اس سے مراد ابلیس ہوگا، جیساکہ مجاہد، قتادہ اور ابن جریج کا قول ہے اور اگر جماعت مراد ہو تو جنّات کے سردارانِ قوم مراد ہونگے، مطلب یہ ہوگا کہ ہم میں سے بہت سے احمق لوگ یہ باتیں کہتے تھے،

شَطَطٌ : شَطَطٌ کے معنی قول بعید از عقل اور ظلم وجور کے آتے ہیں (معارف)

شَطَطٌ کا لفظ کذب پر بھی بولا جاتا ہے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ شَطَطٌ کے معنی بُعد کے آتے ہیں، تو جَوْرٌ کو شَطَطٌ سے اسلئے تعبیر کرتے ہیں کہ وہ عدل سے دُور ہوتا ہے اور کذب کو شَطَطٌ سے اسلئے تعبیر کرتے ہیں کہ یہ حق سے دُور ہوتا ہے، شِطَاطٌ : بُعد دُوری، شَطَّتْ دَارُہٗ : اسکا مکان دُور ہے وکلُّ بعید شاطٌّ ہر بعید چیز کو شَاطٌّ کہا جاتا ہے،

رَھَقًا : فَزَادُوْھُمْ رَھَقًا : رَھَقٌ کے اصل معنی کسی پر اسکی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنے کے ہیں، یہیں سے اسکا استعمال زیادتی گناہ اور تعدّی کے معنی میں وسیع ہوگیا (تدبر)

مولانا نعمانی دامت برکاتہم نے لغات القرآن میں تحریر فرمایا ہے کہ اصل میں اسکے معنی ایک شئ کے دوسری شئ پر زبردستی چھا جانے کے ہیں، اور

چونکہ اسکا لازمی نتیجہ ہے تباہی، اسلئے تباہ ہونیکے معنے میں اسکا استعمال ہونے لگا ہے، مبرد نے تصریح کی ہے کہ جب کسی شخص کے متعلق کہا جائے کہ فیہ رَھَقٌ تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسمیں عقل کی کمی ہے جسکی بنا پر وہ شر میں کھڑا ہوا ہے اور برائی ہر طرف سے اسپر چھا رہی ہے،

والرَّھَقُ : الاثمُ فی کلام العرب وغشیانُ المحارم (قرطبی) رَجُلٌ رَھِقٌ، گنہگار آدمی

والرَّھَقُ فی الاصل غشیان الشئ (حقانی)

حَرَسًا : فَوَجَدْنٰھَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّشُھُبًا، حَرَسٌ، حَارِسٌ کی جمع ہے، چوکیدار مراد ملائکۃ اللہ ہیں، وَالْحَرَسُ جمعُ حارسٍ (قرطبی) حَرَسَ یَحْرِسُ : حفاظت کرنا، نگہداشت کرنا، الاحتراس، احترس الشئ : رات کو چوری کی، حَرْسٌ : زمانہ لمبا وقت، مضٰی علیہ الحَرْسُ : اس پر ایک زمانہ گزر گیا۔

شُھُبًا : شُھُبًا جمع شِھَابٌ، وھو انقضاض الکواکب المحرقۃ لھم عن استراق السمع (قرطبی)

شُھُبٌ، شِھَابٌ کی جمع ہے اور وہ جلا دینے والے ستارے ہیں جو جنات کو آسمانی باتیں سننے سے رد کتے ہیں (اس کی وضاحت گزر چکی ہے سورۂ حجر دیکھی جائے)

رَصَدًا : شِھَابًا رَّصَدًا، رَصَدٌ : چوکیدار، نگہبان گھات، یہ رَصَدَ یَرْصُدُ کا مصدر ہے جسکے معنی نگاہ رکھنے اور گھات لگانے کے ہیں، واضح رہے کہ مصدر مذکور اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں کے معنی میں مستعمل ہے، نیز واحد تثنیہ اور جمع سب کے لئے آتا ہے، قرآن مجید میں جہاں لفظ رصد کا استعمال ہوا ہے ان سب معانی کا احتمال ہے لیکن اس مقام پر یہ شہابٌ کی صفت ہے جو واحد ہے اس لئے یہاں لفظ رَصَدٌ واحد ہے، اور اس کی جمع اَرْصَادٌ ہوگی، اس مقام کے علاوہ اس میں جمع کا احتمال ہر جگہ موجود ہے جیسا کہ اس سورۃ کی آیت ۲۷ میں ہے فَاِنَّہٗ یَسْلُکُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ رَصَدًا،

والرَّصَدُ، الحافظ للشئ والجمع اَرْصَادٌ وفی غیر ھذا الموضع یجوز ان یکون جمعًا کالحرس والواحد راصدٌ (قرطبی)

رَصَدٌ جمع ہو تو اس کی واحد راصد ہوگی جیسے حَرَسٌ جمع ہے حارسٌ کی، ایک احتمال یہ ہے کہ رَصَدٌ مصدر بمعنی اسم مفعول ہو یعنی رَصَدٌ بمعنی مَرْصُوْدٌ،

طَرَآئِقَ : وَالطَّرَائِقُ جمع الطَّرِیْقَۃِ

وھی مذھب الرَّجُلِ ای کنّا فِرَقاً مختلفۃ (قرطبی)

قِدَدًا : کُنَّا طَرَائِقَ قِدَدًا :

قِدَدٌ جمع ہے اس کی واحد قِدَّۃٌ آتی ہے مختلف راہ وروش اور جُدا جُدا ارادے رکھنے والے گروہ، متفرق عقائد ونظریات کی حامل جماعتیں۔ قِدَّۃٌ : جماعت گروہ والقِدَّۃُ : الفِرْقَۃُ من الناس (راغب) ای فِرَقًا شَتّٰی قاله السُّدی، الضحّاکُ اَدْیَانًا مُخْتَلِفَۃً۔ قَتَادَۃُ : اَھْوَاءً مُتَبَایِنَۃٌ (قرطبی) صَارَ القَوْمُ قِدَدًا لوگوں میں تفرقہ پیدا ہو گیا، لوگ جُدا جُدا ہو گئے۔

ھَرَبًا : وَلَنْ نُّعْجِزَہٗ ھَرَبًا :

اور نہ تھکا دیں گے اسکو بھاگ کر (ترجمہ عثمانی) ھَرَبًا، مصدر (نصر) یا بمعنی مصدری یا بمعنی فاعلی یعنی بھاگ کر، ھَرَبٌ : آنت کے اوپر کی چربی، ھَرَبٌ، ھُرُوْبٌ ھَرَبَانٌ، مصادر ہیں بھاگنا، ھَارِبٌ، اسم فاعل، بھاگنے والا، ھَرَبٌ (سمع) بہت زیادہ بوڑھا ہونا، اِھْرَابٌ (افعال) کسی کام میں مستغرق ہونا، کسی کو بھاگنے پر مجبور یا آمادہ کرنا، تَھْرِیْبٌ : بھگانا،

ھَرَبًا مَصْدَرٌ فی موضع الحال ای ھَارِبِیْنَ (قرطبی)

بَخْسًا : فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَھَقًا

بَخْسٌ بفتح الباء وسکون الخاء کے معنی حق سے کم دینے اور کم تولنے کے ہیں، (معارف) بَخْسٌ کے معنی کمی کرنے کے ہیں (تدبر) ظلم سے کسی شے کے گھٹا دینے اور کم کرنے کا نام بَخْسٌ ہے (لغات القرآن)

والبَخْسُ : النَّقْصُ والظلم (تاج العروس) مزید سورۂ یوسف کو دیکھا جائے، اور رھقًا کے معنی یہاں ذلت اور رسوائی طاری ہونے کے ہیں، یہ لفظ اوپر گزر چکا ہے،

اَلْقَاسِطُوْنَ : وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ

القَاسِطُ : ناانصافی کرنے والا، انصاف نہ کرنے والا، قسطٌ : دوسرے کا حق لے لینا، قَسَطَ الرَّجُلُ غَیْرَہٗ : اس آدمی نے دوسرے کا حق لے لیا، قسط مجرد باب سے ظلم وجور اور انحراف عَنِ الحق کے معنی میں آتا ہے، اسلئے قاسط اسی کو کہا جاتا ہے جو ظالم ہو اور عادل اور منصف آدمی جو لوگوں کے حقوق کو ادا کرنے والا ہو اسکو مقسِطٌ کہا جاتا ہے، چنانچہ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، والقاسط : الجَائِرُ لِاَنَّہٗ

عَادِلٌ عن الحقّ وَالْمُقْسِطُ : العَادِلُ
لانہٗ عادل الی الحق یقالُ قَسَطَ ای
جَارَ وَاَقْسَطَ : اذا عَدَلَ (قرطبی)

تَحَرَّوْا : تَحَرَّوْا رَشَدًا : انھوں
نے بھلائی کا راستہ اختیار کر لیا، یہ تَحَرِّیٌ
سے جس کے معنی عمدہ اور مناسب ترین راہ
ڈھونڈنے کے اور اچھی چیز کا قصد کرنے کے ہیں
ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے، حدیث
میں ہے تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ
الاواخر من رمضان: شبِ قدر کو رمضان
کی آخری راتوں میں تلاش کرو، تَحَرَّوْا رَشَدًا
ای قَصَدُوا طریق الحق (قرطبی)
اسی سے تَحَرِّی القبلۃ ہے جس کے معنی ہیں
کعبہ کی سمت معلوم کرنے کے لئے سوچنا اور
پھر ظن غالب کا قصد کر کے کسی ایک جہت
کو متعین کرنا۔

حَطَبًا : حَطَبًا، فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا
تو وہ دوزخ کے ایندھن ہیں (ماجدی)
حَطَبٌ : لکڑی، ایندھن، ہیزم، اسکی جمع
اَحْطَابٌ آتی ہے، حَمَّالَةَ الْحَطَبِ، سوختہ
کی لکڑیاں لادنے والی، یہ عرب کے محاورات
میں سے ایک محاورہ ہے اُس عورت کیلئے
بولا جاتا ہے جو لگائی بجھائی کرنے والی ہو، اسی
طرح چغلخوری کرنے والے مرد کو حَمَّالُ الْحَطَبِ
کہا جاتا تھا کہ جیسے کوئی سوختہ کی لکڑیاں جمع
کر کے آگ لگانے کا سامان کرتا ہے، چغلخور کا
عمل بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ اپنی چغلخوری
کے ذریعہ افراد اور خاندانوں میں آگ بھڑکا
دیتے ہیں، آیت کا حاصل یہ ہے کہ ناانصافی
کرنے والے لوگ دوزخ کا ایندھن ہونگے،
حَطَبًا : اَیْ وَقُوْدًا (قرطبی)

غَدَقًا : مَآءً غَدَقًا، کثیر پانی، موسلا
دھار بارش کا کثیر پانی جو سات برس کی
خشک سالی کے بعد برسا تھا، مَاءٌ غَدَقٌ
کے لغوی معنی تو وافر پانی کے ہیں لیکن عربی
میں یہ تعبیر ہے رزق وفضل کے بہتات کی
مَآءً غَدَقًا، ای وَاسِعًا کثیرًا، یُقَالُ
غَدِقَتِ الْعَيْنُ تَغْدَقُ (سمع) اذا
کثر ماؤها (قرطبی)
اَغْدَقَتِ الارض : زمین سرسبز ہونا،
اَغْدَقَ الْعَيْشُ : معیشت کا فراغ ہونا،
غَدْقَةٌ : شیریں پانی، غَيْدَاقٌ : ہر اس
چیز کو کہا جاتا ہے جو کثیر اور وافر ہو، زیادہ
دوڑنے اور زیادہ باتیں کرنے والے کو بھی
غَيْدَاقٌ کہا جاتا ہے، اَلْغَدِقُ : بفتح
الدال وکسرها لغتان فی الماء الْغَزِيرِ

ومنه الغیداق للماء الکثیر للرجل
الکثیر العطاء (جمل)

صَعَدًا : عَذَابًا صَعَدًا : سخت
عذاب، سخت شاق جو معذب کے اوپر
چھا جائے، قاضی بیضاوی نے لکھا ہے
کہ یہ مصدر ہے جو صفت واقع ہے، امام
راغب فرماتے ہیں کہ صَعَدٌ صَعِیدٌ اور
صُعُودٌ اصل میں ایک ہیں لیکن صعودٌ
اور صَعَدٌ تو گھاٹی کے لئے بولا جاتا ہے
اور بطور استعارہ ہر امر شاق کے لئے بولا
جاتا ہے، اور صَعِیدٌ روئے زمین کو کہا
جاتا ہے، تَصَعَّدَنِی الْاَمْرُ، مجھے کام نے
مشکل میں ڈالدیا، جناب فاروق اعظم
رضی اللہ عنہ کا قول ہے، مَا تَصَعَّدَنِی
شیءٌ مَا تَصَعَّدَتْنِی خطبۃ النکاح
مجھے کوئی امر اتنا شاق اور دشوار نہیں جتنا
خطبۃ النکاح میں شریک ہونا، کیونکہ نکاح
پرائیویٹ جلسہ ہوتا ہے جس میں حاکم اور محکوم
برابر ہوتے ہیں، السَّاطِعُ الْمُصَعِّدُ، وہ
صبح جو طولاً اوپر چڑھنے والی ہو یعنی صبح کاذب
قال القرطبیؒ وعذاب صعدٌ ای
شدیدٌ والصَّعَدُ مصدر صَعِدَ
یُقَالُ صَعِدَ صَعَدًا و صُعُودًا فوصف
به العذاب لانه یتصعّد المعذَّبَ
ای یعلوه ویغلبه فلا یطیقه (قرطبی)
ومن یعرض عن ذکر ربه یسلکه
عذابًا صعدًا، اور جو کوئی منہ موڑے
اپنے رب کی یاد سے وہ ڈال دیگا اسکو چڑھتے
عذاب میں، سَلَكَ یَسْلُكُ کے معنی
داخل کرنے اور ڈالدینے کے ہیں۔

اَلْمَسَاجِدُ : وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ
لفظ مسجد بکسر الجیم اور بفتح الجیم دونوں طرح
استعمال ہوتا ہے اور دونوں کی جمع مساجد
آتی ہے، مسجد جیم کی زیر کے ساتھ ہو اسکے
معنی عبادت گاہ کے ہیں اس صورت میں
آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ عبادتگاہیں صرف
اللہ کی یاد کے لئے ہیں ان میں کسی اور کو مدد
کے لئے نہ پکارو۔ اور اگر مَسْجَد بفتح الجیم کی
جمع ہو جو مصدر میمی بمعنی سجدہ آتا ہے،
تو معنی آیت کے یہ ہونگے کہ سب سجدے صرف
اللہ کے لئے مخصوص ہیں اور جو شخص غیر اللہ
کو اعانت کے لئے پکارتا ہے وہ گویا اسکو سجدہ
کرتا ہے، حضرت مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ غیر اللہ
کو سجدہ حرام ہے اور بعض کے نزدیک کفر ہے (معارف)
بعض علماء کے نزدیک مساجد سے مراد اعضائے
سجود ہیں جو سات ہیں۔ دونوں ہاتھ، دونوں

قدم، دونوں گھٹنے اور چہرہ، اس صورت میں مراد آیت کی یہ ہوگی کہ اے انسان یہ اعضاء اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اسنے تمہیں بطور انعام دیئے ہیں لہٰذا ان اعضاء کے ذریعہ غیر اللہ کو نہ پکارو۔

یہاں لفظ مساجد اگرچہ عام ہے لیکن خطاب قریش کو ہے تو اس قرینہ سے اسکا اولین مصداق بیت اللہ ہے چونکہ یہ تمام مساجد کا قبلہ ہے اسلئے لفظ جمع سے تعبیر کر دیا گیا ہے، دوسری وجہ جمع سے تعبیر کرنے کی یہ ہے کہ حکم عام کر دیا جائے جیسا کہ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ میں مساجد سے مراد بیت اللہ ہے،

لِبَدًا: **يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا**، یہ لوگ اُس پر بھیڑ لگا دیتے ہیں لِبَدٌ جمع ہے لِبْدَةٌ کی جس کے معنی کسی تہ بہ تہ اور گتھم گتھا شئی کے ہیں (تدبر) لِبَدٌ ٹھٹ کے ٹھٹ، ہجوم، بھیڑ، جماعت در جماعت (لغات القرآن) اصل میں لبدٌ لِبْدَةٌ اور لُبْدَةٌ کے معنی ہیں نمدہ اور گوند یا پانی وغیرہ سے چپکایا ہوا اون، نمدہ ہو یا چپکایا ہوا اون، سب میں تہ پر تہ جمائی جاتی ہے، توسیع استعمال کے بعد اسکا اطلاق مال کثیر پر بھی ہونے لگا گویا کثرت کی وجہ سے تہ پر تہ جمایا گیا ہے اور لوگوں کی کثیر جماعت کو بھی لِبَدٌ اسی لئے کہتے ہیں کہ گویا وہ اپنی کثرت کے باعث ایکدوسرے پر چڑھے جارہے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا، اور لُبَدًا اُس آدمی کو کہتے ہیں جو گھر میں بیٹھ رہے اور باہر کمانیکے لئے نہ جائے گویا اسکی گھر ہی میں تہ جم گئی ہیں، وقال مجاهد: لبدًا جماعات وهو من تَلَبُّدِ الشئ على الشئ اى تجمع (قرطبی)

مُلْتَحَدًا: **وَلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا** اور نہ میں اسکے سوا کوئی پناہ پا سکتا ہوں (ماجدی) مُلْتَحَدٌ باب افتعال سے اسم ظرف ہے اسم مفعول کے وزن پر، پناہ کی جگہ، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مُلْتَحَدٌ مصدر میمی ہو بمعنی پناہ لَحْدٌ اسم ہے، قبر کی بغلی کو کہا جاتا ہے، لَحَدَ الْقَبْرَ وَاَلْحَدَهٗ، قبر میں بغلی بنانا، لحد چونکہ ایک طرف کو ہوتی ہے اسی سے معنی میں توسیع کر کے لَحَدَ بِلِسَانِهٖ اِلٰى كذا استعمال ہوتا ہے جسکے معنی ہیں زبان سے کسی ایک طرف جھکنا، یعنی غلط بات کہنا، لِسَانُ الَّذِىْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اس شخص کی زبان جسکی طرف اس کی غلط نسبت کرتے ہیں۔

علامہ راغب فرماتے ہیں کہ اِلْتَحَدَ فُلَانٌ اِلٰى كذا، کے معنی ہیں فلاں راستہ سے ہٹ کر ایک طرف کو مائل ہو گیا، اور مُلْتَحَدٌ مصدر میمی بمعنی التحادٌ بھی ہو سکتا ہے اور اسم ظرف بھی اسکے معنی پناہ گاہ کے ہیں (راغب)

حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ مُلْتَحَدٌ سے مراد

یہاں ناصر اور مددگار ہے جسکی طرف آدمی مشکل کے وقت مدد کے لئے مائل ہوتا ہے اور اس کو اپنا سہارا بناتا ہے،
مُلْتَحَدًا: اَیْ مُلْتَجَأً اَلْجَأُ اِلَیْهِ،
قال قتادہ وعنہ نصیرًا ومولیٰ (قرطبی)

اَمَدًا: اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا

یا اس کے لئے میرے پروردگار نے کوئی مدت دراز رکھی ہے، اَمَدٌ اور اَبَدٌ دونوں قریب المعنی لفظ ہیں، ان دونوں میں اسقدر فرق ہے کہ اَبَدٌ غیر متعین اور غیر محدود زمانہ پر بولا جاتا ہے اور اَمَدٌ محدود مگر غیر متعین زمانہ کا نام ہے اور البتہ اَمَدٌ کذا کہہ کر متعین کیا جاسکتا ہے اور زماں اور اَمَدٌ کے لفظ میں صرف اتنا فرق ہے کہ اَمَدٌ کا استعمال باعتبار غایت یعنی کسی چیز کی مدت ختم ہونے کے لحاظ سے ہوتا ہے اور زماں کا لفظ مَبْدَأً اور غایت دونوں کے لئے عام ہے شروع زمانے کے لئے بھی اور انتہائی زمانے کے لئے بھی، یہاں اَمَدٌ کا استعمال غایت زمانہ کے لئے ہے، اَمَدًا: اَیْ غَایَةً وَاَجَلًا (قرطبی)

اَلْغَیْبُ: عَالِمُ الْغَیْبِ، وَالْغَیْبُ مَاغَابَ عَنِ الْعِبَادِ (قرطبی)

مراد یہاں وحی ہے جو انبیاء پر کی جاتی ہے غَیْب، پوشیدہ، غیر حاضر ہونا، انسان کے علم و احساس سے بالاتر ہونا، وہ چیزیں جو انسان کی حسی اور عقلی رسائی سے خارج ہیں اور جن کا علم انبیاء کی اطلاع کے بغیر نہیں ہوسکتا۔
علم غیب اللہ تعالیٰ کی ان صفات میں سے ہے جو کسی غیر اللہ میں متصور نہیں جیسا کہ ارشاد ہے، لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ،

شرح الفاظ القرآن من سورة المزمل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُزَّمِّل : یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ، اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے ، مُزَّمِّلُ کے لفظی معنی ہیں اپنے اوپر کپڑے لپیٹنے والا ، تقریباً اسی کا ہم معنی لفظ مُدَّثِّر ہے جو اگلی سورت میں آرہا ہے ، ان دونوں لفظوں میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک وقتی حالت اور مخصوص صفت کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے یہ حالت عموماً اس شخص کی ہوتی ہے جو سامنے کے حالات سے فکرمند اور گرد و پیش کے لوگوں سے بَدِل ہو ، مُزَّمِّلُ دراصل مُتَزَمِّلُ ہے ، قاعدہ تعلیل کے مطابق تَ ، حرف زَ میں مدغم ہوگئی ہے ، اسی طرح کا تصرف لفظ مُدَّثِّر میں بھی ہوا ہے ، یہ باب تفعّل سے اسم فاعل ہے ، کنایۃً مزمل سستی کرنے والے اور ضعیف پر بھی بولا جاتا ہے ، تَاَبّطَ شَرًّا کی ماں کا قول ہے ، اَلَیْسَ بِزُمَّیْلٍ شَرُوْبٍ لِلْغَیْلِ : کیا وہ سست نہیں ہے جو درد سر پیدا کرنے والی شراب پیتا رہتا ہے ، اور زِمیلٌ وہ شخص جو اونٹ پر کسی کے پیچھے سوار ہو جیسے ردیف گھوڑے کے پیچھے سوار کے لئے استعمال کیا جاتا ہے ایسی ہی زمیلٌ اونٹ کے پچھلے سوار کے لئے بولا جاتا ہے ،

مُزَّمِّل کی اصل میں دو قول ہیں ، ایک یہ کہ مزمل بمعنی متحمل کے ہے اور زَمَلَ الشَّیءَ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو اُٹھانا اسی سے زامِلَۃٌ اس جانور کو کہا جاتا ہے جو گھر کا سامان وغیرہ اُٹھاتا ہے اس صورت میں یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلئے ہوگا کہ آپ بارِ نبوت کو اُٹھانے والے ہیں ، مطلب یہ ہے کہ اے بارِ نبوت کے حامل ! اُٹھ اور کمر ہمت باندھ کر لوگوں کو اس طرف متوجہ کر ، دوسرا قول یہ ہے کہ مزملُ کے معنی ہیں مُتَلَفِّفُ یعنی لپٹنے والا ، تَزَمَّلَ وَتَدَثَّرَ بِثَوْبِہٖ اِذَا تَغَطّٰی ، یعنی کپڑے میں لپٹ جانا ، اور زَمَّلَ غَیْرَہٗ دوسرے کو کپڑا اڑھانا ، قَالَ ابواسحٰق الْمُزَّمِّل اصلہ المتزمل ، والتاء تدغم فی الزاء لقربھا منھا ، یُقَالُ تزمل

فُلَانٌ اذا تَلَفَّفَ بثیابه (لسان العرب)

رَتِّلْ : وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا :
ترتیلٌ کے معنی ہیں لفظ کو بسہولت اور استقامت کے ساتھ پڑھنا، مطلب آیت کا یہ ہے کہ پڑھنے میں جلدی نہ کریں بلکہ ترتیل و تسہیل کے ساتھ پڑھیں اور ساتھ ہی اسکے معانی اور مفہوم میں غور و تدبر کریں، علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں، الترتیل : التَّنْضِيْدُ والتَّنْسِيْقُ وحسن النظام،
کسی چیز کا حسن تناسب کے ساتھ منتظم اور مرتب ہونا،
رَتِّلْ، کھول کھول کر پڑھ، آہستہ آہستہ یعنی واضح پڑھ، ترتیل سے، امر کا صیغہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ تلاوت کر رہا ہے اور رو رہا ہے، آپؐ نے فرمایا ھٰذا التَّرتیلُ، کہ یہ ہے ترتیل سے پڑھنا، حضرت علقمہؓ نے ایک شخص کو خوبصورت آواز کے ساتھ تلاوت کرتے سُنا، تو آپؓ نے فرمایا کہ میرے ماں باپ اس پر قربان ہوں اسنے قرآن پاک کو ترتیل سے پڑھا (قرطبی)

ثَقِيْلًا : قَوْلًا ثَقِيْلًا، بھاری کلام (ماجدی) ثقیل : گراں، بھاری، یہ فعیلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے، مراد قرآن پاک ہے اور قول ثقیل فرما کر اس کے صاحبِ جلالت وعظمت ہونے کو واضح کرنا ہے۔

نَاشِئَةً : اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ :
بیشک رات کو اُٹھنے میں، یعنی رات کو سونے کے بعد پھر کھڑا ہونا، لفظ نَاشِئَۃٌ، عَافِيَةٌ کے وزن پر مصدر ہے جس کے معنی ہیں رات کی نماز کے لئے کھڑا ہونا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا، سونے کے بعد رات کی نماز کے لئے اُٹھنا ناشئۃ اللیل ہے، اس معنی کے اعتبار سے لفظ ناشئۃ اللیل بمعنی تہجد ہو گیا، کیونکہ تہجد کے لفظی معنی رات کو سو کر اُٹھنے کے بعد نماز پڑھنے کے ہیں، ابن کیسان کا قول ہے کہ آخر رات کے قیام کو ناشئۃ اللیل کہا جاتا ہے اور ابن زید کا قول ہے کہ رات کے کسی بھی حصّہ میں نماز پڑھی جائے وہ ناشئۃ اللیل ہے اور حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد ہر نماز ناشئۃ اللیل ہے اور ابن عباسؓ سے ان سب سے وسیع تر قول منقول ہے ابن ابی ملیکہ ذکر کرتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے ناشئۃ اللیل کے معنی پوچھے تو آپؓ نے

فرمایا کہ اللّیلُ کلّھا ناشِئَۃٌ، یعنی رات کا ہر حصہ نماز ناشئۃ اللیل میں داخل ہے،
وَطْأً : اَشَدُّ وَطْأً وَاَقْوَمُ قِیْلاً :
وَطْأً، بفتح الواوٗ، مُوَاطَاتٌ کا مصدر ہے جسکے معنی موافقت کے آتے ہیں، قرآن پاک میں دوسری جگہ لِیُوَاطِئُوْا عِدَّۃَ مَاحَرَّمَ اللّٰہُ، اسی معنی میں آیا ہے، ائمہ تفسیر میں ابن زید اور حضرت ابن عباسؓ سے اسکے یہی معنی منقول ہیں، ابن زید نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ رات کے وقت نماز کے لئے اُٹھنا قلب، نگاہ، کان اور زبان سب میں موافقت پیدا کرنے میں اشد ہے یعنی بہت زیادہ مؤثر ہے وَطْأً کے ایک دوسرے معنی روندنے اور کچلنے کے بھی آتے ہیں بعض ائمہ تفسیر نے اس جگہ یہ معنی زیادہ پسند کئے ہیں، مراد یہ ہے کہ رات کی نماز نفس کو روندنے اور کچلنے میں بہت معین ممد ہے، نفس کو ناجائز خواہش سے روکنے میں نماز تہجد سے بڑی مدد ملتی ہے (معارف)
اَقْوَمُ : اَقْوَمُ قِیْلاً، اَقْوَمُ بہت درست رکھنے والا، سب سے سیدھا، یہ قیام سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔
قِیْلاً : اسم مصدر، قِیْلٌ قَوْلٌ کا ہم معنی ہے کلام: بات وغیرہ کے معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے

بعض اہلِ لغت نے دونوں میں فرق بیان کیا ہے (۱) قول، کلمہ خیر کو اور قالٌ، قِیلٌ اور قَالَۃٌ کلمہ شر کو کہتے ہیں (۲) قول مصدر ہے، اور قِیْلٌ اسم مصدر، ایک محاورہ ہے، کَثُرَ القِیْلُ والقالُ : بہت بات چیت ہو چکی، لیکن قرآنی استعمال کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، قِیْلٌ کا استعمال مقام خیر میں بھی کیا گیا ہے جیسا کہ اِلَّا قِیْلاً سَلَامًا سَلَامًا، اور اَقْوَمُ قِیْلاً میں مقام خیر ہی مراد ہے اور قول کا استعمال بمعنی اسم مصدر (بات کلام) بکثرت کیا گیا ہے، جیسا کہ قَوْلُ الْحَقِّ الَّذِی فِیْہِ یَمْتَرُوْنَ اور لفظ قول شر کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے، جیسا کہ لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ،
سَبْحًا : سَبْحًا طَوِیْلاً، سَبْحٌ کے لفظی معنی جاری ہونے اور گھومنے پھرنے کے ہیں اسی سے پانی میں تیرنے کو بھی سَبْحٌ اور سَبَاحَۃٌ کہا جاتا ہے کہ پانی میں بغیر کسی کاوٹ کے گھومنا پھرنا تیراکی کے ساتھ آسان ہے، یہاں مراد سَبْحٌ سے دن بھر کے مشاغل ہیں جن میں تعلیم، تبلیغ اور اصلاح خلق کیلئے یا اپنے معاشی مصالح کیلئے چلنا پھرنا سب داخل ہیں (معارف)

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں السبح : الجری و الدوران ومنه السابح فی الماء لتقلبه بیدایه ورجلیه وفرس سابح شدید الجری یعنی فرس سابح اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو تیز دوڑنے والا ہو، اس پر ایک شعر امرأالقیس کا بطور استشہاد کے پیش کیا ہے ؎

مِسَحٌ اِذَا مَا السَّابِحَاتُ عَلَی الْوَنٰی
اَثَرْنَ الغبار بالکدید المرکل

ترجمہ : جب تیز رفتار گھوڑیاں تھکنے کی وجہ سے روندی ہوئی زمین غبار اڑانے لگیں، وہ بارش کی طرح تیز رو ہے۔

یہاں سابحات سے مراد تیز رو گھوڑیاں ہیں، جو اپنی تیز روی کی وجہ سے تیرنے والے کی طرح قدم آگے بڑھا بڑھا کر دوڑتی ہیں، مولانا امین احسن اصلاحی نے سبحًا کو اپنے معروف معنی ذکر و تسبیح میں لیا ہے اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ رات میں تمہیں جس اہتمام نماز کا حکم دیا جارہا ہے" اس کے علاوہ دن میں تمہارے لئے کافی تسبیح کا موقع ہے جسکا اہتمام رکھو، چنانچہ دن میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اہتمام رکھتے تھے، (تدبر قرآن ملخصًا)

تَبَتَّلْ : وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا : اور سب سے ٹوٹ کر اسی کی طرف متوجہ رہیئے (ماجدی)

تَبَتُّلٌ اور تَبْتِیْلٌ دونوں کے معنی انقطاع الی اللہ کے ہیں، یعنی خلق سے کٹ کر رب کے دامنِ رحمت میں پناہ گیر ہوجانا (تدبر) علامہ قرطبیؒ نے اس مقام پر بڑی نفیس بحث کی ہے اہل علم اصل کی طرف رجوع فرمائیں، ہم صرف اتنی عبادت کو نقل کریں گے جس کا تعلق لغت سے ہے،

التَّبَتُّلُ : الانقطاعُ الیٰ عِبَادَۃِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ (قرطبی ص۴۳ ج ۱۹ طبع قاهره)

بَتَلْتُ الشَّیْءَ : کسی چیز کو کاٹنا، عرب کہتے ہیں طَلَّقَهَا بَتَّةً بَتْلَةً : یعنی اس کو بائنہ طلاق دیدو جو جدا کردینے والی ہو اور محاورہ ہے، هٰذِہٖ صَدَقَةٌ بَتَّةٌ بَتْلَةٌ اس صدقہ کو کہا جاتا ہے جو دینے والی کی ملک سے کٹ جاتا ہے اسی سے مَرْیَمُ الْبَتُوْلُ ہے۔ جناب مریم علیہا السلام کو کہا جاتا ہے جو سب سے کٹ کر صرف یاد الٰہی میں محو رہیں،

وَکِیْلًا : فَاتَّخِذْهُ وَکِیْلًا، اسی کو اپنا چارہ ساز بنائے رکھئے (ماجدی)

وَکِیْل، لغت میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جسکو کوئی کام سپرد کیا جائے فَاتَّخِذْهُ وَکِیْلًا کا مفہوم یہ ہوا کہ اپنے سب کاروبار معاملات اور حالات کو اللہ کے سپرد کردو اسی کا نام اصطلاح میں

توکل ہے (معارف) وکیل سے صفت مشبہ ہے
کارساز مددگار، حمایتی، نگران اور نگہبان،

وَاهْجُرْ: وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا، اور ان سے خوبصورتی کے ساتھ الگ ہوجائیے، ہجر بفتح الحاء کے لفظی معنے کسی چیز کو رنج وملال و بیزاری کے ساتھ چھوڑنے کے آتے ہیں (معارف)، ہجر کو جمیل کے ساتھ مقید کرکے اشارہ اس طرف فرمایا کہ آپ ان سے علاحدہ سے قطع تعلق تو کرلیں لیکن ان کے خلاف اخلاق عالیہ کو نہ چھوڑیں اور زبان مبارک کو بھی انکی برائی بیان کرنے سے محفوظ رکھیں،

أَنْكَالًا: إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا، أنكال جمع نکل کی، اسکے معنی بیڑے کے بھی آتے ہیں اور آہنی لگام کے بھی، دوسرے مقام میں سلاسل اور اغلال کے الفاظ بھی آئے ہیں (تدبر)

اَلْأَنْكَالُ: القيود عن الحسن ومجاهد وغيرهما واحدها نِكْلٌ وهو ما منع الانسان من الحركة (قرطبی) کلبی نے انکال کے معنی اغلال بیان کئے ہیں، اغلال وہ طوق ہیں جو دوزخیوں کی گردنوں میں ڈالدیئے جائیں گے، نَكَلَ عَنِ الشَّيءِ کے معنی ہیں کسی کام سے کمزور اور عاجز ہوجانا نَكَّلْتُهُ کے معنی ہیں کسی کو عبرتناک سزادینا، اسی نکال ہے جو عبرتناک سزا کے لئے بطور اسم کے بولا جاتا ہے اسکو نکال اسی لئے کہا جاتا ہے کہ مجرم جرم سے رک جاتا ہے، قرآن پاک میں ہے جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللهِ انکے فعلوں کی سزا اور خدا کی طرف سے عبرت ہے،

غُصَّةٍ: وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ، غُصَّة کے لفظی معنے گلے میں لگ جانیوالے پھندے کے ہیں کہ لقمہ گلے میں اس طرح پھنس جائے کہ نہ نگلا جاسکے نہ باہر اُگلا جاسکے (معارف) ای غیر سائغ یأخذ الحلق لَا هُوَ نَازِلٌ وَلَا هُوَ خَارِجٌ (قرطبی) علامہ راغب فرماتے ہیں کہ غُصَّہ اُس ہڈی کو کہتے ہیں جو حلق میں اٹک جائے الْغُصَّةُ: الشَّجَاةُ الَّتِي يُغَصُّ بِهَا الْحَلْقُ (راغب)

تَرْجُفُ: يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ: اس روز کہ زمین ہلنے لگے گی۔ رَجْفٌ: اضطراب شدید کو کہتے ہیں، رَجَفَتِ الْأَرْضُ أَوِ الْبَحْرُ: زمین یا سمندر میں زلزلہ آنا، بَحْرٌ رَجَّافٌ: بحر متلاطم۔

كَثِيبًا: كَثِيبًا مَّهِيلًا، كَثِيبٌ، ریتی کا ٹیلہ (تدبر)، عِنْدَ كَثِيبِ الْأَحْمَرِ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں بیت المقدس میں ہوتا تو تمہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر بتلادیتا وہ لال ریتی کے ٹیلہ کے پاس ہے، كَثَبَ الشَّيْءَ: کسی چیز کو جمع کرنا، اور كَثَبَ الْقَوْمُ: لوگوں کا ایک جگہ پر جمع ہونا، اسی سے كَثِيبٌ ریت کے اُس ٹیلہ کو کہتے ہیں جسکو ہوانے اُڑا کر ایک جگہ پر جمع کردیا ہو، حضرت

حسان بن ثابت کا ایک شعر ہے ؎

عرفت دیارَ زینبَ بالکَثِیبِ
کَخَطِّ الوَحیِ فِی الورق القَشِیبِ

وَالکثیب : الرّمل المُجتَمَع (قرطبی)
کَثِیبٌ کی جمع اَکْثِبَۃٌ ، وَکُثُبٌ اور کُثْبَانٌ آتی ہے اور کَثَبَ کے اصل معنی ہیں اکٹھا کرنا، اس سے صفت فاعلی کَاثِبٌ آتی ہے جمع کرنے والا اور اَلتَّکْثِیْبُ کے معنی ہیں شکار کا اپنے آپ پر موقع دینا۔ محاورہ ہے، کہتے ہیں اَکْثَبَکَ الصَّیْدُ فَارْمِہٖ : شکار نشانہ پر آگیا ہے، تیر چلاؤ، یہ کَثَبٌ سے مشتق ہے جس کے معنی قریب ہونا ہے۔

مَّهِيلًا : مَهِیلٌ : یہ فعیل کے وزن پر مفعول ہے، اصل مادہ ھَیْلٌ ہے، ضَرَبَ سے آتا ہے، بمعنی ریگ رواں، ریگ سیال یہ اصل میں مَھْیُوْلٌ ہے۔

ھَیْلٌ اور ھَیَالٌ جھڑ کر گرنے والی مٹی اور ریت، ھَیُوْلیٰ : روئی، عالم کا تخلیقی مادہ، اِھَالۃ (افعال) مٹی یا ریت کو پاٹنا،

والمَھِیلُ : الذی یمرّ تحت الارجل : قال الضحاك والکلبی المھیل ھوالذی اذا وَطِئتَہ بالقدم زلّ مِنْ تحتھا واذا اخذتَ اَسْفَلَہٗ انھال وقال ابن عباس مھیلا ای رملاً سائلاً مُتَنَاثِرًا وَاَصْلُہٗ مَھْیُوْلٌ وَھُوَ مفعول (قرطبی)

وَبِيلًا : فَاَخَذْنٰہُ اَخْذًا وَّبِیْلًا ، تو ہم نے ان کو خوب سخت پکڑ میں لیا، وَبِیْلٌ : سخت ناخوشگوار، وَبْلٌ اور وُبُوْلٌ مصدر باب (کرم) وَبْلٌ اور وَابِلٌ : بڑی اور بھاری بوندوں والی بارش کو کہتے ہیں اور پھر معنیٰ ثقل کے لحاظ سے ہر اس چیز کو وَبَالٌ کہنے لگے جس میں ضرر کا اندیشہ ہو جیسا کہ ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِھِمْ : وہ اپنے کئے کی سزا چکھ چکے، اَخْذًا وَّبِیْلًا ای شدیدًا وھو من قولك اِسْتَوْبَلْتُ البَلَدَ (غریب القرآن)

اِسْتَوْبَلْتُ المکان : کسی جگہ کو مضر صحت پانا، وَبِیْلٌ اس طعام یا گھاس کو بھی کہتے ہیں، جسکے کھانے سے بدہضمی کا اندیشہ ہو ضَرْبٌ وَبِیْلٌ وَعَذَابٌ وَبِیْلٌ سخت مار اور شدید عذاب، مَطَرٌ وَابِلٌ موسلا دھار بارش، سخت بارش، سختی کے مفہوم کے پیش نظر موٹی لاٹھی کو بھی وَبِیْلٌ کہتے ہیں، اَرضٌ وَبِیْلَۃٌ ، ناخوشگوار چراہ گاہ والی زمین مِیْبَلَۃٌ : دُرّہ، کوڑا، مُوَابَلَۃٌ (مفاعلۃ سے) مداومت سختی کا مفہوم اسمیں بھی موجود ہے چونکہ مداومت علی العمل دشوار ہے، وَبِیْلَۃٌ ایندھن کا گٹھا، وَبِیْلٌ کی جمع وُبُلٌ ہے

شِيْبًا : يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا : بچوں کو بوڑھا کردے گا، الشَّيْبُ اور الْمَشِيْبُ بڑھاپا، بالوں کی سفیدی بَاتَتِ الْمَرْأَةُ بِلَيْلَةٍ شَيْبَاءَ : عورت نے شب زفاف گزار دی، وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا : سر بڑھاپے سے سفید ہو گیا، شَابَ يَشِيْبُ شَيْبًا : بوڑھا ہونا، اَشْيَبُ بوڑھا شِيْبًا اسکی جمع ہے جیسا کہ بِيْضٌ جمع ہے، اَبْيَضُ کی۔

تُحْصُوْا : عَلِمَ اَنْ لَنْ تُحْصُوْهُ : اسے معلوم ہے کہ تم اسے پورے احاطے میں نہیں لاسکتے، اِحْصَاءٌ کے لفظی معنی شمار کرنے کے ہیں، بعض حضرات نے یہاں احصا سے مراد عمل احصار یعنی اس طویل اور نیند کے وقت کی نماز پر مداومت نہ کرسکنا مراد لیا ہے لفظ احصار اس معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے مَنْ اَحْصٰهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ : اسمیں لفظ احصار کا مفہوم بہت سے علماء نے عمل احصار لیا ہے، یعنی اسماء الہیہ کے مقتضٰی پر پورا ہونا (معارف)

تَابَ : فَتَابَ عَلَيْكُمْ : تو اس نے تم پر نظر عنایت کی، تَابَ کا صلہ جب علی کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی نظرِ عنایت کرنے اور مہربانی کے ساتھ کسی کی طرف مائل ہونے کے آتے ہیں۔ تَابَ يَتُوْبُ تَوْبَةً : توبہ کرنا، التَّائِبُ توبہ کرنیوالا، اور توبہ قبول کرنے والا، خدا اور بندے دونوں کے لئے بولا جاتا ہے،

يَضْرِبُوْنَ : يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ ضَرَبَ کا صلہ جب حرف فی آتا ہے تو اس کے معنی زمین میں سفر کرنے کے آتے ہیں ضَرَبَ فِي الْاَرْضِ کے معنی سفر کرنے اور چلنے کے آتے ہیں کیونکہ انسان پیدل چلتے وقت زمین پر پاؤں مارتا ہے۔ (قد مرّ تحقیقہ)

شرح الفاظ القرآن من سورة المدثر

بسم الله الرحمن الرحيم

المدثر: یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ: یہ لفظ دِثَارٌ سے مشتق ہے جو اُن زائد کپڑوں کو کہا جاتا ہے جو آدمی عام لباس کے اوپر کسی سردی وغیرہ کے دفع کرنے کے لئے استعمال کیا کرتا ہے، (معارف) مُدَّثِّرٌ کی اصل مُتَدَثِّرٌ ہے، مجانست کی وجہ سے ایک کو دوسری میں مدغم کیا گیا ہے، یعنی حرف تاء کو دال بنا کر دال کو دال میں مدغم کر دیا گیا ہے، اَصْلُهُ اَلْمُتَدَثِّرُ اُدْغِمَت التاء فی الدال۔ ای المُلْتَفُّ بثیابه (جلالین)

اَنْذِرْ: قُمْ فَاَنْذِرْ: اُٹھئے پھر (کافروں کو) ڈرائیے، اَنْذِرْ باب افعال سے امر کا صیغہ ہے، یہ اِنْذَارٌ سے مشتق ہے جس کے معنی ڈرانے کے ہیں۔ مگر ایسا ڈرانا جو شفقت اور محبت پر مبنی ہوتا ہے جیسے باپ اپنے بچے کو سانپ، بچھو اور آگ سے ڈراتا ہے انبیاء علیہم السلام کی یہی شان ہوتی ہے اس لئے ان کا لقب نذیر اور بشیر ہوتا ہے، نذیر شفقت اور محبت سے ڈرانے والے کو کہتے ہیں جو ہمدردی کی بناء پر مضر چیزوں سے ڈرانے والا ہو اور بشیر خوشخبری سنانے والا (معارف)

ثِیَابَكَ: وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ: لفظ ثِیَابٌ ثَوْبٌ کی جمع ہے، عربی کلام میں ثَوْبٌ کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، علامہ قرطبیؒ نے اس بارے میں آٹھ اقوال ذکر کئے ہیں، اوّل انّ المراد بالثیاب العمل الثانی القلب، الثالث النفس، الرابع الجسم، الخامس الاهل، السادس الخلق السابع الدِّیْنُ، الثامن الثیاب الملبوسات علی الظاهر (قرطبی)

جن حضرات نے ثیاب سے مراد عمل لیا ہے، انھوں نے آیت کی تاویل یہ کی ہے وَعَمَلَكَ فَاَصْلِحْ، یعنی اپنے عمل کی اصلاح کیجئے یہ تفسیر مجاہد اور ابن زید وغیرہ سے منقول ہے عرب کے محاورات میں سے ہے کہ جب کوئی آدمی خبیث العمل ہو تو اسکو کہتے ہیں فُلَانٌ خبیث الثیاب، یعنی وہ بڑا بدکردار ہے، اور جب کوئی صالح اور نیک عمل ہو تو بولتے ہیں

فلانٌ طاهر الثیاب، ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے یحشر المرءُ فی ثوبیہِ الذین مات علیھما، کہ انہی دو کپڑوں میں اُٹھے گا، جن میں وہ مرا، مراد اس سے نیک اور بد اعمال ہیں، یعنی اگر کوئی آدمی نیک اعمال کرتے مرا ہے تو حشر نیک ہوگا اور اگر بُرے اعمال کرتے ہوئے مر گیا ہے تو حشر بُرا ہوگا۔ جن حضرات نے ثیاب سے مراد قلب لیا ہے انھوں نے اس کی تاویل کی ہے، وَقَلْبَكَ فَطَهِّرْ، اپنے دل کو پاک کیجئے، ابن عباسؓ اور سعید بن جبیر نے اسی کو اختیار کیا ہے ان حضرات کی دلیل عرب کے مشہور شاعر امرئ القیس کا ایک شعر ہے جسمیں اُسنے ثیاب کو دامنِ دل کے مفہوم میں استعمال کیا ہے وہ کہتا ہے ؎

وَاِنْ تَكُ قَدْ سَاءَتْكِ مِنِّیْ خَلِیْقَةٌ
فسلی ثیابی من ثیابکِ تَنْسُلْ

اگر میری کوئی حرکت تجھے بُری لگی ہے تو میرے دامن دل کو اپنے دامنِ دل سے جُدا کر دے تو جُدا ہو جائے گی، اس شعر میں شارحین نے ثیاب سے مراد دل ہی کو لیا ہے، امرئ القیس ہی کا ایک دوسرا شعر ہے جسمیں وہ بنی عوف کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

ثِیَابُ بنی عَوْفٍ طَهَارَیٰ نَقِیَّةٌ: بنی عوف کے دامن بالکل پاک صاف ہیں، مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں کہ لفظ ثیاب کے اس مفہوم کی روشنی میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ تم بالکل بیخوف ہوکر اپنے رب کی منادی کرو اس کی کبریائی اور وحدت بیان کرو اور مشرکین کی مخالفت کی وجہ سے اپنے دامنِ دل پر شرک کا کوئی چھینٹا نہ آنے دو،

جن حضرات نے ثیاب سے مراد نفس لیا ہے انھوں نے اس کی تاویل یہ کی ہے، وَنَفْسَكَ فَطَهِّرْ، اپنے نفس کو پاک کیجئے، لیکن اس تیسرے اور دوسرے قول کا حاصل ایک ہی معلوم ہوتا ہے، جن حضرات نے ثیاب سے مراد جسم لیا ہے انھوں نے آیت کی تاویل یوں کی ہے وجِسْمَكَ فَطَهِّرْ یعنی اپنے جسم کو ظاہر نجاست سے پاک کیجئے، اور جن حضرات نے ثیاب سے مراد اھل لیا ہے انھوں نے اس کی تاویل یہ کی ہے وَاَهْلَكَ فَطَهِّرْهُمْ مِنَ الخطایا بالوعظ وَالتادیب، اپنے اہل پر عربی کلام میں ثیاب کا اطلاق عام ہے خود قرآن پاک میں ہے هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ، اور جن حضرات نے ثیاب سے خُلق مراد لیا ہے اُنھوں نے

آیت کی تاویل یہ کی ہے، وخُلُقَكَ فَحَسِّنْ خلق پر ثیاب کا لفظ اس لئے بولا جاتا ہے کہ اخلاق کپڑوں ہی کی طرح انسان پر حاوی اور مشتمل ہوتا، ایک شاعر کہتا ہے،

ویحیٰی لا یلام بسوءِ خُلُقٍ
ویحیٰی طاھرُ الاثواب حُرٌّ

یہاں طاہر الاثواب سے مراد شاعر نے حسنِ اخلاق کو لیا ہے، جن حضرات نے ثیاب سے مراد دین لیا ہے اُن کے نزدیک آیت کی تاویل یہ ہے ودینكَ فَطَهِّرْ ، اس کی تائید مسلم اور بخاری کی ایک اور روایت سے ہوتی ہے، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے ایک خواب کا ذکر فرماتے ہیں کہ مَیں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان پر کپڑے ہیں۔ بعض کپڑے سینے تک ہیں اور بعض کے اس سے کم و بیش، اور میں نے عمر بن خطاب کو دیکھا کہ ان پر ایک لمبی چادر ہے جسکو گھسیٹے جا رہے ہیں، صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ نے اسکی کیا تاویل کی، آپؐ نے فرمایا کہ الدِّینُ میں نے اس کی تاویل دین سے کی ہے۔

آٹھواں قول یہ ہے کہ ثیاب سے مراد جسم پر پہنے جانے والے کپڑے اور لباس ہے، لفظ ثیاب کے حقیقی اور اصلی معنی یہی ہیں باقی استعارات وکنایات وغیرہ ہیں، حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ثیاب ثوبٌ کی جمع ہے اس کے اصل اور حقیقی معنی کپڑے کے ہیں اور مجازی طور پر عمل کو بھی ثوب اور لباس کہا جاتا ہے، قلب اور نفس کو بھی خُلق اور دین کو بھی (معارف)

الرُّجْزَ : والرُّجْزَ فَاهْجُرْ : رِجْزٌ اور رِجْسٌ سب قریب المخرج اور تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں اسکا استعمال اس گندگی کے لئے ہوتا ہے جسکو دیکھ کر طبیعت میں انقباض اور گھن پیدا ہو۔ یہاں یہ شرک کی گندگی کے لئے استعمال ہوا ہے، رُجز بضم الرا وکسرہا دونوں کے معنی ایک ہی ہیں، ائمہ تفسیر مجاہد عکرمہ قتادہ زہری وغیرہ نے اس جگہ رُجز کے معنی بتوں کے قرار دیئے ہیں، اور حضرت ابن عباس کی ایک روایت میں اس سے مراد گناہ اور معصیت منقول ہے معنی آیت کے یہ ہیں کہ بتوں کو یا گناہ کو چھوڑ دیجیے (معارف، تدبر)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ واصل الرِّجْز العذاب رجز کے اصل معنی عذاب کے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں ہے لَئِن كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ (قرطبی)

تَمۡنُنۡ : وَلَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَكۡثِرُ، تَمۡنُنۡ مَنٌّ سے فعل نہی ہے۔ مَنٌّ کے معنی احسان کرنے اور احسان رکھنے کے آتے ہیں، نیز مَنٌّ کا لفظ کاٹنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیساکہ سورۂ قلم میں فرمایا گیا ہے، وَاِنَّ لَكَ لَاَجۡرًا غَيۡرَ مَمۡنُوۡنٍ، اور بے شک آپ کے لئے ایک کبھی نہ ختم ہونے والا صلہ ہے، اس آیت کریمہ میں لَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَكۡثِرُ (ایسا نہ کر احسان کرے اور بدلہ بہت چاہے) سے بعض مَنَّتْ بالقول مراد لیتے ہیں، ان کے نزدیک اس سے مراد ہے احسان جتلا کر زیادہ طلب کرنا،

تَسۡتَكۡثِرُ : تَسۡتَكۡثِرُ لفظ اِسۡتِكۡثَار دو معنوں میں معروف ہے، ایک کسی کو زیادہ کرنے اور زیادہ چاہنے کے معنی میں، دوسرے کسی چیز کو زیادہ سمجھ لینے یا زیادہ گمان کرلینے کے معنی میں، پہلے معنی کے لئے نظیر وَلَوۡ كُنۡتُ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ لَاسۡتَكۡثَرۡتُ مِنَ الۡخَيۡرِ دوسرے معنی کی وضاحت اہل لغت نے یوں کی ہے اِسۡتَكۡثَرَ الشَّيۡءَ : رَاٰهُ كَثِيۡرًا اَوۡعَدَّهٗ كَثِيۡرًا اِسۡتَكۡثَرَ الشَّيۡءَ کے معنی ہونگے کسی چیز کو زیادہ خیال کیا یا زیادہ شمار کیا (تدبر)

رَبّ : وَلِرَبِّكَ فَاصۡبِرۡ، لفظ رَبٌّ کے معنی سید اور مالک کے ہیں ای وَلِسَيِّدِكَ وَلِمَالِكِكَ (قرطبی)

اِصۡبِرۡ : صَبۡرٌ کے لفظی معنی اپنے نفس کو روکنے اور قابو میں رکھنے کے ہیں یہاں صبر سے مراد اللہ کے احکام کی پابندی پر اپنے نفس کو روکنے کے ہیں۔

النَّاقُوۡر : فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوۡرِ، ناقور کے معنی صُور کے ہیں، اور نقر سے مراد صور میں پھونک مار کر آواز نکالنے کے ہیں (معارف) اصل میں نَقۡرٌ کے معنی ہیں کھٹ کھٹ کرنا، اسی سے پرندے کی چونچ کو منقار کہا جاتا ہے کویا وہ دانہ چگتے وقت کھٹ کھٹ کرتا ہے، نَقَرۡتُ عَنِ الۡاَمۡرِ، کسی معاملہ کی چھان بین کرنا،

مَهَّدۡتُّ : وَمَهَّدۡتُّ لَهٗ تَمۡهِيۡدًا مَهَّدۡتُّ، باب تفعیل کے مصدر تَمۡهِيۡدٌ سے واحد متکلم کا صیغہ ہے بمعنی بچھانا، پھیلانا، وَالتَّمۡهِيۡدُ عند العرب التَّوۡطِئَةُ وَالتَّهۡيِئَةُ (قرطبی)

اَلۡمَهۡدُ : وہ گہوارہ جو بچے کے آرام اور سونے وغیرہ کے لئے تیار کیا جاتا ہے، لفظ مَهۡدٌ، ماں کی گود کے لئے بھی استعمال ہوا ہے

کما قال: کیف یکلم من کان فی المھد صَبِیًّا (مریم) اور سورۂ روم میں آیت کریمہ فَلِاَنْفُسِھِمْ یَمْھَدُوْنَ، ثواب جمع کرنے کے مفہوم میں ہے۔ ای یجمعون الثواب والکرامۃ فی الجنۃ (القاموس للدامغانی)

عَنِیْدًا: عَنِیْدٌ: العَنِیْدُ کے معنی المُعْجِبُ بِمَا عِنْدَہٗ کے ہیں، یعنی جو کچھ اُسکے پاس ہے اُس پر فخر ہو، بعض کے نزدیک العُنُوْدُ کے بھی یہی معنی ہیں، صرف فرق ان دونوں میں یہ ہے کہ عَنِیْدٌ اسے کہتے ہیں جو حق سے عناد رکھے اور اس کی مخالفت کرے، اور عُنُوْدٌ وہ ہے جو صحیح راستہ سے ہٹ جائے، عَنَدَ عَنِ الطَّرِیْقِ اس نے راستہ سے عدول کیا (راغب) عَنَدَ یَعْنِدُ (ض) دانستہ حق کی مخالفت کرنا۔ عَانِدٌ اور عَنِیْدٌ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ اونٹوں میں سے عَانِد اُس اونٹ کو کہتے ہیں جو راستہ سے ادھر اُدھر ہٹ کر چلے عاند کی جمع عُنَّدٌ آتی ہے جیسے کہ راکع کی جمع رُکَّعٌ ہے اور عَنِیْدٌ کی جمع عُنُدٌ ہے، جیسے رَغِیْفٌ کی جمع رُغُفٌ آتی ہے اور عُنُوْدٌ اونٹوں میں سے اسکو کہتے ہیں جو دوسرے اونٹوں میں نہ ملے، عَنَدَ الرَّجُلُ، آدمی کا اپنے مقام سے اوپر بڑھنا، اور عُنُوْدٌ آدمیوں میں سے اسکو کہتے ہیں جو کبر اور غرور کی وجہ سے دوسرے انسانوں سے الگ تھلگ رہنا پسند کرتا ہو (ماخوذ از قرطبی)

اُرْھِقُ: سَاُرْھِقُہٗ صَعُوْدًا: میں اسے عنقریب دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا ارھاق کے معنی کسی کو مشقت میں ڈالنے کے ہیں والارھاق فی کلام العرب ان یُحمل الانسان علی الشیئ (قرطبی) رَھِقَہُ الامرُ: اُسے کسی معاملے نے بزور وجبر دبالیا۔

صَعُوْدًا: صَعُوْدًا، کسی ایسی پہاڑی چوٹی کو کہتے ہیں جس کو عبور کرنا نہایت دشوار ہو (تدبر) بعض اہلِ تفسیر نے لکھا ہے کہ صعود دوزخ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے جس پر دوزخیوں کو بار بار چڑھایا جائے گا، اور ان کا یہ عمل اُترنے چڑھنے کا لاَاِلَی النہایۃ جاری رہے گا (احکام القرآن) قرطبی میں ہے کہ صعود دوزخ میں ایک پہاڑ ہے جس پر دوزخی ستر خریف تک چڑھتا رہے گا اور نیچے گرتا رہے گا (قرطبی، ماجدی)

فَکَّرَ: اِنَّہٗ فَکَّرَ وَقَدَّرَ، فَکَّرَ باب تفعیل کے مصدر تفکیر سے ماضی ہے، اس نے سوچا، فِکْرٌ فِکْرَۃٌ اور فِکْرٰی اسم مصدر ہیں، سوچ بچار۔

علامہ راغب فرماتے ہیں کہ فِکْرٌ اس قوت کو کہتے جو علم کو معلوم کی طرف لیجائے اور تَفَکُّرٌ (تَفَعُّلٌ) کے معنی نظرِ عقل کے مطابق اس قوت کو جولانی دینے کے ہیں،

تَفَکَّرَ فِیْہِ کا لفظ صرف اسی چیز کے لئے بولا جاسکتا ہے جسکا تصور ذہن میں آسکتا ہو اور جن چیزوں کا تصور ذہن میں نہیں آسکتا ان پر تفکر کا لفظ بھی نہیں بولا جاسکتا اسی لئے حدیث میں ہے تَفَکَّرُوْا فِی اٰلاءِ اللّٰہِ وَلَا تَفَکَّرُوْا فِی اللّٰہِ، یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور نعمتوں میں غور و فکر کرو۔ مگر خود ذات اللہ میں غور و فکر نہ کرو۔ چونکہ انسان کے علم و فکر کا میدان صرف مخلوق ہے خالق کا ادراک اسکے لئے امر محال ہے، فِکْرٌ کا لفظ بمعنی حاجت بھی آتا ہے، محاورہ ہے مَالِیْ فِیْہِ فِکْرٌ، مجھے اس کی حاجت نہیں،

اَلْفِکْرُ وَالْفَکْرُ، اعمال الخاطر فی الشئ ...... والتفکر۔ التَّأَمُّلُ (لسان العرب)

فَکْرٌ بفتح الفاء مصدر ہے،

قَدَّرَ : قَدَّرَ یعنی غور و فکر کرنے کے بعد جو رائے اس کے ذہن میں آئی اس کو اس نے اپنے ذہن میں خوب اچھی طرح تولا کہ وہ ایسی کہے کہ جو دلوں میں اتر جائے اور ہر شخص پکار اٹھے کہ جو رائے ظاہر کی گئی ہے نہایت صائب ہے۔

اَلْقُدْرَۃُ : والتقدیر کے معنی کسی چیز کی کمیت کو بیان کرنے کے ہیں، کہا جاتا ہے قَدَرْتُہٗ و قَدَّرْتُہٗ اور قَدَّرَہٗ (تفعیل) کے معنی کسی کو قدرت عطا کرنے کے بھی آتے ہیں محاورہ ہے قَدَّرَنِیَ اللّٰہُ عَلٰی کَذَا وَقَوَّانِیْ عَلَیْہِ، اللہ نے مجھے اس پر قوت عطا فرمائی، جب تقدیر کا فاعل انسان ہو تو اس کے دو معنی ہوتے ہیں، ایک تقدیر محمود، یعنی عقل و فکر کے مطابق کسی امر پر غور و فکر کرنا اور پھر اس فارمولے کے مطابق کسی کام کو انجام دینا، دوم تقدیر مذموم کہ انسان اپنی تمنا اور خواہش کے مطابق کسی امر پر غور و فکر کرے اور عقل و فکر سے کام نہ لے، آیت کریمہ اِنَّہٗ فَکَّرَ وَقَدَّرَ میں یہی تقدیر مذموم مراد ہے اس لئے اسکے بعد فرمایا، فَقُتِلَ کَیْفَ قَدَّرَ، یہ مارا جائے اسنے کیسے تجویز کی۔

نَظَرَ : ثُمَّ نَظَرَ، پھر دیکھا یعنی ادھر ادھر حاضرینِ مجلس کے چہروں کی طرف داد طلب انداز میں دیکھا کہ اب وہ مسئلہ کی تہہ تک پہنچ گیا ہے اصل میں اَلنَّظَرُ کے معنی کسی چیز کو دیکھنے یا اسکا ادراک کرنیکے

لئے آنکھ یا فکر کو جولانی دینے کے ہیں، اور نَظَرتُ الیٰ کَذَا کے معنی کسی چیز کی طرف نظر اٹھانے کے ہیں خواہ وہ نظر آئے یا نہ آئے محاورہ ہے نَظَرتُ فَلَمْ تَنْظُر، تو نے دیکھا لیکن غور نہیں کیا، اور نَظَرتُ فِیْہِ کے معنی ہیں کسی چیز کو دیکھ کر اس میں غور وفکر کرنا،

عَبَسَ : ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ، پھر منہ بنایا اور زیادہ منہ بنایا، اسنے ماتھے پر شکن ڈالے،

عَبَسَ یَعْبِسُ عَبْسًا وعُبُوْسًا، تیور چڑھانا ماتھے پر شکن ڈالنا، عَبْسٌ (بسکون السین) مصدر ہے، اور عَبَسٌ (بفتح السین) اسم ہے اُس گوبر اور پیشاب وغیرہ کو کہتے ہیں جو جانوروں کی دُم کے ساتھ چپک جاتا ہے (قرطبی)

اصل میں عُبُوْسٌ کے معنی ہیں سینہ کی تنگی کیوجہ سے چہرے پر شکن پڑنا، یَوْمٌ عَبُوْسٌ: بھیانک دن، قرآن پاک میں ہے، یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا، اُسدن سے جو چہروں کو شکن آلود اور دلوں کو بے چین اور مضطر کرنیوالا ہے، محاورہ ہے عَبَسَ الوَسَخُ عَلٰی وَجْہِہٖ، اسکے چہرے پر میل کچیل جم گیا۔

بَسَرَ : بَسَرَ بَسْرًا کے معنی کسی چیز کو قبل از وقت لے لینے کے ہیں جیسا کہ بَسَرَ الرَّجُلُ الحَاجَۃَ، اس نے قبل از وقت اپنی ضرورت کو طلب کیا، اور بَسَرَ الفَحْلُ النَّاقَۃَ، اونٹ نے مادہ کی خواہش کے بغیر اس سے جفتی کی کھجور کی ایک خاص قسم کو بھی بُسْرٌ اسی لئے کہتے ہیں کہ پکنے سے قبل توڑ لی جاتی ہے آیت کریمہ میں لفظ بَسَرَ سے مراد قبل از وقت منہ بگاڑنے کے ہیں اور آیت کریمہ وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ بَاسِرَۃٌ، میں بھی بَاسِرَۃ سے مراد قبل از وقت منہ بگاڑنا ہی ہے کیونکہ انکی یہ حالت دوزخ میں داخل ہونے سے قبل ہوگی، بعض نے لکھا ہے کہ عَبَسَ کے معنی ہیں واقع کے بعد تیور چڑھانا یا منہ بنایا، اور بَسَرَ: اَیْ کَلَحَ وَجْہَہٗ وتَغَیَّرَ لَوْنُہٗ (قرطبی)

سَقَرَ : سَاُصْلِیْہِ سَقَرَ، میں اسکو جلدی ہی دوزخ میں داخل کرونگا، سَقَرَ دوزخ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، علامہ زبیدی تاج العروس میں فرماتے ہیں کہ لفظ سَقَرَ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ آگ کا نام سَقَرَ رکھدیا گیا ہے اسکے اشتقاق کا علم نہیں ہے، ان لوگوں کے نزدیک سَقَرَ عجمی ہے اور معرفہ اور عجمہ ہونیکی وجہ سے غیر منصرف ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ لفظ سَقَرَ عربی ہے اور اہل عرب کے محاورہ سَقَرَتْہُ الشَّمْسُ سے ماخوذ ہے جسکے معنی ہیں دھوپ نے اسے تحلیل کر دیا اور اُسے لُو لگ گئی، دوزخ چونکہ جسم اور روح کو تحلیل

کر دیتی ہے اسلئے اسکو سَقَرَ کہا گیا ہے، ان کے نزدیک اسکا غیر منصرف ہونا معرفہ اور مؤنث ہونیکی وجہ سے علامہ ابو حیان اُندلسی نے البحر المحیط میں لکھا ہے کہ سَقَرَ علمیت اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے، اسکے وسط کی حرکت زَیْنَبَ کے حرف رابع کے قائم مقام ہے، علامہ قرطبی تحریر فرماتے ہیں کہ

وانّما سُمّیَتْ سقر۔ مِنْ سَقَرَتْهُ الشمس اذا اذابته وَلَوَّحَتْهُ واَحْرَقَتْ جلدہٗ وجهٖ ولا ینصرف للتعریف والتانیث (قرطبی)

قرطبی کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے نزدیک بھی لفظ سقر عربی ہے عجمی نہیں،

تُبْقِیْ: لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ، لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ، نہ ترس کھائے گی اور نہ چھوڑیگی چمڑی کو جھلس دینے والی، اَبْقٰی عَلَیْہِ کے معنی ہیں، اسنے اس پر ترس کھایا اور رحم کیا، مطلب یہ ہے کہ یہ دوزخ ایسی ظالم چیز ہے کہ نہ کسی پر ترس کھائے گی کہ اس کے عذاب میں کچھ تخفیف ہو جائے، نہ کسی کو نظر انداز کریگی کہ وہ اس سے بچ نکلے (تدبر) اَبْقٰی اِبْقَاءً (افعال) باقی چھوڑنا، اسی سے لَا تُبْقِیْ مضارع نفی ہے وہ کچھ باقی نہیں چھوڑے گی وہ کچھ ترس نہیں کریگی

لَوَّاحَةٌ: لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ، اللَّوْحُ کے معنی پیاس کے ہیں جس جانور کو پیاس زیادہ لگتی ہو اس کو دَابَّةٌ مِلْوَاحٌ کہتے ہیں، اور لُوْحٌ (ضمہ لام کے ساتھ) آسمان اور زمین کے درمیانی فضاء اور خلاء کو کہتے ہیں، لیکن اکثر علماء کے نزدیک فتحہ لام کے ساتھ بمعنی پیاس اور ضمہ لام کے ساتھ زمین و آسمان کے درمیانی خلاء کے آتے ہیں گو اسمیں فتحہ لام بھی جائز ہے لَوَّحَهُ الحَرُّ اس کو گرمی نے جھلس دیا، لَاحَ الحَرُّ لَوْحًا، گرمی خلاء میں پھیل گئی (راغب) لَوَّاحَةٌ، اَیْ مُغَیِّرَةٌ، مَنْ لَاحَهٗ اذا غَیَّرَهٗ (قرطبی)

بَشَرَ: لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ، بَشَرٌ بمعنی جسم کی کھال کے ہیں یعنی اسکے شعلوں کی لپیٹ کا حال یہ ہوگا کہ دور ہی سے مجرموں کی کھالوں کو جھلس دے گی، بَشَرٌ جمع ہے بَشَرَةٌ کی، بَشَرَةٌ انسان کی ظاہری کھال کو کہا جاتا ہے،

تِسْعَ عَشَرَ: اُنیس فرشتے، تَسَعَ: نواں ہونا نواں حصہ وصول کرنا، التَّاسِع: نواں، تُسَاعُ: نوں نوں جَاءَ القومُ تُسَاعَ: لوگ نو نو ہو کر آئے، وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ، اس سے مراد نو مشہور معجزات ہیں، تِسْعَةُ رَهْطٍ: نو اصحاب اقتدار۔

اَسْفَرَ : وَالصُّبْحِ اِذَا اَسْفَرَ، اور قسم ہے صبح کی جب وہ روشن ہو جائے، اَسْفَرَ باب افعال کے مصدر اِسْفَارٌ سے جس کے معنی روشن ہونے کے ہیں ماضی کا صیغہ ہے، اَسْفَرَ اَیْ ظَہَرَ (جمل)

اصل مادہ سَفْرٌ ہے اس کے معنی کشفِ غطار یعنی پردہ اُٹھانے کے ہیں اور یہ اعیان کے ساتھ مخصوص ہے جیسے سَفَرَ العمامۃ عَنِ الرّأس، اس نے سر سے عمامہ اُتار دیا، سَفَرَ عَنِ الوَجْہِ چہرہ کھولا اور اَلْاِسْفَارُ (افعال) یہ الوان کے ساتھ مختص ہے کسی رنگ کے ظاہر ہونے پر بولا جاتا ہے، لہٰذا آیتِ کریمہ وَالصُّبْحِ اِذَا اَسْفَرَ کے معنی ہونگے جب سفیدی صبح ظاہر ہو جائے حدیث میں ہے، اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ : صبح کی نماز روشنی میں پڑھا کرو، یعنی جب صبح کی سفیدی نمودار ہو جائے،

علامہ راغب فرماتے ہیں کہ اَسْفِرُوْا، اَسْفَرْتُ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی روشنی میں داخل ہونے کے ہیں جیسے اَصْبَحْتُ کے معنی ہیں میں صبح میں داخل ہوا، سَفَرَتِ الْمَرْأَۃُ، عورت نے چہرہ کھولا، و معنی اَسْفَرَ ضَاءَ (قرطبی) سَفَرَ وَجْہُ فُلَانٍ و اَسْفَرَ اِذَا اَضَاءَ (قرطبی)

کُبَرِ : اِنَّھَا لَاِحْدَی الْکُبَرِ، کہ دوزخ ایک بہت ہی بڑی چیز ہے (ماجدی) کُبَرٌ بضمّ کاف و فتح با کُبْرٰی کی جمع ہے، یہ صفت ہے دَاھِیَۃٌ یا مُصِیْبَۃٌ کی معنی آیت کے یہ ہوئے کہ یہ سَقَر یعنی جہنم جس میں انکو داخل کیا جائیگا بڑی بڑی آفتوں اور مصیبتوں میں سے ایک ہے (معارف) والکبر : ھی العظائمُ من العُقُوْبَاتِ وواحد الکُبَرُ، کبری مثل الصُّغْرٰی وَالصُّغَرِ وَالْعُظْمٰی اَلْعُظَمِ (قرطبی)

رَھِیْنَۃ : کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَھِیْنَۃٌ : ہر ایک جی اپنے کئے کاموں میں پھنسا ہوا ہے، رَھِیْنَۃٌ بمعنی مَرْھُوْنَۃٌ کے ہیں اور مراد اس سے اسکا محبوس اور مقید ہونا ہے جس طرح کوئی شخص قرض کے بدلہ میں کوئی چیز رہن رکھدے تو وہ چیز قرض خواہ کے قبضہ میں محبوس رہتی ہے مالک اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا اسی طرح قیامت کے روز ہر ایک نفس اپنے گناہوں کے بدلہ میں محبوس اور مقید رہے گا (معارف) یہ مصدر بمعنی مفعول ہے اور بعض کا خیال ہے کہ یہ فعیل بمعنی فاعل ہے یعنی ثَابِتَۃٌ مُقِیْمَۃٌ یعنی ثابت رہنے والی قائم رہنے والی (راغب) علامہ قرطبی فرماتے ہیں رَھِیْنَۃٌ اسم ہے بمعنی رِھَانٌ جیسا کہ

شَتِيمَةٌ بمعنی شَتِيمٌ کے ہے ، اور یہ رَهِينٌ کی مؤنث نہیں ہے کیونکہ فعیل بمعنی مفعول میں مذکر اور مؤنث برابر ہوتے ہیں ،

نَخُوضُ : وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ

خَوْضٌ فِي الْحَدِيثِ کے معنی ہیں کسی بات میں میں میکھ نکالتے نکالتے کہیں سے کہیں جا نکلنا اور اسکو فتنہ اور حق سے انحراف کے لئے بہانہ بنا لینا (تدبر)

اَلْخَوْضُ کے معنی اصل میں پانی میں اُترنے اور اس کے اندر چلے جانے کے ہیں ، بطور استعارہ کسی کام میں مشغول رہنے پر بولا جاتا ہے ۔ قرآن پاک میں اسکا زیادہ تر استعمال فضول کاموں میں لگے رہنے پر ہوا ہے جیسا کہ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ، ہم تو یونہی بات چیت اور دل لگی کرتے تھے ، راغب ۔

اَلْيَقِينُ : حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِينُ ، یہاں تک کہ ہم کو موت آگئی (ماجدی)

یقین کے معنی یہاں عام طور پر موت ہی کے لئے گئے ہیں وقال المفسرون الیقین الموتُ (بحر) ای جاءنا و نزل به الموتُ (قرطبی)

یقین کا اصل معنی تو یقین ہی کے ہیں لیکن چونکہ موت کے بعد تمام ما بعد الموت حقائق آدمی پر روشن ہو جاتے ہیں اور وہ انکے یقین پر مجبور ہو جاتا ہے اسوجہ سے موت کو بھی یقین سے تعبیر کرتے ہیں جس طرح ایک شئے کے لازم سے خود اس شئے کو تعبیر کر دیتے ہیں (تدبر)

حُمُرٌ : حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ ، وحشی گدھے قَالَ ابن عباس ، اَرَادَ الْحُمُرَ الْوَحْشِيَّةَ (قرطبی) حُمُرٌ جمع ہے حِمَارٌ کی بمعنی گدھا ،

مُسْتَنْفِرَةٌ : مُسْتَنْفِرَةٌ ، اسم فاعل مؤنث ، استنفارٌ مصدر بھاگنا ، بھگانا ، بھاگ نکلنے کی خواہش کرنا ،

قَسْوَرَةٌ : فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ، اسکا اصل مادّہ قَسْرٌ ہے ، جسکے معنی ہیں ، غلبہ اور تسلط ، قَسَرْتُهٗ وَاَقْسَرْتُهٗ میں نے اس کو مجبور کیا ، اسی سے قَسْوَرَة شیر کو کہتے ہیں کہ وہ اپنے شکار کو مجبور کر کے اس پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے تیر انداز اور شکاری کو بھی قسورہ کہتے ہیں ، بعض حضرات نے یہاں شکاری مراد لیا ہے ، مطلب یہ ہے کہ یہ وحشی گدھے ہیں جو شکاری کے خوف سے سرپٹ دوڑے چلے جا رہے ہیں

تمّت

شرح الفاظ القرآن من سورۃ القیمۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ: لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی (ماجدی) یہاں قسم سے پہلے حرف لا زائد ہے، جب قسم کسی مخالف کی بات رد کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے تو اس کے شروع میں حرف لا اس شخص کے خیال باطل کی نفی کے لئے زائد استعمال ہوتا ہے اور محاورات عرب میں یہ استعمال معروف و مشہور ہے، عرب کہتے ہیں لَا وَاللّٰهِ لَا اَفْعَلُ: نہیں خدا کی قسم میں یہ نہیں کروں گا۔

امرأ القیس کا ایک شعر ہے ؎

فَلَا وَ اَبِيْكِ اِبْنَةَ الْعَامِرِيِّ
لَا يَدَّعِي الْقَوْمُ اِنِّيْ اَفِرُّ

پس نہیں تیرے باپ کی قسم اے عامری کی بیٹی بنو تمیم یہ دعوی نہیں کر سکتے کہ میں میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ جاتا ہوں، خود ہماری اُردو زبان میں بھی بعض اوقات کسی قابل تاکید مضمون سے پہلے کہا جاتا ہے، نہیں پھر اس کے بعد اپنا مقصد بیان کیا جاتا ہے

لَوَّامَةٌ: یہ لَوْمٌ بفتح اللام سے مشتق ہے جس کے معنی سرزنش اور ملامت کرنے کے ہیں، نفس لوّامہ سے مراد وہ نفس ہے جو خود اپنے اعمال کا محاسبہ کر کے اپنے آپ کو ملامت کرتا رہے، یعنی جو گناہ سرزد ہو جائے یا عمل واجب کو ادا کرنے میں کوتاہی ہو جائے تو یہ اُس پر خود اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے کہ تو نے ایسا کیوں کیا۔ لوّامہ دراصل نفس انسانی کی مختلف صفات میں سے ایک صفت ہے اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کی تشکیل کچھ اس طرح فرمائی ہے کہ اس کے اندر نیکی اور بدی دونوں کا شعور ودیعت فرمایا ہے، اور اس کی سعادت اور شقاوت کا ضابطہ یہ ٹھہرایا ہے کہ جو اپنے نفس کو بُرائیوں سے پاک رکھے گا وہ فلاح پانے والا بنے گا اور جو اُس کو بُرائیوں سے آلودہ رکھے گا وہ نامراد ہوگا (معارف، تدبر)

لَوَّامَة، اسم مبالغہ ہے، لَوَّامٌ مذکر ہے

بہت ملامت کرنے والا۔ حضرت حسن بصریؒ کے نزدیک اس سے مراد نفس مومن ہے جو ہمیشہ اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے خواہ کتنی ہی نیکی کرے کہ تو نے اس سے زیادہ نیکی کیوں نہ کی۔

بَنَانَ : بَنَانَہٗ، اس کی پوریں، بنان مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ ہے، بَنَانٌ: انگلیوں کے سرے، یہ بنانۃٌ کی جمع ہے، جیسے تمرۃٌ کی جمع بحذف تاء تَمْرٌ آتی ہے ایسے ہی یہ ہے بنانۃٌ کی تاء کو حذف کرکے جمع بنان بنالی گئی ہے، البنان عند العرب الاصابع واحدہا بنانۃٌ، (قرطبی)

یَفْجُرُ : لِیَفْجُرَ اَمَامَہٗ۔ فَجَرَ یَفْجُرُ فُجُوْرًا، علی الاعلان اور کھلے بندوں گناہ کرنا، فجورٌ کے اصل معنی مائل ہونے اور جھکنے کے ہیں۔ فاسق اور کافر کو فاجر کہتے ہیں، اس لئے کہ وہ حق سے انحراف کرکے باطل کی طرف جھکتا ہے۔ واصل الفجور، المَیْلُ وسمّی الفَاسِقُ والکافر فاجرًا لمَیْلِہٖ عن الحق (معالم)

والفُجُوْر اصلہ المیل عن الحق (قرطبی)

اَیَّانَ : یَسْئَلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ پوچھتا ہے کہ قیامت کب ہوگی، اَیَّانَ کب، یہ مَتٰی کے قریب المعنی ہے اور کسی شے کا وقت دریافت کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے بعض لوگ اس کی اصل اَیَّ آوَانٍ بمعنی کون سے وقت بتاتے ہیں۔ الف کو حذف کرکے واؤ کو یاء کیا گیا ہے اور پھر یاء کو یاء میں ادغام کردیا اَیَّانَ ہوگیا (لغات القرآن)

بَرِقَ : فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ : سو جس روز آنکھیں خیرہ ہوجائیں گی۔ اَلْبَرْقُ کے معنی بادل کی چمک کے ہیں اس سے بَرِقَ آتا ہے خوف کی وجہ سے آنکھوں کا خیرہ ہوجانا (راغب)

مَعَاذِیْرَہٗ : وَلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ یہ مَعْذِرَۃٌ کی جمع ہے، اصل میں یہ مَعَاذِرُ ہے حرف یاء اس میں زیادہ ہوگیا ہے، جس طرح مناکیر میں زیادہ ہے، اس کے معنی ہیں جھوٹے عذرات پیش کرنا اور لاطائل بہانوں سے اپنی براءت ظاہر کرنا۔ اور یمنی زبان میں اس کے معنی پردہ کے ہیں، اس صورت میں یہ مِعْذَارٌ کی جمع ہوگی۔ معذار پردہ کو کہتے ہیں، لیکن قرآن پاک چونکہ قریش کی زبان میں ہے اس لئے ترجیح اسی کو ہے۔ یہ مَعْذِرَۃٌ کی جمع ہے، عربی زبان کی مشہور مثل ہے۔ المَعَاذِرُ مَکَاذِبٌ : عذر باز جھوٹا ہے۔ عُذْرٌ اور مَعْذِرٌ، ایسی بات جس سے قصور کی گرفت نہ ہو، اور عذر تین طرح کا ہوتا ہے (۱) ارتکاب جرم کا انکار کرنا (۲) ارتکاب

جرم کی کوئی وجہ بیان کرنا جس سے جرم کی سزا سے بچ جائے (۳) اقرار جرم کے بعد آئندہ جرم نہ کرنے کا وعدہ کرنا، اس آخری صورت کو توبہ بھی کہتے ہیں (راغب)

وَالْمَعَاذِيْرُ والمَعَاذِرُ جمع مَعْذِرَةٍ (قرطبی)

مَعْذِرَة اور عُذْرَیٰ، دونوں اسم ہیں اِعْتَذَرْتُ اِلَيْهِ: میں نے اس کے سامنے عذر پیش کیا، عَذَرْتُهٗ: میں نے اس کا عذر قبول کیا۔

لَا تُحَرِّكْ : لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ: حَرُكَ يَحْرُكُ (ک)، حَرَكًا: ہلنا، حرکت کرنا، حَرَّكَهٗ: ہلانا، کہا جاتا ہے، حَرَّكَنِي الْاَمْرُ: معاملے نے مجھے بے چین اور مضطرب کر دیا، اَلْحَارِكُ: پیٹھ کا اوپری حصہ، جو دونوں کندھوں کے درمیان ہوتا ہے، اَلْحَرِكُ: ہلکا پھلکا، تیز خاطر۔ غُلَامٌ حَرِكٌ: سریع الفہم لڑکا، لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ: آپ قرآن یاد کرنے کی خاطر اپنی زبان جلدی جلدی نہ ہلائیں

وَزَرَ : كَلَّا لَا وَزَرَ: وَزَرٌ: پہاڑ میں جائے پناہ۔ وَالْوَزَرُ فِي اللُّغَةِ: مَا يُلْجَأُ اِلَيْهِ حِصْنٍ اَوْ جَبَلٍ اَوْ غَيْرُهُمَا (قرطبی)

اس مادہ کی تحقیق گزر چکی ہے۔

اَلْعَاجِلَةَ : بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ: عَاجِلَةٌ عَجَلٌ اور عَجَلَةٌ سے اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے، جلد ملنے والی، مراد اس سے دنیا اور دنیا میں ملنے والی آسودگی ہے۔

نَاضِرَةٌ : نَاضِرَةٌ، خوش باش، تروتازہ صیغہ اسم فاعل مؤنث، نَضْرٌ اور نَضَارَةٌ مصدر، تروتازگی، رونق، اس کے مقابلہ میں لفظ بَاسِرَةٌ ہے، بے رونق اور مرجھایا ہوا

فَاقِرَةٌ : فَاقِرَةٌ: کمر توڑ دینے والا معاملہ فَقْرٌ: ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں (ماجدی) فَاقِرَة: ایسی مصیبت کو کہتے ہیں جو ریڑھ کی ہڈی کو توڑ دینے والی ہو (تدبر)

فَقَرَتْهُ الْفَاقِرَةُ: مصیبت نے اسکی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی، شر اور ہلاکت کو بھی فاقرۃ کہتے ہیں۔

علامہ قرطبی نے نقل کیا ہے، والفاقِرَة۔ الدَّاهِيَةُ وَالْاَمْرُ الْعَظِيْمُ (قرطبی)

اور فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں اونٹ کی ناک کو لوہے یا آگ وغیرہ سے داغ دینا، یہاں تک کہ داغ ہڈی تک چلا جائے، وَاَصْلُهَا الْوَسْمُ عَلٰى اَنْفِ الْبَعِيْرِ بِحَدِيْدَةٍ اَوْ نَارٍ حَتّٰى يَخْلُصَ اِلَى الْعَظْمِ (قرطبی)

تَرَاقِيَ : التَّرَاقِيَ: تَرْقُوَةٌ کی جمع ہے بمعنی ہنسلی، گردن اور سینے کے درمیان کی ہڈیاں جو عرضاً گردن کے دونوں طرف حلق کے نیچے

کی طرف پھیلی ہوئی ہے،

وَالتَّرَاقِيَ : جمع تَرْقُوَةٍ، وهي العظام المكتنفة لنقرة النحر وهو مقدام الحلق من اعلى الصدر موضع الحشرجة (قرطبی) وَهِيَ العظام المكتنفة لِثغرِ النحرِ يمينًا وَّ شمالًا (جمل)

رَاقٍ : مَنْ رَاقٍ، رُقْيَةٌ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، جھاڑ پھونک کرنے والا، یہ جملہ اصل میں شدت امر کی تعبیر کے لئے ہے، اور نکرہ سے پہلے حرف مَنْ یا تو شدت طلب کے لئے آتا ہے یا غلبۂ یاس کے اظہار کے لئے، طرفہ شاعر کہتا ہے ؎

اذا القومُ قالوا من فتیٰ خلتُ اَنَّنِيْ عُنِيْتُ فلم اكسل ولم اتبلّدِ

جب قوم پکارتی ہے کہ ہے کوئی جوان تو میں کہتا ہوں کہ ان کا اشارہ میری طرف ہے، اور اس وقت میں سستی اور بودے پن کا اظہار نہیں کرتا مطلب یہ ہے کہ عالم نزع سے گھبرا کر قریب الموت کے قریبی لوگ پکاریں گے کہ کوئی ہے جو اسکا علاج کرے۔ رَقٰی یَرْقِیْ (ض) رُقْیَۃٌ جھاڑ پھونک کرنا، روحانی علاج کرنا، بعض حضرات نے رَاقٍ کو رَقِيَ يَرْقٰى (س)، سے اسم فاعل تسلیم کیا ہے، جسکے معنی ہیں بلند ہونا اوپر کی طرف چڑھنا، اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جبرائیلؑ اپنے ہمراہ فرشتوں کو کہیں گے اس کی روح کون لے کر جائے گا۔

طریقۂ تلاوت: مَنْ رَاقٍ ۔ وَبَلْ رَانَ ۔ مَنْ اور بل دونوں جگہوں پر حرف من میں نون اور بل میں لام کو ظاہر کرکے پڑھا جاتا ہے جبکہ اصولاً ادغام ہونا چاہئے، مَنْ رَاقٍ کو مَرَّاقٍ اور بَلْ رَانَ کو بَرَّانَ پڑھا جانا چاہئے، لیکن التباس سے بچنے کے لئے اس اصول کو ترک کر دیا گیا ہے، چونکہ مَنْ رَاقٍ میں ادغام کریں تو صیغہ مَرَّاقٍ پڑھا جائیگا اور مَرَّاق مَرَقَۃٌ سے شوربہ فروش کو کہا جاتا ہے اسی طرح جب بَلْ ران میں لام کو راء میں مدغم کریں تو صیغہ بَرَّانِ بن جائے گا جو بَرٌّ کا تثنیہ ہے اس التباس سے بچنے کے لئے دونوں جگہوں پر سکتہ کیا جاتا ہے (ملخصًا از قرطبی) مجھے یاد پڑتا ہے کہ یہ مسئلہ جناب مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہٗ نے غالبًا بخاری شریف کے درس کے دوران فرمایا تھا جس کو برسوں بعد بندہ نے تفسیر قرطبی میں دیکھا

اَلْفِرَاقُ : وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ، اور مرنے والے نے سمجھ لیا کہ اب مفارقت کا وقت ہے فِرَاقٌ اسم فعل ہے بمعنی جدائی، مفارقت۔

اِلْتَفَتِ : وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ : اِلْتَفَّتْ، وہ لپٹ گئی، اِلْتِفَافٌ سے واحد

مؤنث کا صیغہ ہے۔ ایک چیز کا دوسری چیز سے لپٹ جانا، منضم ہوجانا لَفَفْتُ الشَّیْءَ بِالشَّیْءِ ایک چیز کو دوسری چیز سے ملا دینا، مدغم کر دینا۔ قرآن پاک کی آیت ہے وَجِئْنَا بِکُمْ لَفِیْفًا، اور تم سب کو جمع کر کے لائیں گے اور آیتِ کریمہ وَجَنّٰتٍ اَلْفَافًا میں الفافٌ سے مراد ایک دوسرے سے متصل گھنے اور گنجان درختوں والے باغیچے ہیں۔

اَلسَّاقُ : السَّاقُ، پنڈلی، وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ، پنڈلی کا پنڈلی سے مل جانا، شدتِ احوال کو ظاہر کرنے کی بلیغ تعبیر ہے، یہ حالت شدتِ ضعف اور بے بسی کے عالم میں ہوتی ہے شدائد احوال اور مشکلات کے وقت گھبراہٹ کی وجہ سے انسان کے پاؤں لڑکھڑا جاتے ہیں اور پنڈلیاں ایک دوسرے سے ٹکرانے لگتی ہیں، اسی سے بطور استعارہ کے شدتِ احوال و مصائب پر بھی ساق کا لفظ بولا جاتا ہے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں: اَیْ فَاتَّصَلَتِ الشِّدَّۃُ بِالشِّدَّۃِ شِدَّۃُ اٰخِرِ الدُّنْیَا بِشِدَّۃِ اَوَّلِ الْاٰخِرَۃِ: ایک شدت دوسری شدت کے ساتھ مل گئی، آخر دنیا کی شدت آخرت کی ابتدائی شدت سے متصل ہوگئی۔ محاورہ ہے قَامَتِ الْحَرْبُ عَلٰی سَاقٍ: جنگ پوری شدت سے شروع ہوگئی، عرب لوگ شدائد کے لیے ساق کا عام استعمال کرتے ہیں۔

اَلْمَسَاقُ : المَسَاق، سَاقَ یَسُوْقُ سے مصدر ہے۔ وَالْمَسَاقُ مَصْدَرٌ مِنْ سَاقَ یَسُوْقُ کَالْمَقَالِ مِنْ قَالَ یَقُوْلُ (قرطبی) اور یہ مصدر میمی ہے۔

یَتَمَطّٰی : ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓی اَهْلِهٖ یَتَمَطّٰی، پھر فخر کرتا اپنے گھر چل دیتا تھا (ماجدی) مَطًا، اصل میں پیٹھ کو کہتے ہیں، اور یَتَمَطّٰی کے معنی ہیں پیٹھ کو بڑھانا اور لمبا کرنا جیسا کہ انگڑائی لیتے وقت انسان کرتا ہے۔ کنایہ کے طور پر اکڑ کر چلنے کے مفہوم میں آتا ہے۔ اَلْمَطِیَّۃُ وہ اونٹ جس کی پیٹھ پر سواری کی جاتی ہے اور اِمْتَطَیْتُہٗ (افتعال) کے معنی ہیں میں نے اس کی پیٹھ پر سواری کی۔ اسی سے مجازی طور پر اس رفیق کو جس پر پورا بھروسہ ہو مَطِیٌّ کہا جاتا ہے، (راغب) وَقِیْلَ یَتَمَطّٰی مِنَ الْمَطَا وَهُوَ الظَّهْرُ وَالْمَعْنٰی یَلْوِیْ مَطَاهُ (قرطبی)

مَطًا : پشت جمع اَمْطَاءٌ یتمطّٰی کی اصل یَتَمَطَّطُ ہے۔ آخری طا کو یا سے تبدیل کیا ہے جیسا کہ یَتَظَنّٰی، کہ اس کی اصل بھی یَتَظَنَّنُ ہے، (غریب القرآن ابن قتیبہ)

اَوْلٰی : اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی : تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے (ماجدی) خرابی تیری خرابی پر خرابی تیری (معارف)

لفظ اَوْلیٰ وَیْلٌ کا مقلوب ہے وَیْلٌ کے معنی
ہلاکت اور بربادی ہیں (معارف)
صاحب تفہیم القرآن مولانا مودودی صاحب (مرحوم)
نے لفظ اَوْلیٰ کا ترجمہ سزاوار کیا ہے،
مولانا امین احسن صاحب اصلاحی تدبر قرآن میں
ارشاد فرماتے ہیں کہ اَوْلیٰ لفظ ویل سے ہے جو زجر
اظہارِ حسرت و ملامت اور اظہارِ نفرت و غضب
کے لئے آتا ہے، اس معنی میں یہ کلام عرب میں
بکثرت آیا ہے، خنسار کا مشہور شعر ہے،
هَمَمْتُ بِنَفْسِی کل الهموم
فَاَوْلیٰ لِنَفْسِی اَوْلیٰ لَهَا
میں نے اپنے نفس کے لئے طرح طرح کے ارادے
کر ڈالے، پس افسوس ہے میرے نفس پر افسوس
ہے، اس کے بعد مولانا لکھتے ہیں کہ معلوم نہیں
بعض مترجمین نے اسکا ترجمہ سزاوار کیسے کر دیا
ہے، یہ عربیت کے بھی خلاف ہے اور سیاق و
سباق سے بھی بے جوڑ (تدبر)
سُدًی : اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ
یُّتْرَكَ سُدًی، کیا انسان اس خیال میں ہے
کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا (ماجدی)
سُدًی : بے قید، مہمل کہ نہ کسی بات پر مامور
ہو اور نہ کسی چیز سے اس کو روکا جائے یا سُدًا
سے جس کے معنی چھوڑ دینے کے ہیں اسم ہے،
واحد اور جمع دونوں کے لئے برابر استعمال ہوتا
ہے، ابلٌ سُدًی، اس اونٹ کے لئے بولا جاتا
ہے جو بغیر چروا ہے کے یونہی چھوٹا پھرے
جدھر چاہے چرتا پھرے اس کا کوئی نگراں نہ
ہو یعنی شتر بے مہار، ای اَنْ یُّخْلٰی مُهْمَلًا
فلا یُؤْمَرُ وَلَا یُنْهٰی قاله ابن زید و مجاهد
ومنه ابلٌ سُدًی تَرْعٰی بلا راعٍ (قرطبی)
نُطْفَةً : اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً، وَالنُّطْفَةُ
الماء القلیل، یقال نَطَفَ الماءُ : اذا
قَطَرَ (قرطبی)

تمت

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الدھر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھَلْ : ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا : بیشک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز ہی نہ تھا (ماجدی)

حرف ھَلْ استفہام کے لئے آتا ہے اور بعض اوقات کسی بدیہی اور کھلی ہوئی چیز کو بصورت استفہام اس سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اسکا واضح ہونا اور مؤکد ہوجائے کہ جس سے پوچھو گے یہی جواب دیگا، دوسرا احتمال ہی نہیں جیسے کوئی شخص نصف النہار کے وقت کسی سے پوچھے کہ کیا یہ دن نہیں ہے اسکی صورت تو استفہام کی ہے مگر درحقیقت اسکے انتہائی واضح ہونے کا بیان ہے، اسی لئے ایسے موقع میں بعض حضرات نے فرمایا کہ اس جگہ حرف ھَلْ بمعنی قد ہے جو تحقیق واقع کے لئے بولا جاتا ہے (معارف)

حِیْنٌ : حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ، حِیْنٌ وقت، مُدّت، زمانہ۔ اسکی جمع اَحْیَانٌ ہے حین کسی شئے کے بلوغ اور حصول کے وقت کا نام ہے اس کے معنی میں جو ابہام ہے مضاف الیہ سے اس کی تخصیص ہوجاتی ہے جیسے وَلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ، اور وقت نہ رہا تھا خلاصی کا کہ حین یعنی وقت کے معنے میں جو ابہام تھا اس کی مضاف الیہ یعنی مناص سے تخصیص ہوگئی، اسکا استعمال متعدد معانی کے لئے ہوتا ہے۔

(۱) مدت کے لئے جیسے وَمَتَّعْنٰھُمْ اِلٰی حِیْنٍ، اور ہم نے انکا ایک مدت تک کام چلایا، (۲) برس اور سال کے معنی میں جیسے تُؤْتِیْٓ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍ، ہر سال اپنا پھل لاتا ہے، (۳) گھڑی جیسے فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ، سو پاک اللہ کی یاد ہے جس گھڑی کہ تم شام کرو اور جس گھڑی کہ تم صبح کرو، (۴) زمانِ مطلق کے لئے، جیسے ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ، یہاں لفظ حین پر تنوین وقت اور زمانہ

کی درازی ظاہر کرنے کے لئے ہے،

اَلدَّھْرِ : اَلدَّھْرُ، زمانہ اصل میں تو دھر عالم کے وجود میں آنے سے لیکر اس کے ختم ہونے تک کی پوری مدت کا نام ہے، اور پھر اس سے ہر بڑی مدت بھی مراد لی جاتی ہے، برخلاف زَمَانٌ کے کہ یہ مدت قلیلہ اور کثیرہ دونوں کے لئے بولا جاتا ہے، بطور استعارہ کے دھر کا لفظ انسان کی اس عادت کے لئے بھی بولا جاتا ہے جو زندگی بھر رہنے والی ہو، کہا جاتا ہے مَا دَھْرِی بِکَذَا، میری یہ عادت نہیں ہے (راغب)

اَمْشَاجٍ : من نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ : نطفہ مخلوط سے، امشاج جمع ہے مَشِجٌ یا مَشِیجٌ کی جس کے معنی مخلوط کے ہیں، اور یہاں ظاہر یہ ہے کہ مرد و زن کا مخلوط نطفہ مراد ہے، جیسا کہ اکثر حضرات مفسّرین نے نقل کیا ہے، علامہ بغدادی نے روح المعانی میں بعض مفسّرین سے نقل کیا ہے کہ امشاج سے مراد اخلاط اربعہ ہیں، یعنی خون، بلغم، سودا، صفرا ہیں جن سے نطفہ مرکب ہوتا ہے اَمْشَاجٌ، اَخْلَاطٌ واحدھا مَشْجٌ وَمَشِیجٌ مثل خِدْنٍ خَدِینٍ وَیُقَالُ مَشَجْتُ ھذا بِھذا ای خَلَطْتُہٗ، فَھُوَ مَمْشُوْجٌ وَمَشِیْجٌ مثل مخلوطٍ و خلیطٍ، (قرطبی)

مَشَجَ یَمْشِجُ (ض) ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ ملجانا۔ مَشْجٌ، مَشَجٌ، مَشِجٌ و مَشِیجٌ اور مَشِیْجٌ سب اَمْشَاجٌ کے واحد ہیں یعنی خلط ملط ہونا۔

نَبْتَلِیْهِ : نَبْتَلِیْ، اِبْتِلَاءٌ سے جمع متکلم کا صیغہ ہے، ہ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ کی ہے اس کی آزمائش کریں، نَبْتَلِیْهِ کو اکثر حضرات نے بیان علت کے مفہوم میں لیا ہے یعنی ہم نے انسان کو آزمانے کے لئے پیدا کیا حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں نَبْتَلِیْهِ ابتلاء سے مشتق ہے جس کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں، یہ تخلیق انسانی کی غرض و حکمت کا بیان ہے کہ انسان کو اس شان کے ساتھ پیدا کرنے کا مقصد اس کی آزمائش ہے، جس کا بیان اگلی آیتوں میں آیا ہے کہ ہم نے انبیاء اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ اس کو راستہ دکھلایا کہ یہ راستہ جنت کی طرف ہے اور دوسرا دوزخ کی طرف جاتا ہے اور اس کو اختیار دیدیا کہ جس کو چاہے اختیار کرے، ابتلاء کے معنی لغت میں جانچنے پرکھنے اور آزمانے وغیرہ

کے ہی آتے ہیں، آدمی جب کسی چیز کا
جائزہ لیتا ہے تو اس کو مختلف پہلوؤں
سے اُلٹ پلٹ کر اور ٹھونک بجا کر دیکھتا
ہے، یہیں سے اس کے اندر ایک طور سے
گذار کر دوسرے طور میں لے جانے کا مفہوم
پیدا ہو گیا، اسی مفہوم کے پیشِ نظر
بعض حضرات نے اسکا مطلب یہ بیان
کیا ہے کہ ہم نے انسان کو اس طرح پیدا
کیا کہ درجہ بدرجہ اس کو مختلف اطوار
مراحل سے گزارتے ہوئے ایک سمیع اور
بصیر مخلوق کے درجہ تک پہنچا دیا، دونوں
مفہوموں پر صیغہ نَبْتَلِیْهِ حال ہے۔

كَأْسٍ : يُشْرَبُوْنَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ
مِزَاجُهَا كَافُوْرًا، ایسے جام پئیں گے
جس میں کافور کی آمیزش ہو گی (ماجدی)
بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ کافور جنت
کے ایک چشمہ کا نام ہے، کأس، اس
پیالہ کو کہا جاتا ہے جس میں شراب موجود
ہو، اور جب خالی ہو تو اس کو کأس نہیں
کہا جاتا بلکہ کُوب یا ابریق کہا جاتا ہے،
لیکن توسیع استعمال کے بعد اسکا اطلاق
ظرف اور مظروف دونوں پر ہونے لگا ہے
کأس کی جمع کُؤُس وَكِئَاس اور
كَأْسَاتٌ آتی ہے، وَالْكَأْسُ فِي اللغة
الاناء فيه الشراب واذا لم يكن
فيه شراب لم يسم كأسا (قرطبی)

مِزَاجٌ : مِزَاجٌ مصدر ہے باہم ملانا
کئی چیزوں کو ملا کر یکذات کرنا، ملاوٹ کے
بعد جو ایک جدید کیفیت پیدا ہوتی ہے اس
کو بھی مزاج کہتے ہیں، یہاں مزاج سے
مراد ملاوٹ ہے، كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا
کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی ملاوٹ کافور سے
ہو گی جس میں کافور کی آمیزش ہو گی،
مزاجُ البدن، اخلاطِ جسم کو کہا جاتا
ہے جیسے سوداء، صفراء، سردی اور گرمی
وغیرہ، مِزَاجُهَا ای شوبها وخلطها
(قرطبی)
مِزَاج کے معنی ملونی کے ہیں، کھانے
پینے کی چیزوں میں لذت اور خوشبو یا
ان کے مزاج میں اعتدال پیدا کرنے کے
لئے بعض چیزیں ان کے استعمال کے وقت
ملائی جاتی ہیں، شراب میں اس طرح کی
ملونیوں کا ذکر عرب شعراء اکثر کرتے ہیں،
حضرت حسانؓ کا ایک شعر ہے ؎

كَأَنَّ سَبِيْئَةً مِّنْ بَيْتِ رَأْسٍ
يَكُوْنُ مِزَاجُهَا عَسَلٌ وَمَاءٌ

گویا شراب ہے جو بیت راس سے منگائی گئی ہے جس میں ملونی شہد اور پانی کی ہے، بیت راس اُردن کے ایک مقام کا نام ہے یہاں کی شراب مشہور تھی، اور سبیئۃ سے مراد شراب ہے۔

کَافُوْرًا: کَافُوْرًا، جنت کے چشموں میں سے ایک چشمہ کا نام ہے جسکو عینُ الکافور کہا جاتا ہے، قال ابن عباس ھو اسم عین فی الجنۃ یقال لہ عین الکافور (قرطبی)

تَفْجِیْرًا: یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا: تفجیر، کے معنی کسی چشمہ کی بہت سی شاخیں نکال نکال کران کے جال بچھا دینا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس چشمہ پر پہنچنے کے لئے اہلِ جنت کو کوئی شدِّ رحال نہیں کرنا پڑیگا بلکہ جو جہاں جائے گا اس کی شاخیں نکال لے گا (تدبر)

تفسیر قرطبی میں ہے کہ ان نہروں کو جاری کرنے کے لئے جنتی کا اشارہ کافی ہوگا اس کے لئے گڑھا وغیرہ کھودنے کی حاجت نہ ہوگی

مُسْتَطِیْرًا: کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا اس کا شر ہمہ گیر ہوگا، مُسْتَطِیْرٌ کے معنی عام اور ہمہ گیر کے ہیں، یہ باب استفعال کے مصدر استطارۃٌ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اس کا اصل مادہ طَیْرٌ ہے جسکے معنی عام اور کسی چیز کے پھیلے ہوئے ہونیکے ہیں، طَارَ یَطِیْرُ طَیَرَانًا کا اصل معنی ہیں پرندہ کا اُڑنا پھر مجازی طور پر اس سے سرعت رفتاری مراد لی جاتی ہے، فَرَسٌ مُطَارٌ: تیز رفتار گھوڑا، تَطَایَرُوْا: لوگ جلدی سے منتشر ہو گئے، پھیل گئے، غُبَارٌ مُسْتَطَارٌ: فضا میں پھیلا ہوا غبار، فَجْرٌ مُسْتَطِیْرٌ: منتشر ہونے والی صبح، فجر کو فاعل تصور کر کے اس کے لئے صیغہ فاعل کا بولتے ہیں اور غبار مفعول تصور کر کے مستطار کہتے ہیں، استَطَارَ الحریقُ: آگ پھیل گئی، وقال القرطبی مُسْتَطِیْرًا ای عَالِیًا دَاھِیًا فَاشِیًا وھو فی اللغۃ ممتدًّا (قرطبی راغب)

علامہ دریابادیؒ حاشیہ تفسیر پر رقم طراز ہیں کہ مُسْتَطِیْرٌ وہ چیز ہے جو خوب پھیلے ہوئے اور خوب گھیرے ہوئے ہو (ماجدی)

عَبُوْسًا: عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا: سخت تلخ، یہ دونوں لفظ یوم آخرت کی صفت ہیں عَبُوْسٌ کے معنی ترش رو اور رُوکھے پھیکے کے ہیں، قمطریر اسی مضمون کی شدت کے اظہار کے لئے بطور تاکید آیا ہے (ماجدی)

قَمْطَرِيْرًا : قَمْطَرِيْرًا، ای شدیدًا (راغب) القَمْطَرِيْرُ، الشدید (قرطبی) ونقل القرطبی عن ابن عباس العبوس الضیّق والقمطریر الطویل قَمْطَرَتِ النَّاقَةُ اس وقت بولتے ہیں جب اونٹنی دُم اُٹھا کر ناک چڑھا کر منہ بنا کر مکروہ شکل اختیار کرے، اس معنی کی مناسبت سے ہر امر مکروہ کے لئے قمطریر استعمال ہونے لگا ہے،

نَضْرَةً : وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا۔ نَضْرَةً، سفیدی، حسن و رونق اور خوبصورتی خدا کی عطا کردہ نعمتوں کا انسان پر ظاہری اثر،

سُرُوْرًا : سُرُوْرٌ، دل میں پیدا ہونے والی خوشی اور فرحت، ان الفاظ کی تحقیق کتاب میں گزر چکی ہے۔

زَمْهَرِيْرًا : لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا، اور نہ وہاں تپش پائیں گے اور نہ سردی، زمہریر: ٹھر، سخت سردی علامہ زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ جنت کی ہوا معتدل ہے نہ وہاں آفتاب کی دھوپ تمازت پہنچاتی ہے نہ سردی کی ٹھر ستاتی ہے۔ زمہریر کا ترجمہ بعض حضرات ماہتاب (چاند) بھی کیا ہے، ثعلب کا قول ہے کہ یہ قبیلہ طے کی لغت میں ہے، وقال ثعلب الزمھریر: القمر بلغۃ طیّٔ۔ اس قبیلہ کے ایک شاعر کا قول ہے ؎

وَلَيْلَةٍ ظَلَامُهَا قَدِ اعْتَكَرْ
قَطَعْتُهَا وَالزَّمْهَرِيْرُ مَا زَهَرْ

ایسی رات کہ جس کی اندھیاری چھائی ہوئی تھی اس کو میں نے قطع کیا اور چاند روشن نہ تھا، (کشاف۔ قرطبی)

قُطُوْفٌ : قُطُوْفٌ، قُطُوْفُهَا، اس کے پھل، اس کے میوے، یہاں قطوف سے مراد جنت کے پھل اور اثمار ہیں، اس کی واحد قِطْفٌ بکسر القاف ہے۔ قَطْفٌ کے معنی توڑنے کے آتے ہیں اس معنی کے اعتبار سے پھلوں کو قطوف کہا جاتا ہے۔ قَطَفْتُ الثَّمَرَةَ قَطْفًا : درخت پر سے پھل توڑنا، چننا اور توڑے ہوئے پھل کو قِطْفٌ کہا جاتا ہے، قطوف اس کی جمع ہے وہ پکے ہوئے پھل جو گویا توڑے ہی جانے والے ہیں۔

قَوَارِيْرًا : قَوَارِيْرَ مِنْ فِضَّةٍ: قَوَارِيْر جمع ہے قَارُوْرَةٌ کی بمعنی شیشہ یا شیشے کے برتن گلاس ہو یا صراحی وغیرہ، چاندی کے قواریر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ چاندی کی طرح سفیدی اور شیشے کی طرح صفائی ان برتنوں میں ہو گی،

زَنْجَبِیْل : کَانَ مِزَاجُھَا زَنْجَبِیْلاً :
زنجبیل کے مشہور معنی تو سونٹھ کے ہیں اب
جنت کی زنجبیل کیا ہے اس کی حقیقت اللہ ہی
جانتا ہے اور جنت کے چشموں میں سے اس
چشمہ کا نام بھی زنجبیل ہے جس سے مقربین
کو تو خالص ملیگا اور باقی اہل جنت کو اس
چشمہ کی آمیزش کر کے دیا جائے گا (قرطبی)

سَلْسَبِیْل : تُسَمّٰی سَلْسَبِیْلاً، سلسبیل
بھی جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے جس کے
معنی ہیں بہتا ہوا صاف ستھرا پانی،
ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ میں نے سلسبیل کو
قرآن پاک کے سوا کہیں اور نہیں پایا، اس
صورت میں اس کے اشتقاق کا پتہ نہیں
لگایا جا سکتا۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ
شراب سَلْسَلٌ، سلسالٌ اور سلسبیلٌ بولا جاتا ہے
اس میں ترکیب کے اندر بار زائد کر دی گئی ہے
جس سے کلمہ خماسی بن گیا ہے اور انتہائی
خوشگواری پر دلالت کرتا ہے، زجاج کا قول
ہے کہ لغت میں سلسبیل اس چیز کی صفت
ہے جس میں انتہائی خوشگواری ہو۔
علامہ ابو حیان اندلسی زمخشری کے قول کو نقل
کر کے فرماتے ہیں کہ اگر زمخشری کا یہ مطلب ہے
کہ بار حقیقت میں زائد کر دی گئی ہے، تو
درست نہیں کیونکہ علم لغت کے اندر (ب)
ان حروف میں سے نہیں ہے جو زیادت کیلئے
مقرر ہیں، اور اگر یہ مطلب ہے کہ حرف بار اشتاہ
کلمہ میں آگیا ہے اور سلسل اور سلسال میں
نہیں ہے تو صحیح ہے اور ان الفاظ میں سے ہوگا
جو معنی متفق ہیں، اور مادہ میں مختلف ہیں،
علامہ محمد بن احمد القرطبی فرماتے ہیں کہ سلسبیل
لذیذ شراب کو کہا جاتا ہے اور یہ فَعْلَلِیْلٌ
کے وزن پر سلالۃ سے ماخوذ ہے، عرب
کہتے ہیں شرابٌ سَلْسَلٌ وسَلْسَالٌ وسَلْسَلٌ
وسَلْسَبِیْلٌ سب کے ایک ہی معنی ہیں
خوش ذائقہ اور لذیذ شئے (قرطبی)

مَنْثُوْرًا : مَنْثُوْرًا : بکھرا ہوا، غیر منظوم،
پراگندہ، نَثَارٌ اور نَثَارَۃٌ : جھڑن وہ چیز
جو دسترخوان وغیرہ سے جھڑ کر نیچے گر جاتی ہے
نَثْرٌ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی
بکھیرنا، کسی چیز کو پھیلانا، غلمان جنت کو
بکھرے ہوئے موتیوں کے ساتھ تشبیہ
دی گئی ہے جس سے مقصد ان کی خوبصورتی
اور حسن منظر کو بیان کرنا ہے۔

اَسَاوِرَ : وَحُلُّوْا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّۃٍ
اَسَاوِرَ، جمع ہے سِوَارٌ کی بمعنی کنگن ہے
اہل جنت کا مخصوص زیور ہے جو بطور عنایت

قدرت کے ان کو ملیں گے۔

اَسْرَ : وَشَدَدْنَا اَسْرَهُمْ ، اور ہم ہی نے اُن کے جوڑ بند مضبوط کئے۔

شَدَّ اسرًا کے معنی ہڈیوں اور اعصاب کو ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے جوڑنے کے ہیں (تدبر)

والاسرُ : الخَلْقُ ، قال ابو عبیدۃ : یقالُ فَرَسٌ شدید الاسر : ای الخلقُ وقال ابو ھریرۃ والحسن والربیع شددنا مَفَاصِلَہُمْ واوصالہم بَعْضَھَا الیٰ بعضٍ بالعروق والعصب (قرطبی)

اصل میں اِسَارٌ سے مشتق ہے ، اسارٌ چمڑے سے کٹی ہوئی اس لمبی رسی کو کہتے ہیں جس سے پالان وغیرہ کسا جاتا ہے ، محاورہ ہے اَسَرْتُ الْقَتَبَ اَسْرًا : میں نے پالان کو خوب کس کر باندھا ، جب کسی کا پالان اچھے طریقے سے بندھا ہوا ہو تو عرب کہتے ہیں مَا اَحْسَنَ اَسْرَقَتَبِہٖ (قرطبی)

قیدی کو بھی اسیر اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ اسار سے باندھا جاتا ہے پھر توسُّعاً ہر قیدی کو اسیر کہتے ہیں چاہے وہ ان رسیوں سے نہ بھی باندھا گیا ہو۔

تمّت

شرح الفاظ القرآن من سورۃ المرسلات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عُرْفًا: وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا، مُرْسَلات مصدر ارسالٌ سے اسم مفعول مؤنث ہے اسکی واحد مُرْسَلَۃٌ ہے، رَسْلٌ اونٹ یا بکری کی مسلسل رفتار کو کہتے ہیں، جَاءُوْا ارسالاً، عرب اس وقت بولتے ہیں جب گھوڑے یا اونٹ یا لوگ یکے بعد دیگر آئیں۔ عُرْفٌ: گھوڑے کی ایال کو کہتے ہیں۔ ایال گردن کے وہ طویل بال ہیں جو گھوڑے کی پیشانی پر لٹکے ہوئے ہوتے ہیں لفظ عُرْف ناصیۃ الفرس کے لئے مشہور ہے،

امراۃ القیس کا ایک شعر ہے ؎

نَمُشُّ بِاَعْرَافِ الْجِیَادِ اَکُفَّنَا
اِذَا نَحْنُ قُمْنَا عَنْ شِوَاءٍ مُضَهَّبٍ

جب ہم شکار کا کچا پکا گوشت کھا کر اٹھتے تو گھوڑوں کی ایال سے اپنے ہاتھ پونچھ لیتے۔

گھوڑے کی ایال پکڑ کر اُس کو روکا بھی جا سکتا ہے اور اس کو چھوڑ کر ان کو جولانی کے لئے چھوڑا بھی جا سکتا ہے، ہوا جب رُکی ہوتی ہے تو گویا بند بھی ہوتی ہے، جب چلنے لگی تو گویا چھوڑ دی گئی۔ آیت میں ہواؤں کو گھوڑوں سے اور ان کے آزاد کرنے کو اُن کی ایال چھوڑ دینے سے تعبیر فرمایا ہے،

عرف کا استعمال دو معنوں میں معروف ہے، ایک بمعنی معروف، یعنی نیکی اور نیک کام کے، دوسرا بمعنی پے درپے اور لگاتار کے، جَاءَ الْقَوْمُ عُرْفًا عُرْفًا، لوگ لگاتار، ایک دوسرے کے پیچھے آئے۔

گھوڑے کی ایال کو عرف اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کے بال مسلسل قطار میں ہوتے ہیں،

عَاصِفٰتِ: فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا،

عَاصِفَات: وہ ہوائیں جو تیز و تند ہیں جھونکا دینے والی آندھیاں، یہ عصفٌ سے اسم فاعل مؤنث ہے۔ علامہ مرتضیٰ زبیدی تاج العروس میں لکھتے ہیں کہ عاصفات وہ ہوائیں ہیں کہ جس پر گزرتی ہیں مٹی ڈال کر اسکا بھس بنا دیتی ہیں، یہ عاصفۃٌ کی جمع ہے، عَصْفٌ بھس کو کہتے ہیں، اس لئے رِیْحٌ عَاصِفٌ، وہ ہوا ہے جو چیزوں کو توڑ کر بھس بنا دے،

عَصَفَ بِالشَّیْءِ: اَیْ اَبَادَہٗ وَاَھْلَکَہٗ

عَصَفَتْ بِالشَّیْءِ کے معنی ہیں چیز کو ہلاک
اور برباد کر دینا، (قرطبی)
وعن ابن مسعود ھی الرِّیَاحُ الْعَوَاصِفُ
تَأْتِیْ بِالْعَصْفِ وھو ورق الزَّرْعِ و
حُطَامُہٗ (قرطبی)

نَاشِرَاتِ : وَالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا، نَشْرٌ
کے معنی ہیں کسی چیز کو پھیلا دینا، چھینٹ
دینا، برانگیختہ کرنا، اُگا دینا، یہ سب
معنی قریب قریب ہیں، قرآن مجید میں یہ لفظ
مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے، ایک
جگہ پر ارشاد ہے، وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ،
جبکہ اعمال نامے کھولے جائیں گے، دوسری
جگہ ہے، وَھُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ
بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَہٗ : اور
وہی ہے جو اُتارتا ہے بارش بعد اس کے کہ
وہ مایوس ہو جاتے ہیں اور پھیلاتا ہے اپنی رحمت
ایک جگہ ارشاد ہے، وَجَعَلَ النَّھَارَ نُشُوْرًا
اور دن کو ان کے اُٹھنے کا وقت بنایا، یہاں
ناشرات سے ہوائیں مراد ہیں اس لئے کہ
ان میں نشر کے مختلف پہلو پائے جاتے ہیں
یہ بادلوں کو اُبھارتی ہیں پھر ان کو فضا میں
پھیلاتی ہیں پھر اپنے رب کی رحمت کو چھینٹتی
ہیں اور نباتات کو اُگا کر زمین کو سرسبز و شاداب
بنا دیتی ہیں،

فَارِقٰتِ : فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا، فرق و
امتیاز کرنے والی ہوائیں، کسی قوم کو نفع پہنچاتی
ہیں، کسی کو ضرر۔ کبھی بادلوں کو لاد کر لاتی
ہیں اور کبھی ان کو اُڑا کر لیجاتی ہیں، یہ مصدر
فَرْقٌ سے فَارِقَۃٌ اسم فاعل مؤنث کی جمع ہے
بعض حضرات نے اس سے مراد قرآن مجید
کی وہ آیات لی ہیں جو حق و باطل میں امتیاز
بیان کرتی ہیں، اور بعض نے فرشتے مراد لئے
ہیں جو اللہ کے حکم کے مطابق اشیاء کو الگ
الگ کرنے والے ہیں۔ (قرطبی)

مُلْقِیٰتِ : مُلْقِیٰتِ، فَالْمُلْقِیٰتِ
ذِکْرًا، مُلْقِیَاتٌ باب افعال کے مصدر
اِلْقَاءٌ سے مُلْقِیَۃٌ اسم فاعل کی جمع ہے
پیش کرنے والے، پہنچانے والے اس
سے مراد بالاجماع ملائکۃ اللہ ہیں جو اللہ
کے احکام انبیاء علیہم السلام تک پہنچاتے تھے
علامہ قرطبی فرماتے ہیں، المَلٰئِکَۃُ بِاِجْمَاعٍ
ای تلقی کتاب اللہ عزّ وجلّ الی
الانبیاء علیہم السلام (قرطبی)

طُمِسَتْ : طُمِسَتْ، فاذا النُّجُوْمُ
طُمِسَتْ، طَمَسَ الشَّیْءَ (ض) کے
معنی ہیں کسی چیز کو مٹا دیا، اس کے تمام

آثار و نشانات محو کر دیئے، سورۂ نساء میں گزر چکا ہے مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا قبل اس کے کہ ہم چہروں کو بگاڑ دیں، طَمَسَ کا استعمال لازم اور متعدی دونوں طرح سے ہوتا ہے یعنی مٹانے اور محو کر دینے کے معنی میں بھی آتا ہے، اس لئے آیت کریمہ میں دونوں معنوں کا احتمال ہے، بعض اہل لغت نے تو طُمِسَتْ کو متعدی قرار دیکر یہی معنی مراد لئے ہیں کہ جب ستارے مٹا دیئے جائیں گے یا بے نور کر دیئے جائیں گے۔

لیکن ابن سیدہ نے تصریح کی ہے کہ نجم، قمر، بصر کے ساتھ جب لفظ طمس استعمال ہوتا ہے تو بے نور ہونے اور روشنی زائل ہونے کے معنی ہوتے ہیں۔

اس طرح علامہ ازہری نے تہذیب اللغۃ میں لکھا ہے کہ طموس الکواکب کے معنی ہیں ستاروں کا بے نور ہو جانا لیکن قرآن پاک میں طَمَسَ کا استعمال متعدی ہوا ہے، محاورہ ہے لَا اَدْرِیْ اَیْنَ طَمَسَ: مجھے معلوم نہیں وہ کہاں گیا، کہاں مر کھپ گیا۔ حضرت تھانوی نے ترجمہ یہ کیا ہے، سو جب ستارے بے نور ہو جائیں گے، یہ فعل لازم کا ترجمہ ہے اور علامہ شبیر احمد عثمانی نے یوں ترجمہ کیا ہے، پھر جب ستارے مٹا دئے جائیں، یہ ترجمہ متعدی فعل کا ہے، وَالطُّمُوْسُ: الدُّرُوْسُ وَالْاِمِّحَاءُ (الصحاح)

نُسِفَتْ: نُسِفَتْ، وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ، نَسَفَ کے معنی ہیں کسی چیز کو ریزہ ریزہ کر دینا، منتشر کر دینا، پیس دینا، جھاڑ دینا، اسی سے مِنْسَافٌ اس آلہ کو کہتے ہیں جو گایوں کو بھس سے الگ کر دیتا ہے جیسا کہ چھاج وغیرہ نَسَفَتِ الرِّیْحُ الشَّیْءَ: ہوا کا کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینا۔

نَسَفْتُهٗ اور اَنْسَفْتُهٗ، دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ مجرد اور مزید فیہ دونوں ابواب سے متعدی استعمال ہوتا ہے، و قیل النَّسْفُ تفریق الاجزاء حتّٰی تذرُوَھا الرِّیَاحُ (قرطبی)

اُقِّتَتْ: اُقِّتَتْ: وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ: اُقِّتَتْ، یہ وُقِّتَتْ کی تبدیل شدہ صورت ہے، جیسے وُجُوْهٌ سے اُجُوْهٌ والھمزۃ فی اُقّتت بدل من الواو قال الفراء وکلُّ واوٍ ضُمَّتْ وکانت ضمّتُها لازمۃً جاز ان یُبدَلَ منها همزۃٌ (قرطبی)

اس کا اصل مادہ وَقْتٌ ہے اور وقت اس مُدّتِ معینہ کو کہتے ہیں جس تک کسی معاملہ کو مؤخر کیا گیا ہو (جمل)
تَوْقِیْتٌ کے معنی ہیں وقت مقرر کرنا، مطلب یہ ہے کہ انبیاء کے لئے وقت مقرر کیا جائے، عربی میں یہ اسلوب عام ہے مثلاً عرب بولتے ہیں ابغِ لِیْ خَادِمًا وَاَرْسِلْ اِلَیَّ فَرَسًا، پس مطلب یہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے لئے حاضری کا وقت متعین کیا جائے گا اور ان سے ان کی اُمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور ان شہادتوں کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

فالمعنی جعل لھا وقت واجل للفصل والقضاء بینھم وبین الأمم (قرطبی)
بعض حضرات نے اُقتت سے مراد دُنیا میں ہی نزول عذاب وغیرہ کا وقت مقرر کرنا مراد لیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں توقیت سے مراد کوئی ایسی چیز ہے جو قیامت میں ہی واقع ہوگی اور سابقہ آیات میں بیان کردہ تمام چیزیں قیامت ہی میں واقع ہونے والی ہیں، جیسے کہ طمس، نَسفٌ اور تشقیق اسماء وغیرہ اس لئے لائق مقام یہی ہے کہ توقیت کا معاملہ بھی قیامت ہی کے روز ہوگا (قرطبی)

اُجِّلَتْ : لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ : اَجَّلَ لَہٗ، کے معنی ہیں اس لئے ایک خاص مدت ٹھہرادی، وقت متعین کردیا، قرآن میں ارشاد ہے، وَبَلَغْنَا اَجَلَنَا الَّذِیْ اَجَّلْتَ لَنَا، ہم اُس مُدّت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے ٹھہرادی تھی۔

مَّھِیْنٍ : مِنْ مَّآءٍ مَّھِیْنٍ، بے قدر پانی سے، مَھِیْنٌ کے معنی حقیر و ناچیز کے ہیں، ای ضعیف حقیر وھو النُّطْفَۃُ (قرطبی) مولانا حمیدالدین فراہیؒ لکھتے ہیں کہ مَھَانَۃٌ کے معنی ہیں عدم اہتمام کے، یہیں سے اس میں ابتذال اور تحقیر کا مفہوم پیدا ہوگیا ہے، اِمْتَھَنْتَ الشَّیْءَ کے معنی ہوئے تم نے اس کو حقیر اور مبتذل خیال کیا، اسی سے مَاھِنٌ ہے جس کے معنی نوکر اور غلام کے ہیں، مِھْنَۃٌ کے معنی خدمت کے ہیں، مَھَنَہٗ : اس کی خدمت کی، قرآن مجید میں ہے وَلَا تُطِعْ کُلَّ حَلَّافٍ مَّھِیْنٍ : ہر لپاٹئے ذلیل کی بات نہ سنو (تفسیر فراہی)
مَھِیْنٌ کی جمع مُھَنَآءُ ہے۔

قَرَارٍ : فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ، لفظ

قرار، سکون اور جائے سکون دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے، وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ : آخرت ہی سکون کا گھر ہے، اور اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا، یہاں قرار، جائے قرار اور موضع سکون کے معنی میں ہے

مَكِيْنٍ : مَكِيْنٍ کے معنی مطمئن کے ہیں کبھی یہ جگہ کی صفت کے لئے آتا ہے، اس وقت اُس سے مراد ایسی جگہ ہوتی ہے جو ہر طرح کے اضطراب و تزلزل سے بالکل محفوظ ہو، اور کبھی یہ ذوی العقول کی تعریف کے لئے آتا ہے اس وقت اس سے ایسا شخص مراد ہوتا ہے جو بھروسہ اور اعتماد کے لائق اور مرتبہ کے لحاظ سے صاحبِ عزت درسوخ ہو، جیساکہ قرآن میں ہے، عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ : وہ عرش والے کے پاس باوقار ہے اور سورۂ یوسف میں ہے، اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ، آپ ہمارے پاس قابلِ عزت اور قابلِ اعتماد ہیں، مولانا عبدالدائم صاحب جلالی فرماتے ہیں کہ مَكِيْنٌ كَوْنٌ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے، مکان میں رہنے والا، مضبوط، بڑے مرتبہ والا (لغات القرآن)

لیکن یہ واضح رہے کہ اسکا اصل مادہ کَوْنٌ نہیں ہے بلکہ مَكُنَ ہے باب كَرُمَ سے ہے جیساکہ كَرُمَ سے صفت کا صیغہ كَرِيْمٌ ہے اسی طرح مَكُنَ سے مَكِيْنٌ ہے، هُوَ مَكِيْنٌ عند الامیر۔ وہ امیر کے نزدیک مرتبہ والا ہے، اس کی جمع مُكَنَاءُ آتی ہے (منجد) اصل یہ ہے کہ جن حضرات نے حرف میم کو زائد قرار دیا ہے اُنھوں نے اسکا مادہ كَوْن قرار دیا ہے اور جنہوں نے میم کو اصل خیال کیا ہے انھوں نے اسکا مادہ مَكُنَ قرار دیا ہے سورۂ یوسف اور مؤمن میں یہ لفظ گزرچکا ہے وہاں بھی دیکھ لیا جائے،

قَدَرٍ : اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ، قَدَرُ الشَّيْءِ، چیز کی مقدار اور اندازہ، ارشاد ہے اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے ایک اندازہ کے ساتھ، دوسری جگہ ارشاد ہے وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ، اور اس کو نہیں اُتارتے مگر ایک اندازہ کے مطابق، قَدَرٌ، دال کے فتحہ اور قَدْرٌ دال کے سکون کے ساتھ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں،

مَعْلُوْمٍ : مَعْلُوْمٍ کے معنی معیّن کے ہیں، یہ ضد ہے مجہول اور مبہم کی، یہ عِلْمٌ سے

اسم مفعول ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ عَلَمٌ بفتح اللام سے مفعول ہو،
عَلَمٌ کا نشان ہے، جو چیز نشان زدہ ہوتی ہے اس کی تعیین تو ہو ہی جاتی ہے اسلئے معلوم کا ترجمہ ہوا مقرر،

کِفَاتًا: یہ کَفْتٌ سے مشتق ہے جس کے معنی ملانے اور جمع کر لینے کے ہیں،
کِفَاتٌ وہ چیز جو بہت ساری چیزوں کو اپنے اندر جمع کرلے، زمین کو حق تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ زندہ انسان اس کی پیٹھ پر سوار ہیں اور مردے اس کے پیٹ میں (معارف)
کَفَتَہٗ: ضَمَّہٗ وجَمَعَہٗ جمع کرلیا، اکٹھا کرلیا، حدیث میں ہے اِکْفِتُوْا صِبْیَانَکُمْ بِاللَّیْلِ، رات کو اپنے بچوں کو اکٹھا کرلیا کرو۔ کَفَتَہٗ عَنْ وَجْهِہٖ کے معنی ہیں کسی چیز کو اپنے چہرے سے ہٹا دیا، اسی سے کِفْتٌ چھوٹی ہانڈی کے لئے آتا ہے عربی میں فِعَالٌ کا وزن اُس چیز کے لئے آتا ہے جسکے ذریعہ سے فعل انجام پذیر ہو، مثلاً زِمَام، اسی معنی کے اعتبار سے اسمیں فاعل کی قوت پیدا ہوگئی ہے اور اسکے بعد مفعول کا استعمال جائز ہوگیا ہے (مجموعہ فراہی)
کِفَاتًا، ای ضَامَّةً تضم الاحیاء علیٰ ظهورها والاموات فی بَطْنِهَا (قرطبی)
وَالْکَفْتُ: الضم والجمع (غریب القرآن و قرطبی)

شٰمِخٰتٍ: رَوَاسِیَ شَامِخٰتٍ اونچے بلند پہاڑ، مصدر شُمُوْخٌ سے اسم فاعل مؤنث شَامِخَةٌ کی جمع ہے شامخات، وہ پہاڑ جن کی جڑیں زمین پر گڑی ہوئی ہیں اور چوٹیاں فضاء میں بلند ہیں شَمَخَ بِاَنْفِہٖ: اس نے تکبر کیا ہے، یہ ایک محاورہ ہے الرَّوَاسِیَ: الثوابت، وَالشَّامِخَات، الطّوال، و مِنْهُ یقال، شَمَخَ بِاَنْفِہٖ اذا رَفَعَهٗ کِبْرًا (قرطبی)
شَمَخَ الرَّجُلُ بِاَنْفِہٖ: آدمی نے تکبر کی بناء پر ناک چڑھائی،

فُرَاتًا: مَآءً فُرَاتًا، میٹھا پانی، شیریں پانی، فُرات اُس پانی کو کہتے ہیں جو نہایت شیریں ہو، سورۂ فرقان میں ہے وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ اور سورۂ فاطر میں ارشاد ہے، هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ، کوفہ کی ایک نہر کو فُرات اسلئے کہا جاتا ہے کہ اس کا پانی شیریں ہے،

شُعَبٍ: ذی ثَلٰثِ شُعَبٍ، شُعَبٍ، پھانکیں، شاخیں، حصے، یہ شُعْبَةٌ کی

جمع ہے جس کے معنی شاخ اور حصہ کے ہیں، حدیث میں ہے اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ: حیا، ایمان کا حصہ ہے، یہاں مراد دوزخ کا وہ دھواں ہے جو کفار کے تین اطراف چھایا ہوا ہوگا۔

اَللَّهَبَ : اَللَّهَبُ، دھواں، غبار آگ کا شعلہ، لَهَبَتِ النَّارُ، آگ کا بھڑک اُٹھنا اور بغیر دھویں کے شعلوں کا بلند ہونا لَهَبٌ لَهِيبٌ لُهَابٌ مصدر ہیں، اَبُولَهَبٍ یہ عبد العزی بن عبد المطلب کی کنیت ہے، یہ خوبصورت اور مالدار آدمی تھا، اس کے چہرے پر سُرخی کے آثار نمایاں ہونے کی وجہ سے اسکو ابولہب کہا جانے لگا، پھر جب نبوت اور اسلام کا انکار کیا تو دوزخی ہونے کی وجہ سے اسکو قرآن پاک نے ابولہب فرمایا، چنانچہ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ اسی کے حق میں فرمایا ہے (محلی)

شَرَرٍ : إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ شَرَرٌ، جمع ہے شَرَرَةٌ کی، شرارے چنگاریاں، مولانا اصلاحی صاحب لکھتے ہیں شَرَرٌ اسم صفت ہے مذکر و مؤنث واحد اور جمع سب کے لئے اسکا استعمال یکساں ہوتا ہے، یہاں یہ جمع کے مفہوم میں ہے۔ اس لئے کہ یہاں اسکی تشبیہ جِمَالَةٌ صُفْرٌ سے دی گئی اور جِمَالَةٌ اونٹوں کی جماعت کو کہتے ہیں، علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ الشَّرَرُ: وَاحِدَتُهُ شَرَرَةٌ وَالشَّرَارُ وَاحِدَتُهُ شَرَارَةٌ وهو ما تطاير من النار من جهة۔ واصله من شَرَّرْتُ الثَّوْبَ اذا بسطته للشمس لِيَجِفَّ (قرطبی) شَرَرٌ کی واحد شَرَرَةٌ ہے اور شَرَارٌ کی واحد شَرَارَةٌ آتی ہے اور یہ آگ کی وہ چنگاریاں ہیں جو آگ کے ہر طرف سے اُڑتی ہیں اصل میں یہ محاورہ شَرَّرْتُ الثَّوْبَ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کپڑے کو سوکھنے کے لئے دھوپ میں ڈالنا۔

اَلْقَصْرِ : قصر کے معنی ہیں بڑا عالیشان محل (معارف)

والقصر: البناء العالی (قرطبی) قَصَرْتُ کذا کے معنی ہیں کسی چیز کے بعض اجزاء کو بعض کے ساتھ ملانا، اسی سے قصرٌ بمعنی محل لے لیا گیا ہے، اس کی جمع قصور آتی ہے بعض حضرات نے کہا ہے، کہ لفظ قَصَرٌ جمع ہے جس کے معنی درخت کی جڑوں کے ہیں اور اس کا واحد قصرة ہے جیسے جَمْرَةٌ کی جمع جَمْرٌ اور تَمْرَةٌ کی جمع تَمْرٌ وغیرہ آتی ہے (راغب، قرطبی)

جِمٰلَتٌ : جِمَالَةٌ، اونٹوں کی جماعت (تدبر)

جِمٰلَتٌ : اونٹ، یہ جِمَالَۃٌ کی جمع ہے اور جِمَالَۃٌ جمع ہے جَمَلٌ کی، اور جمل اُس جوان اونٹ کو کہتے ہیں جو پانچ سال سے زائد ہو، امام راغب اور علامہ قرطبی کی رائے میں یہ جَمَالٌ بمعنی زینت سے ماخوذ ہے، کیونکہ عرب اونٹوں کو اپنے لئے باعثِ فخر و زینت سمجھتے تھے، قرآن پاک نے بھی ان کے اس ذوق کی طرف اشارہ فرمایا ہے، وَلَکُمْ فِیْھَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَحِیْنَ تَسْرَحُوْنَ، ہمارے لئے ان میں زینت اور رونق ہے جب شام کو پھیر لاتے ہو اور جب چراتے ہو

صُفْرٌ : صُفْرٌ زرد رنگ، یہ اصفر کی جمع ہے جیسے عُمْیٌ جمع ہے اَعْمٰی کی اور بُکْمٌ، اَبْکَمْ کی ؎

فَوَاکِہَ : فَوَاکِہَ جمع ہے فَاکِھَۃٌ کی بمعنی میوے، پھل، فروٹ، اور یہ غیر منصرف ہے۔

ھَنِیْٓـئًا : ھَنِیْئًا کے معنی راس آنے اور سازگار ہونے کے ہیں، اس کی وضاحت سورۂ نِسَاء میں گزر چکی ہے۔

شرح الفاظ القرآن من سورة النبا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عَمَّ : عَمَّ، یہ دو حرفوں سے مرکب ہے عَنْ اور مَا سے، عَنْ کے نون کو میم میں مدغم کرکے عمّا بنایا گیا، پھر مَا کے الف کو گرادیا، تاکہ مَا استفہامیہ اور مَا خبریہ میں امتیاز ظاہر ہو، اس ادغام کے جواز کی وجہ علامہ قرطبی نے زجاج سے یہ نقل کی ہے کہ نون اور میم دونوں میں غنّہ ہونے میں مشارکت ہے، وقال الزجاج : اصل عَمَّ عَنْ مَا، فَاُدْغِمَتِ النُّوْن فِی المیم لانھا تُشَارِکُھَا فی الغنہ (قرطبی)

یَتَسَاءَلُوْنَ : یَتَسَاءَلُوْنَ، ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں پوچھتے ہیں، تَسَاؤُلٌ کے معنی آپس میں کسی چیز سے متعلق پوچھ گچھ کرنے کے ہیں، یہاں محض استہزاء کے طور پر ایک دوسرے سے سوال کرنا مراد ہے اگرچہ لفظ تساؤل دریافت حال اور تحقیق مسئلہ کے لئے بھی آتا ہے (تدبر ملخصاً)

النَّبَأ : النَّبَاُ الْعَظِیْمُ، بڑی خبر، بڑا حادثہ، عظیم واقعہ، لفظ نَبَأٌ کے معنی خبر کے ہیں مگر ہر خبر کو نَبَاٌ نہیں کہتے بلکہ جب کوئی عظیم الشان خبر ہو اس کو نَبَا کہاجاتا ہے مراد اس نبا یعنی خبر عظیم الشان سے قیامت ہے (معارف) وَالنَّبَاُ الْعَظِیْمُ : ای الخبر الکبیر (قرطبی)

مِهَادًا : قرارگاہ، بچھونا، ٹھکانا، مَهْدٌ : گہوارہ، جمع مُهُوْدٌ۔ وَالْمِهَادُ الْوِطَاءُ وَالْفِرَاشُ (قرطبی)

اَوْتَادًا : اَوْتَادًا، کیلیں، میخیں، اس کا واحد وَتَدٌ ہے، ذُوْالْاَوْتَادِ : میخوں والا۔

اَزْوَاجًا : اَزْوَاجٌ، یہاں بمعنی اصناف ہے، یعنی ہم نے تم کو مختلف اصناف و انواع میں پیدا کیا ہے، اور بعض حضرات نے اس سے مراد مختلف الالوان لیا ہے، اخلاق و مزاج کا اختلاف بھی اسمیں شامل ہے اور مذکر و مؤنث کا نوعی اختلاف بھی، اَزْوَاجًا : ای اَصْنَافًا وَاَضْدَادًا، (غریب القرآن)

سُبَاتًا : وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا :
اور ہم ہی نے تمہاری نیند کو راحت کا ذریعہ بنایا۔ سَبْتٌ اور سُبَاتٌ کے اصل معنی کاٹنے کے ہیں۔ سَبَتَ عُنُقَهٗ : اسکی گردن کاٹ دی۔ سَبَتَ الرَّأْسَ : سر مونڈنا، یہاں یہ لفظ دفع کلفت اور راحت وسکون کے معنی میں ہے۔ نیند کو سبات اس لئے فرمایا کہ حرکت وعمل کے تسلسل کو منقطع کرکے کلفت سے نجات دیتی اور راحت وسکون کا موقع بہم پہنچاتی ہے جس سے قوی تازہ دم ہوجاتے ہیں (تدبر)

السَّبْتُ فِي اللُّغَةِ۔ الْقَطْعُ سُمِّيَ اللَّيْلُ سُبَاتًا لِاَنَّهٗ يقطع العمل والحركة (صفوة التفاسير)

بعض نے سَبْتٌ کے اصل معنی تمدد کے بیان کئے ہیں (غریب القرآن) کہا جاتا ہے، سَبَتَتِ الْمَرْاَةُ شَعْرَهَا : عورت نے اپنے بالوں کو کھول کر کھلا چھوڑ دیا، اور رَجُلٌ مَسْبُوْتُ الْخَلْقِ ای مَمْدُوْدٌ : طویل قد و قامت والا آدمی۔ جب آدمی آرام و راحت کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے آپ کو انگڑائی دیتا ہے اور لیٹ جاتا ہے اسی سے راحت پر سبات کا اطلاق کیا جانے لگا (قرطبی)

سَبَتَ يَسْبُتُ سَبْتًا : اِسْتَرَاحَ وَسَكَنَ والسُّبَات نَوْمٌ خَفِيٌّ (لسان)
وقال الزجاج : السُّبَاتُ : ان يَّنْقَطِعَ عن الحركةِ والروحُ في بدنه (لسان)

آخر المفسرین حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ سُبات : سَبْتٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی مونڈنے اور قطع کرنے کے ہیں، نیند کو حق تعالیٰ نے ایسی چیز بنایا ہے کہ وہ انسان کے تمام ہموم وغموم اور افکار کو قطع کرکے اسکے قلب و دماغ کو ایسی راحت دیتی ہے کہ دنیا کی کوئی راحت اسکا بدل نہیں ہوسکتی اس لئے سبات کا ترجمہ بعض حضرات نے راحت بھی کیا ہے (معارف)

وَهَّاجًا : سِرَاجًا وَّهَّاجًا : ایک چمکتا چراغ، ایک روشن بھڑکنے والا چراغ، الوَهْجُ کے معنی گرمی کی حرارت یا روشنی کے ہیں اور یہی معنی وهجان کے ہیں چنانچہ آیتِ کریمہ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا کے معنی ہیں بافراط روشنی کرنے والا، یعنی ہم نے آفتاب کو روشن چراغ بنادیا، وَهَجَتِ النَّارُ (ف ض) آگ بھڑک اٹھی، چمکدار جوہر کو کہتے ہیں، تَوَهَّجَ الْجَوْهَرُ : جوہر چمک اٹھا، والوَهَّاج الذی لهٗ وَهْجٌ (قرطبی، راغب)

وَالْوَھَّاجُ المتوقد المتلالیٔ ...... من قولہم، وھجت النّارُ اذا اضاءت (صفوۃ التفاسیر)

اَلْمُعْصِرَاتِ : یہ المُعْصِرَۃُ کی جمع مؤنث اسم فاعل ہے، مصدر اعْصَارٌ باب افعال نچوڑنے والیاں، عَصَرتَ الشیٔ کے معنی ہیں کسی چیز کو نچوڑنا۔ المعصُوْرُ: وہ چیز کہ جس کو نچوڑا گیا ہو۔ مُعْصِرَات: وہ بادل ہیں جو پانی نچوڑتے یعنی گراتے ہیں، مجاہد کا قول ہے کہ معصرات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو بادلوں کو دبا کر نچوڑتی ہیں۔ قال قتادۃ ومجاھد والمعصراتُ الرّیاح .....وعن ابن عباس انھا السَّحَابُ (قرطبی) واصح الاقوال انّ المعصرات السَّحابُ (قرطبی) اور مُعْصِرٌ: اس جاریۃ کو بھی کہتے ہیں جو قریب الحیض ہو اسکی جمع معاصر آتی ہے گویا وہ اپنے عصر شباب کو پہنچ رہی ہے، اور ان تیز و تند ہواؤں کو بھی معصرات کہتے ہیں جو اپنے ساتھ گرد و غبار اڑاتی جاتی ہے، اسی سے اعصار ہے، وہ بگولہ جو تیز ہوا کی وجہ سے گول دائرے کی صورت میں تیزی کے ساتھ زمین پر گھومتا ہے اور غبار اڑاتا ہے۔

ثَجَّاجًا : مَاءً ثَجَّاجًا: زور دار کثیر اور موسلا دھار بارش (تدبر)

ثَجَّ یَثُجُّ ثُجُوْجًا۔ ثَجَّ الْمَاءُ پانی کا زور سے برسنا، محاورہ ہے، اَتَی الْوَادِیْ بِثَجِیْجِہٖ: زبردست سیلاب آگیا، حدیث میں ہے افضل الحج اَلْعَجُّ والثَّجُّ افضل حج وہ ہے جس میں زور سے تلبیہ پڑھا جائے اور خون بہایا جائے، العَجُّ رَفْعُ الصّوت بالتلبیۃ والثّج اراقۃُ الدم (راغب۔ قرطبی۔ صفوۃ)

حَبًّا : حَبًّا وَّنَبَاتًا، حَبٌّ: دانہ جمع حُبُوْبٌ، مراد اس سے غلہ ہے۔ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ حَبًّا یہاں حَبَّۃٌ کی جمع ہے جیسے تَمْرَۃٌ کی جمع تَمْرَۃٌ آتی ہے

نَبَاتًا : نَبَاتٌ، خضروات، سبزیاں، زمین کی روئیدگی، گھاس وغیرہ، نَبْتٌ اور نباتٌ دونوں کے ایک معنی ہیں، سبزہ وغیرہ۔ ہر بڑھنے والی چیز کو بھی نبات کہا جاتا ہے، چنانچہ نباتات کا لفظ حیوانات اور انسان سب کے لئے بولا جاتا ہے، ونَبَاتًا مِنَ الْاَبِّ، وھو ما تأکلہ الدَّوَابُّ مِنَ الحَشِیْشِ (قرطبی)

اَلْفَافًا : وجَنّٰتٍ اَلْفَافًا، اَلْفَافٌ لپٹے ہوئے، ایک دوسرے سے پیوست گنجان درخت

علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ اَوْزَاعٌ اور اَخْیَافٌ
کی طرح اس کی کوئی واحد نہیں ہے اور بعض لوگ
اس کی واحد لِفٌّ بیان کی ہے چنانچہ صاحب
الاقلید کا بیان ہے کہ مجھے حسن بن علی طوسی نے
یہ شعر سنایا ؎

جنّةٌ لِفٌّ وَعَيْشٌ مغدِق
وندامى كلّهم بيضٌ زُهُرٌ

گنجان باغ اور حیات شیریں اور ہم نشین سب
حسین وجمیل، ابن قتیبہ کا خیال ہے کہ اَلْفَافٌ
لُفٌّ کی جمع ہے اور لُفٌّ لَفَّاءُ کی جمع ہے علامہ
قرطبی نے اسکو کسائی کے حوالہ سے نقل کیا ہے
صاحب کشاف کہتے ہیں کہ اگر یوں کہا جائے
کہ یہ مُلْتَفَّةٌ کی جمع ہے بحذف زوائد تو بات
وجیہہ ہے لیکن علامہ ابوحیان اندلسی فرماتے ہیں کہ
اس طرح بات بنانا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ مفردات
کے بیان میں اسکا مفرد لِفٌّ بکسر اللام مذکور ہے
اور یہی جمہور اہل لغت کا قول ہے، صاحب
قاموس نے اسکا واحد لَفٌّ لام کے زیر سے
بھی نقل کیا ہے۔

ابوعبیدہ کا ایک قول نقل ہوا ہے کہ یہ لَفِیْفٌ
کی جمع ہے جیسے شریف کی جمع اشرافٌ آتی ہے،
(قرطبی، کشاف، کبیر) اِمْرَأَةٌ لَفَّاءُ: پُرگوشت
موٹی پنڈلیوں والی عورت، لَفَّ الشَّیْءَ بِالشَّیْءِ
ایک چیز کو دوسری چیز سے جوڑنا، مِلَانَہٗ لَفِیْفٌ:
بنی جرہم کی لغت میں بمعنی جَمِیْعٌ کے آتا ہے
قرآن پاک میں ہے، جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا اَیْ
جَمِیْعًا۔ اِلْتَفَّ: ایک چیز کا دوسری
سے مل جانا، اِلْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ:
پنڈلی کا پنڈلی کے ساتھ مل جانا، خوف
کی وجہ سے پاؤں لڑکھڑانا،

علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ والصواب
من القول ان الالفاف جمع لِفٍّ او
لَفِیْفٍ (طبری)

سَرَابًا: وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ
سَرَابًا: پہاڑوں کو (ان کی جگہ سے) ہٹادیا
جائے گا، سو وہ ایسے ہو جائیں گے جیسے ریت
سراب کے لفظی معنی ذہاب یعنی چلے جانے کے
ہیں۔ جنگل کا وہ ریت جو دور سے چمکتا ہوا پانی
کی صورت میں نظر آتا ہے اس کو بھی سراب اسی
بنا پر کہتے ہیں کہ وہ قریب پہنچتے ہی نظر سے
جاتا رہتا ہے (معارف) اسی سے سراب کا لفظ
اس چیز کے لئے بھی بولا جاتا ہے جسکی حقیقت
کچھ نہ ہو۔ اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ انکے اعمال بے
حقیقت ہیں۔

اَحْقَابًا: اَحْقَابٌ: بے شمار قرن، بے شمار
زمانے، حُقُبٌ کی جمع ہے، حُقُبٌ بالضم

القاف زمانے کو کہتے ہیں اور حُقُبٌ بسکون
القاف، زمانہ کی ایک مقررہ مدت کا نام ہے
مگر اس مدت کی تعیین میں اہل لغت میں
اختلاف ہے، بعض اسّی برس کی مدت
کو، بعض ستر برس کے زمانے کو بعض تین سو
برس بعض چالیس سال بعض تیس ہزار
سال بتاتے ہیں۔ مفسرین سلف میں سے
امام قتادہ نے صاف تصریح کر دی ہے کہ
احقاب سے غیر منقطع زمانہ مراد ہے، باقی
حقب کی مدت کا تعین بجز اللہ کے کسی کو
معلوم نہیں۔ امام حسن بصری سے اسی کے
قریب قریب منقول ہے (ابن کثیر)
مولانا اصلاحی صاحب فرماتے ہیں احقاب
کے معنی قرنوں کے ہیں اس کی وضاحت
قرآن مجید جگہ جگہ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا کے الفاظ
سے کرتا ہے یعنی وہ اسمیں ہمیشہ رہیں گے بعض لوگوں
نے اس سے طویل مدت مراد لیکر یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش
کی ہے کہ جہنم بالآخر ایکدن ختم ہو جائیگی لیکن یہ سارے
غلط ہے، زبان کے سمجھنے کا طریقہ یہ ہے کہ مجمل کی
شرح مفصل کی روشنی میں کرتے ہیں نہ کہ مفصل کی
مجمل کی روشنی میں، خالدین فیہا کے الفاظ
ظاہر ہے کہ مفصل ہیں اور لفظ احقاب مجمل
اس مجمل کو مفصل کی روشنی میں سمجھیں گے،
نہ کہ اسکے برعکس، علاوہ ازیں یہاں انجام باغیوں
اور سرکشوں کا بیان ہو رہا ہے جسکے لئے دوسرے
مقامات پر قرآن نے تصریح کی ہے کہ ان کو جہنم سے
نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا (تدبر)

قال القرطبی : ای ماکثین فی النار ما
دامت الاحقاب وھی لا تنقطع فکلما
مضی حُقُبٌ جاء حُقُبٌ والحُقُبُ
بضمتین : الدھر والاحقاب الدھور
والحقبۃ بالکسر السنۃ والجمع حِقَبٌ
(قرطبی) علامہ رازیؒ نے فرا کا قول نقل کیا ہے
کہ اصل الحُقُب من الترادف والتتابع
(کبیر) یعنی حقب کے اصل معنی میں ترادف
وتتابع پایا جاتا ہے، ایک کے بعد دوسرے
کا آنا، یہ سلسلہ لا الی النہایۃ جاری رہے گا
اس آیت سے کفار کے لئے خلود فی النار
ثابت ہوتا ہے چنانچہ صاحب مدارک لکھتے
ہیں کہ ولم یرد بہ عدد محصور بل الابد
کلما مضی حقبہ تبعہ آخر الی غیر نھایۃ
ولا یستعمل الحُقُبُ والحقبۃ الا اذا
ارید تتابع الازمنۃ وتوالیھا (مدارک)

غَسَّاق : غَسَّاقٌ، وہ خون اور پیپ جو
جہنمیوں کے زخموں سے نکلے گی (معارف)
ٹھنڈا اور بدبودار پانی، حدیث میں ہے کہ

اگر غساق کا ایک ڈول دنیا میں بہادیا جائے تو دنیا والوں کے دماغ سڑجائیں، بہرحال یہ کوئی غلیظ سیلانی مادہ ہے جو دوزخیوں کی غذا بنے گا (ابن قتیبہ) اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ،

وِفَاقًا: جَزَآءً وِّفَاقًا، الوَفْقُ: دو چیزوں کے درمیان مطابقت اور ہم آہنگی ہونا جَزَآءً وِّفَاقًا: بدلہ ہے پورا پورا یعنی ان کے اعمال کے مطابق۔

فَالوِفَاقُ بمعنی المُوَافقۃِ کالقتالِ بمعنی المُقاتلۃ، فراء کا قول ہے کہ وفاق وِفْقٌ کی جمع ہے (قرطبی) وقال الامام ابن جریر الطبریؒ وھو مصدر من قول القائل، وافَقَ ھٰذا العقابُ ھذا العمل وفاقًا (طبری)

وَفَّقَ بین الفریقین: دو گروہوں میں میل کرادینا، صلح کرا دینا۔ مجرد وَفِقَ یَفِقُ وَفْقًا ہے وَفِقَ الامرَ: موافق پانا، اور وَفِقَ الْاَمْرُ: کام کا موافق ہونا۔

کِذَّابًا: وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا کِذَّابًا، اور انہوں نے ہماری آیات کو برابر جھٹلایا، کِذَّابٌ مصدر مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے باب تفعیل، کسی کو جھوٹا قرار دینا، یہ تاکید فعل کے لئے آتا ہے اگرچہ اس کا وزن مختلف ہے لیکن معنی میں تکذیب ہی کے ہے، یمنی لغت میں باب تفعیل کا مصدر کثرت کے ساتھ فِعَّال کے وزن پر استعمال ہوتا ہے، صاحب خازن لکھتے ہیں کہ ھٰذہ لُغَۃٌ یَمَانیۃ فصیحۃٌ یقولون فی باب التفعیل فِعَّالٌ (خازن) قال الفراء ھی لُغَۃٌ یمانیۃ فصیحۃٌ یقولون کذّبت بہ کِذّابًا، و خَرَّقْتُ القمیصَ خِرَّاقًا و کُلّ فعل فی وزن فَعَّلَ فمصدرُہٗ فِعَّالٌ فی لغتھم (قرطبی)

حضرت علی سے کِذَابًا تخفیف کے ساتھ مروی ہے اور ابو علی لغوی کا خیال ہے کہ کِذَاب بالتخفیف کذّاب بالتشدید دونوں مُکَاذَبَۃٌ کے مصدر ہیں، وقال ابو علیؒ: التخفیف والتشدید جمیعا مصدر المکاذبۃ (قرطبی)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ وھو مصدر من من غیر الفعل، یعنی یہ مصدر ہے جو دوسرے فعل سے آیا ہے، ایک بدوی نے مقام مروہ پر فراء نحوی سے پوچھا کہ اَلْحَلْقُ اَحَبُّ الیک او القِصَّارُ کہ تم حلق کو پسند کرتے ہو یا قصر کو (ابن کثیر) صحاح میں ہے کہ فِعَّال باب تفعیل کے اوزان میں سے ایک وزن ہے اسکا مصدر کبھی تو فِعَّال کے وزن پر آتا ہے

جیساکہ کِذّاب ہے، اور کبھی تَفْعِلَۃٌ کے وزن پر آتا ہے جیسے تَوْصِیَۃٌ اور کبھی مُفَعَّلٌ کے وزن پر آتا ہے جیساکہ وَمَزَّقْنَاھُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ۔

مَفَازًا : اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا : فَازَ یَفُوْزُ فَوْزًا : فائز ہونا، کامیاب ہونا، فَوْزٌ اسم فتح اور کامیابی فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عظیما : بلاشبہ اس نے کامیابی حاصل کرلی، مَفَازًا : ظرف مکان، آسائش کی جگہ، مَفَازًا موضع فَوْزٍ و نَجَارۃٍ وَخلاصٍ مما فیہ اھل النار (قرطبی)

مَفَازَۃٌ : مصیبت سے نجات کی جگہ، پناہ کی جگہ، کامیابی، وَیُنَجِّی اللّٰہُ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِہِمْ، اور جو لوگ بچ رہے تھے اللہ اُن لوگوں کو کامیابی کے ساتھ نجات دیگا (ترجمہ ماجدی) (زمر آیت نمبر ۶۱)

تفاؤلاً : اُن جنگلات کو مفازۃ کہتے ہیں جن میں پانی کم ہو

حَدَائِقَ : حَدَائِقَ وَاَعْنَابًا : حَدَائِقَ جمع ہے حَدِیْقَۃٌ کی بمعنی باغات جن میں مختلف الانواع درخت لگے ہوں اور اُن کے ارد گرد حفاظتی دیواریں ہوں اَحْدَقَ بِہٖ : باغ کے ارد گرد باڑ لگانا، حَدَائِقَ جمع حدیقۃ وھی البستان المُحَوَّطُ علیہ (قرطبی)

اَعْنَاب : اَعْنَاب : انگور، یہ عِنَبٌ کی جمع ہے مراد کُرُوْم اَعْنَاب ہیں یعنی انگور کی بیلیں، مضاف کو حذف کردیا گیا ہے بنابر قرینہ کے،

کَوَاعِبَ : وَکَوَاعِبَ اَتْرَابًا : کَوَاعِبَ جمع ہے کاعب کی، اُٹھتی جوانی والی، تندرست لڑکیاں، اُبھرتے ہوئے سینوں والی نوخیز دوشیزائیں کواعب جمع کاعب وھی النَّاھِدُ (قرطبی)

نَاھِدٌ : اُبھرے ہوئے سینے والی لڑکی کَعَبَتِ الْجَارِیَۃُ، تَکْعَبُ (ف) کَعُوْبًا : لڑکی کے پستان اُبھر آئے، جمع کاعب وھی التی برز نَھْدُھَا واستدار مع ارتفاعٍ یسیرٍ (صفوۃ)

اتراباً : اَتْرَاب : الاقران فی السِّنِ الواحد تِرْبٌ (قرطبی)

دِھَاقًا : دِھَاقًا، وَکَاْسًا دِھَاقًا : چھلکتا ہوا پیالہ، دھاق بھرا ہوا، اَدْھَقْتُ الکاْسَ : میں نے پیالہ بھر دیا، دَھَقَ لِیْ من المال دَھْقَۃً : اس نے مجھے بہت مال دیا میرے دامن مراد کو بھر دیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سائل نے سوال کیا کہ دھاق کیا ہے تو جناب ابن عباس نے غلام کو آواز

دیکر فرمایا، یاغلام اَسْقِنِیْ دِھَاقًا، تو غلام
لبالب بھرا ہوا پینے کا پانی بھر کر لایا، ابن عباس
نے فرمایا کہ ھذا الدّھاق، یعنی یہ ہے دھاق
لبالب بھرا ہوا ہونا (ذکرہ ابن جریر الطبری)

حِسَابًا: حِسَابًا: عَطَآءً حِسَابًا کے دو
معنی ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ اس کے معنی حِسَابًا
عَطَاءً کافِیًا کثیرًا کے ہیں یعنی ایسی عطا جو اسکی
تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کافی وافی اور کثیر
ہو۔ یہ معنی عربوں کے اس محاورہ سے ماخوذ ہیں،
اَحْسَبْتُ فُلَانًا، ای اَعْطَیْتُہٗ مَا یَکْفِیْہِ حَتّٰی
قَالَ لِیْ حَسْبِیْ یعنی اَحْسَبْتُ کا لفظ اس
معنی کے لئے آتا ہے کہ میں نے اسکو اتنا دیا کہ
اسکے لئے بالکل کافی ہوگیا یہانتک کہ وہ بول اُٹھا
کہ حَسْبِیْ یعنی بس میرے لئے بہت ہے اور دوسرے
معنی حساب کے موازنے اور مقابلے کے بھی آتے ہیں،
اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ عطاء ربانی
اہلِ جنت پر انکے اعمال کے حساب سے ہوگی، اس
عطاء میں درجات بحساب اخلاص اور احسانِ عمل
کے ہونگے جیسا کہ احادیث میں ہے، صحابی کا
ایک مُد خدا کی راہ میں صرف کرنا باقی اُمت
کے مقابلے میں اتنا بلند ہے کہ اُمت اگر اُحد پہاڑ
کی مقدار سونا خرچ کرے تب بھی صحابہ سے اسکا
ثواب کم ہوگا، چونکہ صحابہ میں اخلاص واحسان
علی وجہ الکمال موجود تھا، اور یہ صفت باقی افراد
اُمت میں ضعیف ہے اسکی اصل یہ ہے کہ آپ
کسی کو اتنا عطیہ دیں کہ لینے والا پکار اُٹھے کہ حَسْبِیْ
یعنی میرے لئے کافی ہوگیا، اب بس کیجئے۔

حِسَابًا: اَیْ کَثِیْرًا: قالہ قتادہ یُقَالُ
اَحْسَبْتُ فُلَانًا، ای کَثَّرْتُ لَہُ العطاء حتی
قالَہُ حَسْبِیْ (قرطبی)

الرُّوْحُ: یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ
صَفًّا: روح سے مراد اس مقام پر حضرت
جبرائیل لی گئی ہے اور اس کے بعد ملائکہ کا ذکر
تعمیم بعد التخصیص ہے،
اور بعض نے روح سے مراد روح مخلوقات لی ہے
لیکن صحیح اول ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے
ایک تیسرا قول بھی نقل کیا ہے کہ بعض احادیث
مرفوعہ میں ہے کہ روح اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم الشان
لشکر ہے جو فرشتے نہیں ان کے سر اور ہاتھ
پاؤں ہیں (معارف)
زید بن اسلم لغوی کا قول ہے کہ روح سے مراد
یہاں قرآن پاک ہے جیسا کہ دوسرے مقام
پر ارشاد ہے کہ وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ
رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (قرطبی)
علامہ قرطبی نے اس مقام پر آٹھ اقوال ذکر
کئے ہیں۔

صَفًّا: صفًّا، مصدر ہے جو واحد اور جمع دونوں میں برابر استعمال ہوتا ہے، یہاں یہ جمع کے مفہوم میں ہے یعنی روح اور ملائکہ صف در صف کھڑے ہونگے، دوسرے مقام پر ارشاد ہے وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (قرطبی)

صَفَّ يَصُفُّ صَفًّا: قطار باندھنا، صَفًّا حال ہے صف باندھے ہوئے، اَیْ صَافِّيْنَ، صَافٌّ اسم فاعل،

مَاٰبًا: مَاٰبٌ، اٰبَ يَئُوْبُ سے مصدر بھی آتا ہے اور ظرف مکان، اور زمان بھی، یعنی لوٹنا، لوٹنے کا وقت، لوٹنے کی جگہ۔ اَوْبٌ اور اِیَابٌ بھی اس کے مصدر آتے ہیں، امام راغب کے قول کے مطابق اَوْبٌ کسی صاحب ارادہ حیوان کے لئے بولا جاتا ہے۔

شرح الفاظ القرآن من سورۃ النّٰزعٰت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَازِعَاتِ : وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا، نَازِعَات نَزْعٌ سے مشتق ہے جس کے معنی کسی چیز کو کھینچ کر نکالنے کے آتے ہیں اور غَرْقًا اس کی تاکید ہے کیونکہ غرق اور اغراق کے معنی کسی کام میں پوری شدّت و قوت خرچ کرنے کے ہیں، محاورہ ہے اَغْرَقَ النَّازِعُ فِی الْقَوْسِ، یعنی کمان کھینچنے والے نے اس کے کھینچنے میں اپنی پوری قوت خرچ کر دی (مفردات) اہل تفسیر کی اکثریت کے نزدیک نازعات سے مراد ملائکۃ اللہ ہیں جو انسانی ارواح قبض کرتے ہیں، اور بعض حضرات کے نزدیک نازعات سے مراد تیز و تند ہوائیں ہیں جو اپنی شدت کی بنا پر مکانوں اور درختوں کو جڑوں بنیادوں سے اکھاڑ دیتی ہیں۔

والنازعات : الملائکۃ التی تنزع ارواح الکفار قالہ علیؓ رضی اللہ عنہ وکذا قال ابن مسعود وابن عباس مسروق ومجاهد هی الملائکۃ تنزع نفوس بنی آدم صحابۂ کرام، تابعین اور اجلّہ مفسرین کے نزدیک یہی قول معتبر قرار دیا گیا ہے۔

مولانا اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک نازعات سے مراد وہ تند ہوائیں جو درختوں مکانوں اور گڑی ہوئی چیزوں کو اپنے زور سے اکھاڑ پھینکتی ہیں اس طرح کی ہواؤں کی صفت کے طور پر ذاریات مرسلات اور عاصفات وغیرہ الفاظ بھی قرآن میں استعمال ہوتے ہیں اور انکے ساتھ ذرواً عُرفاً اور عصفاً کے الفاظ بطور تاکید آتے ہیں اسی طرح یہاں لفظ نازعات اُن تند ہواؤں کے لئے استعمال ہوا ہے جو درختوں اور مکانوں کو اکھاڑ پھینکتی ہیں، اس کے ساتھ لفظ غرقاً معنی کی شدّت کے اظہار کے لئے بطور تاکید ہے، سورۂ قمر میں ہے تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ (وہ باد صرصر) لوگوں کو اس طرح اکھاڑ پھینکتی گویا وہ کھوکھلی کھجوروں کے تنے ہیں، یہاں فعل تنزع استعمال ہوا ہے اسی سے اس سورہ میں نازعات بطور صفت استعمال ہوا ہے (تدبر)

روندی ہوئی زمین میں غبار اڑانے لگیں، وہ بارش کی طرح تیز ہے، اور دوسرے مقام پر قرآن نے انہی گھوڑوں کی صفت عادیاتِ اور مُغیراتِ وغیرہ فرمائی ہے، حضرت قتادہ رح کا قول ہے کہ سابحات سے مراد ستارے ہیں جو اپنے افلاک میں تیرتے ہیں اور شمس و قمر بھی سابحات میں سے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ، مولانا اصلاحی صاحب کے نزدیک سابحات یہاں بادلوں کی صفت ہے،

اَلسَّابِقَاتِ : فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ،
سَابِقَاتٌ جمع ہے سَابِقَۃٌ کی، آگے بڑھنے والی اکثر اہلِ تفسیر کے نزدیک یہ بھی ملائکۃ اللہ کی صفت ہے، مراد یہ ہے کہ پھر یہ ملائکہ ارواح قبض کرنے کے بعد ان کو اصل مقام تک پہنچانے کے لئے عجلت سے کام لیتے ہیں،
سَبَقَ یَسْبِقُ سَبْقًا (باب ضرب) آگے بڑھنا کسی حکم کا پہلے نافذ ہونا۔ مقاتل کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ ملائکۃ ہیں جو مؤمنین کی ارواح کو جنت کی طرف لیجاتے میں عجلت کرتے ہیں اور عطار کا قول ہے کہ وہ گھوڑے مراد ہیں جو جہاد کی طرف سبقت کرتے ہیں (قرطبی)

مُدَبِّرَاتِ : فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا، مراد اس سے بھی فرشتے ہی ہیں، یہ اَلْمُدَبِّرَۃُ کی جمع ہے، تدبیر مصدر ہے باب تفعیل اصل مادہ دُبُرٌ ہے، چیز کا آخری حصہ، تدبیر کا معنی ہے انجام کو سوچنا، انتظام کرنا، ہر چیز کے دُبُر یعنی نتیجہ پر غور کرنا، بقول ابن عباسؓ فرشتوں کی وہ جماعتیں مراد ہیں جو انتظامِ کائنات پر اللہ کی طرف سے مامور ہیں (معالم) دوسرا قول یہ ہے کہ مدبرات سے مراد کواکب سبعہ ہیں، علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ قال القشیری: اجمعوا علی ان المراد الملائکۃ و قال الماوردی فیہ قولان احدھما الملائکۃ قالہ الجمہور۔ والقول الثانی ھی الکواکب السَّبْعَۃُ (قرطبی)

اَلرَّاجِفَۃُ : یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَۃُ :
رَجَفَ یَرْجُفُ (ن) زور سے حرکت میں ہونا، زوروں سے ہلنا، رَجْفَۃٌ : زلزلہ
رَاجِفَۃٌ : اسم فاعل مؤنث ہلنے والی،
مُرْجِفٌ (افعال، تہلکہ میں ڈالنے والا،
رَاجِفَۃٌ : ہلنے اور کانپنے والی زمین،
وَ تَرْجُفُ : ای تَضْطَرِبُ وَالرَّاجِفَۃُ الْمُضْطَرِبَۃُ (قرطبی)

اَلرَّادِفَۃُ : پیچھے آنے والی، یہ رِدْفٌ سے اسم فاعل مؤنث ہے، رِدْفٌ کے معنی پیچھے اور کسی کے پیچھے سواری پر بیٹھنے کے ہیں

اَلنّٰشِطٰتِ : وَالنّٰشِطٰتِ، یہ نَشْطٌ سے مشتق ہے جس کے معنی بندھن کھول دینے کے ہیں مراد وہ ملائکۃ اللہ ہیں جو اہلِ ایمان کی ارواح کو نہایت آسانی سے نکالتے ہیں بعض حضرات نے کہا ہے ناشطات سے مراد وہ ستارے ہیں جو مشرق سے نکل کر حرکتِ فلک سے مغرب کی طرف جاتے ہیں یا خود مغرب کو چلتے ہیں، یہ ثَوْرٌ نَاشِطٌ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ایک علاقہ سے نکل کر دوسرے علاقہ کیطرف جانیوالے بیل کے ہیں اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس سے مُراد وہ فرشتے ہیں جو اُمور کو طے کرتے ہیں، اور یہ نَشَطْتُ العُقْدَۃ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی گرہ لگانے کے ہیں اور یہاں خاصکر نَشْطٌ کے لفظ سے جس کے معنی آسانی کے ساتھ کُھل جانیوالی گرہ کے ہیں اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ فرشتے نہایت آسانی سے اُمورِ قدرت کو انجام دیتے ہیں اور بِئْرٌ اَنْشَاطٌ وہ کنواں جو کم گہرا ہو ایک ہی جھٹکے سے ڈول باہر نکل آئے (راغب، قرطبی)

نَشِطَ یَنْشَطُ نَشْطًا فَھُوَ نَاشِطٌ، خوش ہونا، ہشاش بشاش ہونا، ناشِطٌ اور نَشِیْطٌ فاعل خوش باش۔

مولانا اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ نَاشِطَات، نَشْطٌ کے مادہ سے ہے جسکے معنی کسی کام کو نرمی سے کرنیکے بھی آتے ہیں اور کسی رسّی کی گرہ یا کسی جانور کے بندھن کو چرنے کے لئے چھوڑ دینے کے معنی ہیں بھی، یہاں قرینہ بتارہا ہے کہ یہ نرم رَو اور آہستہ خرام ہواؤں کے لئے آیا ہے جس طرح سورۂ ذاریات میں فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا : کے الفاظ آئے ہیں (تدبر)

اَلسّٰبِحٰتِ : وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا، سَبْحٌ کے لغوی معنی تیرنے کے آتے ہیں مراد اس جگہ تیزی سے چلنا ہے، جیسے دریا میں کوئی آڑ پہاڑ نہیں ہوتا، تیرنے والا یا کشتی وغیرہ میں چلنے والا سیدھا اپنی منزلِ مقصود پہ جاتا ہے، فرشتوں کی یہ صفت کہ تیز جانیوالے ہیں یہ بھی ملائکہ موت سے متعلق ہے کہ انسان کی روح قبض کرنے کے بعد اسکو تیزی سے آسمان کیطرف لیجاتے ہیں (معارف)

قال علی رضی اللہ عنہ ھی الملائکۃ تسبح بارواح المؤمنین (قرطبی) اور بعض حضرات نے سابحات سے مراد جنگی گھوڑے لی ہے۔

شعراءِ عرب کے کلام سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ امرا القیس کہتا ہے ؎

مِسَحٌّ اذا ما السَّابِحَاتُ علی الوَنٰی
اَثَرْنَ غبارًا بالکدید المُرَکَّلِ

جب تیز رفتار گھوڑیاں تھکنے کی وجہ سے سخت

رَدِفَ : حرف لام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے پیچھے آنا، قریب آنا، عَسٰی ان یکون رَدِفَ لَکُمْ ۔ ممکن ہے اسکا کچھ حصّہ تمہارے قریب ہی آلگا ہو، مُرْدِفٌ : افعال سے ایک کے پیچھے دوسرا لگا ہوا، لگاتار آنے والے ، مِنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُرْدِفِیْنَ : لگاتار اُترنے والے فرشتے، مادہ مجرد سے رَادِفٌ اسم فاعل بھی اسی مفہوم میں آتا ہے ،

وَاجِفَةٌ : قُلُوْبٌ یَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ دل اس روز دھڑک رہے ہونگے ، وَجَفَ الشَّیْءُ : کسی چیز کا مضطرب ہونا ، قَلْبٌ وَاجِفٌ : دل مضطرب ، وَجَفَ الْقَلْبُ وَجِیْفًا : شدّت خوف سے دل کا لرز جانا ، الْاِیْجَافُ : سواری کو تیز دوڑنے پر مجبور کرنا وَجَفَ الْقَلْبُ یَجِفُ وَجِیْفًا ، دل کا دھڑکنا ۔

مَرْدُوْدُوْنَ : مَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَةِ ، اصل میں مَرْدُوْدٌ فِی الْحَافِرَةِ ایک مثل ہے جو اس شخص کے لئے بولی جاتی ہے جو جہاں سے آیا تھا وہیں لوٹ جائے ، تو ان کفار کا مطلب یہ تھا کہ کیا ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کی طرف لوٹ جائیں گے ، رَجَعَ فُلَانٌ فِی حَافِرَتِهٖ وعلی حَافِرَتِهٖ کے معنی ہیں جہاں سے آیا تھا اُدھر ہی لوٹ گیا ، حَافِرَة : پہلی حالت اصلی حالت پر بولا جاتا ہے اور خود زمین کو بھی حافرہ کہا جاتا ہے ، ایک قول یہ ہے کہ حافرہ بمعنی عاجلة کے ہے ، اس صورت میں جملہ کا مطلب یہ ہے کہ کیا ہم دُنیا کی طرف دوبارہ لوٹائے جائیں گے ، ایک قول یہ ہے کہ حافرہ اس زمین کو کہا جاتا ہے جس میں قبریں کھدتی ہیں ، اس تفسیر پر حافرہ بمعنی مَحْفُوْرَة ہے ، جیساکہ راضیہ بمعنی مرضیہ ، حُفْرَةٌ : گڑھے کو کہتے ہیں ، اسی سے اُس زمین کو جہاں گڑھے کھُدتے ہیں حافرہ کہدیتے ہیں اور بعض نے یہ کہا ہے کہ زمین کو حافرہ اس لئے کہتے ہیں کہ گھوڑوں کے سُم اس پر پڑتے ہیں ، حافر گھوڑوں کے سموں اور کھُروں کو کہتے ہیں کیونکہ گھوڑا دوڑتا ہوا اپنے سموں اور کھُروں سے مٹی اُڑاتا ہوا چلا جاتا ہے ، اور جو چیز نقد فروخت کی جائے اس کے متعلق عرب لوگ کہتے ہیں اَلنَّقْدُ عِنْدَ الْحَافِرَةِ (قرطبی راغب) مولانا اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ حافرة کے اصل معنی نقش قدم کے ہیں لیکن محاورہ میں اگر کہیں کہ فُلَانٌ رَجَعَ علی حَافِرَتِهٖ اَوْ فی حَافِرَتِهٖ تو اس کے معنی ہوں گے کہ

فلاں شخص جس حال میں تھا اس سے نکل کر پھر اُلٹے پاؤں اسمیں واپس آگیا، یعنی جب اُنھیں ڈرایا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد حساب کے لئے زندہ کئے جاؤگے تو وہ اسکا مذاق اُڑاتے اور ایک دوسرے سے بانداز استہزا پوچھتے ہیں کہ کیوں جی! کیا مرجانے اور بوسیدہ ہڈیاں ہوجانیکے بعد پھر ہم زندگی کی حالت میں لوٹائے جائیں گے (تدبر)

نَخِرَةٌ : عِظَامًا نَّخِرَةً ، عِظَامٌ جمع ہے، اس کی واحد عَظْمٌ ہڈی ، عِظَامٌ : ہڈیاں نَخِرَةٌ : بوسیدہ اور کھوکھلی چیز، عِظَامًا نَّخِرَةً : بوسیدہ ہڈیاں، یہ نَخِرَتِ الشَّجَرَةُ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جسکے معنی تیز ہوا چلنے سے بوسیدہ درخت میں آواز پیدا ہونے کے ہیں، اور النَّخِيْرُ : خراٹوں سے پیدا ہونیوالی آواز جو نیند کی حالت میں ناک سے نکلتی ہے اور ناک کے نتھنوں کو جن سے آواز پیدا ہوتی ہے، نَخْرَتَانِ یا مَنْخَرَيْنِ کہتے ہیں،

نَاخِرٌ ، اس ہڈی کو کہتے ہیں جسکے خالی ہونے کی وجہ سے اس کے ایک طرف سے ہوا داخل ہوکر جب دوسری طرف سے نکلے تو اس کے اندر آواز پیدا ہو اور ہڈی کے اندر سے پیدا ہونے والی آواز کو نخیرٌ کہتے ہیں نَاخِرٌ خراٹے بھرنے والا، ایک محاورہ ہے مَا بِالدَّارِ نَاخِرٌ : گھر میں کوئی بھی نہیں، دم لینے والا یہاں موجود نہیں ہے اور بعض حضرات نے نَاخِرَةٌ پڑھا ہے، یہ بمعنی بوسیدہ ہے (قرطبی، راغب) نَخِرَةٌ : اسم ہے بمعنی بوسیدہ، گلی سڑی ہڈی،

كَرَّةٌ : كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ، كَرَّةٌ، کسی طرف ایک بار مڑجانا، جھک جانا، لوٹ جانا، كَرَّةٌ کی "ت" وحدت کی ہے جس کے معنی ہیں ایک بار لوٹنا، ایک مرتبہ واپسی، علیٰ کے ساتھ بمعنی غلبہ آتا ہے، ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ : پھر ہم نے تمہیں دشمن پر غلبہ دیا، كَرٌّ مصدر ہے جو بطور اسم کے استعمال ہوتا ہے۔ كُرُوْرٌ جمع ہے اور كَرَّة کی جمع كَرَّاتٌ آتی ہے، یہ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، كَرَّهٗ : اسکو لوٹا دیا اور كَرَّ بِنَفْسِهٖ : خود لوٹ گیا، كَرَّ الْفَارِسُ عَلَى الْعَدُوِّ : شہسوار نے دشمن پر حملہ کردیا صفت کا صیغہ كَرَّار آتا ہے، بار بار حملہ کرنے والا، الكر : الرجوع، يُقَالُ كَرَّهٗ وَ كَرَّ بنفسه يتعدى ولا يتعدى والكَرَّةُ المرة والجمع، الكَرَّاتُ (قرطبی)

خَاسِرَةٌ : ٹوٹے والی، زیاں دہندہ اسم فاعل مؤنث، مصدر خسرٌ اور خُسْرَانٌ

مطلب یہ ہے کہ دوبارہ اگر زندگی کی طرف رجوع ہونا ہو تو یہ بڑے ٹوٹے کا رجوع ہوگا، یہ ایسا ہی ہے جیساکہ تِجَارَةٌ رَابِحَةٌ ہے جسکے معنی ہیں ایسی تجارت جو اپنے تاجر کو نفع دینے والی ہو کَرَّةٌ خَاسِرَةٌ: وہ رجوع جو اپنے لوٹنے والوں کے لئے باعثِ زیاں ہو،

زَجْرَةٌ : فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ بلاشبہ وہ ایک ہی جھڑکی ہوگی، زَجْرَةٌ: جھڑکی، ڈانٹ، تہدید، حرف 'ة' یہاں بھی وحدت کا ہے، ایک ڈانٹ، زَجْرٌ مصدر ہے، ڈانٹنا، جھڑکنا، منع کرنا،

اَلسَّاهِرَةُ : السَّاهِرَةُ: ہموار زمین، اور کھلے میدان کو کہتے ہیں یہاں مراد میدان حشر ہے۔ اصل میں سَهَرٌ کے معنی نیند اُڑجانے کے ہیں، اسی سے سَاهِرَة کا استعمال کھلے میدان اور جنگلات کے لئے ہوتا ہے چونکہ لوگ ان مقامات پر بوجہ خوف کے رات بیدار رہ کر گزارتے ہیں۔ علامہ رازی فرماتے ہیں کہ زمین کا اس نام سے موسوم ہونے کی دو وجہ ہیں، ایک یہ کہ اس پر چلنے والا سوتا نہیں، دوم یہ کہ اس پر سیراب رواں ہوتا ہے، یہ عرب کے محاورہ عَيْنٌ سَاهِرَةٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں چشمہ رواں، اور میرے نزدیک اسمیں تیسری وجہ بھی ہے کہ زمین کا سَاهِرَة نام اس وجہ سے پڑا کہ شدت خوف کے باعث انسان کی نیند ان میں اُڑجاتی ہے (کبیر)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ والعرب تسمّی الفلاة ووجهَ الارضِ سَاهِرَةً بمعنی ذاتِ سَهَرٍ لانّہ یُسْهَرُ فیھا خوفاً منھا (قرطبی)

بعض حضرات کا قول ہے کہ سَاهِرَة سے مراد ساتویں زمین ہے جس پر خلائق کا حساب کتاب ہوگا، امام ثوری کا خیال ہے کہ اس سے مراد ارض شام ہے، حضرت قتادہ کا قول ہے کہ ساهِرَة سے مراد جہنم ہے، اس کا نام ساهرة اس وجہ سے پڑ گیا کہ اہل جہنم وہاں بیدار رہیں گے اُن کی نیندیں اُڑجائیں گی (ماخوذ از قرطبی)

وسُمّیت سَاهِرَةً لانّہ لا نوم علیھا من اجل الخوف والحزن (الصاوی)

طُوًى : إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى : جب مقدس وادی طُویٰ میں اس کے رب نے اسے پکارا، طُوًى یہ اس وادی مقدس کا نام ہے جہاں پر جناب موسیٰ علیہ السلام کو احکام شریعت عطا ہوئے۔ علامہ مرتضیٰ زبیدی ارشاد

فرماتے ہیں کہ طوٰی بالضم اور بالکسر یعنی
طِوٰی اور اس کو تنوین بھی دی جاتی ہے،
ملک شام میں ایک وادی ہے۔
حمزہ کسائی، عاصم نے اس کی قرارت تنوین کے
ساتھ کی ہے، صحاح میں ہے کہ طوی ملک شام میں
ایک جگہ کا نام ہے اس کو کسرہ بھی دیا جاتا ہے
اور ضمہ بھی، اور یہ منصرف بھی پڑھا جاتا ہے
اور غیر منصرف بھی۔ پھر جن حضرات نے اس
کو منصرف پڑھا ہے انھوں نے اسکو وادی
اور جگہ کا نام قرار دیا ہے اور اسکو نکرہ بنایا ہے
اور جن حضرات نے غیر منصرف پڑھا ہے انھوں
نے اسکو شہر اور مقام کا نام قرار دیا ہے اور
معرفہ بتایا ہے، علامہ قرطبی نے فرار کا قول
نقل کیا ہے کہ طوی مدینہ اور مصر کے درمیان
ایک وادی ہے، اور طاوٍ سے معدول جیسا کہ
عمر معدول عامر سے (قرطبی) تو جو لوگ اسکو
غیر منصرف کرتے ہیں وہ دو وجہ سے کرتے ہیں
ایک تو یہ کہ طاوٍ سے معدول ہے جیسا کہ عمر
معدول ہے عامر سے، دوسرے یہ کہ وہ ایک
مخصوص مقام کا نام ہے، اور جو اسکو ضمہ
اور تنوین دیتے ہیں وہ اس کو میدان یا پہاڑ
کا ایسا نام بتاتے ہیں جو مذکر ہے اور مذکر
ہی سے موسوم ہے، مزید وضاحت کے
لئے سورۂ طٰہٰ کو دیکھا جائے،

شیخ احمد الصاوی لکھتے ہیں کہ وسُمّیَ طوی
لطیّ الشدائد عن بنی اسرائیل وجمع
الخیرات لموسٰی وھو واد بالطور بین
ایلۃ ومصر (صاوی)

حَشَرَ: حَشَرَ النَّاسَ، لوگوں کو اکٹھا
کیا، جمع کیا، حَشَرَ فُلَانًا عَنْ وَطْنِہٖ:
اس کو جلا وطن کر دیا، حَشَرَ العُوْدَ: لکڑی
کو چھیلا، باریک کیا، حَشَرَتِ السَّنَۃُ المَالَ
قحط سالی نے مال ڈھور کو ہلاک کر دیا،
الحَشَرَۃُ: کیڑے مکوڑے، الحُشَرُ (بضم
الحاء) بھوسی چھلکا اور چھان وغیرہ، یَوْمُ
الحشر: قیامت کا دن، فَحَشَرَ فَنَادٰی
فَقَالَ اَنَا رَبُّکُمُ الاَعْلٰی (النازعات)
اور لوگوں کو جمع کیا، پھر بلند آواز سے تقریر کی
اور کہا کہ میں تمہارا رب ہوں، میری کرسی مضبوط
ہے، وَحَشَرْنَا عَلَیْھِمْ کُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا
(انعام ۱۱۱) یعنی ان منکرین کے سامنے حق
کے تمام دلائل جمع کر دیں جب بھی ایمان
نہیں لائیں گے

الحَشْرُ: جمعُ النّاسِ اوغیرھم (المعجم)
حاشر: جمع کرنیوالا، مَحْشُوْرَۃٌ: جمع کی ہوئی
جماعت، گروہ، وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَۃً کُلٌّ لَّہٗ

أَوَّابٌ (ص ١٩)

نَكَالَ : نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ، نکال ایسے
عبرت انگیز عذاب کو کہتے ہیں جسکو دیکھ کر دوسرے
سبق حاصل کریں اور سہم جائیں نَكَّلْتُهُ : میں نے
اسکو عبرتناک سزا دی، اسکی جمع اَنْكَالٌ آتی ہے
قرآن پاک میں ہے، اِنَّ لَدَيْنَا اَنْكَالًا وَّ
جَحِيْمًا، بلاشبہ ہمارے پاس بیڑیاں اور بھڑکتی
آگ ہے، نَكَّلَ فُلَانٌ بِفُلَانٍ : کسی کو مصیبت
میں ڈالدینا، عبرتناک سزا دینا، والنكالُ اسم
لما جعل نكالاً للغيرى عقوبةً له حتى
يُعْتَبَرَ بِهٖ -

سَمْكَ : رَفَعَ سَمْكَهَا، اس نے اس کی
چھت کو بلند کیا، اَیْ اَعْلٰی سُقُفَهَا فِی
الْهَوَاۗءِ (قرطبی) سَمْكَ کے معنی چھت
کے ہیں، یہ لازم اور متعدی دونوں طرح
استعمال ہوتا ہے۔ سَمَكَ الشَّیْءُ سُمُوْكًا اِرْتَفَعَ
کسی چیز کا بلند ہونا (قرطبی) سَامٌ سَامِكٌ :
بلند کوہان کو کہتے ہیں اور ہر اس چیز کو
جس سے کوئی چیز بلند کی جائے، سِمَاكٌ
(بکسر السین) کہا جاتا ہے بِنَاۗءٌ مَسْمُوْكٌ :
بلند عمارت، السَّمْكُ : العلو والارتفاع (صفوۃ)

اَغْطَشَ : وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا : اَغْطَشَ
اس نے تاریک کر دیا، یہ باب افعال کے
مصدر اغطاش سے جسکے معنی تاریک ہونے کو
تاریک کرنیکے ہیں، ماضی کا صیغہ واحد مذکر
غائب ہے، لازم اور متعدی دونوں طرح آتا ہے
اَغْطَشَ اللَّيْلُ بِنَفْسِهٖ وَاَغْطَشَهُ اللّٰهُ (قرطبی)
رَجُلٌ اَغْطَشُ : نابینا، اِمْرَاَةٌ غَطْشَاۗءُ :
اندھی عورت، لَيْلَةٌ غَطْشَاۗءُ وليلٌ اَغْطَشُ
اندھیری رات، فَلَاةٌ غَطْشٰى گھنے جنگلات جن
میں راستہ نہ ملے، تَغَاطَشَ عَنْهُ : دانستہ طور
پر کسی چیز کی طرف سے اندھاپن اختیار کرنا یا
غافل ہونا، غَطْشٌ اور غطاشٌ رات کی تاریکی،

ضُحٰى : دھوپ کا پھیل جانا، دن چڑھ جانا
پھر اسوقت کو بھی ضحی کہتے ہیں جسمیں دھوپ پھیل
جائے، اَخْرَجَ ضُحٰهَا، اسنے روشنی نکالی، ضَحِيَ
يَضْحٰى (سمع) دھوپ کے سامنے آنا، دھوپ
چڑھ جانا، قربانی کو بھی اُضْحِيَّةٌ اسی لئے کہا
جاتا ہے کہ وہ دھوپ پھیلنے کے بعد کی جاتی ہے،

دَحٰى : وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا : اور
اسکے بعد زمین کو پھیلا دیا، دَحَا يَدْحُوْا دَحْوًا
کسی چیز کو پھیلا دینا، دَحٰهَا اَیْ بَسَطَهَا (قرطبی)
امام راغب فرماتے ہیں اَیْ اَزَالَهَا عَنْ مَقَرِّهَا
یعنی دَحٰی کے معنی ہیں کسی چیز کو اسکی جگہ سے
زائل کر دینا، دَحَى الْمَطَرُ الْحَصٰى عَنْ وَجْهِ
الْاَرْضِ : بارش زمین سے کنکریاں بہاکر لے گئی

مَرَّ الفرسُ يَدْحُوا دَحْوًا : گھوڑا اپنے سُم زمین پر مارتا خاک اُڑاتا چلا گیا، زمین کو پھیلانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ اس کو اصل مادہ سے ہٹا کر فرش کی صورت میں بچھا دیا گیا،

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دَحَی الْاَرْضَ سے مراد اسمیں سے پانی اور چراگاہیں پیدا کرنا، نہروں کو جاری کرنا، پہاڑوں کو قائم کرنا اور راستہ وغیرہ کا جاری کرنا ہے (ابن کثیر)

علامہ احمد صاوی فرماتے ہیں کہ دَحَا يَدْحُوا دَحْوًا، دَعَا يَدْعُوا کی طرح ہے جسکے معنی کسی چیز کو پھیلانے اور دراز کرنے کے ہیں (صاوی)

مَرْعٰى : مَرْعٰی ظرف مکان بمعنی چراگاہ، اسم مفعول بمعنی چارہ، اصل میں مادہ رَعْیٌ ہے، ماضی رَعٰی مضارع يَرْعٰی، مویشی کو چراگاہ میں چھوڑنا کسی کام کو ٹھیک طرح انجام دینا، اصل میں رَعْیٌ کا معنی ہے جانور کی حفاظت کرنا، اسکو باقی رکھنا ۱ خوراک کے ذریعہ سے ۲ دشمنوں کو دفع کر کے یعنی دشمنوں سے نگرانی کرنی ۳ مناسب انتظام کر کے حقدار کو اسکا حق ادا کرنا، انھیں معانی کا لحاظ کرتے ہوئے راعی چرواہے کو بھی کہا جاتا ہے اور حاکم و نگراں وغیرہ سب پر راعی کا لفظ انھیں معانی کے اعتبار سے بولا جاتا ہے، راعیٌ کی جمع رِعَاءٌ آتی ہے، کما قال تعالیٰ : حتّٰی يُصْدِرَ الرِّعَاءُ ۔

اَرْسٰى : وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا : اور پہاڑوں کو قائم کر دیا (ماجدی) یہ باب افعال کے مصدر اِرْسَاءٌ سے ماضی ہے، اِرْسَاءٌ لنگر انداز ہونا، ثابت رکھنا، میخ ٹھوکنا، پہاڑوں کو زمین پر لنگر انداز کر دیا، زمین پر انھیں میخوں کی طرح ٹھوک کر ثابت کر دیا، اَثْبَتَهَا فِيْهَا اَوْتَادًا لَهَا (قرطبی)

طَامَّةٌ : اَلطَّامَّةُ الْكُبْرٰى : طَامَّةٌ سخت مصیبت، اصل میں الطَّمُّ کے معنی پانی سے بھرے ہوئے سمندر کے ہیں اور ایسے سمندر کو الطَّمُّ والرَّمُّ کہا جاتا ہے، اور طَمَّ عَلٰی كَذَا کے معنی کسی پر چھا جانے کے آتے ہیں، قیامت کو طَامَّةٌ اسی مناسبت سے کہا جاتا ہے کہ وہ ہر چیز پر چھا جائے گی، الطَّامَّةُ الْكُبْرٰى کے معنی ہونگے بڑی آفت جو سب کو گھیرے، طَمَّ الْمَاءُ پانی نہر کے کناروں تک بھر گیا، طَمَّ السَّيْلُ الرَّكِيَّةَ سیلاب نے پانی کے کوئیں کو پاٹ دیا، الطَّامَّةُ عِنْدَ العرب : الداهية التي لا تستطاع والطم: الدفن والعلو (قرطبی)

طَمٌّ کے معنی دفن کر دینے اور چھا جانے کے ہیں اَلطَّامَّةُ الْكُبْرٰى سے مراد جیسا کہ امام قرطبی نے ذکر کیا ہے نفخۂ ثانیہ ہے چونکہ ہنگامۂ قیامت اصل میں یہی ہے ۔

اَيَّانَ : اَيَّانَ مُرْسٰهَا : اَيَّانَ، کب یہ مَتٰی کے قریب المعنی ہیں اور کسی شئے کا وقت دریافت کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے بعض لوگ اس کی اصل اَیُّ اَوَانٍ بتاتے ہیں الف کو حذف کرکے واؤ کو یا بنایا گیا اور یا، کا یار میں ادغام کردیا گیا اَيَّانَ ہوگیا (راغب)

مُرْسٰی : یہ باب افعال کے مصدر اِرْسَاءٌ سے مصدر میمی ہے بمعنی ٹھہرنا، جمانا اسکا مادہ رَسْوٌ ہے، رَسَا یَرْسُوْا کا معنی ہے ٹھہرنا جگہ پر جم جانا، اس مادہ مجرد ثلاثی سے مصدر میمی مَرْسٰی (بفتح المیم) آتا ہے اور ثلاثی مزید فیہ کے مصدر اِرْسَاءٌ کا مصدر میمی مُرْسٰی بضم المیم آتا ہے۔ یہاں مُرْسٰی کے معنی لنگر انداز ہونے کے ہیں، اَيَّانَ مُرْسٰهَا میں دراصل مشرکین ایک طنز کرنا چاہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ تو بتاؤ کہ اس کا سفینہ ہمارے ساحلِ انتظار پہ کب لنگر انداز ہوگا، اس کا انتظار کرتے کرتے تو ہماری آنکھیں پک گئیں۔

مُنْتَهٰی : باب اِفتعال کے مصدر اِنْتِهَاءٌ سے ظرف مکان ہے، آخری مکان اور مصدر میمی بھی ہوسکتا ہے بمعنی آخر پہنچنا . . .

مُنْتَهَاهَا: اسکا آخری وقت اسکی آخری حد۔

جَحِيْمٌ : جحیم : دوزخ، دہکتی ہوئی آگ کا سخت بھڑکنا، یہ فَعِیْل بمعنی فاعل ہے، جَحَمَ النَّارَ : اُس نے آگ بھڑکائی جَحْمَۃٌ : اس کو تیز اور شعلہ آسا نظروں سے دیکھا اَلْکَانُ جَحِیْمٌ : گرم جگہ، دوزخ کے مختلف اوصاف واسماء قرآن پاک میں مذکور ہوتے ہیں ۱ جحیم ۲ جہنم ۳ ہاویہ ۴ سقر ۵ لظی ۶ حُطَمَۃ ۷ سعیر وغیرہا۔

شرح الفاظ القرآن من سورۃ عبس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عَبَسَ : عَبَسَ وَتَوَلّٰی، عَبَسَ کے معنی ہیں ترشروئی اختیار کرنا، چہرے سے ناگواری کا اظہار کرنا اور تَوَلّٰی کے معنی رُخ پھیر لینے کے ہیں (معارف)

عَبَسَ اَیْ کَلَحَ بِوَجْھِہٖ (قرطبی)

الْاَعْمٰی : الْاَعْمٰی : نابینا، اندھا، اس کی جمع عُمْیٌ ہے، مراد اس سے صحابی رسول صلے اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم ہیں، مکہ کے ابتدائی دور میں ہی ایمان قبول کرلیا تھا، حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دفعہ ایسے وقت حاضر ہوئے کہ آپؐ کے پاس قریش کے بڑے بڑے صنادید بیٹھے ہوئے تھے، آپ اُن کو دین کے احکام بتارہے تھے اور آپ کو توقع تھی کہ یہ مسلمان ہوجائیں گے لیکن ان صحابی کی وجہ سے تبلیغ کے احکام میں خلل پڑا جس کی وجہ سے آپؐ کے چہرے پر ناگواری کے آثار غیر اختیاری طور پر ظاہر ہوگئے

تَصَدّٰی : تَصَدّٰی، متوجہ ہونا، خاطر کرنا۔ اَلتَّصَدِّیْ : صدائے بازگشت کی طرح کسی چیز کے درپے ہونا، فَاَنْتَ لَہٗ تَصَدّٰی آپ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں،

اَصَمَّ اللّٰہُ صَدَاہُ : خدا اس کو ہلاک کرے یعنی اسمیں آواز ہی نہ رہے حتّٰی کہ اس کی صدائے بازگشت آئے۔

اس کی اصل تتصدّٰی ہے۔ مادہ صَدْیٌ ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کا محاذ میں آنا، سامنے آنا، کہاجاتا ہے، دَارِیْ صَدَدُ دَارِہٖ میرا گھر اُسکے گھر کے سامنے ہے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ تَصَدّٰی اصل میں تَتَصَدَّدُ تھا جسکے معنی متوازی اور مقابل کے ہیں اس کا اصل مادہ صَدَدٌ ہے۔

تَصَدّٰی۔ اَیْ تَعَرَّضَ لَہٗ وَتُصْغِیْ لِکَلَامِہٖ والتَّصَدّٰی : الاصغاء واصلُہٗ تَتَصَدَّدُ من الصَّدِّ وھو ما استقبلک وصار قبالتک (قرطبی)

اس میں دوسرے دال کو حرف علت ی سے بدل دیا گیا ہے، واصل تَصَدّٰی، تَصَدَّدَ فابدلت الدال الثانیۃ حرف علّۃ (صاوی۔ جمل)

ایک قول یہ بھی نقل کیا گیا ہے، تصدّی اصل میں صَدًیٰ سے ماخوذ ہے جسکے معنی پیاس کے ہیں، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آپ تو اس کی طرف یوں متوجہ ہوتے ہیں جیسا کہ پیاسا پانی کیطرف متوجہ ہوتا ہے حاصل کلام دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے، واصل تصدی علی ماقی البحر تصدّد من الصّدد وھو ما استقبلك وصار قبالتك، یقالُ داری صَدَدُ دارہ - ای قبالتھا (روح المعانی) مولانا اصلاحی فرماتے ہیں، تصدی دراصل تصدّدُ ہے جو صَدَدٌ کے مادہ سے ہے جسکے معانی متوازی اور مقابل کے ہیں (تدبر)

یَسْعٰی : جَآءَكَ يَسْعٰى، آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے، يَسْعٰى : وہ دوڑ کر آتا ہے، لیکن اس دوڑ کر آنیسے مراد وہ دوڑنا نہیں ہے جو پاؤں سے ہوتا ہے، یہ دل کے بیتابانہ شوق کے لئے بطور کنایہ کے طریقہ تعبیر ہے، سَعْیٌ کا اصل مفہوم کسی کام کو ذوق و شوق، سرگرمی اور مستعدی سے کرنا ہے۔

تَلَهّٰى : فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى، یہ اصل میں تَتَلَهّٰى ہے، ایک ت کو حذف کر دیا گیا ہے، تَلَهّٰى عَنْهُ کے معنی ہیں اس سے غافل ہوگیا اَلْهَانِیْ عَنْهُ ذَالِكَ : کے معنی ہوئے مجھے فلاں چیز نے اس سے پھیر دیا اور میں اسکی طرف توجہ نہ کرسکا، عقبہ بن بجیر کا شعر ہے ۔

لِحَافِیْ لِحَافُ الضَّيْفِ وَالْبَيْتُ بَيْتُهُ
وَلَمْ يُلْهِنِیْ عَنْهُ غَزَالٌ مُقَنَّعٌ

میرے دروازے پر اگر کوئی مہمان اتر پڑے تو میرا اوڑھنا بچھونا مہمان کا اوڑھنا بچھونا ہوتا ہے اور میرا گھر مہمان کا گھر بنجاتا ہے اور برقعہ پوش ہرنی (نازنین) مجھے اس سے غافل نہیں کرتی (فراہی)

سَفَرَةٍ : بِاَيْدِیْ سَفَرَةٍ، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں سَفَرَةٌ بفتحتین سافر کی جمع بھی ہوسکتا ہے جسکے معنی کاتب کے ہیں اس صورت میں اس سے مراد فرشتے کراماً کاتبین یا انبیاء علیہم السلام اور ان کی وحی کو لکھنے والے حضرات ہونگے، حضرت ابن عباس اور مجاہد سے یہی تفسیر منقول ہے اور لفظ سَفَرَةٌ سَفِيْرٌ بمعنی قاصد کی جمع بھی ہوسکتی ہے اس صورت میں اس سے مراد ملائکہ، انبیاء علیہم السلام اور وحی کی کتابت کرنے والے حضرات صحابہ ہونگے اور علمائے اُمت بھی اسمیں داخل ہیں کیونکہ وہ بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اُمت کے درمیان قاصد ہیں، حدیث میں ہے کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور وہ قراءت میں بھی ماہر ہے تو سَفَرَةٌ کرامٌ ابرار کے ساتھ ہے

اصل میں سَفَرَۃٌ کے سین کے زبر کے ساتھ معنی ہیں پردہ اُٹھانا، سَفَرَ العَمَامَۃَ عَنْ رَاْسِہٖ سر سے پگڑی ہٹادی، سَفَرَتِ المَرْأَۃُ: عورت نے نقاب اُٹھادیا، اور سِفْرٌ بکسر السین اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں حقائق کا بیان ہو اس کی جمع اَسْفَارٌ آتی ہے، اور کاتب کو سافر کہتے ہیں، اس لئے کہ وہ الفاظ اور عبارت کے ذریعہ حقائق اور معانی کو کھولتا ہے اور واضح کرتا ہے (قرطبی راغب)

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی فرماتے ہیں سَفَرَۃٌ جمع ہے سَافِرٌ کی جسکے معنی قاری اور کاتب کے ہیں۔ سَفَرَ پڑھنے اور لکھنے دونوں معنی میں آتا ہے، اس کے اشتقاق پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے اصل معنی تو لکھنے کے ہیں لیکن پڑھنے اور بیان کرنے کے مفہوم میں یہ وسیع ہوگیا ہے (تدبر)

بَرَرَۃٌ: کِرَامٍ بَرَرَۃٍ، یہ جمع ہے بَارٌّ کی، بارٌّ کہتے ہیں فرمانبردار، باوفا اور اپنی ذمہ داریوں کو ٹھیک ٹھاک ادا کرنے والے کو (تدبر)

بَرَّ فلانٌ فی یمینہ: فلاں نے اپنی قسم کو پورا کیا، اور فلانٌ یَبَرُّ خَالِقَہٗ: وہ اپنے خالق کی اطاعت کرتا ہے، فمعنی بَرَرَۃٍ مُطِیْعُوْنَ لِلّٰہِ: صَادِقُوْنَ لِلّٰہِ فِی اَعْمَالِھِمْ،

اَنْشَرَ: ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَہٗ اِنْشَارٌ، کے معنی کھولنے، پھیلانے چھینٹنے اور از سر نو اُٹھا کھڑا کرنے کے ہیں، یعنی جب وہ چاہے گا اُس کو اُٹھا کھڑا کرے گا اَنْشَرَہٗ: اس کو زندہ کردیا، اسکو اُٹھا کھڑا کیا۔

قَضْبًا: قَضْبًا، تروتازہ گھاس اور ترکاریاں، اور المَقَاضِبُ: وہ زمین جہاں سبزیاں اور ساگ پات وغیرہ اُگتا ہو، القضیب بمعنی قَضْبٌ ہے لیکن درخت کی تروتازہ شاخوں کو قضیب اور سبزی ترکاری وغیرہ کو قَضْبٌ کہا جاتا ہے، نیز قَضْبٌ سبزی ترکاری اور درخت کی تازہ شاخوں کو کاٹنے پر بھی بولا جاتا ہے، سَیْفٌ قَاضِبٌ و قَضِیْبٌ: قاطع تلوار، اس لئے قضب کا لفظ ان سبزیوں اور گھاس وغیرہ پر بولا جاتا ہے جس کو بار بار کاٹا جاتا ہو اور وہ پھر اُگ آئے جیسا کہ برسیم وغیرہ، اور وہ سبزیاں جن سے بار بار پھل اُترتے ہیں انکو بھی قَضْبٌ اسی پہلو سے کہا جاتا ہے،

اَلْقَضِیْبُ: کُلُّ مَا یقطع من البقول فینبت اصلہ مثل البرسیم والباقلاء

والکرات (صفوۃ)
وَهُوَ الْقَتُّ وَالْعَلَفُ، سمی بذالك
لانَّهُ يُقْضَبُ ای يقطع بعد ظهوره
مرة بعد مرّة (قرطبی)

زَيْتُوْنًا: زَیْتُوْنًا، ایک درخت ہے
جس کو زیتون کہا جاتا ہے، یہ عرب ممالک
عراق اور شام وغیرہ میں بکثرت پایا جاتا ہے
اسکا تیل غذا اور سالن کے طور پر استعمال
کیا جاتا ہے، اسکا اچار بھی ڈالا جاتا ہے۔

حَدَآئِقَ: وَحَدَآئِقَ غُلْبًا:
حَدَائِقَ ای بساتین واحدها
حدیقه: قال الکلبی: وکل شیءٍ
اُحِيْطَ عَلَيْهِ من نخیل او شجر فهو
حدیقةٌ ومالم یحط علیه فلیس
بحدیقة (قرطبی)

غُلْبًا: غُلْبٌ جمع اَغْلَبُ کی جس کے معنی
گردن والے کے ہیں، لیکن جب یہ باغ کی
صفت کے طور پر آئے تو اس سے مقصود
درختوں کی شادابی کی طرف اشارہ کرنا
ہوتا ہے۔ باغ شاداب ہوگا تو لازماً درختوں
کا گھراؤ بڑھ جائے گا اور ان کے اوپر کے
حصے باہم ملکر گھنے ہوجائیں گے (تدبر)
اکثر مفسرین نے غُلْبٌ کو غَلْبَار کی جمع
بیان کیا ہے۔ غُلْبًا کثیرۃ الاشجار
مُلْتَفَّةُ الاغصانِ جمع غَلْبَاءَ (صفوۃ)
ابن عباسؓ کا قول ہے کہ غُلْبٌ اَغْلَبُ اور
غَلْبَاءُ دونوں کی جمع ہے جس کے معنی موٹے
پن کے ہیں۔ شَجَرَۃٌ غَلْبَاءُ: گھنا درخت
رَجُلٌ اَغْلَبُ: موٹی گردن والا، شیر کو بھی
اغلب کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی گردن موٹی
ہوتی ہے (قرطبی)
هَضْبَةٌ غَلْبَاءُ: بلند ٹیلہ (راغب)

فَاكِهَةً: پھل جو بطور تَفَكُّه کے
استعمال ہوتے ہیں جیسے سیب، انگور اور
انار وغیرہ، ای ما تأكله الناس من
ثمار الاشجار التِّيْنِ والخوخ
وغیرهما (قرطبی) اسکی جمع فَوَاكِهَ آتی ہے

اَبًّا: یہ فَاكِهَةً
کے مقابل ان چیزوں پر بولا جاتا ہے جو
حیوانات کھاتے ہیں، زمین سے اُگنے والی
تمام گھاس جو جانوروں کا چارہ بنتی ہے
سب پر اَبٌّ کا اطلاق ہوتا ہے۔ کوئی
مخصوص سبزہ اس سے مراد نہیں ہے جیسا
کہ فَاكِهَةٌ سے مراد کوئی مخصوص میوہ نہیں ہے
اَبٌّ کا حقیقی مصداق کیا ہے اسکے تعیّن
میں بہت سے اقوال ہیں۔

علامہ قرطبی نے ابن عباس اور حسنؒ کا قول
نقل کیا ہے کہ الاَبُّ: کُلّ ما اَنبتَتِ
الارضُ مما لایاکلہٗ الناس مَایاکُلُہٗ
الناس ھوالحصید ۔ ابن عباس رضی اللہ
عنہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ زمین کی ہر
پیداوار پر اَبٌّ کا اطلاق ہوتا ہے چاہے آدمیوں
کے کھانے کی ہو یا حیوانات کی، قال الابُّ
ما تنبت الارض مما یاکل النّاس و
الانعام ۔ کلبیؒ کا قول ہے کہ ھو کل نباتٍ
سِوَی الفاکھۃ ، پھلوں کے علاوہ زمین
سے اُگنے والے ہر سبزے کو اَبٌّ کہا جاتا ہے
جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے
سوال کیا گیا کہ اَبٌّ کیا چیز ہے تو فرمایا
کہ ایُّ سَماءٍ تظلّنی وایُّ ارضٍ تُقلّنی
اذا قلتُ فی کتاب اللہ مالا اعلم، یعنی
کونسا آسمان مجھ پر سایہ کریگا اور کونسی زمین
میرے بوجھ کو برداشت کریگی جب میں اللہ
کی کتاب میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے
یقین نہیں ہے (قرطبی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں
نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس آیت
کی تلاوت کرتے سُنا ہے، آپ نے اس
جملہ پر پہنچ کر فرمایا کہ باقی تمام الفاظ و
اسماء کے معانی تو معلوم ہیں لیکن اَبًّا کا کیا
معنی ہے ؟

پھر اپنے عصار کو ہاتھ میں لیتے ہوئے فرمایا
کہ خدائے پاک کی قسم یہ بالکل تکلف ہے
اور اے عمر! تیرا کیا حرج ہے اگر ان الفاظ
کا معنی نہ آئے، اور فرمایا کہ لوگو! جو احکام
اس کتاب کے واضح ہیں ان کی اتباع کرو،
اور جو واضح نہیں ہیں ان کو ترک کردو (قرطبی)
اس سے تفسیر قرآن کے متعلق صحابہؓ اور سلفِ
صالحین کی انتہائی احتیاط کا اندازہ ہوتا ہے
لیکن وائے بدنصیبی اس دورِ جدید کے
مفسرین کی کہ قرآن مجید کی محکم ترین آیات
کی تحریف و تاویل کرتے ہوئے ذرا نہیں
جھجکتے، مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ
نے لکھا ہے کہ اَبٌّ: تر و تازہ گھاس،
یہ ابَّ یَؤُبُّ اَبًّا و اَبَابۃً سے ہے جس
کے معنی ظاہر ہونے اور نمودار ہونے کے ہیں،
یہ قدیم مادہ ہے جس پر بعض لسانی تصرفات
ہو جانے کے سبب سے بعض حالتوں میں
اسکی شکل بدل گئی ہے، اَبَّ یعنی اُٹھا، اور
ارادہ کیا، شاداب گھاس کو اَبٌّ اسلئے کہتے
ہیں کہ بارش کے بعد یہ سب سے پہلے زمین پر
نمودار ہوتی ہے، اسی سے آبانُ النبات کا

لفظ پیدا ہوگیا ہے جس کے معنی نباتات کی ابتداءً نکلنے والی کونپلیں ہیں پھر کسی قدر توسیع کرکے اَبَّانُ الشّباب بھی بولنے لگے (اُبھرتی جوانی) مولانا نے ان روایات کو مضطرب اور منقطع قرار دیا ہے جو حضرات شیخین کی طرف منسوب ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان حضرات کو بھی ان کا مطلب معلوم نہیں تھا، لیکن حقیقتِ حال یہ ہے کہ صحابۂ کرام میں سے کسی کو اس لفظ کے عام اطلاق میں شبہ نہیں تھا کہ یہ زمین میں سے اُگنے والے حیوانی چارہ اور گھاس پھوس وغیرہ پر بولا جاتا ہے، شبہ صرف اسمیں تھا کہ یہ کس قسم کی گھاس اور چارہ ہے، اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا مقصد بھی یہی ہے کہ معین طور پر یہ کہنا کہ اس سے فلاں سبزہ یا گھاس مراد ہے مشکل ہے، باقی رہا مسئلہ اضطراب وانقطاع کا تو یہ بھی علی الاطلاق صحیح نہیں کیونکہ کسی ایک سند میں اضطراب یا انقطاع کے آجانے سے تمام طرقِ روایت مجروح نہیں ہوتے چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ انہی روایات میں سے بعض کے متعلق فرماتے ہیں کہ فَهُوَ اسناد صحیح (ابن کثیر) یہ روایت صحیح ہے اَبَّ بکذا اَبًّا وَاَبَابَةً، کوئی کام کرنے کے لئے تیار ہوجانا، اَبَّ الیٰ وَطَنِہٖ، وطن کا مشتاق ہو کر جانے کے لئے تیار ہوگیا، آبَّ لِسَيْفِهٖ: تلوار سونتنے کو مستعد ہوجانا، اسی سے اِبَّانُ ذَالِكَ کی ترکیب ہے یعنی وہ زمانہ جو کسی کام کے کرنے کے لئے بالکل مناسب ہو (راغب)

الْاَبُّ: الكَلَاءُ وعَبَّرَ بعضهم عنه بِاَنَّهُ المرعٰى وقال الزجاج: الاَبُّ جَمِيْعُ الكلاءِ الذی تَعْتَلِفُهُ الماشِيَةُ (لسان) ابٌّ کی جمع اَوُبٌّ آتی ہے (منجد)

الصَّاخَّةُ: فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ تو جس وقت شدید شور برپا ہوجائے (ماجدی) صَاخَّہ ایسے شور اور سخت آواز کو کہتے ہیں، جس سے انسان کے کان بہرے ہوجائیں، مراد اس سے شورِ قیامت یعنی نفخِ صور ہے (معارف) صَخَّ سَمْعَهٗ کے معنی ہونگے اَصَمَّهٗ یعنی اسکے کان بہرے کردیئے (فراہی) یہ تعبیر اس حقیقت کی طرف اشارہ کررہی ہے کہ صورِ قیامت کی پہلی کڑک ہی ایسی ہولناک ہوگی کہ کانوں کو بہرہ کردے گی (تدبر)

وقال الخليل صیغة تَصُخُّ الاذان صَخًّا ای تُصِمُّهَا الشدۃ و قعتها (روح)

غَبَرَةٌ: سیاہی، خاک اور وہ اثر جو کسی چیز پر جمی ہوئی خاک کے دُور ہونے کے بعد بھی باقی رہتا ہے، مراد یہ ہے کہ غم کی وجہ سے ان کے

چہروں کا رنگ بگڑ جائے گا۔

قَتَرَةٌ : تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ : انکے چہروں پر غبار چھایا ہوا ہوگا، قَتَرَةٌ غُبَارٌ اور دھوئیں کی طرح چھائی ہوئی بدرونقی۔ والقَتَرُ فی کلام العرب الغبارُ جمع القترة گویا قَتَرَةٌ واحد ہے اس کی جمع قَتَرٌ ہے (قرطبی) علامہ قرطبی نے قَتَرٌ کے جمع ہونے پر فرزدق کا ایک شعر بیان کیا ہے ؎

مُتَوَّجٌ بِرِدَاءِ الملك يَتْبَعُهُ

مَوْجٌ تَرَى فوقهُ الرَّاياتِ والقَتَرا

لفظ قَتَرٌ یہاں الرایات پر عطف ہونے کی وجہ سے جمع ہوگا۔

زید بن اسلم کا قول ہے کہ قترة اس گرد وغبار کو کہا جاتا ہے جو زمین سے اُٹھ کر آسمان کی طرف بلند ہو اور غبرة جو اوپر سے نیچے کی طرف اُترے، مطلب یہ ہے کہ کفار پر ہر طرف سے مشکلات کا اندھیرا ہوگا، اس قول پر غبرة اور قترة دونوں کا معنی ایک ہے یعنی غبار، فرق صرف یہ ہوگا کہ غبرة اس غبار کو کہیں گے جو آسمان کی طرف سے اُترے اور قترة زمین سے اُبھرنے والے گرد کو کہیں گے (صاوی۔ قرطبی)

اَلْكَفَرَةُ : اَلْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ : كَفَرَةٌ جمع ہے کافر کی اور فَجَرَةٌ فاجر کی جمع ہے بمعنی جھوٹا، مفتری وھو الكاذبُ المُفْتَرِي عَلَى الله (قرطبی)

شرح الفاظ القرآن من سورة التکویر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کُوِّرَتۡ : اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ :
جب سورج تاریک ہوجائے گا (لغات القرآن)
جب آفتاب لپیٹ لیا جائے (ماجدی)
تکویر کے معنی کسی چیز کو لپیٹ دینے، یا ایک گٹھڑی کی صورت میں باندھ لینے کے ہیں
کَوَّرَ العِمَامَۃَ عَلٰی رَاْسِہٖ کے معنی ہیں اُس نے عمامہ اپنے سر پر لپیٹ لیا (تدبر)
کُوِّرت، تکویرٌ سے مشتق ہے، اس کے معنی بے نور ہوجانے کے بھی آتے ہیں، حسن بصریؒ کی یہی تفسیر ہے اور اس کے معنی ڈال دینے پھینک دینے کے بھی آتے ہیں۔ ربیع بن خیثم نے اس کی یہی تفسیر کی ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ آفتاب کو سمندر میں ڈالدیا جائے گا جس کی گرمی سے سارا سمندر آگ بن جائیگا (معارف) حضرت ابن عباس کا ایک قول ہے کہ سورج کی تکویر یہ ہے کہ اس کو عرش میں داخل کر دیا جائے گا۔ قال ابن عباسؓ تکویرھا۔ ادخالھا فی العرش (قرطبی)
علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک تکویر کے اصل معنی جمع کرنے کے ہیں اور کار العمامۃ علی راسہ یکورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں سر پر پگڑی باندھنا، بل دے کر سر پر عمامہ کو لپیٹنا۔ پس سورج کو لپیٹ دیا جائے گا اور بے نور کر کے سمندر میں پھینک دیا جائے گا (قرطبی)

انۡکَدَرَتۡ : وَاِذَا النُّجُوۡمُ انۡکَدَرَتۡ
اور جب ستارے میلے ہوجائیں (معارف)
انکدرت، انکدارٌ سے مشتق ہے اسکے معنی سقوط اور گرنے کے ہیں سلف سے یہی تفسیر منقول ہے (معارف)
اِنکدار کے اصل معنی تو میلے ہونیکے ہیں مگر بکھر جانے اور پراگندہ ہونے میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے (لغات القرآن)
انکدارٌ کے معنی دھندلے اور ماند پڑجانے کے ہیں (تدبر)
علامہ راغب لکھتے ہیں، اَلکُدُرُ یہ صفار کی ضد ہے۔ عَیْشٌ کَدِرٌ : پراگندہ اور پریشان زندگی۔ کُدُوْرَۃٌ کا استعمال مخصوص طور پر

تَغَیُّرِ الوَان پر بولا جاتا ہے، اور کُدُورَۃٌ
پانی کے میلے ہونے اور زندگی کے پراگندہ
و پریشان ہونے پر بولا جاتا ہے، اور انکدارٌ
(انفعالٌ) اُس تغیر کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے
بکھر جانے سے واقع ہو (راغب)
انکَدَرَتْ: ای تَھَافَتَتْ و تَنَاثَرَتْ (قرطبی)
یہاں انکدار سے مراد سارے جہان کا طبعی
نظام درہم برہم ہونا ہے جس طرح سورج
کی تکویر ہوگی اسی طرح نجوم کو بے نور کر کے
جہنم میں ڈالدیا جائے گا۔ انکدارِ نجوم سے
مراد چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا زوال لینا
تحریف فی القرآن ہے، والاصل فی الانکدار
الانصبابُ (جمل)

عِشَارُ: وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ:
اور جب اونٹنیاں چھٹی پھرنے لگیں (ماجدی)
عِشَار ان اونٹنیوں کو کہتے ہیں جو دس مہینے
کی حاملہ ہوں اور وضع حمل کے قریب ہوں
(ماجدی) عِشَارُ جمع ہے عُشَرَاءُ کی یہ لفظ
اس اونٹنی کے لئے آتا ہے جو دس ماہ کی گابھن
یعنی بچہ دینے کے قریب ہو (تدبر)
العِشَارُ جمع عُشَرَاء وھی الناقۃ
التی مرّ علیٰ حملھا عشرۃ اشھر (صفوۃ)

عُطِّلَتْ: عُطِلَت، عَطَلٌ زیور سے
عورت کا خالی ہونا۔ عُطُلٌ (بضم العین)
بے زیور کے عورت، عَطَّلَ الدار: گھر کو
ویران کر دیا، عَطَّلَ الإبل: اونٹ بغیر
محافظ کے چھوڑ دیئے گئے۔

سُجِّرَتْ: وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ
اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں سُجِّرَتْ
تَسْجِیْرٌ سے مشتق ہے جس کے معنی آگ
لگانے اور بھڑکانے کے بھی آتے ہیں حضرت
ابن عباس نے اس جگہ یہی معنی لئے ہیں،
اور اس کے معنی بھر دینے کے بھی آتے ہیں
اور گڈ مڈ خلط ملط کر دینے کے بھی، بعض
ائمۂ تفسیر نے یہی معنی لئے ہیں اور حقیقت
یہ ہے ان میں کوئی اختلاف نہیں، پہلے
سمندر اور میٹھے دریاؤں کو ایک کر دیا جائیگا
درمیان کی رکاوٹیں ختم کر دی جائیں گی،
جس سے دریائے شور اور شیریں دریاؤں کے
پانی خلط ملط بھی ہو جائیں گے اور زیادہ بھی
پھر شمس و قمر اور ستاروں کو اسمیں ڈالدیا
جائے گا پھر اس تمام پانی کو آگ بنا دیا
جائے گا جو جہنم میں شامل ہو جائیگا (معارف)
سَجَرْتُ التَّنُّوْرَ: میں نے تنور کو آگ
سے بھڑکا دیا، ایندھن سے بھر دیا،
البحرُ المَسْجُوْرُ: جوش مارنے والا سمندر

سُجِّرَتِ النَّاقَةُ : اونٹنی دوڑ میں بھڑک اُٹھی، اصل میں تسجیر کے معنی ہیں زور سے آگ بھڑکانا، بہانا، خالی کرنا اور پُر کرنا، یہ سُجِرَتْ تخفیف کے ساتھ اور سُجِّرَتْ جیم کی تشدید کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور دونوں قریب المعنی ہیں، علامہ قرطبیؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سُجِّرَتْ کے معنی ہیں مُلِئَتْ مِنَ الماء یعنی وہ پانی سے بھر جائے گا، عرب کہتے ہیں سَجَرْتُ الحَوْضَ أَسْجُرُہٗ سَجْرًا : تو اس کے معنی ہوتے ہیں میں نے حوض کو پانی سے بھر دیا، اس میں اسم مفعول مسجور آتا ہے، ساجر اور مسجور دونوں کے معنی ہیں، پُر بھرا ہوا۔

سُجِّرَتْ حَقِيقَتُهُ مُلِئَتْ فَيَفِيضُ بعضها الى بعض فتصير شيئًا واحدًا (قرطبی)، روح المعانی میں ہے کہ یہ سَجَرَ التَّنُّوْرَ سے ماخوذ ہے جسکے معنی ہیں تنور کو گرم کرنے کے لئے لکڑیوں سے بھر دینا۔

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی لکھتے ہیں کہ تسجیر اصلاً تنور کو ایندھن سے بھر کر بھڑکا دینے کے لئے آتا ہے پھر اسی مفہوم سے وسعت پا کر سمندروں کی طغیانی کے لئے بھی آنے لگا

مَوْءُدَةُ : وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ

مَوْءُدَةُ : وہ لڑکی جسکو زندہ دفن کر دیا گیا ہو (معارف)

مَوْءُدَةُ : زندہ درگور کی ہوئی لڑکی کو کہتے ہیں۔ عرب جاہلیت کے بعض اُجڈ قبائل میں سنگدل باپ اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے (تدبر)

یہ وَأْدٌ سے اسم مفعول ہے مَوْءُوْدَةٌ اور وئیدۃ زندہ دفن کی ہوئی لڑکی۔

اہل عرب کے اس سنگدلانہ فعل کے دو سبب ذکر کئے گئے ہیں، ایک عار کہ کوئی انکا داماد نہ بنے اور دوسرا فقر و فاقہ کا ڈر کیونکہ لڑکی کمائی نہیں کر سکتی۔

الموؤدۃ - المقتولۃ، وھی الجاریۃ تُدْفَنُ وھی حَیَّۃٌ (قرطبی)

كُشِطَتْ : وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ

کَشْطٌ کے لغوی معنی جانور کی کھال اُتارنے کے ہیں۔ بعض مفسرین نے کشط کے معنی لپیٹنے کے لکھے ہیں اور معنی آیت کے یہ ہونگے کہ آسمان جو چھت کی طرح سروں پر محیط ہے یہ لپیٹ دیا جائے گا (معارف ملخصًا)

کَشْطٌ کے اصل معنی کسی چیز کے اوپر سے اُس چیز کے اُتار لینے کے ہیں جو اسکو ڈھانکے ہوئے ہو۔ یہیں سے یہ ذبیحہ کی کھال اُتار لینے

کے معنی میں استعمال ہونے لگا، اونٹ کی
کھال اُتارنے اور کھینچ لینے کے لئے یہ عربی
میں معروف لفظ ہے اور عرب لوگ کشط کا
لفظ صرف اونٹ کی کھال اُتارنے پر بولتے
ہیں، کَشَطْتُ البَعِیْرَ، نَزَعْتُ جِلْدَهٗ،
بکری وغیرہ کی کھال اُتارنے کے لئے عرب
لوگ لفظ سَلَخْتُ استعمال کرتے ہیں اور سَلَخْتُ
الْبَعِیْرَ کا محاورہ اُن کے ہاں مستعمل نہیں ہے
(قرطبی) اسی سے اِنْکَشَطَ رَوْعَهٗ کا محاورہ
ہے جسکے معنی ہیں اسکا خوف زائل ہوجائیگا

سُعِّرَتْ : دہکائی گئی، وہ بھڑکائی
گئی، تسعیر: آگ بھڑکانا، سَعِیْرٌ بھڑکتی
آگ، دوزخ، سَعَّرْتُ النَّارَ وَاَسْعَرْتُهَا
میں نے آگ کو بھڑکا دیا۔

اُزْلِفَتْ : وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ
اور جب جنت قریب کی جائیگی وَالزُّلْفٰی
فِیْ کَلَامِ الْعَرَبِ : الْقُرْبَةُ (قرطبی)
اس کی تحقیق گزر چکی ہے، اِزْلَافٌ: قریب لانا

الْخُنَّسُ : فَلَا اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ
الْجَوَارِ الْکُنَّسِ ۔ خُنَّسٌ جمع ہے خَانِسٌ
کی اس کے معنی آگے بڑھ کر پیچھے پلٹ جانے
والے، ظاہر ہوکر غائب ہو جانے والے
اور نمایاں ہوکر روپوش ہو جانیوالے کے ہیں
یہ لفظ ستاروں کی صفت کے طور پر آتا ہے
اور اُن کے لئے اسقدر معروف ہے کہ بسا اوقات
موصوف کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی
بلکہ مجرد صفت ہی موصوف کو ظاہر کردینے
کے لئے کافی ہوتی ہے (تدبر)
اسی سے شیطان کو خنّاس کہتے ہیں کیونکہ
وہ قلب انسانی میں وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ
جاتا ہے۔ اَخْنَسْتُ عنہ حَقَّهٗ کے معنی
ہیں میں نے اس کا حق مؤخر کردیا، روک
لیا (راغب)

اَلْکُنَّسُ : الغُیَّبُ مَاخوذۃ من
الکناس وھو کِنَاسُ الوحوش التی
یختفی فیہ (قرطبی)
یعنی کُنّس سے مراد ہیں غائب ہونیوالے
یہ کناس سے ماخوذ ہے، کناس وہ
جھاڑیاں ہیں جہاں وحشی جانور چھپ
جاتے ہیں، اس لفظ کی مراد میں اہل تفسیر
کے مختلف اقوال ہیں علامہ قرطبیؒ فرماتے
ہیں کہ ھی الکواکب الخمسۃ الدّراری
زحل ۔ المشتری ۔ وعطارد والمریخ
والزھرا فیما ذکرا اھل التفسیر واللہ
اعلم (قرطبی)
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت

اس کی تائید کرتی ہے، ان کواکب خمسہ کو خَمْسَۃَ مُتَحَیِّرَۃ بھی کہتے ہیں علامہ جوہری نے صحاح میں نقل کیا ہے کہ تمام کواکب پر خنس کا لفظ بولا جاتا ہے چونکہ غائب وصف سب میں موجود ہے، آگے بڑھ کر پیچھے پلٹ جانے کے اعتبار سے یہ خُنَّس ہیں اور اپنے مأمن اور کناس میں چھپ جانے کے لحاظ سے کُنَّسٌ ہیں، یہ دونوں صفات کواکب ہی کی ہیں، کُنَّسٌ کانِسٌ کی جمع ہے۔ کَنَسَ الظَّبِیُّ کے معنی ہیں ہرن اپنے مأمن میں چھپ گیا، کَنَسَتِ النُّجُوم کے معنی ہونگے ستارے اپنے مدار میں چلے گئے اور چلکر اپنے ٹھکانوں میں روپوش ہوگئے۔ صاحب اقرب الموارد نے وضاحت کی ہے کہ یہ صفت تمام ستاروں کی مشترک صفت ہے،

اَلْجَوَارِیْ : یہ جَرٰی یَجْرِی سے جَارِیَۃٌ اسم فاعل مؤنث کی جمع ہے۔ چلنے والے قال القرطبی والکُنَّسُ، جمع کَانِسٍ و کَانِسَۃٍ۔ وکذا الخُنَّسُ جمع خانِسٍ وخانِسَۃٍ والجواری جمع جاریۃ من جَرٰی یجری (قرطبی)

بعض اہل تفسیر نے الخُنَّس اور الکُنَّس کا مصداق نیل گائے کو قرار دیا ہے کیونکہ وہ انسان کو دیکھ کر پیچھے بھاگ کر اپنے مأمن کی طرف چھپ جاتی ہے، حضرت ابن عباس کا ایک قول بھی اسی طرح کا منقول ہے۔

علامہ عبدالحق صاحب حقانی لکھتے ہیں کہ خنّس جوار اور کنّس ان تینوں صفات کا مصداق ایک ہی چیز ہے ان ستاروں کی عجیب حیرتناک چال ہے یہ کبھی سیدھے چلتے ہیں کہ اس لحاظ سے ان کو الجوار کہتے ہیں اور پھر کبھی اُلٹے چلتے ہیں جدھر سے گئے تھے پھر لوٹ کر ادھر ہی آجاتے ہیں، اس لحاظ سے ان کو خنس کہتے ہیں، اور کبھی غائب ہوجاتے ہیں یا حرکت منقطع ہوجاتی ہے اس لحاظ سے انکو کنس کہتے ہیں (حقانی)

عَسْعَسَ : وَاللَّیْلِ اِذَا عَسْعَسَ : اور قسم ہے رات کی جب وہ ڈھلنے لگے۔

عَسْعَسَ کے معنی رات ڈھلنے کے ہیں، صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ عَسْعَسَ اللَّیْلُ اذا اَدْبَرَ۔ یعنی عَسْعَسَ اللَّیْلُ اس وقت بولتے ہیں جب رات ڈھلنے لگے (حقانی)

عَسْعَسَ کے معنی اہل لغت نے تاریک ہوجانے کے بھی لکھے ہیں اور پیچھے ہٹ جانے

اور گزر جانے کے بھی، لیکن دوسرے معنی زیادہ مناسب ہیں، اسلئے کہ سورۂ مُدَّثِّر کی آیت ۳۳ - ۳۴ میں عَسْعَسَ کی جگہ لفظ اَدْبَرَ استعمال ہوا ہے، وَاللَّیْلِ اِذَا اَدْبَرَ - اَدْبَرَ اور عَسْعَسَ دونوں ایک ہی مفہوم میں ہیں - قال الفراء اجمع المفسرون علی ان معنی عَسْعَسَ؛ ادبر حکاہ الجوھری (قرطبی) عَسْعَسَ؛ رات کا اندھیرا چھا گیا، رات کا اندھیرا چلا گیا، یہ بروزن فَعْلَلَ عَسْعَسَۃٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔

امام ابو جعفر بیہقی تاج المصادر میں لکھتے ہیں عَسْعَسَ اللَّیْلُ کے معنی ہیں رات کا اندھیرا چھا گیا، نیز رات کا اندھیرا چلے جانے پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے لہذا یہ کلمہ اضداد میں سے ہے، اسی باب سے یہ آیت کریمہ ہے: وَاللَّیْلِ اِذَا عَسْعَسَ قسم ہے رات کی جب وہ پھیل جائے یا قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے، اور آیت کریمہ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ (اور قسم ہے صبح کی جب وہ سانس لے) اس بات کو بتلاتی ہے کہ یہاں عَسْعَسَ بمعنی اَدْبَرَ کے لینا زیادہ بہتر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ سَعْسَعَ کا مقلوب ہے اور سَعْسَعَ کی ترکیب کسی چیز کے چلے جانے کو بتلاتی ہے اور یہی ابن فارس کا قول ہے، علامہ قرطبی نے خلیل نحوی لغوی کا قول نقل کیا ہے کہ عَسْعَسَ اَدْبَرَ اور اَقْبَلَ دونوں معنی میں آتا ہے اور مُبرد نے کہا ہے کہ یہ اضداد میں سے ہے، اور رات پر یہ دونوں معنی صادق آتے ہیں۔

علامہ راغب فرماتے ہیں کہ عَسْعَسَ کے معنی اقبل اور اَدْبَرَ دونوں آتے ہیں یعنی رات کا اندھیرا چھا جانا کے بھی اور اندھیرا چھٹ جانا کے بھی اور یہ کیفیت رات کی ابتداء میں بھی ہوتی ہے اور آخر میں بھی، لہٰذا عَسْعَسَ کے معنی ہوئے ہلکا ہلکا اندھیرا ہونے کے، اور یہ رات کے دونوں اطراف میں ہوتا ہے، علامہ ابن جریر طبریؒ ان دونوں اقوال کو نقل کرنیکے بعد فرماتے ہیں کہ ان دونوں تاویلوں میں سے اس شخص کا قول میرے نزدیک زیادہ واضح ہے جس نے عَسْعَسَ سے مراد اَدْبَرَ لی ہے، کیونکہ بعد کی آیت وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ اسی کی تائید کرتی ہے، گویا رات کی قسم ہے جب وہ پلٹنے لگے اور دن کی قسم ہے وہ شروع ہونے لگے، اور عرب لوگ عَسْعَسَ اللَّیْلُ یا سَعْسَعَ اللیلُ اسوقت بولتے جب رات کا صرف تھوڑا سا حصہ باقی رہ جائے، چنانچہ علقمہ بن قرط کا ایک شعر ہے ؎

حتی اذا الصُّبحُ لها تَنَفَّسَا

وانجاب عنها لیلها وعَسْعَسَا

شاعر نے عَسْعَسَ کو تَنَفَّسَ کے مقابل استعمال
کیا ہے جو واضح طور پر اَدْبَرَ کے مفہوم ہی میں
ہے، لیکن حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں
کہ میرے نزدیک عَسْعَسَ اَقْبَلَ کے معنی میں ہے
اگرچہ اس کا استعمال ادبار میں بھی درست ہے
لیکن اَقْبَلَ یہاں زیادہ مناسب ہے،
گویا کہ اللہ تعالیٰ نے رات اور اسکی تاریکیوں
کی قسم کھائی ہے جبکہ وہ اپنی تاریکیوں کو
لیکر دن پر چھا جانے کے لئے متوجہ ہو جائے
اور فجر کی روشنی کی قسم کھائی ہے جب وہ
روشن ہو جائے۔ جیسا کہ ارشاد ہے وَاللَّيْلِ
إِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى، اور
وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى، اکثر علماء
اصول کا قول یہ ہے کہ لفظ عَسْعَسَ اقبال
اور ادبار دونوں پر بولا جاتا ہے، اور یہ
لفظ دونوں معنوں میں مشترک ہے اسلئے
دونوں معنی مراد لینا صحیح ہیں (ابن کثیر)

تَنَفَّسَ : وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ : اور
صبح کی قسم ہے جب وہ سانس لے،
تَنَفُّسٌ کے معنی سانس کی آمد و رفت
کے ہیں، یہاں تَنَفُّسُ صبح سے مراد تو پو
پھٹنا ہے لیکن اس طریقہ تعبیر میں ایک
خاص بلاغت ہے، یہ لفظ گویا یہ تأثر دے
رہا ہے کہ صبح رات کے بوجھ کے تلے اس طرح
دبی ہوتی ہے کہ اس کا دم گھٹ رہا ہوتا ہے
کہ اللہ تعالیٰ اس کے اوپر سے اس بوجھل لحاف
کو سرکا دیتا ہے اور اس کو سانس لینے اور
سر اٹھانے کا موقع نصیب ہوتا ہے۔
تفسیر احکام القرآن للقرطبی میں ہے کہ: و
معنى التَّنَفُّس خروج النسيم من
الجوف، اور تنفس کے معنی کسی چیز کے
ٹوٹ جانے اور پھٹ جانے کے بھی آتے
ہیں۔ تَنَفَّسَتِ الْقَوْسُ: کمان ٹوٹ گئی

مَكِيْنٌ: عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٌ:
ذی مرتبہ ہے مالک عرش کے نزدیک،
یہ کَوْنٌ مصدر سے صفت مشبہ ہے بمعنی
عزت والا، مرتبہ والا (لغات القرآن)
صَاحِبُ مَكَانَةٍ رَفِيْعَةٍ وَمَنْزِلَةٍ
سَامِيَةٍ (صفوة)
أَيْ ذِي مَنْزِلَةٍ وَمَكَانَةٍ (قرطبی)
علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں.
کہ یہ مَكَانَةٌ مصدر سے فعیل کے وزن
پر ہے، اور یہ کثیر الاستعمال ہے جیسا کہ صحاح
میں اس کی وضاحت ہے اور کثرت استعمال
کی وجہ سے یہ گمان کرلیا ہے کہ میم اس کا
اصل کلمہ ہے اور اس سے تَمَكَّنَ فعل

مشتق کیا ہے جیسے مَسْکَنَۃٌ سے تَمَسْکَنَ کا اشتقاق کیا گیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ کَوْنٌ سے مصدر میمی ہو، اس صورت میں اس کی اصل مَکْوِنٌ بکسر الواؤ ہوگی واؤ کا کسرہ حرف کاف کو دیا، اور واؤ کو ساکن ہونے کی وجہ سے یاء میں تبدیل کر دیا مکین بن گیا (روح)

علامہ راغبؒ نے خلیل لغوی کا قول نقل کیا ہے کہ مَکَانٌ مَفْعَلٌ کے وزن پر ظرف کا صیغہ ہے اور یہ کَوْنٌ سے مشتق ہے پھر کثیر الاستعمال ہونے کی وجہ سے اسکو فَعَالٌ کا حکم دے کر اس سے تَمَکَّنَ فعل کا اشتقاق کیا گیا ہے، جیسے مَنْزِلٌ سے تَمَنْزَلَ وغیرہ (راغب) فُلَانٌ مَکِیْنٌ عِنْدَ فُلَانٍ: فلاں صاحبِ عزت و مرتبہ ہے، فلاں کے نزدیک۔ عربی لغات کے تتبع سے پتہ چلتا ہے کہ مکان اور مکین دونوں کا اصل مادہ کَوْنٌ ہے، جن حضرات نے مکان یا مکین کا اصل مادہ تمکّن قرار دیا ہے وہ ان کے کثیر الاستعمال ہونے کی وجہ سے ہے جیسا کہ ابن بری کا قول ہے کہ مکان فعالٌ اور مَکِیْنٌ فَعِیْلٌ اور مَکَانَۃٌ فعالۃٌ کے وزن پر ہیں ان میں سے کوئی بھی کَوْنٌ سے نہیں ہے صاحب لسان العرب فرماتے ہیں کہ یہ ابن بری کا سہو ہے، اور اصل مادہ کَوْنٌ ہی کو قرار دیتے ہیں۔ واللہ اعلم،

مُطَاعٍ : مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٌ :

مُطَاعٍ اِطَاعَۃٌ سے اسم مفعول ہے وہ جس کی اطاعت کی جائے اصل مادہ طَوْعٌ ہے مراد اس سے حضرت جبرائیل سید الملائکہ ہیں اور فرشتے ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ والمعنی انہ عند اللہ مطاع فی ملائکۃ المقربین یصدرون عن امرہ ویرجعون الی رایہ (کبیر)

ثَمَّ : ثَمَّ، وہاں، وہیں، اسم اشارہ ہے، مکانِ بعید کے لئے آتا ہے اور باعتبار اصل کے ظرف ہے (لغات القرآن) ثَمَّ کسی جگہ کیطرف خاص طور پر اشارہ کرنے کے لئے بھی آتا ہے اور کسی صفت سے پہلے اس پر خاص اہتمام سے زور دینے کیلئے بھی، مثلاً سورۂ شعراء میں ارشاد ہے وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ اسکا ترجمہ ثَمَّ کے صحیح مفہوم کے پیش نظر یہ ہوگا کہ وہیں ہم لائے دوسروں کو بھی یعنی جس راہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو نجات دی وہیں ہم فرعونیوں کو بھی لائے تاکہ انکو غرق کر دیں اسی طرح سورۂ دہر کی آیت وَاِذَا رَاَیْتَ

ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّ مُلْکًا کَبِیْرًا، یہاں اس کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ یہ ہوگا کہ جہاں دیکھوگے وہیں عظیم نعمت اور عظیم بادشاہی دیکھوگے۔ اسی طرح صفت سے پہلے جب آتا ہے تو اس کی عظمت اور اہمیت کو نمایاں کرنے کے لئے آتا ہے، یہاں یہ صفت اَمین سے پہلے آیا ہے تو اس سے مقصود حضرت جبرائیل علیہ السلام کی اس صفت کی طرف خاص طور پر توجہ دلانا ہے کہ وہ مذکورہ صفات کے علاوہ خاص طور پر امانتدار ہیں (تدبر)

اُفُق : وَلَقَدْ رَاٰہُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ،

اُفُقٌ: کنارہ جمع آفاق، سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ، ہم عنقریب ان کو اطرافِ عالم میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔

اَلْغَیْب : وَمَا ھُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ ، اور وہ غیب کے بارے میں بخیل بھی نہیں (ماجدی) غیب سے مراد یہاں قرآن کریم اور وہ علوم و اخبار ہیں جو بذریعہ وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اُترے، الغیبُ ھٰھُنَا القراٰن وما فیہ من الاَنْبَآء والقصص (کبیر) غیب کا لفظ ان چیزوں پر بولا جاتا ہے جو انسان کی حسی اور عقلی رسائی سے خارج ہیں اور جن کا علم انبیاء علیہم السلام کی اطلاع کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ عالم الغیب، غیب کا عالم، یہ خاصہ ہے حق تعالیٰ کا۔

ضَنِیْن : بخیل، حریص، ضَنٌّ سے جس کے معنی بخل کرنے کے ہیں صفت مشبہ کا صیغہ ہے ضَنٌّ کے معنی کسی پسندیدہ چیز سے بخل کرنے کے ہیں۔ عِلْقٌ مَضَنَّۃٌ: وہ چیز جس کے نفیس ہونے کے پیش نظر اس پر بخل کیا جائے، یہ ضَرَبَ اور سَمِعَ دونوں سے آتا ہے۔

اہلِ تفسیر نے اس لفظ کی دو قرأتیں نقل کی ہیں۔ ایک بضنین حرف ضاد کے ساتھ اس کے معنی بخیل کے ہیں۔ یعنی وہ غیب کے بیان کرنے پر بخل نہیں کرتے، دوسری قرأت حرف ظاء کے ساتھ بظنین ہے جس کے معنی متہم کے ہیں اور دونوں قرأتیں متواتر ہیں۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ کِلَاھُمَا متواتر و معناھما صحیح (ابن کثیر) اَلظَّنِیْنُ الْمُتَّھَمُ والضَّنِیْنُ الْبَخِیْلُ (ابن کثیر) ضَنَنْتُ بِہٖ اَضَنُّ : میں نے اس چیز کے بارے میں بخل کیا، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عمدہ ترین احکام آپؐ پر اُتارے ہیں تو آپ اُن کے بیان و تبلیغ میں بخیل نہیں بلکہ کما حقہٗ ان کا اظہار کرتے ہیں اور لوگوں کو اُن پر عمل کرنے کی تعلیم دیتے ہیں،

والظَّنِیْن : المتّھَم یُقَال ظَنَنْتُ زَیْدًا : میں نے زید کو متہم کیا لیکن یہ ظن

وہ نہیں ہے جو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آپ قرآن کے بیان کرنے میں امین اور ثقہ ہیں اپنی طرف سے بنا کر قرآن کی طرف منسوب نہیں کرتے

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ : یہاں هُوَ کے مرجع میں دو۲ احتمال ہیں، ایک قول تو اکثر ائمہ تفسیر کا ہے کہ هُوَ کا مرجع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دوسرا یہ کہ هُوَ کا مرجع قرآن پاک ہے۔ علامہ عبدالحق حقانی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک هُوَ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے، فرماتے ہیں، وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ کہ قرآن مجید غیب کی باتیں بتانے میں بخیل نہیں اور کمی نہیں کر رہا ہے (حقانی) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی تفسیر عزیزی پارہ عمّ میں اسی کو اختیار کیا ہے، واللہ اعلم،

أَيْنَ : فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ، پس کہاں جاتے ہو۔ أَيْنَ، کہاں ظرف ہے جس طرح مَتىٰ سے زمان کے متعلق سوال کیا جاتا ہے، اسی طرح أَيْنَ سے مکان دریافت کیا جاتا ہے، أَيْنَمَا تُوَلُّوا : جس مکان کا رُخ کرو وہیں خدا موجود ہے۔

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الانفطار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنْفَطَرَتْ : اذا السماء انفطرت

اِنْفِطَارٌ : چر جانا، پھٹ جانا، اصل مادہ فَطْرٌ ہے، کسی چیز کو طول میں پھاڑنا۔ فَطَرَ فلانٌ کذا فَطْرًا : اس نے کسی چیز کو پھاڑ دیا۔

وَالفطر : الشقّ، یقال فطرتهٗ فانفطر ومنهٗ فطر ناب البعیر : طلع فهو بعیرٌ فاطرٌ (قرطبی)

اِنْتَثَرَتْ : وہ جھڑ گئی، وہ بکھر گئی، اِنْتِثَارٌ : مصدر باب افتعال سے، جس کے معنی بکھر جانے اور پراگندہ ہونے کے ہیں، ماضی کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے نَثَرَ الشیئَ کے معنی کسی چیز کو بکھیرنے اور پراگندہ کر دینے کے ہیں۔ نِثَارٌ و نُثَارٌ اسم ہیں، وہ چیز اور ذرات جو کسی چیز سے جھڑ کر بکھر جائیں، بکھری ہوئی چیزیں نَثَرَتِ الْمَرْاَۃُ بَطْنَهَا : عورت کے بہت اولاد ہوئی۔

بُعْثِرَتْ : وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ اور جب قبریں اُگلوائی جائیں گی، بَعْثَرَ الشیئَ کے معنی ہیں کسی چیز کو پراگندہ اور منتشر کر دینا، اس کو اُدھیڑ ڈالنا، اس کو کھول کر جو کچھ اس میں تھا برآمد کر لینا۔ بَعْثَرْتُ المتاعَ : سامان کو اُلٹا کر دینا، بَعْثَرْتُ الحوضَ : حوض کو توڑ پھوڑ کر اس کا اوپر کا حصہ نیچے کر دینا، مطلب یہ ہے کہ قبروں کو اوندھا کر دیا جائے گا، تمام مُردے زندہ کر کے باہر نکال لئے جائیں گے۔

غَرَّ : مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ : تجھے اپنے پروردگار کے متعلق کس چیز نے بھول میں ڈال رکھا ہے۔ غَرَرْتُ فُلَانًا : فریب دینا، کسی کو غافل پاکر اس سے اپنا مقصد حاصل کرنا۔

خَلَقَ : اَلَّذِیْ خَلَقَكَ : جس نے تجھے وجود دیا، جس نے تیرا خاکہ بنایا خَلْقٌ کے معنی ہیں کسی چیز کا خاکہ بنانا اور اس کو پیدا کرنا، کسی چیز کو بغیر مادہ اور بغیر کسی

تقلید کے پیدا کرنا جیسا کہ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ، یہاں خَلَق بمعنی ابداع ہے۔ یہ باب نَصَرَ سے آتا ہے۔

سَوّٰی : فَسَوّٰكَ ، تیری نوک پلک کو درست کیا ، پس اس نے تجھ کو پورا پورا بنا دیا۔ اس نے تجھ کو برابر کر دیا تَسْوِيَةٌ برابر کرنا ، کسی کی نوک پلک سیدھی کرنا ، کاف ضمیر واحد مذکر حاضر ہے۔

عَدَلَ : عَدَلَكَ ، تجھے اعتدال و توازن دیا ، تیرے وجود کو اعتدال بخشا ، تجھے اعتدال پر بنایا ، عَدْلٌ کے معنی برابر کرنے کے بھی آتے ہیں اور لوٹنے اور پھرنے کے بھی چنانچہ یہاں اہلِ لغت نے دونوں معنی بیان کئے ہیں۔

تفسیر کبیر میں ہے کہ کوفہ کے قاریوں نے عَدَلَكَ تخفیف کے ساتھ ثلاثی مجرد سے پڑھا ہے ، اور اس قراءت کے اختیار کرنے کی کچھ توجیہات ہیں۔

نمبر۱ : ایک یہ کہ ابو علی فارسی کہتے ہیں کہ عَدَلَ بعضَ اَعضَائِكَ بِبَعضٍ حَتّٰی اَعْتَدَلَتْ ، کہ تیرے بعض اعضاء کو بعض کے ساتھ اس طرح برابر کر دیا کہ سب میں اعتدال آگیا۔

نمبر۲ : فراء کا قول ہے کہ فَعَدَلَكَ کے معنی یہ ہیں کہ فَصَرَفَكَ اِلٰی اَيِّ صُوْرَةٍ شَاءَ یعنی جس صورت کی طرف چاہا اسی طرف تجھ کو لوٹا دیا لیکن فراء نے ترجیح تشدید کی قراءت کو دی ہے یعنی فَعَدَّلَكَ باب تفعیل سے ،

فراء کہتے ہیں کہ صَرَفْتُكَ اِلٰی کذا کی طرح عَدَلْتُكَ اِلٰی کذا بھی مستعمل ہے لیکن عَدَلْتُكَ فِيْهِ اور صَرَفْتُكَ فِيْهِ مستحسن نہیں ہے۔ تشدید کی قراءت میں حرفِ فِیْ ، فِيْ اَيِّ صُوْرَةٍ میں ترکیب کا صلہ ہوگا یعنی رَكَّبَكَ کے متعلق ہوگا جو بالکل مناسب ہے ، اور تخفیف کی قراءت میں حرف فی عَدَلَ کے متعلق ہوگا جو ضعیف ہے۔

فراء کا یہ اعتراض پہلے معنی پر تو ہوتا ہے جو اس نے خود بیان کئے ہیں لیکن وہ معنی جو ابو علی فارسی نے بیان کئے ہیں اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

قفال نے بعض اہلِ لغت سے نقل کیا ہے کہ عَدَلَ بالتخفیف اور عَدَّلَ بالتشدید دونوں لغت ہیں اور دونوں کے معنی ایک ہیں جن حضرات نے عَدَّلَ تشدید کے ساتھ پڑھا ہے انھوں نے حرف

فِیْ کو عَدَّل کے متعلق کیا ہے، اور جن حضرات نے تخفیف کی قرارت کو اختیار کیا ہے انھوں نے حرف فِیْ کو رَکَّبَكَ کے متعلق قرار دیا ہے (کبیر، قرطبی)

رَکَّبَ : رَکَّبَكَ، اس نے تجھے جوڑ دیا اس نے تیری ترکیب دی۔ رَکَّبَ ترکِیْبٌ (تفعیل) سے جس کے معنی ترکیب دینے ملانے اور جوڑ دینے کے ہیں، ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے، اور کاف ضمیر منصوب متصل مفعول بہ کی ہے۔
رَکَّبَ الشَّیْءَ: وَضَعَ بَعْضَهٗ عَلٰی بَعْضٍ (لسان)

اَلْاَبْرَار : اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ اَبْرَارٌ، بَرٌّ اور بَارٌّ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں نیک لوگ۔

اَلْفُجَّار : یہ فَاجِرٌ کی جمع ہے بدکار کافر، یہ فجور، مصدر سے مشتق ہے جس کے معنی دین کی پردہ دری اور نافرمانی کرنے کے ہیں، اس لئے ہر اُس شخص کو فاجر کہا جا سکتا ہے جو دین کی بے حرمتی کرے یا دین میں بے راہ روی اختیار کرے، اس کی دوسری جمع فَجَرَةٌ بھی آتی ہے، جیسے کافر کی جمع کَفَرَةٌ ہے قَالَ الرَّاغِب: اَلْفُجُوْرُ شَقُّ سِتْرِ الدِّیَانَةِ،

شرح الفاظ القرآن من سورۃ المطففین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُطَفِّفِيْنَ : وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی (بیان القرآن)

مطففین تطفیف سے مشتق ہے جسکے معنی ناپ تول میں کمی کرنے کے ہیں اور ایسا کرنے والے کو مطفف کہا جاتا ہے (معارف)

اصل میں یہ طفیفؐ سے ماخوذ ہے۔ طفیفٌ اور طُفَافَةٌ معمولی اور تھوڑی سی چیز کو کہا جاتا ہے، ناپ تول میں کمی کرنے والا بھی تھوڑی ہی چیز کو چوری کر سکتا ہے اس لئے اس کو مطفف کہتے ہیں۔

والتطفیف : النقصانُ واصله من الطفیف وھو الشیٔ الیسر۔ لان المطفف لا یکاد یسرق فی الکیل و الوزن الّا الشیٔ الیسر (صفوۃ)

قال اھل اللغۃ : المطفّف ماخوذ من الطفیف وھو القلیل والمطفف ھو المُقِلُّ حق صاحبه بنقصانه عن الحق (قرطبی)

طفّف الکیل : ناپ میں کمی کرنا،

طفّ الشیٔ : کسی چیز کا کنارہ اور جانب

طفّ الاناء : برتن کو کناروں سے کم بھرنا

اِكْتَالُوْا : اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ : جب لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا ہی لے لیں۔

الاکتیال : الاخذ بالکیل کالاِتّزان الاخذ بالوزن (کبیر)

اکتیال کے معنی کسی چیز کو کیل کے ذریعہ ناپ کر لینا ہے جیسا کہ اتزان، کسی چیز کا وزن لے لینا ہے، باب افتعال سے جمع مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے۔

يَسْتَوْفُوْنَ : وہ پورا پورا لیتے ہیں استیفار سے جمع مذکر مضارع غائب ہے۔

اِسْتَوْفَيْتُ مِنْكَ : میں نے تم سے پورا پورا لیا، اَوْفَيْتُ الْكَيْلَ اَوِ الْوَزْنَ : میں نے ناپ یا تول کر پورا پورا دیا،

الوَافِي : مکمل اور پوری چیز کو کہتے ہیں اصل مادہ وَفِيٌ ہے، اِسْتَوْفَى حَقَّهٗ:

اس نے اپنا حق پورا لیا، وَفٰی یَفِیْ وَفَاءٌ ضَرَبَ سے آتا ہے۔ وَفٰی بالعہد: عہد پورا کرنا۔

سِجِّیْن : وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّیْنٌ : اور آپ کو کیا خبر کہ سجین والا نامۂ عمل کیا ہے۔ مفتی اعظم پاکستان رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سِجِّیْن بکسر سین وتشدید جیم بروزن سِکِّیْنٌ، سِجْنٌ سے مشتق ہے، اسکے معنی تنگ جگہ میں قید کرنے کے ہیں، قاموس میں ہے کہ سجین کے معنی دائمی قید کے ہیں اور احادیث وآثار سے معلوم ہوتا ہے کہ سجین ایک مقام خاص کا نام ہے، اور کفار وفجار کی ارواح کا مقام یہی ہے اور اس مقام میں ان کے اعمال نامے رہتے ہیں یا جس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے اعمال نامے اس جگہ محفوظ کر دیئے جاتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس جگہ کوئی ایسی کتاب جامع ہو جس میں تمام دُنیا کے کفارُ فجار کے اعمال لکھدئے جاتے ہوں (معارف)

مَرْقُوْمٌ : کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ: لکھی ہوئی کتاب، مہر لگی ہوئی تحریر، تَرْقِیْمٌ لکھنا، تحریر کو خوبصورت بنانا، رَقَمَ الْكِتَابَ: کتاب پر اعراب اور نقطے لگا

رَقَمَ الثَّوْبَ: کپڑے پر دھاریاں ڈالنا (منجد) کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ: اَیْ مَکْتُوْبٌ کالرقم فی الثوب لا یُنْسٰی ولا یُمْحٰی (قرطبی) ضحاک کا خیال ہے کہ مرقوم لغۃ حمیر میں شئی مختوم کو کہتے ہیں یعنی مہر شدہ لیکن رَقْمٌ کے اصل معنی لکھنے کے ہی ہیں، واصل الرَّقم۔ الکتابۃ (قرطبی) اور بعض حضرات نے رَقْمُ الْکِتَاب کے معنی خَتَمَ الکتاب کے کئے ہیں یعنی کتاب پر مہر لگا دی۔

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی ارشاد فرماتے ہیں کہ کتاب مرقوم وہ لکھا ہوا دفتر ہے یعنی اس میں تمام مجرمین کا سارا ریکارڈ بشکل تحریر محفوظ کیا جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ سجین اس دفتر کا نام ہے جسمیں مجرموں کے اعمال کا سارا ریکارڈ تحریری صورت میں محفوظ کیا جارہا ہے اور جس کی بنیاد پر قیامت کے دن فیصلہ ہوگا کہ کون دوزخ کے کس درجہ میں داخل کئے جانے کا سزاوار ہے۔ سجین کا مادہ سِجْنٌ ہے جس کے معنی قید یا قید خانہ کے ہیں، اس مناسبت سے مستحقین سزا کے ریکارڈ آفس کا نام سجین رکھا گیا ہے (تدبر)

آخر المفسرین مفتی اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مرقوم کے معنی اس جگہ مختوم کے ہیں یعنی مہر لگی ہوئی ۔ امام بغوی اور ابن کثیر نے فرمایا کہ یہ جملہ مقام سجین کی تفسیر نہیں بلکہ اس سے پہلے جو کتاب الفجار آیا ہے اس کا بیان ہے، معنی یہ ہیں کہ کفا و فجار کے اعمالنامے مہر لگا کر محفوظ کر دیئے جائیں گے ان میں کسی کمی بیشی اور تغیر کا امکان نہ رہے گا اور اُن کے محفوظ کرنے کی جگہ سجین ہے، یہیں کفار کی ارواح کو جمع کر دیا جائے گا (معارف)

مُعْتَدٍ : مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ ، گناہوں میں پڑا ہوا (ماجدی)

مُعْتَدٍ باب افتعال کے مصدر اعتداءٌ سے اسم فاعل ہے، اس کی اصل مُعْتَدِیٌ ہے تعلیل صرفی سے حرف یا گر گیا ہے اعتداءٌ حق کی حدبندیوں کو توڑنا، حق سے تجاوز کرنا، عَدْوٌ (مجرد) کا مفہوم ہے ہٹ جانا تجاوز کرنا، وقال القرطبی ای فاجر جائرٌ عن الحق معتدٍ علی الخلق فی معاملتہ ایاھم وعلی نفسہ (قرطبی)

مُعْتَدٍ مُتَجَاوِزِ الْحَدِّ (جمل)

اَثِیْمٍ : اَثِیْمٍ ، بڑا گناہگار ۔ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، صیغۃ مبالغۃ (جمل)

اِثْمٌ اور اَثَامٌ وہ اعمال وافعال جو انسان کو ثواب سے روکنے والے اور نیکیوں سے پیچھے رکھنے والے ہوں اس کی جمع آثَامٌ (بمعنی الالف)

اَسَاطِیْرُ : اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ : اگلوں کے خرافات (ماجدی) اس کی واحد اُسْطُوْرَۃٌ اور اِسْطَارَۃٌ آتی ہے اسکی تحقیق گزر چکی ہے ۔

رَانَ : رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ : زنگ پڑ گیا ہے ان کے دلوں پر (معارف)

رَانَ ، رَیْنٌ سے مشتق ہے جس کے معنی زنگ اور میل کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اُن کے دلوں پر اُن کے گناہوں کا زنگ لگ گیا ہے اور جس طرح زنگ لوہے کو کھا کر مٹی بنا دیتا ہے اسی طرح اُن گناہوں کے زنگ نے اُن کے دل کی اس صلاحیت کو ختم کر دیا جس سے بھلے بُرے کی تمیز ہوتی ہے (معارف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ترمذی کے حوالہ سے علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے ذکر کی ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے تو اگر بعد میں توبہ کرلے تو یہ داغ صاف ہو جاتا ہے

اور اگر گناہوں کا اعادہ کرتا رہے تو یہ داغ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے، اور یہی وہ رَانَ ہے جو قرآن پاک کی آیت کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ میں فرمایا گیا ہے (قرطبی)

اور آیت کے آخری حصہ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رَیْن کسب معاصی کا ثمرہ ہے۔

علامہ راغب فرماتے ہیں اَلرَّیْنُ - صَدَاٌ یَعْلُوا الشَّیْئَ الْجَلِیْلَ : کہ رَین اس زنگ کو کہتے ہیں جو کسی صاف چیز پر جم جائے، اور رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ کا مطلب یہ ہے کہ انکے اجلائے قلب پر زنگ بیٹھ گیا ہے جسکی وجہ سے یہ خیر و شر میں تمیز نہیں کر سکتے (راغب)

قلبِ انسانی کے مسلوبُ الصلاحیت ہونے کے بارے میں قرآن پاک میں تین الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ ایک رَانَ، اور دوسرا طَبَعَ جیسا کہ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ، اور تیسرا قفل، جیسا کہ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا، ابو معاذ نحوی کا قول یہ ہے کہ رَین تو یہ ہے کہ انسان کا دل ارتکاب گناہ سے سیاہ ہو جائے اور طبع یہ ہے کہ مہر کر دی جائے، یہ کیفیت رَانَ سے زیادہ سخت ہے اور اقفال کا درجہ ان سب سے سخت ترین ہے والاقفال اَشَدُّ من الطبع وھو ان یقفل علی القلب (دکبیر)

خَتَمَ کا لفظ بھی قلب کے لئے استعمال ہوتا ہے یہ طبع کے قریب المعنی ہے رَانَ یَرِیْنُ رَیْنًا و رُیُوْنًا، یہ اجوف یائی ہے جس کے معنی ہیں غالب آنا، رَانَ هَوَاهُ علی قلبہ اس کی خواہش اس کے دل پر غالب آگئی، رَانَ الموت علیه وبه، اس پر موت نے غلبہ پالیا یعنی مرگیا، رَانَتِ الخمر عَلٰی عقلِهٖ، شراب اس کی عقل پر غالب آگئی، وہ شراب کے نشہ سے مغلوب ہو گیا، اس لئے لغوی مفہوم کے پیشِ نظر اسکا مطلب یہ ہوگا کہ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ، ان کی بداعمالیاں انکے دلوں پر غالب آگئیں۔

مَحْجُوْبُوْنَ : جلوۂ الٰہی کو نہ دیکھ سکنے والے پرتوِ جلال کو دیکھنے سے روکے گئے، اوٹ میں کئے گئے، حَجَبَهٗ حَجْبًا : اس کو روک دیا۔ حَجَّبَ (تفعیل) پردہ کے اندر کر دیا، اِحْتَجَبَ (افتعال) پردہ میں چلا گیا۔ حَجَبٌ : پشتہ، اس کے تمام مشتقات میں روکنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

صَالُوْا : ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِیْمِ

پھر یہ لوگ دوزخ میں داخل ہونگے (ماجدی)

صَالُوْا: مادہ صَلْیٌ سے اسم فاعل مذکر ہے، اس کی اصل صالُوْنَ ہے اضافت کی وجہ سے نون جمع گر گیا ہے۔

اَرَائِك: عَلَى الْاَرَائِكِ يَنْظُرُوْنَ:

مسہریوں پر دیکھ رہے ہونگے (ماجدی)

اَرَائِك، اَرِيْكَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی اس مزین تخت کے ہیں جس پر پردہ لٹکا ہوا ہو

عِلِّيِّيْنَ: اِنَّ كِتَابَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ، عِلّیین اس مقام کا نام ہے جہاں نیک اور صلحاء کے اعمال نامے محفوظ کئے جاتے ہیں علامہ ابو حیان اندلسی فرماتے ہیں کہ عِلِّيُّوْنَ جمع ہے اس کا واحد عِلِّيٌّ ہے جو عُلُوًّا سے مشتق ہے اور مبالغہ کے لئے ہے، یہ یونس اور ابن جنی کا بیان ہے اور ابو الفتح نے کہا ہے کہ قاعدہ کے لحاظ سے اس کو عِلِّيَّةٌ کہنا چاہئے تھا جس طرح سے بالاخانہ کو بھی عِلِّيَّةٌ کہتے ہیں مگر چونکہ اس کی تاء حذف کر دی گئی ہے اس لئے اسکے عوض میں اس کی جمع واو نون کے ساتھ لائی گئی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ چونکہ یہ ملائکۃ کی صفت ہے اِس بناء پہ واو نون کے ساتھ جمع آتی ہے اور فراء کا بیان یہ ہے کہ یہ اسم ہے جو جمع کے وزن پر کر لیا گیا ہے مگر اس کے لفظ سے کوئی واحد نہیں آتی جیسا کہ عشرین اور ثلاثین وغیرہ ہیں، اور عرب کا دستور ہے کہ جب وہ کوئی ایسی جمع بنائیں جس کے واحد اور تثنیہ کا کوئی صیغہ نہ ہو تو وہ مذکر اور مؤنث دونوں میں واو نون کے ساتھ بولا کرتے ہیں اور عِلِّيُّوْن سے مراد یا تو فرشتے ہیں یا بلند مقامات یا پھر نیکی کے رجسٹر کا نام ہے، (بحر۔ قرطبی) بعض حضرات کے نزدیک عُلُوٌّ کی جمع ہے اور مراد اعلیٰ درجہ کا علواور بلندی ہے، اور فراء کے نزدیک موضع کا نام ہے، وزن جمع پر آیا ہے جمع نہیں ہے (معارف)

نَضْرَةً: نَضْرَةَ النَّعِيْمِ، نَضْرَة اس تازگی و بشاشت کو کہتے ہیں جو نعمتوں میں گھرے ہوئے لوگوں کے چہروں پر جھلکتی ہے (تدبر)

ای بَهْجَتُهٗ وغَضَارَتُهٗ وَنُوْرُهٗ نعمت اور عمدہ زندگی، يقال نَضَرَتِ النَّبَاتُ اذا اَزْهَرَ وَنَوَّرَ (قرطبی)

نَضْرَةٌ: رونقِ چہرہ، تروتازگی، نَاضِرَة: اسم فاعل مؤنث، تروتازہ پُر رونق۔

رَحِيْقٍ : يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ
رَحِيْق : شراب ناب، اسم جامد ہے، علامہ ابو منصور ثعالبی فقہ اللغہ میں ابو عبید سے ناقل ہیں کہ الرَّحِيْقُ صفوة الخمر التی لیس فیھا غشٌ رحیق وہ شراب صاف ہے جس میں ذرا آمیزش نہو (لغات القرآن) علامہ قرطبیؒ نے اخفش اور زجاج کا قول نقل کیا ہے کہ شرابٌ لاغشَّ فیہ : یعنی رحیق شراب خالص ہے، خلیل کا قول ہے کہ: اَصْفَی الخمر واجودھا۔ رحیق سب سے اچھی اور صاف ترین شراب ہے (روح)

خِتَامٌ : خِتَامُهٗ مِسْكٌ ، جس پر مشک کی مہر ہوگی (ماجدی)
خِتَامٌ کے دو معنی آتے ہیں، ایک مہر کرنے کی چیز یعنی وہ مسالہ جس سے مہر کی جائے والظاھر ان الختام ما یُختم بہ (روح)
دوسرے معنی ہر شئ کے خاتمہ اور آخر کے ہیں، خِتَامُهٗ اٰخِرُ طَعمِہٖ (قرطبی)
مفسرین نے دونوں معنی مراد لئے ہیں، یعنی اس کے مہر کرنے کی چیز مشک ہے، تاکہ اس کی خوشبو شیشہ لیتے ہی دماغ میں بس جائے، اور دوسرے معنی کے اعتبار سے اس کا ترجمہ ہوگا، اس کا خاتمہ مشک ہے، یعنی اس کا آخری مزہ مشک ہے، چنانچہ قتادہ کا بیان ہے کہ کافور کی آمیزش ہوگی اور اخیر مزہ مشک کا ہوگا، ابن جریر طبری نے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں جن کا حاصل دو ہی معنی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے ہیں،
فان اھل التاویل اختلفوا فی تاویلہ فقال بعضھم معنی ذالك فمزاجہٗ۔
مخلوط مزاجہ وخلطہ مسك .....
وقال اٰخرون بل معنی ذالك ان اٰخر شرابھم یُختم بمسكٍ یجعل فیہ (طبری)

يَتَنَافَس : وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ، اور ایسی ہی چیز کی حرص کرنا چاہیے حرص کرنیوالوں کو (ماجدی)
تنافس کے معنی ہیں چند آدمیوں کا کسی خاص مرغوب و محبوب چیز کے حاصل کرنے کے لئے جھپٹنا، دوڑنا تاکہ دوسروں سے پہلے وہ اسکو حاصل کرلے (معارف)

مُتَنَافِسُوْنَ : تَنَافُسٌ مصدر سے مُتَنَافِسٌ اسم فاعل کی جمع ہے،

باب تفاعل۔ باہم بڑھ چڑھ کر کسی چیز
کی رغبت کرنے والے، کسی نفیس چیز
کی طرف باہم مقابلہ میلان کرنے والے
اصل میں اس کا مادہ نَفَسٌ ہے جس
کے معنی ہیں، کشائش، فراخی، وسعت
اسی سے نَفِیْس، عمدہ، اعلیٰ، بیش قیمت
اور مرغوب چیز کو کہتے ہیں۔
ثلاثی مجرد سے اس کا استعمال سَمِعَ اور
کَرُمَ دونوں سے ہوتا ہے، نَفِسَ نَفْسًا
وَنَفَاسَۃً کے معنی ہیں کسی چیز کو خود
عزیز سمجھنا اور دوسروں کے حق میں بخل
کیا یعنی وہ چیز خود لے لی، دوسروں
کو دینا نہ چاہی، نَفِسَ عَلَیْہِ بِخَیْرٍ،
دوسروں کو بھلائی پہنچنے پر حسد کیا، نَفِسَ
عَلَیْہِ الشئی نفاسۃً: دوسروں کو چیز
نہ دی اور اہل نہ سمجھا، اور کَرُمَ سے
نَفُسَ نَفَاسَۃً و نَفَاسًا کے معنی ہیں
بیش قیمت اور عمدہ ہوگیا، جب یہ مادہ
باب تفاعل اور مفاعلہ میں پہنچا تو کسی
چیز کو نفیس خیال کرکے دوسرے کے مقابلہ
میں اس کی رغبت کرنے اور بڑھ چڑھ کر
اس کے حصول کی کوشش کرنے کا معنی
ہوگیا، کیونکہ نفیس چیز کو آدمی خود حاصل
کرنا چاہتا ہے اور دوسروں کو دینا پسند
نہیں کرتا، لوگوں کے میلان طبع کا اقتضاءً
یہی ہے اس لئے تنافس اور منافست کا
معنی ہوا کسی مرغوب چیز کو دوسروں سے
زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا (لغات القرآن)
والتّنافس: ان یّتنفّسَ الرجلُ علیٰ
الرّجل با لشئ یکون لہٗ ویتمنّٰی
ان یکون لہٗ دُوْنہ وھو مأخوذ
من الشئ النّفیس وھوالذی تحرص
علیہ نفوس الناس (طبری، قرطبی، کبیر)

تَسْنِیْم: وَمِزَاجُہٗ مِنْ تَسْنِیْمٍ:
اور اس کی آمیزش تسنیم سے ہوگی تسنیم
جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے (ماجدی)
علامہ قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ لغت میں
تسنیم کے اصل معنی ارتفاع یعنی بلند
اور اونچا ہونے کے ہیں، جنت کے اس
چشمہ کو تسنیم اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ
اس کا پانی اوپر سے نیچے کی طرف چلتا ہے
اسی سے اونٹ کی کوہان کو سَنامٌ کہتے ہیں
کہ وہ دوسرے بدن سے بلند ہوتی ہے،
اور تسنیم القبور، قبروں کی اونچائی،
لغت میں اس چیز کو بھی تسنیم کہتے ہیں جو
خوشبو یا ذائقہ کے لئے شربت یا پانی وغیرہ

میں ملائی جاتی ہے جیسے گلاب یا کیوڑہ
اور مشک بید وغیرہ،
علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے ہیں: وتسنیم علم نعین
بعینھا فی الجنۃ .... سمیت
بالتسنیم الذی ھو مصدر سنمہ
(تفعیل) اذا رفعہ اما لان
شرابھا ارفع شراب فی الجنۃ
علی ما روی عن ابن عباس اولانھا
تاتیھم من فوق علی ما روی
عن الکلبی (روح)
تسنیم، جنت کے ایک خاص چشمہ کا
نام ہے، جیسا کہ ابن مسعود اور حذیفہ الیمان
سے مروی ہے اس کا نام تسنیم ہے جو
سنمہ کا مصدر ہے جس کے معنی بلند
کرنے کے ہیں، یا تو تسنیم اس معنی کے
اعتبار سے کہتے ہیں کہ اس کی شراب ارفع
اور اعلیٰ ہے جیسا کہ ابن عباس کا قول ہے
یا پھر اس لئے تسنیم کہا گیا ہے کہ وہ اوپر
سے کسی بلند مقام سے جنت میں آئے گی۔
وذالک لان اصل ھذہ الکلمۃ
العُلُوُّ والارتفاعُ، یہ تاویلات اور
توجیہات اس لئے ہیں کہ اس کلمہ کی اصل
میں علو اور ارتفاع کا مفہوم پایا جاتا ہے،
تَسَنَّمْتُ الحَائِطَ: کے معنی ہیں میں
نے دیوار کو اونچا کیا (کبیر)
والتَّسْنِیمُ - التفعیل - من قول
القائل سَنَّمْتُھُمُ العین تسنیمًا -
اذا اجریتھا علیھم من فوقھم (طبری)
یَتَغَامَزُوْنَ: یَتَغَامَزُوْنَ، وَ
اِذَا مَرُّوْا بِھِمْ یَتَغَامَزُوْنَ، اور
جب کبھی ان کے پاس سے گزرتے تو
کن انکھیوں سے اشارے کرتے (تدبر)
التَّغَامُزُ (تفاعل) کے معنی ہیں باہم
کسی کے عیوب کی طرف اشارہ کرنا، غَمْزٌ
(س) اس کے اصل معنی کسی کی عیب
جوئی کرتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ یا آنکھ
اور پلک وغیرہ سے اشارہ کرنے کے ہیں
غَمِیْزَۃٌ: اس بشری عیب کو کہتے ہیں
جس کی طرف اشارے کریں۔ محاورہ ہے
مَافی فلان غَمِیْزَۃٌ: کہ اس میں کوئی
ایسا عیب نہیں جس کی طرف اشارہ کیا
جا سکے۔ یہ امر واضح رہے کہ آنکھ اور
ہاتھ کے اشاروں کے گھاؤ تیر اور تلوار
کے گھاؤ سے بھی گہرے ہوتے ہیں اس لئے
قرآن کریم نے ان تیر بازوں کو شدید

تنبیہ کی ہے، وَھوَالاشارۃ بالجفن والحاجب ویکونُ الْغَمْزُ ایضًا، بمعنی العیب وغمزہٗ اذاعابہٗ ومَافی فلانٍ غُمَیْزَۃ : اَیْ مَایُعَاب بہٖ (کلبیں)
یعنی تَغَامُز کے معنی ہیں آنکھ اور ابرو سے اشارہ کرنا اور یہ عیب کے معنی میں بھی آتا ہے۔ غَمَزَہٗ کے معنی ہیں اُس نے عیب لگایا، اور مَافِیْ فلانٍ غُمَیْزَہ کے معنی ہیں اس میں کوئی نقص نہیں جس کی وجہ سے اس کو عیب لگایا جائے۔

اَلْغَمْزُ : الإشَارَۃ۔ بالعین والحاجب والجفن (لسان) غَمْزٌ کے معنی دبانے اور نچوڑنے کے بھی آتے ہیں حدیث غسل میں ہے، اِغْمِزِیْ قُرُوْنَكِ : اپنے بالوں کی چوٹیاں نچوڑ ڈال۔ دَخَلَ عَلَی عُمَرَ وعندہٗ غُلَیِّمٌ اَسْوَدُ یَغْمِزُہٗ : وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو دیکھا اُن کے پاس ایک سیاہ فام چھوٹا غلام اُن کی کمر دبا رہا ہے۔
فَکِهِیْنَ : یہ فَکِہٌ کی جمع ہے، باتیں بناتے ہوئے، اتراتے ہوئے، مذاق اُڑاتے ہوئے

شرح الفاظ القرآن من سورة الانشقاق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَذِنَتْ : وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ
اور اپنے پروردگار کا حکم سُن لے، اور وہ اسی لائق ہے۔ اَیْ سَمِعَتْ وحق لها ان تسمع (قرطبی)
اَذِنَتْ کے معنی سَمِعَتْ کے ہیں، اَذِنَ لَهٗ کے معنی ہیں اِسْتَمَعَ لَهٗ: اس نے اس کی بات مان لی، اس کے حکم کی تعمیل کی، اس کے آگے سر جھکا دیا۔

حُقَّتْ : وحُقَّتْ، یعنی اس کے لئے یہی کرنا واجب ہے، جب اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا ہے تو اس کے لئے یہ کس طرح زیبا ہے کہ وہ اپنے خالق کی نافرمانی کرے۔
حَقَّ لَهٗ کے معنی ہیں اس کے لئے واجب ہے کہ وہ ایسا کرے اس کے لئے یہی زیبا ہے کہ وہ یہ کام کرے (تدبر)
حُقَّتْ بصیغۂ مجہول کے معنی یہ ہیں کہ حُقَّ لَهَا الانقیادُ، یعنی حق واجب تھا کہ وہ اللہ کے اس حکم کی اطاعت کرے (معارف)
حُقَّتْ : وہ اسی لائق ہے، وہ ثابت کی گئی، وہ مطابق بنائی گئی، وہ لائق بنائی گئی (لغات القرآن)

مُدَّتْ : کھینچی جائے گی، چمڑے کی طرح کھینچ کر ہموار کردی جائے گی کہ نہ اس میں بلندی رہے گی نہ پستی، مَدّ کے معنی کھینچنے اور دراز کرنے کے ہیں، حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز زمین کو کھینچ کر پھیلایا جائے گا جیسے چمڑے یا ربڑ کو کھینچ کر بڑا کر دیا جاتا ہے مگر اس کے باوجود میدانِ حشر جو زمین پر ہوگا اس میں ابتدائے دُنیا سے قیامت تک کے تمام انسان جمع ہونگے تو صورت یہ ہوگی کہ ایک آدمی کے حصہ میں صرف اتنی زمین ہوگی جس پر اس کے پاؤں ہیں (معارف)
علامہ قرطبیؒ نے ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ دونوں سے اسی طرح نقل کیا ہے، ابن عباسؓ کے قول کے مطابق مدّت کا تعلق موجودہ زمین سے نہیں بلکہ یہ دوسری زمین ہے جس کو

سَاهِرَہ کہا گیا ہے کما قال فاذا هم بالسَّاهِرَۃ اور آیت یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ میں زمین کے بدلے جانے کا ذکر ہے، اور مُدَّتْ کا تعلق اسی ارض ثانیہ سے ہے۔

اَلْقَتْ : اَلْقَتْ، اَیْ اَخْرَجَتْ اَمْوَاتَهَا (قرطبی) اس نے نکال ڈالا اپنے اندر کے مُردوں کو، باب افعال کے مصدر الْقَاءٌ سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے فعل ماضی

تَخَلَّتْ : تَخَلَّتْ : وہ خالی ہو گئی، یہ باب تَفَعُّلٌ کے مصدر تَخَلِّیٌّ سے مؤنث کا بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ اس سے مراد تمام اندر کے خزائن سے خالی ہو جانا ہے،

کَادِحٌ : اِنَّکَ کَادِحٌ : تو کام میں جُتا رہتا ہے، کَدْحٌ کے معنی سعی و جہد کے ہیں۔ الکدح سَعْیُ الانسان و جُهْدُہٗ فی الامر (معالم) والکدحُ فی کلام العرب العمل والکسب (قرطبی) الکدح: العمل والکسب والسَّعْیُ (صاوی)

فاعلم اَنَّ اَلْکَدْحَ جُهْدُ النَّاسِ فِی العمل (کبیر)

الکدح: الجد والاجتهادُ وجُهدُ النَّفْسِ فی العمل (صفوۃ)

کدح: کے معنی کسی کام میں پوری جد و جہد اور اپنی توانائی صرف کرنے کے ہیں (معارف) کَدْحٌ کے معنی کسی کام کو پوری مشقت اور کوشش کے ساتھ کرنے کے ہیں یہاں تک کہ عمل مسلسل اور جُہد پیہم کی وجہ سے انسان کے چہرے اور اعضاء پر خراشیں آنے لگیں، کَدْحٌ کے معنی اصل میں خراش کے آتے ہیں تَکَدَّحَ الجِلْدُ : جلد پر خراش آنا، کہا جاتا ہے، وَقَعَ مِنَ السَّطْحِ فَتَکَدَّحَ چھت سے گرا اور چہرہ چھل گیا، خراش لگ گئی صاحب کشاف فرماتے ہیں :

الکَدْحُ : جُهْدُ النفس فی العمل والکدُّ فیه حتی یُؤَثِّرَ فِیْهَا من کَدَحَ جِلْدَہٗ اذا خَدَشَهٗ (کشاف)

کَدَحَ (ف) یہ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے لازم ہونے کی صورت میں اس کے معنی کوشش اور مشقت اٹھانے کے ہونگے، کَدَحَ فِی العَمَلِ : اس نے کام میں کوشش و مشقت اٹھائی، کَدَحَ لِعِیَالِہٖ اس نے اپنے اہل و عیال کے لئے پوری کوشش سے کمایا، اور اگر متعدی ہو تو اس کے معنی خراش پیدا کرنے اور چھلنے کے ہونگے، کَدَحَ وَجْهَهٗ : اس کے چہرے کو چھیل دیا، خراش لگا دی، صاحب کشاف کی عبارت سے

معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے دوسرے معنی مُراد لئے ہیں، فرماتے ہیں کہ یہ کَدَحَ جِلْدَہٗ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں اس کی جلد کو چھیل دیا، حدیث میں ہے، اَلْمَسَائِلُ کُدُوْحٌ یَکْدَحُ بِھَا الرَّجُلُ وَجْھَہٗ: سوال گویا خراشیں ہیں، آدمی جن کی وجہ سے اپنا منہ چھیلتا ہے یعنی بے عزّت ہوتا ہے۔
کُدُوْحٌ جمع ہے کَدْحٌ کی۔

مَسْرُوْرًا : مَسْرُوْرًا، وَیَنْقَلِبُ اِلٰی اَھْلِہٖ مَسْرُوْرًا، اور وہ اپنے اہل والوں کے پاس خوش خوش لوٹ کر آئے گا، مَسْرُوْرٌ خوش کیا گیا، باب نَصَرَ کے مصدر سُرُوْرٌ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، باب افعال سے اسرارٌ کے معنی ہیں اخفاء کرنا، چھپانا ظاہر کرنا، یہ اضداد میں سے ہے، سِرٌّ: راز جمع اَسرار، پوشیدہ باتیں، گہری باتیں اور سُرُرٌ، یہ سَرِیْرٌ کی جمع ہے، تخت، سَرَّ یَسُرُّ۔ سمع، ناف کا مریض ہونا، خوش ہونا، مسرورٌ: اترایا ہوا، خوش کیا گیا، ناف بُریدہ۔ آیت میں نَصَرَ سے ہے جس کے معنی خوشی کے ہیں، مَسْرُوْرًا۔ ای مُغْتَبِطًا۔ قریر العین (قرطبی)

ثُبُوْرًا : ثُبُوْرًا، یَدْعُوْا ثُبُوْرًا: پکارے گا ہلاکت کو، پکاریگا ہلاک ہونے کو، ثُبُوْرًا: ہلاکت، موت، ہلاک ہونا، ثَبَرَ یَثْبُرُ کا مصدر ہے۔

یَحُوْرُ : اِنَّہٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ: اُس نے خیال کر رکھا تھا کہ اُسے لوٹنا نہیں ہے، حَارَ یَحُوْرُ حَوْرًا، کے اصل معنی پلٹنے رجوع کرنے لوٹنے کے ہیں، چاہے یہ لوٹنا اور پلٹنا بلحاظ ذات کے ہو یا بلحاظ فکر و خیال کے، اور آیت مذکورہ میں زندہ ہوکر دوبارہ اُٹھنے کی نفی ہے یعنی اس منکر کا خیال تھا کہ لَنْ یَّحُوْرَ، مرنے کے بعد ہرگز نہیں اُٹھایا جانا، اور نہ ہی مرنے کے بعد کوئی ثواب و عقاب کا سوال ہے۔

عکرمہ اور داؤد بن ابی ہند کا قول ہے کہ یَحُوْرُ حبشی زبان کا کلمہ ہے جسکے معنی لوٹنے کے ہیں لیکن ممکن ہے کہ دونوں زبانوں میں یہ کلمہ اس معنی میں استعمال ہوتا ہو۔
ابن عباس کا قول ہے کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یَحُوْرُ کیا ہے یہانتک کہ میں نے ایک بدوی عورت سے سُنا کہ وہ اپنی بچی کو کہہ رہی تھی حُوْرِیْ! ای اِرْجِعِیْ اِلَیَّ، میری طرف واپس لوٹ، پس معلوم ہوا کہ حَوْرٌ کے معنی کلام عرب لوٹنے کے ہیں، اسی سے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اَللّٰھُمَّ
اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْکَوْرِ،
میں آپ سے اے اللہ زیادتی کے بعد نقصان
کی طرف لوٹنے سے پناہ مانگتا ہوں، فَالْحَوْرُ
فِیْ کَلَامِ الْعَرَبِ الرُّجُوْعُ (قرطبی، راغب)
حَارَ بَعْدَ مَا کَارَ: زیادہ ہونے کے بعد کم
ہو گیا۔

اَلشَّفَقِ: الشَّفَقِ، فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ
میں قسم کھاتا ہوں شفق کی۔ شَفَقٌ وہ سرخی
ہے جو آفتاب غروب ہونے کے بعد اُفق
مغرب پر آتی ہے یہ رات کی ابتداء ہے جب
تک یہ سرخی باقی رہتی ہے اس وقت تک
سرِ شام ہے، پھر آہستہ آہستہ یہ غائب
ہو جاتی ہے اور رات دنیا پر اپنا قبضہ
جما لیتی ہے (معارف، تدبر)

مغرب کی نماز کا وقت اس سرخی کے باقی رہنے
تک ہے اور غروب شفق کے بعد عشاء کا وقت
شروع ہوتا ہے، ای بالحمرۃ التی تکون
عند مغیب الشمس حتی تأتی صلاۃ
العشاء الآخرۃ، وفی الصحاح الشفق
بقیۃ ضوء الشمس وحمرتھا فی اوّل
اللیل ای قریب من العتمۃ (قرطبی)
یہ واضح رہے کہ لفظ شفق کی تعیین میں اختلاف ہے
بعض حضرات نے غروب آفتاب کے بعد کی
سرخی مراد لی ہے، صحابہ میں سے علی بن ابی
طالبؓ معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت
شداد بن اوس، ابوھریرۃ ابن مسعود، قتادہ
اور حضرت ابن عباس، تابعین میں سے سعید
بن جبیر اور سعید بن مسیب، طاؤس عبداللہ
بن دینار، ابن شہاب زہری، اور فقہاء میں
سے اوزاعی، امام مالک، امام شافعی رح
ابو یوسف، امام احمد اور اسحاق، دوسرا
قول یہ ہے کہ شفق سے مراد سپیدی ہے،
یہ قول ابن عباس ابوھریرہ، اوزاعی اور ایک
روایت میں امام ابوحنیفہ کا قول بھی یہی ہے
بعض اہلِ تفسیر نے امام ابوحنیفہ کا رجوع
نقل کیا ہے کہ انھوں نے بھی اس قول کو ترک
کر کے جمہور ہی کے قول کو اپنا لیا ہے، علامہ
قرطبی اور صاحب روح المعانی نے اس
مقام پر تفصیل نقل کی ہے اہل علم دیکھیں
علامہ راغب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی جامع
تعریف لفظ شفق کی فرمائی ہے جو ان دونوں
معنوں پر شامل ہے، لکھتے ہیں والشفق
اختلاط ضوء النہار بسواد اللیل عند
غروب الشمس (مفردات)
یعنی سورج کے ڈوب جانے پر دن کی روشنی اور

رات کی سیاہی کا باہم مل جانا شفق ہے،
علامہ ابو سعادات بن الاثیر نے لکھا ہے کہ شفق اضداد میں سے ہے، اس سُرخی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو مغرب میں غروبِ آفتاب کے بعد نمودار ہوتی ہے اور اس سپیدی کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے جو سُرخی کے بعد مغربی افق پر باقی رہتی ہے، امام ابو حنیفہؒ کا قول اسی کو اختیار کرنے کا ہے۔

مفسر شوکانی اس قول کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ولا وجہ لهذا القول ولا متمسك لہ من لغة العرب ولا من الشرع: اس قول کی کوئی وجہ اور کلام عرب میں اس کو اختیار کرنے کی کوئی سند نہیں، لیکن یہ ظاہر ہے کہ مفسر شوکانی کا یہ ارشاد صحیح نہیں ہے اسلئے کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ لفظ اضداد میں سے ہے اور صحابہ اور تابعین میں سے ایک جماعت نے اس سے مراد سپیدی لی ہے جن میں عمر بن خطاب اور عمر بن عبد العزیز جیسے اکابر شریک ہیں، اور یہ حضرات اسماء لغویہ اور شرعیہ کے معانی کے عالم تھے البتہ ضرورت اس بات کی ہے اُن معانی میں سے جو مراد لیا جائے اس کی دلیل بیان کی جائے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ابو عمرو غلام ثعلب نے بیان کیا ہے کہ ثعلب سے شفق کے بارے میں کسی نے سوال کیا کہ شفق سے مراد کیا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ شفق سپیدی ہے، سائل نے کہا کہ شواہد تو سُرخی کے زیادہ ہیں، ثعلب نے جواب دیا کہ جو غیر حاضر ہو اس کے لئے شواہد کی ضرورت ہوتی ہے بیاض (سپیدی) تو لغت میں اس قدر مشہور ہے کہ اس کے لئے شواہد کی ضرورت نہیں ہے۔

ابو بکر کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ شفق کی اصل رقّت ہے اور اسی سے ثَوْبٌ شَفِقٌ: رقیق کپڑا بولا جاتا ہے۔ نیز اسی سے شَفَقَۃٌ ہے جس کے معنی رقّتِ قلب کے ہیں اور جب اس کی اصل یہ ٹھہری تو سپیدی کو شفق سے زیادہ خصوصیت ہونی چاہئے کیونکہ شفق سے مراد آفتاب کی روشنی کے باقی ماندہ اجزائے رقیقہ ہیں اور یہ اجزاءِ سپیدی بہ نسبت سُرخی کے زیادہ رقیق ہوتے ہیں (احکام القرآن، جصاص)

علامہ ابن کثیر نے مفسر مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ آیت فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ میں شفق سے مراد پورا دن ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ آرہا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ نے دن کی روشنی اور رات کی تاریکی کی قسم کھائی، علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں

کہ ایک جماعت کا قول ہے کہ لفظ شفق اضداد
میں سے ہے جو سپیدی اور حمرۃ دونوں پر
بولا جاتا ہے۔ صاحب نہایۃ فرماتے ہیں الشفقُ
من الاضداد یقع علی الحمرۃ التی
تری فی المغرب بعد مغیب الشمس وبہ
اخذ الشافعی وعلی البیاض الباقی فی
الافق الغربی بعد الحمرۃ المذکورۃ
وبہ اخذ ابوحنیفہ (النہایۃ) اس لئے
یہ کہدینا کہ شفق سے سپیدی مراد لینے کی کوئی
لغوی اور شرعی دلیل نہیں ہے غیر علمی بات ہے،
مزید تحقیق کے لئے لسان العرب، طبری ص۷۶ ج۳
قرطبی ص۲۷۲ ج۲۰ کشاف ص۵۳۳ ج۴ بحر محیط ص۴۴۴ ج۸
اور کبیر وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں،

وَسَقَ : وَسَقَ، وَاللَّیْلِ وَمَا وَسَقَ
اور رات کی اور جو چیزیں اسمیں سمٹ آتی ہیں
وَسَقَ کے معنی جمع کر لینے کے ہیں، اس کے عام
معنی مراد لئے جائیں تو اس میں تمام دنیا
کی کائنات داخل ہے جو رات کی تاریکی میں
چھپ جاتی ہے اس میں حیوانات، نباتات،
جمادات، پہاڑ اور دریا سبھی شامل ہیں اور
جمع کر لینے کی مناسبت سے یہ معنی بھی ہو سکتے
ہیں کہ وہ چیزیں جو عادۃً دن کی روشنی میں
منتشر پھیلی ہوئی رہتی ہیں، رات کے وقت
وہ سب جمع ہو جاتی ہیں، انسان اپنے گھر اور
پرندے اپنے اپنے گھونسلوں میں سمٹ جاتے ہیں،
اور کاروبار میں پھیلے ہوئے سامان کو سمیٹ کر
یکجا کر دیا جاتا ہے، یہ انسان اور اس کے
متعلقات میں عظیم انقلاب وقوع قیامت
پر کھلی دلیل ہے۔

اہل لغت نے وَمَا وَسَقَ کی تشریح مَا ضَمَّ اللَّیْلُ
سے کی ہے، بعض حضرات نے اس سے مراد وہ
کواکب و نجوم لئے ہیں جو رات کو نمودار ہوتے
ہیں اور جن سے بزم لیل آراستہ ہوتی ہے۔
وَسَقْتُ الشَّیْءَ : میں نے اس شئ کے متفرق
اجزاء کو یکجا جمع کر دیا۔ وَسْقٌ : بوجھ کی ایک
خاص معین مقدار کو بھی کہا جاتا ہے بعض
حضرات نے ساٹھ صاع کو ایک وسق قرار
دیا ہے۔ وَسَقْتُ الْبَعِیْرَ : اونٹ پر بوجھ لادنا
نَاقَۃٌ وَاسِقٌ : حاملہ اونٹنی اسکی جمع مَوَاسِیْقُ
آتی ہے، اور وُسَاقٌ اس کی جمع ہے، جیسے
نائم کی جمع نِیَامٌ اور صاحب کی جمع صِحَابٌ
آتی ہے۔ وَسَقَتِ الْعَیْنُ الْمَاءَ : آنکھ پانی
سے بھر گئی۔ مشہور محاورہ ہے لَا اَفْعَلُہٗ مَا
وَسَقَتْ عَیْنِی الْمَاءَ : کہ جب تک میری آنکھ
میں پانی ہے میں یہ کام نہیں کرونگا یعنی
زندگی بھر (راغب، مدرک، معارف)

والوسق: ضَمُّكَ الشَّيْءَ بَعْضَهُ إلى بعضٍ (قرطبی)

اِتَّسَقَ : اِتَّسَقَ، یہ بھی وَسْقٌ سے مشتق ہے جسکے معنی جمع کر لینے کے ہیں، باب افتعال ہے وهو افتعال من الوسق الذی هو الجمع (قرطبی) وَالقمر اذا اتَّسَقَ کے معنی ہیں جب چاند پورا ہو جائے، اتساقِ قمر سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی روشنی کو جمع کرے، اور یہ چودھویں رات میں ہوتا ہے جبکہ چاند بالکل مکمل ہوتا ہے، یہاں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ دیکھو کس طرح درجہ بدرجہ اس کو چڑھائی چڑھنی پڑتی ہے، مجال نہیں ہے کہ سرِمو انحراف کر سکے اور نقطۂ کمال پر پہنچ کر اُسکے اختیار میں یہ نہیں ہے کہ رُک جائے بلکہ اس طرح منزل کے بعد منزل طے کرتے ہوئے اسے اُترنا بھی پڑتا ہے اور اس سے بھی اس کو مفر نہیں ہے۔

اِتَّسَقَ : ای اِجْتَمَعَ نورُہٗ وصارَ بَدْرًا، (۳) اصل میں اتساق کے معنی ہیں کسی چیز کے اجزاء کا مجتمع اور اکٹھا ہو جانا، قال الراغب: الاتّساق الاجتماع والاطّراد (مفردات)

تَرْكَبُنَّ : لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ تم کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچنا ہے یعنی جس طرح ان اشیاء مذکورہ میں انقلابات و تغیرات مشاہد ہیں اس طرح تم بھی انقلاباتِ دنیا سے گزر کر اور اپنی زندگی کے تمام مراحل کو عبور کر کے بے اختیار میدان حشر میں خدا کے حضور پیش ہو جاؤ گے۔

لَتَرْكَبُنَّ : تم ضرور سوار ہو گے تم ضرور چڑھو گے مصدر رُکُوْبٌ سے لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ جمع مذکر حاضر ہے باب رَكِبَ يَرْكَبُ سمع رُکُوْب کے اصل معنی حیوان کی پیٹھ پر سوار ہونے کے ہیں۔

طَبَقٍ : طَبَقٌ : طَبَقَةٌ، درجہ، منزل کھنڈ، حال، حالت، طَبَقٌ اصل میں مطلقاً اس چیز کو کہتے ہیں جو دوسری چیز کے مطابق ہو اور عرف میں یہ لفظ اُس حال کے لئے خاص ہو گیا ہے جو دوسرے حال کے مطابق ہو، اقرع ابن حابس کا شعر ہے ؎

اِنِّیْ امْرُءٌ قد حَلَبْتُ الدهر اَشْطُرَہٗ
وَسَاقَنِیْ طَبَقٌ مِنْہُ اِلٰی طَبَقٍ

میں ایسا شخص ہوں کہ زمانہ کے سرد و گرم کو چکھ چکا ہوں اور اس کا ایک حال مجھے دوسرے حال کی طرف کھینچ چکا ہے، علماء لغت کی ایک جماعت طبق کو طَبَقَةٌ کی جمع بتاتی ہے جس کے معنی درجہ کے ہیں اور بعض کے خیال میں اسم جنس جمعی ہے جو واحد اور جمع دونوں

کے لئے مستعمل ہے جیساکہ روح المعانی کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے، علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ والطَّبَقُ: واحد الاطباق (قرطبی) طبق واحد ہے اطباقٌ کی۔ الطَّبق: ہر چیز کا ڈھکنا جو اس پر پوری طرح آجائے، الطبق من کل شیٔ: ہر وہ چیز جو دوسری چیز کے برابر ہو (معجم الفاظ القرآن)

علامہ راغبؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ یہ اُن مختلف احوال و منازل کی طرف اشارہ ہے جن پر سے انسان گزر کر ترقی کے منازل طے کرتا ہے۔

يُوْعُوْنَ: وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ: اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔ یُوْعُوْنَ باب افعال کے مصدر اِیْعَاءٌ سے جمع مذکر غائب مضارع ہے، اصل مادہ وَعْیٌ ہے (لفیف مفروق) جس کے معنی ہیں بات وغیرہ کو یاد کرلینا، وَعَیْتُہٗ فِیْ نَفْسِیْ میں نے اسے یاد کرلیا۔ وِعَاءٌ: برتن، اَلْاِیْعَاءُ: ساز و سامان وغیرہ کو وِعَاء میں یعنی برتنوں میں جمع کرنا، جیساکہ ارشاد ہے جَمَعَ فَاَوْعٰی مال جمع کیا اور بند رکھا وَالْاِیْعَاءُ حِفْظُ الْاَمْتِعَةِ فِی الْوِعَاءِ (مفردات)

مأخوذ من الوعاء الذی یجمع مافیہ یقال: اَوْعَیْتُ الزاد والمتاع: سامانِ سفر کو محفوظ کرنا، زادِ راہ کو برتن میں بند کرنا (قرطبی)

وَعٰی یَعِیْ وَعْیًا (ضرب) وَعَیْتُ الحدیثَ میں نے حدیث کو یاد کرلیا، یعنی دل میں جمع کرلیا، اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ: بات کو محفوظ اور یاد رکھنے والے کان ۔

شرح الفاظ القرآن من سورة البروج

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡبُرُوۡجِ : وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ: بُرُوۡج، بُرۡجٌ کی جمع ہے۔ بڑے محل یا قلعہ کو کہا جاتا ہے، قرآن کریم میں ہے وَلَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ، یہاں بروج سے مراد محلات و قصور ہی ہیں۔

دراصل مادہ بروج کے اصل معنی ظہور کے ہیں تَبَرُّجٌ کے معنی بے پردہ اور کھلے پھرنے کے ہیں جیسا کہ آیت وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاهِلِیَّةِ الۡاُوۡلٰی سے معلوم ہوتا ہے اس آیت میں جمہور مفسرین کے نزدیک بڑے بڑے ستارے مراد ہیں حضرت ابن عباس، مجاہد، ضحاک، حسن بصری، قتادہ، سُدّی سب کا یہی قول ہے اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک اس جگہ مراد وہ مکانات ہیں جو آسمان میں پہرہ داروں اور نگران فرشتوں کے لئے مقرر ہیں، اور بعض متاخرین نے برج سے وہ برج بتلائے ہیں جو فلاسفہ کی اصطلاح ہے کہ کل آسمان کو تقسیم کر کے ہر حصہ کو برج کہا جاتا ہے، ان کا خیال یہ ہے کہ ثوابت ستارے انہی برجوں میں اپنی جگہوں پر مقیم ہیں اور سیارات حرکتِ فلک کے ساتھ متحرک ہیں اور ان برجوں میں سیارات کا نزول ہوتا ہے مگر یہ سراسر غلط ہے قرآن کریم سیارات کو آسمانوں میں مرکوز نہیں قرار دیتا بلکہ ہر سیارے کو اپنی ذاتی حرکت سے متحرک قرار دیتا ہے جیسا کہ سورۂ یٰسٓ میں ہے وَکُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ، فلک سے مراد اس میں آسمان نہیں بلکہ سیارے کی مدار ہے جس میں وہ حرکت کرتا ہے (معارف) دیکھئے النبأ،

والبُروج فی کلام العرب: القصور، قال اللہ تعالیٰ: وَلَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ (قرطبی) یہ بروج بارہ ہیں جن کے نام یہ ہیں: الحمل۔ الثور۔ الجوزا۔ السّرطان۔ الاسد۔ السنبلة۔ المیزان۔ العقرب۔ القوس۔ الجدی اور الحوت۔ ھٰذا ھو المشھور عند الاکثر۔

اُخۡدُوۡدِ : اُخۡدُوۡد، اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ

اُخۡدُوۡدٌ: کھائی خندق۔ جمع اَخَادِیۡدُ،

اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ: کھائیاں کھودنے

والے، اس سے مراد وہ دشمنِ خدا لوگ ہیں جنہوں نے گڑھیوں اور کھائیوں میں آگ دہکا کر اللہ کے پرستاروں کو نذرِ آتش کیا تھا، اس طرح کے واقعات تاریخ عالم میں چونکہ بارہا اور کثرت سے رونما ہوئے ہیں، اس لئے اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ کی تعیین میں مفسرین اور ارباب تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ قرطبی نے فرمایا ہے کہ یہ واقعہ نجران میں پیش آیا ہے۔ اور یہ زمانہ فترۃ کے دَور کا ہے، جناب مسیح علیہ السلام کے بعد اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے تفصیل کے لئے قرطبی، ابن کثیر، روح المعانی کی طرف رجوع فرمائیں۔

وَالۡاُخۡدُوۡدُ : الشق العظیم المستطیل فی الارض کالخندق وجمعہ اَخَادِیۡدُ (قرطبی)

ذَاتِ : ذَاتِ، النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ ذات، والی، صاحب، یہ ذُوۡ کا مؤنث ہے جو بمعنی صاحب آتا ہے، اس کی جمع ذَوَات آتی ہے۔

وَقُوۡدِ : الوقود، ایندھن جس سے آگ جلائی جاتی ہے، وَقَدَتِ النَّارُ وَقُوۡدًا: آگ روشن ہونا، اَلنَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ: آگ کی خندق جن میں ایندھن جھونک رکھا تھا۔

قُعُوۡدٌ : اِذۡ هُمۡ عَلَيۡهَا قُعُوۡدٌ، جب وہ اس پر بیٹھے (معارف) قعود: قاعِدٌ کی جمع ہے بیٹھنے والے بیٹھے ہوئے۔ قُعُوۡدٌ لغات اضداد میں سے ہے، بیٹھنا اور اُٹھنا، دونوں کے لئے مستعمل ہے

الودود : الۡوَدُوۡدُ: بڑی محبت کرنیوالا، وَهُوَ الۡغَفُوۡرُ الۡوَدُوۡدُ، وَدٌّ کے معنی کسی چیز سے محبت کرنے کے ہیں اسی سے وَدُوۡدٌ مبالغہ کا صیغہ ہے بہت محبت کرنے والا، مراد ہے ثواب دینے والا وَدِدۡتُ الرجُلَ اَوُدُّهٗ وَدًّا: کسی آدمی سے محبت کرنا، الۡوَدُوۡدُ: اَلۡمُحِبُّ (قرطبی)

شرح الفاظ القرآن من سورة الطارق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الطَّارِقُ : اندھیرے میں آنے والا، رات میں آنے والا، رات کو ظاہر ہونے والا، علامہ محمود آلوسی کا ارشاد ہے کہ وھوفی الاصل اسم فاعل من الطرق بمعنی الضرب بوقع وبشدۃ یسمع لہا صوت ، یہ اصل میں فاعل ہے جس کے معنی اس زور سے ٹکر مارنے کے ہیں کہ آواز پیدا ہو، اسی سے مِطْرَقَۃٌ ہے بمعنی ہتھوڑا ہے، اور طریق بمعنی راستہ بھی، کیونکہ چلنے والا اپنے پاؤں کی ضرب سے اس پر آواز پیدا کرتا ہے، پھر عرف لغت میں راہ نَوَرْد کا نام اس تصور پر پڑگیا ہے کہ وہ راستہ کو اپنے قدم سے روندتا ہے اور اس معنی میں اس درجہ مشہور ہوا کہ گویا اس کی حقیقت بن گیا، پھر یہ لفظ شب میں آنے والے کے لئے مخصوص طور پر بولا جانے لگا، کیونکہ وہ اکثر اوقات رات کو دروازے بند پاکر بیٹھتا ہے، یعنی دروازے پر دستک دیکر آواز پیدا کرتا ہے کہ اہل خانہ متوجہ ہوں، پھر اس معنی کو ہر اس شئے کے لئے جو رات کو ظاہر ہو وسعت دی گئی خواہ وہ کچھ بھی ہو، حتی کہ ان خیالی صورتوں کے لئے بھی جو رات کو ظاہر ہوتی ہیں اس کا استعمال کیا جانے لگا آخر میں فرماتے ہیں کہ والمراد بہ ھٰھُنا عند الجمہور الکوکب البادِیُ باللیل، یعنی یہاں جمہور مفسرین کے نزدیک رات میں ظاہر ہونے والا ستارہ مراد ہے، یا تو اس بنا پر کہ وہ اسم جنس ہے یا ایک معہود ستارہ کا نام ہے (روح المعانی، سورۂ طارق)

علامہ جوہری فرماتے ہیں الطارق النجم الذی یقال لہ کوکب الصبح (الصحاح)

واَصْلُ الطَّرْقِ : الدَّقُّ ومنہ سُمِّیت المطرقۃُ، فَسُمِّیَ قاصد اللیل طَارِقًا لاحتیاجہ فی الوصول الی الدَّقِ (قرطبی)

اَلثَّاقِبُ : الثاقبُ، النَّجْمُ الثَّاقِبُ وہ روشن ستارہ ہے۔ ثَاقِبٌ : اتنا تیز روشن کہ جس چیز پر اس کی کرنیں پڑیں اس میں چھید کرتی ہوئی پار گزر جائیں، یہ اصل میں ثُقْبَۃٌ سے ہے جس کے معنی سوراخ کے ہیں، مِثْقَبٌ

پہاڑ میں مشکل اور دشوار راستہ گویا وہ سوراخ کی مانند ہے (راغب)

ثَقَبَ یَثْقُبُ ثُقُوْبًا وَثِقَابَۃً: آگ کا روشن ہونا۔ اَثْقِبْ نَارَکَ: اپنی آگ کو روشن کر۔ وَالثَّاقِبُ: المضیئ (قرطبی)

حَافِظٌ: حَافِظٌ، اِنْ کُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْھَا حَافِظٌ، کوئی جی نہیں جس پر نہیں ایک نگہبان۔ یہاں حرفِ اِنْ نافیہ ہے اور حرف لَمَّا تشدید کے ساتھ بمعنی اِلّا ہے، جو قبیلہ ہذیل کی لغت میں ہے استثناء کے معنی دیتا ہے اور حافظ کے معنی نگراں کے بھی آتے ہیں جو کسی کے اعمال کو نظر میں رکھے تاکہ ان کا حساب لے، اور بمعنی محافظ بھی آتا ہے جس کے معنی مصائب و آفات سے حفاظت کرنے والے کے ہیں۔ حافظ سے مراد اصل میں اللہ تعالیٰ ہے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ والحافظ فی الحقیقۃ ھو اللّٰہ عزّوجلّ (قرطبی)

دَافِقٍ: دَافِقٍ، خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ دِفُوْقٌ سے جس کے معنی اُچھل کر بہنے کے ہیں، اسم فاعل ہے۔ دَافِقٌ: اچھلنے والا۔ بَعِیْرٌ اَدْفَقُ، تیز رفتار اونٹ، محاورہ ہے، جَآءُوْا دُفْقَۃً وہ یکبارگی آگئے، مَشَوْا دِفْقًا: وہ تیز چلے دَفَقْتُ الْمَآءَ میں نے پانی بہایا، وقال الرازی رحمہ اللہ الدافق صَبٌّ الماء (کبیر)

الصُّلْبُ: الصُّلْبُ، سخت صَلُبَ وصَلَبَ (س) سخت ہونا۔ صَلَّبَ الشَّیْءَ: سخت کرنا، یہاں صُلب سے مراد پیٹھ ہے جس کی جمع اصلاب ہے اور باعتبار صلابت اور شدت کے پشت کو صلب کہا جاتا ہے، اور ابن خالویہ لغوی نے تصریح کی ہے کہ صُلْبٌ۔ صَلَبٌ۔ صَالِبٌ۔ ثَرًا۔ مَطَا۔ ظَھْرٌ۔ مَتْنٌ اور مَتْنَۃٌ، سب کے ایک ہی معنی ہیں (لغات القرآن)

تَرَائِبُ: سینہ کی پسلیاں جہاں گلے کا ہار وغیرہ لٹکتا ہے، تَرَائِبُ: چھاتیاں، تَرِیْبَۃٌ کی جمع جس کے معنی چھاتی کی ہڈی اور سینہ کی پسلی کے ہیں۔ وقال اھل اللغۃ اجمعون: التَّرائب موضع القلادۃ من الصَّدْرِ (لسان) ترائب المرأۃ عظام صدرھا حیث تکون القلادۃ و کل عظم من ذالک تریبۃ وھذا قول جمیع اھل اللغۃ (کبیر)

رَجْعِ: اِنَّہٗ عَلٰی رَجْعِہٖ لَقَادِرٌ، رَجْعٌ کے معنی لوٹا دینے کے ہیں۔ رَجْعَۃٌ کا لفظ طلاق کے بعد رجوع کرنے یا مرنے کے بعد دنیا کی طرف لوٹنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، فُلَانٌ یُؤْمِنُ بِالرَّجْعَۃِ: فلاں رجعت پر ایمان رکھتا ہے اور مصدر رُجُوْعٌ لازم ہے اس کے معنی ہیں کسی

چیز کا اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹنا۔

مذکورہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس خالق کائنات نے انسان کو اوّل نطفہ سے پیدا کیا ہے وہ اسکو دوبارہ لوٹا دینے یعنی مرنے کے بعد زندہ کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے، اور رَجْعٌ بارش کو کہا جاتا ہے اسلئے کہ اوّلاً سمندروں سے بخارات بن کر پانی اوپر چلا جاتا ہے اور پھر ہوا بارش کی صورت میں انھیں زمین پر واپس لیجاتی ہے، آیت کریمہ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ میں رَجْعٌ سے بارش ہی مراد ہے، حضرت ابن عباسؓ، قتادہ، حسنؒ، عکرمہؒ نے آیت کریمہ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ کی تفسیر اِنَّهٗ عَلٰى رَدِّ الْاِنْسَانِ بَعْدَ الْمَوْتِ لَقَادِرٌ سے کی ہے

تُبْلٰى : يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ، تُبْلٰى کے لفظی معنی امتحان لینے اور آزمانے کے ہیں (معارف) تُبْلٰى وہ آزمائی جائیگی، وہ جانچی جائیگی اسکا امتحان لیا جائیگا، بَلَاءٌ سے مضارع کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے (لغات القرآن) اَیْ تُمْتَحَنُ وَ تُخْتَبَرُ (قرطبی) تُبْلٰى کے معنی تُعْرَفُ کے بھی کئے گئے ہیں۔ راجز کا شعر ہے ؎

قد كُنْتَ قَبْلَ الْيَوْمِ تَزْدَرِيْنِيْ

فَالْيَوْمَ اَبْلُوكَ وَتَبْتَلِيْنِيْ

بلاشبہ تو آج سے پہلے مجھے حقیر خیال کرتا تھا پس آج میں تمہیں جانوں گا اور تو مجھے جانے گا

سَرَائِرِ : مخفی امور، چھپی باتیں، بھید، راز، سَرِيْرَةٌ کی جمع ہے۔ حرف یا کو جمع میں ہمزہ سے تبدیل کر دیا گیا ہے حالانکہ واحد میں ہمزہ نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمع میں یا سے پہلے الف ہے جو ساکن ہے، اب دو ساکن جمع ہوئے تو انھوں نے یا کو ہمزہ سے بدل کر التقائے ساکنین کی بنا پر اس کو کسرہ دیدیا، جیسے قَبِيْلَةٌ کی جمع قبائل اور اگر یا اصلی ہوتی جیسے مَعِيْشَة میں ہے تو جمع میں اس کو ہمزہ نہ کیا جاتا جیسا کہ ارشاد ہے، وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ۔

صَدْعِ : وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ : صَدَعَ يَصْدَعُ، شق ہونا، شگافتہ ہونا یہاں مراد کھیتی کا زمین سے پھوٹ نکلنا ہے یعنی جب بارش ہوتی ہے تو زمین کے مسامات کھل جاتے ہیں اور وہ پانی جذب کر کے پھول جاتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے لہلہا اٹھتی ہے والصَّدْعُ بمعنی الشَّقُّ (قرطبی)

هَزْلِ : وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ، وہ فضول بات نہیں۔ اَلْهَزْلُ کے معنی لا حاصل اور بے نتیجہ بات کے ہیں هَزَلَ يَهْزِلُ هَزْلًا بیہودگی کرنا، هَزَلَ فِيْ كَلَامِهٖ، بکواس کرنا۔ ای لیس القرآن بالباطل واللّعب

والھَزْلُ : ضِدُّ الجِدِّ (قرطبی)

مَهِّلْ : فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ، تم کافروں کو مہلت دو ، پس چند روز ہی مہلت دو ۔ مَهِّلْ ، باب تفعیل کے مصدر تمہیلٌ سے فعل امر کا صیغہ ہے اَلْمُهْلُ کے معنی ہیں حلم و سکون ۔ مَهَلَ فِیْ فِعْلِهٖ : اس نے سکون سے کام کیا ،

رُوَيْدًا : رُوَيْدًا ، تھوڑی مہلت اسم فعل ہے ۔ ابن خالویہ کہتے ہیں کہ یہ اصل ہیں اِرْوَادٌ ہے رُوَيْدًا اِرْوَادٌ کی تصغیر ہے رُوَيْدًا کے معنی مہلت دینے اور ٹھہرنے کے ہیں ۔ کہا جاتا ہے اِمْشِ مَشْيًا رُوَيْدًا یعنی آہستہ چل جلدی نہ کر ۔

علامہ سیوطی نے الاتقان میں لکھا ہے کہ رُوَيْدًا اسم ہے ہمیشہ مُصَغَّرْ اور مامور بہٖ ہو کر بولا جاتا ہے ، یہ رُوْدٌ کی تصغیر ہے جس کے معنی مہلت کے ہیں ۔

علامہ راغب فرماتے ہیں کہ اَرْوَدَ یُرْوِدُ اِرْوَادًا کے معنی ہیں نرمی کرنا ۔ رُوَيْدًا اسی سے اسم فعل ہے ، امام التفسیر علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ رُوَید کلام عرب میں رُوْدٌ کی تصغیر ہے ۔

شرح الفاظ القرآن من سورة الاعلیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اسم : سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى :
اسم : نام، جس سے کسی شئے کی ذات معلوم کی جاسکے ۔ الاسم، کسی چیز کی علامت جس سے اس کو پہچانا جائے، یہ اصل میں سِمُوٌّ ہے کیونکہ اس کی جمع اَسْمَاءٌ آتی ہے اور تصغیر سُمَيٌّ اور اسم کو اسم اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے مسمیٰ کا ذکر بلند ہوتا ہے اور اسکی معرفت حاصل ہوتی ہے ۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا (بقرہ) آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے، یہاں اسماء سے مراد الفاظ و معانی دونوں ہیں (راغب)

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى کے معنی یہ ہیں کہ اپنے رب کے نام کو پاک رکھئے ۔

لفظ اسم قرآن پاک میں چند معانی میں استعمال ہوا ہے ۔ اسم بمعنی مسمّیٰ، سورۂ رحمٰن میں ہے تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ یعنی تَبَارَكَ رَبُّكَ
اسم بمعنی التوحید، سورۂ مزمل میں ہے وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ، یعنی اپنے رب کی توحید بیان کر، ۳ اسم بمعنی صفت، سورۂ اعراف میں ہے، وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى، مراد صفات علیا ہیں ۴ الاسماء بمعنی التسمیات، سورۂ مریم میں ہے اِسْمُهٗ يَحْيٰى، یعنی تسمیتہ، ۵ الاسماء بمعنی الاصنام، سورۂ یوسف میں ہے، مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَا ای اصناما (الوجوہ و النظاهر للدامغانی)

مرعیٰ : مَرْعٰی، چراہ گاہ، جانوروں اور انسانوں کی خوراک یعنی گھاس اور غلہ وغیرہ یہ رَعْیٌ سے اسم ظرف ہے جس کے معنی ہیں، جاندار کی حفاظت کرنا اور اس کو باقی رکھنا جس کی تین صورتیں ہوتی ہیں ۔ ۱ خوراک کے ذریعہ ۲ دشمنوں کو دفع کر کے یعنی دشمنوں کی نگرانی کرنا ۳ مناسب انتظام کر کے اچھی سیاست کر کے حقدار کو اسکا حق دیکر اسکا مناسب لحاظ کر کے، انہی معانی کا لحاظ کر کے چرواہے کو بھی راعی کہا جاتا ہے، راعی کی جمع رُعَاةٌ اور رِعَاءٌ آتی ہے ۔

وَالْمَرْعٰی مَا تُخْرِجُهُ الارض مِنَ النَّبَاتِ ومن الثمار والزروع والحشیش

قال ابن عباس، المرعٰی : الکلاء الاخضر (کبیر)

غُثَآءً : غُثَاءً ، فَجَعَلَهٗ غُثَاءً اَحْوٰی پھر اس کو سیاہ کوڑا کر دیا ۔ غُثَاءٌ اس کوڑے کرکٹ کو کہتے ہیں جو پانی کے سیلاب میں اوپر آجاتا ہے (معارف) اور غُثَاءٌ کا لفظ ہر اس چیز کے لئے بھی بولا جاتا ہے جس کو بے سود ہونے کی وجہ سے ضائع ہونے دیا جائے اور اس کی کچھ پرواہ نہ کی جائے ۔ غَثَا الوادِیْ غَثْوًا : وادی میں کوڑا کرکٹ زیادہ ہوگیا، اس سے فعل غَثَا یَغْثُوْ اغثوًا آتا ہے ۔ اور غَثِیَ یَغْثیٰ غَثَیَانًا کا استعمال خُبثِ نفس اور مزاج کی خرابی کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ غَثَتْ نَفْسُهٗ : اس کی طبیعت خراب ہوگئی (مفردات)

اَلْغُثَاءُ : مَا یَقْذِفُ بِهِ السَّیْلُ عَلٰی جوانب الوادی من الحشیش والنَّبَاتِ والقُمَاش (قرطبی)

اس کی جمع اَغْثَاءٌ آتی ہے ۔ الغُثَاءَ مَا لیس من النَّبْتِ فَحَمَلَتْهُ الاودیۃ والمیاہ واَلْوَتْ به الرِّیَاحُ وقال قطرب واحد الغثاء ۔ غُثَاءَۃٌ (کبیر)

قطرب کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ غُثَاءٌ جمع ہے جس کی واحد غُثَاءَۃٌ ہے ۔

اَحْوٰی : اَحْوٰی ، کالا سیاہ مائل بہ سبزی سرخ مائل بہ سیاہی حُوَّۃٌ سے ماخوذ ہے، حُوَّۃٌ اس سیاہی کو کہتے ہیں جو مائل بہ سبزی ہو یا اس سرخی کو جو مائل بہ سیاہی ہو (لغات القرآن)

اَحْوٰی ، حُوَّۃٌ سے مشتق ہے، گہری سبزی میں جو ایک قسم کی سیاہی آجاتی ہے اس کو حُوَّۃٌ کہتے ہیں (معارف)

لفظ احوٰی اس سیاہی مائل سرخی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو کسی چیز کی کہنگی اور بوسیدگی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور اس سیاہی مائل سرخی کے لئے بھی جو کسی شئ پر اس کی تازگی، شادابی، زرخیزی اور جوشِ نمو کے سبب پیدا ہوتی ہے ۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں، الاحوٰی : الاسود ای ان النبات یضرب الی الحُوَّۃِ مِنْ شدۃ الخضرۃ ۔ کالاسود، والحُوَّۃُ السَّوَادُ (قرطبی)

حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے نباتات سے متعلق کچھ اپنی قدرت و حکمت کا بیان فرمایا ہے کہ زمین سے سرسبز گھاس نکالی پھر اس کو خشک کر کے سیاہ رنگ کر دیا وہ سبزی جاتی رہی اس میں انسان

کو اس کے انجام کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ
جسم کی شادابی، خوبصورتی، چالاکی، حق تعالیٰ
کا عطیہ ہے۔ مگر انجام کار پھر اس سب کو
ختم ہونا ہے (معارف)
الشیخ محمد علی الصابونی اس آیت کی تفسیر
کے تحت لکھتے ہیں، ای فَغَیَّرَہٗ بعد الخضرۃ
اسود بالیًا (صفوۃ)
ان تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر لفظ
اَحْوٰی اس سیاہی مائل سرخی کے لئے استعمال
ہوا ہے جو کہنگی اور بوسیدگی کی وجہ سے پیدا
ہوتی ہے اور لفظ غُثَاء اس کی واضح دلیل ہے
جس کے معنی بالاتفاق کوڑا کرکٹ اور خس و
خاشاک کے ہیں اَحْوٰی غُثَاءً کی صفت ہے

تَنْسٰی : سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰی، ہم
آپ کو پڑھا دیا کریں گے پھر آپ اسے نہ بھولیں
گے۔ لَا تَنْسٰی۔ نفی فعل مضارع معروف
کا صیغہ اور یہ بھی احتمال ہے کہ لا نہی کا ہو
اس صورت میں تنسٰی کا الف زائد ہوگا،
اور صیغہ فعل نہی کا ہوگا۔ نہی کی صورت
میں اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ہم آپ کو پڑھائیں
گے اس کو بھولنا نہیں، اس کو فراموش نہیں
کرنا، فقال بعضھم فَلَا تَنْسٰی معناہُ
النَّھْی، وَالْاَلِفُ مزیدۃٌ لِلْفَاصِلَۃِ (کبیر)

یَخْفٰی : اِنَّہٗ یَعْلَمُ الْجَھْرَ وَمَا یَخْفٰی،
(آیت نمبر ۷) وہ ہر ظاہر اور مخفی کو جانتا ہے
(بیان القرآن) خَفِیَ یَخْفٰی خَفَاءً وَ
خُفْیَۃً وخِفْیَۃً پوشیدہ ہونا، غائب
ہونا، صفت فاعلی خافٍ۔ وخَفِیٌّ خَفّٰی
(باب تفعیل) واَخْفَی الشَّیْءَ : چھپانا،
پوشیدہ کرنا۔ کہا جاتا ہے اَخْفِ عَنَّا، یعنی
جو ہمارے بارے میں دریافت کرے اس
سے ہماری خبر مخفی رکھو۔ خفا (ض) خَفْیًا وَ
خُفِیًّا خَفَی الشَّیْءَ : ظاہر کرنا خَفَی المَطَرُ
الْفَارَ : بارش نے چوہے کو بل سے نکال دیا،
یہ لفظ اصل میں اضداد میں سے ہے چھپانا
اور ظاہر کرنا دونوں معنی میں استعمال ہوتا
ہے۔ اَخْفٰی : پوشیدہ رکھنا۔ اِخْتِفَا :
ظاہر کرنا۔ اِخْتَفَی الْبِئْرَ : کنواں کھودا،
الخافیۃ : خفیہ شے، پوشیدہ حقیقت،

اَعْلٰی : اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْہِ رَبِّہِ الْاَعْلٰی :
العَلَاء والعُلٰی : بلندی، شرافت۔
اَلْعَلِیُّ : بلند جگہ، ھُمْ عَلَی الْقَوْمِ :
وہ لوگ قوم کے سردار ہیں۔ اَلْعَلِیُّ : اسماءِ
حسنیٰ میں سے ایک نام ہے۔ بلند، شریف،
صاحب عزت وجلالت شان والا، عالیۃٌ
بلند حصہ۔ فِیْ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ : اونچی جنت،

شاندار باغ ، عَلٰی ، حرف جر ہے اسم پر داخل ہوکر اس کو زیر کرتا ہے ۔ یہ چند معانی کے لئے آتا ہے (۱) اِستعلاء جیسے حُمِلَ علی الدَّابَۃِ: جانور پر لادا گیا ، (۲) مُصَاحبت : جیسے بَذَلَ الْمَالَ عَلٰی الْفَقْرِ : مال کو باوجود فقر کے خرچ کیا ۔ (۳) مجاوزت ، بمعنی عن جیسے رَضِیَ علیہٗ وہ اس سے راضی ہوا یعنی رَضِیَ عَنْہُ ۔ (۴) تعلیل : جیسے عَلَامَ تَضْرِبُنِیْ : مجھے کیوں مارتے ہو (۵) ظرفیت ، جیسے دخلَ المدینۃ عَلٰی حین غفلۃٍ بمعنی فیہ (۶) موافقت ، جیسے اِرْکَبْ علیٰ اسم اللّٰہِ : اللہ کے نام سے سوار ہو جاؤ یہاں عَلٰی اِسْمِ اللّٰہ بمعنی بِسْمِ اللّٰہ کے ہے ۔ (۷) استدراک ، جیسے علیٰ ان قُرْبَ الدَّارِ خیر من البعد : گھر کا قرب دُوری سے بہتر ہے ۔ (۸) فوق : فوق کے معنی میں اسم ہو کر مستعمل ہے جبکہ مِنْ کے بعد آئے ، جیسے اَقَامَ مِنْ علیٰ اَجَنَّتِہٖ

الھَیْکَلِ : ہیکل کے بازو پر کھڑا ہوا ، بطور اسم فعل کے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے عَلَیْکَ زَیْدًا زید کے ساتھ لازم رہو ۔

یَذَّکَّرُ : یَذَّکَّرُ مَنْ یَّخْشٰی : سمجھ جائیگا جس کو ڈر ہوگا (معارف) یَذَّکَّرُ : اصل یَتَذَکَّرُ ہے حرف تاء کو ذال میں مدغم کر دیا گیا ہے ، باب تَفَعُّلٌ ہے ، اصل مادہ ذِکْرٌ ہے ۔

تَزَکّٰی : قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی : بیشک بھلا ہوا اس کا جو سنورا ۔ تَزَکّٰی ، زکوٰۃ سے مشتق ہے جس کے اصل معنی پاک کر دینے کے ہیں ، مال کی زکوٰۃ کو بھی اس لئے زکوٰۃ کہتے ہیں کہ وہ باقی مال کو انسان کے لئے حلال کر دیتی ہے یہاں لفظ تَزَکّٰی کا مفہوم عام ہے جس میں ایمانی و اخلاقی تزکیہ و طہارت بھی داخل ہے ۔

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الغاشیۃ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡغَاشِيَة : هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِ کچھ پہنچی تجھ کو بات اُس چھپا لینے والی کی (معارف) غَاشِيَةٌ، غَشِيَ يَغۡشٰى سے اسم فاعل مؤنث ہے، چھا جانے والی۔ ڈھانک دینے والی۔ یہ ایک وصفی نام ہے قیامت کے ناموں میں سے، چونکہ اس کی آفت ہمہ گیر ہوگی، جو سب پر چھا جائے گی اسی اعتبار سے اس کو غَاشِيَةٌ فرمایا گیا ہے۔

خَاشِعَةٌ : وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ خَاشِعَةٌ کتنے ہی چہرے اُس دن اُترے ہوئے ہوں گے، خَاشِعَةٌ: ذلیل ہونیوالی، خشوعٌ سے اسم فاعل مؤنث ہے، یہاں یہ وُجُوۡهٌ کی صفت ہے جھکے ہوئے چہرے، اُترے ہوئے چہرے،

عَامِلَةٌ : عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ، عَامِلَةٌ محنت سے نڈھال، محاورات میں عامل اور عَامِلَة اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو مسلسل عمل اور محنت سے تھکا ماندہ چور ہو گیا ہو (معارف)

اَلۡعَمَلُ : ہر وہ فعل جو کسی جاندار سے ارادۃً واقع اور صادر ہو۔ عمل اور فعل میں فرق یہ ہے کہ فعل عام ہے اور عمل خاص ہے کیونکہ فعل کا لفظ کبھی حیوانات کی طرف بھی منسوب کر دیتے ہیں جن سے بلا قصد افعال صادر ہوتے ہیں بلکہ فعل کا لفظ جمادات کی طرف بھی کبھی منسوب ہو جاتا ہے، مگر عمل کا لفظ اُن کی طرف بہت کم منسوب ہوتا ہے، صرف البقر العوامل ایک ایسی مثال ہے جہاں عمل کا استعمال حیوانات کے لئے ہے، اسی طرح تیز رفتار اونٹنی کو بھی عرب ناقۃٌ عَمِلَةٌ ويَعۡمَلَةٌ کہدیتے، یہ بھی دراصل اس لئے ہے کہ ان کے ساتھ آدمی کا عمل وابستہ ہوتا ہے، چونکہ گائے بیل اور اونٹ وغیرہ انسان کے کام پر لگانے سے اور ہنکانے چلانے کام کرتے ہیں نیز عمل کا استعمال اچھے کام پر بھی ہوتا ہے جیساکہ ارشاد ہے وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ (طٰهٰ ۱۱۲) اور بُرے کام پر بھی جیساکہ ارشاد ہے وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءً

یُجْزَ بِهٖ (نساء ۱۲۳)

عَمِلَ یَعْمَلُ عَمَلًا : کام کرنا، محنت کرنا
العَمَلُ : مَا یَفْعَلُه الحیوان بِقَصْدٍ فیفترق عن الفعل بان الفعل مَا یکون بقصده او بغیرہ والفعل قد یُنْسَبُ الی الجماد (المعجم لالفاظ القرآن)

نَاصِبَةٌ : نَاصِبَةٌ، یہ نَصَبٌ سے مشتق ہے، اس کے معنی بھی تھکنے اور تعب و مشقت میں پڑ جانے کے ہیں اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے اور یہ بھی وُجُوہٌ کی صفت ہے۔ یہ باب سمع سے آتا ہے۔
نَصِبَ یَنْصَبُ نَصَبًا و نَصْبًا، تھکنا مشقت میں پڑنا۔ نَاصِبَةٌ۔ ای تَعِبَةٌ (قرطبی)

حَامِیَةً : تَصْلٰی نَارًا حَامِیَةً : گریں گے دہکتی ہوئی آگ میں، حامِیَہ کے لفظی معنی گرم کے ہیں۔ آگ کا گرم ہونا اس کا طبعی حال ہے۔ پھر اس کی صفت حَامِیَةٌ بیان کرنا، یہ بتانے کے لئے ہے کہ اُس آگ کی گرمی دنیا کی آگ کی طرح کسی وقت کم یا ختم ہونے والی نہیں بلکہ یہ حامیہ دائما ہے (معارف)

اٰنِیَةٌ : کھولتا ہوا، اُبلتا ہوا، اَنیٰ الحَمِیْمُ پانی حرارت میں انتہا کو پہنچ گیا

ضَرِیْعٌ : اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ، یعنی اہلِ دوزخ کو ضریع کے سوا کھانے کو کچھ نہ ملے گا۔ ضریع دُنیا میں ایک خاص قسم کا گھاس ہے جو خاردار ہوتا ہے، اور یہ گھاس زمین پر پھیلتا ہے چونکہ یہ خاردار ہونے کے علاوہ بدبودار بھی ہوتا ہے اسلئے اس کو کوئی جانور بھی نہیں کھاتا۔
جب یہ گھاس تر ہوتا ہے تو اسکو قریش کی زبان میں شِبْرِقٌ کہا جاتا ہے اور جب سوکھ جاتا ہے تو اس کا نام ضریع ہے (قرطبی)
بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ سمندری گھاس ہے جس کو سمندر کنارے پر پھینک دیتا ہے جو جانور اس کو کھائے وہ کمزور اور لاغر ہو کر مرجاتا ہے۔

یُسْمِنُ : لَا یُسْمِنُ، صیغہ واحد مذکر غائب نفی فعل مضارع معروف سے وہ موٹا نہیں کرے گا۔ السِّمَنُ کے معنی موٹاپہ اور فربہ کے ہیں۔ سَمِیْنٌ صیغہ صفت ہے۔ موٹا اس کی جمع سِمَانٌ آتی ہے جیسا کہ سورۂ یوسف میں ہے اَفْتِنَا فِی سبع بقراتٍ سِمَانٍ، ہمیں سات موٹی گایوں کی تعبیر بتایئے، اَسْمَنْتُهٗ کے معنی

موٹا کرنے کے ہیں، لَا یُسْمِنُ : وہ اپنے کھانے والوں کو موٹا نہیں کرے گا۔

نَاعِمَۃٌ : وُجُوْہٌ یَوْمَئِذٍ نَاعِمَۃٌ کتنے چہرے اُس دن تر و تازہ ہونگے، وُجُوْہٌ نَاعِمَۃٌ : شگفتہ چہرے، یہ نُعُوْمَۃٌ مصدر سے اسم فاعل مؤنث ہے۔ خوش، تر و تازہ باب سمع۔ نَاعِمَۃٌ نرم و نازک عورت آرام کی زندگی۔ نَعْمَۃٌ : فراخی حال، آسودگی

لَاغِیَۃٌ : لَا تَسْمَعُ فِیْهَا لَاغِیَۃً اس میں کوئی لغویات نہیں سُنیں گے، یہاں لاغیۃ بمعنی لغو کے ہے اور یہ کلام کی صفت ہے اور تَسْمَعُ کی ضمیر ہی کا مرجع وُجُوْہٌ ہیں، یعنی وہ چہرے جنت میں بیہودہ کلام نہیں سُنیں گے۔ لغو کے معنی بے معنی کلام کے ہیں جو کسی شمار اور گنتی میں نہ ہو، علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ لَغْوٌ، لغا اور لاغیۃٌ تینوں کے ایک ہی معنی ہیں۔

اَکْوَابٌ : وَاَکْوَابٌ مَوْضُوْعَۃٌ اَکْوَابٌ جمع ہے کُوْبٌ کی، یہ پیالے ہیں، یہ پیالے، آبخورے جام سب کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ ان کو پکڑنے کے لئے دستہ وغیرہ نہیں ہوتا جبکہ اَباریق ان برتنوں کو کہا جاتا ہے جن کو پکڑنے کے لئے کنڈے ہوتے ہیں اس لئے اکواب کو کپ قرار دینا صحیح معلوم نہیں ہوتا، چونکہ اصطلاح عام میں کپ اُس برتن کو کہتے ہیں جسکو پکڑنے کے لئے کنڈا ہوتا ہے وَالکُوْبُ اِنَاءٌ لیس لہ عُرْوَۃٌ وَلَا خُرْطُوْمٌ (قرطبی) یعنی کوب سے مراد وہ برتن ہے جس کو نہ کنڈا ہوتا ہے اور نہ ہی ٹونٹی۔

نَمَارِقُ : وَنَمَارِقُ مَصْفُوْفَۃٌ۔ نمارق جمع ہے نُمْرُقَۃٌ کی، ٹیک لگانیوالے تکئے، نمارق کا لفظ گدّوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، حضرت تھانویؒ نے اسکا ترجمہ گدے تکئے کیا ہے۔ علامہ قرطبی نے صحاح کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ نَمْرَقٌ اور نُمْرُقَۃٌ چھوٹے تکئے کو بھی کہا جاتا ہے وَنَمَارِقُ۔ ای وَسَائِدُ۔ الواحدۃ نمرقۃ (قرطبی) النَّمَارِقُ : ھی الوسائد فی قول الجمیع واحدھا نُمْرُقَۃٌ بضم النون (کبیر) مولانا اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ نَمَارِقُ قالینوں اور غالیچوں کے معنی میں آتا ہے (تدبر)

زَرَابِیُّ : وَزَرَابِیُّ مَبْثُوْثَۃٌ، زَرَابِیُّ جمع ہے زُرْبِیَّۃٌ کی، یہ تکیوں اور نہالچوں کے معنی میں آتا ہے، یعنی قالینوں پر تکئے اور نہالچے ہر طرف بکھرے پڑے ہوئے ہوں گے، بیٹھنے والا جہاں بیٹھے اس کے لئے آسائش کا باعث ہوگا۔ آج صوفوں کا دور ہے لیکن

ان پر بھی گدیاں اور تکئے رکھنے کا رواج ہے (تدبر)
مولانا عبد الرشید صاحب نعمانی لکھتے ہیں کہ
زَرَابِیُّ مخمل کے نہالچے، زِرْبٌ کی جمع ہے
جو ایک قسم کا آراستہ کپڑا ہے اور ایک موضع
کی طرف منسوب ہے، قرآن مجید میں اس کا
استعمال بطور تشبیہ اور استعارہ کے ہوا ہے
مجد الدین فیروز آبادی قاموس ہیں لکھتے ہیں
کہ زَرَابِیُّ قالیچے اور فرش ہیں یا ہر وہ چیز
جو بچھائی جائے اور اس پر تکیہ لگایا جائے
اس کا واحد زِرْبِیٌّ ہے۔ زیر کے ساتھ
اور کبھی پیش بھی دیدیتے ہیں (لغات القرآن)
مفسر قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ قَالَ ابو عبیدہ :
الزَّرَابِیُّ۔ البُسُط (قرطبی) واحد تھا
زُرْبِیَّةٌ (قرطبی)

اِبِلِ : اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ
كَيْفَ خُلِقَتْ ۔ اِبِل : اونٹ، ایک
عظیم الجثہ حیوان ہے جو عرب دنیا کا عظیم
سرمایہ رہا ہے، اور صحرائی سفر کے لئے
نہایت موزوں سواری ہے، یہ ہندوستان
میں راجپوتانہ اور پاکستان میں صوبہ سندھ
بلوچستان صوبہ سرحد اور دیگر ممالک میں
منگولیا، مشرقی ترکستان، ایشیائے کوچک
عراق، شام، فلسطین، مصر اور عرب کے
سارے علاقوں میں مقبول ترین سرمایہ رہا ہے
اس کی ساخت صنعت باری تعالےٰ کا
عظیم مظہر ہے۔

سُطِحَتْ : بچھائی گئی۔ سطح مکان کے
اوپر کے حصہ یعنی چھت کو کہتے ہیں، سَطَحْتُ
الْبَيْتَ : میں نے مکان کی چھت ڈالی، اسی
سے سَطَحْتُ الْمَكَانَ کے معنی کسی جگہ
کو مکان کی چھت کی طرح ہموار کرنے کے
ہیں ۔ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ،
اور زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ اس کو
کس طرح ہموار بچھایا گیا ہے، سُطِحَتْ
ای بُسِطَتْ وَمُدَّتْ (قرطبی)

مُصَيْطِرٍ : لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ
آپ ان پر کوئی داروغہ نہیں ہیں مُصَيْطِرٍ
اسم فاعل مذکر کا صیغہ ہے۔ اصل میں
مُسَيْطِرٌ ہے۔ سین کو صاد سے تبدیل
کر لیا گیا ہے جیسے کہ سِرَاط کو صِرَاط
سے بدل لیا جاتا ہے اس کا مصدر
سَيْطَرَةٌ ہے۔ تَسَيْطَرَ فُلَانٌ
عَلٰى كَذَا وَسَيْطَرَ عَلَيْهِ کے معنی
ہیں کسی چیز کی حفاظت کے لئے اس پر سطر
کی طرح سیدھا کھڑا ہونا ۔
پس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ آپ ان پر

نگہبان مقرر نہیں ہوئے۔

وفی الصحاح: والمُسَیْطِرُ وَالمُصَیْطِرُ المسلّطُ علیٰ الشیٔ لِیَشْرفَ عَلَیْہِ و یتعھد احوالہ ویکتبُ عملہٗ واصلہٗ مِنَ السَّطْرِ (قرطبی)

اِیَابَ: اِیَابَھُمْ، ان کا لوٹنا، رجوع کرنا اَبَ یَئُوْبُ اِیَابًا: لوٹنا، واپس ہونا ابوجعفر نے اسکو اِیَّابَ حرف یاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے لیکن ابوحاتم کہتے ہیں یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اگر ایاب میں تشدید جائز ہوتی تو صیامٌ اور قیامٌ میں بھی جائز ہوتی اور کچھ حضرات کا خیال ہے کہ تشدید اور تخفیف دونوں قرائتیں ہیں (قرطبی)

عبید کا ایک شعر ہے ؎

وکل ذی غَیْبَۃٍ یَئُوْبُ

وغَائِبُ الموت لایَئُوْبُ (قرطبی)

شرح الفاظ القرآن من سورة الفجر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْفَجْرِ : وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ :
اَلْفَجْر کے معنی کسی چیز کو پھاڑ کر اسمیں شگاف کر دینے کے ہیں ، فَجَرَ الانسان السَّکْرَ[1] اُس نے بند میں وسیع شگاف ڈالدیا ، اسی سے صبح کو فجر کہا جاتا ہے کیونکہ صبح کی روشنی رات کی تاریکی کو پھاڑ کر نمودار ہوتی ہے۔
یہاں فجر سے مراد رات کی اندھیریوں کا پھٹ کر صبح کا نمودار ہونا ہے۔ الفَجْرُ هُنَا : اِنْفِجَارُ الظُّلْمَةِ عَنِ النَّهَارِ من کل یوم (قرطبی)
اس سے کوئی خاص فجر مراد نہیں ہے ، بلکہ مراد قدرتِ خداوندی کا اظہار ہے جسکا مظہر ہر صبح ہے۔
بعض حضرات نے محرم کی پہلی فجر مراد لی ہے کیونکہ یہ سال نو کی پہلی صبح ہے جو انسان کے لئے باعثِ مسرت ہے ، اور سال نو کی خوشی دُنیا کی ساری اقوام مناتی ہے۔
عَشْرٍ : اسم فعل مؤنث ، بغیر ھا کے مؤنث کے لئے استعمال ہوتا ہے ، یہ پہلی دھائی کے لئے استعمال ہوتا ہے ، اور جب اس کے ساتھ اَحَدٌ سے لیکر تِسْعَةٌ تک کسی لفظ کو ملا کر استعمال کرتے ہیں تو اسکو مبنی بر فتح پڑھتے ہیں جیسا کہ اَحَدَ عَشَرَ اور ثلٰثة عشر وغیرہا۔ عِشْرُوْنَ : بیس۲۰ مذکر و مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

الْعُشْرُ : دسواں حصہ ، مِعْشَارٌ : دسواں حصہ۔ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ (۴۰۔ سبا) عَشِيْرٌ : رفیق ، ساتھی ، یہ فَعِيْلٌ کے وزن پر مُعَاشِرٌ کے معنی میں ہے۔ میل جول رکھنے والا۔ عَشِيْرَة : کنبہ جماعت ، برادری ، وہ لوگ جن کے ذریعہ آدمی کو کثرت حاصل ہوتی ہے ، صحاح میں ہے ، العَشِيْرَةُ : القَبِيْلَةُ ، حدیث میں ہے ، اِنَّكُمْ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ یعنی الزوج (صحیح) گویا عَشیر کا لفظ زوج کے لئے بھی مستعمل ہے سورۂ نساء میں ہے ، وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ : اور ان عورتوں کے ساتھ

[1] السکر نہر کے بند کو کہتے ہیں۔

خوبی کے ساتھ گزارہ کیا کرو،

الشَّفْعِ : وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ، شَفْعٌ کے معنی کسی چیز کو اس جیسی دوسرے چیز کے ساتھ ملا کر دو کر دینے کے ہیں ۔ جفت چیز کو شفعٌ کہا جاتا ہے اس آیت میں بعض حضرات کے نزدیک مخلوق ہے کیونکہ وہ جفت بنائی گئی ہے جیساکہ ارشاد ہے کہ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ اور ہر چیز کی ہم نے دو قسمیں بنائی ہیں اور وتر سے مراد باری تعالیٰ ہے کیونکہ وہ ہر لحاظ سے یگانہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ شفع سے مراد یوم النحر ہے کیونکہ اس کے بعد دوسرا دن بھی اس کی مثل ہوتا ہے اور وَتر سے مراد یوم عرفہ ہے کیونکہ اس کا کوئی مثل نہیں ہے (راغب)

حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ شَفْعٌ کے لغوی معنی جوڑنے کے ہیں جس کو اردو میں جفت کہتے ہیں ۔ اور وترٌ کے معنی طاق اور فرد کے ہیں ۔ قرآن مجید کے الفاظ میں یہ متعین نہیں ہے کہ اس جفت اور طاق سے کیا مراد ہے، اس لئے ائمۂ تفسیر کے اقوال بے شمار ہیں مگر خود حدیث مرفوع جو ابو الزبیر نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں،

وَالشَّفْعِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ هُوَ الصُّبْحُ وَ عَشْرُ النَّحْرِ والوترُ يومُ العَرَفَةِ، والشَّفْعُ يَوْمُ النَّحْرِ (معارف)

علامہ قرطبی نے اس روایت کو اصح کہا ہے بہ نسبت دوسری روایات کے، حدیث ابی الزبیر عن جابر هو الذی صحّ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو اصحّ اسنادًا من حدیث عمران بن حصین (قرطبی)

يَسْرِ : وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ، اور رات جب چلنے لگے ۔ یَسْرِ، سَرٰی سے مشتق ہے جس کے معنی رات کو چلنے کے ہیں، یہاں خود رات کو کہا گیا ہے کہ جب وہ چلنے لگے یعنی ختم ہونے لگے (معارف)

یَسْرِ، اصل میں یسری تھا، حرف ی کو ساقط کر دیا گیا ہے، سَرٰی، یَسْرِیْ رات کو چلنا، سَارِيَةٌ رات کو آنے والا بادل

حِجْرٍ : هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ ۔ یقیناً اس میں قسم ہے اصحاب فہم کے لئے (ماجدی)

رحجر کے لفظی معنی روکنے کے ہیں انسان کی عقل اس کو برائی اور مضرت رساں

چیزوں سے روکنے والی ہوتی ہے، اسلئے
حجر بمعنی عقل بھی استعمال ہوتا ہے یہاں
یہی معنی مراد ہے (معارف)
والحجر: العقل، لانہ یحجر عن
التھافت فیما لاینبغی (کشاف روح)
واصل الحجر: المنع (قرطبی)

اِرَمَ - بِعَادٍ - اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ:
لفظ اِرَمَ - عَادٍ کا عطف بیان یا بدل ہے
اور مقصود اس سے قبیلہ عاد کی دو قسموں
میں سے ایک کی تعیین ہے۔ یعنی عاد
اُولیٰ جو ان کے متقدمین ہیں، ان کو عاد
ارم سے تعبیر اس لئے کیا کہ یہ لوگ اپنے
جَدِّ اعلیٰ اِرَم سے بہ نسبت عاد اُخریٰ کے
قریب تر ہیں، انہی کو دوسری جگہ عاد اولیٰ
کہا گیا ہے۔ اَهْلَكَ عَادَ ۨ الْاُوْلٰى (معارف)
اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اِرَم اُس
جنت کا نام ہے جو عاد کے بیٹے شداد نے
بنائی تھی اور ذات العماد اس کی صفت ہے
وہ ایک نہایت عظیم الشان عمارت بہت
سارے ستونوں پر قائم سونے چاندی اور
جواہرات سے تعمیر کی گئی تھی تاکہ لوگ جنتِ
آخرت کا تصور چھوڑ کر اس جنت کی طرف
متوجہ ہوں لیکن جب شداد نے اس

جنت میں جانے کا ارادہ کیا تو عذابِ الٰہی
نازل ہوا اور مع شداد کے عمارت کو ہلاک
کر دیا لیکن جنت ارم کے بارے میں جتنے
قصے مشہور ہیں سب موضوع ہیں۔ حافظ
ابن کثیر فرماتے ہیں کہ فَاِنَّ هٰذَا كُلَّهٗ مِنْ
خرافاتِ الاسرائیلیین من وضع بعض
زنادقتھم (ابن کثیر) یعنی جنتِ شداد
کے تمام قصے من گھڑت ہیں جو بعض ان کے
زندیقوں نے تراشے ہیں تاکہ جاہل لوگوں کی
عقلوں کا امتحان لیں۔ قرین صحت یہ ہے کہ
یہ ایک قبیلہ کا نام ہے جو جدِّ قبیلہ ارم بن
ارم بن سام ابن نوح کے نام پر رکھا گیا ہے
عرب بائدہ میں سے عادِ اولیٰ اسی قبیلہ
میں شمار کیا جاتا ہے، چنانچہ قرآن عظیم میں
اس مقام پر بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ سے عادِ
اولیٰ اور ارم سے ان کا قبیلہ مراد ہے، اِرَمَ
یا تو تانیث اور علمیت کی بنا پر غیر منصرف ہے
یا عجمیت اور علمیت کی وجہ سے (لغات القرآن)

عِمَادِ: عِمَادِ، ذَاتِ الْعِمَادِ، عماد
اور عمود ستون کو کہتے ہیں، قوم عاد کو ذات
العماد اس لئے کہا گیا کہ یہ قد و قامت میں
دوسری تمام قوموں سے ممتاز تھی انکے اس
امتیاز کو لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ کے

الفاظ سے ظاہر کیا ہے کہ دنیا میں ایسی طویل القامت اور قوی قوم اس سے پہلے پیدا نہیں کی گئی۔

جَابُوْا : وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ۔ الجَوْبُ کے اصل معنی جَوْبَة قطع کرنے کے ہیں اور پست زمین کی طرح زمین میں گڑھا سا ہوتا ہے، پھر ہر طرح زمین کے قطع کرنے پر بولا جاتا ہے، جاب يَجِيْبُ (ض) اور جَابَ يَجُوْبُ (ن) دونوں بابوں سے قریب المعنی ہے نَصَرَ سے اجوف واوی اور ضَرَبَ سے اجوف یائی آتا ہے، طے کرنا، کاٹنا، قطع کرنا۔

الصَّخْرَ : پتھر، چٹان، الصَّخْرُ، الحَجَرُ الصَّلْبُ (راغب)

اس کی جمع صُخُوْرٌ آتی ہے اور صَخْرٌ بھی جمع ہے، واحد صَخْرَةٌ حرف تار کے ساتھ آتی ہے

اَلْوَادِ : الوَاد، بِالْوَادِ، یہاں وادِ سے مراد وادی القریٰ ہے، ثمود دراصل عاد کے بقایا میں سے ہیں اور تعمیر و تمدن کے شوق میں ان کے وارث ہوئے ہیں، انہی کو عادِ ثانیہ بھی کہا جاتا ہے، وادی القریٰ ان کا مسکن تھا اس کے پہاڑوں کو تراش تراش کر انھوں نے اپنے اسلاف کے طریقے پر گھر بنائے تھے جس کی طرف جَابُوا الصَّخْرَ میں اشارہ کیا گیا ہے، اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہیں بعض مؤرخ مفسرین نے لکھا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلی قوم جس نے سنگ تراشی کا کام کیا ہے وہ قوم ثمود ہے، انھوں نے سترہ سو شہر تعمیر کئے ہیں، اور تقریباً تین لاکھ مکانات اور قلعے وغیرہ بنائے جو تمام کے تمام پتھر کے تھے۔ اور پہاڑوں کے کھلے میدان اور پانی بہنے کے راستے وغیرہ کو وادی کہا جاتا ہے (قرطبی)

اَوْتَادِ : اَوْتَادِ، ذِی الْاَوْتَادِ۔ میخوں والا، اَوْتَادَ۔ وَتَدٌ کی جمع ہے میخ کو کہتے ہیں۔ فرعون کو ذی اوتاد کہنے کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ وہ اپنے مخالف کے جسم میں میخیں لگا کر قتل کرتا تھا۔

صَبَّ : فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ، اصل میں صَبُّ الماء کے معنی اوپر سے پانی بہانا ہے، مراد یہ ہے کہ ان مجرم پیشہ لوگوں پر عذاب پانی کی طرح انڈھیل دیا گیا۔

سَوْطَ : سَوْطَ، سَوْطَ عَذَابٍ،

سَوْطٌ : چمڑے کا کوڑا، جمع اَسْوَاطٌ اور سِیَاطٌ آتی ہے، سَوْطٌ کے اصل معنی شئ کے باہم خلط ملط ہونے کے ہیں کوڑے کو سوط اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے تسمے آپس میں بٹے ہوئے ہوتے ہیں (کشاف)
ابنِ دُرَید کا بیان ہے کہ جب کوڑے لگائے جاتے ہیں تو کوڑا چونکہ خون کو گوشت سے خلط ملط کر دیتا ہے اس لئے اس کا نام سَوْط ہوگیا (راغب)
سَاطَهُ یَسُوْطُهُ سَوْطًا، ای خَلَطَهُ فھو سَائِطٌ (قرطبی)
محاورہ ہے، اَمْوَالُھُمْ سَوِیْطَةٌ بَیْنَھُمْ یعنی ان کے اموال آپس میں ملے جُلے اور مشترک ہیں۔ فالسَّوْطُ خَلْطُ الشَّیٔ بَعْضِهٖ بِبَعْضٍ (قرطبی)

اَلْمِرْصَاد : اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَاد
مِرْصَاد اور مَرْصَدٌ : رصد گاہ اور انتظار گاہ کو کہا جاتا ہے جو کسی مقام بلند پر ہو جہاں بیٹھ کر کوئی شخص دُور دور تک کے لوگوں کو دیکھ سکے اور ان کے افعال و اعمال کی نگرانی کر سکے، مطلب آیت کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہر انسان کے تمام اعمال اور حرکات و سکنات کو دیکھ رہا ہے اور سب کو ان کی جزا و سزا دینے والا ہے (معارف)

قَدَرَ : قَدَرَ، فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ: اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے (ماجدی)
قَدَرٌ کے معنی اس معین وقت یا مقام کے آتے ہیں جو کسی کام کے لئے مقرر ہو چکا ہو جیسا کہ ارشاد ہے، اِلٰی قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ایک معین وقت تک، اور قَدَرْتُ عَلَیْهِ الشَّیٔ کے معنی کسی پر تنگی کرنے کے ہیں گویا وہ چیز اس کو معین مقدار میں دی گئی وَمَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ : جس کے رزق میں تنگی کر دی گئی اور فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ : کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے رزق کی ایک معین مقدار مقرر کر دی اور وسعت ختم کر دی ۔
قَدَرَ : ای ضَیَّقَ (قرطبی)

اَھَانَنِ : اَھَانَنِ فَیَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَھَانَنِ ، تو کہے میرے رب نے مجھے ذلیل کیا ۔ اَھَانَنِ : اس نے میری اہانت کی، اس نے مجھے ذلیل کیا ۔ اَھَانَ ۔ اِھَانَةٌ سے جس کے معنی ذلیل کرنے کے ہیں ماضی کا صیغہ ہے نون وقایہ کا ہے، اور ی متکلم مفعول کی محذوف ہے ۔

تَحَاضُّوْنَ : وَلَا تَحَاضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۔ تَحَاضُّوْنَ کے معنی

ایک دوسرے کو کسی کام پر ابھارنے اور
اکسانے کے ہیں ۔ یہ حضٌّ سے ماخوذ ہے
جس کے معنی ابھارنے اور برانگیختہ کرنے
کے ہیں ۔ اور مُحَاضَّۃٌ (مفاعلہ) کے معنی
ایک دوسرے کو رغبت دلانے اور ترغیب
دلانے کے ہیں ۔ تَحَاضُّوْنَ کی اصل تَتَحَاضُّوْنَ
ہے ۔ تَتَفَاعَلُوْنَ کے وزن پر باب تفاعل
سے، اور بعض قرار نے تُحَاضُّوْنَ تُفَاعَلُوْنَ
مجہول کے وزن پر پڑھا ہے مُحَاضَّۃٌ سے۔

تُرَاثَ : وَتَاْکُلُوْنَ التُّرَاثَ :
تُرَاثٌ : وراثت کا مال، میت کا ترکہ، یہ
اصل میں وُرَاثٌ ہے، واؤ کو تا سے
بدل دیا گیا ہے، اس طرح کی تبدیلیاں
عربی کلموں میں عام ہیں جیسا کہ تُجَاہٌ تُکَاۃٌ
کہ یہ اصل میں وُجَاہٌ اور وُکَاءَۃٌ ہیں (قرطبی)

لَمًّا : اَکْلًا لَّمًّا، لَمٌّ کے معنی جمع
کرنے سمیٹنے کے ہیں، یعنی حلال وحرام کی
تمیز کئے بغیر مال کو سمیٹ کر ہڑپ کر جاتے ہو
وھو الجمع بین الحرام والحلال (کشاف)
واَصْلُ اللَّمِّ فی کلام العرب الجمع (قرطبی)
لَمَمْتُ الشَّیْئَ کے معنی کسی چیز کو جمع کرنے
کے ہیں ۔ لَمَّ اللّٰہُ شَعْثَہٗ : اللہ نے
اس پر پراگندہ کاموں کو جمع کر دیا یعنی
ان کی اصلاح کر دی ۔

جَمًّا : حُبًّا جَمًّا، جَمٌّ کے معنی
کثیر کے ہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ تم مال کی محبت
کرتے ہو (معارف)
جَمَّ الْمَاءُ فِی الْحَوْضِ : حوض میں پانی
جمع ہو گیا، زیادہ ہو گیا ۔ الْجَمَّۃُ : وہ
مکان جس میں پانی جمع ہو جائے، جَمُوْمٌ
(بفتح الجیم) زیادہ پانی والا کنواں ۔
جُمُوْمٌ، جیم کے ضمہ کے ساتھ مصدر ہے
اور جَمٌّ اور جَامٌّ ۔ فاعل جَمَّ یَجُمُّ
جُمُوْمًا فَھُوَ جَمٌّ وَجَامٌّ ۔ وَالْجَمُّ
الْکَثِیْرُ (قرطبی)
الجمام کے معنی ہیں راحت کے لئے کسی جگہ
پر ٹھہرنا اور محنت مشقت چھوڑ دینا جُمَامُ
الْمَکُّوْکِ دَقِیْقًا : آٹے سے لبالب بھرا ہوا
مَکُّوْک، جس میں مزید گنجائش نہ ہو، معنی
کثرت کے لحاظ سے جُمَّۃٌ کا لفظ لوگوں کی
اس بڑی جماعت کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی
مصیبت کا بوجھ اٹھانے کے لئے جمع ہوتے
ہوں، اَلْجَمَّاءُ الْغَفِیْرُ اور الجَمُّ الْغَفِیْرُ
لوگوں کا ہجوم، بڑی جماعت (راغب)

دَکًّا : اِذَا دُکَّتِ الْاَرْضُ دَکًّا دَکًّا:
جب پست کر دی جائے زمین کوٹ کوٹ کر

لفظ دَکٌّ کے معنی کسی چیز کو ضرب مار کر توڑنے کے ہیں، مراد قیامت کا زلزلہ ہے جو پہاڑوں کو باہم ٹکرا کر ریزہ ریزہ کر دیگا، معارف اور زلزلے چونکہ یکے بعد دیگرے ہونگے اسلئے دکًّا دکًّا مقرر بیان فرمایا جس سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ قیامت کے یہ جھٹکے مسلسل ہونگے، دَکَّ الارضَ کے معنی ہیں سَوّٰی صَعُوْدَهَا وَهُبُوْطَهَا، زمین کی ہر چیز کو توڑ پھوڑ کر اس کے تمام نشیب فراز اور اونچ نیچ برابر کر دیئے (تدبر)

وَثَاقَ: وَلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗ اَحَدٌ اور نہ باندھ کر رکھے گا اسکا سا باندھنا کوئی معارف

وَثَاقٌ: بندش جکڑ - اَوْثَقَهٗ (افعال) کسی کو زنجیر میں، کس کر باندھنا۔

اَلْوَثَاقُ اور اَلْوِثَاقُ اس زنجیر یا رسی کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو کس کر باندھ دیا جائے (راغب)

یہاں لفظ وَثاق بمعنی ایثاق کے ہیں جس کے معنی جکڑنے اور باندھنے کے ہیں۔

والوَثَاقُ بمعنی الاِیْثَاقِ (قرطبی)

شرح الفاظ القرآن من سورة البلد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

البَلَدِ : لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ : بَلَدٌ سے مراد شہر مکہ معظمہ ہے۔ جمع بِلَادٌ آتی ہے۔

حِلٌّ : وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ، حِلٌّ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ حُلُول سے مشتق ہو جس کے معنی کسی شئے کے اندر سمانے، رہنے اور اترنے کے ہیں، اس اعتبار سے حِلٌّ کے معنی اُترنے والے اور رہنے والے کے ہونگے، اور مراد آیت کی یہ ہوگی کہ شہر مکہ خود بھی محترم اور مقدس ہے خصوصاً جبکہ آپ بھی اس شہر میں رہتے ہیں تو مکین کی فضیلت سے بھی مکان کی فضیلت بڑھ جاتی ہے اس لئے شہر کی عزت اور عظمت اور اس کی حرمت آپ کے اس مقیم ہونے سے دوہری ہوگئی۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ لفظ حِلٌّ مصدر حِلَّةٌ سے مشتق ہو جسکے معنی کسی چیز کے حلال ہونے کے ہیں اس اعتبار سے لفظ حِل کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ آپ کو کفار مکہ نے حلال سمجھ رکھا ہے، کہ آپ کے قتل کے درپے ہیں حالانکہ وہ خود بھی شہر مکہ میں کسی شکار کو بھی حلال نہیں سمجھتے مگر ان کا ظلم اور سرکشی اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ جس شہر میں جانور کا شکار تک حلال نہیں اس مقدس شہر میں مقدس رسول اور خدا کے نبی کا خون حلال سمجھ لیا گیا ہے، دوسرے معنی حِلٌّ کے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کے لئے حرم مکہ میں قتال کفار حلال ہونے والا ہے جیساکہ فتح مکہ میں صرف ایک روز کے لئے کفار کے قتل کی اجازت دی گئی، اس صورت میں یہ آیت فتح کی بشارت بھی ہوگی (کبیر۔ معارف)

كَبَدٍ : لقد خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ تحقیق ہم نے بنایا آدمی کو محنت میں (معارف) کَبَدٌ کے لفظی معنی محنت و مشقت کے ہیں معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی فطرت سے ایسا پیدا کیا گیا ہے کہ اول عمر سے آخر

تک محنتوں اور مشقتوں میں رہتا ہے، معارف
کَبِدٌ جگر کو کہتے ہیں اور کُبُدٌ اور کُبَادٌ، درد
جگر کو کہا جاتا ہے، اور الکَبَدُ مصدر کے
معنی جگر پر مارنے کے ہیں، کَبَدْتُ الرجُلَ
کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں جگر پر مارنا،
اور چونکہ جگر انسان کے وسط میں ہوتا ہے
اس لئے تشبیہ کے طور پر وسطِ آسمان کو کَبِدُ
السماءِ کہا جاتا ہے۔ تَکَبَّدَتِ الشمسُ کے
معنی ہیں سورج آسمان پر پہنچ گیا۔
امام قرطبی فرماتے ہیں، کَبِدٌ کے اصل معنی
شدت کے ہیں، اسی سے کہا جاتا ہے تَکَبَّدَ
اللَّبَنُ دودھ جم گیا، گاڑھا ہوگیا، جگر کو
بھی کبد اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ ایک گاڑھا
اور جما ہوا خون ہوتا ہے (قرطبی)

لُبَدًا ۔ يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا،
کہتا ہے میں نے کتنا مال اُڑا ڈالا (ماجدی)
مالًا لُّبَدًا کے معنی کثیر اور ڈھیروں
مال (تدبر) لُبَدٌ: مال کثیر، یہ لُبْدَۃٌ کی
جمع ہے جیسے غُرَفٌ جمع غُرْفَۃٌ کی،
اصل میں لِبْدَۃٌ، لِبْدٌ اور لُبْدَۃٌ کا معنی
ہے نمدہ اور گوند وغیرہ سے چپکایا ہوا اُون
اب یہ چپکایا ہوا گوند چونکہ تہ بہ تہ ہوتا ہے
اسی سے توسیع استعمال کے بعد مال کثیر پر بھی
اس کو بولا جانے لگا ہے، پھر آدمیوں کی کثیر
جماعت کو بھی جو باہم ہجوم کرنے اسی مناسبت
سے لِبَدٌ یا لُبَدٌ کہتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک
کی سورۂ جن میں گزرا۔ يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا
کافر ان کے گرداگرد ہجوم کر لینے کو تھے،
یعنی تہ بہ تہ جمی ہوئی اون کی طرح ان کے گرد
جمع ہوگئے (راغب)
لَبَدَ بِالمکان: اقامت کرنا، لَبَدَ بالارض:
زمین سے چمٹ جانا۔ ضرب-ن-اور س
سے آتا ہے۔

شَفَتَيْنِ : وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ اور
ایک زبان اور دو ہونٹ، شَفَتَيْنِ، شَفَۃٌ
کا تثنیہ ہے جس کے معنی ہونٹ کے ہیں۔
بعض کے نزدیک اس کا لام کلمہ ہا ہے اور
اس کی اصل شَفْهَۃٌ ہے۔ پھر ہائے اصلیہ
کو حذف کر دیا گیا، اور دوسری ہا جو تانیث
کی علامت تھی باقی رکھی گئی، اور بعض کے
نزدیک اس کی اصل شَفَوَۃٌ ہے، واو کو حذف
کرکے اس کا فتحہ ماقبل کو دیا گیا اسکی جمع
شِفَاہٌ اور شَفَوَاتٌ ہے (لغات القرآن)
الشَّفَةُ محذوفةُ اللام والاصل شَفَهَةٌ
بدليل تصغيرها على شُفَيْهَةٍ وجمعها
على شفاهٍ (جمل)

النَّجْدَيْنِ : وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ:
اور دکھلادیں اس کو دو گھاٹیاں (معارف)
نَجْدَيْنِ، تثنیہ نجد کا ہے جس کے لفظی معنی
اس راستے کے ہیں جو اوپر بلندی کی طرف
جاتا ہو، مراد اس سے کھلا واضح راستہ ہے
اور ان دو راستوں میں سے ایک خیر و فلاح
کا، دوسرا شر و ہلاکت کا راستہ ہے (معارف)
نَجْدٌ واحد، نُجُودٌ، اَنْجَادٌ و انجادٌ
جمع، اونچی زمین، روشن راستہ، نَجِدٌ
اور نَجِيدٌ بے نظیر، بہادر،
سعید بن مسیب، ضحاک اور حضرت علی
رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نَجْدَيْنِ سے
مراد ثَدْيَيْنِ یعنی (عورت کی چھاتیاں) ہیں
چونکہ یہ بچے کی زندگی کے لئے اس کے رزق
کے راستے ہیں۔ والنَّجْدُ: الطریق فی
الارتفاع (قرطبی)
علامہ راغب فرماتے ہیں کہ نَجْدَيْنِ سے مراد حق و
باطل، صدق و کذب اور حسن و قبح قول و
عمل کے لئے بطور مثال ذکر کیا گیا ہے اور بتایا
ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں راستے واضح کردیئے
ہیں جیسا کہ سورہ دہر کی آیت اِنَّا هَدَيْنٰهُ
السَّبِيْلَ میں اشارہ کیا گیا ہے، عرب کے
ایک خاص علاقے کا نام نجد ہے اس لئے کہ
وہ عام تہامہ کی زمین سے بلند جگہ پر واقع ہے
نَجَدَهُ الدَّهْرُ: زمانے نے اس کو قوی کر دیا،
یعنی تجربہ حاصل کر کے وہ قوی ہو گیا،

اِقْتَحَمَ : فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ -
اِقْتَحَمَ: وہ آ چڑھا، وہ گھس پڑا، یہ اقتحام
سے جس کے معنی بے دیکھے بھالے اپنے آپ کو کسی
شے میں جھونک دینے کے ہیں، ماضی کا صیغہ
ہے (لغات القرآن)
مولانا اصلاحی فرماتے ہیں کہ عقبہ کے معنی گھاٹی
کے ہیں اور اقتحام کے معنی چڑھائی چڑھنے یا
کوئی مشکل کام کرنے کے ہیں (تدبر)
علامہ فخر الدین رازی فرماتے ہیں، الاقتحام الدخول
فی الامر الشدید (کبیر)
یعنی اقتحام کے معنی مشکل معاملات اور زندگی
کے دشوار امور میں داخل ہونا ہے، قَحَمَ
يَقْحُمُ قُحُوْمًا و اِقْتَحَمَ اِقْتِحَامًا و
تَقَحَّمَ تَقَحُّمًا، اِذَا رَكِبَ الْقُحَمَ وَهِيَ
الْمَهَالِكُ وَالْاُمُوْرُ الْعِظَامُ (کبیر) بغیر
سوچے سمجھے مشکل امور میں پڑ جانا قَحَمَ فِي الْاَمْرِ
قُحُوْمًا، اپنے آپ کو مشکل میں ڈال دینا، کسی
خوفناک جگہ میں گھس جانا قَحَمَ الْفَرَسُ
فَارِسَهٗ: گھوڑا اپنے سوار کو لیکر خطرناک جگہ میں
جا گھسا، مِقْحَامٌ: نڈر، بے خطر، خطرناک مقام میں

جا گھسنے والا، اسکی جمع مَقَاحِیْمُ آتی ہے (راغب) ونقل القرطبی انّ الاقتحام : اَلرَّمْیُ بالنَّفس فِیْ شَیْءٍ مِنْ غیر رَوِیَّةٍ (قرطبی) وقال صاحب الکشاف الاقتحام: الدخول والمُجَاوَزَۃُ بشدّۃٍ ومشقۃ والقُحْمَۃُ: الشدّۃُ (کشاف)

اَلْعَقَبَۃ : العقبةُ ،طریق فی الجبل وَعْرٌ والجمع العُقَبُ والعقاب (کبیر) یعنی عقبہ پہاڑ میں دشوار گزار راستوں کو کہتے ہیں اس کی جمع عُقَبٌ اور عِقَابٌ ہے۔

حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ عقبہ پہاڑ کی بڑی چٹان کو کہتے ہیں اور دو پہاڑوں کے درمیانی راستہ کو یعنی گھاٹی کو بھی اور دشمن سے نجات حاصل کرنے میں یہ عقبہ انسان کی مدد کرتا ہے پہاڑ کے اوپر چڑھ کر دشمن سے اپنے آپکو بچانے یا پھر گھاٹی میں داخل ہو کر یہاں سے نکل جائے، معارف

اس جگہ طاعات اور عبادات کو عقبہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے کہ جس طرح عقبہ دشمن سے نجات دلانے کیلئے سبب بنتا ہے اسی طرح اعمال صالحہ عذاب آخرت سے نجات دلانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

مَسْغَبَۃٍ : فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَۃٍ ، یہ سَغَبٌ سے مشتق ہے جس کے معنی بھوک سے درماندہ ہونیکے ہیں اور پیاس سے نڈھال ہونے پر بھی اسکا استعمال ہوتا ہے۔ سَغِبَ یَسْغَبُ سَغْبًا وسُغُوْبًا وَھُوَ سَاغِبٌ اور صفت کا صیغہ سَغْبَانٌ بھی آتا ہے جیسے عَطْشَانٌ : پیاسا ، یقالُ سَغِبَ سَغْبًا۔ إذا جاعَ فھو ساغِبٌ وسَغْبَانٌ (کبیر) والسَّغَبُ : الجوعُ : والسَّاغِبُ الجائعُ (قرطبی) یعنی سَغَبٌ کے معنی بھوک کے ہیں اور ساغب فاعل ہے یعنی بھوکا مَسْغَبَۃٌ اسم مصدر ہے

مَقْرَبَۃٍ : قرابت دار، رشتہ دار، مَقْرَبَۃ قرابت کے معنی میں ہے۔

مَتْرَبَۃ : ذَا مَتْرَبَۃٍ ، خاک نشین محتاج

مولانا عبدالماجدؒ دریابادی لکھتے ہیں کہ مَسْغَبَۃ سَغَبٌ کے معنی میں اور مَقْرَبَۃ قرابت کے معنی میں اور مَتْرَبَۃ فقر کے معنی میں تینوں مصدر میمی ہیں (حاشیہ ماجدی) تُرَاب : مٹی، خاک اور زمین وغیرہ پر بولا جاتا ہے اسی سے مَتْرَبَۃ سخت ناداری کو کہا جاتا ہے، ایسی مفلسی جو مفلس کو خاک میں ملا دے، اٹھنے کی سکت نہ چھوڑے، تَرِبَ، تَرَبًا و مَتْرَبَۃً محتاج ہوگیا اور اَتْرَبَ (باب افعال) محتاج ہوگیا، گویا مٹی سے چمٹ گیا، اور اَتْرَبَ کے معنی مالدار ہونیکے بھی آتے ہیں وہ کثیر المال ہوگیا گویا یہ اضداد میں سے ہے، اور کسی پر مٹی ڈالنے کو بھی اتراب کہتے ہیں، اَتْرَبَ الشَّیْءَ کسی چیز پر مٹی ڈالنا۔ وقال الرازی فی تفسیرہ الکبیر : ای

مِسْكِينًا قَدْ لَصِقَ بِالتُّرَابِ مِنْ فَقْرِهٖ وَضُرِّهٖ (کبیر)

فَكُّ : فَكُّ رَقَبَةٍ : غلامی سے آزاد کرنا۔ فَكٌّ کے اصل معنی جدا کر دینے کے ہیں جیسے فَكُّ الرَّهْنِ : گروی چیز کو چھڑانا، فَكُّ الرَّقَبَةِ : گردن کا آزاد کرنا، علامہ راغب فرماتے ہیں کہ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد غلام کا آزاد کرانا ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ کلمات طیبہ اور اعمالِ صالحہ کے ذریعہ انسان کا اپنے آپ اور دوسروں کو عذابِ الٰہی سے آزاد کرانا مراد ہے، علامہ قرطبی نے حضرت براء ابن عازب کی روایت کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ وَفَكٌّ فَكُّ الرَّقَبَةِ أَنْ تُعِيْنَ فِيْ ثَمَنِهَا۔ فَكُّ الرَّقَبَةِ سے سے مراد ثمن میں مدد کرنا ہے اور یہ مکاتب کیلئے ہو سکتا ہے، وَالْفَكُّ هُوَ حَلُّ الْقَيْدِ (قرطبی)

الصَّبْرِ : وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ، لفظ صبر پر کلام گزر چکا ہے، اس کا اصل مفہوم عزیمت اور استقامت ہے

مَرْحَمَةٍ : مَرْحَمَة، ہمدردی، رحمت، مصدر میمی ہے اصل مادہ رحمۃ ہے۔

الْمَيْمَنَةُ : الْمَيْمَنَةُ، سیدھا ہاتھ دائیں سمت۔ اَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ سے مراد اہل جنت ہیں، اصل مادہ یُمْنٌ ہے جو خیر و برکت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

الْمَشْئَمَةِ : بائیں جانب، شُؤْمٰی : بائیں طرف، شام، کعبہ کی بائیں طرف کا ملک شام، شِيْمَةٌ : طبیعت، عادت

مُؤْصَدَةٌ : الوَصِيْدُ، اس احاطہ کو کہتے ہیں کہ جو مویشی کے لئے پہاڑ میں بنا لیا جائے، اسی سے اَوْصَدْتُ الْبَابَ وَآصَدْتُهٗ کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں میں نے دروازہ کو بند کر دیا، اسی سے مُؤْصَدَةٌ اسم مفعول مؤنث ہے، عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ کے معنی یہ ہیں کہ آگ کو ان پر بند کر دیا جائے گا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی ان سے جدا نہ ہو، اَوْصَدْتُ سے اسم الوِصَاد آئے گا اور آصَدْتُ سے الْإِصَادُ بمعنی بندش اور ڈھکائی،

وَصَدَ يَصِدُ وَصْدًا، وَصَدَ بِالْمَكَانِ : اقامت کرنا، ثابت رہنا۔ سورۂ کہف میں بھی اس پر بحث گزر چکی ہے۔

وَاَهْلُ اللُّغَةِ يَقُوْلُوْنَ : اَوْصَدْتُ الْبَابَ وَآصَدْتُهٗ، اَيْ اَغْلَقْتُهٗ (قرطبی)

تمت

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الشمس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضُحٰی : وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا۔ ضُحٰی، اس وقت کو کہا جاتا ہے جب آفتاب طلوع ہوکر کچھ بلند ہوجائے اور اس کی روشنی زمین پر پھیل جائے، اس وقت وہ انسان کے قریب ہوتا ہے، یعنی انسان اس کو صاف دیکھ سکتا ہے، والمعروف عند العرب اَنَّ الضُّحٰی اذا طلعت الشمسُ وبعید ذالك قلیلاً فاذا زاد فهو الضَّحاءُ (بالمد) قرطبی۔ یعنی عرب کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ ضُحٰی سورج نکلنے کے تھوڑی دیر بعد کا وقت ہے، جب اس سے زیادہ ہوجائے تو ضُحَاءٌ مد کے ساتھ بولتے ہیں۔

ابن خالویہ لغوی لکھتے ہیں کہ ضُحٰی مقصود ہے مثل هُدٰی کے اور لفظ ضُحٰی مؤنث ہے۔ اس کی تصغیر ضُحَیَّۃٌ ہے اور بہتر یہ ہے کہ اس کی تصغیر میں ضُحَیٌّ کہا جائے تاکہ اس کی تصغیر ضَحْوَۃٌ کی تصغیر سے مشابہ نہ ہو۔

شیخ مجد الدین فیروزآبادی نے قاموس میں اور علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں اسکی تصریح کی ہے کہ ضُحٰی مذکر بھی استعمال ہوتا ہے، علامہ ابو الفضل جمال قرشی اور امام التفسیر القرطبی نے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ جس نے اس کو مؤنث کہا ہے اس نے اس کو ضَحْوَۃٌ کی جمع کہا ہے اور جس نے مذکر کہا ہے انکے نزدیک یہ فُعَلٌ کے وزن پر اسم ہے، جیسے صُرَدٌ ہے اور ظرف غیر متمکن ہے جیسے سَحَر۔

علامہ محمود آلوسیؒ نے روح المعانی میں نقل کیا ہے کہ سورج نکلنے کے بعد کا بالکل ابتدائی وقت ضَحْوَۃٌ ہے اور اس کے بعد متصل وقت ضُحٰی ہے اور اس کے بعد کا وقت جو زوال کے قریب ہوتا ہے وہ ضَحَاءٌ بالمد ہے (روح)

تَلٰی : اذا تلاها، جب اس کے بعد پیچھے چلے، اصل میں تلی کا استعمال کسی چیز کی متابعت اور پیروی کرنے کے لئے ہوتا ہے پیروی کبھی جسم کے ذریعہ پیچھے پیچھے چلکر ہوتی ہے اور کبھی حکم کی اقتدار کرنے سے، اس صورت میں اس کا مصدر تُلُوٌّ اور تُلُوٌّ ہے اور کبھی پیروی پڑھنے اور معنی میں غور کرنے

سے حاصل ہوتی ہے اسکا مصدر تِلَاوَةٌ
استعمال ہوتا ہے اور آیتِ کریمہ میں تَلٰهَا
سے مراد اتباع بر سبیل اقتداء اور مرتبہ
میں پیچھے ہونا ہے کیونکہ چاند کی روشنی
آفتاب سے لی ہوئی ہے اور وہ آفتاب
کی بمنزلہ خلیفہ ہے (لغات القرآن)
يُقَالُ تَلَوْتُ فُلَانًا : اذا تبعہٗ (قرطبی)

جَلّٰى : وَالنَّهَارِ إِذَا جَلّٰهَا، جَلّٰى
تَجْلِيَةٌ، کسی چیز کو خوب ظاہر کرنا، واضح کرنا

مَا : وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنٰهَا : اس آیت
میں لفظ مَا کے بارے میں دو قول ہیں ایک
یہ کہ مَا مصدریہ ہے اور دوسرا یہ کہ مَا
بمعنی مَنْ ہے اس میں سیاق نظم کے اعتبار
سے زیادہ واضح بات یہ ہے کہ بَنٰهَا میں
ما کو مصدریہ قرار دیکر معنی یہ لئے جاویں
کہ قسم ہے آسمان اور اس کے بنانے کی
جیسا کہ قرآن پاک میں ایک دوسرے مقام
پر ارشاد ہے، بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ - اَیْ
بِغُفْرَانِ رَبِّيْ حضرت قتادہ کا قول یہ
ہی ہے، اور مُبرد نحوی نے اسی قول کو اختیار
کیا ہے اسی طرح آیت وَمَا طَحٰهَا میں مَا
بمعنی مصدر لیکر ترجمہ یہ ہوگا کہ قسم ہے زمین
اور اس کے بچھانے پھیلانے کی - کیونکہ
طَحْوٌ مصدر کے معنی بچھانے پھیلانے
کے ہیں، اس میں آسمان کے ساتھ بنانیکا
اور زمین کے ساتھ بچھانے پھیلانے کا
ذکر اسی حالتِ کمال کو بتلانے کے لئے ہے
کہ قسم ہے آسمان کی اس حالت میں جبکہ
اس کی تخلیق و تکوین مکمل ہوگئی اور قسم ہے
زمین کی جبکہ اس کو پھیلا کر اس کی تخلیق
مکمل کر دی گئی، صاحبِ کشاف، بیضاوی
اور قرطبی نے اسی کو اختیار کیا ہے (معارف)
دوسرا احتمال یہ ہے کہ ما بمعنی مَنْ لیا
جائے اس صورت میں اس سے مراد خود
حق تعالیٰ کی ذات مقدسہ ہوگی۔ اور ترجمہ
یوں ہوگا کہ قسم ہے آسمان کی اور اس کے
بنانے والے کی۔

وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا اور زمین کی اور
اس کے پھیلانے والے کی وَنَفْسٍ وَّمَا
سَوّٰىهَا۔ قسم ہے انسانی جان کی اور اس
کے برابر درست کرنے والے کی۔ اور اگر
مصدریہ لیا جائے تو ترجمہ یہ ہوگا کہ قسم ہے
انسانی جان کی اور اس کے درست متناسب
بنانے کی، ما مصدریہ لینے کی صورت
میں وہ شبہ بھی نہیں ہوتا جس کو علامہ رازی
نے ذکر کیا ہے کہ مخلوق کو ذات خالق پر

مقدم کیسے کیا گیا۔ علامہ ابن جریر طبری نے مَا کو معنی مَنْ لینے کو ترجیح دی ہے اگرچہ جائز دوسرے احتمال کو بھی کہا ہے اور زمانۂ حال کے اُردو مفسرین میں سے اکثر نے ما مصدریہ ہی مراد لیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب اور مولانا اصلاحی صاحب نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

بَنٰی : بَنٰی، وَمَا بَنٰهَا۔ یہ بِنَآءٌ سے ماضی کا صیغہ ہے۔ بَنٰهَا: اس کو بنایا، اس کو استوار کیا،

طَحَا : وَمَا طَحٰهَا طَحٰی یَطْحٰی۔ طَحْوًا، کسی چیز کو پھیلانا، بچھانا یہ دَحْوٌ کے ہم معنی ہے۔

حسن بصریؒ اور مجاہد کا قول ہے کہ طَحٰهَا اور دَحٰهَا کے ایک ہی معنی ہیں۔ والطَّحْوُ اَلْبَسْطُ (قرطبی) لفظ طَحَا عربی زبان میں کئی معنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، ایک معنی خَلَقَ کے ہیں، طَحٰهَا اَیْ خَلَقَهَا

ایک شاعر کا قول ہے ؎

وَمَا تَدْرِیْ جذیمۃ من طَحَاهَا
وَلَا مَنْ سَاکِنُ الْعَرْشِ الرَّفِیْعِ

عرب کے بعض قبائل میں طَحَا بمعنی روشن ہونے کے بھی آتا ہے، چنانچہ کہتے ہیں، لَا وَالْقَمَرِ الطَّاحِیْ، چمکنے والے چاند کی قسم اور طَحَا فِی الْاَرْضِ: زمین میں سفر کرنا، چلنا، محاورہ ہے۔ مَا اَدْرِیْ اَیْنَ طَحَا، معلوم نہیں کہاں چلا گیا۔ علقمہ شاعر کا ایک قول ہے، طَحَا بِكَ قَلْبٌ فِی الْحِسَانِ طَرُوْبٌ تجھے حسن پرست دل کہاں سے کہاں لے گیا۔

طَحَا، لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ طَحَا الشَّیْءَ: دفع کرنا، لمبا کرنا، پھیلانا، اور طَحَا الشَّیْءُ: پھیلنا، دراز ہونا طَحَا الْقَمَرُ: چاند کا روشن ہونا۔ مَظَلَّةٌ طَاحِیَۃٌ: بڑی چھتری

سَوّٰهَا : یہ تَسْوِیَۃٌ سے ماضی کا صیغہ ہے۔ کسی چیز کو ہموار کرنا، جیسا کہ اَلَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ، یہاں سَوّٰا سے مراد انسان کی خلقت کو بتقاضائے حکمت مکمل کرنا ہے، اصل میں تَسْوِیَۃٌ کے معنی کسی چیز کے بلندی اور پستی میں برابر بنانے کے ہیں۔ وقال مجاهد سَوّٰهَا سَوّٰی خَلْقَهَا وَعَدَّلَ (قرطبی)

اَلْهَمَ : فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا۔ پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری کا اس کو القا کیا (بیان القرآن)

اَلْهَمَهَا : اس کو سمجھ دی، اس کو اقرار کیا، اَلْهَمَ، اِلْهَامٌ سے ہے جس کے معنی کسی چیز کے دل میں ڈال دینے کے ہیں ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے، اور لَہْمٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی نگلنے کے ہیں چونکہ الہام کے ذریعہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل میں ایک بات اُتاری جاتی ہے اسواسطے اس کا نام الہام ہوا (لغات القرآن)

لیکن الہام کا لفظ ایسی بات کے القاء کے ساتھ مخصوص ہو چکا ہے جو اللہ تعالیٰ یا ملاء اعلیٰ کی طرف سے کسی کے دل میں ڈالدیا جائے (راغب)

زَكّٰى : قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔ الزکاۃ کے اصل معنی اس نُمُوٌّ اور افزونی کے ہیں جو برکتِ الٰہیہ سے حاصل ہو اس کا تعلق دُنیاوی چیزوں سے بھی ہے اور اُخروی اُمور کے ساتھ بھی۔ زَكَى الزرعُ يَزْكُوْا کھیتی کا بڑھنا اور پھلنا پھولنا۔ واصل الزکاۃ النُّمُوُّ والزیادۃُ (قرطبی۔ راغب)

اس مادہ کی تحقیق گزر چکی ہے۔

خَابَ : قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا : تو جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ خسارے میں رہا۔ خَابَ يَخِيْبُ خَيْبَةً کے معنی ہیں ناکام ہونا اور مقصد کا فوت ہوجانا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ اور ہر سرکش ضدی نامراد ہوگیا۔

دَسّٰى : دَسّٰهَا، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دسّٰی دَسٌّ سے مشتق ہے جس کے معنی زمین میں دفن کردینے کے ہیں، کما قال تعالیٰ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ، مولانا اصلاحی صاحب لکھتے ہیں کہ دَسّٰهَا دَسٌّ کے مادہ سے ہے جس کے معنی کسی چیز کو خاک میں ڈھانک دینے کے اور مٹی میں ملا دینے کے ہیں۔ یہی لفظ بدل کر دَسّٰهَا ہوگیا ہے اور اس تبدیلی سے اس کے اندر مبالغہ کا مفہوم پیدا ہوگیا ہے یعنی اس کو بالکل خاک میں ملا دیا (تدبر)

صاحبِ جمل علامہ سمین کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ دَسّٰی اصل میں دَسَّسَ ہے جس کے اندر تین سین ہیں کثرت استعمال کی وجہ سے آخری سین حرف علت سے تبدیل ہوگیا ہے جو یہاں الف ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اہلِ لغت کہتے ہیں کہ دَسّٰهَا، تَدْسِيْسٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسری چیز میں چھپا دینا۔ مطلب یہ ہے کہ اس مجرم نے اپنے آپ کو گناہوں میں چھپا دیا ہے،

اس کا ایک سین یار سے تبدیل کر لیا گیا ہے اور اس طرح کی تبدیلیاں کلام عرب میں عام ہیں جیساکہ قَصَّيْتُ اَظْفَارِیْ ، یہ اصل میں قَصَصْتُ ہے ، اسی طرح تَقَضِّی کہ اس کی اصل تَقَضُّضْ ہے (قرطبی)

شیخ محمد علی الصابونی لکھتے ہیں ، واصلُ الکلمۃ دَسَّسَهَا اُبْدِلَتِ السِّیْنُ الثانیۃ الفًا تخفیفًا (صفوۃ)

طَغْوٰی : طَغْوٰی ، كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا ، قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر تکذیب کی ۔ طَغْوٰی طُغْيَانٌ سے اسم ہے جیسے کہ دَعْوٰی ۔ دُعَاءٌ سے ۔

علامہ شوکانی نے تفسیر فتح القدیر میں مفسرین کا قول علامہ واحدی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطُغْيَانِهَا ..... اَیْ الطغیانُ حَمَلَتْهُمْ علی التکذیب ثمود نے اپنی طغیانی کی بناء پر تکذیب کی ، یعنی طغیان نے ان کو جھٹلانے پر مجبور کر دیا طغیان کے معنی معاصی میں حد سے گزر جانے کے ہیں اور یار بطغوی میں سببیت کے لئے ہے ۔ بعض مفسرین نے طغوٰی سے مراد وہ عذاب لیا ہے جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا تھا ۔ عذاب کو طغوٰی اس لئے کہا گیا کہ عذاب نے ان سرکشوں پر طغیانی کی تھی اس صورت میں حرف بار تعدیہ کے لئے ہوگا (فتح القدیر)

طَغْوٰی ، اصل میں طَغْيَا تھا ، ی کو واؤ سے بدل دیا گیا ہے تاکہ اسم اور صفت میں فرق باقی رہے اور اہل عرب کا دستور ہے کہ وہ اکثر اسمار میں ی کو و سے بدل لیتے ہیں جیسے کہ تَقْوٰی اور سَرْوٰی وغیرہ

اِنْبَعَثَ : اِنْبَعَثَ ، اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰهَا ، جب اس قوم کا سب سے بڑا بدبخت اُٹھ کھڑا ہوا (ماجدی)

انبِعَاث ، کے معنی اُٹھنے اور کمربستہ ہونے کے ہیں (تدبر) یہ باب انفعال ہے ۔

اَشْقٰی : یہ شَقَاوَۃٌ سے افعل التفضیل کا صیغہ ہے بڑا بدبخت ، بڑا بدقسمت ، یہاں قوم ثمود نے اُس بڑے بدبخت کا تذکرہ ہے جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں ، مفسرین نے اس کا نام قدار بن سالف لکھا ہے یہ غلام کے وزن پر ہے ، قدار کے معنی اصل میں اونٹ ذبح کرنے والے کے ہیں ، اہل عرب میں نحوست ضرب المثل ہے ، چنانچہ کہا جاتا ہے ۔ هُوَ اَشْاَمُ مِنْ قُدَارٍ یعنی

یعنی فلاں آدمی قدار سے بھی زیادہ منحوس ہے
بخاری میں حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ
عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے ایک مرتبہ اثنار خطبہ میں ارشاد فرمایا
کہ ایک بے مثل سخت خبیث اور مفسد
جو اپنی قوم میں صاحب شوکت اور قوت
تھا جیسے ابوزمعہ ہے وہ اس ناقہ کا
خاتمہ کرنے کے لئے کھڑا ہوا۔ بعض مفسرین
نے یہاں ایک روایت نقل کی ہے کہ آپؐ
نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہیں
معلوم ہے کہ اشقی الناس کون ہے ؟
حضرت علی نے فرمایا کہ اللہ اور رسول ہی
بہتر جانتے ہیں، تو فرمایا کہ وہ قوم ثمود کا
وہ شخص ہے جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی
تھیں۔ پھر فرمایا کہ دوسرا بدترین بدبخت
وہ ہوگا جو تمہیں قتل کرے گا، تمہارے
سر پر ضرب لگائے گا جس سے تمہاری
ڈاڑھی خون سے تر ہو جائے گی، مگر اس روایت
کے ایک راوی محمد بن خیثم المحاربی کو امام
بخاری ضعفار میں شمار کرتے ہیں، علاوہ
ازیں اس کے راویوں کا سماع بھی آپس
میں ثابت نہیں ہے اور درایت کے بھی
خلاف ہے کسی غالی رافضی کی گھڑت ہے،

مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی نے اپنی
کتاب لغات القرآن میں میزان الاعتدال
کے حوالہ سے اس روایت پر جرح نقل
کی ہے، والطغوی، مصدر من الطغیان
بمعنی تجاوز الحد فی العصیان (رح)
طغوی واوی اور یائی دونوں طرح آتا ہے
طَغَوْتُ اور طَغَیْتُ دونوں کے معنی
ایک ہی ہیں۔

عَقَرُوْا : عَقَرُوْا، عَقَرَ کے معنی
اونٹ کی کونچیں کاٹ دینے کے ہیں، اس
کے بعد اونٹ لازماً مر جاتا ہے، اس لئے
لازم معنی کے طور پر قتل کے لئے بھی عقر
کا لفظ استعمال ہوتا ہے لیکن اسکا اصل
مفہوم کونچیں کاٹنے کا ہی ہے (تدبر)
عَقَرَ یَعْقِرُ عَقْرًا : زخمی کرنا، ذبح کرنا،
عَقَرَ الْاِبِلَ : اونٹ کی کونچیں کاٹنا،
عَقَرَ بِہٖ : کسی کو چلنے سے روک دینا (منجد)

دَمْدَمَ : دَمْدَمَ، دَمْدَمَ عَلَیْہِمْ :
دَمْدَمَ کا لفظ ایسے سخت عذاب کے لئے
بولا جاتا ہے جو کسی شخص یا قوم پر بار بار آئے
یہاں تک کہ انکو بالکل فنا کر دے (معارف)
بعض نے کہا ہے کہ دَمْدَمَ اسم صوت ہے
بلی کی آواز کی حکایت کو کہتے ہیں۔

دَمْدَمَ فُلَانٌ فِیْ کَلَامِہٖ : اس نے پریشان کُن سی بات کی ۔ بَعِیْرٌ مَدْمُوْمٌ الشَّحْمِ : موٹا اونٹ چربی والا ،
وَالدَّمْدَمَۃُ - اِھْلَاکٌ بِاسْتِیْصَالٍ (قرطبی)
الدَّمْدَمَ ، اطباق الشَّیْئِ عَلَی الشَّیْئِ یُقَالُ دَمْدَمَ عَلَیْہِ الْقَبْرَ ای اطبقہ (صابونی)
عُقْبٰی : عُقْبٰی ، وَلَا یَخَافُ عُقْبٰھَا ،
عُقْبٰی : عاقبت ، بدلہ ، انجام ، علامہ ابوحیان اندلسی فرماتے ہیں کہ العُقْبٰی خَاتِمَۃُ الشَّیْئِ وَمَا یَجِیْئُ مِنَ الْاُمُوْرِ عَلٰی عُقْبٰی (بحر) یعنی عُقْبٰی کے معنی ہیں کسی چیز کا انجام اور جو باتیں اس چیز کے بعد پیش آئیں یہاں عُقْبٰی سے مراد ہلاکت کے پیدا ہونے والے نتائج ہیں ۔ آیت کا مدعا یہ ہے کہ خدا قادرِ مطلق ہے اس کو اس بات کا کوئی خوف نہیں کہ ان کو ہلاک کرنے کے بدلہ میں ان کے خلاف کوئی طاقت انتقامی کارروائی کرے گی ۔

تمت

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سَعْیَ : اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی : بے شک تمہاری کوششیں مختلف ہیں (ماجدی)

السَّعْیُ ، تیز چلنے کو کہتے ہیں اور یہ عَدْوٌ سے کم درجہ کی رفتار ہے ، مجازاً کسی کیلئے کوشش کرنے پر اس کا استعمال ہوتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے ۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں ، اَلسَّعْیُ العَمَلُ (قرطبی)

یعنی سَعْیٌ سے مراد عمل کرنا ہے ، فَلَمَّا بَلَغَ مَعَہُ السَّعْیَ : جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچے ، یعنی جب ان کا بیٹا انکے ساتھ کام کاج کی عمر کو پہنچا (راغب)

لفظ سَعْیٌ جدّ و جہد کے معنی میں بھی آتا ہے اور نتیجہ جد و جہد یعنی کمائی کے معنی میں بھی یہاں اسی دوسرے معنی میں ہے ، قرآن میں اس معنی کی نظیر موجود ہے مثلاً فرمایا ، وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی وَاِنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی (النجم) اور یہ کہ انسان کو نہیں ملے گی مگر اپنی کمائی ۔ اور بے شک اسکی کمائی ملاحظہ میں آئیگی (تدبر)

شَتّٰی : شَتّٰی جمع ہے شَتِیْتٌ کی جیسے مَرْضٰی جمع ہے مَرِیْضٌ کی ، اسکے معنی متفرق اور الگ الگ کے ہیں ۔ اصل میں الشَّتُّ کے معنی قبیلہ کے مختلف ہونے کے ہیں ۔ شَتَّ جَمْعُہُمْ شَتًّا انکی جمعیت متفرق ہوگئی ۔ جَاءُوْا اَشْتَاتًا : پراگندہ حالت میں آتے ۔ مختلف اور الگ الگ چیزوں کو شتّٰی باعتبار ایک دوسرے سے دُور ہونے کے کہا جاتا ہے ، جیسے کہ نیکی اور بدی کفر اور ہدایت ، طاعت و نافرمانی ، وقال القرطبی شتّٰی واحدہ شَتِیْتٌ مثل مریض و مرضٰی ۔ وانما قیل للمختلف شتّٰی ۔ لتباعد ما بین بعضہ وبعضہ (قرطبی)

وَالشَّتَاتُ ھُوَ الْاِفْتِرَاقُ (جمل) وفی المصباح شَتَّ شَتًّا مِنْ باب ضَرَبَ اذا تفرّق والاسمُ الشّتاتُ (جمل) وقومٌ شتّٰی ، متفرق لوگ ، مطلب یہ ہے کہ جس طرح رات اور دن اور نر اور مادہ ایک

دوسرے سے مختلف ہیں اور ان میں سے ہر دو کے آثار ونتائج باہم متضاد ہیں اسی طرح جن راہوں اور مقاصد میں تم لوگ اپنی کوششیں صرف کر رہے ہو وہ بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے مختلف اور اپنے نتائج کے اعتبار سے متضاد ہیں
أَشَتَّ الأَشْيَاءَ: چیزوں کو متفرق کر دیا، بکھیر دیا
أَشَتَّ فِيْ قَوْمِيْ: میری قوم نے میرے کاموں کو پراگندہ کر دیا،

اَلْحُسْنٰى: وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى، اور اچھی بات کو سچا سمجھا یعنی دینِ اسلام کی تصدیق کی، الحُسْنٰی سے مراد دین اسلام ہی ہے (ماجدی) حضرت حسنؓ کا قول ہے کہ حُسْنٰی سے مراد کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے، اور مجاہد کے نزدیک حُسْنٰی سے مراد جَنَّۃٌ ہے، ایک آیت سے اسکی تصدیق بھی ہوتی ہے، لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ (سورۂ یونس آیۃ ۲۶) حُسْنٰی بروزن فُعْلٰی اسم تفضیل مؤنث ہے۔

نُيَسِّرُهٗ: فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى، نُیَسِّرُ باب تفعیل کے مصدر تَیْسِیْرٌ سے جمع متکلم کا صیغہ ہے، ہم اسکو چلائیں گے، اس کے لئے آسانی کریں گے۔ سَیْرٌ مجرد باب ضَرَبَ سے لازم ہے چلنا حرف باء کیساتھ متعدی ہوتا ہے جیسا کہ سَارَ بِاَهْلِهٖ وہ اپنے گھر والوں کو لیکر چلا، اور متعدی بنفسہ بھی ہوتا ہے جیساکہ سَیَّرَہٗ میں اسکو لیکر گیا۔

اَلْيُسْرٰى: یُسْرٰی، یہ اسم تفضیل مؤنث ہے، اس کا مذکر اَیْسَرُ آتا ہے یُسْرٌ مصدر ہے مراد اس سے شریعت ہے اور بعض حضرات کے نزدیک وہ اعمال مراد ہیں جو حصولِ جنت کا ذریعہ ہیں (قرطبی)

يُسْرٰى: کے لفظی معنی ہیں آسان اور آرام دہ چیز جس میں مشقت نہ ہو مراد اس سے جنت ہے (معارف) یہ صفت ہے اس کا موصوف محذوف ہے اصل یہ ہے العَاقِبَۃُ الیُسْرٰی، مقصد یہ ہے کہ جو شخص نیکی کی راہ اختیار کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس راہ کی مشکلات آسان کر دیتا ہے۔

عُسْرٰى: اس کے لفظی معنی مشکل اور تکلیف دہ چیز کے ہیں، مراد جہنم ہے (معارف) تاج العروس میں ہے کہ مفسرین نے عُسْرٰی سے مراد عذاب لیا ہے اور یہ اَعْسَرُ کی اسم تفضیل مؤنث ہے۔

مَآ: وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى، یہ مَا نافیہ بھی ہو سکتا ہے اور سوالیہ بھی، دونوں صورتوں میں نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، نافیہ کی صورت میں اس کا ترجمہ یہ ہوگا، اسکا مال اسکے کام نہ آئے گا جب وہ ہلاک ہو گیا۔

اور سوالیہ کا ترجمہ یہ ہوگا، اس کا مال اس کے
کیا کام آئے گا جب وہ ہلاک ہوگیا۔
وَمَا يُحْتَمَلُ اَنْ يَكُوْنَ جحدًا ای ولا يغنى
عنه مَالُهٗ شَيْئًا وَيُحْتَمَلُ اَنْ يكون
استفهامًا معناه التوبيخ۔ اَیْ ایُّ
شیءٍ یغنی عنہ اذا ھلك ووقع فی جھنّمَ
(قرطبی)

تَرَدّٰی: اس کے لفظی معنی گڑھے میں گر جانے
اور ہلاک ہوجانے کے ہیں مراد یہ ہے کہ موت
کے بعد قبر میں اور پھر قیامت میں جب وہ
جہنم کے گڑھے میں گریگا تو یہ مال اس کو کچھ
نفع نہ دیگا (معارف)
تَرَدِّیٌ، گڑھے میں گرنا اور اپنے آپ کو
ہلاکت کے لئے پیش کرنا، رَدِیَ الرَّجُلُ
يَرْدٰی رَدًی، ہلاک ہوگیا، رَدِیَ فِی
البِئْرِ: کنویں میں گرنا، محاورہ ہے مَا اَدْرِی
اَیْنَ رَدِیَ: یعنی معلوم نہیں کہاں کھپ گیا،
کدھر چلا گیا (قرطبی)
تَرَدّٰی: اَیْ هَلَكَ تَفَعَّلَ مِنَ الرَّدٰی
وھو الھلاك (روح)

تَلَظّٰی: نَارًا تَلَظّٰی، بھڑکتی آگ،
لَظِيَتِ النَّارُ وتَلَظَّتْ: آگ بھڑک اٹھی
اور لَظٰی آگ کے اس شعلے کو کہا جاتا ہے جس
میں دھواں نہ ہو۔

اَتْقٰی: الاتقی، مکمل اطاعت حق کا خوگر
بڑا ڈرنے والا، بڑا پرہیزگار، وَقٰی سے افعل التفضیل
ہے، اصل میں اَوْقٰی تھا واؤ کو تاء سے بدل لیا
گیا ہے مراد اس سے حضرت ابوبکر صدیق ہیں،
جیسا کہ امام فخر الدین رازی اور اکثر اہل تفسیر نے
نقل کیا ہے یہ آیات صدیق اکبر کی اعلیٰ صداقت
کی مظہر اور خدا کی طرف سے ان کو جنت میں اعزاز
کے ساتھ داخل کرنے پر نص قطعی ہے اور صیغہ اَتْقٰی
کو مطلق بیان کرکے یہ بات واضح کردی کہ صفت
تقویٰ میں آپ تمام افراد ملت سے زیادہ متقی
ہیں، انہی صفات حمیدہ اور اخلاق عالیہ کی
بناء پر خدا نے آپ کو شرف خلافت بلافصل سے
نوازا۔

يُجَنَّبُهَا: وَسَيُجَنَّبُهَا، اور اسے بچالیا
جائیگا، اسے محفوظ رکھا جائیگا یہ تَجْنِيْبٌ
سے مضارع مجہول ہے، جَنَبَ ہٹانا، الگ
کرنا، دور کرنا۔ جَنَبَ اِلَیْہِ: اُدھر جھکا،
اس کی طرف مائل ہوا، جَنُبَ جَنَابَۃً: ناپاک
ہونا، اِجْتَنَبَ: بچا رہا محفوظ رہا، ذات الجنب
نمونیہ، پہلو کا درد۔ جَنَبَہٗ وجَنَّبَہٗ اسے ہٹادیا
رَجُلٌ جَنِبٌ: کنارہ کش، وَاجْنُبْنِیْ: مجھے
بچائے رکھ، مجھے دور رکھ۔ تَمَّتْ

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الضحیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ضُحٰی : ضُحٰی ۔ وَالضُّحٰی وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ، قسم دھوپ چڑھتے وقت کی اور رات کی جب چھا جائے ، ضُحٰی چاشت کے وقت کو کہتے ہیں جب دن کی سرگرمیوں کا آغاز ہوتا اور انسان رات میں آرام کے بعد از سرِ نو تازہ دم ہو کر جدوجہد کے میدان میں اُترتا ہے (تدبر) دیکھئے سورۂ شمس ،

سَجٰی : سَجٰی کے معنی رَکَدَ اور سَکَنَ کے ہیں ، یعنی ٹک جانے اور ساکن ہو جانے کے آتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ یہاں رات کا وہ وقت پیشِ نظر ہے جب وہ دن کے شور و شغب اور ابتدائے رات کے ہنگاموں سے نکل کر اچھی طرح ٹک جاتی اور انسان کو سکون و راحت بخشنے کے قابل بن جاتی ہے (تدبر)

سَجٰی : وہ چھا گیا ، اس نے آرام کیا ، اس نے قرار پکڑا ، (نَصَرَ) سُجُوًّا سے ماخوذ ہے جس کے معنی سکون پکڑنے اور قرار پانے کے ہیں ۔

علامہ حسین بن احمد المعروف بابن خالویہ لکھتے ہیں کہ جب رات میں ہوا تھم جائے اور اس کی اندھیاری سخت بڑھ جائے تو کہا جاتا ہے لَیۡلٌ سَاجٍ ، اسی طرح جب سمندر تھم جائے تو بحرٌ ساجٍ بولتے ہیں ۔

وَسَجَا معناہ سَکَنَ (قرطبی)

سَجَا الَّیۡلُ : رات پرسکون ہو گی ، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ھَدَأَتِ الۡاَرۡجُلُ : پاؤں کی چاپ رُک گئی ۔

عَیۡنٌ سَاجِیَۃٌ : خاموش آنکھ ، بطور استعارہ کے میّت کو کفن میں چھپانے پر تَسۡجِیَۃُ الۡمَیِّتِ بولتے ہیں ، فذکر اھل اللُّغۃ فِیۡ سَجٰی ثَلٰثَۃَ اَوۡجُہٍ مُتَقَارِبَۃٍ سَکَنَ وَغَطّٰی وَاَظۡلَمَ (کبیر)

وَدَّعَ : وَدَّعَ ، مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی : نہ رخصت کر دیا تجھ کو تیرے رب نے اور نہ بیزار ہوا ۔

دَعَۃٌ کے معنی اصل میں فراخیٔ عیش کے ہیں ۔ وَدَعۡتُ کَذَا اَدَعُہٗ وَدۡعًا کے

معنی ہیں تَرَکْتُہٗ وَادِعًا: یعنی پرسکون طریقہ سے کسی کو چھوڑ دینا، بعض حضرات کا قول ہے کہ اس مادہ سے صرف مضارع اور امر کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ ماضی اور اسم فاعل وغیرہ نہیں آتے، یہ قول نحاۃ کا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس مادہ کے دیگر صیغے بھی مذکور اور مستعمل ہیں اگرچہ کم ضرور ہیں دَعَۃٌ سے ہی تو وِدِیْعٌ ہے، جس کے اصل معنی مسافر کو الوداع کہنے کے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ اسے سفر کی تکالیف سے محفوظ رکھے اور اسے آرام کی حالت میں پہنچا دے۔ پھر یہ لفظ مسافر کو رخصت کرنے اور چھوڑنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ وَدَّعْتُ فلانًا میں نے اُس کو چھوڑ دیا، مَاوَدَّعَکَ اُس نے آپ کو نہیں چھوڑا۔ یہاں صرف چھوڑ دینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے کنایہ کے طور پر میت کو مُوَدَّعٌ کہا جاتا ہے، بعض حضرات نے اس کو وَدَعَکَ دال کی تخفیف سے پڑھا ہے اسکے معنی بھی ترک کرنے اور چھوڑ دینے کے آتے ہیں لیکن مجرد سے اس کا استعمال نہایت قلیل ہے (راغب، قرطبی، روح)

قَلٰی: نفرت کی، وَمَاقَلٰی[1]: اَلْقِلٰی کے معنی شدت بغض کے ہیں قَلٰی یَقْلِیْ اور قَلَا یَقْلُوْ دونوں طرح آتا ہے ضَرَبَ سے ناقص یائی اور نَصَرَ سے ناقص واوی۔ قرآن پاک میں ہے، اِنِّیْ لِعَمَلِکُمْ مِنَ الْقَالِیْنَ: میں تمہارے کام کا سخت مخالف ہوں۔ مصدر واوی قَلْوٌ آتا ہے اور یائی قَلْیٌ واوی سے اس کے معنی پھینک دینے کے اور گرا دینے کے آتے ہیں قَلَتِ النَّاقَۃُ بِرَاکِبِھَا قَلْوًا: ناقہ نے سوار کو گرا دیا، مَقْلُوٌّ وہ چیز جس کو حقیر جان کر پھینک دیا گیا ہو، قَلَیْتُ الْبُسْرَ وَالسَّوِیْقَ فِی الْمِقْلَاۃِ: کھجور اور ستّوں کو کڑاہی یا ان میں ڈال کر تلنا، قَلَی اللَّحْمَ گوشت وغیرہ کو پکانا۔ اَلْقُلَّۃُ: گُلی۔ قَلَّاءٌ: گوشت پکانے والا۔ وَالْقِلٰی۔ اَلْبُغْضُ (قرطبی)

یُعْطِیْکَ: وہ جناب کو دیگا، اِعْطَاء: انعام دینا، صلہ دینا، عَطَاءٌ: عطیہ بخشش، دین، انعام، عَطَاءٌ کی جمع اَعْطِیَۃٌ اور اَعْطِیَاتٌ آتی ہے، صحاح میں ہے کہ العطیہ: الشئی المعطیٰ وہ چیز جو دی جائے، اس کی جمع عَطَایَا آتی ہے۔

---

[1] اس نے نفرت نہیں کی، وہ بیزار نہیں ہوا۔

عَطَاءٌ کی اصل عَطَاوٌ ہے، عربوں کا طریقہ یہ ہے کہ واؤ اور یاء جب الف کے بعد واقع ہوں تو ان کو ہمزہ سے تبدیل کرکے پڑھتے ہیں (صحاح)

عَطَاءً حِسَابًا، وہ عطا جو کافی ہو،

تعَاطی: بے سوچے سمجھے کسی کام کو ہاتھ ڈال دینا، اپنے ہاتھ میں لے لینا۔

فتعَاطٰی فَعَقَرَ: سواس نے وار کیا اور مار ڈالا (تھانوی)

یَتِیْمًا: اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی: کیا اللہ نے آپ کو یتیم نہیں پایا، پھر ٹھکانا دیا (ماجدی) یتیم اس بچہ کو کہا جاتا ہے جس کا باپ فوت ہو جائے اور بچہ نابالغ ہو۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد آپ کی ولادت سے قبل ہی بعض روایات کے مطابق فوت ہو چکے تھے دُرَّۃٌ یَتِیْمَۃٌ نادر موتی۔

اٰوٰی: اٰوٰی، یُؤْوِیْ، اِیْوَاءً: جگہ دینا، ٹھکانہ دینا۔ اٰوٰی اِلَیْهِ اَخَاهُ یوسفؑ نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی، سَاٰوِیْ اِلٰی جَبَلٍ میں ابھی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا۔

ضَالًّا: وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰی، اور ہم نے آپ کو محوِ عشق پایا تو راہِ عشق سمجھا دی ہدایت بخشی، لفظ ضلال کے معنی سیدھی راہ سے ہٹ جانے کے ہیں، خواہ یہ ہٹنا عمدًا ہو یا سہوًا۔ تھوڑا یا زیادہ پھر کسی قسم کی غلطی سرزد ہونے پر بھی اس کا استعمال ہونے لگا ہے۔

صاحب لسان العرب نے ابو عمرو کا قول نقل کیا ہے کہ و اصل الضّلال الغیبوبۃ یعنی ضلال کے اصل معنی ہیں غائب ہونا گم ہونا، اسی سے محاورہ ہے، ضَلَّ الماءُ فی اللَّبَنِ: یعنی پانی اتنا مغلوب ہو گیا کہ دودھ میں اس کا اثر ظاہر نہ ہوا، پھر اسی سے ضَلِیْلٌ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی کے عشق و محبت میں وارفتہ ہو کر گویا وہ خود اپنی ذات سے بھی غائب ہو گیا۔ عرب کے مشہور شاعر کا لقب الملک الضلیل ہے اس لئے کہ وہ عورتوں کی محبت میں غرق تھا، امراۃ عزیز کے بارے میں قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے، قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا اِنَّا لَنَرٰهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ سے مراد والہانہ محبت ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت قبل از نبوت کچھ اسی طرح کی تھی غلبۂ عشق و محبت میں غایتِ

حرا میں روزہ کی حالت میں کئی دن بسر کئے اور وہیں سے عشقِ حقیقی کا عقدہ کھلا، اور اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ نے جادۂ مستقیم پر ڈال دیا۔ الضّال، اس درخت کو بھی کہا جاتا ہے جو جنگل میں تنہا ہو اور اسکے اردگرد کوئی درخت موجود نہ ہو اس اعتبار سے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کو تنہا پایا تو آپ کو ذریعۂ ہدایت بناکر لوگوں کو آپ کی طرف متوجہ کر دیا، لفظ ضلال کے ایک معنی مُتَرَدِّدْ اور متحیّر کے بھی آتے ہیں، حضرت جُنید بغدادیؒ نے اس آیت کی تعبیر یوں کی ہے ای ووجدك متحيّرًا فی بیان الکتاب المنزل علیك فهدٰك لبیانه اور حریریؒ نے آیت کی تعبیر یہ کی ہے کہ وَجَدَكَ مُتَرَدِّدًا فِیْ غَوَامِضِ معانی المحبّة فهداك لها (روح) علامہ ابوحیان اندلسی فرماتے ہیں کہ میں اس آیت مبارکہ کے بارہ میں حیران تھا کہ اسکا مفہوم و مراد کیا ہے چنانچہ میں نے خواب میں دیکھا کہ اُفَكِّرُ فِیْ هٰذهِ الجملة فاقول علی الفور ووجدك ای وَجَدَ رهطك ضالًّا فهداه بك ثم اقول علی حذفِ مضافٍ نحو واسْأَلَ القریۃ (بحر) یعنی خواب میں فوراً سمجھ میں آیا کہ مضاف حذف ہے جیساکہ واسْئَلِ القریۃ میں حذف ہے۔ بہرحال ضال یہاں اس ضلال کے مفہوم میں تو ہرگز نہیں ہوسکتا جو ہدایت کی ضد ہے اس لئے کہ حضرات انبیاء قبل از نبوّت بھی معصوم ہوتے ہیں۔ مولانا اصلاحی فرماتے ہیں کہ ضال یہاں گمراہ کے معنی میں نہیں بلکہ جو یائے راہ کے معنی میں ہے (تدبر)

اکثر اہلِ تفسیر نے اس سے مراد یہ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو احکامِ شریعت سے ناواقف پایا اور پھر آپ کو راہِ شریعت دکھائی۔

قال صاحب الکشاف ضالًّا: معناه الضلال عن علم الشرائع (کشاف) ووجدك غافلًا عن الشرائع التی لا تهتدی الیه العقول (روح) یعنی آپ کو شریعت کے ان علوم سے بے خبر پایا جن کی طرف صرف عقل راہنمائی نہیں کرسکتی بلکہ وحی کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس مفہوم کی تائید قرآن پاک کی دوسری بعض آیات سے بھی ہوتی ہے مثلاً ارشاد ہے مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ (الشوریٰ) اور آیت کریمہ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ (یوسف) آپ نزولِ قرآن سے قبل اصل حقیقت سے

آگاہ نہیں تھے (واللہ اعلم)

عَآئِلًا : وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰى ،

اور پایا تجھ کو مفلس پھر بے پرواہ کردیا۔

عائل عَیْلَۃٌ سے مشتق ہے جس کے معنی فقیر اور محتاج ہونیکے ہیں، معنی آیت کے یہ ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار اور بے زر پایا تو آپ کو غنی اور مالدار کردیا (معارف)

علامہ راغب لکھتے ہیں کہ عیلۃٌ کے معنی فقر وفاقہ کے ہیں جیسا کہ فرمایا وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَۃً، اگر تم کو مفلسی کا خوف ہو عَالَ الرَّجُلُ یَعِیْلُ (ض) اجوف یائی آدمی کا محتاج ہونا اور ضرورتمند ہوجانا، عَائِلٌ اسی سے اسم فاعل ہے مگر اَعَالَ افعال سے آتا ہے یہ عَوْلٌ سے اجوف داوی ہے اس کے معنی کثیر العیال ہونیکے ہیں اور آیت کریمہ وَوَجَدَکَ عَائِلًا فَاَغْنٰی میں عائل کے معنی ہیں تجھ سے فقر نفس کو دور کرکے تجھے غنائے اکبر عطا کردیا جس کی طرف حضور کے ارشاد اَلْغِنیٰ غِنَی النَّفْس میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ اصل غنیٰ تو نفس کی بے نیازی ہے۔ (راغب)

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری نے الجامع الصحیح میں عائلًا کی تفسیر عیالدار سے کی ہے ابوعبیدہ اور اخفش کا بھی یہی قول ہے اور فراء اسکے معنی فقیر کے بتاتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے خود حضرت عبداللہ ابن مسعود کے مصحف میں عدیمًا کا لفظ دیکھا ہے جس کے معنی نادار کے ہیں اور آیت کے معنی ہیں کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مال واسباب کی زیادتی سے نہیں بلکہ اپنی رضا کی دولت سے مالا مال کردیا جو کہ اصل غنیٰ ہے۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ضحیٰ

عَائِلًا فقیرًا (کشاف) ای فقیرًا لا مال لک عال الرجل یعیل عیلۃً اذا افتقر (قرطبی) وَالعَائِل : المُفْتَقِرُ مِنْ عَالَ یعیل عیلًا وعَیْلَۃً (روح)

اَغْنٰی : اَغْنٰی، اس نے غنی بنادیا، بے نیاز کردیا، یہ اِغْنَاءٌ سے ماضی کا صیغہ ہے، اصل میں یہ اَغْنَاکَ ہے کاف ضمیر مفعول بہٖ کا ہے جس کو حذف کردیا گیا ہے۔

تَقْهَرْ : فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ

تو آپ بھی یتیم پر سختی نہ کریں، یعنی یتیم کو کمزور اور بے سہارا پاکر اس کے حقوق کو غصب نہ کریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرماکر یہ تنبیہ کرنا ظاہر ہے کہ اس بنا پر نہیں کہ آپ سے اس قسم کے کسی جرم کے

صدور کا معاذ اللہ امکان تھا بلکہ یہ بالواسطہ قریش کے اُن زور آوروں کو تنبیہ ہے جن کا پیشہ بن چکا تھا یتیموں اور بے سہاروں کے اموال کو ہڑپ کر جانا جیسا کہ گزشتہ سورتوں میں ان کا تذکرہ کیا گیا ہے، لَا تَقْهَرْ اصل میں قَهْرٌ سے فعل نہی ہے قہرٌ کے معنی غلبہ اور جبری تسلط کے ہیں۔

القهر: الغلبة: ای لا تسلط علیه بالظلم (قرطبی)

تَنْهَرْ: وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ

اور جو مانگتا ہو اس کو مت جھڑک، تَنْهَرْ نَهْرٌ سے مشتق ہے جس کے معنی زجر اور جھڑکنے کے ہیں (معارف)

لا تنهر، ای لا تزجرہ (قرطبی) یہ نهرٌ سے جسکے معنی سختی کے ساتھ ڈانٹنے اور جھڑکنے کے ہیں فعل نہی ہے۔

حَدِّثْ: وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ، اور جو احسان ہے تیرے رب کا سو بیان کر۔ حَدِّثْ تحدیث سے مشتق ہے، جس کے معنی بات کرنے کے ہیں مراد یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو لوگوں کے سامنے بیان کیا کریں (معارف)

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الانشراح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَشْرَحْ : اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ
کیا ہم نے نہیں کھول دیا سینہ تیرا۔ شَرْحٌ کے لفظی معنی کھولنے کے ہیں اور سینے کو کھول دینا، اس کو علوم و معارف اور اخلاق حسنہ کے لئے وسیع کر دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (معارف)

سینہ کھولنے کا لفظ قرآن پاک میں جن مقامات پر وارد ہوا ہے ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ۲ دو معنی ہیں :

(۱) سورۂ انعام آیت ۱۲۵ میں ارشاد ہے، فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ، پس جس شخص کو اللہ تعالےٰ ہدایت بخشنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسکا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتے ہیں، اور سورۂ زمر کی آیت ۲۲ میں ارشاد ہے، اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ، تو کیا وہ شخص جسکا اللہ نے اسلام کے لئے سینہ کھول دیا ہو ان دونوں مقامات پر صدر سے مراد ہر قسم کے ذہنی خلجان اور تردّد سے پاک ہو کر پوری طرح اسلام کے حق ہونے پر مطمئن ہو جانا ہے۔

(۲) سورۂ شعراء میں ارشاد ہے، رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ، میرے رب! میرا سینہ میرے لئے کھول دے، یہاں شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ آدمی کا حوصلہ بلند ہو جائے، اور کسی بڑی سے بڑی جابر قوت کے ساتھ ٹکر لینے میں کوئی خوف نہ ہو۔ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم میں یہ دونوں چیزیں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں، علوم و معارف اتنے کہ کوئی تھاہ نہ پا سکا اور بہادر و شجاع اتنے کہ قیصر و کسریٰ کے جھنڈے سرنگوں کر دیئے۔ بعض حضرات نے یہاں شرح صدر سے مراد شقِ صدر کا معروف واقعہ مراد لیا ہے لیکن علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حمل الشرح في الآية على شق الصدر ضعيفٌ عند المحققين (روح) کہ محققین کے نزدیک اس آیت میں شرح کو شقِ صدر پر محمول کرنا کمزور بات ہے اور عربی زبان کے اعتبار سے بھی شرح صدر سے مراد سینہ کو علوم و معارف کے لئے کھولنا ہی ہوتا ہے

نہ کہ سینہ کو چاک کرنا، شقِ صدر کا معجزہ روایات
سے ثابت ہے جو اپنی جگہ صحیح ہے، علامہ راغب
فرماتے ہیں کہ شرح کے اصل معنی گوشت کو
پھیلا دینا۔ تشریح کا بھی اصل معنی یہی ہے
شَرَحْتُ اللَّحْمَ وشَرَّحْتُہٗ دونوں ہم معنی ہیں
توسیع استعمال کے بعد شرح الصدر کا معنی
ہوگیا سینہ کو علوم و معارف کیلئے کشادہ کردینا

وِزْرَكَ : وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ،
اور اُتار رکھا ہم نے تجھ پر سے بوجھ تیرا (معارف)
اَلْوِزْرُ کے معنی بارگراں کے ہیں اور یہ معنی
وَزَرٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنی پہاڑ میں جائے
پناہ کے ہیں، مجازی طور پر بمعنی گناہ استعمال
ہوتا ہے جس کی جمع اَوْزَارٌ آتی ہے۔
اس آیتِ مبارک میں وِزر سے مراد کیا ہے
اس بارے میں اہلِ تفسیر نے مختلف چیزیں
لکھیں ہیں، حضرت مفتی صاحبؒ لکھتے ہیں
کہ وِزْرٌ کے لفظی معنی بوجھ کے ہیں، وہ بوجھ
کیا تھا اسکی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ اس سے
وہ جائز اور مباح کام مراد ہیں جن کو بعض
اوقات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قرینِ
حکمت اور مصلحت سمجھ کر اختیار کرلیا، بعد
میں معلوم ہوا کہ مصلحت کے خلاف یا خلافِ
اولیٰ تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو
اپنی عُلوِّ شان اور تقربِ الٰہی میں خاص مقام
حاصل ہونے کی بنا پر ایسی چیزوں پر بھی
سخت رنج وملال اور صدمہ ہوتا تھا حق تعالیٰ
نے آپ کو بشارت سنائی کہ ایسی چیزوں
پر آپ کا کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ اور بعض
حضرات نے لکھا ہے کہ ابتدائے نبوت میں
وحی کا اثر آپ پر شدید ہوتا تھا اور اس میں
ارشاد فرمودہ ذمہ داریاں مزید برآں تھیں،
اللہ نے آپ کو تحمل بردباری کی قوت عطا
فرمائی کہ تمام کام آسان ہوگئے، مولانا امین احسن صاحب
اصلاحی نے لکھا ہے کہ یہ وہی بارِ غم ہے، جو
بعثت سے پہلے آپ کے دل پر اس سبب سے تھا کہ
آپ حقیقت کی تلاش میں سرگرداں وحیران تھے
لیکن اسکا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا، پھر جب
اللہ نے آپ پر ہدایت کی راہ کھولدی تو اس غم
میں مزید اضافہ اس سبب سے ہوا کہ آپکی پوری
قوم اسکی دشمن بن کر کھڑی ہوئی (تدبر)
وَقَالَ القرطبيُّ : وَالوِزْرُ : الذنب أي وَضَعْنَا
عنك ما كنت فيه من أمر الجاهلية لأنه
كان صلى الله عليه وسلم في كثير من مذاهب
قومه وإن لم يكن عَبَدَ صَنَمًا وَلَا وَثَنًا، یعنی
وِزْرَ کے معنی تو گناہ کے ہیں اور آیت کا مطلب
یہ ہے کہ دَورِ نبوت سے قبل آپ نے جو اعمال یا فیصلے

جاہلی قانون کے مطابق کئے ہیں اور اب آپ کو انکے غلط ہونے کا شدید غم ہے ہم نے وہ معاف کر دیئے ہیں کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اکثر فیصلے اپنی قوم کے مذہب پر تھے اگرچہ اپنے کبھی بت پرستی نہیں کی، والوزرُ الحمل الثقیل (رح)

اَنْقَضَ : اَلَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ، جسنے تمہاری کمر جھکا دی ۔ اَنْقَضَ : اُس نے توڑ دی ، اُسنے جھکا دی ، باب افعال کے مصدر اِنْقَاض سے ماضی کا صیغہ ہے ۔ نقیضٌ اس آواز کو کہتے ہیں جو ا دنٹ کے کجاوے سے بوجھ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے (قرطبی) نَقِیْضُ الْمَفَاصِل : جوڑوں کے کڑکڑانے کی آواز ، اَنْقَضَ کے معنی ہونگے کمر کو اس طرح توڑنا کہ اس سے کڑکڑانے کی آواز پیدا ہو (راغب)

فقال علماءُ اللُّغَۃِ الاصلُ فیہ انّ الظَّهْرَ اذا اثقل الحملَ سُمِعَ لہٗ نقیضٌ ای صوتٌ خَفِیٌّ وھو صوت المحامل والرحال والاضلاع (کبیر)

اِنْصَبْ : فَانْصَبْ ، یہ نَصَبٌ سے مشتق ہے جس کے اصل معنی تعب اور تکان کے ہیں اسمیں اشارہ پایا جاتا ہے کہ عبادت اور ذکر اللہ اس حد تک جاری رکھا جائے کہ کچھ مشقت اور تعب محسوس ہونے لگے (معارف)

اِنْصَبْ : تو محنت کر، سَمِعَ نَصَبٌ سے جس کے معنی جدو جہد کرنے کے ہیں، امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے ، یہاں عبادت میں جدو جہد کا حکم ہے (لغات القرآن)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ مبتدعۃ (شیعہ) نے آیت کو فَانْصِبْ، صاد اور ہمزہ کے کسرہ سے پڑھا ہے اور ترجمہ یہ کیا ہے کہ انصب الامام الّذی تَسْتَخْلِفُہٗ، یعنی امام مقرر کر دیں جس کو آپ اپنا خلیفہ بنائیں اور یہ قراۃ باطل ہے معنی کے لحاظ سے بھی اور قرأۃ کے لحاظ سے بھی (قرطبی) محرّف قرآن جماعت کے مجتہد مترجم مولوی فرمان علی صاحب اسکا ترجمہ فرماتے ہیں تو جب آپ فارغ ہو جاؤ تو مقرر کر دو (ترجمہ فرمان علی امامیہ کتب خانہ لاہور) یہ قرآن پاک کی تحریف ہے جس کو اہلِ عقل وفکر نے رد کیا ہے اور اگر اس سے مراد خلیفہ کا مقرر کرنا ہی لیا جائے تو کیا اس خلافت سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت نہیں ہو سکتی جن کو بالکل آخری وقت میں آپ نے مُصَلّٰی نبوت سنبھالنے کا حکم دیا اور صحابۂ کرام کو خطاب کر کے فرمایا کہ مُرُوْا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ کہ ابوبکر کو کہو کہ وہ لوگوں کی امامت کرے ۔

شرح الفاظ القرآن من سورۃ التین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

التّین : وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینین کی اور شہر امن والے کی (معارف)

تین اور زیتون سے مراد کیا ہے اس بارے میں علمائے تفسیر میں کافی اختلاف ملتا ہے جس کی تفسیر علامہ رازی، ابن جریر طبری، قرطبی اور حافظ ابن کثیرؒ نے بیان کی ہے۔ ہم یہاں نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ جملہ اقوال کا حاصل دو چیزوں میں ہے۔

ایک یہ کہ ان سے مراد تین اور زیتون کے مشہور پھل ہیں۔ چنانچہ حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطا بن رباح، جابر بن زید، مجاہد اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ انجیر سے مراد یہی انجیر ہے جس کو لوگ کھاتے ہیں اور زیتون بھی یہی زیتون ہے جس سے تیل نکالا جاتا ہے۔

جن مفسرین نے اس قول کو قبول کیا ہے انہوں نے تین و زیتون کے کچھ فوائد بیان کئے ہیں۔

قاضی بیضاوی لکھتے ہیں کہ انجیر ایک عمدہ میوہ ہے جس میں فضلہ نہیں ہوتا اور غذائے لطیف، سریع الہضم ہے اور کثیر النفع ہے، طبیعت کو نرم کرتا ہے اور بلغم کو تحلیل کرتا ہے، گردوں کو صاف کرتا ہے ریگ مثانہ سے نکالتا ہے۔

دوسرا قول بعض مفسرین کا یہ ہے کہ تین اور زیتون دونوں مقامات کے نام ہیں کعب احبار، قتادہ اور ابن زید کہتے ہیں کہ تین سے مراد بیت المقدس ہے، ابن عباس کا ایک قول ابن جریرؒ اور علامہ رازیؒ نے یہ نقل کیا ہے کہ تین سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی وہ مسجد ہے جو انھوں نے جودی پہاڑ پر بنائی تھی، مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تین، ایک خاص پہاڑ کا نام ہے۔ عربی میں انجیر کو تین کہتے ہیں، چونکہ یہاں انجیر کی پیداوار کثرت سے تھی اسلئے یہ تین ہی کے نام سے مشہور ہوگیا۔ اہل عرب اس نام سے اس کو جانتے تھے، نام رکھنے کا یہ طریقہ عربوں میں عام رہا ہے کہ جس چیز کی پیداوار جہاں زیادہ ہوتی ہے بسا اوقات اسی کے نام سے اس مقام کو موسوم کر دیتے ہیں غضی، شجرہ اور نخلہ وغیرہ مقاموں کے نام اسی طرح مشہور ہوئے ہیں

مشہور شاعر نابغہ ذبیانی اپنے شعروں میں تین
کا ذکر ایک مقام کی حیثیت سے کرتا ہے ؎

صهب الظلال أتين التين عن عرض
يزجين غيما قليلا ماؤه شبما

اس شعر میں نابغہ نے شمال کا ایک پہاڑ مراد لیا ہے
بعضوں نے کہا ہے کہ یہ ہمدان اور حلوان کے درمیان ہے

الزّیتون : مولانا فراہی فرماتے ہیں کہ ہمارے
نزدیک یہ بھی ایک مقام کا نام ہے چونکہ زیتون
کی پیداوار یہاں زیادہ تھی اسوجہ سے عربوں کے
اس طریق تسمیہ کے مطابق یہ زیتون کے نام سے
موسوم ہوگیا ۔ علامہ ابن جریر طبری نے اگرچہ
قول اول ہی کو ترجیح دی ہے مگر احتمال ثانی کو
ہی قابل لحاظ قرار دیا ہے، یہی نظریہ ابن کثیر
کا ہے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ ان اقوال
میں سے صحیح اول ہی ہے کیونکہ وہ حقیقت ہے
اور حقیقت کو بلا دلیل ترک کرنا صحیح نہیں ہے
اور تین کی قسم اسلئے کھائی کہ جنت میں اسی
کے پتے جناب آدم اور مائی حوا علیہما السلام
کے لئے ذریعہ ستر بنے جیسا کہ فرمایا، وَطَفِقَا
يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ (قرطبی)

طُوْرِ سِیْنِیْنَ : وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ :
سِيْنِيْنَ، جزیرہ نمائے سیناء کا دوسرا
نام ہے، اس کو سَیْنا یا سِینا بھی کہتے ہیں
اور سینین قرآن پاک میں ایک جگہ آیا ہے
وطُورِ سَیْنَاءَ مراد اس سے کوہ طور ہے۔
کوہِ طور کے قرب جوار کا سارا علاقہ طور سینا
کہلاتا ہے۔

الْبَلَدُ الْأَمِيْنُ : وَهٰذَا الْبَلَدِ
الْأَمِيْنِ، اور اس پُرامن شہر کی قسم،
بلد امین سے مراد شہر مکہ ہے۔ أمین أمن
سے اسم فاعل بھی ہوسکتا ہے اور اسم
مفعول بھی، چونکہ فعیلٌ فاعل اور مفعول
دونوں کے لئے آتا ہے۔

تَقْوِيْمٍ : لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ
فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ، بلا شبہ ہم نے
انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا،
تقویم کا لغوی معنی ہیں کسی چیز کو سیدھا
کرنا، قَوَّمْتُ الرُّمْحَ فَاسْتَقَامَ میں
نے نیزے کو سیدھا کیا تو وہ سیدھا ہوگیا
احسن تقویم سے مراد یہ ہے کہ اسکی جبلت
اور فطرۃ کو بھی دوسری مخلوقات کے اعتبار سے
احسن بنایا گیا ہے اور اسکی جسمانی ہیئت اور
شکل وصورت کو بھی دنیا کے سب جانداروں
سے بہترین اور حسین بنایا گیا ہے تَقْوِيْم
تفعیل کے وزن پر مصدر ہے، ٹھیک کرنا،
کسی چیز کے قوام اور بنیاد کو درست بنانا،

اَسْفَلَ : اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ، سب سے نیچے، یہ اعلیٰ کی ضد ہے، سُفُوْلٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنی نیچے ہونے کے ہیں، سافلین جمع مذکر اسم فاعل منصوب ہے اَسْفَلَ رَدَدْنَا کا ظرف ہے اور سَافِلِیْن حال ہے مفعول کی ضمیر سے۔

یُکَذِّبُ : فَمَا یُکَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ تو کونسی چیز تجھ سے جزا کی تکذیب کرا رہی ہے۔ کَذَّبَ بِالشَّیْءِ، کسی چیز کی تکذیب کرنا۔ یہ صَدَّقَ بِالشَّیْءِ کی ضد ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کی تصدیق کرنا، علامہ زمخشری کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ انکے نزدیک یہاں تکذیب حمل علی التکذیب کے معنی میں ہے یعنی اے انسان کونسی چیز تجھ کو تکذیب پر اُبھار رہی ہے، مولانا حمیدالدین صاحب فراہیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تاویل میں دو قول ہیں ایک یہ کہ بس اے انسان اس کے بعد کیا چیز ہے جو جزا کے بارے میں تیری تکذیب کرتی ہے، یہ تاویل مجاہد نے اختیار کی ہے۔ چنانچہ ان سے کہا گیا کہ اسمیں مخاطب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں تو انھوں نے کہا معاذ اللہ یہ کیسے ہوسکتا ہے اس میں مخاطب انسان ہے۔ زمخشری نے بھی یہی تاویل اختیار کی ہے لیکن وہ یکذب میں تکذیب کو حمل علی التکذیب پر محمول کرتے ہیں، اگر یہ معنی لغت سے ثابت ہوجائیں تو یہ تاویل نہایت واضح ہے لیکن انھوں نے کوئی دلیل اس کی تائید میں پیش نہیں کی۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ بس اے پیغمبر اس کے بعد کیا چیز ہے جو جزا کے بارے میں تیری تکذیب کرتی ہے، فراء نے یہی تاویل اختیار کی ہے اس حد تک تو یہ تاویل صحیح ہے کہ اسمیں لفظ کے مشہور معنی سے انحراف نہیں ہے، مولانا پہلے معنی کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بس سیاق اور حسن نظم سے اقرب تاویل وہی ہے جو مجاہد نے اختیار کی ہے اسمیں لفظ اپنے اصل مفہوم پر باقی رہتا ہے (تدبر، مجموعہ تفاسیر فراہی)

شرح الفاظ القرآن من سورة العلق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِقْرَأْ : اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ اِقْرَأْ ، قِرَاءَةٌ سے امر کا صیغہ ہے یہ فَتَحَ اور نَصَرَ دونوں بابوں سے آتا ہے ، تو پڑھ ۔ لفظ اقرأ پڑھو ایک تو اسی مفہوم میں آتا ہے جس میں ایک استاد اپنے شاگرد کو کہتا ہے ، پڑھو ! اور یہ اقرأ عَلَی النَّاسِ یا اُتْلُ عَلَی النَّاسِ یعنی دوسروں کو بطریق دعوت سنانے کے معنی میں بھی آتا ہے ، قرآن پاک میں جگہ جگہ یہ لفظ اس مفہوم میں استعمال ہوا ہے ، مثلاً ان کفار کو مخاطب کر کے جو قرآن کے سنانے میں مزاحم ہوتے تھے فرمایا ہے ، وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ : جب قرآن سنایا جائے تو اس کو توجہ سے سنو ۔ قرینہ دلیل ہے کہ یہاں یہ لفظ اسی دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے ۔

عَلَقٍ : خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ جس نے انسان کو پیدا کیا ہے لوتھڑے سے ۔ عَلَقٌ کے معنی منجمد خون کے ہیں ۔ انسان کی تخلیق پر مختلف دور گزرے اور گزرتے ہیں ، اس کی ابتدا مٹی اور عناصر سے ہے ، پھر نطفہ سے ۔ اس کے بعد علقہ یعنی منجمد خون بنتا ہے ، پھر مضغہ گوشت پھر ہڈیاں وغیرہ پیدا کی جاتی ہے علقہ ان تمام ادوار تخلیق میں ایک درمیانہ حالت ہے (معارف)

اس مادے میں ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ لگ جانے چپک جانے اور متعلق ہو جانے کا مفہوم پایا جاتا ہے ۔ عَلِقَتِ الْمَرْاَةُ وَكُلُّ اُنْثٰی حاملہ ہو جانا ، عَلِقَتِ الْوَحْشُ بِالْحِبَالَةِ وحشی جانور کا جال میں پھنس جانا ۔ یہ عَلَقَةٌ کی جمع ہے ، جمع عَلَقَةٍ ۔ وَالْعَلَقَةُ الدم الجامد واذا جرٰی فھو المسفوح (قرطبی)

والعَلَقُ : الدم الجامد لانہ یَعْلَقُ بالشیٔ (ابن فارس)

رُجْعٰی : اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی :

بے شک تیرے رب کی طرف جانا ہے،
رُجْعیٰ، بُشریٰ کی طرح اسم مصدر ہے
(معارف) وَالرُّجْعیٰ والمَرْجِعُ و
الرجوع : مصادر (قرطبی)
رَجَعَ یَرْجِعُ رُجُوْعًا ومَرْجِعًا
وَرُجْعیٰ : پھرنا، لوٹنا،
یَنْتَہِ : کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ
لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِیَۃِ : کوئی نہیں اگر
باز نہ آئے گا ہم گھسیٹیں گے چوٹی پکڑ کر،
(معارف) یَنْتَہِ اصل میں یَنْتَہِیْ تھا
حرف لَمْ جازم کی وجہ سے یا، حرف علت
گر گیا ہے اور باب افتعال کے مصدر اِنْتِہَاءٌ
سے فعل مضارع نفی ہے۔
نَسْفَعًا : یہ سَفْعٌ مصدر سے مشتق ہے
جس کے معنی سختی کے ساتھ کھینچنے کے ہیں
اور ناصیہ سر کے اگلے بالوں کو کہا جاتا ہے
جو پیشانی کے اوپر ہوتے ہیں۔ جس شخص
کے پیشانی کے بال کسی کے ہاتھ میں آجائیں
وہ اس کے ہاتھ میں مجبور و مقہور ہو کر رہ
جاتا ہے۔ علامہ راغب لکھتے ہیں کہ اَلسَّفْعُ
کے معنی گھوڑے کو سواد ناصیہ یعنی پیشانی
کے بال پکڑ کر کھینچنے کے ہیں، اور سیاہی
کے معنی کے اعتبار سے چولہے کے پتھروں

کو بھی سُفْعٌ کہا جاتا ہے، شکرے کو
بھی اَسْفَعُ کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے
پروں میں سیاہ چمک سی پائی جاتی ہے
یہ اصل میں لَنَسْفَعَنْ ہے نون تاکید
خفیفہ کو الف کے ساتھ لکھا گیا ہے، و
کتبت نون نَسْفَعًا بالالف باعتبار
الوقف علیها بابدالها الفًا (جمل)
والسّفع القبض علی الشئ وجذبه
بشدّة (جمل)
وقال المبرد۔ السَّفْعُ : الْجذبُ
بشدّة۔ ای لَنَجُرَّنَّ بِنَاصِیَتِهٖ
الی النار وقیل السَّفْعُ : الضَّربُ
ای لَنَلْطُمَنَّ وَجْهَهٗ (قرطبی)
اور سَفَعَتْہُ النَّارُ والشَّمْسُ : کے
معنی ہیں آگ یا سورج کا چہرے کو
کالا کر دینا۔
نَادِیَہٗ : فَلْیَدْعُ نَادِیَہٗ : ای
اهل مجلسه وعَشِیْرَتَهٗ فَیَنْتَصِرْ بِهِمْ
(قرطبی)
نَادِیْ کے اصل معنی مجلس اور سوسائٹی
کے ہیں، یہاں مراد وہ افراد ہیں جو کسی
رشتۂ عصبیت کے تحت باہم دگر وابستہ
ہیں۔ موقع و محل کا لحاظ کر کے اسکا ترجمہ

ٹولی یا پارٹی ہو سکتا ہے (تدبر)

اَلزَّبَانِيَةَ : الزَّبَانِيَة ، سَنَدْعُ

الزَّبَانِيَةَ : ہم بھی بلاتے ہیں پیادے سیاست کرنے کو (معارف)

زَبَانية ، زَبْنِيَة کی جمع ہے جس کے اصل معنی تو دفاع کرنے والے کے ہیں لیکن یہ پولیس اور پیادوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے (تدبر)

زَبَانِيَة : عربی زبان میں سیاست کے پیادے یعنی پولیس کے سپاہی کو کہتے ہیں وقال قتادہ هُمُ الشرط فی کلام العرب وھو ماخوذ مِنَ الزَّبن وھو الدفع (قرطبی)

فریابی نے مجاہد اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرشتگانِ دوزخ کے معنی نقل کئے ہیں۔ بغوی لکھتے ہیں کہ زَبْنِيّ کی جمع ہے جو زَبْنٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی دفع کرنے کے ہیں اور اخفش کا قول ہے کہ یہ زَابِنٌ کی جمع ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کی واحد زَبَانِيٌّ ہے اور بعض کے نزدیک یہ اسم جمع ہے جیسا کہ اَبَابِيل اور عَبَادِيد (قرطبی)

اہلِ عرب زبانیہ کا لفظ ان لوگوں کے لئے بھی بولتے ہیں جو سخت گیر ہوں۔

چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

مَطَاعِيمُ فِي الْقُصْوٰى مطاعین فی الوغی
زَبَانِيَةٌ غُلْبٌ عظامٌ حُلُومُهَا

زَبَنَ يَزْبِنُ (ض) زَبَنَ الشَّئَ : کسی چیز کو پاؤں کی ٹھوکر سے ہٹانا، دفع کرنا

زَبَنَتِ النَّاقَة : اونٹنی کا دودھ نکالتے وقت اچھلنا کودنا، دوہنے سے مانع ہونا

زَبَنَ عَنَّا معروفهٗ : اس نے اپنی نیکی ہم سے روک لی۔ زَبَنَ الشَّجَرَ پھل کو درخت پر فروخت کر دینا۔ اسی سے بیع مُزَابِنَہ ہے، اِزْبَنَ بَيْتَهٗ عَنِ الطريق : اس نے اپنا گھر راستہ سے ہٹا کر بنایا (لسان۔ منجد)

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں کہ الزبانیۃ کے لفظی معنی پیادوں یا سپاہیوں کے ہیں، مراد دوزخ کے ملائکہ سے لی گئی ہے علامہ ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس مادے میں دھکا دینے، دفع کرنے اور ہٹا دینے کا مفہوم بنیادی ہے، یہاں الزبانیہ سے مراد وہ ملائکہ ہیں جو آخرت میں اہلِ جہنم کو دھکے دے دیکر دوزخ میں گرائیں گے سُمُّوْا بذلك لِاَنَّهُمْ يدفعُوْنَ اهلَ

النَّارِ اِلَى النَّارِ (مقائیس للغہ)
نَاقَةٌ زَبُوْنٌ : وہ اونٹنی جو اپنے دوہنے والے کو لات مار دے، کلام عرب میں الزبانیۃ سے مراد اصل میں سپاہی ہوتے ہیں جیسا کہ علامہ قرطبی نے حضرت حضرت قتادہ کی روایت نقل کی ہے کہ ھم الشُّرُطُ فی کلام العرب اور المعجم الوسیط میں ہے کہ الزبانیۃ اَصْلُھَا الشُّرَطُ، شان نزول کی روایات میں ہے کہ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ: تو ابوجہل نے کہا کہ اُدْعُوْا قومی حتّٰی یمنعوا عَنِّی رَبَّكَ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ : تو اس نے اپنی نادیہ کو بدر میں جمع کر لیا۔ ادھر خدا کی ذات نے اپنے زبانیہ کو ان کے مقابل لا کھڑا کیا جنھوں نے عالم کفر کو ایسا دھکا دیا کہ پھر سنبھل نہ سکا۔

شرح الفاظ القرآن من سورة القدر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْقَدْرِ : اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ، ہم نے اس کو اُتارا شبِ قدر میں (معارف) لیلۃ القدر سے مراد تقدیر یا تقسیم امور کی وہ رات ہے جس کا ذکر سورۂ دُخان میں بدیں الفاظ گزر چکا ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (تدبر) قدر کے ایک معنی تو عظمت و شرف کے ہیں۔ زہری وغیرہ حضرات علماء نے اس جگہ یہی معنی مراد لئے ہیں اور اسکو لیلۃ القدر کہنے کی وجہ اس رات کی عظمت و شرف ہے، ابوبکر وراق نے فرمایا کہ اس رات کو لیلۃ القدر اس وجہ سے کہا گیا کہ جس آدمی کی اس سے پہلے اپنی بے عملی کے سبب کوئی قدر و قیمت نہ تھی اس رات میں توبہ و استغفار اور عبادات کے ذریعہ وہ صاحب قدر و شرف بن جاتا ہے۔

قدر کے دوسرے معنی تقدیر و حکم کے بھی آتے ہیں، اس معنی کے اعتبار سے لیلۃ القدر کہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ اسمیں تمام مخلوقات کے لئے جو کچھ تقدیر ازلی میں لکھا ہے اس کا جو حصہ اس سال میں رمضان سے اگلے رمضان تک پیش آتا ہے وہ ان فرشتوں کے حوالہ کر دیا جاتا ہے جو کائنات کی تدبیر اور تنفیذ اُمور کے لئے مامور ہیں اس میں انسان کی عمر اور موت اور رزق اور بارش وغیرہ کی مقداریں مقررہ فرشتوں کو لکھوا دی جاتی ہیں یہانتک کہ جس شخص کو اس سال میں حج نصیب ہوگا وہ بھی لکھدیا جاتا ہے (معارف) لیلۃ القدر اور لیلۃ مبارکہ ایک ہی رات کے دو نام ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن حضرات نے لیلۃ القدر کا نصف شعبان میں ہونا بیان کیا ہے، انھوں نے حقیقت کے خلاف بات کہی ہے کیونکہ قرآن کی قطعی نصوص اسکے خلاف ہیں (ابن کثیر سورۂ دخان)

تَنَزَّلُ : تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا ، اس رات فرشتے اور روح القدس

اُترتے ہیں۔ تَنَزَّلُ: وہ اُترتی ہے وہ اُترے گی۔ تَنَزُّلٌ سے جس کے معنی نازل ہونے، اُترنے کے ہیں۔ واحد مؤنث غائب ہے، یہ اصل میں تَتَنَزَّلُ تھا، ایک تاء حذف ہوگئی ہے، باب تَفَعُّلٌ۔

اَلرُّوْحُ: الروحُ، اس سے مراد روح القدس یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ ای جبرائیل علیہ السلام (قرطبی)

حضرت قشیری کا بیان ہے کہ روح ملائکہ کی قسم کا نام ہے جن کو دیگر ملائکہ کی حفاظت پر مامور کیا گیا ہے، اور دوسرے فرشتے ان ارواح کو نہیں دیکھتے جیسا کہ آدمی فرشتوں کو نہیں دیکھ سکتے۔ اور مقاتل کا بیان ہے کہ روح سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اللہ کے نزدیک مقرب اور اشرف الملائکہ ہیں۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ روح ایک باقاعدہ مخلوق ہے جو کھاتے پیتے بھی ہیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ہیں، اور فرشتے نہیں ہیں، ایک خیال یہ ہے کہ روح سے مراد رحمۃ ہے جو اس رات میں اُترتی ہے۔

شیخ جلال الدین السیوطی تحریر فرماتے ہیں کہ لفظ روح کے چند معانی ہیں۔

(۱) بمعنی امر: وَرُوْحٌ مِنْهُ

(۲) بمعنی وحی، يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ، اُتارتا ہے فرشتے وحی دیگر

(۳) بمعنی قرآن، وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا، ہم نے وحی کی تیری طرف قرآن کی اپنے حکم سے

(۴) رحمت، وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ اور ان کی مدد کی اپنی رحمت سے

(۵) حیات، فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ پس زندگی ہے اور روزی ہے۔

(۶) جبرائیل، فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا

(۷) ایک عظیم المرتبت فرشتہ، يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ، جس دن کھڑا ہوگا فرشتہ روح نامی۔

(۸) خاص فرشتوں کا لشکر، تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا،

(۹) روح بدن، وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ (اتقان ج ۱ ص ۱۴۳ طبع مصر)

ترجیح اس کو ہے کہ یہاں روح سے مراد جبرائیل امین ہیں۔ حضرت مفتی صاحب

تحریر فرماتے ہیں کہ روح سے مراد جبرائیل امین ہیں (معارف)
مولانا امین احسن صاحب اصلاحی فرماتے ہیں کہ لفظ روح اس آیت میں قرینہ دلیل ہے کہ حضرت جبرائیل امین کے لئے ہے، چونکہ ملائکہ کے زمرے میں ان کا درجہ بہت اونچا ہے اس وجہ سے انکا ذکر خاص طور پر ہوا (تدبر)

مِنْ : مِنْ، مِنْ کُلِّ اَمْرٍ سَلَامٌ ہر امر خیر کے لئے ۔
یہاں مِنْ بمعنی بآء بھی ہو سکتا ہے اور لام تعلیل کے معنی میں بھی ۔ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ مِنْ کُلِّ اَمْرٍ میں حرف مِنْ بمعنی باء ہے، جیسے یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ، میں بھی مِنْ بمعنی بآء استعمال ہوا ہے معنی یہ ہیں کہ فرشتے لیلۃ القدر میں تمام سال کے اندر پیش آنے والے تقدیری واقعات لیکر زمین پر اُترتے ہیں، اور بعض حضرات مفسرین مجاہد وغیرہ نے مِنْ کُلِّ اَمْرٍ کو سلام کے متعلق کرکے یہ معنی قرار دیے ہیں کہ یہ رات سلامتی ہے ہر شر و آفت اور بُری چیز سے (معارف القرآن)
اور بعض حضرات نے مِنْ کو لام تعلیل کے معنی میں لیا ہے، اس صورت میں تقدیر کلام یوں ہوگی، مِنْ اَجْلِ کُلِّ اَمْرٍ ۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ ای من اَجْلِ کلِّ اَمْرٍ قاله غیر واحد فمن بمعنی اللام التعلیلیۃ متعلق بتَنَزَّلُ، یعنی یہ بہت سے لوگوں کا قول ہے کہ مِن لام تعلیل کے معنی میں ہے جو تَنَزَّلُ کے متعلق ہے (روح)
آیت کا مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے ۔

سَلَامٌ : سَلَامٌ، سَلَامٌ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۔ سلامتی ہی سلامتی ہے، وہ رہتی ہے طلوع فجر تک (ماجدی)
سلامٌ کے معنی ہر خوف سے نجات کے ہیں ...... سلامٌ مصدر ہے اور یہاں ترکیب میں خبر مقدم ہے جس سے مفہوم میں زور تاکید اور معنی حصر کے پیدا ہو گئے ہیں (ماجدی بحوالہ روح)
مولانا اصلاحی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک

سلام ، مبتدائے محذوف کی خبر ہے
پوری توجہ خبر پر مرکوز کر دینے کے لئے
مبتدا کو حذف کر دیا ہے ، پورا جملہ
ھِیَ سَلَامٌ ہے (تدبر)

مَطْلَعِ : مَطْلَعِ الْفَجْرِ

فجر کا نکلنا ۔ مَطْلَع ، بفتح الام
مصدر میمی ہے ، اور مَطْلِع بکسر لام
ظرفِ مکان ہے اس کی جمع مطالع
آتی ہے ، یہ وزن خلافِ قیاس ہے جیسا
کہ مشرق ، مغرب اور مَسْکِنٌ وغیرہ
چونکہ قیاس یہ ہے کہ فَعَلَ یَفْعُلُ
سے ظرف مَفْعَلٌ کے وزن پر آئے ؛
اَلْمَطْلَعُ : الطلوع ، یُقَالُ طَلَعَ
الفجر طُلُوْعًا و مَطْلَعًا .... وَمَنْ
قَرَأَ بکسر الام فھو اسم لوقت
الطلوع وکذا امکان الطلوع
مَطْلِعٌ (کبیر)

شرح الفاظ القرآن من سورۃ البینۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يَكُنْ : لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ يَكُنْ كَانَ يَكُوْنُ كَوْنًا سے نفی جحد بلم ہے ۔ اصل میں يَكُوْنُ ہے، اور كَانَ یہاں فعل تام ہے، جیساکہ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا، اور اللہ علیم وحکیم ہے میں كَانَ فعل تام ہے ۔

مُنْفَكِّيْنَ : یہ باب انفعال کے مصدر اِنْفِكَاكٌ سے اسم فاعل جمع مذکر ہے، باز رہنے والے، جدا ہونے والے، چھوٹنے والے۔ اصل مادہ فَكٌّ ہے جس کے معنی کھولنے کے ہیں، واصل الفك : الفتح (قرطبی)

اَلْبَيِّنَةُ : کھلی ہوئی نشانی، ایسی واضح دلیل کہ اپنے دعوی کو مبرہن کردے، واضح دلالت کو بینہ کہتے ہیں خواہ دلالت عقلیہ ہو یا محسوسہ مراد یہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ وَالْبَيِّنَةُ محمد صلے اللہ علیہ وسلم (قرطبی) جمع بَيِّنَاتٌ

بَانَ : وہ ظاہر ہوا، جدا ہوا، اَبَانَ الشَّيْءَ : ظاہر کرنا ۔ البَيْنُ : فراق ۔ جدائی ۔

يَتْلُوْا : يَتْلُوْا صُحُفًا، یہ تَلَا يَتْلُوْ تِلَاوَةٌ : واحد مذکر غائب مضارع کا صیغہ ہے اس کے معنی پڑھنے کے ہیں، مگر ہر پڑھنے کو تلاوت نہیں کہا جاتا بلکہ وہ پڑھنا جو پڑھانے والے کی تلقین کے بالکل مطابق ہو اس کو تلاوت کہتے ہیں اس لئے عرف میں عموماً لفظ تلاوت صرف قرآن پڑھنے کیلئے بولا جاتا ہے (معارف)

صُحُفًا : صُحُفٌ، صحیفة کی جمع ہے، جن کاغذات میں کوئی مضمون تحریر ہو۔ انکو صحیفہ کہتے ہیں (معارف)، جمع صَحِيْفَةٌ وَهِيَ ظَرْفُ الْمَكْتُوبِ (قرطبی)

مُطَهَّرَةٌ : پاکیزہ، پاک کیا گیا، یہ باب تفعیل کے مصدر تَطْهِيْرٌ سے اسم مفعول واحد مؤنث کا صیغہ ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ صحائف ایسی تعلیمات پر مشتمل ہیں جو جھوٹ، شک، نفاق اور ہر طرح کی ضلالات سے پاک ہیں، یہ قول ابن عباس رض کا ہے اور حضرت قتادہ کا قول ہے کہ باطل سے پاک ہے، مُطَهَّرَة بظاہر صحف کی صفت ہے لیکن درحقیقت یہ صفت لِمَا فِي الصُّحُفِ کی ہے ۔ (قرطبی)

کُتُبٌ : فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۔ کُتُبٌ کِتَابٌ کی جمع ہے اس کے ایک معنی تو لکھی ہوئی چیز کے ہیں ۔ اس اعتبار سے کتابٌ اور صَحِیفَةٌ تقریباً ہم معنی لفظ ہیں، اور کبھی لفظ کتاب بمعنی حکم بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ قرآن کی آیت لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ میں لفظ کتاب بمعنی حکم ہی مستعمل ہوا

اس جگہ بھی یہی دوسرے معنی مراد ہیں کیونکہ معروف معنی میں لیں تو کُتُبٌ عین صحف ہیں، فیہا کہنے کے کوئی معنی نہیں رہتے (معارف)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اسکی مزید وضاحت یوں فرماتے ہیں کہ اَنَّ الکُتُبَ ھُنَا بمعنی الاحکام قال اللہ عزّ وجل کتب اللہ لَاَغْلِبَنَّ بمعنی حَکَمَ (سورۂ مجادلہ ۲۱) وقال صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم واللہ لَاَقضِیَنَّ بَیْنَکُمْ بِکِتَابِ اللہ ثُمَّ قَضٰی بالرجم ولیس ذکر الرجم... مَسْطُوْرًا فِی الکتاب فالمعنی لَاَقْضِیَنَّ بَیْنَکُمَا بحکم اللہ (قرطبی) کُتُبٌ قَیِّمَةٌ ای احکام قَیِّمَةٌ (کبیر)

قَیِّمَةٌ : کُتُبٌ قَیِّمَةٌ ۔ اَیْ مُسْتَقِیْمَةٌ مُسْتَوِیَةٌ مُحْکَمَةٌ مِنْ قَوْلِ العرب قَامَ یَقُوْمُ اِذَا اسْتَوٰی وَصَحَّ (قرطبی) قَیِّمَة بمعنی مستقیمة ہے جو کتب کی صفت ہے ۔ معنی یہ ہیں کہ یہ احکام مستقیم منصفانہ و معتدل ہیں اور اس کے معنی مضبوط و مستحکم کے بھی ہو سکتے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ احکام الٰہیہ جو قرآن میں آئے ہیں قیامت تک قائم و دائم رہیں گے (معارف) مولانا اصلاحی فرماتے ہیں کہ قیّمۃ کے معنی سیدھے واضح اور قطعی کے ہیں (تدبر)

حُنَفَآءَ : یہ حَنِیْفٌ کی جمع ہے یکسو ہو کر اللہ کی عبادت کرنے والے موحّدین قال اهل اللغة واصله انّهٗ تحنّف الی الاسلام ای مالَ الیه (قرطبی) یعنی اہل لغت کا قول ہے کہ یہ تحنّف الی الاسلام سے ماخوذ ہے جس کے معنی اسلام کی طرف مائل ہونے کے ہیں۔

بَرِیَّةِ : اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ : وہ لوگ ہیں سب خلق سے بہتر (معارف)

بَرِیَّةِ : مخلوق، خلق، بَرْءٌ سے جس کے معنی عدم سے وجود میں لانے کے ہیں، بروزن فعیلةٌ بمعنی مفعول ہے (لغات القرآن) بَرَأَ اللّٰہُ الْخَلْقَ ۔ وَھُوَ الْبَارِیُٔ الْخَالِقُ ۔ نافع اور ابن ذکوان نے

اس کو مہموز قرار دیا ہے اور ہمزہ کو
گرا دیا گیا ہے یا ادغام کر دیا گیا ہے،
اور بعض نے اس کو بَرَیٰ سے ماخوذ
مانا ہے ۔ بَرَیٰ مٹی کو کہا جاتا ہے ،
اس صورت میں مہموز نہیں ہوگا ۔
مخلوق کو بَرِیَّۃ اس لئے کہا جاتا ہے
کہ وہ مٹی سے پیدا کی گئی ہے ۔
اگر اس کو بَرَیٰ سے ماخوذ مانیں جسکے معنی
تراب یعنی مٹی کے ہیں تو آیت کا مطلب یہ

ہوگا کہ صالح لوگ زمینی مخلوق سے بہتر ہیں
فرشتے اسمیں داخل نہیں ہونگے، اور بَرَأَ
مہموز سے ماخوذ مانیں جس کے معنی عدم سے
وجود میں لانیکے ہیں تو آیت کا مفہوم وسیع
ہو جائے گا اور مطلب یہ ہوگا کہ نیک لوگ
تمام مخلوقات سے بہتر ہیں اسمیں فرشتے
بھی داخل ہونگے ۔ اِبْرَاءٌ : شفا بخشنا
وَاُبْرِئُ الاَکْمَہَ وَالاَبْرَصَ اور میں
اندھے اور ابرص کو تندرست کر دیتا ہوں

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الزلزال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زُلْزِلَتْ : زُلْزِلَتِ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا، جب ہلا ڈالے زمین کو اُس کے بھونچال سے (معارف)

زُلْزِلَتْ : وہ ہلائی گئی اس کو لرزایا گیا، اس کو زلزلہ میں ڈالا گیا۔

زِلْزَالٌ مصدر مضاف ہے۔

اَثْقَالَ : اَثْقَالُ، یہ ثِقْلٌ کی جمع ہے جس کے معنی بار اور بوجھ کے ہیں، یہاں اس کا اوّل مصداق تو مردے ہیں جو زمین میں دفن ہیں اور قیامت کے دن زمین ان کو نکال باہر کرے گی لیکن لفظ عام ہے اس وجہ سے وہ خزانے اور دفینے بھی مراد ہو سکتے ہیں اور ان جرائم کی یادگاریں بھی جن کا مجرموں نے ارتکاب کیا، اور زمین میں ان کو چھپایا۔

تُحَدِّثُ : تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا وہ اپنی خبریں بیان کرے گی، تُحَدِّثُ باب تفعیل کے مصدر تحدیثٌ سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔

اَخْبَارَ : اَخْبَارُ، جمع ہے خَبَرٌ کی خبریں واقعات و حالات، آپ بیتی بیان کرے گی۔

اَوْحٰی : اِفْعَال، اَوْحٰی لَهَا: اس کو حکم ہوا۔ اَوْحٰی: اُس نے حکم دیا اُس نے وحی بھیجی، اس نے اشارہ کیا اِیْحَاءٌ۔ مصدر باب افعال، حکم کرنا، اشارہ کرنا، وحی کرنا۔

یَصْدُرُ : یَصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لوگ گروہ گروہ واپس ہو رہے ہونگے (ماجدی) صَدَرَ یَصْدُرُ صَدْرًا واپس لوٹنا۔ صَادِرٌ: پانی پی کر چشمہ سے واپس لوٹنے والا۔ یہ وَارِدٌ کا مقابل ہے جس کے معنی ہیں پانی کے لئے چشمے پر آنا۔ مَصْدَرٌ وہ اسم ہے جس سے تمام افعال اور صفت کے صیغے مشتق ہوتے ہیں۔ وَالْوَارِدُ : الجائی وَ الصادرُ : المنصرف (قرطبی)

اَشْتَاتًا : اَشْتَاتًا ، اَشْتَاتٌ جمع ہے شَتٌّ اور شَتَاتٌ کی جسکے معنی پراگندہ اور متفرق ہونے کے ہیں ۔ وَقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى اوران کے دل پراگندہ ہیں ۔ اَشْتَاتًا ای فِرَقًا فِرَقًا (قرطبی)

مِثْقَالَ : مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ، مثقال ہموزن ، برابر ، مادہ ثِقْلٌ ثَقُلَ (کرم) بھاری ہوگیا ۔ ثَقَالَةٌ ۔ مصدر ۔ مثقال ایک مخصوص باٹ بھی ہے جس کا وزن ۱ ۳/۷ درہم کے برابر ہوتا ہے لیکن آیات میں اول معنی مراد ہیں ۔

ذَرَّةٍ : بہت معمولی مقدار کا نام ہے بعض اہلِ لغت کا قول ہے کہ ذَرَّۃ اُن ان ریزوں کو کہا جاتا ہے جو زمین پر ہاتھ مارنے پر ہاتھ کے ساتھ لگ جاتے ہیں ، حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی یہی ہے ۔

شرح الفاظ القرآن من سورۃ العٰدیٰت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْعٰدِیٰتِ : وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا:
قسم ہے دوڑنے والے گھوڑوں کی ہانپ کر
(معارف) عَادِیَات، عدو سے مشتق ہے
جسکے معنی دوڑنے کے ہیں (معارف)
اصل میں اَلْعَدْوُ کے معنی حد سے بڑھنے
اور باہم ہم آہنگی نہ ہونے کے ہیں۔ پھر
اگر اس کا تعلق دل کی کیفیت سے ہو تو
یہ عَدَاوَۃٌ اور مُعَادَاۃٌ کہلاتی ہے، اور
اگر رفتار سے ہو تو عَدْوٌ کہا جاتا ہے،
اور اگر عدل و انصاف میں خلل اندازی
کی صورت میں ہو تو عُدْوَانٌ اور عَدْوٌ کہتے
ہیں اور عَادِیَاتِ عَادِیَۃٌ کی جمع ہے جس
کے معنی ہیں اتنی تیز دوڑنے والی کہ تیز
روی کی حدود سے بھی آگے بڑھ جائے،
علامہ شوکانی لکھتے ہیں کہ عَادِیَات عَادِیَۃٌ
کی جمع ہے جو بمعنی تیز دوڑنے والی کے ہیں اور
یہ عَدْوٌ سے مشتق ہے جس کے معنی تیز روی
کے ہیں۔ عَدْوٌ کی واؤ کو ماقبل کے مکسور
ہونے کی وجہ سے یاء سے تبدیل کرلیا گیا ہے
جس طرح غازیات میں ہوا ہے جو غزوٌ
سے مشتق ہے (فتح القدیر)

یہاں عادیات سے کیا مراد ہے اہل تفسیر
کی اس بارے میں دو رائے ہیں، حضرت
ابن عباس رضی اللہ عنہما عطا، مجاہد، عکرمہ
حسن بصریؒ اور قتادہ وغیرہ کا قول ہے
کہ عادیات سے مراد غازیوں کے گھوڑے ہیں
حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن
مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے
مراد اونٹ ہیں۔ محمد بن کعب اور سدی
وغیرہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، ابن
جریر طبری، حافظ فخر الدین، رازی اور قرطبی
وغیرہ نے اپنی تفاسیر میں العادیات کے
تحت حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود
سے ایک مکالمہ نقل کیا ہے جو اصحاب
علم کی دلچسپی کے لئے نقل کیا جاتا ہے۔
ابن مردویہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما
سے روایت کرسکتے ہیں کہ میں حجر اسود کے
پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے آکر مجھ

سے العادیات کے بارے میں سوال کیا میں نے کہا، یہ ان گھوڑوں کا بیان ہے جو اللہ کی راہ میں تاخت کرتے ہیں، اور جب سرے شام واپس ہوتے ہیں تو پھر لوگ کھانوں کی تیاری کے لئے آگ جلاتے ہیں۔ وہ میرے پاس سے پلٹ کر حضرت علیؓ بن ابی طالب کے پاس پہنچا آپ اس وقت زمزم کے سقایہ کے نیچے تشریف فرما تھے اس نے آپ سے بھی اسی کے متعلق سوال کیا، آپؓ نے فرمایا تم مجھ سے پہلے بھی اس کے بارے میں کسی سے دریافت کر چکے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ ہیں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا تو انھوں نے بتلایا کہ یہ وہ گھوڑے ہیں جو اللہ کی راہ میں تاخت کرتے ہیں، آپؓ نے فرمایا جاؤ اور ان کو بلا لاؤ، جب ہیں آپ کے پاس لایا تو فرمانے لگے کہ تم لوگوں کو وہ بات بتاتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں، خدا کی قسم پہلا غزوہ جو اسلام میں ہوا وہ بدر تھا اور اس وقت ہمارے ساتھ صرف دو گھوڑے تھے ایک زبیر بن عوام کے پاس اور دوسرا مقداد بن الاسود کے پاس۔ پھر العٰدیٰتِ ضَبۡحًا

سے یہ مطلب کب نکلا، فرمایا کہ العٰدیٰت ضَبۡحًا سے مراد وہ اونٹنیاں ہیں جو عرفہ سے مزدلفہ تک دوڑتی ہیں اور جب لوگ مزدلفہ جا کر ٹھہرتے ہیں تو پھر آگ روشن کرتے ہیں، اور المُغِیۡرٰتِ صُبۡحًا یعنی صبح کو مزدلفہ کی طرف تاخت کرتے چنانچہ یہی جمعًا سے مراد ہے، اور فَاَثَرۡنَ بِہٖ نَقۡعًا، اس میں مِنٰی کے اُس غبار کا بیان ہے جو ان اونٹنیوں کے قدموں تلے روندنے سے اُٹھتا ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اپنے قول کو چھوڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کر لیا، ابن جریر نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بھائی یہ سواروں کے ایک خاص دستہ کا بیان ہے جو کسی جنگی مہم پر روانہ کیا گیا تھا، اور عطار کا قول ہے کہ لَیۡسَ شَیۡءٌ مِّنَ الدَّوَابِ یَضۡبَحُ غَیۡرُ الۡکَلۡبِ الۡفَرَسِ، سوائے کتے اور گھوڑے کے کوئی جانور نہیں ہانپتا، یعنی ضبح نہیں کرتا (ابن جریر)

علامہ ابن حیان اندلسیؒ لکھتے ہیں کہ یہ قول ثابت نہیں ہے کیونکہ دیگر حیوانات میں بھی ضبح پایا جاتا ہے۔ مثلاً سانپوں میں

سے، الاسودُ ۔ خرگوش، لومڑی اور قوس وغیرہ
حیوانات میں ضبح کا پایا جانا خود عربوں کے
کلام سے ثابت ہے، اہلِ لغت کا قول یہ
ہے کہ ضبح حقیقۃً لومڑی میں پایا جاتا ہے
اور گھوڑے کے لئے بطور استعارہ کے استعمال
ہوتا ہے۔

العادیات عند الجمہور: ابن حیان لکھتے
ہیں کہ والجمہور من اھل التفسیر و
اللغۃ علیٰ ان العادیات ھنا الخیل
تعدوا فی سبیل اللہ وتضبح حالۃ
عدوھا (بحر)

ابن جریر رحمہ اللہ ان اقوال کو نقل کرکے اپنی
رائے دیتے ہوئے فرماتے ہیں واولی القولین
فی ذالک عندی بالصواب قولُ من
قال عُنِیَ بالعادیات الخیل وذالک
ان الابل لا تضبح وانما تضبح الخیل
علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ کذا قال عامۃ المفسّرین
واھل اللغۃ (قرطبی) یعنی عام مفسرین
اور اہلِ لغت نے ایسا ہی کہا ہے۔ علامہ شوکانی
لکھتے ہیں کہ والراجح انھا الخیل کما ذھب
الیہ الجمہور وکما ھو الظاھر من ھٰذہ
الاوصاف المذکورۃ فی ھذہ السورۃ،
اور راجح یہ ہے کہ عادیات سے مراد گھوڑے ہیں
جیساکہ جمہور نے اختیار کیا ہے اور یہی ان
اوصاف سے ظاہر ہوتا ہے جو اس سورت
میں مذکور ہیں۔

علامہ فخر الدین رازیؒ بڑے کھل کر فرماتے
ہیں کہ واعلم اَنَّ الفاظ ھٰذہِ الآیۃ
تُنَادِیْ انّ المراد ھو الخیل وذالک
لان الضبح لا یکون الا للفرس واستعمال
ھٰذا اللفظِ فی الابل یکون علیٰ سبیل
الاستعارۃ (کبیر)

واضح رہے کہ آیات پکار کر بتلا رہی ہیں کہ
یہاں گھوڑے ہی مراد ہیں کیونکہ ضبح گھوڑے
ہی میں پایا جاتا ہے اور اونٹ کیلئے اسکا
استعمال استعارہ ہے، اور بلاوجہ حقیقت کو
ترک کرکے استعارہ مراد لینا درست نہیں
ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ایک
مستقل رسالہ فارسی زبان میں سورۂ عادیات
کی تفسیر میں تحریر کیا ہے جسکا نام تحصیل الغنائم
والبرکات ہے، اس رسالہ میں انھوں نے
لکھا ہے کہ گھوڑے کی آواز کے تین نام ہیں
ایک صہیل یعنی بلند آواز سے ہنہنانا جیسا
کہ اسکی عادت ہے، دوسری حمحمہ جو کہ چارے
کے وقت کرتا ہے اور تیسری ضبح ہے جو تیز
دوڑتے وقت اُس کے سانس سے پیدا

ہوتی ہے (واللہ اعلم)

ضَبْحًا : ضَبَحَ يَضْبَحُ ضَبْحًا ہانپنا گھوڑوں کے دوڑنے کے سبب ہانپتے ہوئے جو آواز پیدا ہوتی ہے اسکو ضبح کہتے ہیں، واضح رہے کہ دوڑتے ہوئے گھوڑوں کے نتھنوں سے بھی آواز پیدا ہوتی ہے اور پیٹ سے بھی۔ بعض حضرات نے پیٹ کی آواز کو ضبح کہا ہے، اور بعض نے نتھنوں سے پیدا ہونیوالی بھوں بھوں کو ضبح قرار دیا ہے علامہ راغب لکھتے ہیں کہ ضبح کے معنی سرپٹ دوڑ کے وقت گھوڑے کے ہانپنے کے ہیں اور اس آیت کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں ضبح کے معنی گھوڑوں کے ہانپنے کی آواز کے ہیں کیونکہ وہ ضباح یعنی لومڑی کی آواز سے زیادہ مشابہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی دوڑنے کی آواز کے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ضبح کے اصل معنی لکڑی جلانے کے ہیں۔ تشبیہ کے طور پر گھوڑے کے دوڑنے پر اس استعمال ہونے لگا ہے۔

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی فرماتے ہیں کہ ضبح وہ خاص آواز ہے جو گھوڑے ہانپتے ہوئے اپنے نتھنوں سے نکالتے ہیں (تدبر)

حضرت مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ ضبح وہ خاص آواز ہے جو گھوڑے کے دوڑتے وقت اس کے سینے سے نکلتی ہے (معارف)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ الضَّبْحُ صَوْتُ اجواف الخیل اذا عَدَتْ (حقانی)

یعنی ضبح وہ آواز ہے جو گھوڑوں کے دوڑنے کے وقت ان کے پیٹ سے نکلتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ضبح کی تفسیر اَحْ اَحْ کی آواز سے کی ہے اور یہ آواز سینے سے پیدا ہوتی ہے جیسا کہ حضرت مفتی صاحب نے لکھا ہے۔ ضَبَحَتْهُ النَّارُ کے معنی ہیں آگ نے اس کے چہرے کو سیاہ کر دیا۔

مُوْرِيَاتِ : فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں (ماجدی) یعنی اُن کے نعلوں سے پہاڑوں کے پتھر آگ دے اٹھتے ہیں (ماجدی)

مُوْرِيَاتِ : اِيْرَاءٌ (افعال) سے مشتق ہے جس کے معنی آگ نکالنے کے ہیں جیسے چقماق کو مار کر یا دیا سلائی

کو رگڑ کر نکالی جاتی ہے (معارف)

مُوْرِيَات اسم فاعل مونث جمع ہے مورِیَۃٌ کی، مراد وہ گھوڑے ہیں، جو پتھریلی زمین پر چلتے ہیں تو اُن کے سموں کی رگڑ سے آگ کی چنگاریاں نکلتی ہیں، وَارِیۡتُ کذا کے معنی ہیں کسی چیز کو چھپا پوشیدہ رکھنا، حَتّٰی تَوَارَتۡ بِالۡحِجَابِ یہاں تک کہ آفتاب پردے میں چھپ گیا۔ وَرِیَ الزند یَرِیۡ کے معنی چقماق کے پیچھے سے آگ نکالنے کے ہیں۔ گویا اس میں آگ کے پوشیدہ ہونے کے معنی کا لحاظ ہے۔ مُوْرِيَات بطور استعارہ کے ان گھوڑوں کو کہا جاتا ہے جن کی تیز رفتاری کے باعث ان کے سموں سے آگ کی چنگاریاں اُبھرتی ہیں گویا ان کے سموں میں آگ پوشیدہ ہے۔

قَدۡحًا : یہ قَدَحَ یَقۡدَحُ (ف) کا مصدر ہے۔ قَدَحَ الزَّنۡدُ یا قَدَحَ بِالزَّنۡدِ۔ چقماق کو رگڑ کر آگ نکالنا قَدۡحٌ نکتہ چینی کے لئے بھی آتا ہے۔ قَدَحَ فِیۡهِ : اس پر نکتہ چینی کی۔ قَدۡحٌ کے اصل معنی نکالنے کے ہیں، قَدَحۡتُ الۡعَیۡنَ آنکھ سے گندہ پانی نکالنا۔ قَدِیۡحٌ ہانڈی کے نیچے بچا ہوا سالن وغیرہ جسکو نکالنے میں کچھ محنت لگے۔ مِقۡدَحَۃٌ: آگ بھڑکانے کا آلہ، چقماق، چمچہ، کفگیر، قَدَحٌ : خالی گلاس کَأۡس : بھرا ہوا گلاس۔ وقال القرطبی واصل القدح : الاستخراج ومنه قَدَحۡتُ العَیۡنَ اذا اخرجت منها الماء الفاسد (قرطبی) حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ قَدۡحًا کے معنی ٹاپ مارنے کے ہیں (معارف)

مُغِيْرَات : فَالۡمُغِیۡرٰتِ صُبۡحًا : یہ اِغَارَۃٌ سے مشتق ہے جسکے معنی حملہ کرنے اور چھاپہ مارنے کے ہیں۔ صُبۡحًا کی قید بیان عادت کے طور پر ہے کیونکہ عرب لوگ اظہار شجاعت کے لئے رات کی اندھیری میں چھاپہ مارنا معیوب سمجھتے تھے حملہ صبح ہونیکے بعد کیا کرتے تھے۔ وا صَبَاحَا جو نعرہ تھا اسمیں بھی صبح کا حوالہ اسی پہلو سے تھا کہ یہ صبح کے وقت غارتگری کا الارم سمجھا جاتا تھا (نقل القرطبی والاغارۃ : سُرۡعَۃُ السَّیۡرِ، سرعت رفتاری، اچانک حملہ

اَثَرۡنَ : فَاَثَرۡنَ بِهٖ نَقۡعًا، پھر اس وقت غبار اُڑاتے ہیں اَثَرۡنَ صیغہ جمع مونث غائب۔ یہ اِثَارَۃٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی اُٹھانے اُبھارنے اور اُڑانے

کے آتے ہیں ۔
نَقْعًا : نَقْعٌ ، گرد و غبار کو کہا جاتا ہے ۔ نِقَاعٌ اور نُقُوْعٌ جمع نَقِیْعٌ ، ٹھہرا ہوا شیریں پانی ۔ نَقِیْعَۃٌ : مسافر مہمان ، نُقَاعَۃٌ : وہ پانی جس میں کوئی چیز بھگوئی جائے ۔
کَنُوْد : اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْدٌ ، بے شک انسان اپنے رب کا نہایت ناشکرا ہے ۔ کنود کے معنی ہیں ناشکرا ناسپاس ، تنہا خود اپنے مالک کی عنایتوں کا ناقدرا (تدبر)
کَنُوْد کے معنی میں حضرت بصریؒ نے فرمایا کہ وہ شخص جو مصائب کو یاد رکھے اور نعمتوں کو بھول جائے اس کو کنود کہا جاتا ہے ۔ ابوبکر واسطیؒ نے فرمایا جو اللہ کی نعمتوں کو اس کی معصیت میں صرف کرے وہ کنود ہے ۔ اور ترمذیؒ نے فرمایا جو شخص نعمت کو دیکھے اور منعم یعنی دینے والے کو نہ دیکھے وہ کنود ہے ، ان سب اقوال کا حاصل نعمت کی ناشکری کرنا ہے اس لئے کنود کا ترجمہ ناشکری کیا گیا ہے (معارف)
علامہ قرطبیؒ نے ابن عباسؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ کَنُوْد کِندۃ اور حضرموت کی لغت میں عاصی کو اور ربیعہ اور مضر کے لغت میں کَفُوْرٌ یعنی منکر کے لئے بولا جاتا ہے ۔ اور کنانہ کی زبان میں بری فطرۃ والے بخیل کو کہا جاتا ہے ۔
یہ کَنَدَ سے مشتق ہے جس کے معنی قطع کرنے اور کاٹنے کے ہیں ۔ کَنَدَ الْحَبْلَ اس نے رسی کاٹ دی ۔
کَنُوْد ، بنجر زمین کو بھی کہا جاتا ہے اور پھر بطور استعارہ کے ناسپاس اور ناشکرے کو کنود کہا جاتا ہے ، کَنَدَ یَکْنِدُ کُنُوْدًا نعمت کا کفران کرنا ۔ ناشکری کرنا ، کَنُوْدٌ بفتح الکاف صفت کا صیغہ ہے اور کُنُوْدٌ بضم الکاف مصدر ہے کَنُوْد اور کُنُدٌ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں ۔ کَنَّادٌ کُنُدٌ کَنُوْدٌ تینوں ہم معنی ہیں ۔ مذکر و مؤنث دونوں میں برابر استعمال ہوتے ہیں ،
شَدِیْد : وَاِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ ۔ اور وہ آدمی محبت مال کی بہت پکا ہے (معارف)
اَیْ لَقَوِیٌّ فِیْ حُبِّہٖ لِلْمَالِ (قرطبی)

یہاں شدید سے مراد بخیل ہے مُتَشَدِّدٌ کا لفظ بھی بخیل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے ۔ عرب کا مشہور شاعر طرفہ کہتا ہے ؎

أَرَى الْمَوْتَ يَعْتَامُ الْكِرَامَ وَيَصْطَفِي
عَقِيلَةَ مَالِ الْفَاحِشِ الْمُتَشَدِّدِ

میں موت کو دیکھتا ہوں کہ وہ سخیوں کی جانوں کو پسند کرتی ہے، اور پسند کرتی ہے سخت بخیل کے عمدہ مال کو (قرطبی)

بُعْثِرَ : أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۔ بُعْثِرَ : وہ اُٹھایا گیا، وہ کریدا گیا، وہ اُلٹ پلٹ کیا گیا، یہ بَعْثَرَةٌ سے جس کے معنی اُلٹ پلٹ کرنے کے ہیں ماضی مجہول کا صیغہ ہے بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ رُباعی اور خُماسی دو ثلاثی ملکر بنتے ہیں لہٰذا انکے نزدیک یہ بُعِثَ اور اُثِيْرَ سے ملکر بنا ہے اور یہ بات کچھ بعید نہیں ہے کیونکہ بَعْثَرَةٌ میں دونوں فعلوں کے معنی موجود ہیں، پس جس طرح بَسْمَلَ بمعنی اُس نے بسم اللہ پڑھی، بسم اور اللہ کے نام سے مرکب ہے اسی طرح بَعْثَرَةٌ لفظ بعث اور إِثَارَةٌ کی راء سے مرکب ہے بُعْثِرَ : ای أُثِيْرَ وَقُلِبَ وَبُحِثَ (قرطبی)

بُعْثِرَ کے معنی ہیں کسی جمع کی ہوئی چیز کو جائزہ لینے کے لئے پراگندہ اور متفرق کر دینا (تدبر) بَعْثَرْتُ الْمَتَاعَ : سامان کو بکھیر دیا۔

اَلْقُبُوْرِ : بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ، القبور جمع ہے الْقَبْرُ کی ۔ قبر میں ہونے کے حقیقی معنی تو مدفون ہونا اور مٹی کے اندریت کا ہونا ہی ہے لیکن مجازاً دو معنی اور بھی مراد لئے جاتے ہیں ۱؎ پوشیدہ رہنا، ۲؎ قعر جہالت اور ضلالت میں پڑا رہنا اسی بناء پر مَا فِي القبور سے اشارہ یا تو حالتِ بعث کی طرف ہے یعنی قبروں سے مُردوں کے اُٹھنے کی حالت (یہ معنی حقیقی ہیں) یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب تک آدمی دنیا میں تھے انکی حالت چھپی ہوئی تھی، عذاب و ثواب کچھ ظاہر نہ تھا، قیامت کے دن ظاہر کر دیا جائیگا اسوقت مَا فِي القبور کا مطلب ہوگا دنیوی حالات اور بعثرت کا مطلب ہوگا کھول دینا، یہ معنی مجازی ۱؎ ہیں، یا یہ مراد کہ کافر جب تک دنیا میں تھا جہالت کے گڑھے میں پڑا ہوا تھا مرنیکے بعد جہالت دُور

ہوجائے گی، سب کچھ دیکھ جائے گا،
مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ
کا مطلب بھی بعض اہلِ حق نے یہی
بیان کیا ہے کہ آپ پیامِ حق جاہل کافروں
کو نہیں سُنا سکتے جو قعرِ جہالت میں پڑے
ہوئے ہیں ۔ یہ معنی مجازی ہیں ۔
(لغات القرآن بحوالہ مفردات)

حُصِّلَ : حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ
حُصِّلَ ، وہ حاصل کیا گیا، وہ ظاہر کیا
گیا، تحصیل سے جس کے معنی چھلکے میں سے
گودا نکالنے کے ہیں جیسے کان میں سے
سونا نکالنا یا خوشہ میں سے گندم نکالنا
ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے
(لغات القرآن)

وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ کے معنی یہ
ہیں کہ جو بھید سینوں میں ہیں وہ اس
طرح نکال کر جمع کر دیئے جائیں گے
جس طرح کہ چھلکے سے مغز الگ کرلیا جاتا ہے
یا جیسے حساب کا حاصل ظاہر کیا جاتا ہے
اور چھان وغیرہ کو حصیل کہا جاتا ہے ۔
وقال اللیث : الحاصل من کُلِّ شیئٍ مَا
بَقِیَ وَثَبَتَ وَذَھَبَ سِوَاہُ (کبیر)

شرح الفاظ القرآن من سورۃ القارعۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْقَارِعَۃُ : یہ قیامت کے مختلف ناموں میں سے ایک نام ہے اسکے معنی ہیں ٹھونکنے والی، کھٹکھٹانے والی، قَرَعَ اَلْبَابَ کے معنی ہیں اُس نے دروازہ ٹھونکایا کھٹکھٹایا (تدبر)

قَرْعٌ کے اصل معنی ایک چیز کو دوسری چیز پر مارنے کے ہیں۔ مِقْرَعَۃٌ کوڑے کو کہتے ہیں۔ محاورہ ہے قَرَعْتُہٗ بِالْمِقْرَعَۃِ میں نے اس کو کوڑے سے سزا دی، قیامت چونکہ اپنی ہولناکیوں سے پوری مخلوقات کو لرزا دیگی اس لئے اس کو القارعہ کہا گیا، جب کسی قوم یا ملک پر کوئی بڑی مصیبت آن پڑے تو عرب لوگ کہتے ہیں قَرَعَتْھُمُ الْقَارِعَۃُ وَ فَقَرَتْھُمُ الْفَاقِرَۃُ : یعنی بہت بڑا حادثہ ان پر آن پڑا ہے۔

القارعۃ - ای القیامۃ والساعۃ کذا قال عامۃ المفسرین وذالک انھا تقرع الخلائق باھوالھا و افزاعھا (قرطبی)

الفَرَاش : الفراش: پتنگے، کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ، جیسے بکھرے ہوئے پتنگے۔

اَلْفَرَاش : یہ فَرَاشَۃٌ کی جمع ہے بمعنی پروانہ، تتلی، پتنگ (راغب)

دراصل فراش وہ کیڑے ہیں جو رات کو بتی اور لالٹین کی روشنی پر گرتے ہیں۔ حدیث میں ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، مَثَلِیْ ومثلکم کمثل رجل اَوْقَدَ نارًا - فجعل الجنادبُ والفراش یَقَعْنَ فیھا - وھو یَذُبُّھُمْ عنھا - میری اور تمہاری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک آگ جلائی اور تتلیاں پروانے اس پر گرنے لگے اور وہ آدمی ان کو ہٹاتا ہے کہ آگ میں نہ گریں۔

الفراش : الطیر الذی یتساقط فی النار والسراج - الواحدۃ فَرَاشَۃٌ (قرطبی)

مَبْثُوْث : المتفرق المنتشر (قرطبی)

بَثٌّ کے اصل معنی ہیں کسی چیز کو متفرق اور پراگندہ کردینا، جیسے بَثَّ الرِّیْحُ التُّرَابَ،

ہوا نے مٹی کو پراگندہ کر دیا، اسی سے مبثوث ان پروانوں کو کہا جاتا ہے جو مخفی اور پرسکون جگہوں پر بیٹھے ہوں اور ان کو پریشان کر دیا گیا ہو (راغب)

عِهْنٌ : كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ، عِهْنٌ اس اُون کو کہتے ہیں کہ جو دھنک کر اور رنگ کر کاتنے کے لئے تیار کی جا چکی ہو۔ اس طرح کی اون کا ریشہ ریشہ الگ ہوتا ہے۔ تشبیہ میں اصل مقصود اون کی پراگندگی کو بیان کرنا ہے (تدبر)

وَاَهْلُ اللُّغَةِ يَقُوْلُوْنَ : العِهْنُ الصوف المصبوغ (قرطبی)

مَنْفُوْش : دھنا ہوا، نَفَشٌ مصدر باب ضرب و سمع۔ اون یا روئی کو دھنکنا انگلیوں سے کسی چیز کو بکھیر دینا، رات کو جانوروں کو چرنے کے لئے چھوڑ دینا، آخری معنی کے لئے باب افعال استعمال ہوتا ہے اور اول کے لئے تفعیل۔ اِلْاِبِلُ النوافِشُ، رات کو بغیر چرواہے کے چرنے والے اونٹ۔ نَفَشَ القُطْنَ۔ و نَفَّشَ، دونوں کے معنی روئی یا اُون کو دھننے کے ہیں۔

اُمٌّ : اُمُّهٗ هَاوِيَةٌ، اُسکا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اُمُّهٗ : اس کی ماں، اسکا ٹھکانہ۔ اُمٌّ کے معنی ماں ہیں لیکن یہاں یہ لفظ ملجا اور ٹھکانے کے معنی میں ہے اور نہایت بلیغ تشبیہ ہے کہ جیسے ماں اپنے بچے کو گود سے جدا نہیں کرتی اسی طرح دوزخ اہل دوزخ کو اپنے سے جدا نہیں کرے گی۔

هَاوِيَةٌ : دوزخ اور دوزخ کے مختلف طبقات میں سے ایک طبقہ اور درجہ کا نام بھی ھاویہ ہے۔ هَوِيٌّ کے معنی اوپر سے نیچے گرنے کے ہیں۔ اُمُّهٗ هَاوِيَه کے بارے میں بعض نے کہا ہے کہ یہ هَوَتْ اُمُّهٗ کی طرح ایک محاورہ ہے جس کے معنی ہیں وہ ہلاک ہو۔

حَامِيَةٌ : گرم، ای شَدِيْدَةُ الحَرَارَةِ (قرطبی) گویا نیرانِ دُنیا اس کے مقابلہ میں ٹھنڈی ہیں (کبیر) حَامِیۃ دہکتی ہوئی جلتی ہوئی حُمِیَّ سے جس کے معنی دہکنے کے ہیں اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے (لغات القرآن)

شرح الفاظ القرآن من سورۃ التکاثر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْھٰا : اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ ، فخر کرنا تمہیں غافل کئے رہتا ہے (ماجدی)
اِلْھَاء کے معنی لہو میں ڈالدینے کے ہیں (ماجدی)
اِلْھَاءٌ کے معنی غافل اور مبتلی فریب رکھنے کے ہیں (تدبر)
اَللّھو ، ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو اہم کاموں سے غافل کردے ۔ اَلْھَاہُ کَذَا ، یعنی فلاں چیز نے اسکو اہم کام سے مشغول کر دیا ،

اَلتَّکَاثُرُ : تکاثر ، کثرت سے مشتق ہے معنی ہیں کثرت کے ساتھ مال و دولت جمع کرنا ، حضرت ابن عباسؓ سے یہی تفسیر منقول ہے اور یہ لفظ بمعنی تفاخر بھی استعمال کیا جاتا ہے ، حضرت قتادہ کی یہی تفسیر ہے ، ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مال کو ناجائز طریقوں سے حاصل کیا جائے ، اور مال پر جو اللہ کیطرف سے فرائض عائد ہوتے ہیں ان میں خرچ نہ کریں (معارف) تکاثر کے معنی ہیں ، مال و اولاد کی کثرت میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی تگ و دو (تدبر)
تکاثر : بہتات زیادہ طلبی ، دولت وجاہ عزت و مرتبہ ، مال واولاد کی کثرت کے لئے باہم جھگڑنا ۔ بروزن تفاعُلٌ مصدر ہے (لغات القرآن) التکاثر المُکَاثَرَۃُ (قرطبی)
مذکورہ حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ تکاثر تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ ایک یہ کہ آدمی زیادہ سے زیادہ کثرت حاصل کرنیکی کوشش کرے دوسرے یہ کہ لوگ کثرت کے حصول میں ایک دوسرے سے بڑھ جانیکی کوشش کریں ، تیسرے یہ کہ لوگ ایک دوسرے کے مقابلہ میں اسبات پر فخر جتائیں کہ انھیں دوسروں پر زیادہ کثرت حاصل ہے

زُرْتُمْ : حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ، زُرْتُمْ عربی میں بالکل سادہ معنوں میں آتا ہے ، اُردو کے لفظ زیارت کی طرح اس کے اندر کسی شرف و تقدس کا کوئی شائبہ نہیں زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ کا معنی بس یہ ہوگا کہ تم نے قبروں کو دیکھا یعنی ان کے حوالے ہوئے ، کسی

حماسی کا شعر ہے ؎

اذا زرت ارضًا بعد طول اجتنابها
فقدت صدیقی والبلاد کما ھیا

جب میں کسی سرزمین کو عرصہ تک اس سے جُدا رہنے کے بعد دیکھتا ہوں تو نظر آتا ہے کہ احباب تو میں نے سارے کھو دیئے لیکن زمین اسی طرح ہے جس طرح تھی (تدبر) و زیارۃ القبور عبارۃ عن الموت یقال لمن مات زار قبرہٗ و زار رمسہٗ (کبیر)

المَقَابِرُ : یہ مقبَرۃ کی منتہی الجموع ہے قبرستان جہاں مُردے دفن کئے جاتے ہیں، جمع مقبرۃ بتثلیث الباء وھی المحلّ الذی تدفن فیہ الاموات (جمل)

یَقِیْن : علمُ الیقین، یقین کے معنی کسی امر کو پوری طرح سمجھ لینے کے ساتھ اس کے پایۂ ثبوت کو پہنچ جانے کے ہیں اس لئے یہ صفات علم سے ہے، اور معرفت و درایۃ وغیرہ سے اس کا درجہ اوپر ہے یہی وجہ ہے کہ علم الیقین کا محاورہ تو استعمال ہوتا ہے معرفۃ الیقین کا محاورہ نہیں بولتے ـ علم الیقین، معرفۃ الیقین اور عین الیقین میں کچھ معنوی فرق ہے علم الیقین تو وہ ہے جو دلائل قطعیۃ سے ثابت ہو، اس سے انسان کے فہم میں سکون اور اطمینان پیدا ہوتا ہے اور عین الیقین وہ جو مشاہدہ سے ثابت ہو اور حق الیقین وہ ہے جو تجربہ سے اور کسی چیز کو استعمال کر کے حاصل کیا جائے۔ اس لئے علم الیقین تو ان دلائل سے حاصل ہوتا ہے جو آفاق و انفس اور قرآن میں بیان کر دیئے گئے ہیں لیکن عین الیقین اور حق الیقین کا درجہ انسان کو آخرت ہی میں حاصل ہو گا، اسلئے کہ ان کا تعلق معائنہ و مشاہدہ اور تجربہ سے ہے، جنت و دوزخ کا وجود دلائل قطعیہ سے ثابت ہونے کی وجہ سے علم الیقین ہے اور جب آخرت میں ان دونوں کو سامنے لایا جائے گا تو عین الیقین کا درجہ حاصل ہو گا اور جب انہیں داخل ہو گئے تو یہ حق الیقین ہو گا علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے سید سند لغوی سے ایک مثال نقل کی ہے کہ موت کا علم ہر عاقل کو علم الیقین ہے اور جب ملائکہ موت کو دیکھتا ہے تو عین الیقین ہے اور جب موت کو چکھ لیا تو یہ درجہ حق الیقین کا ہے

شرح الفاظ القرآن من سورة العصر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

العصر: وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ زمانہ شاہد ہے کہ انسان گھاٹے میں ہے۔ عصر کے معنی زمانہ کے ہیں جس طرح لفظ دہر میں زمانہ کی مجموعیت کا اعتبار ہے اسی طرح لفظ عصر میں اسکے گزرنے اور اس کی تیز روی کی طرف اشارہ ہے چنانچہ اس کا غالب استعمال گزرتے ہوئے زمانے پر ہی ہوتا ہے۔ امرؤالقیس کا ایک مصرعہ ہے ع وَهَلْ يَنْعَمَنْ من کان فی العصر الخالی (اور اب اس کے لئے کیا مبارکی جو گزرے ہوئے زمانوں میں ہوئے) عبید بن الابرص کا ایک شعر ہے، کہتا ہے ؎

فذالك عصر وقد ارانی

يحملني بازل شبوب

وہ بھی ایک زمانہ تھا جب میں اپنے کو دیکھتا کہ ایک جوان اور خوبصورت اونٹنی پر سوار ہوں، اسی تیز روی اور گزرنے کے مفہوم کی وجہ سے تیز و تند ہوا کے لئے اِعْصَارٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے دن کے آخری حصہ کو جب دن گزر کر گویا نچڑ جاتا ہے عصر کہتے ہیں، عصر الشئ میں بھی اسی معنی کا لحاظ ہے اس سے معلوم ہوا کہ لفظ عصر ایک طرف زمانہ گذشتہ کے حوادث و احوال یاد دلا رہا ہے، دوسری طرف کی ایک مخصوص صفت یعنی اس کی تیز روی اور برق رفتاری کی طرف توجہ دلا رہا ہے ان دونوں حقیقتوں کی وضاحت سے ہمارے سامنے دو اہم نتائج آتے ہیں، ایک یہ کہ انسانوں پر انکے اعمال کے لحاظ سے اللہ کے فیصلے نافذ ہونگے، دوسرا یہ کہ ہم کو زمانہ سے جسکی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت اسکی تیز روی اور برق رفتاری ہے زیادہ سے زیادہ مستعدی اور سرگرمی سے فائدہ اٹھانا چاہیے (مجموعہ تفاسیر فراہی)

مولانا عبدالباری ندوی نے اپنی کتاب نظام صلاح و اصلاح میں تحریر کیا ہے کہ عصر کے معنی زمانہ یا وقت کے ہیں، عربی محاورہ میں اسکا مفہوم و تصور مرور و گزران یا چل چلاؤ کا ہے

امام راغب رقمطراز ہیں، عَصْرٌ اور عُصُرٌ کے معنی زمانہ کے ہیں۔ اسکی جمع عُصُورٌ آتی ہے ارشاد ہے "وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ" قسم ہے زمانہ کی کہ انسان ٹوٹے میں ہے نیز عصر کے معنی پچھلے پہر دن کے آخری حصہ کے بھی ہیں۔ اسی معنی میں نماز عصر ہے۔ صاحب قاموس نے اسکی جمع اَعْصَارٌ عُصُوْرٌ اَعْصُرٌ اور عُصُرٌ نقل کی ہیں، امام فخرالدین رازیؒ نے کسی زرگ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے سورۂ عصر کا مطلب ایک برف فروش سے سمجھا جو بازار میں یہ آواز لگا رہا تھا کہ اِرْحَمُوْا مَنْ یَّذُوْبُ رَأْسَ مَالِہٖ، ارحموا من یذوب راس مالہ، رحم کرو اس شخص پر جسکا سرمایہ گھلا جا رہا ہو، رحم کرو اس شخص پر جسکا سرمایہ گھلا جا رہا ہو، اسکی یہ بات سنکر میں نے کہا کہ والعصر ان الانسان لفی خسر کا مطلب عمر کی جو مدت انسان کو دی گئی ہے وہ برف کے تودے کی طرح تیزی سے گزر رہی ہے اسکو اگر ضائع کیا جائے یا غلط کاموں میں صرف کر ڈالا جائے تو یہی انسان کا خسارہ ہے، اور اگر اس گزرتی ہوئی زندگی کو اُن صفات کے ساتھ متصف کر لیا جائے جو اس صورت میں بیان کی گئی ہیں تو یہ کامیابی ہے۔

اقسم تعالیٰ بالعصر وھو الزمان الذی ینتھی فیہ عمر الانسان (صفوۃ) عَصْرٌ، یہ دراصل عَصَرْتُ الشَّیْءَ کا مصدر ہے جسکے معنی ہیں کسی چیز کو نچوڑنا۔ مَعْصُوْرٌ وہ چیز جس کو نچوڑا گیا ہو، اور عُصَارَۃٌ وہ شیرہ جو نچوڑ کر نکالا گیا ہو۔

خُسْرٍ: اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ بے شک انسان خسارے میں ہے خُسْرٌ زیاں، نقصان، ٹوٹا۔ یہ خَسِرَ یَخْسَرُ کا مصدر ہے، اسی طرح خَسَارٌ اور خُسْرَانٌ بھی مصدر ہیں اور تینوں کے معنی خسارہ کے ہیں یعنی پونجی گھٹ جانا اور سرمایہ میں گھاٹا اور ٹوٹا پڑجانا پھر خسارہ کبھی تو انسان کی طرف منسوب ہوتا ہے کہا جاتا ہے فلانے کو گھاٹا ہوگیا، اور کبھی فعل کی طرف منسوب ہوتا ہے کہتے ہیں اس کی تجارت گھٹ گئی اور کبھی اسکی نسبت خارجی چیزوں کی طرف ہوتی ہے جیسے مال وجاہ وغیرہ ہیں خسارہ کا استعمال بیشتر انہی خارجی چیزوں میں ہوتا ہے اور کبھی نفیس اور گرانقدر نعمتوں کی طرف جیسے صحت اور تندرستی، عقل وہوش فہم وذکار وغیرہ ہیں، اللہ نے خُسْرَانٌ

مُّبِيْنٌ انھی گرانقدر نعمتوں کے خسارہ کو فرمایا ہے (لغات القرآن) ومعناہ : النقصان و ذھاب رأس المال (کبیر)

اٰمَنُوْا : ایمان کی اصل اَمْنٌ ہے یہ لفظ لغت میں مختلف معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ آمَنَہٗ اَیْ اَعْطَاہُ اَمْنًا (اسکو امن دیا) قرآن میں ہے وَآمَنَھُمْ مِّنْ خَوْفٍ (قریش) اور انکو خوف سے امن دیا آمَنَ لَہٗ صَدَّقَہٗ وَاعْتَمَدَ عَلَیْہِ (اسکی تصدیق کی، اس پر اعتماد کیا) آمَنَ بِہٖ، اَیْقَنَ بِہٖ اسکا یقین کیا، قرآن مجید میں یہ لفظ مذکورہ تمام صورتوں میں استعمال ہوا ہے، اس کے مشتقات میں سے لفظ مُؤْمِنٌ، اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں آنیوالے بندوں کو پناہ دیتا ہے وہ یقین جو خشیت، توکل اور اعتقاد کے تمام لوازم و شرائط کے ساتھ پایا جائے ایمان ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر، اسکی آیات پر، اسکے احکام پر اپنے آپکو اسکے حوالہ کردے اسکے فیصلوں پر راضی رہے وہ مومن ہے (تفسیر فراہی)

قرآن دراصل جس ایمان کو حقیقی ایمان قرار دیتا ہے اسکو ان آیات میں پوری طرح واضح کردیا ہے، اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا (الحجرات۱۵) مومن تو حقیقت میں وہ ہیں جو اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لائے اور پھر شک میں نہ پڑے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (حٰمٓ السجدۃ ۳۰) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر ڈٹ گئے، اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ (الانفال۲) مومن تو حقیقت میں وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو انکے دل لرز جاتے ہیں۔ فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ (النساء ۶۵) بس اے نبی! تیرے رب کی قسم، وہ ہرگز مومن نہیں جب تک اپنی باہمی معاملات و اختلافات میں تمہیں فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔

اَلصّٰلِحٰتِ : وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، اور انھوں نے نیک اعمال کئے، صَالِحَات : نیک اعمال، اچھے کام، یہ صَلَاحٌ سے اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے، اور یہ صَالِحَۃٌ کی جمع ہے، صَلَاحٌ، فَسَادٌ کی ضد ہے، ان دونوں کا اکثر استعمال افعال ہی میں ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں کہیں تو لفظ صلاح فساد کے مقابل لایا گیا ہے

اور کہیں سیئہ کے جیسا کہ ارشاد ہے خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحًا وَّآخَرَ سَیِّئًا، ملایا انھوں نے ایک کام نیک اور دوسرا بد۔ اور فرمایا لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا، مت خرابی ڈالو زمین میں اسکی اصلاح کے بعد۔

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں ابی بن کعب سے نقل کیا ہے، انھوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے سورۂ عصر کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ وَالْعَصْرِ تو تمہارے رب کی قسم ہے جو اس نے دن کے آخری حصہ کی کھائی ہے، اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ سے مراد ابو جہل ہے، اور اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سے عمر رضی اللہ عنہ اور تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ سے مراد عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں (قرطبی)

تَوَاصَوْا : وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ، تَوَاصِیْ، وصیت سے مشتق ہے، کسی شخص کو تاکید کے ساتھ مؤثر انداز میں نصیحت کرنے اور نیک کام کی ہدایت کرنے کا نام وصیت ہے اسی وجہ سے مرنے والا جو اپنے بعد کیلئے کچھ ہدایات کرتا ہے اس کو بھی وصیت کہا جاتا ہے (معارف) تَوَاصَوْا باب تفاعل سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر ہے باہم ایک دوسرے کو وصیت کرنا

اَلْحَقّ : حق اصل میں تو موجود اور قائم کو کہتے ہیں، لیکن استعمال کے لحاظ سے اس کے معانی مختلف ہو گئے ہیں کم از کم تین معنوں میں اس کا استعمال عام ہے

۱. وہ بات جسکا واقع ہونا حق ہو
۲. وہ بات جو عقل کے نزدیک مسلم ہو،
۳. وہ بات جو اخلاقاً فرض ہو، قرآن مجید میں لفظ حق ان تینوں معنوں میں استعمال ہوا ہے، مثلاً اِنَّ ذَالِکَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ، بیشک اہل دوزخ کا یہ جھگڑا ضرور واقع ہوگا، فَرُدُّوْا اِلٰی مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ، وہ اپنے حقیقی مولے کی طرف لوٹائے جائیں گے وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ، اور ان کے اموال میں سائل اور محروم کا حق ہے، یعنی ایک واجب الادا قرض کی حیثیت سے،

اَلصَّبْرِ : وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ، علامہ راغب فرماتے ہیں کہ صبر کے معنی ہیں تنگی کی حالت میں کسی کو روک رکھنا، چنانچہ

صَبَرْتُ الدَّابَّۃَ کے معنی ہونگے میں نے
جانور کو چارہ کھلائے باندھے رکھا، اور
صَبَرْتُ فُلَانًا کے معنی ہیں مَیں نے اُسے
زبردستی قسم کھلائی، لہٰذا صبر کے معنی ہوئے
عقل و شریعت دونوں یا انہیں سے کسی
ایک کے تقاضے کے مطابق اپنے آپ کو
روک رکھنا، پس صبر ایک ایسا لفظ ہے جو
مختلف مواقع میں استعمال کے اعتبار سے
مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے چنانچہ
کسی مصیبت پر نفس کو روکے رکھنے پر صبر بولا
جاتا ہے۔ یہ جَزَعٌ کی ضد ہے اور جنگ و
جہاد میں نفس کو روک رکھنے کو شجاعت
کہتے ہیں، اس کی ضد جُبْنٌ ہے اور یہ
ہی صبر اگر کسی پریشان کُن حادثہ کے
برداشت کرنے کی صورت میں ہو تو اسکو
رُحْبُ الصَّدْرِ (کشادہ دلی) کہتے ہیں
اس کی ضد ضَجْرَۃٌ ہے، اور بات کو
چھپانے پر ہو تو کتمان کہتے ہیں، قرآن پاک
میں ان تمام صورتوں پر لفظ صبر بولا
گیا ہے۔

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الھمزۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَیۡلٌ : وَیۡلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۣ

لفظ وَیۡل افسوس وحسرت کا کلمہ ہے دوزخ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔جہنم کے ایک طبقہ کا نام بھی وَیۡل ہے اس لفظ کی وضاحت پہلے کی جاچکی ہے۔

ھُمَزَۃٍ : حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ہمزؒ اور لمزؒ چند معانی کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ اکثر مفسرین نے جسکو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہمزؒ کے معنی غیبت یعنی پیٹھ پیچھے کسی کے عیوب کا تذکرہ کرنا ہے، اور لمزؒ کے معنی آمنے سامنے کسی کو طعنہ دینے اور بُرا کہنے کے ہیں (معارف)

امین احسن اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ ہمزؒ کے معنی اشارہ بازی کرنے اور لمزؒ کے معنی عیب لگانے کے ہیں، ھُمَزَۃٌ اور لُمَزَۃٌ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں، اور اسی سورۃ میں آگے حُطَمَۃٌ بھی اسی وزن پر آیا ہے۔ ھُمَزَۃٌ کے معنی اشارہ باز، اور لُمَزَۃٌ کے معنی عیب جو اور عیب چین کے ہیں۔ اشارہ بازی کا تعلق زیادہ تر حرکتوں اور اداؤں سے ہے، اور عیب جوئی کا تعلق زبان سے، یہ دونوں ایک ہی کردار کے دو پہلو ہیں (تدبر)

علامہ راغب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ھَمۡزؒ کے اصل معنی کسی چیز کو دباکر نچوڑنے کے ہیں۔ محاورہ ہے ھَمَزۡتُ الشَّیۡءَ فِیۡ کَفِّیۡ ؛ میں نے فلاں چیز کو اپنی ہتھیلی میں دباکر نچوڑا، اور اسی سے حرف ھَمۡزہ ہے جو کہ زبان کو جھٹکا دیکر پڑھا جاتا ہے، اور ھَمۡزؒ کے معنی غیبت کرنا بھی آتے ہیں، اور قرآن شریف میں ہے، ھَمَّازٍ مَّشَّاءٍۭ بِنَمِیۡمٍ، طعن آمیز اشارے کرنے والا، چغلیاں لئے پھرنے والا (مفردات)

علامہ قرطبیؒ نے ان دونوں الفاظ کے معانی میں علمائے لغت کے مختلف اقوال تحریر فرمائے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے معنی میں

استعمال ہوتے ہیں، اور فُعَلَۃٌ کے وزن
پر ہیں جو مبالغہ کے لئے وضع کیا گیا ہے
وَالْھُمَزَۃُ اسم وُضِعَ للمُبَالغۃ
فی ھٰذا المعنیٰ (قرطبی)
علامہ ابوحیان اندلسی ارشاد فرماتے ہیں
کہ وفُعَلَۃٌ مِنْ ابنیۃ المبالغۃ
کَنُوَمَۃٌ وعُیَبَۃٌ وسُخَرَۃٌ وضُحَکَۃٌ
یعنی فُعَلَۃٌ کا وزن مبالغہ کے اوزان میں
سے ہے، جیسا نُوَمَۃٌ بہت سونے
والا۔ عُیَبَۃٌ بڑا عیب جو، سُخَرَۃٌ
بڑا ٹھٹھا باز ضُحَکَۃٌ بڑا مزاحی (بحر)

لُمَزَۃٌ: یہ صیغہ صفت کا ہے مبالغہ
کے معنی دیتا ہے، یہی معنی لَمَّازٌ کے
ہیں، عیب چین۔ پس پشت بُرائی کرنے
والا۔ لَمْزٌ کے معنی ہیں طعن کرنا، چبھونا
ابرو یا آنکھ سے بطور طنز اشارہ کرنا،

حُطَمَۃٌ: حُطَمَۃٌ یہ حَطْمٌ کے
مادہ سے ہے جس کے معنی چُور چُور کردینے
کے ہیں، یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے مراد
اس سے دوزخ کی آگ ہے کہ اپنے اہل
کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے گی، بعض کا
خیال ہے کہ اس سے مراد دوزخ کا دوسرا
طبقہ ہے، ضحاک نے چوتھا طبقہ ذکر کیا ہے
اور ابن زید کہتے ہیں کہ یہ جہنم کے ناموں
میں سے ایک نام ہے (قرطبی)
صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ جو آدمی
زیادہ کھانے والا ہو اس کو کہا جاتا ہے
اِنَّہٗ لحُطَمَۃٌ: کہ ہر چیز کو گویا توڑ
پھوڑ کر ہضم کر جاتا ہے، یہ بطور تشبیہ
کے ہے جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے، ع
کَاَنَّمَا فِیْ جَوْفِہٖ تَنُّوْرٌ
گویا اس کے پیٹ میں تنور ہے۔

مُؤْصَدَۃٌ: مُؤْصَدَۃٌ۔ اِنَّھَا
عَلَیْھِمْ مُؤْصَدَۃٌ، یہ باب افعال
کے مصدر اِیْصَادٌ سے اسم مفعول ہے
بند کی ہوئی وَصْدٌ مصدر مجرد باب
ضَرَبَ سے بمعنی پائیدار ہونا، برقرار ہونا
اِیْصَادٌ باڑہ بنانا، دروازہ بند کرنا،
وَصِیْدٌ اور وَصِیْدَۃٌ: چوکھٹ صحن
وہ حَظِیْرَۃ جو جانوروں کے لئے پتھروں کا
بنایا جاتا ہے۔ اَوْصَدَ البَابَ کے معنی
ہیں دروازے کو بند کر دیا۔ یہ آگ بھی بھٹہ
کی آگ کی طرح اوپر سے ڈھانک دی جائیگی
تاکہ وہ پوری قوت کیساتھ اپنا عمل کرسکے،
وَصَدَ یَصِدُ وَصْدًا: ثابت رہنا،
وَصَدَ بِالْمَکَان: اقامت کرنا، اور

وَصَدَ الثَّوْبَ کے معنی ہیں کپڑا بُننا، وَصَّدَ الْكَلْبَ بِالصَّيْدِ : کُتے کو شکار پر بھڑکانا۔ اَوْصَدَ الْقِدْرَ : ہانڈی ڈھانکنا۔

عَمَدٍ : فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ : آگ کے لمبے لمبے ستون میں ، الْعَمَدُ کے معنی کسی چیز کا قصد کرنے اور اس پر ٹیک لگانے کے آتے ہیں ۔

العماد : وہ چیز جس پر ٹیک لگائی جائے آیت کریمہ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ : میں عماد سے وہ چیزیں مراد ہیں جن پر انھیں بڑا بھروسہ تھا۔ عَمَدْتُ الشَّيْءَ : کسی چیز کو سہارا دے کر کھڑا کرنا عَمُوْدٌ اس لکڑی (بلّی) کو کہا جاتا ہے جس کے سہارے خیمے وغیرہ کو کھڑا کیا جاتا ہے عَمَدٌ اس کی جمع ہے ۔

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الفیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفیل : اَصْحَابُ الْفِیْلِ، ہاتھیوں والے
اصحابُ الفیل سے مراد ابرہہ اشرم کی فوج ہے
فیل واحد، لیکن چونکہ اسکی طرف لفظ اصحاب
کو مضاف کیا گیا ہے اس وجہ سے اس لفظ سے
صنف کا مفہوم سمجھا جائے گا اس کے واحد
ہونے کی صورت میں اس کی جمع فُیُوْلٌ اور
فِیَلَۃٌ آتی ہے اور اَفْیَالٌ بھی۔ بعض نے
کہا ہے کہ یہ اسم جنس ہے جس کی واحد اور جمع
برابر ہے، ۵۷۱ء میں ابرہہ نے جو یمن کا
حاکم تھا بیت اللہ کو منہدم کرنے کے لئے مکہ
مکرمہ پر حملہ کیا اور اللہ رب العزت نے اپنی
قدرتِ خاصّہ سے اس کو ہلاک کردیا۔

ابرہہ متعصب عیسائی تھا اسنے عیسائیت کے
تعصب میں یہ سکیم بنائی کہ عربوں کو عیسائی بنائے
اس اسکیم کو بروئے کار لانے کے لئے اس نے یمن
کے دارالسلطنت صنعاء میں ایک عظیم الشان
گرجا بنوایا اور حبش کے نجاشی کو جس کے
نائب السلطنت کی حیثیت سے وہ یمن پر
حکومت کررہا تھا اسنے لکھا کہ میں نے ایک
ایسا گرجا تعمیر کرایا ہے کہ جسکی نظیر چشم فلک نے
نہیں دیکھی ہوگی، میں چاہتا ہوں کہ عربوں کے
حج کا رُخ بھی اسی طرف موڑ دیا جائے اور ان
کے مکی معبد کو ڈھا دیا جائے، اہلِ تفسیر نے
ذکر کیا ہے کہ جب عربوں کو اسکا علم ہوا تو وہ
نہایت برہم ہوئے اور کسی عرب نے اسکو براز
سے ناپاک کیا۔ مگر یہ بات صحیح معلوم نہیں
ہوتی کیونکہ عرب ہمیشہ تلوار کے دھنی رہے
ہیں اور بہادر قوموں کے افراد اس طرح کی
حرکتیں نہیں کرتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ابرہہ نے
اپنے ناپاک ارادے کے جواز کیلئے یہ قصہ
مشہور کیا کہ اسکے تعمیر کردہ گرجا کو کسی عرب نے
ناپاک کیا ہے، لیکن بالغرض اگر یہ واقعہ صحیح بھی
ہو تو کسی ایک فرد کا انفرادی فعل کسی قوم پر حملہ
کا جواز پیدا نہیں کرتا، اسنے یہ قصہ عیسائیوں
کے جذبات بھڑکانے اور نجاشی کی تائید حاصل
کرنے کے لئے خود تراش کر مشہور کیا۔

اس مہم میں چونکہ ابرہہ نے ہاتھیوں کو ساتھ
لیکر یورش کی تھی اسلئے عرب میں اس مہم کو

واقعۃ الفیل اور اس سال کو عام الفیل کہتے ہیں، اسی مناسبت سے انکو یہاں اصحاب الفیل فرمایا گیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اسی سال ہوئی اس کی تفصیل کتب تفسیر میں موجود ہے، تفسیر ابن کثیر میں مفصل مذکور ہے۔

کَیْدٌ : کَیْدَھُمْ، ان کی تدبیر انکی فریب کاری، کَیْدٌ اسی مخفی تدبیر کو کہا جاتا ہے جو مخالف کو نقصان پہنچانے کے لئے کی جاتی ہے جَمَعَ کَیْدَہٗ ثُمَّ اَتٰی، پھر وہ اپنی تدبیریں اکٹھی کر کے آیا، اعلم ان الکید ھو ارادۃ مضرۃ بالغیر علی الخفیہ (کبیر)

تَضْلِیْلٌ : اِضْلَالٌ کا مبالغہ ہے مصدر یہاں صیغہ مجہول کے مفہوم میں ہے مراد یہ ہے کہ ہاتھی والوں کی تدبیر اکارت گئی، فِیْ تضلیل کا مطلب یہ ہوا کہ انھوں نے جو داؤ چلایا وہ غلط پڑا (مجموعہ تفاسیر فراہی)

اَبَابِیْل : جھنڈ کے جھنڈ، پرے کے پرے علامہ رازی فرماتے ہیں کہ ابوعبیدہ نے تصریح کی ہے کہ متفرق جماعت کو ابابیل کہتے ہیں، چنانچہ عرب والے بولتے ہیں، جَاءَتِ الْخَیْلُ اَبَابِیْلَ مِنْ ھٰھُنَا وھٰھُنَا، ادھر ادھر سے سواروں کے پرے کے پرے آئے۔ اس کا واحد آتا ہے یا نہیں اس بارے میں دو قول ہیں۔ اخفش اور فرار کا بیان یہ ہے کہ جس طرح شماطیط اور عَبَادِیْد کا واحد نہیں آتا ویسے ہی اسکا بھی نہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اسکا واحد آتا ہے، چنانچہ ابوجعفر رواسی نے جو لغت میں ثقہ اور معتبر خیال کیا جاتا ہے، تصریح کی ہے کہ اسنے ابابیل کا واحد اِبَالَۃٌ سنا ہے، کسائی کا بیان ہے کہ عَجُوْلٌ اور عَجَاجِیْلٌ کی طرح میں نے نحویوں کو اِبَّوْلٌ اور اَبَابِیْل بولتے سنا تھا، فرار کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص دینار اور دنانیر کی طرح اسکا واحد ایبالۃٌ بتائے تو درست ہو سکتا ہے تفسیر کبیر جلد ۱۴ جز نمبر ۳۵ صفحہ ۱۰۱ طبع طہران طبع ثانیہ۔ اعشی کہتا ہے ؎

طَرِیْقٌ وَجَبَّارٌ رِوَاءٌ اُصُوْلُہٗ
عَلَیْہِ اَبَابِیْلٌ مِنَ الطَّیْرِ تَنْعَبُ

کھجوروں کے چھوٹے اور بڑے درخت جن کی جڑیں سیراب تھیں اور جن پر کووں کے غول چیخ رہے تھے،

سِجِّیْلٍ : سِجِّیْلٌ، اکثر اہل تفسیر نے اس کو فارسی کے سنگ گل معرب بیان کیا ہے حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ سجیل بکسر سین سنگ گل کا معرب کیا ہوا لفظ ہے،

جس کے معنی ہیں ایسی کنکریں جو تر مٹی کو آگ میں پکانے سے بنتی ہے (معارف، تفصیل سورۂ انبیار میں دیکھیں۔

عَصْفٍ : کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ، جیسے کھایا ہوا بھُس ہو۔ عَصْفٌ اور عَصِیْفَۃٌ کھیتی کے پتے جو کاٹ لئے جاتے ہیں، نیز خشک نبات جو ٹوٹ کر چُور چُور ہو جاتی ہے رِیْحٌ عَاصِفٌ وعَاصِفَۃٌ ومُعْصِفَۃٌ تیز و تند ہوا جو ہر چیز کو توڑ کر بھُس کی طرح بنا دے (راغب)
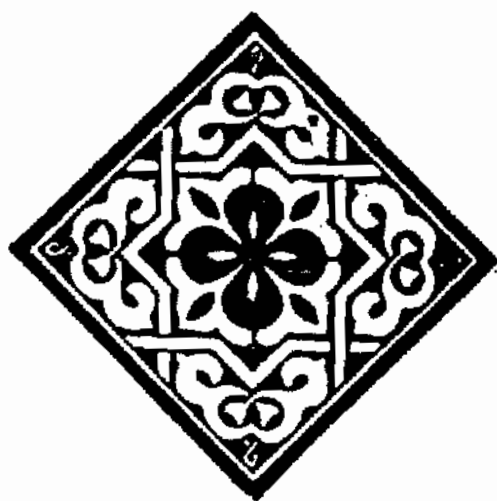
شرح الفاظ القرآن من سورۃ قریش

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِيۡلَافِ : لِاِيۡلٰفِ قُرَيۡشٍ ۔
اَلِفَ الْمَكَانَ وَاَلْفَهٗ اِيْلَافًا، کسی جگہ کا عادی اور اس کا مانوس ہو جانا،
اَلْفْتُهٗ مَكَانَ كَذَا اِيْلَافًا : میں نے اس جگہ سے اس کو مانوس کر لیا، اَلْفَهٗ مُوَالَفَةً وِالَافًا : آپس میں محبت و پیار کے ساتھ رہنا سہنا، اس مادہ میں اُنس، تعلق اور وابستگی کا مفہوم پایا جاتا ہے

لِ : لِ - ایلاف کے شروع میں جو حرف لام آیا ہے اس کے متعلق بعض ماہرین نحو نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ عربی محاورہ کے متعلق تعجب کے معنی میں ہے مثلاً عرب کہتے ہیں لِزَيْدٍ وَّمَاصَنَعْنَا بِهٖ، یعنی ذرا اس زید کو دیکھو کہ ہم نے اس کے ساتھ نیک سلوک کیا اور اس نے ہمارے ساتھ کیا کیا ؟
اس تفسیر کے مطابق مطلب یہ ہوگا کہ قریش کا رویّہ بڑا ہی قابلِ تعجب ہے کہ اللہ نے تو ان پر کس قدر تجارتی اور

معاشرتی انعامات کئے ہیں اور یہ آنکا بدلہ کیا چکا رہے ہیں، یہ رائے اخفش فراء اور کسائی جیسے معروف اصحابِ فن کی ہے اور حافظ ابن جریر طبری نے اسی کو ترجیح دی ہے فرماتے ہیں کہ والصّواب مِنَ القول فی ذالک عندنا ان یُقال اَنَّ هٰذه اللام بمعنی التعجّب (ابن جریر) وقیل : اللام فی قوله تعالٰی لایلاف قریش لام التعجب ای اعْجَبُوْا ۔

لِاِيۡلٰفِ قُرَيۡشٍ : علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ فہر، کا لقب قریش تھا اس بنا پر اسکی نسل نے قریش اپنا خاندانی علم قرار دیا، لفظ قریش کے عربی زبان میں متعدد معنی آتے ہیں، اسکا ایک مأخذ تَقریش و تَقَرُّش ہے جسکے معنی اکتساب و تحصیل کے ہیں خیال ہے کہ اس خاندان کا اصل پیشہ تجارت تھا اس لئے قریش کے نام سے موسوم ہوئے ۔
قریش ایک دریائی درندہ جانور کا بھی

نام ہے جو دریائی جانوروں کا شکار کرتا ہے فہر نے اپنے استیلاء وقوت کے اظہار کے لئے یہ لقب اختیار کیا، حضرت ابن عباسؓ نے اسی دوسری تاویل کو اختیار کیا ہے (ارض القرآن)

علامہ قرطبی نے ترجیح اس بات کو دی ہے کہ قریش نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مُضر کی اولاد ہیں، تو ہر وہ قبیلہ جو مضر کی اولاد ہے وہ قریش ہے، اور کنانہ کی اولاد کو قریشی نہیں کہا جائے گا اسکا مادہ قَرَشَ یَقْرِشُ قَرْشًا ہے اس کے معنی کمانے اور جمع کرنے کے ہیں (قرطبی)

رِحْلَةَ : رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ جاڑے اور گرمی کا سفر، رِحْلَۃٌ سفر کرنا کوچ کرنا، کجاوہ کسنا، اصل میں تو اس کے معنی اونٹ پر پالان کسنے کے ہیں اور چونکہ اسکا مقصد کوچ اور سفر ہوتا ہے اس لئے سفر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یہ رَحَلَ یَرْحَلُ کا مصدر ہے وَالرِّحْلَۃُ الارتحال (قرطبی)

الشِّتَآءِ : جاڑا، موسم سرما اَشْتِیَۃٌ جمع ہے اور بعض علماء نے شِتَاءٌ کو شَتْوَۃٌ کی جمع بتایا ہے۔

الصَّیْفِ : صَیْفٌ : موسم گرما، گرمی کی رُت، شتاءٌ کی ضد ہے، یہ اصل میں صَافَ یَصِیْفُ کا مصدر ہے جسکے معنی ہیں گرمی کے موسم میں کسی مقام پر قیام کرنا موسم گرما کیلئے بطور اسم استعمال ہوتا ہے

جُوْعٍ : بھوک، وہ تکلیف جو کسی حیوان کو معدہ کے طعام سے خالی ہونے کی وجہ سے پہنچتی ہے، المَجَاعَۃُ : خشک سالی کا زمانہ، رَجُلٌ جَائِعٌ : بھوکا آدمی، اور جب بہت زیادہ بھوکا ہو تو اسکو جَوْعَانُ کہا جاتا ہے جَاعَ یَجُوْعُ جَوْعًا : بھوکا ہونا، صفت جَائِعٌ جمع جِیَاعٌ (منجد، راغب)

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الماعون

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَدُعُّ : فَذٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيْمَ سو وہ شخص جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (ماجدی) دَعٌّ کے معنی دھکے دینے کے ہیں، سورۂ طور میں ہے يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا جس دن وہ دھکے دے دے کر جہنم کی طرف لیجائے جائیں گے یہ دَعَّ يَدُعُّ (ن) کا مصدر ہے۔ يَدُعُّ : اى يَدْفَعُ (قرطبی) اور بعض حضرات نے اس کو يَدَعُ بغیر تشدید کے پڑھا ہے (کبیر)

اَلدَّعُّ ، اَلطَّرْدُ وَالدَّفْعُ (لسان)

يَحُضُّ : وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ، اور مسکینوں کو کھلانے پر نہیں ابھارتا۔ حَضٌّ کے معنی حَثٌّ کی طرح کسی کام پر ابھارنے اور برانگیختہ کرنے کے ہیں، مگر حَثٌّ کا لفظ سواری وغیرہ کو تیز ہانکنے کے لئے آتا ہے، اور حَضٌّ کا سواری ہانکنے کے علاوہ دوسرے کاموں پر برانگیختہ کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اصل میں حَضٌّ کے معنی جانور کو حضیض یعنی نشیبی زمین کی طرف ہانکنے کے ہیں پھر ابھارنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے (راغب)

اَلْحَضُّ : اَلْحَثُّ عَلَى الْخَيْرِ (لسان)

سَاهُوْنَ : یہ سَهْوٌ سے اسم فاعل جمع مذکر ہے۔ سہوٌ اس غلطی کو کہا جاتا ہے جو انسان کی غفلت کی وجہ سے سرزد ہو، اسکی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ اس کے اسباب اور مولدات انسان کے اپنے پیدا کردہ نہ ہوں جیسا کہ مجنون آدمی کا کسی انسان کو گالی دینا، دوم یہ کہ اسکے مولدات واسباب انسان کے خود پیدا کردہ ہوں جیسے شراب پی کر کسی برائی کا ارتکاب کرنا پہلی قسم کی خطا تو عفو کے حکم میں ہے، اور دوسری پر مواخذہ ہوگا۔ (راغب)

سَاهُوْنَ ، اصل میں سَاهِيُوْنَ تھا بروزن فَاعِلُوْنَ ۔ یٰ مضموم ماقبل اسکا مکسور تھا اور ضمہ، یٰ پر ثقیل ہوا نقل کرکے ماقبل کو دیا اب واوٗ اور یٰ دو ساکن جمع ہوئے، یٰ کو حذف کردیا (لغات القرآن)

اَلسَّهْوُ وَالسَّهْوَةُ : نِسْيَانُ الشَّيْءِ وَالْغَفْلَةُ عَنْهُ

وذَهابُ القلب عنه الى غيره (لسان) اس
کالام کلمہ واؤ ہے ۔

یُرَآءُوْنَ : یہ باب مُفَاعَلَۃٌ کے مصدر
مُرَآءَاۃٌ سے جمع مذکر فعل مضارع ہے
وہ ریا کاری کرتے ہیں، وہ لوگوں کو دکھاتے
ہیں اس کی اصل یُرَائِیُوْنَ یقاتلون کے
وزن پر ہے (جمل) اسکا مادہ رَأْیٌ ہے
مہموز العین اور ناقص یائی لفیف مقرون ہے

اَلْمَاعُوْنَ : وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ
اور وہ روکتے ہیں چھوٹی موٹی چیزوں سے
لفظ ماعون کثیر المعانی ہے اس کا استعمال
عربی کلام میں مختلف چیزوں پر ہوتا ہے
مثلاً بھلائی، حسنِ سلوک، بارش کا پانی
گھر کا سامان، فرمانبرداری، زکوٰۃ، اور
یہ اضداد میں سے بھی شمار کیا گیا ہے اسلئے
کہ جو چیز مانگنے والے کی مدد کے لئے دی
جائے اس کو بھی ماعون کہتے ہیں۔ اسلئے
ماعون کی اصل مَعُوْنَۃٌ قرار دی ہے جس
کے معنی مدد اور تعاون کے ہیں، کیونکہ
چیز جس کو دیجائے اُس کے لئے معونت ہے
اور اگر روک لیجائے تو اپنے لئے معونت ہے
ابو عبیدہ کا قول ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں
ہر قسم کے عطیہ کو ماعون کہا جاتا تھا اور
اسلام میں طاعات، خیرات اور زکوٰۃ کا
نام ماعون ہو گیا۔ لفظ کے کثیر المعانی ہونے
کی وجہ سے اس کے معنی کے تعین میں اختلاف
پیدا ہوا ہے۔ حضرت علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ
حسن بصریؒ، قتادہ اور ضحاکؒ وغیرہ کے نزدیک
اس سے مراد زکوٰۃ ہے، اور حضرت عبداللہ
ابن مسعود اور کئی دیگر اصحابِ علم نے اس سے
مراد وہ چیزیں لی ہیں جو عام استعمال میں
آتی ہیں، مثلاً کلہاڑی، ڈول، ہانڈی
وغیرہ ضروریات خانگی۔ قطرب کا قول ہے
کہ ماعون شیٔ قلیل ہے عرب کا ایک محاورہ ہے
مَالَہٗ سَعَۃٌ وَلَا مَعْنَۃٌ، نہ تو اس کے پاس
کوئی بڑی چیز ہے نہ چھوٹی علامہ ابوبکر جصاصؒ
نے ابو عبیدہ کا قول ان الفاظ میں نقل
کیا ہے۔ قال ابو عبیدۃ کُلُّ مَا فِیہِ
مَنْفَعَۃٌ فھو الماعون (جصاص)
روح المعانی میں بھی اسی طرح ہے اور ابن
جریر طبری معالم التنزیل اور قرطبی وغیرہ
تفاسیر میں اس لفظ پر کافی کلام موجود ہے
حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ
پر جو کلام فرمایا ہے وہ مدلل اور فیصلہ کن ہے
حضرت فرماتے ہیں :
ماعون کے اصل معنی شیٔ قلیل و حقیر کے ہیں

اس لئے ماعون ایسی استعمالی اشیاء کو کہا جاتا ہے، جو عادۃً ایک دوسرے کو عاریۃً دیجاتی ہیں اور جن کا باہم لین دین عام انسانیت کا تقاضا سمجھا جاتا ہے جیسے کلہاڑی پھاوڑہ یا کھانے پکانے کے برتن جنکا ضرورت کے وقت پڑوسیوں سے مانگ لینا کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا اور جو اس میں دینے سے بخل کرے وہ بڑا کنجوس، کمینہ سمجھا جاتا ہے مگر آیت مذکورہ میں لفظ ماعون سے مراد زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ کو ماعون اس لئے کہا گیا کہ وہ مقدار کے اعتبار سے نسبتاً بہت قلیل ہے یعنی صرف چالیسواں حصہ، حضرت علیؓ، ابن عمرؓ، حسن بصریؒ، قتادہؒ، ضحاکؒ وغیرہ جمہور مفسرین نے اس آیت میں ماعون کی تفسیر زکوٰۃ سے کی ہے اور اسکے نہ دینے پر عذاب ویل جہنم کا مذکور ہے وہ ترک فرض ہی پر ہو سکتا ہے، اشیاء استعمال کا دوسروں کو دینا بہت بڑا ثواب اور انسانیت اور مروت کے لحاظ سے ضروری ہی مگر فرض اور واجب نہیں جسکے روکنے پر وعید جہنم ہو اور بعض روایات حدیث میں جو اس جگہ ماعون کی تفسیر استعمالی چیزوں اور برتنوں سے کی گئی ہے، اسکا مطلب ان لوگوں کی انتہائی خست کا اظہار ہے کہ یہ زکوٰۃ تو کیا دیتے استعمالی اشیاء جن کے دینے پر اپنا کچھ خرچ نہیں ہوتا اس میں بھی کنجوسی کرتے ہیں تو وعید صرف ان اشیاء کے نہ دینے پر نہیں بلکہ زکوٰۃ فرض کی عدم ادائیگی اور اس کے ساتھ مزید بخل شدید پر ہے (معارف ص۸۲۶ ج۸)

شرح الفاظ القرآن من سورة الکوثر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الکَوْثَرُ : اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ
ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا، علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے، کوثر فَوْعَلٌ کے وزن پر کَثْرَۃٌ سے مبالغہ کا صیغہ ہے جیسا کہ نفلٌ سے نَوْفَلٌ (بہت فیاض) اور جَھْرٌ سے جَوْھَرٌ، اور عرب لوگ ہر اُس چیز کو جو عدد میں یا قدر و منزلت میں زیادہ ہو، اس کو کوثر کہتے ہیں۔ سفیانؒ کہتے ہیں کہ ایک عورت کا لڑکا جب سفر سے واپس آیا تو کسی نے اُس سے پوچھا کہ بِمَا اٰبَ اِبْنُکِ قَالَتْ بِکَوْثَرٍ۔ یعنی تیرا لڑکا کیا لایا، تو کہا کہ بہت سامال۔ اور سخی آدمی کو بھی کوثر کہا جاتا ہے کمیت کا ایک شعر ہے ؎

وَاَنْتَ کَثِیْرٌ یَا ابْنَ مَرْوَانَ طَیِّبٌ
وَکَانَ اَبُوْکَ ابْنُ الْعَقَائِلِ کَوْثَرَا

اور بہت سارے لوگوں کو اور چیزوں کو بھی کوثر کہتے ہیں اور تَکَوْثُرٌ: کسی چیز کا بہت زیادہ ہو جانا، کثرت کے ساتھ پھیل جانا،

حسان بن نشبہ کا ایک شعر ہے ؎

اَبَوْا اَنْ یُبِیْحُوْا جَارَھُمْ لِعَدُوِّھِمْ
وَقَدْ ثَارَ نَقْعُ الْمَوْتِ حَتّٰی تَکَوْثَرَا

ترجمہ: انھوں نے اپنے پڑوسیوں کو دشمنوں کے لئے چھوڑ دینے سے انکار کیا اور حال یہ تھا کہ موت کے غبار نے اُبھر کر تمام لوگوں کو چھپا لیا تھا (قرطبی)

اب رہا یہ کہ کوثر سے مراد کیا چیز ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے اور یہ اختلاف خود صحابہؓ سے منقول ہے علامہ جریر طبریؒ نے اس میں تین طرح کے اقوال نقل کئے ہیں جن کا حاصل یہ ہے

نمبر۱ : کوثر جنت میں ایک نہر کا نام ہے یہ قول حضرت عائشہؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت انسؓ مجاہد اور ابوالعالیہؒ سے مروی ہے۔

نمبر۲ : کوثر سے مراد خیر کثیر ہے یہ قول ایک روایت میں ابن عباسؓ حضرت عکرمہؓ سعید بن جبیرؓ قتادہ اور مجاہد سے منقول ہے

نمبر۳ : کوثر جنت میں ایک حوض ہے،
یہ علامہ فخر الدین رازیؒ نے لفظ کوثر کے
مصداق میں پندرہ اقوال نقل کئے ہیں،
ایک یہ کہ کوثر سے مراد آپ کی اولاد ہے،
چونکہ یہ اس طعنہ کے بعد نازل ہوئی ہے
جو مشرکوں نے آپ کو دیا کہ یہ بےنسل ہیں
(معاذ اللہ) اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو
اتنی اولاد عطا فرمائی کہ آج دنیا میں ہر
کونے پر سادات موجود ہیں جبکہ بہت
سے قتل کئے گئے اور بنی اُمیہ جو دنیا
میں جاہ و جلال کے مالک تھے انکا آج
دنیا میں قابلِ اعتبار وجود باقی نہیں رہا
نمبر۴ : یہ کہ کوثر سے مراد علمائے اُمت
ہیں، علامہ فرماتے ہیں کہ میری زندگی کی قسم
یہ بہت بڑی خیر کثیر ہے ان کی مثال انبیاء
بنی اسرائیل کی ہے اور یہی لوگ آثار دین
اور احکام شرع کو پھیلانے والے ہیں۔
نمبر۵ : کوثر سے مراد بعض کے نزدیک
اُمت ہے۔ ظاہر ہے کہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم
کو جو اُمت دی وہ فی نفسہٖ کثیر ہونیکے علاوہ
پوری کائنات بشری کیلئے خیر کثیر ہے۔
نمبر۶ : کوثر سے مراد نبوت ہے اور اس
میں کوئی شک نہیں کہ نبوت خیر کثیر ہے۔

اور قرآن پاک پر بھی کوثر کا اطلاق ہوتا ہے
اور بعض نے کوثر سے مراد معجزات لئے ہیں
حقیقت یہ ہے کہ ان میں ہر ایک چیز
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کثرت کے ساتھ
دی گئی اس لئے اس لفظ کی معنوی وسعت
کے لحاظ سے اقوال کا مختلف ہو جانا بعید
از قیاس نہیں۔
مولانا حمید الدین صاحب فراہی رحمہ اللہ
نے کوثر سے مراد بیت اللہ لیا ہے، اور
اس پر طویل کلام کیا ہے، اہلِ علم مجموعہ تفاسیر
فراہی کا مطالعہ فرمائیں۔
اِنْحَرْ : وَانْحَرْ اور قربانی کر یہ نَحْرٌ سے
جس کے معنی قربانی کرنے کے ہیں، امر کا
صیغہ ہے۔ نَحْرٌ سینہ کے اُس بالائی حصہ
کو کہا جاتا ہے جہاں قلادہ پڑا رہتا ہے،
اس اعتبار سے نَحْرٌ کے معنی سینہ پر مارنے
کے بھی آتے ہیں اور ذبح کرنے کے بھی۔
آیتِ شریفہ میں عامۂ مفسرین کے نزدیک
نحر سے مراد قربانی کرنا ہے، ابن عباس،
عطاء، مجاہد، عکرمہ، حسن بصری قتادہ
محمد بن کعب قرطبی وغیرہ اہلِ تفسیر اور
اصحابِ لغت کے نزدیک قربانی ہی مراد ہے
بعض حضرات نے کچھ موضوع اور کمزور

روایات کے پیش نظر نحر سے نماز کے بعض افعال مراد لئے ہیں، حضرت علیؓ اور حضرت انسؓ سے سنن بیہقی وغیرہ میں روایت ہے کہ نحر سے مراد نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا ہے لیکن ان جیسی روایات کے بارے میں اہلِ تفسیر نے جرح کی ہے، ابن کثیرؒ بہت سارے اقوال نقل کرچکے بعد فرماتے ہیں کہ وکلّ ھذہ الاقوال غریبۃ جدًّا والصحیح القول الاوّل انّ المرادَ بالنحر ذبح المناسک (ابن کثیر)

شَانِئٌ: اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ، بے شک جو دشمن ہے تیرا وہی رہ گیا پیچھا کٹا (معارف) شَانِئٌ کے معنی بغض رکھنے والے عیب لگانے والے کے ہیں یہ شَنَاٌ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے،

اَبْتَرُ: اَلْاَبْتَرُ، دُم کٹا، جس کی اولاد نہ ہو جس کا ذکر باقی نہ رہے، بَتْرٌ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے بَتْرٌ کے اصل معنی کاٹنے کے ہیں یہ لفظ عربی زبان میں مختلف طریقوں سے استعمال ہوتا ہے سَیْفٌ بَاتِرٌ یا بَتَّارٌ شمشیر بُرّاں کو کہتے ہیں بَتَرَ فُلَانٌ رَحِمَہٗ: فلاں شخص نے رشتہ رحم کو کاٹ دیا۔ اسی سے اَبَاتِرُ ہے جس کے معنی ہیں قاطع رحم، اَبْتَرَ الرَّجُلُ اس نے دیا پھر رُک گیا، حُجَّۃٌ بَتْرَاءُ: برہانِ قاطع کو کہتے ہیں، ایک روایت میں ہے اَنَّہٗ نَہٰی عَنِ الْمَبْتُوْرَۃِ: آپ نے دم بریدہ جانور کی قربانی سے منع فرمایا، اَبْتَرُ، ایک خاص سانپ کو بھی کہتے ہیں جس کی دم چھوٹی ہوتی ہے۔ اَبْتَرَان: گدھے اور غلام کے لئے بولا جاتا ہے کیونکہ ان کے حمایتی کم ہوتے ہیں ان تمام استعمالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اَبْتَر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ان تمام صفات سے محروم ہو گیا ہو جو اس کی عزت وعظمت اور قوت وشوکت کا ذریعہ ہو سکتی ہوں۔

شرح الفاظ القرآن من سورة الكفرون

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلْ : یہ قَالَ یَقُوْلُ قَوْلًا سے امر کا صیغہ ہے، یہاں اعلان کر دینے کے معنی میں ہے کہ اہلِ کفر و شرک میں اُن باطل خداؤں کی عبادت نہیں کرونگا جن کی تم کرتے ہو۔

عربی زبان میں قول کثیر المعانی لفظ ہے بولنا، بات کرنا لفظ مفرد ہو یا مرکب دل کی بات یا دل میں باتیں کرنا، ۲ رائے نظریہ ۳ زبانِ حال سے کسی بات کو ظاہر کرنا ۴ کسی چیز کی طرف صحیح توجہ کرنا۔

اَعْبُدُ : لَآ اَعْبُدُ، میں نہیں عبادت کرتا، یہ عبادۃ سے نفی فعل مضارع واحد متکلم ہے

دِیْنِ : لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ، تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ (معارف)

لفظ دِیْنُ کئی معنوں میں آتا ہے۔ جزار، اطاعت، شریعت، بدلہ دینا، اطاعت کرنا، حکم ماننا۔ یہ دَانَ یَدِیْنُ کا مصدر ہے، جمع اَدْیَان ہے۔ آئین اور قانون کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے

لفظ دِیْن عقوبت اور سزا کے معنیٰ میں لیا گیا ہے جیساکہ سورۂ نور میں ہے، تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ یعنی الحدّ، یہاں دین سے مراد حد ہے اور بمعنی دعا بھی استعمال ہوتا ہے جیساکہ آیت کریمہ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ، اور عادت کے معنی میں بھی لفظ دین کا استعمال کلامِ عرب میں پایا جاتا ہے (تفسیر کبیر)

شرح الفاظ القرآن من سورۃ النصر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَصْرٌ : اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ
نَصْرٌ اور نَصْرَۃٌ کے معنی کسی کی مدد اور تعاون کرنے کے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ (الصّف ۱۳) اور انتصار (افتعال) اور استنصار کے معنی طلب نصرت کے ہیں، وَالَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَھُمُ الْبَغْیُ ھُمْ یَنْتَصِرُوْنَ، اور جو ایسے لوگ ہیں کہ جب ان پر تعدّی کیجائے تو وہ بدلہ لے لیتے ہیں۔ اَلتَّنَاصُرُ، کے معنی باہم تعاون کرنے کے ہیں، وَمَا لَکُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ، تم کو کیا ہوا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ نَصَرَ الْغَیْثُ الْاَرْضَ: بارش نے زمین کی مدد کی، یعنی اس کو خوب سیراب کیا، عالمگیر طریقہ سے برسی نَصَرَہٗ عَلٰی عَدُوِّہٖ : دشمن کیخلاف مدد مانگنا نُصْرَۃٌ اسم ہے مدد۔ اَلنَّصْرُ : اَلْعَوْنُ (قرطبی، راغب)

اَلْفَتْحُ : اس کے اصل معنی جیسا کہ علامہ راغبؒ نے لکھا ہے کسی چیز سے بندش اور پیچیدگی کو زائل کرنے کے ہیں، اور یہ ازالہ دو قسم پر ہے، ایک وہ جس کا ازالہ محسوس ہو اور آنکھ اس کا ادراک کرسکے جیسے کہ فَتَحَ الْبَابَ : دروازہ کھولنا فَتَحَ الْقُفْلَ : تالا کھولنا اور فَتَحَ الْمَتَاعَ سامان کھولنا۔ قرآن میں ہے وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَھُمْ، اور جب اخوان یوسف نے اپنا اسباب کھولا۔

دوسری قسم فتح کی وہ جس کا ادراک بصیرت سے ہو، جیسے کہ فَتَحَ الْھَمَّ (یعنی ازالۃ الغم) یہاں فتح سے مراد کیا چیز ہے اس میں علماء تفسیر میں اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد فتح مکہ ہے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ وَاَمَّا الْفَتْحُ فَھُوَ فَتْحُ مَکَّۃَ عن الحسن و مجاہد ......
و اِذَا بمعنی قَدْ : اَیْ قَدْ جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ لان نزولھا بعد الفتح (قرطبی)
یعنی فتح سے مراد فتح مکہ ہے جیسا کہ حسن اور مجاہد سے منقول ہے ..... اور اِذَا

قَدْ کے معنی میں ہے، اور یہ معنی اسلئے لینے پڑے کہ اس کا نزول فتح مکہ کے بعد ہوا ہے اور الفتح کا الف لام کے ساتھ معرف ہونا بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس سے مراد مخصوص فتح ہے۔

اَفْوَاجًا: فوج در فوج، غول کے غول یہ فَوْجٌ کی جمع ہے جس کے معنی تیز رَو جماعت کے ہیں۔

تَوَّابًا: اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا، تَوَّابٌ معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا، توبہ کرنے والا، پھر آنے والا، یہ فَعَّالٌ کے وزن پر تَوْبَۃٌ سے مشتق اسم مبالغہ کا صیغہ ہے۔ لغت میں توبہ کرنے والے اور قبول کرنے والے دونوں کو کہا جاتا ہے بندہ توبہ کرتا ہے اور اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے اس لئے اس کا استعمال بندہ اور اللہ دونوں کے لئے ہوتا ہے، جب بندہ کی صفت آئے تو اس کے معنی کثرت سے توبہ کرنے والے بندے کے ہونگے اور جب اللہ کی صفت آئے تو اس کے معنی کثرت سے مسلسل بار بار بندوں کی توبہ قبول کرنے والے کے ہوں گے۔ قرآن پاک میں لفظ تَوَّابٌ جتنی جگہ آیا ہے اللہ تعالیٰ ہی کی صفت بن کے آیا ہے۔

شرح الفاظ القرآن من سورۃ اللّھب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَبَّتْ : تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَتَبَّ ۝ تَبَّتْ صیغہ واحد مؤنث غائب ہے، تَبٌّ کے معنی ہلاک ہونے اور خسارے میں پڑنے کے ہیں۔ اسی سے تَبَّتْ يَدَا فلان کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں فلاں کے دونوں ہاتھ حصول مقصد میں ناکام اور عاجز رہے، دونوں ہاتھوں کی ناکامی کامل بے بسی کی تعبیر ہے، تَبَّتْ يَدَاهُ کا مفہوم ہوتا ہے کہ وہ مقابلہ کرنے سے بالکل عاجز ہوگیا۔ اسی طرح کَسْرِ یَدٌ (ہاتھ توڑ دینا) کسی کا زور اور طاقت ختم کرنے کی تعبیر ہے، فند الزمانی کا ایک شعر ہے ؎

وتركنا ديار تغلب قفرًا
وكسرنا من الغواة الجناحا

ہم نے تغلب کے علاقہ کو چٹیل میدان بنا کے چھوڑ دیا، اور ان کے سرکشوں کے بازو توڑ دیئے۔ تَبًّا لَّهٗ : اللہ اسے خائب وخاسر کرے۔ تَبٌّ اور تَبَابٌ، دونوں کے معنی ہلاکت، ناکامی اور مسلسل خسارہ میں رہنے کے آتے ہیں۔ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِىْ تَبَابٍ، فرعون کی تدبیر مسلسل ناکام ہوتی گئی۔

يَدَا : یہ اصل میں یَدَان ہے نون تثنیہ اضافت سے گر گیا ہے۔ یَدٌ کے اصل معنی ہاتھ کے ہیں۔ چونکہ انسان کے سب کاموں میں بڑا دخل ہاتھوں کا ہے، اس لئے کسی شخص کی ذات اور نفس کو یَدٌ سے تعبیر کر دیتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں ہے بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ ۔

اَبِىْ لَهَبٍ : ابولہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ہے جو آپ کا بدترین دشمن تھا اس کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا، عبدالمطلب کی اولاد میں سے اس کا رنگ شوخ سرخ ہونے کی وجہ سے اس کی کنیت ابولہب ہوگئی۔

آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے کو بھی لَهَبٌ کہا جاتا ہے، بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے اس کی کنیت مراد نہیں جس سے

وہ مشہور تھا بلکہ اس سے اُسکے دوزخی ہونے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جس کا وہ اہل تھا، لہٰذا یہاں اُس نام سے اس کو موسوم کرنا ایسا ہی ہے جیساکہ لڑائی بھڑکانے والے اور ہمیشہ لڑنے والے کو ابوالحرب یا اخوالحرب کہا جاتا ہے۔ فَرَسٌ مُلْهِبٌ: تیز رفتار گھوڑا (راغب)

اَغْنٰى : مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ : کام نہ آیا اس کو مال اسکا اور نہ جو اس نے کمایا (معارف)

اَغْنٰى : وہ کام آیا، اُس نے غنی بنادیا اس نے دولت مند بنادیا، مَآ اَغْنٰى باب اَفعال کے مصدر اِغْنَاءٌ سے ماضی منفی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حرف مَآ استفہام کے لئے ہو۔

ذَاتَ : ذَاتَ لَهَبٍ، شعلہ والی، یہ ذُوْ کی مؤنث ہے بمعنی والا، صاحب یہ اسمائے سِتّہ مکبّرہ میں سے ہے، اور ہمیشہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوکر مستعمل ہوتا ہے۔

لَهَبٍ : یہ مصدر ہے، آگ بھڑکنا، دھوئیں اور غبار وغیرہ کو بھی لہب کہا جاتا ہے۔ لَهَبَتِ النَّارُ: آگ بھڑک گئی اور بغیر دھوئیں کے صاف شعلے اُٹھنے لگے۔ اِلْهَابٌ: آگ روشن کرنا اور گھوڑے کا خوب دوڑنا اور اِلْتِهَابٌ (افتعال) آگ کا روشن ہونا اور لَهَبٌ شمعؔ سے پیاسا ہونیکے معنی میں آتا ہے۔

اِمْرَاَتُهٗ : اِمْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ : اور اس کی جورو جو سر پر لئے پھرتی ہے ایندھن۔

اِمْرَاَةٌ : یہ مونث ہے اِمْرَءٌ کی بمعنی عورت،

حَمَّالَةَ : حَمْلٌ سے فَعَّالَةٌ کے وزن پر اسم مبالغہ کا صیغہ ہے، خوب اُٹھانے والی، مراد اس سے ابولہب کی بیوی ہے جس کا اصل نام اروی بنت حرب ہے اور کنیت اُم جمیل لقب عورار ہے۔ چونکہ ایک آنکھ سے کانی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں اپنے خاوند کے ہم پلہ تھی، حَمَّالَةَ الْحَطَبِ محاورہ میں اس عورت کو بھی کہا جاتا ہے جو لگائی بجھائی کرنے والی ہو، یعنی غیبت اور چغلخوری سے لوگوں کو لڑوانے والی۔

الْحَطَبِ : لکڑی ایندھن ہیزم جمع

اَحْطَابٌ، فلانٌ یَحْطِبُ علیٰ فلانٍ، لڑائی پر آمادہ کرنا، غلط بیانی سے فساد کرانا، اسی سے حاطب اللَّیْل کا محاورہ ہے کلام میں رطب و یابس ملانے والا۔

جِیْدِهَا: جِید۔ عُنُق: گردن جمع اَجْیَادٌ۔ امرأ القیس کا ایک شعر ہے ؎

وَجِیْدٍ کجید الریم لیس بفاحش
اذاھیَ نَصَّتْہُ ولا بِمُعَطَّل (قرطبی)

اور اس کی گردن ہرن کی گردن کی طرح تھی لیکن جب وہ اس کو اٹھاتی تو اسکی درازی غیر معتدل نہ تھی اور نہ زیورات سے خالی تھی،

مَسَدٍ: حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ، لفظ مَسَدٌ کھجور کے اس ریشے یا پتے یا چھلکے کے لئے بولا جاتا ہے جس سے مضبوط رسیاں بٹی جاتی ہیں۔

اِمْرَأَۃٌ مَمْسُوْدَۃٌ: بٹی ہوئی رسّی کی طرح گٹھے ہوئے جسم والی معتدل قامت والی عورت (راغب)

شرح الفاظ القرآن من سورۃ الاخلاص

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَحَدٌ : قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ : تو کہہ وہ اللہ ایک ہے۔ اَحَدٌ : اکیلا، ایک، پہلا، اَحَدٌ کا استعمال کبھی نفی میں ہوتا ہے کبھی اثبات میں۔ نفی کی شکل میں استغراقِ جنس کے لئے آتا ہے، یعنی پوری جنس کی نفی مقصود ہوتی ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر، مجتمع طور پر ہو یا متفرق طور پر جیسے وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ۔ ان (منافقوں) میں سے کسی پر بھی نماز نہ پڑھیں، اور اسی صورت میں اَحَد کا استعمال صرف نفی کی حالت میں ہوتا ہے اثبات میں اس کا استعمال درست نہیں، کیونکہ دو متضاد چیزوں کی نفی تو صحیح ہوسکتی ہے لیکن اثبات نہیں ہوسکتا، اثبات کی حالت میں اس کا استعمال تین طرح کا ہوتا ہے۔

نمبر۱ : دھائیوں پر ایک کے اضافہ کے لئے جیسے اَحَدَ عَشَرَ و اَحَدٌ وَعِشۡرُوۡنَ۔

نمبر۲ : مضاف مضاف الیہ ہوکر جیسا کہ اَحَدُہُمَا،

نمبر۳ : معنی وصفی کے لئے یعنی کے معنی کے لئے اس صورت میں اس کا استعمال صرف اللہ ہی کے لئے درست ہے جیسا کہ قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَحَدٌ کی جمع آحاد ہے (لغات القرآن)

اَحَد اور واحد، ترجمہ تو دونوں کا ایک ہی کیا جاتا ہے مگر مفہوم کے اعتبار سے لفظ اَحَد کے معنی میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ ترکیب اور تجزیہ سے اور تعدُّد سے اور کسی چیز کی مشابہت اور مشاکلت سے پاک ہے۔ یعنی وہ کسی ایک یا متعدد مادّوں سے نہیں بنا، نہ اسمیں تعدد کا کوئی امکان ہے، نہ کسی کے مشابہ ہے (معارف)

علامہ رازیؒ نے وَاحِد اور اَحَد میں ایک فرق یہ بیان کیا ہے کہ اَحَد اللہ کی صفات میں سے ہے، اسکا استعمال کسی دوسری چیز کیلئے جائز نہیں ہے جبکہ واحد کا استعمال غیر اللہ کیلئے بھی جائز ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ واحد کا استعمال اثبات میں ہوتا ہے اور اَحَدٌ کا نفی میں مثلاً کہا جاتا ہے رَاَیۡتُ رَجُلًا وَاحِدًا : میں نے ایک آدمی کو دیکھا اور نفی میں یوں کہا جائے گا، مَا رَاَیۡتُ اَحَدًا :

میں نے کسی ایک کو نہیں دیکھا (کبیر)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے بھی انہی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اَلصَّمَدُ : اَللّٰہُ الصَّمَدُ : اللہ بے نیاز ہے (معارف) اللہ نرادھار ہے (موضح القرآن) بے احتیاج جو کھاتا پیتا نہ ہو۔ لفظ صمد کی تفسیر میں اہلِ تفسیر کا اختلاف ہے، امام بغوی فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن، سعید بن جبیر کا قول ہے کہ صمد وہ ہے جس کے جوف یعنی شکم نہ ہو۔ شعبی کا قول ہے کہ جو نہ کھائے نہ پیئے۔

ابوالعالیہ ابی بن کعبؓ سے روایت کرتے ہیں کہ بعد میں بیان کئے جانے والے کلمات صَمَدٌ کی تفسیر ہیں، یعنی اَلصَّمَدُ اَلَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ صمد وہ ہے جسکو نہ کسی نے جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا، کیونکہ جو پیدا ہوگا وہ مرے گا اور جو وارث ہوگا دوسرا اس کی وراثت پائے گا ابن عباس سے ایک روایت ہے کہ صمد وہ سردار ہے جو سیادت کی تمام انواع میں کامل ہو۔ اور بعض نے کہا ہے کہ صمد وہ سردار ہے جو حوائج میں مقصود ہو اور مشکلات میں جس طرف مدد کے لئے رُخ کیا جائے۔ عرب بولتے ہیں صَمَدْتُ فُلَانًا اَصْمُدُہٗ صَمْدًا، میم کے سکون کے ساتھ اور صَمَدٌ بفتح المیم مقصود کو کہتے ہیں، علامہ خازن بغدادی فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ لفظ صمد کو تمام معانی کا جامع کہا جائے، کیونکہ اس میں سب معانی کا احتمال ہے اور یہی زیادہ واضح ہے۔ صَمْدٌ کے اصل معنی قصد کرنے کے ہیں اور اس سے صَمَدٌ میم کی زبر کے ساتھ فَعَلٌ کے وزن پر صفت کا صیغہ ہے بمعنی مفعول یعنی مقصود ہے۔ صَمَدٌ اس بڑی چٹان کو بھی کہتے ہیں جس کی طرف دشمن کے حملہ سے بچنے کے لئے پناہ تلاش کی جائے اور چٹان کی طرح جم کر لڑنے والے سردار کو بھی صمد کہا جاتا ہے۔ وَقَالَ اھل اللغۃ الصمد۔ السید الذی یُصْمَدُ الیہ فی النوازل والحوائج (قرطبی)

اور صمد اُس چیز کو بھی کہا جاتا ہے جو سب سے بلند تر ہو، وہ بلند مکان جو پہاڑ کی طرح زمین پر کھڑا ہوا اسکو بھی صمد کہا جاتا ہے (لسان العرب) لفظ کی مزید تحقیق کے لئے لسان العرب اور تفسیر قرطبی کا مطالعہ فرمایا جائے۔

كُفُوًا : مفتی اعظم معارف القرآن میں ارشاد فرماتے ہیں کہ کُفُوٌ کے لفظی معنی مثل اور مماثل کے ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ نہ کوئی اسکا

مثل ہے نہ کوئی اس سے مشاکلت اور مشابہت رکھتا ہے (معارف)
اَیْ لَمْ یُکَافِئْہُ اَحَدٌ وَلَمْ یُمَاثِلْہُ وَلَمْ یُشَاکِلْہُ مِنْ صَاحِبَۃٍ وغیرھا (روح) ای لم یکن شبیہٌ ولا عدلٌ (قرطبی) کُفُوًا کے معنی مرتبہ اور منزلت میں دوسرے کا ہم پلہ ہونے کے ہیں اسی سے کِفَاءٌ کپڑے کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جو اس جیسے دوسرے ٹکڑے کے ساتھ ملاکر خیمہ کے پچھلی طرف ڈالدیا جاتا ہے، اسی سے نکاح یا لڑائی میں ہمسروں کے متعلق کہا جاتا ہے فلان کُفُوُ فُلَانٍ: فلاں اس کا ہمسر ہے اور مُکَافَاۃٌ کے معنی دوسرے کے بالمقابل ہونے کے ہیں، محاورہ ہے، فلَانٌ کُفُوٌ لَکَ، فلاں دشمنی میں تیرا ہم پلہ ہے (راغب)
اِلْاِکْفَاءُ کے معنی کسی کو الٹا کر دینے کے ہیں، گویا اس میں مساوات کو دور کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں اور وہ آدمی جو متغیر ہوتا رہے اسکو مُکْفَاءُ الوَجْہِ کہا جاتا ہے کَفَأَ عَنْ قَصْدِہٖ: وہ اپنے ارادہ سے رک گیا، اصل میں مہموز اللام ہے جو بصورت واؤ ہے۔

شرح الفاظ القرآن من سورة الفلق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفَلَق : قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ
تو کہہ مَیں پناہ میں آیا صبح کے رب کی
(معارف) فَلَقَ کے اصل معنی پھاڑنے کے ہیں
فَلَقْتُہٗ مَیں نے اُس کو پھاڑ دیا،
فَانْفَلَقَ : چنانچہ وہ پھٹ گیا۔
مفسّرین کی عظیم اکثریت نے اس سے مراد رات کی تاریکی کو پھاڑ کر سپیدہ صبح کو نکالنا لیا ہے، کیونکہ عربی میں فَلَقُ الصبح کا لفظ طلوع صبح کے معنی میں بکثرت استعمال ہوتا ہے اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے لئے فَالِقُ الاصباح کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی وہ جو رات کی تاریکی کو پھاڑ کر صبح نکالتا ہے، فَلَقَ اللہُ الصُّبْحَ : رات کی تاریکی کو پھاڑ کر صبح کی روشنی نمودار کرنا فَلَقٌ کے دوسرے معنی خلق کے لئے گئے ہیں، کیونکہ دُنیا کی جتنی چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ کسی نہ کسی چیز کو پھاڑ کر ہی نکلتی ہیں چنانچہ علامہ قرطبی نے مفسر ضحاکؒ کا قول نقل کیا ہے کہ الفَلَقُ الخَلْقُ کُلُّہٗ، اور علامہ خود اسی معنی کی تائید میں فرماتے ہیں کہ اشتقاق اس قول کی تائید کرتا ہے کیونکہ فلق کے معنی شَقّ کے ہیں۔ فَلَقْتُ الشَّیْءَ: کے معنی چیز کو پھاڑنے کے ہیں۔ تمام نباتات کے بیج زمین کو پھاڑ کر اپنی کونپل نکالتے ہیں تمام حیوانات رحِم مادر کو کھول کر ظہور پذیر ہوتے ہیں یا انڈہ توڑ کر نکلتے ہیں یا کسی مانع ظہور چیز کو چیر کر باہر آتے ہیں، پہاڑوں کا سینہ چاک کر کے چشمے اُبلتے اور دریا بہتے ہیں، بادلوں کو چیر کر بارش کے قطرے زمین کا رُخ کرتے ہیں، غرضکہ موجودات میں سے ہر چیز کسی نہ کسی طرح کے انشقاق کے نتیجے میں عدم سے وجود میں آتی ہے حتیٰ کہ زمین و آسمان بھی پہلے ایک ڈھیر تھے جسکو پھاڑ کر اُنھیں جُدا جُدا کیا گیا، سورۂ انبیاء میں ارشاد فرمایا گیا، کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا ، پس اس معنی کے لحاظ سے جو حضرت ضحاکؒ نے لئے ہیں فلق کا لفظ تمام مخلوقات کیلئے عام ہے، اب اگر پہلے معنی لئے جائیں

تو اس کا ترجمہ وہی ہوگا جو اوپر معارف القرآن
سے نقل کیا گیا ہے، اور دوسرے معنی کے
اعتبار سے اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ میں پناہ
لیتا ہوں تمام خلق کے رب کی۔

شَرِّ غَاسِقٍ : وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ
اِذَا وَقَبَ، علامہ ابن قیم نے لکھا ہے
کہ لفظ شر دو چیزوں کے لئے عام ہے ایک
آلام و آفات جن سے براہ راست انسان
کو رنج اور تکلیف پہنچتی ہے، دوسرے وہ
چیزیں جو آلام و آفات کے موجبات ہیں،
اس دوسری قسم میں کفر و شرک اور تمام
معاصی بھی لفظ شر کے مفہوم میں داخل ہیں
غَاسِق غَسَقٌ سے مشتق ہے جس کے معنی
اندھیرے کا پھیل جانا اور چھا جانا ہے اس
لئے غَاسِق کے معنی حضرت ابن عباسؓ حسنؒ
اور مجاہدؒ نے رات کے کئے ہیں، علامہ قرطبی
فرماتے ہیں کہ الغَسَقُ اَوَّلُ ظُلْمَةِ اللَّيْلِ غروب
آفتاب کے بعد ابتدائی ظلمت کو غسق کہتے
ہیں غَسَقَ اللَّيْلُ يَغْسِقُ (ض) رات کا
اندھیری ہوجانا۔ گرہن کے باعث سیاہ
پڑجانیوالے چاند کو بھی غاسق کہا جاتا ہے
یہ غَسَقٌ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اسکے لغوی
معنی تاریک کے ہیں، سورۂ بنی اسرائیل میں
فرمایا گیا ہے، اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ
اِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ : نماز قائم کرو زوال آفتاب
کے وقت سے رات اندھیرے تک،
امام راغب فرماتے ہیں کہ غَسَقُ اللَّيْلِ شِدَّةُ
ظُلْمَتِهٖ یعنی رات کی سخت تاریکی (راغب)
رات کو پیش آنے والی مصیبت کو بھی غاسق
اللیل کہتے ہیں، جیسے طارق، رات کے وقت
آنیوالا اور غاسق تاریک رات کو کہتے ہیں (لغات)
زجاج کا قول ہے کہ غاسق سے مراد رات ہے
اور یہ غَسَقٌ سے مشتق ہے جسکے معنی ٹھنڈک ہے
اور رات کو غاسق اسلئے کہتے ہیں کہ وہ دن کے
مقابلے میں بارد ہوتی ہے (قرطبی)

وَقَبَ : وُقُوبٌ سے مشتق ہے جسکے معنی
اندھیری کے پوری طرح بڑھ جانیکے ہیں۔

نَفّٰثٰتِ : نَفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ گرہوں
میں پھونکنے والیاں۔ نَفْثٌ کے معنی
تھوڑا سا تھوکنے کے ہیں، اور تَفَلٌ کے
معنی میں زیادہ تھوکنے کا مفہوم پایا جاتا ہے
تعویذ گنڈے کرنے والے بھی چونکہ گرہوں پر
پھونکتے اور تھوکتے ہیں اس لئے نَفْثٌ کا لفظ
ان کے پھونکنے پر بولا جاتا ہے اسی سے محاورہ ہے،
اَلْحَيَّةُ تَنْفُثُ السُّمَّ : سانپ زہر اگلتا ہے
نُفَاثَةُ السِّوَاكِ : اس ذرے کو کہا جاتا ہے

جو مسواک کرنے کے بعد دانت میں رگا رہ جاتا ہے یہیں سے کسی کے انتہائی بخل کو ظاہر کرنے کیلئے محاورہ پیدا ہو گیا، کہا جاتا ہے، لَوْ سَأَلْتَهُ نُقَاثَةَ سِوَاكٍ مَا أَعْطَاكَ: اگر تو اس سے مسواک کا ایک ریزہ بھی مانگے تو وہ نہیں دیگا، دَمٌ نَفِيثٌ: زخم سے بہہ نکلنے والا خون یہاں بھی ایک محاورہ ہے کہتے ہیں، لَا بُدَّ لِلْمَصْدُورِ أَنْ يَنْفُثَ: درد سینہ کے مریض کو تھوکنے کے سوا چارہ نہیں (راغب)

حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ نَفّٰثٰتِ نَفْثٌ سے مشتق ہے جسکے معنی پھونک مارنے کے ہیں (معارف) نَفّٰثٰتِ جمع ہے نَفَّاثَةٌ کی جسکو اگر عَلَّامَةٌ کی طرح سمجھا جائے تو یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، مراد پھونکنے والے مرد ہونگے اور اگر اس کو مؤنث کا صیغہ کہا جائے تو مراد جادوگرنیاں عورتیں ہونگی، اکثر اہلِ تفسیر نے نَفّٰثٰت سے مراد عورتیں ہی لی ہیں۔

صاحب کشاف نے یہاں ایک احتمال اور ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ اس سے مراد عورتوں کی مکاری اور مردوں کے عزائم اور آراء اور خیالات پر ان کی اثر اندازی ہے، سورۂ یوسف میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ: بلاشبہ عورتو! تمہاری مکاری بہت بڑی ہے انکے اس مکر و فریب کو جو وہ مردوں پر غالب آنے کیلئے کرتی ہیں جادو سے تشبیہ دی گئی ہے، کیونکہ عورتوں کی محبت میں گرفتار ہو کر آدمی کا وہ حال یقیناً ہوتا ہے گویا اس پر جادو کر دیا گیا ہے۔ یہ تفسیر اگرچہ ہے تو لطیف اور مرد اور عورت دونوں کی فطرت کے بھی مطابق ہے لیکن یہ تفسیر سلف صالحین کے بھی خلاف ہے اور ان دونوں سورتوں کا شانِ نزول اور پس منظر بھی اسکے خلاف ہے۔

عُقَدٌ: عُقَد جمع ہے عُقْدَةٌ کی جس کے معنی گرہ کے ہیں نَفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ کے معنی ہوئے گرہوں میں پھونکنے والیاں مراد جادو کرنے والیاں ہیں۔ حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں، لفظ نَفّٰثٰت کا موصوف نفوس بھی ہو سکتا ہے جس میں مرد اور عورت دونوں داخل ہیں۔ اس صورت میں جادو کرنے والیوں سے مراد جادو کرنے والی جانیں ہونگی اور ظاہر یہ ہے کہ اس کا موصوف عورتیں ہیں (معارف)

حَاسِدٍ: وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ۔ حَاسِدٌ اسم فاعل ہے حَسَدٌ سے جسکے معنی مستحقِ نعمت کی نعمت پر جلنے اور

زوال نعمت کی آرزو کرنے کے ہیں ۔

الحَسَدُ تَمَنِّیْ زَوَالِ نِعْمَۃٍ مِّنْ مُّسْتَحِقٍّ لَھَا (راغب)

حاسد کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ یہ نعمت محسود سے زائل ہو کر اس کو ملے، بلکہ اس کا صرف یہ مقصد ہوتا ہے کہ اسکے محسود سے زائل ہو جائے ۔ علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ وانہ تمنّی زوال نعمۃ المحسود وان لم یصر للحاسد مثلھا (قرطبی)

صاحبِ تفسیر قرطبی نے ایک حدیث ذکر کی ہے کہ حَسَدَ سب سے پہلا گناہ ہے جو آسمان میں کیا گیا، اور حَسَدَ ہی سب سے پہلا گناہ ہے جو زمین پر کیا گیا، آسمان پر ابلیس نے حضرت آدم کے حق میں کیا اور زمین پر قابیل نے اپنے بھائی ہابیل پر کیا، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حَسَدَ کبیرہ گناہ ہے جسکا نتیجہ دوزخ ہے، اِلّا یہ کہ حاسد توبہ کرے ۔

شرح الفاظ القرآن من سورۃ النّاس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَعُوْذُ: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ، تو کہہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی (معارف) اَعُوْذُ، عَاذَ، یَعُوْذُ، عَوْذًا سے واحد متکلم کا صیغہ ہے جس کے معنی دوسرے سے التجا کرنے اس سے متعلق ہونے اور پناہ مانگنے کے ہیں۔

رَبِّ: رَبّ کے معنی پالنے والے اور ہر حال کی اصلاح کرنے والے کے ہیں (معارف)

یہ اصل میں رَبَّ یَرُبُّ کا مصدر ہے جس کے معنی تربیت کے ہیں اور پھر مبالغہ کے لئے عَدْلٌ کی طرح بطور وصف استعمال کیا جانے لگا، اور بعض کا قول ہے کہ یہ بَرٌّ کی طرح صفت مشبہ کا صیغہ ہے، امام راغب لکھتے ہیں کہ رب مصدر ہے جو فاعل کے لئے مستعار ہے، تربیت کی تعریف امام موصوف یوں بیان فرماتے ہیں ھو انشاء الشئ حالاً فحالاً الی حدّ التمام (مفردات)

یعنی کسی چیز کو یکے بعد دیگرے ایک حالت سے دوسری حالت میں اس طرح نشو و نما دینا کہ حد کمال تک پہنچ جائے، سورہ فاتحہ میں واضح کیا جاچکا ہے کہ لفظ رب مطلقاً جب استعمال ہو تو یہ صرف اللہ کی صفت واقع ہوتا ہے غیر اللہ کے لئے اسکا استعمال اضافت کے ساتھ ہوگا جیسا کہ رَبُّ المال وغیرہ اس کی جمع اربابٌ ہے، اور بعض اہل لغت نے تصریح کی ہے کہ رب بمعنی سید اور مالک کے ہیں، اس لحاظ سے اسکا استعمال غیر اللہ کے لئے بھی جائز ہوگا جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا ارشاد ہے اِنَّہٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ۔

اَلْوَسْوَاسِ: مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے، وسواس مصدر رباعی مجرد بمعنی مُوَسْوِس ہے۔ یہاں شیطان کو وسواس مبالغۃً فرمایا گیا ہے، گویا وہ سراپا وسوسہ ہے اور وسوسہ کے معنی شیطان کا اپنی اطاعت کی طرف مخفی کلام کے ذریعہ بلانا ہے جسکا مفہوم انسان کے دل میں آجائے اور کوئی آواز سنائی نہ دے (معارف)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ وَسواس بفتح الواؤ اسم ہے بمعنی مُوَسْوِسْ، اور وِسواس بکسر الواؤ مصدر ہے بمعنی وسوسہ۔

علامہ فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں کہ الوَسْوَاسُ اسم بمعنی الوَسْوَسَۃ کالزلزال بمعنی الزلزلۃ واما المصدر فَوِسْوَاسٌ بالکسر کزلزال وَالمُراد بہ الشَّیْطان سُمِّیَ بالمصدر کانہ وسوسۃٌ فی نفسہ (کبیر)

اَلْخَنَّاس : پیچھے ہٹ جانے والا چھپ جانے والا۔ یہ خَنَسٌ سے جس کے معنی چھپنے ہٹنے اور رک جانے کے ہیں، مبالغہ کا صیغہ ہے، یہ شیطان کا لقب ہے، کیونکہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو رک جاتا ہے، علامہ قرطبیؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ فَاِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ خَنَسَ، جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان ہٹ جاتا ہے، اور جب خدا کو بھول جاتا ہے تو وسوسہ ڈالتا ہے، ان سطور پر شرح الفاظ القرآن کی تکمیل ہوئی۔

وَالحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ، میں نہیں جانتا کہ کن لفظوں میں اپنے ربّ کریم کا شکر ادا کروں جس نے مجھ جیسے بے علم وعمل اور مستغرق فی المعاصی کو اپنے پاک کلام کے ساتھ مناسبت کا شرف بخشا، یا ارحم الراحمین ویاربّ العالمین تو اس کو شرفِ قبولیت عطا فرما، اور میری نجات کا ذریعہ بنا، یا ارحم الراحمین مجھ سے جو غلطیاں ہوئی ہوں تو مجھے معاف فرما۔ آمین

مؤرخہ

۲۵ر مارچ ۱۹۸۲ء بروز جمعۃ المبارک کو سورۃ الناس اختتام کو پہنچی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

❋

تمّت بالخیر

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋
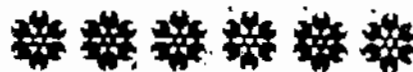
تکملہ

تَبِیْدَ : وہ ہلاک ہوگئی، وہ برباد و تباہ
ہوگئی ۔ یہ بَیَادٌ سے جس کے معنی ہیں صحرائے
بے آب وگیاہ میں متفرق اور پراگندہ ہوجانا
بَادَ یَبِیْدُ بَیْدًا و بَیَادًا : ہلاک ہونا
بَادَتِ الشَّمْسُ : سورج غروب ہوگیا ۔
بَادَہٗ : ہلاک کرنا، یہ اجوف یائی ہے یعنی
اسکا عین کلمہ واؤ ہے، اسی سے لفظ بَیْدَ ہے جو
ہمیشہ اَنَّ اور اس کے معمول جملہ کی طرف مضاف
ہوتا ہے اور سوائے اور مگر کا مفہوم دیتا ہے
جیسے کہا جاتا ہے فلانٌ کثیرُ المالِ بَیْدَ
اَنَّہٗ بَخِیْلٌ ، فلاں بڑا مالدار ہے مگر ہے
بخیل، حدیث میں ہے اَنَا اَفْصَحُ العربِ
بَیْدَ اَنِّیْ مِنْ قُرَیْشٍ : میں عرب میں سب
سے زیادہ فصیح ہوں کیونکہ میں قریش میں سے
ہوں ۔ اَلْبَیْدَاءُ : ویران جنگل، مکہ مکرمہ
اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک مقام کا
نام، اَلْاُمَمُ الْبَائِدَۃُ : وہ قدیم قومیں
جو ہلاک ہوگئیں، اَلْاِبَادَۃُ : اَلْاِھْلَاکُ
(النہایۃ) ایک حدیث ہے، نَحْنُ
الخالداتُ فلا نبیدُ : ای لا نَھْلِکُ
وَلَا نَمُوْتُ : یعنی ہم ہمیشہ رہنے والی حوریں ہیں
ہمیں موت نہیں ہے، اور آیتِ کریمہ مَا اَظُنُّ
اَنْ تَبِیْدَ ھٰذِہٖ (۳۵/ کہف) ایک سرمایہ دار
کہتا ہے کہ مجھے بالکل یقین نہیں کہ یہ باغ ہلاک
ہوسکتا ہے ۔

بغضاء : سخت دشمنی، کینہ، اِنَّمَا یُرِیْدُ
الشیطانُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ
والبَغْضَاءَ : بیشک شیطان چاہتا ہے کہ تمہارے
درمیان دشمنی اور بغاوت پیدا کردے ۔ بَغَضَ
یَبْغِضُ بُغْضًا : دشمنی کرنا ۔ یہ باب سَمِعَ،
نَصَرَ اور کَرُمَ تینوں سے دشمنی کے معنی میں آتا ہے
اِبْغَاضٌ اور تَبْغِیْض دشمن بنانا، اَبْغَضُ
الحلالِ عند اللہِ الطّلاقُ : حلال چیزوں
میں سے سب سے زیادہ ناپسند اللہ کو طلاق ہے،

ثَبَّطَ : روک دینا، باز رکھنا، کہا جاتا ہے
ثَبَّطَہُ الْمَرَضُ : بیماری نے اسکو حرکت
عمل سے روک دیا، الثَّبِطُ : کمزور رائے کا
آدمی، فَثَبَّطَھُمْ : اللہ نے ان کو جنگ میں
شریک ہونے سے روک دیا (توبہ) اِمْرَأَۃٌ
ثَبِطَۃٌ : سست کاہل عورت

المجالس : جَلَسَ یَجْلِسُ جُلُوْسًا و
مَجْلِسًا : صفت جالسٌ، جمع جُلُوْسٌ و جُلَّاسٌ

جَالَسَ: کسی کے ساتھ نشست و برخاست رکھنا۔ الجَلِیْسُ: ہم نشین جمع جُلَسَاءُ، جَلِیْسُ نَفْسِہٖ: وہ عزلت پسند ہے، تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجَالِسِ: مجالس میں جگہ کھول دو، یعنی کھلے ہو کر بیٹھو کہ کسی کو تکلیف نہ ہو۔

اَلْجَلَالُ: والجَلَالَۃُ: قدر و منزلت، عظیم ہونا، الجلیل: رفیع المنزلت، مَالَہٗ جَلِیْلٌ وَلَا دَقِیْقٌ: اسکے پاس نہ اونٹ ہے نہ بکری، یعنی مفلس ہے۔ مَجَلَّۃٌ: رسالہ، صحیفہ، اوراق کا مجموعہ، وَیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (الرحمٰن) صرف میرے رب کی ذات عظمت و کرامت والی باقی رہے گی۔ الجلال مِنَ الصّفات مَا یتعلّق بِالقَھْرِ وَالْغَضَبِ (تعریفات)

جَھَالَۃٌ: نادانی، بے علمی، جَھِلَ یَجْھَلُ جَھْلًا و جَھَالَۃً: نہ جاننا، ان پڑھ ہونا امام راغب نے جہالت کی تین قسمیں ارشاد فرمائی ہیں۔ ۱ علم سے خالی ہونا، یہ اسکے اصل معنی ہیں۔ ۲ کسی شے کے متعلق غلط اعتقاد رکھنا ۳ کسی فعل کے انجام دینے کا جو حق ہے اس طرح انجام نہ دینا خواہ اس فعل کے متعلق اعتقاد صحیح ہو یا غلط، مثلاً دیدہ و دانستہ نماز کا ترک کر دینا، اور آیت کریمہ قَالُوْا اَتَتَّخِذُنَا ھُزُوًا قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْجَاھِلِیْنَ میں ھُزُوًا کو جہالت قرار دیا گیا ہے اسلئے کہ ٹھٹھے کے طور پر گائے کے ذبح کا حکم دینا ایک نازیبا فعل ہے وَالْجَھْلُ: نَقِیْضُ الْعِلْمِ (القرطبی) صیغہ صفت جاہل، ناسمجھ، جو علم و عقل کے خلاف کرے، اور آیت کریمہ یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اغنیاء میں مراد یہ ہے کہ جو ان کے حالات سے واقف نہیں۔ کہا جاتا ہے، ھُوَ یَجْھَلُ ذَالِکَ یعنی وہ اس کو پہچانتا نہیں، حدیث میں ہے اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ جَھْلًا: کچھ علم بھی جہالت ہیں، یعنی ایسے علوم بھی جہالت ہیں جو مذہب اور عقل دونوں کا تقاضا نہیں، جیسے کہ علم نجوم اور جادو، ٹوٹکہ وغیرہ اور ہر وہ علم جہل ہے جو انسان کو قرآن و حدیث اور عمل صحیح سے غافل کر دے۔

حَیْرَانَ: حَارَ الْمَاءُ: پانی جمع ہو گیا، رک گیا، حَارَ الرَّجُلُ فِیْ اَمْرِہٖ: آدمی کو اپنے معاملے کے حل کرنے میں پریشانی کا پیش آنا۔ حَائِرٌ: حیران و ششدر کَالَّذِی اسْتَھْوَتْہُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ (الانعام)

حَیْرَان: سراسیمہ، حیران، بہکا ہوا، مُتَرَدِّد جو قوت فیصلہ کھو بیٹھا ہو۔ یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے جو حَیْرَۃٌ سے بنا ہے جسکے معنی بہکنے اور متردد ہونے کے ہیں۔

جزء: جُزْءُ الشَّئِ، چیز کا وہ ٹکڑا جس سے وہ چیز مل کر بنے۔ جیسے اجزاء السَّفِیْنَۃِ اور اجزاء البَیْت۔ لِکُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْسُوْمٌ: ہر ایک دروازے کے لئے ان میں ایک حصہ تقسیم کر دیا گیا ہے۔ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا (الزخرف - ۱۵) اور انھوں نے اس کے بندوں میں سے اسکی اولاد مقرر کی (ترجمہ فتح)

زجاج اور مبرد کا قول ہے کہ جُزْءًا سے مراد یہاں بنات ہے۔ اور علامہ قرطبی نے ماوردی کا قول یہ نقل کیا ہے کہ الجزء عند اھل العربیۃ البنات، اہل عرب میں جُزْءٌ سے مراد بنات ہیں۔ کہا جاتا ہے قد اَجْزَأَتِ المرأۃُ: عورت نے لڑکی جنی، اور اس پر ایک شعر نقل کیا ہے ؎

ان اَجْزَأَتْ حُرَّۃٌ فلا عَجَبٌ
قد تجزئُ الحرۃ المذکار احیانا

یعنی اگر حرہ اور شریف عورت لڑکی جنی کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ کبھی کبھار لڑکے جننے والی حُرَّہ کے لڑکی بھی پیدا ہو جاتی ہے، لیکن صاحب کشاف زمخشری نے اسکا سختی سے انکار کیا ہے کہ کلام عرب میں جُزْء کا لفظ اناث پر بولا جاتا ہے فرماتے ہیں کہ اہل عرب پر یہ جھوٹ ہے کہ جُزْء کا لفظ ان کے ہاں اناث کے لئے آتا ہے۔ اور جو اشعار اس پر پیش کئے گئے ہیں وہ سب تراشیدہ ہیں۔ کشاف ص۲۴۱ ج ۳ و قرطبی ص۶۹ ج ۱۶۔ آیت مبارکہ کے اس جُزْء سے ہر اُس عقیدہ کا ابطال ہوتا ہے جس کی رُو سے کسی انسان یا کسی قوت کو خدا کی ذات یا اس کے تخلیقِ کائنات کے معاملہ میں شریک سمجھا جائے۔ ابنیت مسیح، وحدۃ الوجود جیسے عقائد، اور نورٌ مِنْ نُوْرِ اللہ جیسے فاسد نظریات بھی اسی ذیل میں آجاتے ہیں۔

اور سورۂ بقرہ کی آیتِ کریمہ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءًا (۲۶۰) کا مطلب یہ ہے کہ ان سدھائے ہوئے پرندوں کو ذبح کر کے مختلف پہاڑوں پر بکھیر دو۔ پھر تمہارے بُلانے پر وہ زندہ ہو کر یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا دوڑتے چلے آئیں گے۔

الجُزْءُ: کسی چیز کا ٹکڑا یا حصہ جمع اجزاءٌ آتی ہے اور جَزَّءَ کسی چیز کے الگ الگ ٹکڑے کر دیا۔

حَتْمًا : کانَ علیٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا، یہ آپ کے پروردگار پر واجب ہے جو ہو کر رہے گا۔ حَتَمَ : واجب کرنا، لازم قرار دینا، مضبوط کرنا، اِنحَتَمَ الاَمْرُ : کام واجب ہوگیا۔ الحَاتِمُ : حاکم، فیصلہ کرنے والا۔ الحِتَامَہ : دسترخوان پر بچا کچا چورا۔ الحَتْمُ : قطعی فیصلہ، حَتْمٌ کا لفظ خالص اور حقیقی ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ هُوَ الاخ الحتم : وہ حقیقی بھائی ہے هُوَ وَلَدُہٗ حَتْمٌ : وہ سگا بیٹا ہے۔ الحَاتِم : کالا کوا جو اہلِ عرب کے خیال کے مطابق کائیں کائیں کرکے جُدائی ڈالدیتا ہے، حَتَمَ اللہُ الاَمْرَ : يَحْتِمُہٗ حَتْمًا : اَوْجَبَہٗ۔ والحتم ایضاً : اللازم الذی لابُدّ من فعلہٖ (معجم الفاظ القرآن)

اَعِيْبَ : عَابَ : عیب دار کرنا، بیکار کردینا، نقص پیدا کردینا۔ عَابَ، يَعِيْبُ عَيْبًا۔ عابَ الشیٔ : کسی چیز کو عیب دار بنانا، صفت فاعلی عَائِبٌ، صفت مفعولی مَعِيْبٌ ومعیوبٌ، العیبُ بُرائی جمع عیوبٌ المَعَائِبُ : عیب، بُرائی، جمع مَعَائِب، فَاَرَدْتُّ اَن اَعِيْبَهَا : میں نے چاہا کہ اسکو عیب دار کردوں۔

خَرَقُوْا : وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ (انعام - ۱۰۰) اور انھوں نے خدا کے لئے بے سمجھے بیٹے اور بیٹیاں بنا گھڑی ہیں الخَرق : بے سوچے سمجھے کسی چیز کو پھاڑ ڈالنا اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا (کھف) کیا آپ نے اس کشتی کو اس لئے پھاڑا ہے کہ مسافر غرق کر دیں۔ خَرَقَ الثوبَ وخرّقہٗ کپڑے کو پھاڑ ڈالا، خَرَقَ الکِذْبَ : جھوٹ گھڑا، خرقت الشَّهَوَاتُ عَقْلَہٗ : خواہشات نے اس کی مت مار دی (نہج البلاغہ)

دِيْنَار : اشرفی، سونے کا سکّہ جو عرب میں مستعمل تھا اس کی جمع دَنَانیر آتی ہے، علامہ سیوطیؒ نے الاتقان میں لکھا ہے کہ جوالیقی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ یہ فارسی ہے دینار کا وزن چوبیس ۲۴ قیراط ہے اور ایک قیراط جو کے تین دانوں کے برابر ہوتا ہے (القرطبی ص۱۱۶ ج۴)

ذَكَّيْتُمْ : تم نے ذبح کیا، تَذْكِيَةٌ سے ماضی کا صیغہ ہے جسکے معنی ذبح کرنے کے ہیں۔ ذکتِ النَّارُ : کے معنی آگ جلنے اور روشن ہونے کے ہیں، اور ذَكَّيْتُهَا (تفعیل) کے معنی جلانے اور روشن کرنیکے ہیں ذُكَاءُ سورج کو کہتے ہیں، ذَكَّيْتُ الشَّاةَ : بھیڑ

ذبح کرنا، اصل میں تَذْكِيَة کے معنی حرارتِ
غریزی خارج کرنے کے ہیں لیکن اصطلاحِ شریعت
میں مخصوص طریقے سے حیاۃ زائل کرنے کو
تذکیۃ کہتے ہیں (راغب)
تَخُطُّهٗ : تو اس کو لکھتا ہے۔ تَخُطُّ خَطٌّ
سے، جس کے معنی لکھنے اور خط کھینچنے کے ہیں،
مضارع کا صیغہ ہے۔ خَطَّ علی الشیٔ، کسی
چیز پر نشان لگانا۔ خَطَّ القَبْر : قبر کھودی
خَطَّ الطعَام : کم کھانا خطف نومہ: سوتے
میں خراٹے لینا۔ الخطُّ : تحریر، لمبا راستہ،
آیت کریمہ وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اور نہ اسے
آپ اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے ہیں۔ یہ نبی پاکؐ
کی نبوت اور رسالت اور قرآن کے منجانب اللہ
ہونے کی واضح دلیل ہے، خَطَّ يَخُطُّ خَطًّا،
لکھنا، کتابت کرنا۔ كِتَابٌ محفوظ لکھی ہوئی کتاب
(تاج، راغب)
التخطِیط : سطریں لگانا، لکھنا، لکیریں
لگانا، خاطٌّ : جادوگر، رمّال، کیونکہ وہ لکیریں
کرتا ہے، حدیث میں ہے، کان نبیٌّ مِنَ
الانبیاء یخطّ فمن وافق خطّہٗ عَلِمَ
مِثل علمِہٖ : ایک روایت میں یوں ہے،
فمن وافق خطّہٗ فذالك، یعنی پیغمبروں
میں سے ایک پیغمبر لکیریں کیا کرتے تھے یعنی
ریتی میں اس لئے اس علم کو علمِ رمل کہتے ہیں،
اب جو کوئی ان کی طرح لکیریں کرے تو وہ اُن
کی طرح جان لے گا یا اس کی لکیریں صحیح ہونگی،
لیکن یاد رہے کہ اب یہ علم دُنیا سے اُٹھ چکا ہے
اور شریعتِ اسلامیہ نے اس پر اعتماد کو حرام
قرار دیا ہے (لسان) خطٌّ جمع خطوط آتی ہے
بعض اہلِ لغت نے اخطاط بھی لکھا ہے، خط
بمعنی راستہ کے بھی آتا ہے، لسان میں ہے
الخطُّ الطَّرِيق۔
سَرِّحُوْهُنَّ : تم ان عورتوں کو چھوڑ دو،
تَسْرِيْحٌ (تفعیل) نکال دینا، رخصت کر دینا
اصل مادہ مجرد سرحٌ ہے۔ سَرْحٌ ایک پھلدار
درخت ہے، تو تَسْرِيْحٌ کے معنی ہیں جانوروں
کو صبح کے وقت درخت سرحٌ چرانے کے لئے
جانا، پھر اسمیں تعمیم کر کے مطلق چرائی کے
لئے استعمال ہونے لگا ہے، پھر تسرِيْحٌ کا
استعمال طلاق کے معنی میں بھی ہونے لگا ہے
سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا، ان عورتوں
کو اچھے طریقے سے طلاق دیدو، تَسْرِيْحٌ
بِاِحْسَانٍ ای تطلیق الثالثۃ باحسان
(غریب القرآن)
سَالَتْ : وہ بہی، سَالَ يَسِيْلُ سَيْلًا
و مَسِيْلًا۔ سَالَ المَاءُ : پانی کا بہنا،

أَسَالَ الْمَاءَ إِسَالَةً : پانی بہانا، وأَسَالَ الْجَامِدَ : جمی ہوئی چیز کو پگھلانا، السَّيْلُ : بہنے والا، مَاءٌ سَيْلٌ : بہنے والا پانی، سیلاً جمع سُيُولٌ ۔ فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ (الرعد) وادیاں بہہ نکلتی ہیں ۔

تَضَرَّعُوْا : وہ گڑگڑائے، انھوں نے عاجزی کی ۔ اَلضَّرْعُ : تھن، اَضْرَعَتِ الشَّاةُ : قربِ ولادت کی وجہ سے بکری نے تھنوں میں دودھ اُتار لیا ۔ ضَرَعَ الْبَهْمُ ضَرَاعَةً : چوپایہ کے بچہ نے اپنی ماں کے تھن کو منہ میں لیا ۔ اسی سے محاورہ ہے، ضَرَعَ الرَّجُلُ ضَرَاعَةً : جس کے معنی ہیں آدمی نے کمزوری اور ذلت کا اظہار کیا ۔ الضَّارِعُ فاعل تَضَرَّعَ اس نے عجز و تذلل کا اظہار کیا ۔ المضارعۃ عجز و تذلل میں شریک ہونا، اسی سے الفعل المضارع ہے کیونکہ اسمیں دو زمانے حال اور مستقبل پائے جاتے ہیں (راغب)

طَلَبٌ : کسی چیز کے حصول کی خواہش کرنا، جستجو کرنا ۔ طَلَبَ إِلَيْهِ : اُسنے اسکو مانگا طَالِبٌ : مانگنے والا ۔ مطلوب وہ چیز جو مانگی جائے ۔

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ : مانگنے والا (مشرک) بھی کمزور اور جس سے مانگا جارہا ہے وہ بھی کمزور ۔

يُطِيقُونَهُ : (البقرة) اس آیت کی تاویل میں اہلِ تفسیر میں اختلاف ہے، اکثر اہلِ تفسیر نے اس جگہ حرف نفی محذوف قرار دیکر معنی یہ بیان کئے ہیں کہ لَا يُطِيقُونَهُ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے، اس تقریر پر آیت میں حذف ماننا پڑتا ہے علامہ ابن جریر نے یہاں یہ تاویل ذکر کی ہے کہ بابِ افعال کا ہمزہ یہاں سلبِ ماخذ کے لئے ہے، أَطَاقَ فلاں کے معنی ہیں فلاں شخص میں طاقت نہیں تو اس صورت میں آیت يُطِيقُونَهُ کا مطلب ہوگا، جو طاقت نہیں رکھتے، اس تاویل پر آیت میں حذف ماننے کی ضرورت نہیں ہے ۔ یہ تاویلات دراصل اس لئے کرنی پڑیں کہ يُطِيقُونَهُ کی ضمیر ہٗ کا مرجع الصَّوْم کو قرار دیا گیا ہے ۔ بعض حضرات نے ہٗ ضمیر کا مرجع طعام کو قرار دیا ہے اور معنی یہ بیان کئے ہیں کہ جو لوگ صدقۂ فطر کی طاقت رکھتے ہیں اُن پر ایک مسکین کا صدقہ واجب ہے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ يُطِيقُونَهُ کی ضمیر منصوب فدیہ کی طرف راجع ہے جو بعد میں مذکور ہے لیکن رتبۃً مقدم ہے کیونکہ وہ مبتدا مؤخر ہے اور آیت سے مراد صدقۃ الفطر ہے (الفوز الکبیر)

مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے فیض الباری میں ایک اور احتمال بھی ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں کہ یہاں ایام بیض کا ذکر ہے اور یہ حکم انھیں سے متعلق ہے اور اس تخییر کا تعلق ایام بیض سے ہے چونکہ اسوقت تک رمضان المبارک کی فرضیت نہیں تھی اس توجیہ پر بھی قرآن پاک کے اس حکم کا نسخ ماننا پڑتا ہے چونکہ رمضان شریف کی فرضیت کے بعد ایام بیض کے روزوں کی فرضیت یا اُن کے وجوب کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

بہتر یہ ہے کہ یُطِیْقُوْنَہٗ کو باب افعال سے قرار دیکر ہمزہ کو سلب مأخذ کا مانا جائے، مراد اس سے شیخ فانی مریض دائمی اور حاملات اور مرضعہ وغیرہ ہونگی اور لائے نفی کے حذف ہونے کی مثالیں کلام عرب میں عام ہیں۔

ایک شاعر کہتا ہے ؎

وَيَمِيْنُ اللّٰهِ اَبْرَحُ قَائِمًا

یہاں اَبْرَحُ اصل میں لَا اَبرح ہے۔

(فتح الباری جلد ۸)

طَوْقٌ: وہ حلقہ ہے جو گردن میں ڈالدیا جائے اور ہر وہ چیز جو کسی چیز کو گھیرے میں لیلے طوق کہلاتی ہے امام راغب فرماتے ہیں کہ طوق اصل میں وہ حلقہ ہے جو جانور کے گلے پر قدرتی طور پر بنا ہوا ہوتا ہے جیسے فاختہ اور طوطا وغیرہ۔

الطاقۃ: اس قوت کا نام ہے جس سے کوئی کام محنت اور مشقت سے انجام دیا جا سکے، یعنی کام اتنا شاق ہو کہ یوں معلوم ہو کہ گویا گردن میں طوق پڑگیا اور آیتِ کریمہ لَا تُحَمِّلْنَا مَالَاطَاقَةَ لَنَابِهٖ: اسکا مقصد یہ نہیں کہ ہم پر کوئی ذمہ داری نہ ڈالی جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسی کوئی ذمہ داری نہ ہو جس کو انجام دینے میں مشقت اُٹھانی پڑے صاحبِ تفسیر المنار نے یہاں ایک بڑی اجتہادی غلطی یہ کی ہے کہ وہ تمام لوگ جو محنت و مزدوری کا پیشہ کرتے ہیں اور ان کے لئے روزہ باعثِ مشقت ہے تو لکھا ہے کہ وہ وہ فدیہ دیکر روزے سے مستثنیٰ ہوسکتے ہیں جیسے کاریگر، مزدور، قیدی اور ہر وہ آدمی جس کو حصولِ معاش میں محنت اُٹھانی پڑے وہ فدیہ دیکر روزے سے راہِ فرار اختیار کرسکتا ہے، یہ نظریہ اگر تحریف فی القرآن نہیں تو اس کے قریب قریب ضرور ہے۔

غُلَامٌ: لڑکا، خادم، بچہ۔ جمع غِلْمَان اَغْلِمَةٌ وغِلْمَةٌ،

الغائط: نشیبی وسیع میدان، مراد کنایۃً

قضائے حاجت ہے، چونکہ عادت ہے کہ آدمی پردے کے لئے نشیبی جگہ تلاش کرتا ہے عمرو بن معدی کرب کا کہنا ہے ۔

وکم من غائط من دون سلمیٰ

سلمیٰ سے ادھر بہت سے وسیع میدان ہیں غائط کی جمع غیطان اور اغواط آتی ہے ۔ قرطبی ص۲۲ ج ۵ غاط فی الارض: وہ زمین میں غائب ہوگیا ۔

فَرْدًا : رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا : میرے مالک مجھے اکیلا نہ چھوڑنا (مریم)

فرد: اکیلا، بے اولاد، جمع فُرَادی، غیر قیاسی، خدائے تعالیٰ کے فرد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مخلوقات سے بے نیاز ہو وہ صمد ہے اس کو کسی کی کوئی احتیاج نہیں فَرْدٌ کی جمع قیاسی افراد آتی ہے ۔ فُرَادٰی : ایک ایک، اکیلے، جَاءُوْا فُرَادٰی : وہ ایک ایک ہو کے آئے ۔ آیت لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا (الانبیاء) کا مطلب یہ ہے کہ مجھے بے اولاد نہ چھوڑ ۔

اَلْفَزَعُ : فَزَعَ یَفْزَعُ فَزَعًا، فَزِعَ مِنْہ : خوف کرنا ۔ فَزِعَ فَزَعًا بتحریک الزاء : ڈر جانا ۔ دہشت زدہ ہونا ۔ فَزِعَ اِلَیْہِ : فریاد کرنا ۔ پناہ لینا ۔ اَلْفَزَعُ : گھبراہٹ، فریادرسی، اَلْفَزَعُ الاکبر : یوم البعث : قیامت کا دن، فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِھِمْ : ان کے دلوں سے گھبراہٹ دُور کی گئی، یہ اضداد میں سے ہے، فُزِّعَ : اس کو ڈرایا گیا، اس کا ڈر دُور کر دیا گیا، جب اس کا استعمال عَنْ کے ذریعہ ہو تو ہمیشہ ڈر ہٹانے کے معنی میں ہوتا ہے ۔ اَفْزَعَ عنہ : اس سے ڈر زائل کر دیا ۔ اور اَفْزَعَہٗ : بغیر عن کے معنی ڈرانے اور ڈر ہٹانے دونوں آتے ہیں ۔

تَفْسِیْرًا : کھول کر بیان کرنا ۔ یہ تفعیل کے وزن پر مصدر ہے، علامہ سیوطی الاتقان میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر : فَسْرٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی بیان کرنے اور کھولنے کے ہیں اور فسر کا مقلوب بتایا گیا ہے ۔ اَسْفَرَ الصُّبْحُ : صبح خوب روشن ہوگئی ۔

والتفسیر فی الاصل ھو الکشف والاظہار وفی الشرع توضیح معنی الآیۃ وشانہا وقصتہا والسبب الذی نزلت فیہ یدل علیہ دلالۃ ظاہرۃ ۔

(مجموعہ قواعد الفقہ)

اَفْصَحُ : ھو اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا (القصص) وہ زبان میں مجھ سے زیادہ

فصیح ہے، یہ فَصُحَ سے افعل تفضیل کا صیغہ ہے
فَصُحَ کسی چیز کا ہر طرح کی ملاوٹ اور
آمیزش سے پاک ہونا، اصل میں تو فصحٌ
کا استعمال دودھ کے خالص ہونے پر ہوتا ہے
بعد میں کلام کی خوبی اور عمدگی کے لئے اسکا
استعمال ہونے لگا ہے۔
الفَصَاحَۃُ : کلام کو واضح اور کھول کر
بیان کرنا، اہلِ لغت نے لکھا ہے کہ اس
مادے میں ظہور یعنی ظاہر ہونے کا مفہوم لازمی
طور پر پایا جاتا ہے۔ افصَحَتِ الشاۃُ : بکری
نے دودھ صاف دیا۔ اَفْصَحَ الصبحُ : صبح
روشن اور نمودار ہوگئی۔ فَصُحَ الصَّبِیُّ : بچہ
صاف بولنے لگا اس کی باتوں کا مفہوم ظاہر
ہونے لگا (دروس البلاغہ)
اَفْضٰی : اَفْضٰی بَعْضُکُمْ اِلٰی بَعْضٍ :
تم ایک دوسرے کو بے حجابانہ مل چکے،
فَضَا یَفْضُوْا فُضُوًّا وفَضَاءً :
فَضَا المَکَانُ : جگہ کا خالی ہونا، اَفْضٰی
المکانَ : جگہ وسیع کرنا، اَفْضٰی اِلَیْہِ
بِسِرِّہٖ : بھید کو ظاہر کر دینا، راز بنا دینا
اَفْضٰی اِلَیْہِ : وہ اسکی طرف پہنچ گیا،
اس آیت میں اِفْضَا سے کیا مراد ہے اسمیں
اہلِ تفسیر کا اختلاف ہے، بعض نے فرمایا کہ

الافضاء اذا کان معہا فی لحاف واحد
جَامَعَ اولم یُجَامِعْ، یعنی جب دونوں
ایک لحاف میں اکٹھے ہو گئے تو افضاء متحقق
ہو گیا۔ فراء کہتے ہیں کہ خلوۃ مع مجامعت ہو
تو افضاء ہے ورنہ نہیں۔ ابن عباس اور
مجاہد وغیرہ سے منقول ہے کہ افضاء کنایۃ
عن الجماع ہے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ
واصل الافضاء فی اللغۃ المخالطۃُ،
کہا جاتا ہے، القومُ فَوْضٰی فضاً : یعنی
ملے جلے لوگ ہیں ان پر کوئی امیر نہیں ہے
نوعیتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر خلوۃ مع مجامعت ہے
تو بالاتفاق عورت مہر کامل اور موت شوہر کی
صورت میں وراثت کی مستحق ہے لیکن اگر
خلوۃ بلا مجامعت ہے تو اسمیں اختلاف ہے
ایک قول یہ ہے کہ لَا یَسْتَقِرُّ المہرُ اِلَّا
بالوطئ، دوسرا یہ کہ یَسْتَقِرُّ بالخلوۃ فی
بیت الاھداء۔ بَیْتُ الاھداء وہ مکان ہے
جس میں دلہن کو خاوند کی خدمت میں پیش
کیا جاتا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ والصحیح
استقرارہ بالخلوۃ مطلقاً : یعنی خلوۃ
صحیحہ پائے جانے کے بعد مہر کامل ثابت ہے
اور موت کی صورت میں دونوں میں وراثت
چلے گی۔ ائمہ حنفیہ کا یہی قول ہے (قرطبی ج۵ ص۱۰۲)

علامہ جصاص نے فراء کا قول یہ نقل کیا ہے کہ افضاء میں صرف خلوۃ کافی ہے مجامعت ہو یا نہ ہو۔ لغت کے اعتبار سے یہی صحیح ہے

لَعَنَ : لَعَنَ يَلْعَنُ (ف) لَعْنًا : لَعَنَ فلانًا : لعنت کرنا، شرمندہ کرنا، لَاعَنَهُ لعانًا وملاعنةً : ایک دوسرے پر لعنت کرنا، لَاعَنَ الحَاكِمُ بَيْنَهُمَا : حاکم نے انکے درمیان فیصلہ کیا، لعان کرایا، لَعِينٌ بمعنی ملعون ہے، منحوس، لعنت کیا ہوا، مَلْعَنَةٌ : وہ فعل جسکے سبب لوگ کرنیوالے کو لعنت کریں۔ حدیث میں ہے اتَّقُوا الملاعنَ الثَّلٰثَ : یعنی تین ملاعن سے بچو، ایک چلتے ہوئے راستے پر بول و براز کرنا (۲) ایسے درخت کے نیچے گند پھیلانا جسکے سائے تلے لوگ بیٹھتے ہوں (۳) نہر کے کنارے پر، ان تمام جگہوں کو ملاعن اسلئے فرمایا گیا ہے کہ یہ اپنے فاعل کے لئے لعنت کا سبب ہیں (النہایہ)

اللَّعْنُ : ناراضگی کی وجہ سے کسی کو اپنے سے دُور کرنا، دھتکارنا۔ اللہ کی طرف سے لعنت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دُنیا میں تو ملعون شخص اللہ کی رحمت اور توفیق خیر سے محروم اور دُور کر دیا جائے اور آخرت میں مستحق عذاب ہو اور بندہ کی طرف سے لعنت کا مطلب کسی کے لئے بددُعا کرنے کے ہوتے ہیں۔ علامہ ابن الاثیر فرماتے ہیں کہ واصل اللعن الطردُ والابعادُ من اللہ ومن الخلق السَّبُّ والدعاء (نھایہ)

لَعَنَهُ اللّٰہ : اللہ نے اُس پر لعنت کی، اسکو اپنی رحمت سے دُور کر دیا۔

اِلْتَقَمَهُ : لَقِمْتُ الطعام وَالْتَقَمْتُهُ و تَلَقَّمْتُهُ : کسی چیز کو ہڑپ کر جانا، رَجُلٌ تِلْقَامٌ : بڑے بڑے لقمے نگلنے والا۔ اِلْتَقَمَهُ الْحُوْتُ : اسکو مچھلی نے نگل لیا۔ اِلْتِقَامٌ : نگلنا، لقمہ بنا لینا۔

اَللَّمْسُ : اعضاء کی بالائی کھال کے ساتھ کسی چیز کو چھو کر اس کا ادراک کرنا، پھر معنی میں وسعت دیکر کسی چیز کے طلب کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، ایک شاعر نے اپنے بھائی کا مرثیہ پڑھتے ہوئے کہا کہ اَلْمِسُهُ فَلَا اَجِدُهُ : میں اس کو تلاش کرتا ہوں مگر وہ ملتا نہیں۔ لَمْسٌ اور مُلَامَسَةٌ کے معنی کنایۃً جماع کے آتے ہیں قرآن پاک کی آیت ہے اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ مراد مباشرت بالنساء ہے، اسمیں ایک قراءت لَمَسْتُمُ النساء باب مجرد سے ہے، اسلئے بعض فقہاء نے مطلق مس مرأۃ کو ناقض وضو قرار دیا ہے، تفصیل

کتب تفسیر میں دیکھیں۔
اَللَّمْسُ : الجَسُّ وقیل اللَّمْسُ : اَلْمَسُّ بِالْیَدِ (لسان)
لَوْنٌ : رنگ، اصل رنگ دو ہیں، ایک سیاہ، دوسرا سفید۔ باقی رنگ انہی کی آمیزش سے بنتے ہیں و مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِیْضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُھَا اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ رنگوں کی دھاریاں ہیں اور آیت کریمہ واختلاف اَلْسِنَتِکُمْ وَ اَلْوَانِکُمْ (الروم -۲۲) میں اختلافِ الوان سے مراد انواع و اقسام کے رنگوں اور شکلوں کے مختلف ہونے کی طرف اشارہ ہے اور باوجود اس کثرت تعداد کے اور اختلافِ صُوَر کے ہر ایک دوسرے سے ممتاز نظر آتا ہے۔ تَلَوُّنٌ : رنگ برنگ ہونا، رنگ بدل لینا، ایک حالت یا ایک وعدے پر قائم نہ رہنا۔ تَلْوِیْنٌ : رنگ برنگ کر دینا رنگ بدل دینا، کہا جاتا ہے زیدٌ اَتیٰ بِالالوَانِ مِنَ الحَدیثِ : زید نے طرح طرح کی باتیں کیں۔ تَنَاوَلَ اَلْوَانًا مِنَ الطعام طرح طرح کے کھانے کھائے (قاموس)
فَعَلَ : یَفْعَلُ فَعْلًا : کرنا، بنانا، اَلفِعْلُ : اسم ہے۔ اِنْفَعَلَ : ہوجانا، متأثر ہوجانا، الفِعْلَ : کام جمع فِعَالٌ وافعَالٌ اور جمع الجمع افاعیل،
لفظ فعل اسم بھی ہے اور مصدر بھی، اور اس کام کو بھی کہتے ہیں جو کیا گیا ہو مفعول اور مُنْفَعِل میں بظاہر کوئی فرق نہیں بعض اہلِ لغت کا قول ہے کہ فاعل کے فعل سے جو چیز بطور نتیجہ اور بلا ارادہ کے ظاہر ہوتی ہے وہ انفعال ہے جیسے محبوب کو دیکھنے سے چہرے پر خوشی اور شگفتگی اور دل میں سرور اور گانا سننے سے طرب و وجد کی غیر اختیاری کیفیت، لیکن مفعول میں یہ شرط نہیں ہے۔
فُلَانًا : لَمْ اَتَّخِذْ فلانًا خلیلًا : میں فلاں کو اپنا دوست نہ بناتا، کسی شخص یا چیز کی طرف کنایہ کرنے کے لئے لفظ فلاں بولا جاتا ہے فلانۃٌ مؤنث ہے۔
فَهَّمْنَا : فَهِمَ یَفْهَمُ فَهْمًا وفَهَامَةً فَهِمَ الاَمْرَ والمعنیٰ : کسی امر یا معنی کا جاننا۔ فَهَّمَهُ و اَفْهَمَهُ الاَمْرَ : سمجھانا۔ اَلْفَهْمُ : سمجھ، کسی چیز کا تصور فَهِمْتُ الشئ فهمًا وفَهَامِیَةً : عَلِمْتُهُ : صیغہ صفت اسمیں سے فَهِمٌ آتا ہے۔ فُلَانٌ فَهِمٌ : فلاں سمجھدار ہے سریع الفہم ہے اور تَفَهَّمَ الکَلَامَ کے

معنی ہیں تھوڑا تھوڑا کر کے سمجھنا (صحاح)
فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ : ہم نے وہ قصہ
سلیمان کو سمجھا دیا۔
اِقْتَدِهْ : فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (انعام ۹۰)
تو آپ اُنھیں کی ہدایت کی پیروی کریں۔
اِقْتَدِ : اِقْتِدَاءٌ سے فعل امر ہے اسکا
مادہ مجرد قَدْوٌ ہے۔ قَدَا يَقْدُوْا
قَدْوًا : قریب ہونا، اَقْدٰى اِقْدَاءً
نیکی اور دین کے راستہ میں استقامت
اختیار کرنا۔ اَلْقِدْوُ : وہ جڑ جس سے
شاخیں پھوٹتی ہیں، اس مادہ کے بنیادی
معنی کسی چیز کے مطابق ہونا اور اس سے
راہنمائی حاصل کرنا (مقائیس) الْقُدْوَةُ
وہ جس کی پیروی کی جائے، اِقْتَدٰى :
پیروی کرنا، فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ :
اِقْتَدِهْ میں ہ ضمیر کا مرجع هُدٰى ہے
جسکا مطلب یہ ہوا کہ اقتدار اشخاص کی
نہیں بلکہ اس ہدایت کی ہے جو اشخاص
کو اللہ کی طرف سے عطا ہوئی۔
يَنْقَضَّ : نَقَضَ الْبِنَاءَ : عمارت گرانا
نَقَضَ الْعَظْمَ : ہڈی توڑنا، نَقَضَ
الْعَهْدَ ، عہد توڑنا۔ اِنْتَقَضَ الْبِنَاءُ
عمارت کا ٹوٹنا۔ النِّقْضُ : منہدم شدہ

عمارت، ملبہ، النُّقْضُ : عمارت کا ٹوٹا
ہوا حصہ، النَّقِيْضُ : آدمی کے جوڑوں
کی آواز۔ اَلَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ : وہ
بوجھ جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی (اسکو
ہم نے اُٹھا دیا) نَقَضَتْ غَزْلَهَا : اُس
نے اپنے کاتے ہوئے سوت کے ٹکڑے
ٹکڑے کر دیئے، اور کہف کی آیت کریمہ
فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ
يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ : پھر دونوں کو بستی
میں ایک دیوار ملی جو گرا چاہتی تھی (کہف)
قَلَّ : يَقِلُّ قِلًّا وقِلَّةً : کم ہونا
قَلَّ الرَّجُلُ : مال کم ہونا، قَلَّ الْجِسْمُ
لاغر اور کمزور ہونا۔ قَلَّ عَنْ كَذَا : کسی
چیز سے چھوٹا ہونا۔ قَلَّ الشَّيْءُ : بلند ہونا
فعل۔ قَلَّ کے ساتھ حرف ما بھی داخل
ہوتا ہے جو اس کو رفع دینے سے روک دیتا ہے
اسی لئے اس کے بعد فاعل کی ضرورت
نہیں ہوتی قَلَّمَا جِئْتُكَ : میں تیرے
پاس بہت کم آیا، قَلَّمَا سے کبھی مکمل نفی
مراد ہوتی ہے اور کبھی کوئی قلیل چیز ثابت
ہوتی ہے۔ قَلَّلَ الشَّيْءَ يُقَلِّلُهٗ : کسی
چیز کو کم کر دینا، ایسا کر دینا کہ چیز تھوڑی
معلوم ہو۔ سورہ انفال میں ہے وَيُقَلِّلُكُمْ

فِيْ اَعْيُنِهِمْ : اور تمہیں اُن کی نگاہوں میں کم کرکے دکھا رہا تھا اور اَقَلَّ الشَّیْءَ : چیز کو اوپر اُٹھا لینا، سورہ اعراف میں ہے حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا۔ قِلَّةٌ: کمی۔ کم ہونا، یہ مصدر ہے جو کثرت کی ضد ہے۔ ان دونوں کی اصل وضع عدد کی کمی اور بیشی کو بیان کرنے کے لئے ہے۔

قَلِيْلٌ : صفت مشبہ کا صیغہ ہے جو قرآن پاک میں چند معانی کے لئے استعمال ہوا ہے بمعنی یَسِیْرٌ۔ ثَمَنًا قَلِيْلًا۔ ای یَسِیْرًا حَقِیْرًا ۲ بمعنی ریاء و سُمعۃ۔ سورہ احزاب میں ہے، وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ ای ریاءً ۳ قلیل بمعنی لا شیٔ، سورہ غافر میں ہے قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ۔ اسی طرح سورہ ملک کی آیت قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ یعنی تم شکر نہیں کرتے، تمہاری اس باطل طریقے پر کی جانے والی عبادت کی کوئی حقیقت نہیں۔

قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ : تم ایمان نہیں لاتے اور آیت کریمہ لَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ای اِیْمَانًا ضَعِیْفًا : یعنی ان کا ایمان کمزور ضعیف ہے جو ان کی زندگی کو کوئی خوشگوار انقلاب نہیں دے سکتا، مسلمان کی عزت اور اس کی بقاء کا مدار محکم ایمان پر ہے۔

قَمَرٌ : چاند جمع اَقْمَارٌ، تین تاریخ سے آخر تک کے چاند کو قمر کہتے ہیں اور یکم سے تین تک ہلال کہلاتا ہے۔ قَمَرَ يَقْمِرُ (ض) بازی لگانا، شرط لگانا، قمار: بازی کرنا قَمَرَ الرَّجُلُ : غالب آنا، جوا جیت جانا، چاند کو بھی قمر غالبًا اسی لئے کہتے ہیں کہ روشنی میں ستاروں پر غالب ہوتا ہے اِنْشَقَّ الْقَمَرُ : چاند شق ہوگیا۔

اَلْقُوَّةِ : خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ قَوِيَ يَقْوٰى قُوَّةً (س) طاقتور ہونا، قَوِيَ عَلَى الْاَمْرِ : کسی کام کی قدرت اور طاقت رکھنا۔ قَوَّى الرَّجُلَ : طاقتور بنانا۔ اَلْقَوِيُّ : صیغہ صفت ہے، صاحب قوت، الْمُتَّصِفُ بِالْقُوَّةِ۔ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (انفال) ای ذُوْ قُدْرَةٍ بَالِغَةٍ لَيْسَ فَوْقَهَا قُدْرَةٌ (معجم الفاظ القرآن)

اَقْوٰى يُقْوِيْ اِقْوَاءً، محتاج ہونا، چٹیل میدان میں اُترنا، اس سے فاعل کا صیغہ مُقْوِيْ آتا ہے۔ سورہ واقعہ میں ہے، مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ۔ مُقْوِيْنَ، اِقْوَاءٌ

سے مشتق ہے اور وہ قِوَاء بمعنی صحراء سے مشتق ہے۔ مُقْوِی کے معنی ہوئے صحرا میں اترنے والا، مراد اس سے مسافر ہے جو جنگل میں کہیں ٹھہر کر اپنے انتظام میں لگا ہو (معارف)

مَنْزِلٌ قَوِیٌ: غیر آباد گھر، خانہ ویران اَقْوَتِ الدَّارُ: گھر خالی ہوگیا، قُوَّۃٌ: واحد، جمع قُوَی۔ عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی (النجم) ای مَلَكٌ قواہ شَدِیدۃٌ مراد جناب جبرائیل ہیں اور جمع کا صیغہ مبالغۂ قوت کا اظہار کرنے کے لئے ہے۔

کَسَبَ: کَسْبٌ: کمائی کرنا، نفع کے لئے کوئی کام کرنا خواہ نتیجہ اچھا نکلے یا برا۔ قرآن پاک میں کَسَبَ کا لفظ چند معانی کے لئے استعمال ہوا ہے (۱) قلبی ارادہ اور نیت کی پختگی کے لئے، جیسے وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ (۲) اچھا برا فعل یا قول، جیسے ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ (۳) مال کمانا، جیسے اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ۔ بعض اہل لغت نے کسب اور اکتساب میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ اکتساب وہ ہے جو اپنے لئے ہو اور کَسْبٌ کا لفظ عام ہے، پس ہر اکتساب کسب ہے لیکن ہر کسب اکتساب نہیں ہے۔ قرآن پاک میں کسب اور اکتساب دونوں کا استعمال اچھے اور برے دونوں طرح کے کاموں پر ہوا ہے۔

تُکَلِّفُ: لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا: ہم کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ تَکْلِیْفٌ کسی شخص سے ایسی چیز کی خواہش کرنا جس میں رنج اور محنت ہو تَکَلَّفَ الْاَمْرَ: ایسے مشکل کام کو انجام دیا جس کا کرنا دشوار تھا تَکَلُّفٌ کسی کام کو تصنع یا اوپرے جی سے کرنا، دکھاوے کے لئے کوئی کام کرنا، آیت کریمہ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ کا معنی ہوگا میں دکھاوے کے لئے کام نہیں کرتا، اصل مادہ کَلَفٌ ہے شیفتہ اور بصورت اسم سیاہی زردی آمیز یا سرخی سیاہی آمیز۔ کَلِفٌ: صیغہ صفت بمعنی عاشق، شیفتہ، چونکہ اس غریب المراد کا چہرہ تحمل مصائب سے زرد ہوجاتا ہے

کُلْفَۃٌ: رنج، سختی

کَیْفَ: یہ اسم استفہام مبنی علی الفتح ہے اسکا عام استعمال استفہام کے لئے ہے جیسے کَیْفَ زَیْدٌ: زید کیسا ہے اور یہ کبھی شرط کے معنی میں مَا کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے اور بغیر

ما کے بھی جیسے کَیْفَ مَا تَصْنَعُ اَصْنَعُ اور کَیْفَ تَصْنَعُ اَصْنَعُ ۔ کَیْفَ کو اسم معرب کی طرح بھی بعض اوقات استعمال کیا جاتا ہے جیساکہ اسی سوال کے جواب میں کہا جاتا ہے کَیْفَ لِیْ بِفُلَانٍ ؟ کُلُّ الْکَیْفِ (بالجر) اس موقع پر اصلی حالت کا لحاظ کرتے ہوئے فتحہ بھی لایا جاتا ہے (منجد)

اور اگر کَیْفَ کے بعد اسم ہو تو یہ مبتدا کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا جیسے کہ کَیْفَ زَیْدٌ، اور اگر اس کے بعد فعل ہو تو یہ محل نصب میں ہوگا، یہ نصب یا تو حالیۃ کی بناء پر ہوتا ہے یا مفعول مطلق ہونیکی وجہ سے جیسے جَاءَ زَیْدٌ، اور جب شرط واقع ہوتا ہے تو یہ دو ایسے فعلوں کا مقتضی ہوتا ہے جو لفظاً بھی اور معنیً بھی متفق ہوں لیکن ان دونوں فعلوں میں سے کوئی مجذوم نہیں ہوتا، جیسے کَیْفَ تَصْنَعُ اَصْنَعُ اور کیف ما تَصْنَعُ اَصْنَعُ (معجم الوسیط)

باب المیم

مَسَخْنَا: ہم نے صورت بگاڑ دی مَسْخٌ مصدر، صورت یا عادت وغیرہ بگاڑ دینا، مَسِیْخٌ: وہ شخص جس کی صورت بگاڑ دی گئی ہو بدخلق، بدصورت، اَلْمَسْخُ : تَحْوِیْلُ صُوْرَۃٍ اِلٰی مَا ھُوَ اَقْبَحُ مِنْھَا (صحاح)

مَعَ : یہ اجتماع کے معنی کو چاہتا ہے، خواہ وہ اجتماع مکانی ہو جیسے ھُمَا مَعًا فِی الدَّارِ : وہ دونوں ایک مکان میں جمع ہیں خواہ زمانی جیسے ھُمَا وُلِدَا مَعًا وہ دونوں ایک وقت میں پیدا ہوئے، اور خواہ وہ اجتماع معنوی اعتبار سے ہو جیسے اَخٌ اور اَبٌ وغیرھما اضافی اسماء ہیں کہ ایک آدمی کو دوسرے کا بھائی اسی وقت کہا جاتا ہے، جب وہ بھی اسکا بھائی ہو اور کبھی اجتماع اور شرف کے لحاظ سے ہوتا ہے جیسے کہ ھُمَا مَعًا فِی الْعُلُوِّ : وہ دونوں بلند رتبہ ہونے میں برابر ہیں، اور کبھی مع کا لفظ معنی نصرت کو چاہتا ہے اسوقت یہ منصور یعنی جس کی مدد کی جاتی ہے اسکا مضاف الیہ بنتا ہے جیساکہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا : تو غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے، تو یہاں مع کے مضاف الیہ یعنی نَا ضمیر منصور مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ ناصر ہے جس کی معیت نَا ضمیر کے ساتھ بیان کی گئی ہے، یہاں مَعَ مضاف ہے، نَا مضاف الیہ ہے، ھذا اما قاله

الراغب وھوالاصح۔

نَمِیْرُ اَھْلَنَا (یوسف) مَارَ یَمِیْرُ مَیْرًا وَاَمَارَ عیالہٗ: اپنے عیال کے لئے غلہ لانا۔

مَتٰی: یہ اسم استفہام ہے اور شرط کے لئے بھی آتا ہے، جب استفہام پر دلالت کرے تو یہ ظرفیت زمانیہ کی بنا پر محلا منصوب ہوتا ہے جیسے متی سَافَرْتَ تو نے کب سفر کیا، اور جب یہ اسم شرط کے طور پر استعمال ہو تو یہ دو فعلوں پر داخل ہوتا ہے اور دونوں کو جزم کرتا ہے، اور فعل دونوں مضارع کے ہوتے ہیں جیسے مَتٰی تَقُمْ اَقُمْ۔ قرآن پاک میں اس کا استعمال صرف اسم استفہام کے معنی میں ہوا ہے، جیسے مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ: یہ وعدہ پورا کب ہوگا۔ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ: اللہ کی مدد کب ہوگی۔

ھَارُوْتَ مَارُوْتَ: قرآن کریم کے سیاق سباق سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں فرشتے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے پیش نظر بابل شہر میں انسانی شکلوں میں اُتارا تاکہ لوگوں کا امتحان لیا جائے، ان کی حقیقت کیا ہے اس میں طویل ابحاث ہیں، لیکن علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ ہاروت ماروت ملائکہ نہیں بلکہ شیاطین ہیں اور قرآن پاک کی آیت میں تقدیم تاخیر ہے اور تقدیر کلام یوں ہے وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ: علامہ نے ہاروت و ماروت کو شیاطین کا بدل قرار دیا ہے، یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ شیاطین جو مبدل منہ ہے جمع ہے اور ہاروت و ماروت جو بدل ہے وہ تثنیہ ہے تو تثنیہ جمع کا بدل کیسے ہو سکتا ہے تو اسکا ایک جواب تو یہ ہے کہ کبھی جمع کا لفظ تثنیہ پر بھی بولا جاتا ہے جیسے فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ۔ دوسرے یہ کہ ان دونوں کو کثرتِ تمرّد اور سرکشی کی بنا پر الگ کر کے بیان فرمایا ہے (قرطبی ص۵۰ و ص۵۱ ج۲) دونوں عجمی نام ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہیں۔ جمع ھَوَارِیْت و مَوَارِیْت آتی ہے۔

مِیْكَالَ: اللہ کے فرشتوں میں سے ایک معزز فرشتہ ہے جسکو عام روایات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے نظامِ بارش اور رزق

رسائی پر متعین فرمایا ہے۔

مَهْمَا: یہ اسم شرط ہے دو فعلوں پر داخل ہو کر ان کو جزم دیتا ہے اسکا استعمال ذوی العقول کے لئے ہوتا ہے اور ظرف زمان واقع ہوتا ہے جیسے مَهْمَا يَزُرْنِيْ زَيْدٌ أُكْرِمْهُ: زید جب بھی میری زیارت کریگا میں اسکا اکرام کرونگا، اور کبھی ظرف نہیں بھی ہوتا جیسے مَهْمَا تَفْعَلْ أَفْعَلْ جو تو کرے گا وہی میں کرونگا (منجد)

علماء نحاۃ کا اسمیں اختلاف ہے کہ یہ مرکب ہے یا بسیط، خلیل اور کسائی کے نزدیک یہ مرکب ہے، خلیل کہتے ہیں کہ اس کی اصل ماما ہے، پہلا شرط کے لئے ہے اور دوسرا تاکید جزاء کے لئے، اب چونکہ دونوں حرف ایک ہی طرح کے تھے اسلئے پہلے مَا کے الف کو ھا سے بدل کر مہما بنا لیا، لیکن کسائی کہتے ہیں کہ اس کی اصل مہ ہے، اس پر ما کو داخل کیا گیا ہے جس کی وجہ سے اسکے اندر معنی شرط کے پیدا ہوگئے ہیں (قرطبی ص۲۶۷ ج۷) زجاج کہتے ہیں کہ یہ مَهْ بمعنی اکفف اور ما شرطیہ سے مرکب تھے تو مَهْ کلام سابق کا رد ہے گویا مخاطب نے کہا کہ لَا تَقْدِرُ عَلَى مَا أَفْعَلُ تو متکلم نے کہا کہ اُكْفُفْ مَا تَفْعَلْ أَفْعَلْ رضی کہتے ہیں کہ مہما، ما شرطیہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے، وَقَدْ جَاءَ مهما في الاستفهام بمعنى ما الاستفهامية رضی علی الکافیہ ص۲۵۳ ج۲ طبع ایران، ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ مہما حرف من حروف الشرط التي يجازى بها[۱]

صحیح یہ ہے کہ مہما اسم ہے چونکہ اسکی طرف لوٹتی ہے، قالہ الرضی،

مَاءٌ: اسم جنس مذکر بمعنی پانی جمع أَمْوَاهٌ اور مِيَاهٌ ہے اور تصغیر مُوَيْهٌ اور مُوَيْهَةٌ آتی ہے، اس کی اصل مَاهٌ ہے نسبت کے وقت مَائِيٌّ بولا جاتا ہے رجل مَاهُ الفؤاد: بزدل، پست ہمت۔

باب النون

اِنْحَرْ: تو قربانی کر (فتح) نَحْرٌ سے جسکے معنی قربانی کرنیکے ہیں امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر نَحْرٌ، سینہ کے اس بالائی حصہ کا نام ہے جہاں قلادہ پڑا رہتا ہے، اور اسی اعتبار سے نَحْرٌ کے معنی سینہ پر مارنے یا ذبح کرنیکے آتے ہیں آیت شریفہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (پس اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی ادا کیجئے)

[۱] لسان

میں عامہ مفسرین کے نزدیک قربانی کرنا مراد ہے ۔ ابن عباس، عطار، مجاہد، عکرمہ، حسن بصری قتادہ، محمد بن کعب، قرظی، ضحاک، ربیع عطار خراسانی، حکم، سمٰعیل بن ابی خالد اور سلف کی ایک بڑی جماعت کا یہی قول ہے لیکن بعض علمار کے نزدیک نحر نماز سے متعلق ایک فعل کا نام ہے جو نماز کے اندر یا اس سے پہلے یا اس کے بعد انجام دینا چاہیئے، چنانچہ فرار کے خیال میں نحر سے قبلہ رُخ ہونا مراد ہے ۔کلبی اور ابوالاحوص بھی اس بارے میں اسکے ہمزبان ہیں، مستدرک حاکم اور سنن بیہقی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت فرمایا یہ نحیرہ کیا ہے ؟ جسکا مجھے میرے پروردگار نے حکم دیا ہے، جبریلؑ کہنے لگے نحیرہ نہیں بلکہ تم کو حکم دیا جارہا ہے کہ جب نماز کے لئے تکبیر تحریمہ کہو تو ہاتھ اُٹھاؤ ۔اسی طرح جب رکوع میں جاؤ اور رکوع سے سر اُٹھاؤ، کیونکہ ہمارے اور فرشتگانِ ہفت آسمان کی نماز کا یہی طریقہ ہے لیکن اس روایت

کو حافظ ابن الجوزی نے موضوعات میں ذکر کیا ہے اور حافظ ابن کثیر اسکو سخت منکر بتاتے ہیں ۔اس روایت کے دو راوی اسرائیل بن حاتم اور اصیغ بن نباتہ سخت مجروح ہیں ۔حافظ ذہبی تلخیص المستدرک میں لکھتے ہیں کہ اسرائیل عجائب بیان کرتا ہے' اعتماد کے قابل نہیں ہے، اور اصبغ شیعی ہی نسائی کے نزدیک متروک ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہیں وانحر کے معنی سینہ پر ہاتھ باندھنے کے بھی آئے ہیں' یہ روایت سُنن بیہقی اور تاریخ بخاری وغیرہ میں منقول ہے لیکن حافظ ابن الترکمانی نے تصریح کی ہے کہ اس روایت کے متن اور سند دونوں میں اضطراب ہے ۔ابن جریر کی روایت میں حضرت علیؓ سے سینہ کے نیچے ہاتھ باندھنا مذکور ہے لیکن حسب تصریح حافظ ابن کثیر یہ روایت بھی غیر صحیح ہے سنن بیہقی میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ سے بھی انحر کے معنی سینہ پر ہاتھ باندھنے کے مروی ہیں لیکن ان کی سندیں بھی ضعف سے خالی نہیں ۔ ابن ابی حاتم نے عطا خراسانی سے رکوع کے بعد اعتدال کے ساتھ سینہ ظاہر کرنے کے معنی روایت کئے ہیں ۔ ابن مردویہ اور بیہقی نے حضرت ابن عباس سے بھی رکوع

کے بعد سیدھا کھڑا ہونے کے معنی بیان کئے ہیں، ضحاک اور سلیمان تیمی سے نماز کے بعد سینہ تک ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنے کے معنی منقول ہیں، حافظ ابن کثیر نے تصریح کی ہے کہ یہ سب اقوال سخت غریب ہیں اور صحیح قول اول ہی ہے کہ نحر سے مراد قربانی ہے حقیقت یہ ہے کہ ان سب اقوال کا منشا لفظ نحر ہے چونکہ نحر کے معنی سینہ کے بالائی حصہ کے ہیں اسلئے فَصَلِّ کی مناسبت سے نماز میں سینہ کے متعلق جتنے افعال تھے وانحر کی تفسیر ہیں ان لوگوں نے ان ہی میں سے کسی ایک فعل کو متعین کر دیا لیکن غور سے دیکھا جائے تو یہ سب افعال فَصَلِّ کے تحت میں داخل ہیں کیونکہ یہ سب نماز کے آداب ہیں اور نماز میں شامل ہیں، اسی لئے یقیناً وَانْحَرْ سے ان معانی مذکورہ کے علاوہ کوئی اور معنی مراد ہونے چاہئیں کیونکہ جز کا عطف کل پر ویسے بھی بعید ہے بدیں وجہ یہاں نحر سے قربانی کے معنی ہی لینے چاہئیں محمد بن کعب قرظی نے صاف تصریح کی ہے کہ مشرکین نماز اور قربانی بتوں کے لئے کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ یہ دونوں باتیں صرف اسی کے لئے ہونی چاہئیں، قرآن مجید نے صرف اسی جگہ نہیں بلکہ دوسرے مقام پر بھی نماز اور قربانی کا ساتھ ذکر کیا ہے، ارشاد ہوتا ہے قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کیلئے ہے جو سارے جہان کا رب ہے) امام ابوبکر جصاص احکام القرآن میں تمطراز ہیں، جن لوگوں نے اس سے قربانی کی حقیقت مراد لی ہے اولیٰ ہے کیونکہ یہ اس لفظ کے حقیقی معنی ہیں، علاوہ ازیں اس لفظ کو علی الاطلاق جب کبھی استعمال کیا جائیگا، اس سے قربانی کے علاوہ دوسرے معنی نہیں سمجھے جا سکتے، جب کوئی نحر فلان الیوم کہے گا تو اسکے معنی یہی سمجھے جائیں گے کہ فلاں نے آج قربانی کی، دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر باندھنا کوئی نہ سمجھے گا، پہلے معنی کے مراد ہونے پر یہ خبر بھی دلالت کرتی ہے کہ سب کا اتفاق ہے کہ نحر (سینہ کے بالائی حصہ) پر ہاتھ نہ باندھا جائے، خود حضرت علیؓ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے باندھنا مروی ہے

لغات القرآن، تفسیر القرطبی ص۲۱۸ ج۲۰ تا ص۲۲۲
فتح القدیر شوکانی جلد۴ طبع مصر

نَحْسٌ: مصدر، بمعنی منحوس، یہ سعد کی ضد ہے

فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ: سخت منحوس دن میں
اصل میں نَحْسٌ کے معنی اُفق آسمان کے سرخ

ہو کر نحّاس کی طرح ہو جانے کے ہیں اور نحوست کا ضرب المثل ہے۔ جمع نَحِسَاتٌ۔

اَنْدَادًا : فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا (البقرہ) سو تم اللہ کے ہمسر نہ ٹھہراؤ۔ انداد نِدٌّ کی جمع ہے، نِدٌّ عربی میں مثل اور مشابہ کو کہتے ہیں اور مخالف اور متبرّ مقابل کو بھی۔ اَلنِّدُّ : المثل والنّظیر وقال الاخفش النِّدُّ الضِّدُّ والشبہ (تاج) صاحبِ تاج العروس نے اضدادُ کے معنی اضداد و اشباہ کے کئے ہیں۔ انداد سے مراد عام طور پر مفسرین نے مورتیاں اور بُت لئے ہیں جن کو مشرکین پوجتے ہیں۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں، المراد الاوثان والاصنام التی کانوا یعبدونھا (قرطبی) بعض حضرات نے انداد سے مراد قوم کے وہ رؤسا اور پیشوا مراد لئے ہیں جن کی اتباع و اقتدا میں قومیں خدا کے قانون کو بھلا دیتی ہیں اور خدائی کا درجہ ان حکام ہی کو دیدیا جاتا ہے جو آخر کار پوری کی پوری قوم کے لئے باعثِ ہلاکت بن جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے وَاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ (۲۸۔ ابراہیم) علامہ بغدادی لکھتے ہیں کہ قیل الرُّؤساء الذین یطیعونھم اطاعۃ الارباب من الرجال (روح المعانی) علامہ رازی نے لکھا ہے انّما السّادۃ الذین یطیعونھم (کبیر) اصل میں ہر ایسی چیز ند ہے جو انسان کے قلب و عمل کو اللہ سے غافل کردے (کبیر عن بعض الصّوفیہ) ند اور مثل میں فرق یہ ہے کہ مثل عام ہے اور ند خاص ہے، مثل کا استعمال ہر قسم کی شرکت میں ہوتا ہے لیکن ند کا استعمال صرف ذاتی شرکت میں ہوتا ہے۔

وقال ابن قتیبہ فی غریب القرآن : انداداً ای شرکاء امثالاً۔ یقال ھذا نِدُّ ھذا و ندیدہ ص۴۳ ج۱ و ذکر السیوطی فی الدر المنثور عن ابن عباسؓ قال النِّدُّ الاشباہ والنظائر ص۳۵ ج۱

يُنْفَوْا : ان کو نکال دیا جائے، انکو دفع کر دیا جائے۔ نَفْیٌ مصدر، دُور ہو جانا، دُور کر دینا، ہنکا کر نکال دینا، مور کا خاک اُڑانا، انتفارُ افتعال، دُور ہونا کیسو ہونا

نَكَصَ : يَنْكُصُ، نَكْصًا و نُكُوْصًا و مُنْكَصًا۔ نَكَصَ عَنِ الْاَمْرِ : کسی امر سے رُکنا، باز رہنا۔ صیغہ صفت ناکِصٌ آتا ہے۔ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ : پہلے کام سے ہٹ جانا، نَكَّصَهٗ : ہٹا دینا۔

إِنْتَكَصَ الرجلُ : ایڑیوں کے بل لوٹنا،
اَلْمَنْكَصُ : ظرفِ مکان، ہٹنے کی جگہ،
نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ : جب شیطان نے
بدر میں مسلمانوں کے ساتھ ملائکۃ اللہ کو دیکھا
تو پسپا ہو کر کھسک گیا، بھاگ گیا۔ وقال
القرطبی : ومعنی نکص بلغۃ سلیم رجع
وقال الشاعر ؎

لَيْسَ النُّكُوْصُ عَلَى الْاَدْبَارِ مَكْرُمَةً
اِنَّ الْمَكَارِمَ اِقْدَامٌ عَلَى الْاَسَلِ
(القرطبی ص۲۷ ج۸)

نَمْلَةٌ : چیونٹی، اس کی جمع نَمْلٌ آتی ہے
قرآن پاک کی ایک ہی آیت میں اسکی واحد
اور جمع دونوں استعمال ہوتے ہیں، قَالَتْ
نَمْلَةٌ يٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ
ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے بلوں
میں داخل ہو جاؤ کہیں لشکرِ سلیمانی تمہیں پاؤں
تلے روند نہ ڈالے۔ تَنَمَّلَ الْقَوْمُ : لوگ
مال جمع کرنے کے لئے چیونٹیوں کی طرح پھیل
گئے، اسی سے محاورہ هُوَ اَجْمَعُ مِنْ نَمْلَةٍ
وہ چیونٹی سے بھی زیادہ ذخیرہ اندوز ہے (راغب)
متجددین کے علمِ جدید کی کرشمہ سازیاں دیکھئے
کہ ارشاد ہے، بہرحال وادی نمل چیونٹیوں
کی جگہ نہیں بلکہ ایک قبیلہ کے مسکن کا نام ہے
النَّمْلُ : اس قبیلہ کا نام ہے۔ نَمْلَةٌ :
اس قبیلہ کی ایک عورت (لغات القرآن پرویز)
مقصد یہ ہے کہ ارشاد رسول صلے اللہ علیہ وسلم
اور اجماع مفسرین سے جو یہ منقول ہوتا ہوا
آرہا ہے کہ نملۃ سے مراد ایک حیوان اصغر
یعنی چیونٹی ہے یہ غلط ہے کیونکہ نیچریوں کی
موٹی عقلوں میں اتنی باریک چیز جبکا مدار
حقائق قدرت کی معرفت پر ہو آتی ہی نہیں، یہی
ہیں وہ ملحدانہ تاویلات جن کے بارے میں
ارشاد ہے، وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ
نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (الحج)

مِنْهَاجٌ : کھلا ہوا راستہ۔ نَهْجٌ اور مَنْهَجٌ
کے بھی یہی معنی ہیں، روشن اور کشادہ راستہ
نَهَجَ مصدر باب فتح، راستہ کا کشادہ
اور صاف ہونا اور اس پر چلنا، اِنْهَاجٌ :
راستہ کا کشادہ ہونا، کشادہ کرنا، لازم
اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے
(تاج) نَهَجَ الثَّوْبَ : کپڑے کو بوسیدہ کرنا
نَهَجَ الْاَمْرَ : معاملہ واضح کرنا۔ نَهَجَ
الطَّرِيْقَ : راستہ چلنا، نَهْجُ الْبَلَاغَةِ
بلاغت کا طریقہ، ایک کتاب کا نام ہے
جس کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی
طرف کی جاتی ہے اسکا جامع ایک کٹر شیعہ ہے

اَلنَّهْیُ : نَهَاهُ یَنْهَاهُ نَهْیًا وَنَهَاهُ یَنْهُوْهُ نَهْوًا : روکنا، منع کرنا، صفت فاعلی مذکر ناہٍ، مؤنث نَاهِیَةٌ مَنْهِیٌّ عنہ : وہ چیز جس سے روکا جائے نَهَی اللّٰهُ عَنْ کذا : اللہ کا کسی چیز کو حرام کرنا اَلنُّهْیَةُ : عقل، جمع النُّهٰی، اُولُوا النُّهٰی : عقل والے، عقل کو نُهْیَةٌ اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ انسان کو قبیح باتوں سے منع کرتی ہے، اَلتَّنْهِیُ : کسی چیز سے منع کر دینا۔ اُولِی النُّهٰی ای اولی العقول وَالنُّهْیَةُ : العقل (غریب القرآن لابن قتیبہ)

اَلنَّوٰی : یہ جمع ہے بمعنی کھجور کی گٹھلیاں اور اسکی واحد النَّوَاةُ ہے، نَیٌّ : چربی اور نِیٌّ فربہی، نِیَّةٌ : ارادہ، دوری، جمع نِیَّاتٌ

باب الواؤ

الوُحُوْش : وَحْشٌ، صحرائی جانور، جمع وُحُوْش وُحْشَانٌ وَحْشِیٌّ جنگلی جانور، وَحْشَةٌ : غم، غم کرنا، وَحْشِیَّةٌ وہ ہوا جو تیزی کی وجہ سے کپڑوں میں گھس جائے تَوَحُّشٌ : گھر کا ویران اور اجاڑ ہونا۔ اِسْتِیحَاشٌ : غمگین ہونا، وحشت محسوس کرنا

وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ : اور جب جنگلی جانور جمع کئے جائیں گے مکانٌ وحشٌ : ویران جگہ۔ ارضٌ مُوْحِشَةٌ : ویران جگہ، وَحْشِیٌّ : ویران زمین میں رہنے والے جانور

مُسْتَوْدَعٌ : باب استفعال کے مصدر استیداعٌ سے ظرف مکان ہے، امانت رکھنے کی جگہ، فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ (۹۸/ انعام)

ان دونوں لفظوں کے مصداق میں اسلاف کا اختلاف ہے کہ ان سے مراد کیا ہے، عبداللہ ابن مسعود کی روایت ہے کہ مستقر سے مراد استقرار فی الرحم اور مُستودع وہ زمین ہے جس میں وہ مرتا ہے، امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اکثر اہل تفسیر کا کہنا یہ ہے کہ اَلْمُسْتَقَرُّ ما کان فی الرّحم والمستودَعُ مَا کان فی الصُّلْبِ، علامہ قرطبی کی اپنی رائے یہ ہے کہ مستودع موت سے لیکر بعث تک قبر کا پورا زمانہ ہے۔ وَالاستیداعُ اشارۃٌ الٰی کونِهِمْ فی القبر الٰی ان یُبْعَثُوْا للحساب (القرطبی ص۴۷ ج ۷) اصل مادہ وَدَعٌ ہے (دیکھئے وَدَعَ)

وَسِعَ : یَسَعُ (سمع) سَعَةٌ، وَسِعَ الشیُ کسی چیز کا کشادہ ہونا وَسِعَ المکانُ

مکان کا کشادہ اور وسیع ہونا وَسِعَ الشَّیَٔ وسیع کرنا، ھٰذَا الاناءُ یَسَعُ عِشْرِیْنَ کَیْلًا، اس برتن میں بیس کیل سماتے ہیں، مَا اَسَعُ ھٰذَا: میں اسکی طاقت نہیں رکھتا الوُسْعُ: طاقت ہمت، کسی کام کو کرنے کی قدرت، امام راغب فرماتے ہیں کہ الوُسْعُ اس طاقت کو کہتے ہیں جو اس کام سے زیادہ ہو جو اسکو کرنیکے لئے دیا گیا ہے، چنانچہ آیتِ کریمہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا کا مطلب یہ ہے کہ خدا بندے کے ذمہ اتنا ہی کام لگاتا ہے جسکا انجام دینا اسکی طاقت سے کم ہوتا ہے، اور وَسِعَ کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا میں اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علمی کیطرف اشارہ ہے جیساکہ فرمایا کہ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا: خدا تعالیٰ اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے، الوُسْعُ کے معنی تونگری اور طاقت مالی کے بھی آتے ہیں ھُوَ یُنْفِقُ عَلٰی قَدْرِ وُسْعِہٖ: وہ اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرتا ہے، اَوْسَعَ فُلَانٌ کے معنی ہیں وہ غنی ہوگیا، الوَاسِعُ: اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، الکثیر العطاء: جو اس سے مانگا جائے وہ اس کو عطا کرنے پر قادر ہو۔

تَصِفُوْنَ: وَصْفٌ سے جمع مذکر مضارع حاضر کا صیغہ ہے، الوَصْفُ: کسی چیز کا حلیہ اور اور نعت بیان کرنا اور کسی چیز کی وہ حالت جو حلیہ اور نعت بیان کرنے کے وقت ہوتی ہے صِفَۃٌ کہلاتی ہے۔ اور وصف صحیح اور غلط دونوں طرح کا ہو سکتا ہے قرآن پاک میں اسکا استعمال اکثر مقامات پر غلط وصف بیان کرنے کے معنی میں ہی ہوا ہے، وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُکُمُ الْکَذِبَ، (النحل ۱۱۶) یعنی جو کذب تمہاری زبانوں پر آجائے وہ کہہ نہ دیا کرو، وَصَفَ یَصِفُ وَصْفًا وصِفَۃً: کسی چیز کی تعریف بیان کرنا۔ الصِّفَۃُ: صفت، خوبی، وہ علامت جس سے موصوف پہچانا جائے، الصِّفَاتِیَۃ ایک فرقہ گزرا ہے جو صفاتِ باری کا منکر تھا، یُوْصَلُ: اسکو جوڑا جائے، یہ ایصال سے مضارع مجہول ہے، وَصَلَ یَصِلُ وَصْلًا وَصِلَۃً وَصَلَ الشَّیَٔ بالشَّیَٔ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ جوڑنا ملانا جمع کرنا وَیَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖ اَنْ یُّوْصَلَ (البقرہ) اللہ نے جس چیز کو جوڑنیکا حکم دیا ہے یہ یہودی اسکو قطع کرتے ہیں۔ اَلْمُسْتَوْصِلَۃُ مِنَ النِّسَاءِ: وہ عورت جو اپنے بالوں میں دوسرے کے بال لگاتی ہو تاکہ وہ خوبصورت نظر آئے، حدیث

میں ہے إِنَّهٗ لَعَنَ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جوڑ لگانے والی اور لگوانے والی دونوں پر لعنت کی ہے۔

مَوْضُوْنَةٌ : باریک بنی ہوئی زرہ جو جواہر سے مرصع ہو، وَضَنَ الشَّيْءَ يَضِنُ وَضْنًا کسی چیز کو سلیقہ سے تہ بہ تہ رکھنا۔ الوَضِيْن : تہ بہ تہ کیا ہوا، عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ (الواقعہ) حافظ ابن جریر اور قرطبی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ مَوْضُوْنَةٌ وہ کپڑا ہے جس پر سونے تاروں سے کام کیا گیا ہو، قال ابن عباس منسوجة بالذهب (القرطبی)

حضرت علیؓ نے اپنے کسی شیعہ سے فرمایا، إِنَّكَ لَقَلِقُ الْوَضِيْن : یعنی تو ہلتا ہوا تنگ ہے۔ یعنی تجھ میں ثبات نہیں، متلون مزاج ہے۔

تَوْكِيْدٌ : یہ تفعیلٌ کے وزن پر مصدر ہے بمعنی استوار کرنا، پختہ کرنا وَكَدَ بالمکان يَكِدُ وُكُوْدًا : اقامت کرنا، وَكَدَ الشَّيْءَ : قصد کرنا، وَكَّدَ العَهْدَ : معاہدہ پکا کرنا وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا (النحل) قسموں کو پکا کرنیکے بعد توڑو نہیں، بعد تشديدها وتغليظها (القرطبی)

تَوَكَّلْ : تو اعتماد کر، تو بھروسہ رکھ، توکل کر، تَوَكُّلٌ کسی پر بھروسہ کرنا، اعتماد کرنا، اَلتَّوَكُّلُ : وَكَلَ يَكِلُ وَكْلًا وَوُكُوْلًا : وَكَلَ اِلَيْهِ الْاَمْرَ : کوئی کام کسی کے سپرد کر دینا، كِلْنِيْ اِلٰى كَذَا : یہ کام مجھے کرنے دو۔ اَوْكَلَ اِيْكَالًا : کام کسی کے سپرد کرنا اَوْكَلَ بِاللّٰهِ : اللہ پر بھروسہ کرنا، وَكَّلَ تَوْكِيْلًا : وکیل بنانا، الوَكِيْل : وہ شخص جس پر بھروسہ کیا جائے، اپنے اختیارات اسکو سونپیں جائیں تَوَكُّلٌ : وکالت قبول کرنا، اسمٌ الوَكَالَةُ سپردگی۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ تَوَكُّلٌ اپنا عجز ظاہر کرنا اور دوسرے پر اعتماد اور بھروسہ کرنا۔ تَوَكُّلٌ کی حقیقت کیا ہے اس میں کچھ اختلاف ہے، عبداللہ بن سہل سے سوال کیا گیا کہ توکل کیا ہے تو فرمایا کہ ایک فرقہ یوں کہتا ہے کہ جو کچھ نقصان ہو اس پر راضی ہو اور مخلوق سے کوئی طمع اور لالچ نہ ہو۔ اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ توکل یہ ہے کہ تمام اسباب سے قطع کر کے صرف اللہ کی طرف راغب ہو، اگر کسی کو اسباب ظاہرہ نے مسبب حقیقی سے غافل کر دیا تو توکل ختم ہو گیا، حضرت سہل نے فرمایا کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ اسباب ظاہرہ کو اختیار کرنا خلاف توکل ہے

وہ سنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں طعن
کرتا ہے اور احکام شریعت سے بھی واقفیت
نہیں رکھتا، کیونکہ خدائے پاک کا حکم ہے فَكُلُوا مِمَّا
غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا، ظاہر ہے غنیمت اکتساب
ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں توکل انسان
کی اعلیٰ صفات میں سے ہے، محققین صوفیاء
نے اس کی حقیقت پر بحثیں کی ہیں، یہاں
اسقدر سمجھئے کہ توکل کے معنی یہ نہیں کہ تمام
اسبابِ ظاہری سے بالکل قطع تعلق کرکے اللہ
پر اعتماد کیا جائے بلکہ توکل یہ ہے کہ تمام اسباب
ظاہری کو اپنی قدرت کے مطابق جمع کرے اور
اختیار کرے اور پھر نتائج اللہ کے سپرد کردے
اور ان ظاہری اسباب پر فخر و ناز نہ کرے، بلکہ
اعتماد صرف اللہ پر رہے، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم
کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے خود اسی جہاد
میں مسلمانوں کے لشکر کو جنگ کے لئے منظم کرنا،
اپنی قدرت کے موافق اسلحہ اور دیگر سامانِ
حرب فراہم کرنا، محاذ جنگ پر پہنچ کر مناسب
حال و مقام نقشۂ جنگ تیار کرنا، مختلف
مورچے بناکر صحابۂ کرام کو ان پر بٹھانا وغیرہ
یہ سب مادّی انتظامات ہی تو تھے جنکو سید الانبیاء
صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے
استعمال فرماکر بتلا دیا کہ مادی اسباب بھی
اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں ان سے قطع نظر کرنے کا
نام توکل نہیں، یہاں مؤمن اور غیر مؤمن میں
فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ مومن سب سامان اور
مادّی طاقتیں حسب قدرت جمع کرنے کے بعد
بھی بھروسہ و توکل صرف اللہ پر کرتا ہے غیر
مؤمن کو یہ روحانیت نصیب نہیں، اس کو
صرف اپنی مادّی طاقت پر بھروسہ ہوتا ہے
اور اسی فرق کا ظہور تمام اسلامی غزوات میں
ہمیشہ مشاہدہ ہوتا رہا ہے (معارف القرآن
ص۱۶۹ ج ۲) وَالتَّوَكُّلُ فِي اللُّغَةِ اظهار العجز
والاعتماد على الغير (القرطبي ص۱۸۹ ج ۴
نزهة الاعين ص۲۰۲/۲۳۰ لعبد الرحمن الجوزي)

وَلَدَ: يَلِدُ وِلَادَةً وَمَوْلِدًا، وَلَدَتِ
الْأُنْثَىٰ: جننا، وَلَدَ الشَّيْءَ مِنَ الشَّيْءِ
ایک چیز کو دوسری چیز سے نکالنا، تَوَلَّدَ الشَّيْءُ
مِنْ غَيْرِهِ: ایک چیز کا دوسری چیز سے پیدا
ہونا۔ اَلْوَلَدُ: بچہ، لڑکا جمع اَوْلَادٌ،
اَلْوَلِيْدُ: پیدا شدہ بچہ، غلام، جمع وِلْدَانٌ
وَوِلْدَةٌ، مؤنث وَلِيْدَةٌ، جمع وَلَائِدُ
اَلْمِيْلَادُ: پیدائش کا وقت، عید المیلاد،
نبی آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا
دن، حدیث میں ہے اَلْوَلِيْدُ فِي الْجَنَّةِ
یعنی وہ بچہ جو بچپن میں فوت ہوگیا ہو وہ

جنتی ہے وَلَدَ یَلِدُ : جننا، اور ولّد (بتشدید اللام) پرورش کرنا، تربیت کرنا (النہایہ)

وَهَبَ : يَهَبُ وَهَبًا وَهِبَةً :
وَهَبُ (ف) لِفُلَانٍ وفلانًا مال بخشنا، ہبہ کرنا۔ هَبْنِي فَعَلْتُ كَذَا : فرض کرو میں نے ایسا کیا، یہ معنی صرف امر کے صیغہ کے ہوتے ہیں۔ مؤنث هَبِينِي اسی طرح هَبَا هَبُوا هَبْنَ بھی استعمال ہوتے ہیں۔
الهِبَةُ : وہ عطیہ جو نہ کسی چیز کے عوض دیا گیا ہو اور نہ دینے والے کی کوئی غرض وابستہ ہو۔ الهبة العطية الخالية عن الاعواض والاغراض (النہایہ)
الوَهَّابُ : بہت بخشش کرنے والا۔ بلا غرض و معاوضہ بہت بہت عنایات کرنے والا، اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے
المَوْهَبَةُ : وہ بادل جو جہاں ہو وہیں برس پڑے حدیث میں ہے لَقَدْ هَمَمْتُ اَلَّا اَتَّهِبَ اِلَّا مِنْ قُرَشِيٍّ اَوْ اَنْصَارِيٍّ اَوْ ثَقَفِيٍّ (النہایہ) یعنی میں نے ارادہ کیا کہ سوائے قریشی انصاری یا ثقفی کے کسی اور کا ہدیہ قبول نہ کروں چونکہ بدوی اور پیدل لوگ کم ظرف کم عقل اور غلیظ القلب ہوتے ہیں اور کم دیکر زیادہ کی توقع رکھتے ہیں اَتَّهِبُ کی اصل اَوْتَهِبُ ہے، واؤ کو تا بنا کر تائے افتعال میں ادغام کر دیا گیا ہے (لسان)

باب الهاء

هَاءُ : لفظ ھا کے مختلف استعمالات ہیں، فعل کے ساتھ متصل ہو تو مفعول بہ کیلئے ہوتی ہے جیسے عَلَّمْتُهُ : میں نے اسکو تعلیم دی، الاسم کے ساتھ ہو تو مضاف الیہ ہوتی ہے جیسے كِتَابُهُ وغیرہ آخر میں میم جمع کا لاحق ہوتا ہے جیسے كتابُهُمْ۔
هَاتِ : اسم فعل بمعنی اَعْطِ : لاؤ، هَاتِي مؤنث کے لئے، هَاتُوا جمع مذکر حاضر بمعنی لاؤ یہ اصل میں آتِ آتِيَا آتُوا ہے ہمزہ کو ھا سے بدلا گیا ہے۔
هٰذَا : اسم اشارہ ہے قریب کیلئے آتا ہے۔
هٰذَانِ تثنیہ ہے یہ دونوں هٰذِهِ مؤنث
هٰؤُلَاءِ جمع ہیں بمعنی یہ سب، هَاتَيْنِ اصل میں ھا حرف تنبیہ اور تَيْنِ اسم اشارہ تثنیہ مؤنث ہے، یہ دونوں عورتیں۔
هٰهُنَا هُنَا هنالك اسمائے اشارہ ہیں مکان اور زمان دونوں کیطرف اشارہ ہوتا ہے

اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ : تم دونوں جاؤ ہم یہیں بیٹھے ہیں (المائدہ) هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا : اسی وقت زکریا نے دعا کی ۔ (آل عمران) اور مَاهِيَهْ : اصل میں ھِیَ ہے، آخر میں ھا ساکنہ سکتہ کی ہے ۔

هُدِّمَتْ : هَدَمَ البِنَاءَ يَهْدِمُ هَدْمًا : عمارت ڈھانا، هَدَمَ الثَّوْبَ : کپڑے کو پیوند لگانا۔ هُدِّمَتْ : ڈھا دیئے جاتے ۔ یہ تَهْدِيمٌ سے واحد مؤنث غائب ہے۔ هَدَمٌ : رائگاں، وہ خون جس کا نہ قصاص ہو نہ دیت جمع اَهْدَامٌ، اِنْهِدام (انفعال) ویران ہونا، ڈھ جانا ۔

حدیث میں ہے، مَنْ هَدَمَ بُنْيَانَ رَبِّهٖ فَهُوَ مَلْعُوْنٌ، جس نے اپنے رب کی عمارت کو ڈھایا وہ ملعون ہے، یہاں اھدام سے مراد نفسِ محترم کو قتل کرنا ہے (نہایہ)

اَهُشُّ : میں پتے جھاڑتا ہوں ۔ یہ هُشٌّ سے جسکے معنی کسی نرم چیز کو حرکت دینے کے ہیں، واحد متکلم مضارع کا صیغہ ہے

هَشَّ الْوَرَقَ : درختوں سے پتے جھاڑنا نرمی کے مفہوم کے اعتبار سے خوش ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے، کہا جاتا ہے، اَنَا بِهٖ هَشٌّ بَشٌّ : یعنی اسکے ساتھ خوش باش ہوں، اسی سے هَشَّاشٌ بَشَّاشٌ ہے ۔ الهَشِيْشُ : وہ سخی کہ اس سے جب مانگا جائے تو وہ خوش ہو، وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ (طٰہٰ) میں اس لاٹھی سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں ۔

هَشَّ لِهٰذَا الْاَمْرِ يَهَشُّ هَشَاشَةً اذا فَرِحَ بِهٖ وَاسْتَبْشَرَ (نہایہ)

حدیث میں ہے، حَتّٰى اِذَا رَاَيْنَا جُدُرَ الْمَدِيْنَةِ هَشِشْنَا : جب ہم نے مدینہ کی دیواروں کو دیکھا تو خوش ہو گئے

فہرس شرح الفاظ القرآن

لفظ	سورۃ	صفحہ	لفظ	سورۃ	صفحہ	لفظ	سورۃ	صفحہ
یُخْرِجُوْنَ	الحشر	۱۳۳۶	خَاشِعَۃٌ	الغَاشِیَہ	۱۵۳۴	خَطْبُ	الحجر	۶۵۵
مُخْرَجًا	بنی اسرائیل	۴۷۹	خَشْیَۃِ	البقرۃ	۴۱	خَطْب	الذّٰرِیٰت	۱۲۶۳
مَخْرَجًا	الطلاق	۱۳۶۹	خَاصَّۃً	الانفال	۳۹۰	الخطاب	صٓ	۱۱۵۰
خَرْدَلٍ	الانبیاء	۸۸۸	خَصَاصَۃٌ	الحشر	۱۳۴۰	تَخُطُّہٗ	تکملہ	
خَرْدَلٍ	لُقمان	۱۰۵۴	یَخْصِفَانِ	الاعراف	۳۱۴	یخطف	البقرۃ	
خَرَّ	الاعراف	۳۵۳	یَخْتَصِمُوْنَ	اٰلِ عمران	۱۵۷	خَطِفَ	صَافّات	۱۱۲۷
یَخْرُصُوْنَ	الانعام	۲۹۲	یَخِصِّمُوْنَ	یٰسٓ	۱۱۲۱	یَتَخَطَّفُ	الانفال	۳۹۰
الْخُرْطُوْمِ	القلم	۱۳۹۹	خَصِیْمٌ	یٰسٓ	۱۱۳۴	خُطُوَاتِ	البقرہ	۵۹
الْخَرّٰصُوْنَ	الذّٰرِیٰت	۱۲۶۰	الْخِصَامِ	البقرہ	۷۷	یتخافتون	القَلَم	۱۴۰۱
خَرَقُوْا	تکملہ	۱۹۴۷	الخصیم	صٓ	۱۱۴۹	اخفض	الحجر	۶۶۱
خَزَائِنُ	مُنَافِقون	۱۳۶۳	خَصِمُوْنَ	الزّخرف	۱۱۹۵	خافضۃٌ	الواقعۃ	۱۳۱۱
خزائن	الانعام	۲۶۶	مَخْضُوْدٍ	الواقعہ	۱۳۱۶	خِفَافًا مُسْتَخْفٍ	التوبۃ الرّعد	۴۲۷ ۶۰۷
تُخْزُوْنِ	ھوْد	۵۰۳	مُحْضَرًا	آل عمران		یخفٰی الخلد	 حٰمٓ سجدہ	۱۵۴۴ ۱۱۹۱
خِزْیٌ	التوبۃ	۴۷۹	خَضِرًا	الانعام	۲۸۴	یخلفون	البقرۃ	۴۸
اخْسَئُوْا	المؤمنون	۹۵۵	خُضْرٌ	یوسف	۵۶۶	تخَالِطُوْا	البقرۃ	۹۱
خَاسِئًا	المُلک	۱۳۸۳	مُخْضَرَّۃً	الحج	۹۳۲	خُلَطَاءِ	صٓ	۱۱۵۰
خَاسِئِیْنَ	البقرۃ	۳۸	الاخضر	یٰسٓ	۱۱۲۵	اِخْلَعْ	طٰہٰ	۸۵۷
خَاسِرَۃٌ	النّازعٰت	۱۴۹۳	تَخْضَعْنَ	الاحزاب	۱۰۷۴	خَلَفَ	الاعراف	۳۶۴
خاسرین	البقرۃ	۳۷	خِطْأً	بنی اسرائیل	۴۲۸	خَلِیْفَہ	البقرۃ	۱۹
خُسْرٍ	العصر	۱۶۱۱	خَطَایَا	البقرۃ	۳۰	المخلّفون	التّوبۃ	۴۴۲
خَسَفْنَا	القصص	۱۰۳۴	خَاطِئِیْنَ	یوسف	۵۹۳	خلاف	التّوبۃ	〃
خُشُبٌ	المنافقون	۱۳۶۰	الخاطئۃ	الحاقۃ	۱۴۱۲	خَوَالِفُ	التّوبۃ	۴۴۵
الخشوع	البقرۃ	۲۳	الخَاطِئُوْنَ	الحاقۃ	۱۴۱۶	خِلْفَۃً	الفُرقان	۹۹۵
خَاشِعِیْنَ	البقرۃ	۲۲	خِطْبَۃِ	البقرہ	۱۰۱	مُخَلَّفُوْنَ	الفتح	۱۲۲۸
خُشَّعًا	القمر	۱۲۸۷	خطب	یوسف	۵۷۴	خلق	الانعام	۲۵۲

بَابُ الدَّال

بَابُ الذّال

لفظ	سورۃ	صفحہ	لفظ	سورۃ	صفحہ	لفظ	سورۃ	صفحہ
بَابُ الرَّاء			اَرْبَعِيْن	البقرہ	٢٦	الرَّجِيْم	اٰلِ عمران	١٥٣
رَأْس	الفتح	١٢٣٠	رَبَتْ	الحج	٩١٠	رَجَمْ	هود	٥١٦
رَأْفَة	النور	٩٦٠	رُبَمَا	الحجر	٦٢٤	رُجُوْمًا	المُلْك	١٣٨٤
الرَّءُوْف	البقرہ	٤٩	رَبْوَةٌ	البقرہ	١٢٩	اَرْجَاء	الحاقۃ	١٤١٤
تَرٰی	البقرہ		الرِّبٰوا	″	١٣٠	اَرْجِهْ	الاعراف	٣٤٨
رِئَاء	البقرہ	١٢٧	اَرْبٰی	النحل	٦٩١	يَرْجُوْن	يُوْنس	٤٦٨
رَاَيْتُ	يوسف	٥٣٣	رَابِيًا	الرعد	٦١٤	تَرْجُوْن	نوح	١٤٢٧
الرُّؤيا	يوسف	٥٣٤	رَابِيَۃً	الحاقۃ	١٤١٢	يَرْجُوْن	البقرہ	٨٨
رَاَيْن	يوسف	٥٥٧	يَرْتَعْ	يوسف	٥٣٨	يَرْجُوْن	الفرقان	٩٨٤
الرُّؤيا	اسرائيل	٧٣٦	رَتْقًا	الانبياء	٨٨٦	تُرْجِیْ	الاحزاب	١٠٨٣
تَرَيِنَّ	مريم	٨٣٦	رَتَّلْنَا	الفرقان	٩٨٨	رَحُبَتْ	التوبۃ	٤١٥
تُرِيَنِّیْ	مؤمنون	٩٥١	رَتِّلْ	المزمّل	١٤٤٣	مَرْحَبًا	ص	١١٥٧
رِئْيًا - کی	مريم	٨٤٨	رُجَّتْ	الواقعہ	١٣١١	رَحِيْق	مُطففين	١٥٢٤
تعليل			رِجْزًا	البقرہ	٣٠	رِحَالِهِمْ	يوسف	٥٤٦
يُرَاءُوْن	الماعون	١٦٢٤	رُجْزَ	المدّثّر	١٤٥١	رِحْلَة	قريش	١٦٢٢
ربّ	الفاتحہ	٢	رِجْس	الانعام	٢٩٣	رَحْمَة	البقرہ	٣٧
ربّ الناس	الناس	١٦٤٨	يَرْجِعُوْن	البقرہ	١٨	الرَّحْمٰن	الفاتحۃ	٣
رَبِّيُّوْن	عمران	١٨٢	يَرْجِع	الطارق	١٥٣٩	اَرْحَام	البقرہ	٧٤
رَبِحَتْ	البقرہ	١٩	رُجْعٰی	العلق	١٥٨٥	الارحام	اٰلِ عمران	١٢٤
تَرَبَّصُوْا	التوبۃ	٤٣١	الرَّجْفَة	الاعراف	٣٣٨	رُحْمًا	الكهف	٧٩٩
تَرَبُّص	البقرہ	٩٥	تَرْجُفُ	المدّثّر		ارحام	محمد	١٢٢٣
رَابِطُوْا	عمران	١٩٠	الرَّاجِفَۃ	النّٰزِعٰت	١٣٩٠	الرَّحْمٰن	الرَّحْمٰن	١٢٩٤
رِبَاط	الانفال	٣٩٨	مُرْجِفُوْن	الاحزاب	١٠٨٦	اَرْحَام	النساء	١٩١
رَبَطْنَا	الكهف	٧٦٥	رِجَالًا	البقرہ	١٠٥	رُخَاءً	ص	١١٥٢
رُبُعٌ	الفاطر	١١١٠	رِجَالًا	الحج	٩١٣	رِدْءًا	القصص	١٠٣٠

لفظ	سورة	صفحه	لفظ	سورة	صفحه	لفظ	سورة	صفحه
مَرْقُوْم	مُطَفِّفِيْن	١٥٢٠	رَمَضَان	البقرة	٦٥	رُوْح	الواقعه	١٣٢٥
تَرْقٰى	اسرائيل	٧٥٣	رَمِيْمٌ	يٰسٓ	٨٢٥	رَيْحَان	〃	١٣٢٦
تَرَاقِيَ	القيٰمه	١٤٦١	رَمِيْمٌ	ذَارِيٰت	١٢٦٤	الرُّوْح	نَبَأ	١٤٨٧
رَاقٍ	〃	١٤٦٢	الرُّمَّان	الرَّحمٰن	١٣٠٧	الرُّوْح	القدر	١٥٩٠
اَلرَّكْبُ	الانفال	٣٩٦	يَرْمِ	النساء	٢١٥	الرِّيَاح	البقرة	٥٦
رُكْبَانًا	البقره	١٠٥	رَهْبَانِيَة	الحديد	١٣٣٠	رَاوَدَتْ	يوسف	٥٤٥
رِكَاب	الحشر		رَهْبَةً	الحشر	١٣٤٣	رَاوَدُوْا	القمر	١٢٩١
رَكَّبَ	التكوير	١٥١٨	رَهْط	هود	٥١٥	رُوَيْدًا	الطارق	١٥٤١
تَرْكَبُنَّ	الانشقاق	١٥٢٣	رَهْط	النّمل	١٠١٨	رَوْضَة	الرّوم	١٠٤٣
تَرْكَنُوْا	هود		يَرْهَقُ	يونس	٤٧١	رَوْضَات	الشورىٰ	١١٨٨
رَوَاكِدَ	الشورىٰ	١١٨٩	تُرْهِقْنِيْ	الكهف	٧٩٨	الرَّوْع	هود	٤٩٩
رِكْزًا	مَرْيَم	٨٥٣	تَرْهَقُ	القلم	١٤٠٥	رَاغَ	ذَارِيٰت	١٢٦٢
اَرْكَسَ	النساء	٢١٢	تَرْهَقُ	المعارج	١٤٢٥	رَاغَ	صافّات	١١٣٨
يَرْكُضُوْن	الانبياء	٨٨٢	رَهَقًا	الجنّ	١٤٣٥	الرُّوم	الرّوم	١٠٤١
اُرْكُضْ	صٓ	١١٥٣	اُرْهِقُ	المدّثّر	١٤٠٣	رَيْب	البقرة	١٠
اِرْكَعُوْا	البقره	٢١	رِهَان	البقرة	١٣٨	رِيْبَةً	التوبة	٤٣٠
يَرْكُمُ	الانفال	٣٩٥	رَهِيْنَةٌ	المدّثّر	١٤٥٧	مُرِيْب / اِرْتَابُوْا	قٓ / النور	١٢٥١ / ٩٧٨
رُكَامًا	النّور	٩٧٥	رَهْوًا	الدّخان	١٢٠٣	رِيْشًا	الاعراف	٣١٤
مَرْكُوْم	الطّور	١٢٧٢	رُوْحُ الْقُدُس	البقرة	١١٥	رِيْعٍ	الشعراء	١٠٠٣
رُكْنٍ	هود	٥٠٨	رُوْح	يوسف	٥٩١	رَانَ	مُطَفِّفِيْن	١٥٢١
تَرْكَنُوْا	〃	٥٢٥	رُوْح	الحجر	٦٥٣	**بَابُ الزَّاء**		
رُكْنِ	ذَارِيٰت	١٢٦٣	الرُّوْح	النّحل	٦٦٤			
رِمَاحُ	المائده	٢٤٧	تُرِيْحُوْن	〃	٦٦٦	زَبَدًا	الرّعد	٦١٣
الرَّمَادِ	ابراهيم	٦٣٣	رَوَاحُ	سبا	١٠٩٥	الزَّبُوْر	الانبياء	٩٠٣
رَمْزًا	اٰل عمران	١٥٧	الرَّيْحَان	الرّحمٰن	١٢٩٦	الزُّبُر	اٰل عمران	١٩٠

لفظ	سورۃ	صفحہ
تَسْوَدُّ	اٰلِ عمران	١٦٨
سَادَتَنَا	الاحزاب	١٠٨٧
سَیِّدًا	اٰلِ عمران	١٥٥
سَیِّدَهَا	یوسف	٥٥٤
تَسَوَّرُوا	صٓ	١١٤٩
اَسَاوِرَ	الکہف	٧١٠
اَسَاوِرَ	الحج	٩١٣
سُوْرَةٌ	النور	٩٥٨
اَسَاوِرَ	القاطر	١١١٥
اَسَاوِرَ	الدھر	١٤٧٠
اَسْوِرَةٌ	الزخرف	١١٩٣
السَّاعَةَ	الانعام	٢٦١
سَوْطَ	الفجر	١٥٥٤
سُوَاعًا	النوح	١٤٣٠
یُسِیْغُ	ابراھیم	٦٣١
سَائِغًا	النحل	٦٧٦
سَائِغٌ	القاطر	١١١٢
سَوْفَ	النجم	١٢٨٣
سُقْنٰهُ	الاعراف	٣٣١
یُسَاقُوْنَ	الانفال	٣٨٢
اَسَلْنَا	سبا	١٠٩٥
سِیْنِیْنَ	التین	
الاَسْوَاقِ	الفرقان	٩٨٣
سِیْقَ	الزمر	١١٦٨
سُوْقِ	الفتح	١٢٣١

لفظ	سورۃ	صفحہ
سَآئِقٌ	قٓ	١٣٤٩
سَاقٍ	القلم	١٤٠٣
السَّاقُ	القیٰمۃ	١٤٦٣
الْمَسَاقُ	〃	〃
سَوَّلَتْ	یوسف	٥٤١
یَسُوْمُوْنَ	البقرہ	٢٣
سِیْمَا	〃	١٣٥
مُسَوِّمِیْنَ	اٰلِ عمران	١٧٦
تُسِیْمُوْنَ	النمل	٦٦٧
سِیْمَاءُ	الرحمٰن	١٣٠٣
سَوِیًّا	مریم	٨٢٣
سُوًی	طٰہٰ	٨٦٧
سَوّٰی	التکویر	١٥١٧
سَوَآءً		٢١٣
سَائِبَةٍ	المائدہ	٣٣٨
سِیْحُوْا	التوبۃ	٤٠٤
السَّائِحُوْنَ	〃	٤٥٧
سَارَ	القصص	١٠٢٨
السَّیَّارَةِ	یوسف	٥٣٨
سَالَتْ	تکملہ	
سَیْلَ العرم	سَبَاء	١٠٩٩

بَابُ الشِّیْن

لفظ	سورۃ	صفحہ
مَشْئَمَةِ	الواقعہ	١٣١٤
مَشْئَمَةِ	البلد	١٥٦٢

لفظ	سورۃ	صفحہ
شَاْنٍ	یونس	٤٧٣
شَاْنٍ	الرحمٰن	١٣٠٠
تَشَابَهَ	البقرہ	٣٩
مُتَشَابِهَاتٌ	اٰلِ عمران	١٣٦
مُتَشَابِهًا	الزمر	١١٦٢
اَشْتَاتًا	الزلزال	١٥٩٧
شَتّٰی	طٰہٰ	٨٦٦
شَتّٰی	الحشر	١٣٤٢
شَتّٰی	اللیل	١٥٧٠
الشِّتَاءِ	قریش	١٦٢٢
الشجرۃ الملعونۃ	اسرائیل	٧٣٨
شَجَرَ	النساء	٢٠٧
الشُّحَّ	〃	٢١٨
شُحَّ	الحشر	١٣٤١
شُحَّ	التغابن	١٣٦٧
اَشِحَّةً	الاحزاب	١٠٧١
شُحُوْمَ	الانعام	٢٩٩
المَشْحُوْنِ	الشعراء	١٠٠٣
المَشْحُوْنِ	یٰسٓ	١١٢١
المَشْحُوْنِ	الصّافّات	١١٤١
تَشْخَصُ	ابراھیم	٦٣٩
شَاخِصَةٌ	الانبیاء	٩٠٠
اَشُدَّ	الحج	٩٠٩
اَشُدَّهُ	القصص	١٠٢٠
اَشِدَّآءُ	الفتح	١٢٣١
شَدِیْدًا	الحادیٰت	١٦٠٣

لفظ	سورۃ	صفحہ	لفظ	سورۃ	صفحہ	لفظ	سورۃ	صفحہ
عَقَرُوْا	الاعراف	۲۳۷	عِمَادِ	الفجر	۱۵۵۳	عِنِیْدٌ	ھود	۴۹۳
عَقَرَ	القمر		عَمَدٍ	الھمزۃ	۱۶۱۷	عَنِیْدٍ	ابراھیم	۶۳۸
عَقَرُوْھَا	الشمس	۱۵۶۸	عَمَرَ	حِجْرٌ	۶۵۶	عنید	قٓ	۱۲۵۰
تَعْقِلُوْنَ	البقرۃ	۲۲	معمُوْرٌ	الطُّور	۱۲۶۸	عَنِیْدًا	المدّثّر	۱۲۵۳
عَقَلُوْہُ عَقِیْمٌ	الحج	۴۲ ۹۳۱	اِعْتَمَرَ	البقرۃ	۵۳	الاعناق	الانفال	۳۸۵
عَقِیْمًا	الشوریٰ	۱۱۹۰	العمرۃ	״	۷۱	اعناق	الشعراء	۱۰۰۰
عَاکِفُوْنَ	البقرۃ	۶۹	یَعْمُرُ	التوبۃ	۴۱۳	اعناق	یٰسٓ	۱۱۱۷
عَلَقَ	العلق	۱۵۸۵	عَمَرُوْا	الرّوم	۱۰۴۱	عنکبوت	عنکبوت	۱۰۸۸
عَلَقَۃَ	الحج	۹۰۸	نُعَمِّرْ	یٰسٓ	۱۱۲۳	عَنَتِ	طٰہٰ	۸۷۶
المعلّقۃ	النساء	۲۱۹	عَمَّرَ	النّبا	۱۴۸۰	العھن	معارج	۱۴۲۰
یَعْلَمُوْنَ	البقرۃ	۱۴	عَمِلَ	الغاشیۃ	۱۵۰۶	العھن	القارعۃ	۱۶۰۷
لِنَعْلَمَ		۴۹	عَامِلَۃٌ	״	۱۵۴۶	عِوَجًا	الاعراف	۳۲۴
العَالَمِیْنَ	الفاتحہ	۲	یَعْمَھُوْنَ	البقرہ	۱۵	عِوَجا	ابراھیم	۶۲۳
العَالِمُوْنَ	عنکبوت	۱۰۳۹	عمیقٌ	الحج	۹۱۴	عِوَجًا	الکھف	۷۵۷
عُلَمٰٓؤُا	الفاطر	۱۱۱۴	عُمْیٌ	البقرۃ	۱۷	عَادَ	البقرۃ	۶۳
اعلام	الشوریٰ	۱۱۸۹	عُمْیَانًا	الفرقان	۹۹۱	عِیْدًا	المائدۃ	۲۵۰
معلوم	المرسلٰت	۱۴۷۶	عَمُوْنَ	النمل	۱۰۲۲	یَعُوْدُوْنَ	مجادلۃ	۱۳۳۲
اعلام	الرحمٰن	۱۳۹۹	الاعمیٰ	عَبَسَ	۱۴۹۹	معاد	القصص	
علانیۃ	الرّعد	۶۱۵	عِنَبٌ	عنکبوت		اعوذ	النّاس	۱۶۴۲
عَلَیْہُ	الفتح	۱۲۲۸	اَعْنَاب	البقرۃ	۱۳۱	معاذ	یوسف	۵۴۹
عِلِّیِّیْنَ	مطفّفین	۱۵۲۳	اَعْنَاب	النّبا	۱۴۸۶	عَوْرَۃٌ	الاحزاب	۱۰۶۹
اعلیٰ	الاعلیٰ	۱۵۴۴	عَنِتُّمْ	اٰل عمران	۱۷۳	عَوْرَاتٌ	النّور	۹۶۸
المتعال	الرّعد	۶۰۶	اَعْنَتَکُمْ	البقرہ	۹۱	المعوّقین	الاحزاب	۱۰۷۰
مُتَعَمِّدًا	النساء	۲۱۳	العَنَتَ	النّساء	۲۰۲	تَعُوْلوا	النساء	۱۹۲
عَمَدٍ	الرّعد	۶۰۰	عَنِتُّمْ	الحجرات	۱۳۳۴	عَامٌ	یوسف	۵۷۰

لفظ	سورة	صفحہ	لفظ	سورة	صفحہ	لفظ	سورة	صفحہ
يَفْسُقُوْن	البقرہ	۳۰	فَظًّا	آلِ عمران	۱۸۷	تُفَنِّدُوْن	يوسف	۵۹۳
فُسُوْقٌ	"	۷۲	فَعَلَ	ابراهيم	۶۳۸	افنان	الرحمٰن	۱۳۰۴
تَفْشَلَا	آلِ عمران	۱۲۶	تَفْقِدُوْن	يوسف	۵۸۱	فَانٍ	"	۱۳۰۰
فَشِلْتُمْ	آلِ عمران	۱۸۵	تَفَقَّدَ	النمل	۱۰۱۳	تَفَاوُتٍ	المُلك	۱۳۸۲
فَشِلْتُمْ	الانفال	۳۹۷	الفقير	الحج	۹۱۵	افوَاجًا	النصر	۱۶۳۱
اَفْصَحُ	تكمله		فاقِرة	القيٰمة	۱۴۶۱	فارَ	هود	۴۸۸
فَصَلَ	البقرہ	۱۱۱	فاقِعٌ	البقرة	۳۸	تَفُوْرُ	المُلك	۱۳۸۳
فِصَالًا	"	۹۹	يفقهُوْن	الانعام	۲۸۳	فَفَهَّمْنَا	تكمله	
فَصَّلْنَا	الانعام		يَتَفَقَّهُوْا	التوبة	۳۶۴	مفازًا	النبا	۱۴۸۶
فُصِّلَتْ	هود	۴۸۲	يَتَفَكَّرُوْن	الرعد	۶۰۲	اُفَوِّضُ	المؤمن	۱۱۴۳
فُصِّلت	حٰمٓ السجدة	۱۱۷۷	فَكَّرَ	المدثر	۱۳۵۳	آفاقَ	الاعراف	۳۵۴
الفصيلة	المعارج	۱۴۲۰	فَكُّ	البلد	۱۵۶۲	فَوقٌ	المائدة	۲۵۸
الفصام	البقرہ	۱۲۰	مُنْفَكِّين	البيّنه	۱۵۹۳	فَوَاق	صٓ	۱۱۴۸
تفضحون	الحجر	۶۵۵	تَفَكَّهُوْن	الواقعه		آفَاق	حٰمٓ السجدة	
انفضّوا	آل عمران	۱۸۷	فَوَاكِهُ	المؤمنون	۹۴۰	فوم	البقرہ	۳۳
انفضّوا	الجمعه	۱۳۵۹	فواكِهَ	صافّات	۱۱۳۲	افوَاهُ	آل عمران	۱۸۹
فَضَّلْتُكُمْ	البقرہ	۲۳	فَوَاكِهَ	المرسلٰت	۱۴۷۹	آفَاءَ	الاحزاب	۱۰۸۲
فَضْلًا	"	۴۳	فَاكِهَةً	عبس	۱۵۰۲	فَاءُوْا	البقرہ	۹۵
الفضل	"	۱۰۴	فَكِهِيْن	مطففين	۱۵۱۷	يَتَفَيَّؤُا	النحل	۶۴۱
فضلًا	سبا	۱۰۹۳	افلح	المؤمنون	۹۲۷	تَفِيْءَ	الحجرات	۱۲۳۵
اَفْضٰى	تكمله		المفلحُوْن	البقرة	۱۲	افاءَ	الحشر	۱۳۳۷
يَتَفَطَّرْنَ	الشورىٰ	۱۱۸۶	فلك	ابراهيم	۶۳۶	اَفَضْتُمْ	البقرہ	۷۳
فِطْرَة	الروم	۱۰۴۵	فالِق	الانعام	۲۸۲	اَفَضْتُمْ	النور	۹۶۲
فطور	المُلك	۱۳۰۳	الفلق	الفلق	۱۶۳۸	الفيل	الفيل	۱۶۱۸
انفطرت	التكوير	۱۵۱۶	الفُلك	البقرة	۵۴	⁘	⁘	

لفظ	سورۃ	صفحہ	لفظ	سورۃ	صفحہ	لفظ	سورۃ	صفحہ
لِنْتَ	آلِ عمران	۱۸۷	يُمَحِّصَ	آل عمران	۱۸۰	مَرَحًا	لُقْمَان	۱۰۵۵
تَلِيْنُ	الزُّمَر	۱۱۶۳	يَمْحَقُ	البقرۃ	۱۳۶	مَرْحَبًا	صٓ	
اَلَنَّا	سَبَا	۱۰۹۴	المحَال	الرَّعد	۶۱۱	مَرِيْدًا	النِّسَاء	۲۱۷
لِلِيْنَةٍ	الحشر	۱۳۳۷	إمْتَحَنَ	الحجرات	۱۲۳۳	مَرِيْدٍ	الحج	۹۰۷
لَيِّنًا	طٰهٰ	۸۶۵	يَمْحُوْا	الرَّعد	۶۲۱	مَارِدٍ	صٰفّٰت	۱۱۲۷
بَابُ المِيْم			مَخْمَصَةً	المائدہ		مُمَرَّدٌ	النّمل	۱۰۱۷
			مَوَاخِرُ	النّمل	۶۷۰	مُسْتَمِرٌّ	القَمَر	۱۲۸۶
مِائَةَ	حاشیہ الرّحمٰن		مَوَاخِرَ	الفاطر	۱۱۱۲	مِرَّةٍ	النّجم	۱۲۷۳
مَا	یوسف	۵۶۱	المخاض	مَرْيَم	۸۳۰	اَمَرُّ	القَمَر	
مَا	اللّیل	۱۵۷۱	يَمُدُّهُمْ	البقرۃ	۱۵	مَرَضٌ	البقرۃ	۱۳
مَا	الشمس	۱۵۷۴	مَدَّ	الرَّعد	۶۰۱	مَرَضٌ	النّور	۹۷۷
مَتِّعُوْهُنَّ	البقرہ	۱۰۳	مِدَادًا	الکہف	۸۱۴	المَرْوَةَ	البقرۃ	۵۲
متاع	ہود	۴۸۲	مُدَّتْ	الانشقاق	۱۵۲۸	يَمْتَرُوْنَ	مَرْيَم	۸۳۹
مَتِيْنٌ	الاعراف	۳۷۱	المدينة	قصص	۱۰۲۶	تُمَارِ	الکہف	۷۷۴
مَتِيْنٌ	القلم	۱۴۰۵	مَدْيَنَ مديَن	ہود إعراف	۵۱۴ ۳۴۱	مِرْيَةٍ	حٰمٓ سجدۃ	۱۱۸۵
مَتٰى	تکملہ		مَدَآئِن	شعراء	۱۰۰۰	تُمَارُوْنَهٗ	النّجم	۱۲۷۵
مِثْلٰت	الرَّعد	۶۰۵	المدينة	المنافقون	۱۳۶۴	تَتَمَارٰى	〃	۱۲۸۵
تَمَثَّلَ	مَرْيَم	۸۲۸	مَرِيْئًا	النّسَاء	۱۹۴	مَرْيَم	الحدید	۱۳۳۰
المُثْلٰى	طٰهٰ	۸۶۸	إمْرَأَة	اللّهب	۱۶۳۳	مِزَاج	الدّهر	۱۴۶۷
تَمَاثِيْل	الانبیاء	۸۸۸	مَرَجَ	الفرقان	۹۹۰	مُزِّقْتُمْ	سَبَا	۱۰۹۱
تَمَاثِيْل	سَبَا	۱۰۹۶	مَارِجٍ	الرّحمٰن	۱۲۹۸	مُزْنِ	الواقعہ	۱۳۲۳
يَمُوْجُ	الکہف		مَرْجَان	〃	۱۲۹۹	المَسِيْحُ	النّساء	۲۲۳
مَاْجُوْج	〃		مَرِيْج	قٓ	۱۲۳۹	المَسِيْحُ	〃	۲۲۲
مَجِيْد	قٓ	۱۲۳۹	تَمْرَحُوْنَ	غافر	۱۱۷۶	مَسَخْنَا	تکملہ	
مَجُوْس	الحج	۹۱۱	مَرَحًا	اسرائیل	۷۳۱	مسد	اللّهب	۱۶۳۴

لفظ	سورة	صفحہ	لفظ	سورة	صفحہ	لفظ	سورة	صفحہ
نُطْفَةً	الکہف	۷۸۳	يُنْفَدُ	نحل	۶۹۲	نَقْصٍ	البقرۃ	۵۲
نُطْفَةً	القیمۃ	۱۳۶۴	نفاد	صٓ	۱۱۵۵	اَنْقَضَ	الانشراح	۱۵۸۱
يَنْطِقُوْنَ	الانبیاء	۸۸۹	تَنْفُذُوْا	الرحمٰن	۱۳۰۱	يَنْقَضَّ	تکملہ	
النون مع الظاء			اِنْفِرُوْا	النّساء	۲۰۸	نَقْعًا	عادیٰت	۱۶۰۳
نَاظِرِيْنَ	البقرۃ	۳۹	نَفَرٌ	الجن	۱۴۴۴	مُنْتَقِمُوْنَ	السّجدۃ	۱۰۶۳
نَاظِرِيْنَ	الاحزاب	۱۰۸۴	مُسْتَنْفِرَةٌ	المدّثر	۱۴۵۸	اِنْتَقَمْنَا	الاعراف	۳۵۱
نَظَرَ	المدّثر	۱۴۵۴	نَفْسٌ	البقرۃ	۴۳	اِنْتَقَمْنَا	الحجر	۶۵۸
النون مع العین			اَنْفُسَكُمْ	"		مَنَاكِبِ	المُلک	۱۳۸۶
نَعْجَة	صٓ	۱۱۵۰	اَلْاَنْفُسُ	"	۵۲	يَنْكُثُوْا	الزُّخرف	۱۱۹۳
نُعَاس	الانفال	۳۸۵	يَتَنَافَس	المطففین	۱۵۲۴	نَكَثُوْا	التّوبہ	۴۱۳
ينعق	البقرہ	۶۱	تَنَفَّسَ	التّکویر	۱۵۱۲	يَنْكُثُوْنَ	الاعراف	۳۵۱
نَعْلَيْكَ	طٰہٰ	۸۵۸	نَفَشَتْ	الانبیاء	۸۹۵	اَنْكَاثًا	النّحل	۶۹۰
انعام	المائدۃ	۲۲۹	مَنْفُوْش	القارعۃ	۱۶۰۷	تَنْكِحُوْا	البقرہ	۹۲
نِعَمَ	الانفال	۳۹۵	مَنَافِعَ	الحدید	۱۳۲۹	يَسْتَنْكِحَ	الاحزاب	۱۰۸۳
الانعام	النحل	۶۷۴	مَنَافِعَ	البقرۃ	۹۰	نَكِدًا	الاعراف	۳۳۲
نعمۃ	الدُّخان	۱۲۰۴	يُنْفِقُوْنَ	"	۱۲	نُكْرًا	الکہف	۴۹۸
نِعْمَةً	القلم	۱۳۹۳	نَفَقًا	الانعام		نُكْرًا	الطلاق	۱۳۷۱
اَنْعَمْتَ	الفاتحہ	۸	مُنَافِقِيْنَ	التحریم	۱۳۷۹	نَكِيْرِ	المُلک	۱۳۸۷
نَاعِمَة	الغاشیہ	۱۵۴۸	الانفال	الانفال	۳۹۰	نُكُرٍ	القمر	۱۲۸۷
يُنْغِضُوْنَ	الاسراء	۷۳۴	يُنْفِقُوْا	تکملہ		اَلْمُنْكَرُ	النحل	۶۸۹
نَفّٰثٰتِ	الفلق	۱۶۳۹	نَقَّبُوْا	قٓ	۱۲۵۴	نُكِسُوْا	الانبیاء	۸۹۰
نَفْحَةٌ	الانبیاء	۸۸۸	اَنْقَذَ	اٰل عمران	۱۶۸	نُنَكِّسْ	یٰسٓ	۱۱۲۳
نَفَخَ	السجدۃ	۱۰۶۱	يَسْتَنْقِذُوْا	الحج	۹۳۵	نَكَصَ	تکملہ	
اَنْفُخُ	اٰل عمران	۱۵۹	نَقِيْرًا	النّساء	۲۰۶	يَسْتَنْكِفَ	النّساء	۲۲۵
نُفِخَ	یٰسٓ	۱۱۲۲	النَّاقُوْرِ	المدّثر	۱۴۵۲	نَكَالَ	البقرۃ	۳۸

تمت بالخير

تمت بالخیر

فہرست کتب جو بوقتِ تالیف زیرِ مطالعہ رہیں

نمبر شمار	اسمائے کتب	نام مصنف	سنہ وفات	مطبع
۱	تفسیر ابن کثیر	حافظ اسمٰعیل ابن کثیرؒ	۷۷۴ھ	قاہرہ
۲	تفسیر الکشاف	علامہ محمود زمخشریؒ	۵۳۸ھ	لبنان
۳	تفسیر روح المعانی	علامہ محمود آلوسی البغدادی	۱۲۹۱ھ	ملتان
۴	تفسیر الکبیر	فخر الدین رازیؒ	۶۰۶ھ	دار الکتب طہران
۵	مدارک التنزیل	حافظ الدین محمود ابو البرکات النسفیؒ	۶۸۲ھ	بیروت
۶	جامع البیان الطبری	محمد بن جریر طبریؒ	۳۱۰ھ	مصر ۱۳۹۸ھ
۷	تفسیر ابن عباس			
۸	الجامع لاحکام القرآن	محمد بن احمد انصاریؒ	۶۷۱ھ	مصر ۱۹۶۷ء
۹	القرطبی			۱۳۷۵ھ
۱۰	معالم التنزیل	ابو محمد الحسین ابن مسعود البغویؒ	۵۱۰ھ	مصر ۱۹۵۵ء
۱۱	البحر المحیط	محمد بن یوسف ابن علی ابو حیان اندلسیؒ	۷۵۴ھ	مصر ۱۳۲۸ھ
۱۲	الدر المنثور	جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی	۹۱۱ھ	لبنان
۱۳	انوار التنزیل البیضاوی	عبد اللہ ابن عمر ابن محمدؒ	۷۹۱ھ	مصر
۱۴	فتح القدیر	محمد بن علی الشوکانیؒ	۱۲۵۰ھ	مصر
۱۵	تفسیر الخازن	علی بن محمد بن ابراہیم	۷۲۵ھ	مصر
۱۶	فتوحات الٰہیہ	سلیمان بن عمر الجمل	۱۲۰۴ھ	مصر
۱۷	الصاوی	الشیخ احمد انصاریؒ		بیروت
۱۸	تفسیر المنار	محمد رشید رضا مصری		لبنان
۱۹	احکام القرآن للجصاص	ابو بکر احمد بن علی	[illegible]	لبنان

نمبر شمار	اسمائے کتب	نام مصنف	سنہ وفات	مطبع
۲۰	تفسیر المظہری	مولٰنا ثناء اللہ پانی پتی رح	۱۲۲۵ھ	کوئٹہ
۲۱	الاتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی رح	۹۱۱ھ	قاہرہ
۲۲	مفردات القرآن	الحسین بن محمد الراغب رح	۵۰۲ھ	نور محمد کراچی
۲۳	زاد المسیر	عبدالرحمٰن بن علی الجوزی رح	۵۹۷ھ	بیروت
۲۴	صفوۃ التفاسیر	الشیخ محمد علی الصابونی		دمشق
۲۵	البیان فی غریب اعراب القرآن	ابوالبرکات ابن الانباری رح	۵۷۷ھ	ایران
۲۶	تفسیر غریب القرآن	ابن قتیبہ	۲۷۶ھ	بیروت
۲۷	احکام القرآن	محمد بن عبداللہ ابن عربی رح	۵۴۳ھ	لبنان
۲۸	التفسیرات الاحمدیہ	شیخ احمد ملا جیون		کریمیہ بمبئی
۲۹	مسائل الرازی واجوبتہا	محمد بن ابی بکر		مکتبہ علمیہ لاہور
۳۰	تفسیر معارف القرآن	مفتی محمد شفیع صاحب رح	۱۳۹۶ھ	ادارۃ المعارف کراچی
۳۱	تفہیم القرآن	مولٰنا سید ابوالاعلیٰ مودودی رح		ادارہ ترجمان القرآن لاہور
۳۲	تدبر قرآن	امین احسن اصلاحی	بقید حیات	انجمن خدام القرآن لاہور
۳۳	تفسیر عثمانی	مولٰنا شبیر احمد عثمانی رح	۱۳۲۸ھ	مدینہ پریس بجنور
۳۴	تفسیر حقانی	مولٰنا عبدالحق حقانی رح		کتبخانہ نعیمیہ دیوبند
۳۵	تفسیر بیان القرآن	مولٰنا اشرف علی تھانوی رح	۱۳۶۲ھ	مطبع مجتبائی دہلی
۳۶	جواہر القرآن	مولٰنا غلام اللہ خاں صاحب رح		کتبخانہ رشیدیہ راولپنڈی
۳۷	ترجمہ موضح القرآن	مولٰنا شاہ عبدالقادر دہلوی رح		
۳۸	مجموعہ تفسیر فراہی	مولٰنا حمید الدین فراہی		اچھرہ لاہور
۳۹	ترجمان القرآن	مولٰنا ابوالکلام آزاد	۱۹۵۸ء	مصطفائی لاہور
۴۰	قصص القرآن	مولٰنا حفظ الرحمٰن سیوہاروی		ندوۃ المصنفین دہلی
۴۱	ارض القرآن	مولٰنا سید سلیمان ندوی	۱۳۷۳ھ	معارف اعظم گڑھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	نام مصنف	سنہ وفات	مطبع
۴۲	معارف القرآن	مولانا ادریس صاحبؒ		مکتبہ عثمانیہ ٹنڈو الہ یار
۴۳	تفسیر عزیزی	شاہ عبد العزیز محدثؒ		افغانی دار الکتب دہلی
		کتب حدیث		
۴۴	الصحیح البخاریؒ	محمد بن اسماعیل البخاری		نور محمد کراچی
۴۵	الصحیح لمسلمؒ	مسلم بن حجاج	۲۲۶ھ	
۴۶	سُنن ابی داؤد			نور محمد کراچی
۴۷	جامع الترمذی	محمد بن عیسیٰؒ		
۴۸	سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید بن ماجہ	۲۷۳ھ	نور محمد کراچی
۴۹	معارف السنن	مولانا محمد یوسف بنوریؒ		مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی
۵۰	مؤطا امام مالک	امام مالکؒ	۱۷۹ھ	مصر
۵۱	فتح الباری	ابن حجر اسقلانی	۸۰۲ھ	المکتبہ سلفیہ
۵۲	الشفاء	قاضی عیاض بن موسیٰ		الفارابی دمشق
۵۳	الترغیب والترہیب	محمد زکی الدین المنذری	۶۵۶ھ	دار الفکر مصر
۵۴	البیان والتعریف	ابراہیم ابن محمدؒ	۱۱۲۰ھ	دار الکتب بیروت
۵۵	المصنف عبد الرزاق بن ہمام	مصنف عبد الرزاق بن ہمام	۲۱۱ھ	المجلس علمی کراچی
۵۶	ابن ماجہ اور علم حدیث	مولانا عبد الرشید نعمانی		میر محمد کراچی
۵۷	زاد المعاد	الحافظ ابو عبد اللہ بن القیم	۷۵۱ھ	مصر
۵۸	مسند امام احمد	امام احمد بن حنبل	۲۴۱ھ	بیروت
۵۹	ریاض الصالحین	ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶ھ	میر محمد کراچی
۶۰	ترجمان السنۃ	محمد بدر عالم		ندوۃ المصنفین دہلی
۶۱	دلیل الفالحین	محمد بن علان الصدیقی	۱۰۵۷ھ	بیروت
		کتب الآثم		

نمبر شمار	اسمائے کتب	نام مصنف	سنہ وفات	مطبع
٦٢	الصحاح للجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری ؒ	۳۹۳ھ	بیروت
٦٣	لسان العرب	محمد بن مکرم ابن منظور ؒ	۷۱۱ھ	دار صادر بیروت
٦٤	تاج العروس	محمد مرتضیٰ زبیدی ؒ		بیروت
٦٥	معجم مقاییس اللغۃ	احمد بن فارس	۳۹۵ھ	طہران
٦٦	النہایہ	ابن الاثیر	۶۰۶ھ	ایران۔ طہران
٦٧	نزہتہ الاعین النواظر	عبدالرحمٰن ابن علی الجوزی	۵۹۷ھ	مکتبۂ وزارت المعارف ہند
٦٨	قاموس القرآن للدامغانی	حسین بن محمد الدامغانی		قم۔ ایران
٦٩	المعجم الوسیط	مجمع اللغۃ العربیہ		ایران
٧٠	معجم الفاظ القرآن الکریم	" " "		ایران
٧١	المنجد	الأب لویس معلوف		بیروت
٧٢	الفروق فی اللغۃ	ابو ھلال عسکری	۳۸۲ھ	مکتبۂ اسلامیہ کوئٹہ
٧٣	النوادر فی اللغۃ	سعید بن عوث ؒ	۲۱۵ھ	بیروت
٧٤	مجموعہ قواعد الفقہ	مفتی سید محمد عمیم الاحسان		میر محمد
٧٥	التعریفات	السید الشریف علی بن محمد	۸۱۶ھ	المکتبۃ الحمادیہ کراچی
٧٦	المعجم المفہرس لالفاظ القرآن	محمد فواد الباقی		بیروت
٧٧	لغات الحدیث	علامہ وحید الزمان ؒ		نور محمد
٧٨	غیاث اللغات			
٧٩	منتخب اللغات	عبدالرشید ٹھٹوی		
٨٠	مفردات القرآن	الحسین بن محمد الراغب	۵۰۲ھ	نور محمد
٨١	لغات القرآن	مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ		ندوۃ المصنفین
٨٢	[illegible]	[illegible]		ایران
[illegible]	[illegible]	[illegible]		دار العلوم کراچی

نمبر شمار	اسمائے کتب	نام مصنف	سنہ وفات	مطبع
۸۴	المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث	الدکتور۔ آ۔ ی۔ فنسنک		مکتبہ بریل
۸۵	مفتاح کنوز السنۃ	الدکتور آ۔ ی۔ فنسنک		سہیل اکیڈمی لاہور
۸۶	قاموس قرآن	علی اکبر قرشی		دارالکتب طہران
۸۷	شرح شافیہ ابن حاجب	محقق رضی	۶۸۶ھ	
۸۸	فقہ اللغہ	ابو منصور اسماعیل الثعالبی	۱۰۳۸	مصر
۸۹	السعایہ	مولانا عبدالحئی لکھنویؒ	۱۳۰۴ھ	سہیل اکیڈمی لاہور
۹۰	الکافیہ	ابن حاجبؒ	۶۴۶ھ	
۹۱	شرح الکافیہ	محقق رضی	۶۸۶ھ	ایران۔ طہران
۹۲	المقامات الحریریہ	ابو محمد قاسم بن علی	۵۱۶ھ	میرپور (سندھ)
۹۳	ایضاح المطالب	مولانا مشہیت اللہ		قرآن محل۔ کراچی
۹۴	مصباح النحو			مطبع سعیدی کراچی
۹۵	دیوان الحماسہ	ابو تمام حبیب بن عوس	۲۳۱ھ	کتبخانہ رحیمیہ دیوبند
۹۶	المتنبی	ابو طیب	۳۵۴ھ	〃 〃
۹۷	دروس البلاغہ	علمائے مصر		میر محمد کراچی
۹۸	سیرت ابن ہشام	ابو محمد عبدالملک بن ہشام	۲۱۸ھ	مصر
۹۹	سیرت النبیؐ	سید سلیمان ندویؒ	۱۳۷۳ھ	قرآن محل کراچی
۱۰۰	نیل الامانی شرح مختصر المعانی	شارح مولانا محمد حنیف گنگوہی		بحر العلوم کراچی
۱۰۱	تعلیم الاسلام	مفتی کفایت اللہؒ		
۱۰۲	جواہر البلاغہ	سید احمد ہاشمی مصری		مصر ۱۹۴۰ء طبع شدہ

تمت